کتاب الفقہ

عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ: منظور احسن عباسی

علماء اکیڈمی

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب

کِتَابُ الفقه

علی المذاهب الاربعه

جزء پنجم

شرعی حدود

تالیف: عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ: منور احسن عباسی

علماء اکیڈمی

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب

۲۰۱۳ء

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

ISBN NO. 978-969-28-0300-7

ناشر	:	محمد حسن رضوی
		ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور و اوقاف، پنجاب، لاہور
نگران طباعت	:	عبدالحمید چودھری
		ڈپٹی ڈائریکٹر۔ علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب، لاہور
اشاعت ہشتم	:	دسمبر 2012ء (طباعت جدید)
تعداد	:	ایک ہزار
طابع	:	آغا امیر حسین
		کلاسیک۔ 42 شاہراہ قائداعظم، لاہور
ملنے کا پتہ	:	(i) شعبہ مطبوعات علماء اکیڈمی اوقاف، بادشاہی مسجد لاہور
		فون: 042-37657115
		(ii) سیل پوائنٹ۔ مطبوعات اوقاف دربار حضرت داتا گنج بخش، لاہور
		فون: 042-37113464

Marfat.com

مقدمہ طبع جدید ہشتم

محمد حسن رضوی

ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور

و اوقاف پنجاب

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

دین اسلام کے احکام کو سمجھنے کے لیے قرآن وسنت کے بعد فقہ کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ فقہ دراصل ان مضبوط دلائل کا نام ہے جن کی روشنی میں قرآن وسنت کے مطابق انسانی زندگی میں درپیش مسائل کے حل اور احکام دین کو سمجھنے کا کام کیا جاتا ہے اور ان انسانی زندگی کے مسائل کا حل فقہ کے دلائل کے ذریعے قرآن وسنت کی روشنی میں اخذ کیا جاسکتا ہے۔ فقہ ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے شعبہ ہائے جات میں روزمرہ پیش آمدہ مسائل واعمال بیان کیے جاتے ہیں۔ ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور مسلمانوں کے دیگر روزمرہ کے معاملات جیسا کہ نکاح وطلاق، خرید وفروخت، حلال وحرام، مزارعت ومساقات اور مضاربت، کرایہ داری وعاریت، ہدیہ ومیراث، شرکت وبٹائی، چوری، ڈکیتی، شراب خوری وحرام کاری، حدود وتعزیرات وغیرہ تمام عبادات وانسانی معاملات کی شرعی تفصیلات اس علم کے تحت آتی ہیں۔ اسلام ایک مکمل دستور حیات اور جامع نظام حیات ہے اس لئے اس کے زیر اثر فقہ کے علم کو بھی نہایت وسعت وعظمت حاصل ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی عملی پہلو اس علم کے احاطے سے باہر نہیں رہ سکتا۔

Marfat.com

بلاشبہ شعبہ ہائے زندگی میں اختلاف انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ اس لئے ان فقہی مسائل کے بارے میں حضور ﷺ کے بعد بعض علمی اختلافات سامنے آئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علمی اختلافات کے بعض اسباب جو کہ دور تک اثر انداز ہوئے ان کا ذکر زندگی گزارنے کے لیے اس دور میں اشد ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرمانِ ذی شان کا ہر صحابی کے علم میں نہ ہونا۔ مختلف اوقات میں حضور ﷺ کے اقوال واعمال کا مختلف ہونا، حضور ﷺ کے فرمان، اقوال واعمال کی پیروی سنت ہے یا واجب یا کیا ہے؟، اس میں اختلاف، حضور ﷺ کے قول وفعل کو پورے طریقے سے نہ سمجھ سکنا، تحصیل علم کی صلاحیت کا مختلف ہونا، پھر مسائل کے اخذ کرنے کے طریق کار کا مختلف ہونا، کسی نے صرف نقل کو ضروری سمجھا اور کسی نے عقل کی رو سے مسئلہ کے حل کو جائز مانا، کسی حکم کی علت کو سمجھنے میں اختلاف، سہو ونسیان اور حفظ ویادداشت کا اختلاف۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اس قسم کے اسباب کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ایسے اسباب رونما ہوئے جن کی بناء پر فقہی مسائل میں علمی اختلاف بڑھتا گیا جن میں ہر قول کسی نہ کسی دلیل پر مبنی ہے اور شرعی اصول وحدود کے مطابق ہے، اسی لئے اس اختلاف کو کبھی بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا بلکہ بنظر تحسین دیکھا گیا کہ بسا اوقات اسی علمی اختلاف اقوال کی بدولت انسان کسی بڑی مشکل اور الجھن سے نجات پالیتا ہے۔

فقہی مسائل میں امت مسلمہ کے درمیان اختلاف کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں فقہی مذاہب بھی کثیر مقدار میں پیدا ہوگئے، اگرچہ تمام کے تمام زیادہ مدت باقی نہ رہ سکے۔ البتہ ایسے مذاہب جو باقی رہے، خوب پھلے پھولے اور پھیلے، وہ پورے طور پر جمع بھی کئے گئے اور مشہور بھی ہوئے، حسب ذیل ہیں: حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، ظاہری، اثنا عشری۔ ظاہریہ مذہب کے علاوہ اہل السنۃ والجماعۃ کے باقی چاروں مذہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی قرآن وحدیث واجماع کے ساتھ ساتھ قیاس سے بھی استدلال پر متفق ہیں اگرچہ بے شمار مسائل کے حق میں طریق استدلال اور نتائج میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لیے امت کا بڑا حصہ ہر عہد میں انہیں چاروں مذاہب کا پابند رہا ہے۔

Marfat.com

پیشِ نظر "کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه" مصر کے مشہور جلیل القدر عالم وفقیہ شیخ عبدالرحمٰن الجزیری کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ جسے ممالک اسلامیہ کے علمی وفقہی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ مصنف موصوف نے اپنی اِس ضخیم کتاب میں جملہ مسائل فقہ از قسم عبادات، معاملات، شخصی قوانین اور حدود وتعزیرات مذکورہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں بڑی شرح وبسط سے بیان کیے ہیں۔ علامہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں جس نہج کو اختیار کیا ہے اس کی اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ ہر مسئلہ کو ایک خاص عنوان کے تحت درج کیا ہے تاکہ قاری مطلوبہ مسئلہ کو فہرست مضامین کی مدد سے باآسانی معلوم کرلے۔

2۔ متن میں وہ مسائل دیئے گئے ہیں جن پر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے یا پھر کم از کم دو مذاہب کا اتفاق ہے۔ بقیہ مذاہب کی تفصیل حاشیہ میں دے دی گئی ہے۔

3۔ جن مسائل میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کا مسلک الگ الگ ہے۔ ان کا ذکر حاشیہ میں کردیا گیا ہے۔

4۔ ہر مسئلہ میں آئمہ اربعہ کے دلائل کو قرآن وسنت کی رو سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا نقطۂ نظر واضح ہوجائے۔

5۔ جملہ مسائل کی وضاحت اور صراحت میں بھرپور کوشش کی گئی ہے، تاکہ جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ باآسانی اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کرسکے۔

6۔ جن مسائل کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی نص نہیں بلکہ ان کے متعلق تمام مسالک کی بنیاد اجتہاد پر ہے ان کا ذکر بھی حاشیہ میں کردیا گیا ہے۔ البتہ ایسے مسائل جن میں آئمہ اربعہ کا اجماع، یا کم از کم دو آئمہ کا اتفاق ہو تو ان کا ذکر متن ہی میں کیا گیا ہے۔

7۔ پوری کتاب میں ممکن حد تک احکام شریعہ کی حکمت ومصلحت کو بیان کیا گیا ہے۔

8۔ اس پوری کتاب میں جہاں تک ہوسکا ہر جگہ احکام شریعہ کی حکمت کو بیان کردیا گیا ہے۔

الغرض اس کتاب کے قارئین جہاں اپنا مسلک اور اُس کا ماخذ معلوم کریں گے وہاں انہیں

Marfat.com

دوسرے مسالک اور اُن کے مآخذ و دلائل کا بھی علم ہوگا۔

اس کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا منظور احسن عباسی نے پوری دیانت، محنت اور مہارت سے کیا ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ عبارت عام فہم ہو۔ جہاں کہیں اصل متن میں اس قدر ایجاز تھا کہ اُس کا محض ترجمہ کر دینے سے زیر بحث مسئلہ کی وضاحت نہ ہوسکی وہاں توضیح مقصد کی خاطر بعض عبارات کا اضافہ خطوط وحدانی کر دیا گیا ہے۔

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ: اپنی پانچوں جلدوں کے ساتھ اسلامی احکام و مسائل کی ایسی جامع اور مستند کتاب ہے جس کا ہر گھر، دفتر، لائبریری اور علماء، فقہا، مفتیان، قانون کے طلباء اور وکلاء کے پاس ہونا انتہائی ضروری ہے تا کہ روزمرہ پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں اس فقہی انسائیکلوپیڈیا سے رجوع کیا جاسکے۔ علمی، دینی اور قانونی حلقوں میں یہ عظیم کام بے حد پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

اہل علم اور دانش اور دینی و تدریسی حلقوں کے مسلسل تقاضوں کی بناء پر اس کتاب کے کئی ایڈیشن طبع کیے جا چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب 1999 میں کمپیوٹر کمپوزنگ کی شکل میں عوام الناس کے سامنے آئی جس کا سراہا جانا ایک فطری امر تھا۔ سال 2006ء میں نئے ایڈیشن کی طباعت کے مرحلے پر پروف ریڈنگ اور رموز و اوقاف کی درستگی کو یقینی بنایا گیا۔

زیر نظر آٹھویں ایڈیشن کی اشاعت پر ہم، طارق محمود پاشا، سیکرٹری/ چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف و مذہبی امور، پنجاب کے تہہ دل سے ممنون اور شکر گزار ہیں جن کی بدولت ہم اس ضخیم اور عظیم کتاب کی پانچ جلدوں کو شائع کر کے قارئین کرام کی ضرورت کو پورا کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔

زیر نظر ایڈیشن کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ سے مزین کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت سرورق، عمدہ کاغذ اور بہترین جلد بندی کے ساتھ پیش خدمت ہے جو یقیناً قارئین و محققین اور ریسرچ سکالرز کے لئے انتہائی مفید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قارئین کرام کو اس سے بھرپور استفادہ کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے! آمین۔

ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق جنوری 2013ء

Marfat.com

دیباچہ کتاب

(از مترجم)

الحمدلله رب العلمين، والصلوٰة والسلام على محمد خاتم النبيين ورحمة للعالمين. اما بعد واضح ہو کہ زیر نظر کتاب علامہ عبدالرحمٰن الجزیری المغفور المتوفی ۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۹۴۱ء کی تالیف انیف، الفقہ على المذاهب الاربعة کی پانچویں جلد کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کی پہلی جلد کا ترجمہ پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ دوسری بار ۱۹۷۷ء میں طبع ہوا۔ اس دوران اس کی دوسری، تیسری اور چوتھی جلدیں بھی ترجمہ ہو کر اشاعت پذیر ہوئیں اور ملک و بیرون ملک بالخصوص دیار عرب میں بہت مقبول ہوئیں۔ یہ امر نیاز مند مترجم کے عجمی اور کم سواد ہونے کے پیش نظر صد گونہ اطمینان و مسرت کا باعث اور شکر الٰہی کا موجب ہوا بالخصوص اس لیے کہ اس اہم اور پرمشقت کام کا ایک تراسی سال کے ضعیف انسان سے انجام پانا توفیق الٰہی کے بغیر سخت دشوار تھا۔

پہلی جلد کے دیباچہ میں نیاز مند مترجم نے اس اندیشہ کا اظہار کیا تھا کہ مسائل فقہ کے اس دائرۃ المعارف کا حصہ حدود و تعزیرات معرض تحریر میں نہیں آیا۔ لیکن اس کتاب کے مقدمہ ناشر سے یہ انکشاف ہوا کہ کتاب الفقہ کا حصہ پنجم اگرچہ ہمہ جہتی حیثیت سے علامہ مؤلف کی زندگی میں مکمل نہیں ہوا تھا لیکن مطالب کتاب کا تقریباً مکمل مواد ان کے پسماندگان سے دستیاب ہو گیا جسے کلیہ ازہر (مصر) کے ایک عالم متبحر عالم، الشیخ علی حسن العریض نے باضافہ حواشی و تشریحات واجبہ مرتب فرمایا اور مکتبہ تجارت کبرے (قاہرہ) نے طبع فرمایا اور ادارہ دار الفکر (بیروت) نے شائع کیا۔

ہر چند کہ اس حصہ پنجم کی ترتیب و تحشیہ کے باب میں فاضل مرتب نے وہی نہج اختیار فرمانے کی کوشش کی ہے جو سابقہ حصوں میں علامہ الجزیری مرحوم کے پیش نظر تھا، تاہم دونوں اصحاب کے نہج ترتیب و

Marfat.com

تشریح میں مکمل ہم آہنگی کا تصور مشکل ہے۔ علامہ الجزیری کے پیش نظر زیادہ تر احکام شریعہ و مسائل فقہ کی توضیح و تشریح تھی لیکن علامہ عریض نے اس کے ساتھ احکام شریعت کی افادی حیثیت کو نمایاں کرنے کی طرف زیادہ توجہ مبذول فرمائی ہے۔ جس کی وجہ سے تفصیل مطالب میں ادبی عنصر بھی شامل ہو گیا ہے۔ جس کے باعث اس حصہ کی عبارت سابقہ حصص کی عبارت سے کسی قدر مشکل ہو گئی ہے چنانچہ بعض جگہ اطناب مفید ہونے کے باوجود تفہیم مسائل کے لیے غیر ضروری معلوم ہوا اور کہیں کہیں اختصار کے باعث فہم مطالب میں دشواری بھی پیش آئی۔ متن و حاشیہ ذیلی میں وجہ امتیاز واضح نہیں ہے۔ مجموعی طور پر حواشی کا حجم متن کتاب کے حجم سے دگنا ہے۔ بالخصوص ثلث آخر میں بعض حواشی کی عبارت متن سے گڈمڈ ہو گئی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک اس حاشیہ کو شامل متن کرنا، ناگزیر معلوم ہوا۔

اس حصہ میں طباعت کی غلطیاں سابقہ حصص کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ تاہم بہتر ہوتا کہ اس پوری کتاب کا استدراک شائع کیا جائے اور متن و حواشی کی ترتیب از سر نو کی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسائل فقہ کے باب میں اس کتاب کو 'دائرۃ المعارف' کی حیثیت حاصل ہے۔ تاہم ہنوز بعض فقہی مسائل کے اضافے کی گنجائش ہے مثلاً حقوق و فرائض (مسائل وراثت) اور دوسرے مسائل متعلقہ سیاسیات و خراجات و دیگر تمدنی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقیات وغیرہ جن کا ذکر کتاب و سنت و اسلامی ذخیرہ علوم میں اجمالاً و تفصیلاً منتشراً موجود ہے امید ہے کہ

ع ''مردے از غیب بروں آید و کارے بکند''

بالآخر نیاز مند مترجم قارئین کتاب سے ملتجی ہے کہ اس ترجمہ میں، جہاں کہیں سہو، فروگزاشت یا خطا ملاحظہ فرمائیں اس کی اصلاح بطور خود کر لیں اور نیاز مند کے حق میں کوتاہیوں کی معافی اور مغفرت و نجات آخرت کے لیے دعا فرمائیں۔

نیاز مند مترجم

منظور احسن عباسی

۱۱۲۔ ڈی۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار — عنوانات — صفحہ

۱۔ حدود (تعزیرات اسلامی) کا بیان

"کلمات ابتدائیہ" ۱

۲۔ حدیث کے معنے ۴

۳۔ حدود شرعیہ اور ایسی ہی دوسری سزاؤں کا بیان ۹

۴۔ عقوبات شرعیہ کا بیان ۹

۵۔ سزا کی پہلی قسم ۹

۶۔ سزا کی دوسری قسم ۱۰

۷۔ سزا کی تیسری قسم ۱۱

پہلا باب۔ سزا کی پہلی قسم شراب نوشی کی حد (شرعی سزا) ۱۲

۹۔ اشربات (مشروبات) کا بیان ۱۳

۱۰۔ شراب کی حد (شرعی سزا) ۱۷

۱۱۔ نبیذ (شیرے) کے متعلق شرعی حکم ۱۸

۱۲۔ وہ شیرہ جس میں شدت (تندی) نہ آئی ہو ۲۶

۱۳۔ پکائے ہوئے عصیرہ (افشردہ یا شیرہ) کا بیان ۲۷

۱۴۔ شراب سے سرکہ بنا لینے کا بیان ۲۹

۱۵۔ شراب کی تلچھٹ کا بیان ۳۰

۱۶۔ شراب کی خرید و فروخت کا بیان ۳۰

۱۷۔ شراب کے متعلق احکامات ۳۱

۱۸۔ شراب کی بو محسوس کرنے کا بیان ۳۱

۱۹۔ شراب پینے کا اعتراف کرنے کا بیان ۳۲

۲۰۔ مخمور انسان پر کس حالت میں حد لگائی جائے ۳۳

۲۱۔ نشہ باز کے اقرار جرم کا بیان ۳۳

۲۲۔ بار بار ارتکاب "شراب نوشی" کا بیان ۳۴

۲۳۔ حد جاری کرنے کا بیان ۳۵

۲۴۔ شراب پینے والے کو ضرب "حد" لگانے کی کیفیت ۳۵

۲۵۔ ناگزیر حالات میں شراب استعمال کرنے کا بیان ۳۸

۲۶۔ شرابی پر لعنت بھیجنا فعل مکروہ ہے ۳۹

۲۷۔ شراب لعنت ہے ۴۱

۲۸۔ بیر (Beer) بھنگ اور خواب آور اشیاء کے استعمال کا بیان ۴۱

۲۹۔ منشیات کی تجارت کا بیان ۴۶

۳۰۔ بھنگ کی کاشت کرنے کا بیان ۴۶

۳۱۔ منشیات کی تجارت سے حاصل شدہ نفع کا بیان ۴۷

۳۲۔ بیر کے استعمال کی خرابیاں ۴۹

۳۳۔ حرمت شراب کی آیات قرآنی ۵۲

۳۴۔ جنگ کی حالت میں حد (شرعی سزا) کے نافذ کرنے کا بیان ۵۳

دوسرا باب۔ ان حدوں کے بیان میں جن کے نفاذ پر سب کا اتفاق ہے "حد زنا اور اس کے معنے" ۵۵

۳۶۔ ان حدود کو شرعی حکم قرار دیے جانے کی حکمت ۵۶

۳۷۔ زنا (بدکاری) کی حد ۵۶

۳۸۔ زنا کے نقصانات ۵۹

۳۹۔ عورت کا ستر ۶۱

۴۰۔ عورت کی آواز کا بیان ۶۳

۴۰۔ گانے کا بیان ۶۳

۴۱۔ بدکاری شرافت نسبی کو بیکار بنا دیتی ہے ۶۴

۴۲۔ 'محصن' کی تعریف (یعنی شادی شدہ ہونے کا مطلب) ۶۶

۴۳۔ محصن (شادی شدہ) زانی کی سزا کا بیان ۶۸

۴۴۔ محصن (شادی شدہ) پر نفاذ حد کا بیان ۶۸

۴۵۔ سنگسار کرنے کا طریقہ ۶۹

۴۶۔ ذی عقل شخص کا جنون زدہ کے ساتھ ملوث ہونے کا بیان ۷۰

۴۷۔ غیر شادی شدہ (مرتکب زنا) کی شرعی سزا کا بیان ۷۰

۴۸۔ غیر شادہ شدہ (مرتکب زنا) کو کوڑوں کی سزا ۷۰

۴۹۔ سزائے درہ زنی کی کیفیت ۷۱

۵۰۔ مریض کو درّے لگانے کا بیان ۷۲

Marfat.com

۵۱۔ حالت نفاس اور حمل میں نفاذ حد کا بیان ۷۲
۵۲۔ درّہ زنی اور سنگساری دونوں سزاؤں کا اکٹھا نافذ کرنا ۷۳
۵۳۔ درّہ زنی کے ساتھ جلاوطنی کی سزا کا بیان ۷۴
۵۴۔ بیوی کی آبروریزی کرنے والے کو قتل کر دینے کا بیان ۷۵
۵۵۔ جرم زنا کے متعلق مروجہ قوانین ۷۷
۵۶۔ مروجہ قانون اور اسلامی قانون کا موازنہ ۷۷
۵۷۔ مال اور آبرو ۷۸
۵۸۔ عورت کو اس کی اصلاح کے لیے مارنے کا بیان ۷۹
۵۹۔ حدّ کے بارے میں معتزلیوں اور خارجیوں کی رائے ۸۰
۶۰۔ ثبوت زنا کے لیے گواہی کا بیان ۸۲
۶۱۔ گواہوں کا ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں گزرنے کا بیان ۸۲
۶۲۔ وقوعہ جرم کی جگہ کے بارے میں گواہوں کے بیان میں اختلاف ۸۳
۶۳۔ وقوعہ جرم کے علاقہ کے بارے میں گواہوں کا اختلاف ۸۳
۶۴۔ گناہ کی مجرم کے باکرہ ثابت ہونے کا بیان ۸۴
۶۵۔ گواہی میں تاخیر ہونے کا بیان ۸۴
۶۶۔ جبری ارتکاب کے بارے میں گواہوں کے بیان میں اختلاف ۸۴
۶۷۔ خاوند کا بیوی کے خلاف گواہی دینے کا بیان ۸۵
۶۸۔ گواہ پر جرح کا بیان ۸۵
۶۹۔ نابینا کی گواہی کا بیان ۸۶
۷۰۔ مجرم کا شادی شدہ ہونے سے انکار کرنا ۸۶
۷۱۔ گواہ بننے کی اہلیت سے خارج ہوجانے کا بیان ۸۶
۷۲۔ سنگساری میں پہلے گواہوں کا پتھر مارنا ۸۶
۷۳۔ گواہوں کے اپنے بیان سے پھر جانے کا بیان ۸۷
۷۴۔ شاہدوں کا ناقابل اعتماد ثابت ہونا ۸۸
۷۵۔ بدورانِ سزا مجرم کی موت واقع ہوجانے کا بیان ۸۸
۷۶۔ نفاذ حد کے فیصلہ میں حاکم سے غلطی ہونے کا بیان ۸۹
۷۷۔ گواہوں کا اپنے بیان سے پھر جانا ۹۰
۷۸۔ جاننا چاہیے کہ ۹۰
۷۹۔ شہادت گزر جانے کی گواہی کا بیان ۹۰
۸۰۔ گواہوں میں سے کسی ایک گواہ کے منحرف ہوجانے کا بیان ۹۱
۸۱۔ پانچ گواہوں کی شہادت کا بیان ۹۲
۸۲۔ پانچ میں سے دو گواہوں کا اپنے بیان سے پھر جانا ۹۲
۸۳۔ صالحیت گواہاں کی تصدیق کرنے والوں کا انحراف ۹۲
۸۴۔ سزائے سنگساری کا حکم ہوجانے کے بعد مجرم کے قتل کیے جان کا بیان ۹۳
۸۵۔ زنا کے گواہوں کا شرمگاہوں کو دیکھنا ۹۴
۸۶۔ گواہوں کی تعداد کا چار سے کم ہونا [illegible]
۸۷۔ ارتکاب زنا کا اقبال کر لینے کا بیان ۹۵
۸۸۔ چار بار اقبال جرم کرنے کا بیان ۹۶
۸۹۔ کئی مجلسوں میں اقبال جرم کرنے کا بیان ۹۷
۹۰۔ اقبال مجرم سے جرح (چھان بین) کرنے کا بیان ۹۹
۹۱۔ غیر معلومہ عورت سے ملوث ہونے کا بیان ۹۹
۹۲۔ عورت کا اقبال جرم کرنا ۱۰۰
۹۳۔ گونگے مرد یا گونگی عورت کے ساتھ ملوث ہونے کا بیان ۱۰۰
۹۴۔ گونگے کے اقرار جرم کا بیان ۱۰۱
۹۵۔ اقبال جرم کے بعد پھر جانے کا بیان ۱۰۱
۹۶۔ ارتکاب زنا میں شبہات پیدا کرنے کا بیان ۱۰۲
۹۷۔ اجنبی عورت کو بیوی تصور کر لینا ۱۰۹
۹۸۔ غلط فہمی کی ایک اور صورت ۱۰۹
۹۹۔ غیر عورت سے زفاف ہوجانے کا بیان ۱۱۰
۱۰۰۔ بے شوہر عورت کے حمل ہوجانے کا بیان ۱۱۰
۱۰۱۔ شادی شدہ مرد کا غیر شادی شدہ عورت سے ملوث ہونے کا بیان ۱۱۱
۱۰۲۔ سلطان یا (صاحب اقتدار) کا کسی کو زنا پر مجبور کرنا ۱۱۱
۱۰۳۔ زنا بالجبر کا بیان ۱۱۲
۱۰۴۔ بدکاری کے معاوضہ کا بیان ۱۱۲
۱۰۵۔ کنوارپنے اور شادی شدہ ہونے کی حالت میں ارتکاب گناہ کرنا ۱۱۳
۱۰۶۔ عدت کے دوران عقد کر لینے کا بیان ۱۱۳
۱۰۷۔ چار بیویوں کے ہوتے پانچویں سے عقد کرنے کا بیان ۱۱۳

Marfat.com

۱۰۸۔ محارم (جن سے نکاح حرام ہے) سے نکاح کر لینے کا بیان ۱۱۴
۱۰۹۔ محارم سے بدکاری کرنے کا بیان ۱۱۵
۱۱۰۔ آقا (مالک یمین) کا اپنی شادی شدہ لونڈی سے مباشرت کرنا ۱۱۶
۱۱۱۔ مرتکب زنا کا عورت کے حال سے ناواقف ہونے کا بیان ۱۱۶
۱۱۲۔ بیوی کی مملوکہ لونڈی سے بدکاری کا بیان ۱۱۷
۱۱۳۔ غیر مسلم حربی کی بدکاری کا بیان ۱۱۷
۱۱۴۔ مجاہد کا مرتکب زنا ہوجانا ۱۱۸
۱۱۵۔ مشرکین اہل کتاب کا مرتکب زنا ہونا ۱۱۸
۱۱۶۔ حرمت زنا سے لاعلمی کا اظہار کرنا ۱۱۸
۱۱۷۔ حرکت غیر فطری کے مرتکب ہونے کا بیان ۱۱۹
۱۱۸۔ میاں بیوی میں جھگڑا کرا دینے کا بیان ۱۱۹
۱۱۹۔ ثبوت جرم کے بارے میں شریعت کی سختی کا بیان ۱۲۰
۱۲۰۔ لعان (بریت کی قسم کھانے) کا بیان ۱۲۱
۱۲۱۔ ملت اسلام میں سب سے پہلا لعان ۱۲۳
۱۲۲۔ لعان کی تعریف ۱۲۴
۱۲۳۔ لعان سے انکار کرنے کا بیان ۱۲۷
۱۲۴۔ صلاحیت لعان کا بیان ۱۲۸
۱۲۵۔ لعان سے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کا بیان ۱۳۰
۱۲۶۔ لعان کے بعد پھر میاں بیوی کا باہم ملنا ۱۳۲
۱۲۷۔ الفاظ لعان کا بیان ۱۳۳
۱۲۸۔ حمل کے بارے میں لعان کرنے کا بیان ۱۳۴
۱۲۹۔ گونگے کے بارے میں حکم شرعی ۱۳۴
۱۳۰۔ لعان کرنے والوں کی اولاد کا بیان ۱۳۵
۱۳۱۔ لعان کے بعد مہر کے مطالبہ کا بیان ۱۳۵
۱۳۲۔ اولاد کے رنگ کا باپ کے رنگ سے نہ ملنا ۱۳۶
۱۳۳۔ تہمت لگانے کے بعد طلاق دے دینے کے متعلق مسائل ۱۳۷
۱۳۴۔ ولادت کے بعد بچے (کا باپ ہونے) سے انکار ۱۳۸
۱۳۵۔ بیوی کو کسی خاص شخص کے ساتھ بدنام کرنے کا بیان ۱۳۹
۱۳۶۔ بن دیکھے الزام پر لعان کرنے کا مسئلہ ۱۴۰
۱۳۷۔ بدورانِ عدت بدکاری کا ارتکاب ۱۴۰
۱۳۸۔ عقد کے بعد ہی طلاق یافتہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے کا بیان ۱۴۰
۱۳۹۔ نکاح کے بعد خاوند کے مفقود الخبر ہوجانے کا بیان ۱۴۱
۱۴۰۔ خارجیوں کی رائے ۱۴۲
۱۴۱۔ معتزلیوں کی رائے ۱۴۳
۱۴۲۔ انسانی خصائل ذمیمہ کو ختم کرنے میں شریعت اسلامیہ کا کردار ۱۴۳
۱۴۳۔ غلام پر حد کا نفاذ ۱۴۵
۱۴۴۔ کیا آقا کو اپنے مملوک (لونڈی، غلام) پر حد نافذ کرنے کا حق ہے؟ ۱۴۷
۱۴۵۔ ذمی پر نفاذ حد کا بیان ۱۴۸
۱۴۶۔ یہودی پر نفاذ حد کا بیان ۱۴۸
۱۴۷۔ مسلمانوں کا اپنے ناموس کی پاسداری کرنے کا بیان ۱۵۱
۱۴۸۔ ضروری تصریحات ۱۵۳
۱۴۹۔ مرتکب زنا کا پردہ ڈھکنے کا بیان ۱۵۴
۱۵۰۔ مسلمان کا اپنے گناہ کو چھپانا ۱۵۶
۱۵۱۔ نفاذ حدود (یعنی شرعی سزاؤں کا نافذ کرنا) گناہ کا کفارہ ہے ۱۵۷
۱۵۲۔ حرمت مصاہرہ کا بیان ۱۵۹
۱۵۳۔ ناجائز لڑکی کے متعلقہ احکام ۱۶۱
۱۵۴۔ بدکاری کی خرابیوں کا بیان ۱۶۱
۱۵۵۔ مخنث کا بیان ۱۶۲
۱۵۶۔ زناکار عورت کیساتھ نکاح کا بیان ۱۶۳
۱۵۷۔ بیوی یا خاوند کے ارتکاب بدکاری کا بیان ۱۶۵
۱۵۸۔ نکاح متعہ کا بیان ۱۶۵
۱۵۹۔ لواطت (یعنی مرد کے ساتھ بدفعلی) کی سزا کا بیان ۱۶۷
۱۶۰۔ سزائے لواطت کے متعلق صحابہؓ کی رائیں ۱۷۰
۱۶۱۔ لواطت مستوجب لعنت الٰہی ہے ۱۷۴
۱۶۲۔ لواطت سے حرمت مصاہرہ عائد ہونے کا بیان ۱۷۵
۱۶۳۔ بیویوں کے ساتھ غیر فطری مباشرت کرنے کا بیان ۱۷۶
۱۶۴۔ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے کا بیان ۱۸۱

Marfat.com

۱۶۵۔ جس جانور سے بدفعلی کی جائے اس کی بابت حکم ۱۸۲
۱۶۶۔ ایسے جانور کے ذبیحہ کا بیان جس سے بدفعلی کی گئی ہو ۱۸۳
۱۶۷۔ ہاتھ کی رگڑ سے اخراج مادۂ تولید یا جلق لگانے کا بیان ۱۸۳
۱۶۸۔ حد سرقہ کا بیان ۱۸۵
۱۶۹۔ چوری کیا ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ ۱۸۹
۱۷۰۔ مال مسروقہ کا نصاب (یعنی کم سے کم مقدار) ۱۹۰
۱۷۱۔ کتنا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ ۱۹۲
۱۷۲۔ معاملات (یا عمرانی قوانین) اسلامی کا بیان ۱۹۷
۱۷۳۔ چوری ثابت ہونے کا بیان ۱۹۷
۱۷۴۔ دوسرے جرائم کے مقابلہ میں چوری کی شدت کا بیان ۱۹۸
۱۷۵۔ گواہی گزارنے کا بیان ۱۹۹
۱۷۶۔ گواہوں کی غلط بیانی کا بیان ۲۰۱
۱۷۷۔ حداد (سزا دینے والے جلاد) کی غلطی کا بیان ۲۰۲
۱۷۸۔ مال مسروقہ کی چوری ہو جانے کا بیان ۲۰۳
۱۷۹۔ حرز (حفاظت) سے کیا مراد ہے؟ ۲۰۴
۱۸۰۔ ہوسٹلوں اور ہوٹلوں میں چوری کرنے کا بیان ۲۰۶
۱۸۱۔ دکان کی چوری کا بیان ۲۰۷
۱۸۲۔ جلد خراب ہو جانے والی اشیاء کا بیان ۲۰۸
۱۸۳۔ درخت میں لگی ہوئی کھجوروں کی چوری کا بیان ۲۱۱
۱۸۴۔ حرام مشروبات کی چوری کا بیان ۲۱۱
۱۸۵۔ قرآن مجید اور علمی کتابوں کی چوری کا بیان ۲۱۲
۱۸۶۔ کفن چور کا بیان ۲۱۳
۱۸۷۔ مسلمان کا مستأمن (غیر مسلم پناہ گیر) کے ہاں چوری کرنا ۲۱۶
۱۸۸۔ مستأمن یا معاہد کے چوری کرنے کا بیان ۲۱۶
۱۸۹۔ ذمی کا مال چوری ہونے کا بیان ۲۱۷
۱۹۰۔ آلات لہو ولعب کی چوری کا بیان ۲۱۷
۱۹۱۔ سرقہ کے علاوہ (اسی طرح کے) دوسرے جرائم کا بیان ۲۱۸
۱۹۲۔ احکام متعلقہ مال کی خلاف ورزی کا بیان ۲۱۹
۱۹۳۔ مختلس (دھوکے سے مال ہتھیا لینے والے) کا بیان ۲۱۹
۱۹۴۔ امانت دار کا مال امانت سے انکاری ہو جانے کا بیان ۲۲۰
۱۹۵۔ غداری کرنے یا لوٹنے والے اور امانت میں خیانت کرنے والے کا بیان ۲۲۲
۱۹۶۔ مال مسروقہ کے تبدیل ہو جانے کا بیان ۲۲۲
۱۹۷۔ ایسی اشیاء جن کو مال تصور نہیں کیا جاتا ۲۲۲
۱۹۸۔ مال مسروقہ پر سارق کے دعوئ ملکیت کا بیان ۲۲۳
۱۹۹۔ مال غنیمت یا بیت المال سے چوری کرنے کا بیان ۲۲۴
۲۰۰۔ خیمے کی چوری کا بیان ۲۲۵
۲۰۱۔ کعبہ مکرمہ سے چوری کرنے کا بیان ۲۲۵
۲۰۲۔ مسجد میں چوری کرنے کا بیان ۲۲۶
۲۰۳۔ جیب کترے یا کیسہ بر کا بیان ۲۲۶
۲۰۴۔ قطار میں سے جانور کی چوری کا بیان ۲۲۷
۲۰۵۔ قرابت داروں کی چوری کا بیان ۲۲۸
۲۰۶۔ شوہر یا بیوی کے مال کی چوری کا بیان ۲۳۰
۲۰۷۔ سزائے قطع کا دعوی کرنے کا بیان ۲۳۲
۲۰۸۔ جرم سرقہ میں شریک ہونے کا بیان ۲۳۲
۲۰۹۔ چوروں کے ایک گروہ کا گھر میں داخل ہونا ۲۳۳
۲۱۰۔ دروازہ توڑنے یا نقب زنی کا بیان ۲۳۴
۲۱۱۔ کم عمر آزاد (غیر مملوک) لڑکوں کو چرانے کا بیان ۲۳۷
۲۱۲۔ مہمان کے چوری کرنے کا بیان ۲۳۹
۲۱۳۔ تاجروں کی دکان، عمومی عمارات اور مشترکہ مقامات سے چوری کرنے کا بیان ۲۴۰
۲۱۴۔ کشتی میں سے چوری کرنے کا بیان ۲۴۱
۲۱۵۔ مقروض کے مال کی چوری کرنے کا بیان ۲۴۱
۲۱۶۔ واپس کیے ہوئے مال مسروقہ کو چرانے کا بیان ۲۴۲
۲۱۷۔ سزا کے ساتھ ادائیگی قرض کا بیان ۲۴۳
۲۱۸۔ گھر کے اندر (اجنبی شخص کے) داخل ہونے کا بیان ۲۴۵
۲۱۹۔ سزائے قطع پر عمل درآمد ہونے سے پہلے سارق کا مال مسروقہ پر ملکیت حاصل ہو جانے کا بیان ۲۴۵
۲۲۰۔ سزا ملنے سے پہلے مال مسروقہ کی مالیت کم ہو جانے کا بیان ۲۴۶
۲۲۱۔ دین سے بیگانہ اشخاص کے اعتراضوں کا بیان ۲۴۷
۲۲۲۔ سارق کی توبہ کا بیان ۲۴۹
۲۲۳۔ قذف کی حد (یعنی سزائے شرعی) کی تعریف ۲۵۳

Marfat.com

۲۲۴۔ سزائے قذف کے قانونِ شرعی ہونے کی مصلحت ۲۵۳
۲۲۵۔ قذف (الزام) کے مباح ہونے کی صورت ۲۵۶
۲۲۶۔ اسلامی احکام سرقہ کے بارے میں بعض بے دینوں کے اعتراض کا بیان ۲۵۷
۲۲۷۔ دوسرے محرکات جرائم کے سدِ باب کا بیان ۲۵۷
۲۲۸۔ بداعمالیوں کے حق میں بھی شریعت اسلامیہ باعث رحمت ہے۔ ۲۵۸
۲۲۹۔ جرم سرقہ کے مستوجب قطع ہونے کے لیے مقدار مال متعین کرنے کی حکمت ۲۵۸
۲۳۰۔ قذف (بہتان) کی سزا کا بیان ۲۶۰
۲۳۱۔ قذف کی شرعی تعریف ۲۶۰
۲۳۲۔ الفاظ تہمت کا بیان ۲۶۴
۲۳۳۔ بہتان لگانے والے کی گواہی کے ناقابل تسلیم ہونے کا بیان ۲۶۵
۲۳۴۔ مقذوف کی ماں کا غیر مسلم یا لونڈی ہونا ۲۶۵
۲۳۵۔ سزائے قذف پر عمل درآمد ہونے سے پہلے قاذف کی گواہی کا بیان ۲۶۵
۲۳۶۔ آزاد شخص پر غلام کے تہمت لگانے کا بیان ۲۶۶
۲۳۷۔ کسی عربی کو فارسی کہنے کا بیان ۲۶۷
۲۳۸۔ جرم تہمت کے اقرار کرنے کا بیان ۲۶۸
۲۳۹۔ ثبوت الزام کے لیے شہادت پیش کرنے کا بیان ۲۶۸
۲۴۰۔ الزام زنا کی گواہی کا بیان ۲۶۸
۲۴۱۔ گواہوں کی تعداد، چار سے کم ہونے کا بیان ۲۷۰
۲۴۲۔ گواہوں کے فاسق ہونے کا بیان ۲۷۰
۲۴۳۔ تہمت لگانے میں مبالغہ سے کام لینے کا بیان ۲۷۱
۲۴۴۔ بار بار اتہام لگانے کا بیان ۲۷۲
۲۴۵۔ کسی جماعت پر تہمت لگانے کا بیان ۲۷۲
۲۴۶۔ نابالغ (لڑکے) یا جنون زدہ کا اپنی بیوی پر تہمت لگانا ۲۷۵
۲۴۷۔ گونگے کا کسی کو تہمت لگانا ۲۷۵
۲۴۸۔ کافر (غیر مسلم) کے بہتان لگانے کا بیان ۲۷۵
۲۴۹۔ کسی مجوسی کے مسلمان ہوجانے کے بعد، اس پر تہمت لگائی جانے کا بیان ۲۷۶
۲۵۰۔ مقذوف کے وفات پا جانے کا بیان ۲۷۶
۲۵۱۔ وفات یافتہ پر تہمت لگانے کا بیان ۲۷۸
۲۵۲۔ غلام کا آقا کے خلاف اور بیٹے کا باپ کے خلاف دعویٰ کرنے کا بیان ۲۷۸
۲۵۳۔ تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی پر بہتان لگانا اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ ۲۸۰
۲۵۴۔ سزائے قذف کے بارے میں نادانوں کے اعتراض کا بیان ۲۸۱
۲۵۴۔ قاذف کو معافی دینے کا بیان ۲۸۲
۲۵۵۔ کسی کو اس کے چچا یا ماموں سے منسوب کرنے کا بیان ۲۸۵
۲۵۶۔ غیر مسلم یا غلام کی شہادت کا بیان ۲۸۵
۲۵۷۔ بدنام کرنے کا بیان ۲۸۶
۲۵۸۔ بیوی پر کسی خاص شخص کے ساتھ ملوث ہونے کا بیان ۲۸۷
۲۵۹۔ اولاد سے انکار کرنے کا بیان ۲۸۷
۲۶۰۔ خاوند کا اپنی بیوی کے حمل سے انکار کرنے کا بیان ۲۸۸
۲۶۱۔ انکار حمل کرنے کے لیے وقت کی قید ۲۸۹
۲۶۲۔ لعان کے بعد عورت پر تہمت لگانے کا بیان ۲۸۹
۲۶۳۔ نفاذ حد کا بیان ۲۹۰
۲۶۴۔ سزا کے بارے میں مجرم کی حالت کو ملحوظ رکھنے کا بیان ۲۹۰
۲۶۵۔ مختلف جرائم کی سزاؤں میں ترتیب کا بیان ۲۹۰
۲۶۶۔ توبہ نصوح کا بیان ۲۹۲
۲۶۷۔ قاذف کی توبہ قبول ہونے کا بیان ۲۹۴
۲۶۸۔ جرم قذف سے توبہ کرنے کا طریقہ ۲۹۸
۲۶۹۔ سزا کی دوسری قسم قصاص کا بیان ۲۹۹
۲۷۰۔ قصاص کی تعریف ۳۰۱
۲۷۱۔ قصاص کا ثبوت ۳۰۲
۲۷۲۔ قصاص نافذ کرنے والے حاکم کا جواز کا بیان ۳۰۵
۲۷۳۔ بادشاہ (یا صاحب اقتدار) خود بھی قصاص کا پابند ہوگا ۳۰۶
۲۷۴۔ شریعت اسلامیہ کے نزدیک انسانی خون کی اہمیت ۳۰۷
۲۷۵۔ قاتل کی توبہ کا بیان ۳۱۱
۲۷۶۔ قتل عمد کے کفارے کا بیان ۳۱۳
۲۷۷۔ قتل ناحق کی سزا کا بیان ۳۱۴
۲۷۸۔ قصاص کے معاف کرنے کا بیان ۳۱۶
۲۷۹۔ اسلامی احکام کی خوبیوں کا بیان ۳۲۰

Marfat.com

۲۸۰۔ قاتل پر مقتول کے ورثاء کی بالادستی کا بیان ۳۲۱
۲۸۱۔ جرم قتل کے بارے میں سلطان (حکومت) کے اختیارات کا بیان ۳۲۴
۲۸۲۔ قاتل کے وفات پا جانے کا بیان ۳۲۵
۲۸۳۔ مطالبۂ خون کے حقداروں میں معافی کے بارے میں اختلاف کا بیان ۳۲۵
۲۸۴۔ مقتول کا مرنے سے پہلے اپنے خون کو معاف کر دینا ۳۲۷
۲۸۵۔ قتل عمد میں، مال کے عوض مصالحت کرنے کا بیان ۳۳۲
۲۸۶۔ خون کے وارثوں میں سے کسی فرد واحد کے معاف کرنے کا بیان ۳۳۳
۲۸۷۔ قصاص سے موت واقع ہو جانے کا بیان ۳۳۴
۲۸۸۔ چھوٹے بچے کی وجہ سے قصاص میں تاخیر ۳۳۵
۲۸۹۔ صغیر سن بیٹے کے قتل کا قصاص لینے کا بیان ۳۳۶
۲۹۰۔ بیٹے کو قتل کرنے کا بیان ۳۳۶
۲۹۱۔ قتل عمد کے مشابہ قتل کا بیان ۳۳۷
۲۹۲۔ بھاری چیز سے ہلاک کرنے، ڈبونے یا جلا دینے کا بیان ۳۴۰
۲۹۳۔ زخم کے اثر سے موت واقع ہو جانے کا بیان ۳۴۶
۲۹۴۔ کافر کو قتل کرنے کا بیان ۳۴۷
۲۹۵۔ غلام کے قتل پر آزاد کو سزائے قتل کا بیان ۳۵۱
۲۹۶۔ عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیے جانے کا بیان ۳۵۲
۲۹۷۔ قتل سے ادنیٰ جرائم میں مرد اور عورت کے درمیان نفاذ قصاص کا بیان ۳۵۳
۲۹۸۔ قتل کیے جانے پر مجبور کیے جانے کا بیان ۳۵۴
۲۹۹۔ تادیب کے لیے مارنے کا بیان ۳۵۹
۳۰۰۔ مستوجب حد کا غیر مستوجب حد کے ساتھ قتل میں شریک ہونے کا بیان ۳۶۰
۳۰۱۔ ایک شخص کے قتل کی پاداش میں متعدد اشخاص کو سزائے قتل کا بیان ۳۶۴
۳۰۲۔ متعدد اشخاص کے قاتل کا بیان ۳۶۷
۳۰۳۔ دو آدمیوں کا مل کر ایک شخص کا ہاتھ کاٹنا ۳۶۹
۳۰۴۔ ایک شخص کا دو شخصوں پر زیادتی کرنا ۳۷۱
۳۰۵۔ اس حالت کا بیان جبکہ ایک شخص نے کسی کو پکڑ رکھا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا ۳۷۳
۳۰۶۔ قتل خطأ (یا قتل غیر عمد) میں دیت کی معافی کا بیان ۳۷۴
۳۰۷۔ قصاص جان کے طریقہ کا بیان ۳۷۵
۳۰۸۔ ارتکاب قتل کے بعد حرمین میں پناہ لینے کا بیان ۳۸۰
۳۰۹۔ ایسا قتل عمد جس میں قصاص عائد نہیں ہوتا ۳۸۴
۳۱۰۔ زخم لگنے کے بعد مجروح کی سماجی حیثیت بدل جانے کا بیان ۳۸۹
۳۱۱۔ دوہرے جرائم کے ارتکاب کا بیان ۳۹۲
۳۱۲۔ کیا مرد کے ہاتھ کاٹنے کے جرمانے کو عورت اپنا حق مہر قرار دے سکتی ہے؟ ۴۰۱
۳۱۳۔ احکام متعلقہ نفاذ قصاص کا بیان ۴۰۳
۳۱۴۔ ان امور کا بیان جن سے جرم مستوجب قصاص ثابت ہوتا ہے ۴۰۵
۳۱۵۔ گواہوں کی شہادت کا بیان ۴۱۳
۳۱۶۔ اعضائے انسانی کو نقصان پہنچانے کا بیان ۴۱۵
۳۱۷۔ کان کے دونوں اعضائے ظاہر کے کاٹ دینے کا بیان ۴۲۶
۳۱۸۔ کانے کی آنکھ پھوڑ دینے کا بیان ۴۲۶
۳۱۹۔ سر، ڈاڑھی اور ابرو کے بال کاٹ دینے کا بیان ۴۲۶
۳۲۰۔ دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کی دیت کا بیان ۴۲۸
۳۲۱۔ آنکھ کی پلک اور برنیوں کے متعلقہ جرائم کا بیان ۴۲۹
۳۲۲۔ انگلی وغیرہ کاٹ دینے کا بیان ۴۲۹
۳۲۳۔ جان کے علاوہ دوسرے نقصانات کے قصاص کا بیان ۴۳۴
۳۲۴۔ لنجے کا سالم ہاتھ والے کے ہاتھ کاٹنے (اور اسی کے مثل جرائم) کا بیان ۴۳۶
۳۲۵۔ مجرم کے ناکارہ یا مقطوع ہاتھ کا بیان ۴۳۸
۳۲۶۔ ایک مجرم کے متعدد جرمانوں کا سزاوار ہونے کا بیان ۴۳۸
۳۲۷۔ ایسے جرائم کا بیان جن میں سزا کے لیے حکومت کی تجویز درکار ہے ۴۴۰
۳۲۸۔ انگلیوں اور ہتھیلی کے تاوان کا بیان ۴۴۶
۳۲۹۔ اقسام جراحات کا بیان ۴۴۷
۳۳۰۔ زخم 'موضحہ' کی تفصیل ۴۴۸
۳۳۱۔ جراحت موضحہ کا محل وقوع ۴۴۸

Marfat.com

۳۳۲۔ زخموں کی بقیہ اقسام ۴۴۹
۳۳۳۔ قصاص لینے میں تاخیر کرنے کا بیان ۴۵۳
۳۳۴۔ حاملہ عورت کے قصاص میں التوا کا بیان ۴۵۴
۳۳۵۔ مجرم سے قصاص جراحت لینے کے بعد مجروح کے وفات پا جانے کا بیان ۴۵۶
۳۳۶۔ دیت کا بیان ۴۵۷
۳۳۷۔ جرم خطأ کی دیت ۴۵۹
۳۳۸۔ دیت کی اقسام ۴۶۰
۳۳۹۔ عورت اور عیسائی یا یہودی کی دیت کا بیان ۴۶۱
۳۴۰۔ پیٹ کے بچہ کے ساتھ جرم کا بیان ۴۶۴
۳۴۱۔ عاقلہ کی تفصیل اور بتاخیر ادائیگی تاوان کا بیان ۴۷۲
۳۴۲۔ قسامہ (ارتکاب جرم کے بارے میں قسم کھانے) کا بیان ۴۸۲
۳۴۳۔ کفارۂ قتل کا بیان ۴۹۶

۳۴۴۔ سزا کی تیسری قسم

تعزیرات (سزاؤں) کا بیان

۵۰۰
۳۴۵۔ تعزیر کی تعریف ۵۰۰
۳۴۶۔ تعزیر کے بارے میں شرعی ہدایات ۵۰۱
۳۴۷۔ باپ کا بیٹے کو تادیبا سزا دینا ۵۰۱
۳۴۸۔ حاکم کا سزا کے طور پر مارنا ۵۰۲
۳۴۹۔ بعض شبہات کا ازالہ ۵۰۳
۳۵۰۔ سزائے تازیانہ دینے کا طریقہ ۵۰۵
۳۵۱۔ اسلامی شریعت کی جزورسی کا بیان ۵۰۶
۳۵۲۔ ایک سوال اور اس کا جواب ۵۰۷
۳۵۳۔ ثبوت تعزیرات کی دلیل کا بیان ۵۰۷
۳۵۴۔ بعض وضاحتیں ۵۰۹
۳۵۵۔ اسلام کا معاشرتی نظام ۵۱۰
۳۵۶۔ قوانین شرعیہ کے اصول کا بیان ۵۱۱
۳۵۷۔ باغیوں اور سرکشوں کا بیان ۵۱۲
۳۵۸۔ رہزنوں کے متعلقہ احکامات کا بیان ۵۱۵
۳۵۹۔ ڈاکوؤں کے جتھے کا بیان ۵۱۷
۳۶۰۔ ڈاکوؤں کا کسی شخص کو زخمی کر دینے کا بیان ۵۱۸
۳۶۱۔ رہزنی میں عورت کی شمولیت کا بیان ۵۲۱
۳۶۲۔ رہزنوں کی میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان ۵۲۱
۳۶۳۔ توبہ کر لینے والے کی شہادت کا بیان ۵۲۱
۳۶۴۔ قتل غیر واجب القصاص کا بیان ۵۲۲
۳۶۵۔ متعدد جرائم کے ارتکاب کا بیان بجز محاربہ کے ۵۲۲
۳۶۶۔ امامت (حکومت) کی شرطوں کا بیان ۵۲۳
۳۶۷۔ امام سے سرکشی کرنے کا بیان ۵۲۵
۳۶۸۔ باغی اشخاص کے قید کرنے اور ان کے مال کے متعلقہ مسائل ۵۲۹
۳۶۹۔ مرتد کا بیان، مرتد کے متعلقہ مسائل اور مرتد کی تعریف ۵۳۱
۳۷۰۔ مرتد کے توبہ کرنے کا بیان ۵۳۳
۳۷۱۔ مرتدہ (اسلام سے پھر جانے والی عورت) کا بیان ۵۳۵
۳۷۲۔ مرتد کی املاک کا بیان ۵۳۷
۳۷۳۔ زندیق (یا منافق) کا بیان ۵۳۹
۳۷۴۔ مرتد کے دارالحرب میں چلے جانے کا بیان ۵۴۱
۳۷۵۔ مرتد کے تصرفات (انجام دادہ معاملات) کا بیان ۵۴۶
۳۷۶۔ نابالغ (بچے) یا جنون زدہ کے مرتد ہو جانے کا بیان ۵۴۷
۳۷۷۔ بچے کے بالغ ہو کر مرتد ہو جانے کا بیان ۵۴۹
۳۷۸۔ نشہ کی حالت میں مرتد ہو جانے یا اسلام لانے کا بیان ۵۵۰
۳۷۹۔ ارتداد کے اقرار یا شہادت کا بیان ۵۵۱
۳۸۰۔ مرتد کے توبہ کرنے کا بیان ۵۵۲
۳۸۱۔ مرتد کے متعلق احکامات ۵۵۳
۳۸۲۔ مرتد ہو جانے کا نتیجہ ۵۵۴
۳۸۳۔ گناہ کبیرہ کا بیان ۵۵۵
۳۸۴۔ اس حدیث کے معنے ۵۵۵
۳۸۵۔ دوسرے سوال کا جواب ۵۶۱
۳۸۶۔ آٹھواں گناہ کبیرہ جھوٹی گواہی کا بیان ۵۶۱
۳۸۷۔ نواں گناہ کبیرہ دیدہ ودانستہ جھوٹی قسم کھانے کا بیان ۵۶۳
۳۸۸۔ دسواں گناہ کبیرہ زنا کا بیان ۵۶۴
۳۸۹۔ گیارھواں گناہ کبیرہ شراب نوشی کا بیان ۵۶۷
۳۹۰۔ بارھواں اور تیرھواں گناہ کبیرہ، نمیمہ (چغلی) اور پیشاب سے نہ بچنے کا بیان ۵۶۹
۳۹۱۔ چودھواں گناہ کبیرہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے

Marfat.com

کا بیان ۵۷۰
۳۹۲۔ پندرھواں گناہ کبیرہ مکر الٰہی (عذاب ناگہانی) سے بے خوف ہونا ۵۷۱
۳۹۳۔ سولھواں گناہ کبیرہ حرم کے ممنوعہ علاقہ میں امر ممنوع کو حلال کر لینا ۵۷۱
۳۹۴۔ سترھواں گناہ کبیرہ ابن السبیل (غریب الوطن) کی مالی اعانت نہ کرنا ۵۷۲
۳۹۵۔ اٹھارھواں گناہ کبیرہ والدین کی نافرمانی کرنا ۵۷۳
۳۹۶۔ انیسواں گناہ کبیرہ غلول (مال غنیمت کے چھپا لینے) کا بیان ۵۷۵
۳۹۷۔ بیسواں گناہ کبیرہ عمداً نماز ترک کرنا ۵۷۹
۳۹۸۔ گناہ کبیرہ، جادو کا بیان ۵۸۰

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدود (تعزیرات اسلامی) کا بیان

کلمات ابتدائیہ

(اُمّ المؤمنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت کے متعلق جس نے چوری کی تھی قبیلہ قریش کے لوگوں کو سخت فکر لاحق تھا (کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا) لہٰذا اہل قریش نے باہم مشورہ کیا کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض معروض کیا جائے سب کے مشورہ سے قرار پایا کہ اسامہ بن زید کے سوا جس کو حضور بہت چاہتے ہیں اور کوئی شخص اس کی جرات نہیں کرسکتا۔ لیکن (اسامہ کے عرض کرنے پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**یا اسامه اتشفع فی حدٍ من حدود الله**" (یعنی اے اسامہ اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں کے معاملہ میں تم میرے سامنے سفارش لے کر آئے ہو؟) اس کے بعد آپ کھڑے ہوگئے اور خطاب فرمایا کہ "**انما اهلک الذین من قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه و اذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد وایم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها**" (متفق علیہ) (یعنی لوگو تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کا مرتکب ہوتا تو اس سے درگزر کرتے تھے اور اگر کوئی معمولی شخص چوری کرتا تو اسے سزا دیتے تھے۔ پھر آپ نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔[1] بخاری، مسلم اور دیگر اصحاب نے اس کی روایت کی ہے۔

۱۔ صحیح مسلم کی روایت میں لفظ یا اسامة (یعنی اے اسامہ) آیا ہے اور بخاری کی روایت میں لفظ "فتلون" آیا ہے (یعنی چہرہ مبارک پر برہمی کے آثار نظر آنے لگے) اور پھر آپ نے فرمایا تھا کہ "آیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزا کے معاملہ میں مجھ سے سفارش کرنا چاہتے ہو؟ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جب" آنحضرت ﷺ کے انکار اور برہمی مزاج کو دیکھا تو التجا کی کہ اے اللہ کے رسول میرے لیے معافی کی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میری اس خطا سے درگزر فرمائے یعنی میری مغفرت کے لیے دعا فرما دیجئے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت نے اس عورت کا ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دیا۔ اور ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ بخاری کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس کے بعد اس عورت نے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی اور پھر

Marfat.com

اس کی شادی بھی ہوگئی۔ یہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتی جاتی تھی اور وہ اس کی حاجت مندی کو نبی ﷺ سے بیان کر دیا کرتی تھیں۔ چوری کرنے والی عورت کا نام فاطمہ بنت اسود بن عبدالاسد تھا۔ یہ واقعہ یوم فتح مکہ کو پیش آیا تھا۔

حدیث میں ماضی میں جن لوگوں کے ہلاک ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اس کی تصریح امام بخاری نے ایک اور روایت میں کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی معزز آدمی اگر چوری کرتا تو اس کی اہمیت اور عزت کے پیش نظر اس کے جرم کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بیجا رواداری، دورخی اور شرعی سزا سے درگزر کرنے کے باعث انہیں ہلاک کر دیا۔ اگر کوئی فرومایہ آدمی مال وجاہ سے محروم ہوتا اور کسی اونچے خاندان کا فرد نہ ہونے کے باعث اس کی کہیں سے حمایت نہ ہوتی تو اسے سزا دے دی جاتی تھی۔ اور (حدیث میں) لفظ 'ایم اللہ' کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے عزم کو پختہ ظاہر فرمانے کے لیے اللہ کی قسم کھائی کیونکہ یہ موقع اس کا متقاضی تھا۔ اس قسم کا تعلق پختہ ارادہ سے ہے محض قسم نہیں ہے جس کی اہمیت کو صرف خواص جانتے ہیں کہ "اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ چوری کرلے تو" معاذ اللہ (یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور چوری اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا مگر پھر بھی تاکید کے لیے فرمایا۔ (مصحح)

مئوف دلیل لفالحین فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ مجرم خواہ مرد ہو یا عورت۔ نیز اس حدیث سے مطالبہ قسم کے بغیر قسم کھانے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ اگر کسی اہم امر کے لیے قسم کھائی جائے تو یہ فعل مستحب ہے جیسا کہ حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہے اس حدیث سے حدود (اسلامی سزاؤں) کے معاملہ میں سفارش کرنے کی ممانعت بھی نکلتی ہے اور جب معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش ہو جائے تو سفارش کے ممنوع ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ پیشی سے پہلے بیشتر علماء کے نزدیک سفارش جائز ہے بشرطیکہ وہ شخص جس کے لیے سفارش کی جائے وہ شرپسند اور اذیت رساں نہ ہو۔ ایسا شخص ہو تو اس کے لیے سفارش منع ہے۔ اگر کوئی ایسی خطا ہو جس کی شرعی سزا مقرر نہیں ہے اس کے بارے میں بشرائط سابقہ سفارش کرنا جائز ہے۔ اگرچہ معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش ہو۔ کیونکہ یہ کوئی اہم معاملہ نہیں ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے احکام اور تعزیرات کا تعلق ہے اس میں معزز اور غیر معزز دونوں برابر ہیں اور دین کے خلاف کسی قرابت داری یا کنبہ داری کا لحاظ نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں یہی حکم ہے۔ "یاَیھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ ولو علٰی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیاً او فقیراً فاللّٰہ اولٰی بھما فلاتتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلوٗا او تعرضوا فان اللّٰہ بما تعملون خبیراً" (النساء: ۱۳۵) (یعنی اے ایمان والو۔ انصاف پر کاربند رہو اور حق جان کر گواہی دو خواہ یہ تمہارے یا تمہارے والدین یا قرابت داروں کے خلاف ہو۔ نہ مال دار کا خیال کرو نہ محتاج کا اللہ تم سے بہتر ان کا خیر خواہ ہے۔ انصاف کے معاملہ میں خود غرضی کو دخل مت دو۔ اگر تم نے گڑبڑ کی یا انصاف سے ہٹ گئے تو یاد رہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 'احکام الٰہی کی

Marfat.com

بجا آوری اور تعزیرات شرعیہ کے نفاذ وغیرہ میں عدل وانصاف سے کام لینے اور اس میں جہد بلیغ کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ خواہ یہ سزا مالدار کو دی جائے یا محتاج کو اپنے کو یا غیر کو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پاس داری کا خیال غنی اور محتاج سب کے خیال پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احکام الٰہی کی بجا آوری میں، خواہش نفس کی پیروی، بے انصافی، خودغرضی کی بناء پر ترک انصاف یا قرابت داری کا لحاظ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور دنیا کی آفت ومصیبت کی ہلاکت میں پڑنے اور آخرت میں دردناک عذاب سے ڈرایا ہے۔ آیت 'فان اللہ بما تعملون خبیرا' کا یہی مطلب ہے کہ ظلم کرنے اور طریق عدل سے ہٹ جانے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ انسان کو عذاب دے گا۔ ظالموں اور ستمگروں کو اللہ کی جانب سے یہ ایک تنبیہ ہے۔

آغاز اسلام میں مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ حاکم کے سامنے شفاعت کرنا اس غرض سے مفید ہوگا کہ عورت اور اس کے خاندان کو عار سے اور دست بریدگی کا عیب لگنے سے بچایا جا سکے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کو بڑی اہمیت دی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت پر یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام تعزیرات الٰہیہ کے نفاذ میں اعلیٰ وادنیٰ اور امیر وفقیر میں کوئی امتیاز نہیں کرتا بلکہ قانون اسلامی کی رو سے سب برابر ہیں کہ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سے جو زیادہ متقی ہے وہی سب سے زیادہ باعزت ہے) یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ (اسامہؓ کے عرض کرنے پر) اس وقت کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد وہ جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ جو عدل کے بنیادی اصول اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے۔ پھر مسلمانوں کے سامنے وہ زبردست قسم کھائی تاکہ آئندہ کسی متنفس کو یہ شک نہ رہے کہ اس میں کوئی امر ایسا ہو سکتا ہے جو امام کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا نافذ کرنے سے باز رکھ سکے۔ خواہ اس کا نفاذ کتنے ہی معزز، شریف اور اللہ کے نزدیک مقرب انسان کے خلاف ہو۔ ساتھ ہی حضورؐ نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی مثال دی جن کی محبت آنحضرت ﷺ کے دل میں تمام انسانوں میں سب سے زیادہ تھی اور تمام امت محمدیہ میں سب سے زیادہ باشرف تھیں اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسامہؓ کی وہ درخواست سنی جو اسلامی تعزیر کے نفاذ میں مداخلت کی غرض سے تھی تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا جس سے سخت ناراضگی کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ اس پر آپ نے اسامہؓ کی تنبیہ فرمائی اور کہا کہ اے اسامہ کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزا کے خلاف سفارش کرنے آئے ہو۔

واضح ہو کہ حضورؐ کے دل میں حضرت اسامہؓ کی محبت حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے بعد سب سے زیادہ تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "احب الناس الی اسامۃ ماخلا فاطمۃ ولا غیرھا" (یعنی مجھے تمام لوگوں میں فاطمہ کو چھوڑ کر اور کسی سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی اسامہ سے ہے)۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ان اسامۃ بن زید لاحب الناس الی، اومن احب الناس الی، وانا ارجو ان یکون من صالحیھم فاستوصوا بہ خیرا" (یعنی بلاشبہ اسامہ بن زید مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں یا یہ فرمایا کہ میرے محبوب ترین افراد میں سے ہیں اور مجھے توقع ہے کہ وہ نیک لوگوں میں سے ہیں پس تم ان کی خیرخواہی میں لگے رہو)۔

ان کی قدر اور محبت حضورؐ کے دل میں یہاں تک تھی کہ آپ نے ان کی وجہ سے بدوران حج عرفات سے روانگی

Marfat.com

اس حدیث کے متعلق حسب ذیل چند امور تشریح طلب ہیں:

(۱) اس حدیث کے معنے۔

(۲) حدود شرعیہ (شرعی سزاؤں) کی تفصیل اس کی متعلقہ باتیں اور اس کے شرعی حکم ہونے کی حکمت۔

(۳) اگر (تعزیرات کے باب میں) کوئی حکم شرع اسلام میں نہ ہو تو کیا ہونا چاہئے۔

حدیث کے معنے

حدیث مندرجہ بالا کے معنے ظاہر ہیں کہ: عالی خاندان کی ایک عورت تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ زندگی بھر میں ایک بار اس سے ایک بری حرکت سرزد ہوگئی: اس نے کوئی چیز چرالی جس کی پاداش میں اس پر ہاتھ کاٹے جانے کی شرعی سزا لاگو ہوئی قبیلۂ قریش کے لوگ سخت مشکل میں پڑ گئے کیونکہ وہ ایک باعزت

میں تاخیر کردی۔ چنانچہ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب نبی ﷺ نے اسامہؓ کے انتظار میں عرفہ سے روانگی میں تاخیر کردی تو ایک حبشی غلام افطس آیا اور اس نے کہا کہ ہمیں تو اس شخص (اسامہؓ) کی وجہ سے رکنا پڑا۔ اس (گستاخی) کی بناء پر اہل یمن کافر ہوگئے تھے۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتد ہوئے تھے۔

اسامہ بن زید کی جو توقیر آنحضرت ﷺ کے نزدیک تھی اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اصحاب نبی کریم آگاہ تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے وظائف مقرر فرمائے تو حضرت اسامہؓ کا وظیفہ پانچ ہزار مقرر فرمایا اور ابن عمرؓ کا وظیفہ دو ہزار مقرر ہوا اس پر حضرت ابن عمر نے اعتراض کیا کہ آپ نے اسامہؓ کو مجھ پر فوقیت دی۔ حالانکہ جو کچھ میں ہوں وہ نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اسامہؓ کو تمہارے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔

(دیکھنا چاہئے) کہ رسول اللہ ﷺ کے دل میں اسامہؓ بن زید کی یہ قدر تھی اس کے باوجود حضور نے ان کی سفارش کو رد فرما دیا اور قبول نہ کیا بلکہ ناراض ہوئے اور ان کی خفگی کے آثار اسی طرح چہرہ مبارک سے ظاہر ہوئے جیسا کہ احکام الٰہی کے خلاف کوئی بات ہوتی تھی تو ہوتا تھا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ ان سے جو سفارش کرنے کی خطا سرزد ہوئی ہے اس کی پاداش میں وہ عذاب الٰہی کے مستوجب ہوگئے ہیں لہٰذا انہوں نے نبی ﷺ کے حضور گڑگڑا کر التجا کی کہ حضور اس گناہ کی جو ان سے سرزد ہوگیا ہے اللہ کی جناب میں مغفرت کی دعا مانگیں کہ اللہ ان کی خطا کو معاف فرمائے اور ان پر رحم کرے۔ جیسا کہ دوسری روایات میں مذکور ہے۔

حدیث کے ان تمام دلائل وشواہد سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم الٰہی کے لاگو کیے جانے اور مجرم کو خواہ اس کا درجہ اس کی قوم میں کتنا ہی اونچا ہو شرعی سزا کے نفاذ میں کس قدر اصرار تھا اور کوئی طاقت انہیں شرعی سزا کے عملدرآمد سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ خواہ مجرم معزز ہو یا نہ ہو۔ بڑا ہو یا چھوٹا ہو وہ اس میں کوئی امتیاز یا استثناء روا نہ رکھتے تھے کیونکہ تعزیرات الٰہیہ کو نافذ کر کے ہی معاشرہ کی برائی کو دور کیا

Marfat.com

گھرانے کی خاتون تھی۔ ادھر یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ شرعی سزا کے نافذ کرنے میں بہت سخت تھے اور اس کو نافذ فرما کر ہی رہتے تھے خواہ مجرم کوئی عظیم شخصیت ہو یا معمولی آدمی۔ مالدار ہو یا محتاج، سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ غرض لوگ حیران تھے کہ کیا کیا جائے؟ تاہم انھوں نے خیال کیا کہ اسامہ بن زید ہی اس عورت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے حضور سفارش کر سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسامہ کو ان کے باپ (زید) کی طرح بہت چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کا لقب (وصفی نام) حب بن حب (یعنی محبوب کا بیٹا محبوب) تھا۔ غرض اسامہ نے لوگوں کی بات مان لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کہ چوری کرنے والی عورت کے لیے معافی کی درخواست کی رسول اللہ ﷺ نے ان کے سفارش کرنے کو ناپسند فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ "اتشفع فی حدٍ من حدود اللہ تعالیٰ"[۱] (یعنی تم اللہ کی مقرر کردہ تعزیر کے خلاف سفارش کر رہے ہو؟) مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو ایسی جرات نہ کرنی چاہیے تھی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسامہ بن زید جانتے تھے کہ مجرم کی پیشی جب حاکم کے سامنے ہو جائے تو اس کے بعد حدود اللہ کے خلاف سفارش کرنا درست نہیں ہے اس وجہ سے حضورؐ نے (سفارش کو) ناپسند فرمایا۔ اگر وہ اس حکم سے بے خبر تھے تو حضورؐ نے ان کو اس طرح بتا دیا۔ غالباً فاطمہ مخزومیہ کے بارے میں اسامہؓ کا خیال یہ تھا کہ وہ عورت عادی مجرم نہ تھی بلکہ یہ ایک لغزش تھی (جو اس سے سرزد ہو گئی) اور آئندہ وہ ایسا نہ کرے گی۔ یہی سبب تھا کہ وہ سفارش پر آمادہ ہو گئے اور فی الواقع وہ مخزومی عورت ہاتھ کاٹے جانے کی شرعی سزا پانے کے بعد ایک نیک خصلت، توبہ کرنے والی اور صابرہ خاتون بن گئی اور اس کے بعد پھر اس سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد نہیں ہوئی۔

جا سکتا اور قوم کو ہلاکت و بربادی سے بچایا جا سکتا ہے۔ اسی میں قوم کی خوش بختی، وقار اور اس کی بقا ہے اور یہی قومی استحکام و پابرجائی نیز افراد و ملت کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنے کا موجب ہے۔

یہیں سے تعزیرات شرعیہ کے معاملہ میں سفارش کرنے کی ممانعت نکلتی ہے۔

چنانچہ امام بخاری نے اسی خیال سے یہ باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "کراھیة الشفاعة فی الحد اذا رفع الی السلطان" (یعنی سزا کا معاملہ جب حکمران کے پیش ہو جائے تو تعزیر شرعی کے معاملہ میں سفارش کرنا مکروہ ہے)۔

حدیث مذکورہ کی بعض روایتوں سے اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حضور نے اسامہ سے فرمایا کہ تم (اس معاملہ

Marfat.com

واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید سے اظہار ناپسندیدگی ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ لوگوں کو اکٹھا کر کے ان سے خطاب فرمایا اور آگاہ کیا کہ اگر بڑے آدمیوں سے نرمی برتی جائے اور کمزوروں پر سختی روا رکھی جائے تو قوم کو سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بعض سابقہ قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر اس عزم کا اظہار فرمایا کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ تعزیر کو خود اپنی بیٹی پر نافذ کرنے میں تامل نہیں کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کا ارشاد برحق ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو آسمانی (خدائی) قانون اور انصاف و ضوابط (کے تمام تقاضے) باطل ہو کر رہ جائیں۔ قوی و ضعیف دونوں پر قانون کو یکساں لاگو نہ کیا جائے تو زبردست کے چنگل سے کوئی کمزور آدمی نہ بچ سکے۔ اور ضعیف آدمی چیرہ دستی کا شکار ہو کر رہ جائے لیکن جو زبردست ہے اس کا کچھ نہ ہو۔ پھر اگر بالفرض کمزور قوی ہو جائے تو اسے حق ہوگا کہ وہ اپنا انتقام لے اور خود سزا سے بچ کر، دوسروں پر جبر کرے لیکن اس کا کچھ نہ بگڑے۔ اسی طرح ہوتا رہے تو یہ طوائف الملوکی جو تمام عمرانی تقاضوں کے منافی ہے نتیجۃً قوم کی تباہی و بربادی کا موجب ہو جائے گی۔

میں) سفارش کیوں کرتے ہو؟" لاتشفع فی حدٍ فان الحدود اذا انتھت الی فلیست بمتروکۃ " (یعنی حد شرعی کے معاملہ میں سفارش نہ کرو۔ جب سزا کا معاملہ میرے سامنے پیش ہو گیا تو اب اس کو یوں ہی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا)۔

ابوداؤد نے عمر بن شعیب کی حدیث سے جو ان کے والد نے ان کے دادا سے مرفوعاً روایت کی ہے اخراج فرمایا ہے کہ "تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب" (یعنی تم آپس میں سزاؤں کو معاف کر سکتے ہو لیکن جب کوئی معاملۂ جرم میرے سامنے پیش کر دیا جائے تو اب اس کی سزا واجب ہو جائے گی)۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے۔

ابوداؤد اور حاکم نے اس کا اخراج فرمایا ہے اور حدیث ابن عمر کی بناء پر اس کو صحیح بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

حضور کا ارشاد ہے کہ "من حالت شفاعتہ دون حدٍ من حدود اللّٰہ فقد ضاد اللّٰہ فی امرہ " (یعنی اگر کسی شخص کی سفارش اللہ کی مقرر کردہ حدود (تعزیرات) میں سے کسی تعزیر میں حائل ہو جائے تو وہ شخص اللہ کے حکم کی مخالفت کا مرتکب ہے)۔

طبرانی نے عروہ بن زبیر سے اخراج کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے چوری کی اور حضرت زبیر سے ملا انہوں نے اس چور کی سفارش کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد، یہ معاملہ امام (حاکم شرع) کے سامنے پیش ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب معاملہ امام کے سامنے پیش ہو جائے تو اب سفارش کرنے والے پر اور جس کی سفارش کی جائے دونوں پر لعنت

Marfat.com

حدیث مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی حاکم کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے بارے میں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، سفارش قبول کرے۔ اسی طرح کسی شخص کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ حاکم شرع کے سامنے استغاثہ پیش ہو جانے کے بعد اس معاملہ میں کوئی سفارش کرے۔ اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ حاکم کے سامنے معاملہ پیش ہونے سے پہلے سفارش اور معافی بھی درست ہے۔ بشرطیکہ وہ مجرم جو مستوجب سزا ہے بدنام مجرم نہ ہو۔ اگر وہ عوام کو ایذا دینے کا عادی ہے یا ایسے شر پسندوں میں سے ہے۔ جنہیں معاف کرنا مصلحت نہیں ہے تو ایسے شخص کا معاملہ حاکم کے سامنے پیش کیا جانا واجب ہے تاکہ اسے ایسی شرعی سزا دی جائے۔ جس سے پھر اسے ارتکاب جرم کی جرأت نہ ہو۔ ہاں اگر ایک شخص نے کسی کی چوری کر لی لیکن وہ عادی چور نہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے حق میں سفارش کرنے سے کوئی خرابی نہ ہوگی تو اس کے لیے سفارش کی جا سکتی ہے اور مدعی کو بھی یہ حق ہے کہ اسے معاف کر دے بصورت دیگر معاف کر دینا روا نہیں ہے۔ چنانچہ اس بارے میں کئی حدیثیں آئی ہیں منجملہ ان

ہے۔ لہٰذا امام (حاکم مجاز) کے لیے جائز نہیں ہے کہ (سفارش کی بناء پر) شرعی سزا کو معاف کر دے اور اگر معاملہ حاکم کے سامنے پیش ہو جائے تو سفارش کرنا جائز نہ ہوگا۔

اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس کو احمد اور چاروں فقہاء نے صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے اخراج فرمایا ہے اور ابن جارود اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب اس شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس نے حضرت صفوان کی چادر چرائی تھی اور اس کی سفارش کی گئی تو حضورؐ نے فرمایا "ھلا کان ذلک قبل ان تاتینی به" (یعنی یہ بات پہلے ہونی چاہیے تھی، اس معاملہ کو رفع دفع کرنے کا موقع میرے سامنے پیش ہونے سے پہلے تھا)۔

فقہاء کہتے ہیں کہ حکام اور صاحب اختیار کے پاس بہتری کے لیے سفارش کرنا سنت ہے بشرطیکہ شرعی تعزیر کا معاملہ نہ ہو یا ایسی بات نہ ہو جس کا ترک کرنا (صاحب اختیار کو) جائز نہیں ہے مثلاً کسی یتیم کے سرپرست یا وقف کے مہتمم سے یہ سفارش کی جائے کہ وہ اپنے بعض اختیار کو جو بطور مہتمم اسے حاصل ہیں، کام میں نہ لائے۔ ایسی سفارش شرعاً حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سفارش حسنہ (یعنی وہ سفارش جو بھلائی کے لیے کی جائے) جائز ہے بشرطیکہ ہنوز معاملہ حاکم کے سامنے پیش نہ ہوا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها" (یعنی جو بہتری کے لیے سفارش کرے گا اس بہتری میں سفارش کرنے والا بھی حصہ دار ہو جائے گا)۔ حضرت ابو موسیٰ سے ایک روایات صحیحین میں مروی ہے کہ "ان النبی ﷺ کان اذا اتاه طالب حاجة اقبل علیٰ جلسائه وقال: اشفعو تؤجروا ویقضی الله علیٰ لسان نبیه ماشاء"۔ (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس جب کوئی حاجت مند آتا تو آپ حاضرین مجلس سے فرماتے کہ اس کی سفارش کرو ثواب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر وہی بات لاتا ہے جو وہ پسند

Marfat.com

کے دار قطنی کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اشفعوا مالم یصل الی الوالی، فاذا وصل الی الوالی فعفا فلا عفا الله عنه" (یعنی جب تک (مجرم کا) معاملہ حاکم کے سامنے پیش نہ ہو۔ تم سفارش کر سکتے ہو لیکن اگر معاملہ عدالت میں پیش ہو جائے اور حاکم مجرم کو معاف کر دے تو اللہ اس حاکم کو معاف نہیں کرے گا۔ واضح ہو کہ یہ حکم حدود، (اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں) کے بارے میں ہے۔

رہا قصاص (یا انتقام) کا معاملہ سو اس میں سفارش جائز ہے۔ کیونکہ یہ حقوق العباد (بندوں کے مطالبہ) کا معاملہ ہے۔ اس میں بہر حال معافی کا حق ہے۔

رہے تعزیری معاملات (یعنی اور جرائم کی سزائیں) سو اس بارے میں فقہاء کا کہنا ہے کہ اس میں سفارش کی جا سکتی ہے۔ لیکن بظاہر عقل یہ کہتی ہے کہ مجرموں کی اصلاح اور معاشرہ کا نظم و ضبط سزا کے جاری کرنے پر موقوف ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں سفارش کرنا حلال نہیں ہے۔ اسی طرح حاکم کو روا نہیں ہے کہ اس سزا کو معاف کر دے۔ اس کے علاوہ اور حالات میں معاف کر دینا درست ہے اور سفارش جائز ہے کیونکہ

فرماتا ہے)۔

لفظ حدود کے معنے:

حد کے لغوی معنے روکنے کے ہیں۔ اسی سے حدّاد، بنا ہے جس کے معنے دربان کے ہیں جو لوگوں کو گھر میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ اسی طرح لفظ حدود العقار، کے معنے ہیں (جائداد کی حد بندی) وہ امور جو غیر کی جائداد کے شامل ہونے سے مانع ہوں اسی طرح بولنے میں آتا ہے کہ "احدت المعتدة" یعنی عدت گزارنے والی عورت نے اپنے نفس کو لذت اندوزی اور تنعم سے باز رکھا۔ جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے۔ نیز 'حدّ' کے معنے جامع و مانع لفظ کے بھی ہیں۔ یعنی ایسا لفظ جو اپنے پورے مفہوم پر حاوی ہو اور اس مفہوم کے علاوہ کسی اور مفہوم کی گنجائش نہ ہو۔

حدود شرعیہ کا مقصد ممنوعات اور اسباب ممنوعات پر قدغن عائد کرنا ہے۔ فقہی اصطلاح میں 'حدّ' وہ مقررہ سزا ہے جس کا لاگو کرنا بطور حق اللہ (یا حکم الٰہی کے) واجب ہے اور جیسا کہ بتایا گیا اس کے مفہوم میں اس کے لغوی معنے شامل ہیں۔ مذہب اسلام کی مقرر کردہ یہ سزائیں قرآن حکیم کی آیات سے ثابت ہیں۔ ان آیات میں مثلاً وہ آیتیں ہیں جو بدکاری، چوری، بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانے، لڑنے بھڑنے اور دوسرے امور حرمت شراب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔

اسی طرح حدود کا ثبوت ان احادیث سے بھی ہوتا ہے۔ جو سزا کے بارے میں آئی ہیں یا آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہیں مثلاً وہ حدیثیں جن میں 'ماعز' 'غامدیہ' 'عسیف' یا نعمان کا ذکر ہے۔ نیز وہ احادیث جن میں رسول اللہ ﷺ یا صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سزا نافذ کرنے کا ذکر ہے۔ یا پھر وہ سزائیں جن کے نفاذ پر امت کا اجماع ہے۔ مثلاً وہ سزائیں جن کی توثیق و تائید عقل سلیم کرتی ہو۔ کیونکہ انسانی طبائع اور نفسانی خواہشات، شہوانی تقاضوں کو پورا کرنے اور لذت اندوزی کی طلب میں لگی رہتی ہیں اور اپنی مطلوب و محبوب شے کو حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ مثلاً شراب

Marfat.com

شریعت اسلامیہ جلب مصلحت اور دفع مفاسد پر مبنی ہے۔ حاکم کو چاہیے کہ (معافی کے معاملہ) کا فیصلہ دیکھ بھال کر کے کرے کہ مصلحت کیا ہے اور خرابی کا سدّ باب کس طرح ہو سکتا ہے۔

حدود شرعیہ اور ایسی ہی دوسری سزاؤں کا بیان

لفظ ''حد'' کے لغوی معنے روکنے کے ہیں اور اس لفظ کا اطلاق ایسی سزا پر ہوتا ہے جو شارع علیہ السلام نے مرتکب جرم کے لیے تجویز فرمائی۔ اس کے لاگو کیے جانے کی غرض یہ ہے کہ مجرم آئندہ جرم کا ارتکاب نہ کرے اور جو لوگ ارتکاب جرم کا ارادہ کرتے ہوں ان کو بھی ارتکاب جرم سے باز رکھنے کا موجب ہو۔

اس لفظ کا اطلاق 'گناہ' پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''تلک حدود اللہ فلا تقربوھا'' (یعنی یہ امور وہ ہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کے پاس بھی نہ پھٹکو) نیز یہ لفظ ان امور کے لیے بھی آیا ہے۔ جن کی حد اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ''ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ'' (یعنی جس نے اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا)۔

عقوبات شرعیہ کا بیان

ذیل میں ''حدود شرعیہ'' کا بیان شرعی اور اس جیسی دوسری سزاؤں کے مفہوم میں کیا جاتا ہے: مثلاً قصاص (یعنی ایذا دہی کی پاداش میں سزا) اور دوسری شرعی سزائیں۔

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ میں سزاؤں کی تین قسمیں ہیں:

سزا کی پہلی قسم

سزا کی پہلی قسم کا نام 'الحدود' ہے فقہاء نے 'حد' کی تعریف یوں کی ہے کہ 'حدود' وہ سزائیں ہیں جنہیں نافذ کرنے کا حکم اللہ نے (بطور ایک فریضہ کے) دیا ہے اور جنہیں معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔

نوشی، بدکاری، قتل، قطع اعضاء، استحصال مال غیر، گالی گلوچ اور چیرہ دستی خاص کر وہ جو زبردست اشخاص کمزوروں پر یا بڑے آدمی چھوٹوں پر روا رکھتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے یہ تعزیری احکام اس لیے رکھے ہیں کہ برائیوں کی بیخ کنی اس طرح کر دی جائے کہ یہ پھیل نہ سکیں اور ان (جرائم) کے مرتکبوں کو ایسی سزا دی جائے کہ دنیا میں امن و امان کی سبیل نکل آئے۔ اگر یہ سزائیں جاری نہ کی گئیں تو اہل جہان امن و سلامتی کے راستے سے دور ہو جائیں گے۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیا فساد سے پر ہو جائے گی۔

Marfat.com

ایسے جرائم جن پر 'حد' (اللہ کی مقرر کردہ سزا) عائد ہوتی ہے ان کی حسب ذیل اقسام ہیں (۱)

اول زنا (بدکاری)۔

دوسرے سرقہ (چوری)۔

تیسرے قذف (تہمت یا الزام تراشی)۔

چوتھے شراب نوشی جس کے لیے حد شرعی ہونے میں اختلاف ہے۔

وہ سزا جو زمین میں فساد کرنے والے پر عائد ہوتی ہے (یعنی ڈاکہ وغیرہ کی سزا) وہ بھی چوری، قصاص اور دوسری تعزیرات سے خارج نہیں ہے۔

سزا کی دوسری قسم

سزا کی 'دوسری قسم' 'قصاص' ہے۔ قصاص یہ ہے کہ مجرم کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا جائے جیسا کہ اس کا جرم ہے۔ قصاص کے (لغوی) معنے یکسانیت کے ہیں چنانچہ (جب کوئی شخص کسی واقعہ کو جوں کا توں بیان کردے تو کہتے ہیں) ''قَصَّ الحدیث'' (یعنی فلاں شخص نے فلاں واقعہ کو اسی طرح بیان کر دیا جیسا کہ وقوع پذیر ہوا تھا)۔

واضح ہو کہ قصاص کو 'حد' نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ (سزا) حقوق العباد میں سے ہے اور (مدعی) کو حق اور اختیار ہے کہ اسے معاف کردے جیسا کہ آگے مذکور ہے۔

---

(۱) شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسے جرائم جن پر حد عائد ہوتی ہے، ان کی سات صورتیں ہیں:

اول: جراحات (یعنی زخم لگانا)۔ اس میں جان اور اعضائے انسانی کا قصاص اور خون بہا وغیرہ داخل ہیں۔

دوم: بغاوت (حکومت سے سرتابی)۔

سوم: ارتداد (دین اسلام سے پھر جانا)۔

چہارم: زنا (بدکاری)۔

پنجم: قذف (تہمت لگانا)۔

ششم: چوری۔

ہفتم: ناجائز شراب نوشی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حدود (یعنی شرعی سزائیں) صرف وہ ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں۔ ایسی سزائیں پانچ ہیں۔

اول: زنا کی سزا جو قرآن حکیم کی اس آیت سے ثابت ہے:

''الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذكم بهما رافة في دين الله

Marfat.com

سزا کی تیسری قسم

سزا کی تیسری قسم ''تعزیر'' ہے۔اس سے مراد ایسے جرم کی سزا ہے جس پر نہ حدّ (قرآنی سزا) عائد ہوتی ہو اور نہ اس کا کفارہ (شرعی تاوان) عائد ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ تین حدیں وہ ہیں جن پر فقہاء کا اتفاق ہے:

اول: حدّ زنا (بدکاری کی سزا) بعض اصحاب کہتے ہیں کہ رجم (سنگ ساری) اس کی سزا نہیں ہے۔

دوم: حدّ قذف (تہمت یا جھوٹا الزام لگانے کی سزا)۔

سوم: حدّ سرقہ (چوری کی سزا)۔

أن كنتم تؤمنون بالله واليوم الأخر'' (النور:۲)

(یعنی بدکاری کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں کو سو سو تازیانے لگاؤ اور اس قانون الٰہی کے نفاذ میں ان پر رحم نہ کرو۔ درآنحالیکہ خدا اور یوم آخرت پر تمہارا ایمان ہے)۔

دوم: 'چوری کی سزا' یہ سزا اللہ کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

''والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزآءً بما كسبا نكالاً من الله، والله عزيز حكيم'' (المائدہ:۳۸) (یعنی چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ ان کی کرتوت کی پاداش میں کاٹ دو۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ سزا ہے۔ وہی عزت اور حکمت والا ہے)۔

سوم: شراب پینے کی سزا (جس کا حرام ہونا) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

''انما الخمر والميسر والانصاب والا زلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون'' (یعنی شراب، جوا اور بتوں کے تھان اور پانسہ ڈالنا گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں۔ شیطان سے بچو اسی میں تمہاری بہتری ہے)۔

چہارم: راہزنی کی سزا جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے: انما جزآء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فسادا ان يقتلوآ اويصلبوآ اوتقطع ايديهم وارجلهم من خلاف اوينفوا من الارض، ذلك لهم خزى في الدنيا ولهم في الأخرة عذاب عظيم'' (المائدہ:۳۳) (یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے برسر جنگ ہیں اور اس میں فساد پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں۔ (یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بالعکس) یا پھر انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے)۔

پنجم: تہمت (یعنی جھوٹا الزام لگانے کی سزا) یہ بھی اس ارشاد باری سے ثابت ہے: والذين يرمون

Marfat.com

پہلا باب

شراب نوشی کی حد (شرعی سزا)

جمہور ائمۂ فقہاء وعلماء شراب پینے کی سزا کو 'حد' خیال کرتے ہیں۔ بعض اصحاب اسے (حد نہیں بلکہ) تعزیر کہتے ہیں۔ سزا کی مقدار کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ (ائمہ ثلاثہ) مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ اس کی سزا اسّی (۸۰) دُرّے قرار دیتے ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تعداد اتنی ہی بتائی ہے۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اس سے اتفاق فرمایا ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ (شراب نوشی کی سزا) چالیس دُرّے ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے (یہی سزا) مروی ہے۔ چنانچہ مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ شراب پینے کے مجرم کو کھجور کی چھچی اور جوتی سے چالیس ضربیں لگاتے تھے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ شراب پینے کی بھی یہی سزا ہے۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کیا وہ بطور تعزیر (سزا) کے تھا۔ (بطور حد شرعی کے نہ تھا)۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے دیکھا کہ بعض علاقوں میں شراب نوشی پھیلی ہوئی ہے لہٰذا انھوں نے اس سے باز رکھنے کے لیے زیادہ سختی برتی تاکہ شرابیوں کی تنبیہ ہو۔

المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً، واولئک هم الفاسقون'' (النور:۴) (یعنی جو لوگ بے گناہ عورتوں پر الزام لگاتے ہیں اور (اپنے الزام کے ثبوت میں) چار گواہ پیش نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو اسّی (۸۰) دُرّے لگاؤ اور کبھی ان کی گواہی کو تسلیم نہ کرو۔ یہ لوگ گنہگار ہیں)۔

فقہاء کہتے ہیں کہ قصاص (انتقامی سزا) کو 'حد' نہیں کہا جاتا کیونکہ اس سزا کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔ اسی طرح دوسری عام سزاؤں کو بھی 'حد' نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ سزائیں (اللہ کی) مقرر کردہ نہیں ہیں۔

جادو کرنے کی سزا کو بھی بعض لوگوں نے حدود میں شمار کیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جنایات (یعنی جرائم کی آٹھ صورتیں ہیں):

۱: اتلاف جان یا اس سے کم درجہ کا جرم۔

۲: بغاوت (حکومت سے سرکشی)۔

۳: ارتداد (دین اسلام سے پھر جانا) اور اس کے متعلقہ امور۔

۴: زنا (بدکاری)۔

۵: تہمت (الزام تراشی)۔

Marfat.com

پس (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) جو زیادہ سزا دی ہے وہ حد میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ تعزیر ہے اور امام (حاکم شرع) کو ایسا کرنے کا حق ہے۔

آلات ضرب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں (سزا کے لیے) کھجور کی چھڑی، جوتی، کپڑے اور ہاتھ سے ضرب لگائی جاتی تھی۔ پس ان آلات سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان آلات سے ضرب لگانا اسی طرح درست ہے جیسے دُرّے سے ضرب لگانا۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ دُرّے لگانا درست نہیں ہے بجز اس صورت کے جب کہ شراب پینے والا ایسا سرکش اور بدکردار ہو کہ ہاتھ یا چھڑی سے ضرب مارنے کا اس پر کچھ اثر نہ ہو۔ بہرحال شراب نوشی کی سزا کے بارے میں اختلاف ہے۔

۶: چوری۔

۷: مار پیٹ اور اس کے متعلقہ امور۔

۸: شراب نوشی اور ایسے جرائم جن کے ارتکاب پر تاوان یا جرمانہ عائد ہوتا ہے۔

اشربات (مشروبات) کا بیان

لفظ 'اشربہ' شراب کی جمع ہے جس کے معنے ہیں مشروب (پینے کی شے) اور شروب اس کو کہتے ہیں جو بہت پینے والا اور دائم الخمر ہو۔ شراب کا پینا گناہ کبیرہ ہے بلکہ ام الکبائر ہے (یعنی یہ ایک گناہ سے بہت سے گناہوں کا موجب ہو جاتا ہے) جیسا کہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ شراب سنہ دو ہجری میں غزوہ احد کے بعد حرام ہوئی تھی۔ بقول مفسرین اس کے حرام ہونے کی بنیاد چار آیتیں ہیں۔ مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ''و من ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکراً و رزقاً حسناً'' یعنی لوگو تم کھجور اور انگور سے نشی اشیاء اور اچھی روزی حاصل کرتے ہو)۔ پس مسلمان شراب پیتے تھے اور یہ انہیں حلال تھی۔ اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل اور صحابہ میں سے ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ شراب کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ اس سے عقل جاتی رہتی ہے اور زیان مال بھی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''یسالونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس '' (یعنی اے پیغمبر تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اس کا پینا گناہ کبیرہ ہے اور کچھ لوگوں کو فائدے ہیں)۔ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) کچھ لوگ شراب پیتے رہے اور کچھ لوگوں نے چھوڑ دیا پھر ایک موقع ایسا آیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ لوگوں کی دعوت کی۔ لوگ اس مجمع میں شرابیں پی پی کر مست ہو گئے اور جب نماز کو کھڑے ہوئے تو آیت ''قل یایھا الکافرون (لااعبد ما تعبدون کی بجائے)'' اعبد ماتعبدون پڑھ گئے (یعنی اے کافرو ہم اس کی پرستش نہیں کرتے جس کی تم کرتے ہو کی بجائے یہ کہا کہ ہم اس کی پرستش کرتے ہیں جس کی تم کرتے ہو) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''یایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ حتی تعلموا

Marfat.com

ماتقولون "یعنی مسلمانو! نشہ میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ جب تک کہ تمہیں اتنا معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟) اس کے بعد پینے والے اشخاص بہت کم ہو گئے۔ پھر یہ ہوا کہ حضرت عتبان بن مالک نے انصار کی ایک جماعت کو دعوت دی لوگوں نے شرابیں پیں اور نشہ کے عالم میں آپس میں جھگڑ پڑے اور مار پیٹ کرنے لگے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ شراب کے بارے میں ہمارے لیے اطمینان بخش حکم نازل فرما تب آیت انما الخمر والمیسر، سے لے کر الفاظ 'فھل انتم منتھون' تک نازل ہوئی۔ (ان آخری الفاظ کے معنے ہیں) کیا اب تم لوگ شراب نوشی سے باز آتے ہو؟ اس پر حضرت عمر نے کہا انتھینا یا رب (یعنی خداوندا ہم نے شراب نوشی چھوڑ دی)۔

اس طرح (بتدریج) شراب نوشی کے حرام ہونے کا حکم نازل فرمائے جانے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ لوگ شراب کے دھتیے ہیں اور اس سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اگر یک لخت اس کی ممانعت کر دی گئی تو یہ انہیں بہت ناگوار ہو گا لہٰذا حکمت یہی تھی کہ اس کی ممانعت بتدریج آسان طریقے سے کی جائے۔

بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت سے شراب کا حرام ہونا تین طرح سے ثابت ہوتا ہے:

ایک تو یہ کہ اس آیت سے ثابت ہے کہ شراب (کا پینا) اثم (گناہ) ہے اور گناہ کا ارتکاب حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"قل انما حرّم ربی الفواحش ماظھر منھا ومابطن والاثم والبغی بغیر الحق" (یعنی اے پیغمبر یہ بتا دو کہ میرے رب نے کھلی اور چھپی ہر طرح کی برائیوں کو اور گناہ اور ناحق بغاوت کرنے کو حرام قرار دیا ہے)۔ پس ان دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھنے سے شراب کا حرام ہونا ثابت ہوا۔

دوسرے یہ کہ لفظ 'اثم' سے مراد عذاب ہے اور جو امر موجب عذاب ہو وہ گناہ ہے۔ اور امر عذاب ہو یا گناہ اسے حرام ہی کہا جائے گا۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واثمھما اکبر من نفعھما" (یعنی ان باتوں میں گناہ بہت زیادہ بہ نسبت فائدے کے) اس سے واضح ہے کہ آیت میں (شراب وقمار کی بابت) گناہ اور عذاب کی زیادتی بتائی گئی ہے لہٰذا وہ حرام ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شراب نوشی میں بہت زیادہ گناہ ہے اور سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اس سے پورا انسانی معاشرہ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اسی لیے شارع نے اسے حرام قرار دیا اور اس کے حرام ہونے کی سختی سے تائید فرمائی ہے۔ اس بارے میں متعدد احکام اہل عرب کی اصلاح حال کے لیے نازل ہوئے۔ کیونکہ اہل عرب دائم الخمر رہتے اور اسے وہ اپنی ہوشیاری اور چالاکی کا نشان شمار کرتے تھے۔ اسی لیے آیت تحریم خمر: "انما الخمر والمیسر والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" نازل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) کو رجس یعنی گندگی قرار دیا ہے جس سے عقل سلیم نفرت کرتی ہے۔ "رجس" کا لفظ نہایت بری اور خراب شے کے لیے آتا ہے۔ میسر وہ جوا ہے جو ذبیحہ کے گوشت پر (پانسہ ڈال کر) کھیلا جاتا تھا۔ انصاب بتوں کے تھان جہاں ان کی عبادت کی جاتی (یا قربانی دی جاتی) تھی۔ ازلام وہ تیر ہیں جن پر نشان خیر یا شر (یعنی اچھا یا برا) لگا دیا جاتا تھا (یہ بھی جوئے کا ایک طریقہ تھا کہ جس

Marfat.com

کے نام اچھا تیر نکلتا وہ جیت جاتا اور دوسرا ہار جاتا تھا)۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کا ذکر میسر، انصاب اور ازلام کے ساتھ کیا ہے۔ یہ تمام امور بت پرستانہ یا مشرکانہ اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا اللہ کے نزدیک شراب بھی ایسی ہی بری چیز ہے۔ ان چاروں امور کے بارے میں اللہ نے دو باتیں بتائی ہیں ایک تو یہ کہ یہ ''رجس'' ہیں جن میں تمام گندی باتیں شامل ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان کو شیطان کا فعل فرمایا۔ اس سے ان کی پوری پوری برائی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان کافر ہونے کے باعث نجس اور خبیث ہے۔ جیسا کہ آیت ''انما المشرکون نجس'' میں ارشاد ہے (کہ مشرک نجس ہیں) اور ظاہر ہے کہ خبیث سے خباثت ہی ظاہر ہوگی۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''مدمن الخمر کعابد وثن'' (یعنی دائم الخمر ایسا ہے جیسے بت کا پجاری)۔ ارشاد نبوی ہے کہ ''من شرب الخمر خرج نور الایمان من جوفه'' (یعنی شراب پینے والے کے باطن سے ایمان کا نور جاتا رہتا ہے) نیز اللہ تعالیٰ نے شراب اور اس جیسی دوسری اشیاء کے استعمال کو شیطانی اعمال سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے برائیاں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے ارتکاب میں بڑی بڑی مصیبتیں اور مصیبتیں ہیں۔ کسی فعل کا عمل شیطانی قرار پانا اس کے نہایت مذموم ہونے کی دلیل ہے چنانچہ کتاب اللہ میں ہے ''فوکزه موسیٰ فقضی علیه قال هذا من عمل الشیطان'' (یعنی اس قبطی کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تھپڑ مارا اور وہ مر گیا تو آپ نے کہا کہ یہ شیطانی فعل سرزد ہو گیا)۔ رسول اللہ ﷺ نے شراب کو برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے ''الخمر ام الخبائث'' (یعنی شراب برائیوں کی ماں ہے اس سے برائیاں پیدا ہوتی ہے)۔ اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''الخمر ام الفواحش' واکبر الکبائر، ومن شرب الخمر ترک الصلوٰۃ ووقع علی امه وعمته'' شراب برائیوں کی ماں اور سب سے بڑا گناہ کبیرہ ہے۔ شراب پینے والا تارک نماز ہوتا ہے اور اپنی ماں اور پھوپھی سے بدکاری کرنے والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے شراب کی ممانعت کے لیے لفظ 'اجتناب' استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے فاجتنبوا یعنی اس سے بچو یہ لفظ (شراب کو ممنوع قرار دینے کے مفہوم میں) لفظ حرام بولنے یا ترک کا حکم دینے سے زیادہ مؤثر ہے۔ کیونکہ اس لفظ (بچو) کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس فعل کے ارتکاب سے بہت دور رہے۔ یعنی اس میں بڑا نقصان اور قباحت ہے لہٰذا انسان اس کے پاس بھی نہ پھٹکے اور خود کو اس (کی مضرت) سے بچائے۔ ان الفاظ سے ان غلط کاروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو کہتے ہیں کہ شراب کی ممانعت قرآن میں نہیں ہے۔ اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ حرام ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے واضح ترین عبارت میں اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پرہیز کرنے اور بچنے کے لیے فرمایا ہے۔ تاکہ اس سے انسان کو دنیا و آخرت دونوں جہان کی فلاح و فرخی حاصل ہو۔ ارشاد 'لعلکم تفلحون'' کا یہی مقصد ہے اور اس میں یہ ارشاد ہے کہ اس کا استعمال انسان کو تباہی و نامرادی دین و دنیا دونوں کی خرابی اور زیان صحت و عقل و مال سے دوچار کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شراب کے ممنوع ہونے کا حکم دے کر ان چارگانہ تباہیوں سے بچایا ہے اور شراب و قمار میں دو سب سے بڑے نقصانوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ ایک دنیوی نقصان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''انما یرید

Marfat.com

الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ''(یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں لگا کر تم میں باہم بغض وعداوت ڈال دے)۔ چنانچہ دیکھو کہ شراب بالعموم لوگ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اس لئے پیتے ہیں کہ باہم میل جول ہو اور باہمی گفتگو اور غپ شپ سے حظ اٹھائیں اور آپس میں الفت ومحبت زیادہ ہو لیکن بسا اوقات نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے کیونکہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے اور جب عقل پر پردہ پڑ جائے تو خود پسندی اور غصہ غالب آ جاتا ہے۔ عقل کا تحفظ جاتا رہتا ہے اور اہل مجلس میں باہم نزاع وعداوت اور پھر مار پیٹ، خونریزی اور گالی گلوچ کی نوبت آجاتی ہے۔ جس کے باعث افراد معاشرہ میں باہم بغض اور دشمنی پھوٹ پڑتی ہے۔

اسی طرح قمار بازی انسان کو فقیری اور محتاجی سے دوچار کر دیتی ہے کہ مال کا خاتمہ ہو جانے کے بعد جواری اپنے وجود اور بیوی بچوں تک کو داؤ پر لگا دیتا ہے اور ان ہی کا بدترین دشمن ہو جاتا ہے جو اس کی شادمانی اور مسرت کا موجب تھے۔

اس سے عیاں ہے کہ شراب اور جوا ہی عناد وفساد اور معاشرتی تعلقات کو بگاڑنے کے سب سے بڑے اسباب ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بغض وعناد کے باعث ہی تمام فتنہ وفساد اور معاشرہ کی خرابی ظہور پذیر ہوتی ہے۔

رہیں دوسری قسم کی خرابیاں جن کا تعلق دین سے ہے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے ''ویصد کم عن ذکر اللّٰہ وعن الصلوٰۃ '' (یعنی اس میں مبتلا ہو کر انسان اللہ سے غافل اور نماز سے محروم ہو جاتا ہے)۔ حالانکہ یہ امور دین کی روح اور اسلام کے ستون ہیں۔ شراب کا اللہ کی یاد سے غافل کر دینا تو ظاہر ہے کہ شراب انسان کو مادی عیش وعشرت اور لذت اندوزی میں ڈال دیتی ہے اور جب انسان لذات نفسانی میں منہمک ہو تو اللہ تعالیٰ سے غافل اور خدائے بزرگ وبرتر کی طاعت گزاری سے ہٹ جاتا ہے۔

یہی حال جوئے کا ہے جب انسان لہو ولعب میں پڑ جاتا ہے تو اس کے سوا کسی اور بات کا اسے خیال نہیں رہتا۔ قمار بازی اللہ کے ذکر سے مانع ہوتی، نماز سے باز رکھتی اور طاعت الٰہی سے غافل کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی، قمار بازی کے دین ودنیا کے ان مفاسد کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ ''فھل انتم منتھون '' (یعنی کیا اب تو تم باز آتے ہو؟) اگرچہ یہ کلام بظاہر بصورت استفہام ہے۔ لیکن اس سے مقصد دراصل منع فرمانا ہی ہے (ممانعت کے لیے)۔ یہ مجازی نہج عبارت بہت خوب ہے۔ کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان افعال کی مذمت فرمائی اور بندوں کے حق میں اسے مضرت رساں بیان کیا اور پھر پوچھا کہ کیا تم باز آجاؤ گے؟ تو اب مخاطب کے لیے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ ان (برائیوں) سے باز آجانے کا عزم کرے۔ گویا اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ آیا اس فعل کی برائی معلوم ہو جانے پر بھی تم اسے اختیار کیے رہو گے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا ارشاد **فھل انتم منتھون**، واضح طور پر اس کی ممانعت کا حکم ہے۔ جس سے واجب ہو جاتا ہے کہ مکلف انسان (جو اسلام کا پابند ہے) اس برائی سے باز آجائے اور تسلیم کرلے کہ اس سے باز رہنا واجب ہے اور اسی طرح اس کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت سے شراب کے حرام ہونے کا حکم کئی طرح سے نکلتا ہے۔ ایک یہ کہ اس آیت کا آغاز کلمہ حصر ''انما'' سے ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ چاروں برائیاں محض اعمال شیطانی ہیں اور اس کے سوا نہیں۔

Marfat.com

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو بتوں کی عبادت کے ساتھ ملا دیا ہے یہاں تک کہ شراب نوشی اس جیسی برائی ہوگئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "شارب الخمر کعابد الوثن" (یعنی شراب پینے والا ایسا ہی ہے جیسے بت کو پوجنے والا)۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اجتناب (پرہیز) کرنے کا حکم دیا ہے اور حکم پر عمل کرنا واجب ہے۔

چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لعلکم تفلحون" (یعنی اس سے بچو تا کہ تمہاری بہتری ہو)۔ پس درآنحالیکہ اس کے ترک کرنے میں بہتری ہے تو اس کے مرتکب ہونے میں برائی ہی برائی ہے۔

پانچویں یہ کہ اس کے ارتکاب میں دین و دنیا دونوں جہاں کی تباہی بتائی گئی ہے۔ یعنی لوگوں میں باہم بغض وعداوت اور یاد الٰہی اور نماز سے غفلت۔

چھٹے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "فھل انتم منتھون؟ (یعنی کیا اب تم باز آتے ہو؟) کسی بات سے منع کرنے کا یہ سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے۔ اس طرح ارشاد فرمانا گویا یہ کہنا ہے کہ اس میں جو برائی اور خرابی ہے وہ بتا دی گئی تو کیا ان مکروہات کے باوجود بھی تم اس سے باز نہ آؤ گے اور اسی طرح کیے جاؤ گے جیسا کہ اس نصیحت سے پہلے کرتے تھے؟

ساتویں یہ کہ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واحذروا" (یعنی خدا اور رسول کا حکم مانو اور ڈرو) ظاہر ہے کہ یہاں اللہ و رسول کے ان احکام کی بجا آوری کا ذکر ہے جو اوپر مذکور ہوئے یعنی شراب اور جوا اور 'احذروا' جو فرمایا اس کے معنے یہ ہیں کہ ان (گناہوں) کے ارتکاب سے خدا کا خوف کرو۔

آٹھویں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین" (یعنی اگر اس حکم سے روگردانی کی تو نتیجہ کے تم ذمہ دار ہو ہمارے رسول کا کام تو تمہیں ہمارا یہ حکم پہنچا دینا تھا)۔ یہ الفاظ (حرمت شراب کی) مخالفت کرنے والوں کے لیے تازیانۂ عبرت اور اللہ کے حکم سے منہ موڑنے والوں کے لیے سخت تہدید ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر تم اس حکم سے روگردان ہوئے تو یاد رکھو کہ اب ذمہ داری تم پر آ پڑی ہے۔ رسول اللہ نے اپنا فرض ادا کر دیا اور تمہیں (نافرمانی کے انجام سے) آگاہ کر کے وہ بری الذمہ ہیں۔ اس کے بعد اب تمہیں اپنے فرض سے ہٹنے اور حکم نہ ماننے کا عذاب دینا اللہ کے ہاتھ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بارے میں یہ سخت تنبیہ ہے اور مندرجہ بالا دلائل ہشت گانہ حرمت شراب کے قطعی اور واضح ثبوت ہیں۔

شراب کی حدّ (شرعی سزا)

آئمۂ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شراب پینے کی حد (شرعی سزا) بشرطیکہ کسی کو جبراً نہ پلائی گئی ہو وہی ہے جو متن میں مذکور ہے۔ اس کی مقدار تھوڑی ہو یا بہت (دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے)۔

اس پر بھی (سب کا) اتفاق ہے کہ اس سزا کا نفاذ دو معتبر گواہوں کی شہادت یا شرابی کے اقرار کر لینے پر ہوگا۔ اس بارے میں محض عورتوں کی شہادت نہیں مانی جائے گی اور نہ شراب نوشی کی حد لاگو کرنے کے لیے عورتوں اور مردوں کی مشترکہ شہادت تسلیم کی جائے گی کیونکہ اس میں ردو بدل کا اندیشہ اور غلط بیانی یا بھول چوک کا الزام عائد ہوسکتا ہے اور

Marfat.com

شہادت میں نقص رہ جائے گا۔ حالانکہ اس میں ذمہ داری کے فریضہ سے سبکدوش ہونا بنیادی چیز ہے۔

چاروں ائمۂ فقہ اس پر بھی متفق ہیں کہ شرابی کے اقرار کرنے پر حد لاگو ہو جائے گی خواہ یہ اقرار صرف ایک بار کیا جائے۔

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (نفاذ حد کے لیے) شرابی کا دو بار اقرار کرنا ضروری ہے کہ وہ شخص کہے کہ میں نے شراب یا نشہ آور چیز پی ہے اور اگر قسم کو رد کر دیا جائے تو حدّ لاگو نہ ہوگی۔

مخمور (حالت نشہ) میں ہونے کی تعریف کے بارے میں اختلاف ہے:

حنفیہ کہتے ہیں کہ مخمور (سرمست) وہ شخص ہے جو بات کو نہ سمجھے خواہ وہ تھوڑی بات ہو یا بہت یا آسمان وزمین یا مرد وزن میں امتیاز نہ کر سکے اور امتیاز کرنے کی صلاحیت سے قطعاً محروم ہو جائے اور گولوگوں کو پہچان سکے لیکن امتیازی خصوصیات کو نہ سمجھ سکے۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے صاحبین کہتے ہیں کہ اس شخص کو مخمور (یا بدمست) تصور کیا جائے گا جو (نشہ میں بکواس) کرنے لگے اگر اس کی گفتگو میں گڑبڑ ہو اور اچھے برے میں تمیز نہ رہے تو عام طور پر اسے مخمور کہا جائے گا۔

چاروں ائمۂ فقہاء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ شراب ناپاک شے ہے اور اس کی خرید وفروخت مسلمانوں پر حرام ہے اور اسے 'مال' کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کا ظرفِ شراب توڑ دے تو اسے ادائیگی تاوان کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "ان الـذی حـرم شـربهـا حـرم بيعهـا واكـل ثمنها" (یعنی جس شے کا پینا حرام ہے اس کی خرید وفروخت کرنا اور اس کی قیمت کو کام میں لانا بھی حرام ہے)۔ غرض اس کو مال کی حیثیت حاصل نہیں ہے، لہٰذا نہ اس کو مہر میں دیا جا سکتا ہے اور نہ اجرت میں اور انگور کا شیرہ اگر خمیر ہو جائے، ابلنے لگے اور جھاگ دینے لگے تو وہ شراب بن جاتا ہے چاروں ائمہ کے نزدیک بالاتفاق وہ حرام ہے۔

نبیذ (شیرے) کے متعلق شرعی حکم

نبیذ (شیرہ) کو پینے کے حکم بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ خمر (شراب) کے علاوہ تمام قسم کے شیرے استعمال کرنے پر 'حد' کا نفاذ صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ وہ نشہ آور ہو جائے۔ پس کھجور یا کشمش کے شیرہ میں اگر ابال آ جائے اور اس میں تندی پیدا ہو جائے تو وہ حرام ہو جائے گا۔ خواہ اس کی مقدار تھوڑی ہو یا بہت۔ تاہم اسے نبیذ ہی کہا جائے گا۔ نہ کہ خمر (شراب) تاہم اگر وہ نشہ آور ہو جائے تو اس کے پینے پر حد نافذ ہوگی اور وہ نجاست مغلظہ قرار پائے گا، چنانچہ یہ قطعی دلیل سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ 'الخمر من هاتين الشجرتين' یعنی شراب ان دو درختوں (کے پھل) سے حاصل ہوتی ہے)۔ تاہم اگر ان کے (شیرہ کو) جوش دیا جائے یا بھٹی میں پکایا جائے لیکن گمان غالب یہ ہو کہ ان میں نشہ یا سرور نہیں ہے تو وہ حلال ہے ہاں اگر بہت زیادہ ابال آ جائے تو اس کا پینا حرام ہوگا۔

گندم، زیتون، چاول، جو، مکی، کا شیرہ اور شہد خواہ نچوڑا ہوا ہو یا ابالا ہوا حنفیہ کے نزدیک حلال ہے۔ نشہ آور ہو تو حرام ہے اور اگر نشہ زیادہ ہو تو پینے والے پر حد عائد ہوگی۔ یہی حکم ہر قسم کے دودھ کا ہے درآنحالیکہ اس میں تندی پیدا ہو جائے۔

Marfat.com

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر مشروب جسے زیادہ مقدار میں پینے سے نشہ ہو جائے اسے کم مقدار میں پینا بھی حرام ہے اور اسے خمر (شراب) کہا جائے گا اور پینے والے کو حد ماری جائے گی۔ یہ مشروب خواہ انگور کا ہو یا کھجور، گندم، جو، زیتون، مکئی یا چاول کا ہو یا شیرہ خرما یا ایسی ہی کسی اور شے کا رس ہو اور پکایا ہوا ہو یا نہ ہو کیونکہ لفظ خمر کے لغوی معنے عقل پر پردہ ڈالنے والی شے کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''کل مسکر خمر'' (یعنی تمام نشہ آور اشیاء 'خمر' یا عقل پر پردہ ڈالنے والی اشیاء ہیں)۔

لغت کی رو سے خمر (شراب) کے حقیقی معنے ہیں انگور کا وہ رس جو نشہ آور ہو جائے اور شرع کی رو سے ان حقیقی معنوں میں شراب کے علاوہ اور اشیاء کا شیرہ بھی داخل ہے جب کہ اس میں نشہ کی تندی پیدا ہو جائے۔

صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''نزل تحریم الخمر وهي خمسة: من العنب، والتمر، والعسل، والحنطة، والشعير، والخمر ما خامر العقل'' (یعنی شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی تھی۔ یعنی انگور، کھجور، شہد، گندم اور جو سے اور خمر اس کو کہتے ہیں جو عقل کو چھپا دے)۔ یہ روایت تین طرح سے حرمت شراب کی دلیل ہے۔

ایک یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب شراب حرام ہوئی تو ان ایام میں گندم، جو، انگور، اور کھجور سے بنائی جاتی تھی اور وہ لوگ ان تمام چیزوں سے بنی ہوئی شراب کو 'خمر' کہتے تھے۔

دوسرے یہ کہ ان کے الفاظ ہیں کہ ''حرمت الخمر یوم حرمت'' (یعنی شراب اسی دن سے حرام ہوئی جس روز حرام ہونے کا حکم نازل ہوا) اور اس وقت یہ شراب ان پانچ اشیاء سے بنائی جاتی تھی۔ اس سے یہ صراحت ہو گئی کہ شراب جو حرام کی گئی اس میں یہ پانچوں اقسام کی شراب داخل ہے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں ہر ایسے مشروب کو شامل کیا جو عقل کو زائل کرنے والا ہو اور اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فن لغت کے عالم تھے اور ان کا فرمانا ہے کہ 'خمر' ہر ایسی شے کا نام ہے جس کے استعمال سے عقل میں فتور آ جائے۔

اسی طرح (حرمت خمر کے بارے میں) اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو ابوداؤد نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ان من العنب خمراً وان من التمر خمراً وان من العسل خمراً وان من الشعير خمراً'' (یعنی شراب انگور، کھجور، شہد، گندم اور جو سے بنتی ہے)۔

اس حدیث سے (حرمت خمر پر استدلال کی دو وجہیں ہیں:)

ایک تو یہ کہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ ان تمام اشیاء کی بنی ہوئی شراب 'خمر' ہے لہٰذا یہ تمام شرابیں اس آیت کے تحت آتی ہیں جس میں شراب کو حرام فرمایا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ شارع علیہ السلام کے پیش نظر لغات کی تشریح نہیں ہے لہٰذا اس تفصیل سے یہ جتانا مقصود ہے کہ شراب کے حرام ہونے کا جو حکم ہے وہ ان تمام قسموں پر عائد ہوتا ہے کیوں کہ یہ تمام شراب کی قسمیں ہیں۔

خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شراب کے ذکر میں ان پانچ مخصوص اشیاء کا جو ذکر آ گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں

Marfat.com

ہے کہ محض ان ہی اشیاء کی شراب ہوتی ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ اس زمانے میں صرف ان ہی چیزوں سے شراب بنتی تھی پس جو شے بھی ایسی ہوگی مثلاً مکئی یا از خود بہنے والے رس یا شیرۂ درخت کی بنی ہوئی شراب وہ بھی مذکورہ پانچوں اقسام کی شراب کے حکم میں داخل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے حدیث میں چھ اشیاء کے (کمی وبیشی کے ساتھ) تبادلہ کو سود فرمایا گیا ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ان کے علاوہ اور کسی شے میں سود نہیں ہے۔

حرمت خمر کی تیسری دلیل، ابوداؤد نے حضرت نافع بن عمر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کل مسکر خمر و کل مسکر حرام" (یعنی ہر نشہ آور شے خمر ہے اور ہر نشہ آور شے حرام ہے)۔

امام خطابی فرماتے ہیں کہ حضور کے ارشاد "کل مسکر خمر" سے دو باتیں معلوم ہوئیں یعنی ہر ایسے مشروب کا نام خمر ہے جو نشہ آور ہو۔ اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم کی آیت جس سے خمر کا حرام ہونا ثابت ہے۔ لوگ نہیں جانتے تھے کہ خمر کس کو کہتے ہیں اس حدیث سے تشریح ہوگئی کہ خمر نشہ آور مشروب کو کہتے ہیں یا پھر اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ ہر نشہ آور شے شراب کی طرح حرام ہے۔

حرمت خمر کی چوتھی دلیل، ابوداؤد کی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے "بتع" کی بابت پوچھا گیا تو ارشاد ہوا کہ "کل شراب اسکر فھو حرام" (یعنی ہر مشروب جو نشہ آور ہو حرام ہے)۔

واضح ہو کہ 'بتع' اس شراب کو کہتے ہیں جو عسل (یا شیرہ) سے بنائی جاتی ہے۔ اس حدیث سے وہ تمام تاویلیں باطل ہو جاتی ہیں۔ جو ہر قسم کے نبیذ (یعنی شیرہ یا عصارہ) کو حلال بتانے والے کرتے ہیں اور وہ خیال بھی غلط ہو جاتا ہے کہ تھوڑی مقدار میں شراب روا ہے۔ کیوں کہ رسول ﷺ سے بتع (ایک خاص قسم کا مشروب) کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں ہر قسم کے (نشہ آور) شیرہ کو حرام فرمایا ہے۔ اس میں کم ہو یا زیادہ ہر مقدار شامل ہے اگر یہاں خمر کی اقسام اور مقدار کی تفصیل لازمی ہوتی تو حضور اس کو بیان فرما دیتے اور یونہی نہ چھوڑ دیتے۔

حرمت شراب کی پانچویں دلیل وہ روایت ہے جو ابوداؤد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" (یعنی جو شے زیادہ مقدار میں نشہ آور ہے وہ کم مقدار میں بھی حرام ہے) احمد ابن ماجہ اور دار قطنی نے اس حدیث کا ابن عمر سے مروی ہونا صحیح بتایا ہے اور اس طرح احمد اور نسائی نے اس کو حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔

حرمت شراب کی چھٹی دلیل وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قاسم نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "کل مسکر حرام. وما اسکر منه الفرق، فملءُ الکف، منه حرام" (بروایت احمد) (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے اگر ایک "فرق" کی مقدار میں اس کے پینے سے نشہ ہوتا ہو تو وہ شے چلو بھر بھی حرام ہے) فرق ایک پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل (یعنی کوئی آٹھ سیر) شراب آتی ہے۔ امام احمد کی روایت میں "ملءُ الکف منه حرام" کی بجائے "فالاوقیة منه حرام" ہے (یعنی بمقدار پون چھٹانک کے بھی حرام ہے)۔

واضح ہو کہ حدیث میں 'ملءُ الکف' (چلو بھر) یا الاوقیۃ، (جو پون چھٹانک وزن کے برابر ہوتا ہے) بطور

Marfat.com

مثال آیا ہے۔ ورنہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''حرمت الخمر قلیلھا وکثیرھا والسکر من کل شراب'' اسے نسائی نے بیان کیا ہے (یعنی شراب تھوڑی ہو یا بہت حرام ہے نیز ہر نشہ آور مشروب حرام ہے)۔

حرمت خمر کی ساتویں دلیل وہ روایت ہے جو ابوداؤد نے شہر بن حوشب سے اور انہوں نے حضرت ام سلمیٰ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ''ھر مسکر (نشہ آور) اور مفتر شے سے منع فرمایا ہے''۔ مفتر سے مراد ہر وہ مشروب ہے جس سے جسم میں فتور (خرابی) اور اعضاء میں خمول (افسردگی) آجائے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ یہ حکم تمام ایسے مشروبات کو شامل ہے جو نشہ آور یا اعضائے جسم کو افسردہ کرنے والے ہوں یک اور حدیث نسائی اور دار قطنی میں سعید بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی ﷺ نے تھوڑی مقدار میں بھی اس شے کو ممنوع فرمایا ہے جو زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو''

ایک اور حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا جو نشہ آور شیرہ پی کر نشہ میں تھا۔ آپ نے اسے تازیانے لگائے یعنی اس پر حد نافذ فرمائی۔ یہ بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شیرۂ خرما اگر نشہ آور ہو جائے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو انگور سے بنی ہوئی شراب کا۔

ایک وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔ ''الخمر من ھاتین الشجرتین النخلة والعنبة'' یعنی شراب ان دو درختوں یعنی کھجور اور انگور سے بنتی ہے''۔ اور ایک حدیث وہ ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ان الخمر حرمت والخمر یومئذ البسر والتمر. متفق علیہ'' (شراب حرام ہوئی اور ان دنوں شراب خشک اور تر کھجور سے بنتی تھی)۔

ایک اور حدیث وہ ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان رجلاً من جیشان . وجیشان من الیمن. سأل النبی ﷺ عن شراب یشربونه بارضھم من الذرة یقال له المزر فقال: أمسکر ھو؟ قال نعم. فقال: کل مسکر حرام. ان علی اللّٰه عھدا لمن یشرب المسکر ان یسقیه من طینة الخبال قالوا یا رسول اللّٰه وما طینة الخبال؟ قال: عرق اھل النار، اوعصارة اھل النار'' رواہ احمد ومسلم ونسائی (یعنی ایک شخص نے جو یمن کے علاقہ جیش ان کا تھا نبی ﷺ سے ایک مشروب کے بارے میں، جو مکئی سے بنتا ہے اور اسے مزر (نبیذ ذرہ) کہتے ہیں، دریافت کیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ نشہ آور ہوتا ہے۔ اس شخص نے کہا۔ ہاں! ارشاد ہوا کہ ہر نشہ آور شے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص نشہ آور شراب پیے اسے طینة الخبال پلایا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا حضرتؐ، طینة الخبال، کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ دوزخیوں کا پسینہ یا ان کا پیپ ہے)۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر نشہ والا مشروب حرام ہے خواہ وہ انگور کے شیرہ سے نہ بنا ہو۔ کیونکہ حضور کا ارشاد صرف یہ ہے کہ ''کل مسکر حرام'' (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے) اس میں مشروب کی اقسام اور اس کی تعریف نہیں بتائی گئی (لہٰذا تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں)۔ غرض ان تمام حدیثوں سے جن کا ذکر ہوا اور ان کے علاوہ دوسری حدیثوں سے جن کا ذکر نہیں آیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر نشہ آور شے حرام ہے۔

دوسری قسم کے وہ دلائل ہیں جو اہل لغت کے کلام سے استنباط کئے گئے کہ ہر نشہ آور شے حرام ہے خواہ وہ انگور

Marfat.com

کے شیرے سے بنی ہو یا کسی اور شیرے سے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ خمر وہ ہے جس سے عقل زائل ہو جائے یعنی اس پر پردہ پڑ جائے یا اس میں فتور آجائے کہ اپنی حالت پر نہ رہے عقل (خیر وشر میں) امتیاز کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس جو چیز کہ اس (قوت امتیاز) پر پردہ ڈال دے وہ حرام ہے کیونکہ جب عقل پر پردہ پڑ جائے تو بندہ ان فرائض کے خیال سے غافل ہو جاتا ہے جن کی ادائیگی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ دراصل عقل وہ جوہر ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر شرف بخشا ہے اور جس کی وجہ سے وہ زمینی اشیاء پر قابو پاتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا اور صنعت وحرفت وغیرہ میں کمال حاصل کرتا ہے۔ سمجھ بوجھ کی یہی صلاحیت ہے جس سے انسان صحیح اور غلط، حلال اور حرام اور خیر وشر میں امتیاز کر سکتا ہے اور یہی علم ومعرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی صلاحیت کی قدر وقیمت کی وجہ سے شراب کو حرام فرمایا کیونکہ شراب اس پر پردہ ڈال دیتی ہے اور اس میں فتور پیدا کر دیتی ہے۔

ابن الانباری فرماتے ہیں کہ شراب کو 'خمر' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے یعنی عقل میں فتور آجاتا ہے۔ اسے مسکر (دروازہ بند کرنے والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کے دروازے کو بند کر دیتی ہے اور نور بصیرت کو اعضائے انسانی تک پہنچنے سے روک دیتی اور باز رکھتی ہے۔

امام راغب نے اپنی تالیف مفردات القرآن میں بتایا ہے کہ (شراب کو) 'خمر' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے یعنی اسے چھپا دیتی ہے۔

بعض اصحاب نے ہر نشہ آور شے کو خمر سے تعبیر فرمایا ہے۔ بعض صرف انگوری شراب کو خمر کہتے ہیں اور بعض خمر اس کو کہتے ہیں جو بغیر پکائے ہوئے (خمیر اٹھا کر) بنائی جائے لیکن ترجیح اس خیال کو ہے کہ ہر ایسی شے جس سے عقل زائل ہو جائے 'خمر' ہے اہل لغت کے علاوہ دوسرے اصحاب کا جن میں دینوری اور جوہری شامل ہیں، یہی قول ہے۔

حنفیہ میں سے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ خمر انگور کے اس شیرے کو کہتے ہیں جس میں تندی پیدا ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم میں اس کے یہی معنے مشہور ہیں نیز وہ کہتے ہیں کہ ہر نشہ آور شے کا نام 'خمر' ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کل مسکر خمر" (یعنی ہر نشہ آور شے خمر ہے) اور اسے خمر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ ہر نشہ آور شے کی یہی خاصیت ہے۔ اور حنفیہ کے خیال کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ اہل لغت نے 'خمر' کے مفہوم کو صرف انگوری شراب پر منطبق کیا ہے چنانچہ اس لفظ کا استعمال ان ہی معنوں میں مشہور ہے اور یہ بھی ہے کہ خمر (انگوری شراب) کا حرام ہونا تو ایک قطعی حکم ہے اور شراب انگور کے علاوہ کوئی اور شے جو انگور سے بنی ہو اس کا حرام ہونا گمان غالب کی بناء پر ہے۔ نیز صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ خمر کا نام خمر اس لیے ہے کہ اس کا خمیر اٹھایا جاتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ امر انگوری شراب کے لیے لفظ خمر کو مخصوص کر دینے کے منافی نہیں ہے جیسا کہ لفظ نجم کو اس کے روشن ہونے کی بناء پر 'نجم' کہا جاتا ہے لیکن یہ لفظ ثریا کے معنوں میں مخصوص ہے۔

کتاب فتح میں ہدایہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ خود اہل سنت سے یہ قول منقول ہے کہ انگور کے علاوہ کسی اور شے سے بنی ہوئی شراب کو بھی خمر کہتے ہیں۔

خطابی کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اہل عرب انگوری شراب کے سوا اور کسی شراب سے واقف نہ تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ میں سے جن اصحاب نے انگوری شراب کے سوا اور شرابوں کو بھی خمر کہا ہے وہ فصحائے عرب

Marfat.com

میں سے تھے۔ اگر یہ کہنا درست نہ ہوتا تو وہ کبھی نہ کہتے، کلام الٰہی میں ہے کہ "اعصر خمرا" (یعنی زندان یوسف میں ایک قیدی نے اپنا خواب بیان کیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ "میں نچوڑ کر شراب بنا رہا ہوں") یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شراب نچوڑ کر بنائی جاتی ہے نبیذ (شیرے) کو شراب نہیں کہتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شراب کا بننا نچوڑنے ہی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اہل مدینہ اور تمام اہل عرب اور محدثین کا کہنا یہ ہے کہ "کل مسکر خمر" (یعنی ہر نشہ آور شے خمر ہے) اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو انگوری شراب کا ہے چنانچہ اسے حلال قرار دینے والا کافر ہے۔ اسے نجس مانا گیا ہے اور مسلمان کے لیے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے پس اس کی خرید و فروخت اور اس سے فائدہ حاصل کرنا حلال نہیں ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضرت انس وغیرہ (صحابہ) سے جو حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں وہ کوفیوں کے اس خیال کی تردید کرتی ہیں کہ "خمر صرف انگور کی شراب ہے" اس کے علاوہ کسی اور شراب کو خمر نہیں کہتے۔ ان کا یہ قول لغت عرب، صحیح احادیث اور فصحائے صحابہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب تحریم خمر (یعنی شراب کو حرام کرنے والی) آیت نازل ہوئی تو سب نے اس خیال سے کہ 'خمر' کے حرام ہونے کا حکم آگیا ہے۔ ہر نشہ آور شے کو حرام قرار دے دیا اور انگور کی شراب اور دوسری شے کی شراب میں کوئی فرق نہیں سمجھا بلکہ سب کو یکساں خیال کر کے ہر قسم کی شراب کو حرام قرار دے دیا۔ اس میں انہیں کوئی پس و پیش یا دشواری نہ رہی۔ وہ ہر قسم کی شراب جو انگور کی نہ تھی سب کو تلف کرنے پر تل گئے یہ تمام اصحاب اہل زبان تھے اور قرآن حکیم ان ہی کی بولی میں نازل ہوا۔ اگر اس کے سمجھنے میں انھیں تردد ہوتا تو جب تک حکم حرمت کی وضاحت نہ ہوتی اور تفصیل معلوم نہ ہو جاتی دوسری تمام اقسام کی شرابوں کو لنڈھا دینے میں تامل کرتے۔ کیونکہ اس طرح ضائع کرنے میں بہر حال مال کا تلف ہونا واضح تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے شراب کے حرام ہونے کے حکم کو (اچھی طرح) سمجھ لیا تھا۔ مزید براں اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر اس کی تائید کرتی ہے، جس پر ایک صحابی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

واضح ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا عمر بن الخطاب، حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ، ابن عباس اور سیدہ عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس حکم کو تمام قسم کی شرابوں پر عائد کیا ہے۔ پھر تابعین: امام ابن المسیب، عروہ، حسن بصری، سعید بن جبیر اور دوسرے اصحاب نے بھی اس حکم کو عام قرار دیا ہے اور حضرات مالک، اوزاعی، ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد، اسحاق او عام محدثین رحمھم اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے۔

کتاب 'فتح' میں بتایا گیا ہے کہ ان دونوں اقوال میں مطابقت اس طرح ممکن ہے کہ جن اصحاب نے لفظ 'خمر' کا اطلاق انگور کی شراب کے علاوہ اور شرابوں پر بھی کیا ہے ان کے پیش نظر 'حقیقت شرعیہ' (یعنی از روئے شرع حقیقی مفہوم) تھا اور جنھوں نے اس سے انکار کیا ہے ان کے پیش نظر حقیقت لغویہ (یعنی از روئے لغت حقیقی مفہوم) تھا۔ ابن عبدالبر کا کہنا یہ ہے کہ حکم (شرعی) کا تعلق شرعی مفہوم سے ہوتا ہے لغوی مفہوم سے نہیں ہوتا۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس خمر (شراب) کے حرام ہونے کا حکم ہے وہ تر پھل سے بنی ہوئی شراب ہے ایسی صورت میں ضروری ہوگا کہ جو لوگ 'خمر' کے حقیقی معنے آب انگور لیتے ہیں اور دوسری شرابوں کو مجازی معنوں میں لیتے ہیں وہ ایک ہی لفظ کا اطلاق حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں کرتے ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ کو جب 'خمر' کے حرام ہونے کا

Marfat.com

علم ہوا تو انھوں نے وہ سب بہادیا جس پر لفظ 'خمر' کا (جس کے حرام ہونے کا حکم ہوا) اطلاق ہوتا تھا۔ خواہ حقیقی معنوں میں اطلاق ہوتا ہو یا مجازی معنوں میں۔ یہ امر دوسری قسم کی شراب کو جائز نہیں کرتا، لہٰذا صحیح یہی ہے کہ ہر قسم کی شراب 'خمر' ہے اور اس سے الگ نہیں ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں آیت تحریم خمر کے ضمن میں فرمایا ہے کہ ''اگر انصاف سے کام لیا جائے اور ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ آیت تحریم اس مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ ہر نشہ آور شے حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ ''انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر، ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ'' (یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں باہم بغض وعناد ڈال دے۔ اللہ کے ذکر سے ہٹا دے اور ادائے نماز سے باز رکھے) اس کے بعد ہی یہ ارشاد ہے کہ ''فھل انتم منتھون'' (یعنی کیا اب تو تم اس سے باز آتے ہو؟) اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ شراب میں ایسی ایسی خرابیاں ہیں لہٰذا یہ ممنوع ہے اور معمولی عقل بھی اس بات کو تسلیم کرے گی کہ یہ تمام خرابیاں شراب کے نشہ سے پیدا ہوتی ہیں پس ارشاد باری 'فھل انتم منتھون'' سے قطعی طور پر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ شراب سے نشہ ہوتا ہے (جو ان خرابیوں کا موجب ہے) اور جب یہ ثابت ہو گیا تو یقینی طور پر اس سے لازم آیا کہ ہر نشہ آور شے حرام ہے۔ اس قدر سمجھ لینے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے قول پر اصرار کرے تو اس مخالفت کا کوئی علاج نہیں ہے''

حنفیہ کا خیال یہ ہے کہ شیرہ گندم کا ہو یا زیتون، چاول، جو، مکی اور عسل وغیرہ کا، حلال ہے۔ خواہ نچوڑا ہوا ہو یا پکایا ہوا۔ اگر اس کے پینے سے نشہ نہ ہو تو پینے والے کو حد نہ ماری جائے۔ تا آنکہ پینے والا مخمور نہ ہو جائے اور ایسے مشروب کو حلال جاننے والا 'خمر' کو حلال کہنے والے کی طرح کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

اس بارے میں حنفیہ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکراً ورزقاً حسناً'' (یعنی کھجور کے درختوں کے پھل اور انگور سے تم لوگ نشہ آور مشروب اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو)۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ احسان جتایا کہ وہ خرما اور انگور سے نشہ آور مشروب حاصل کرتے ہیں۔ حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس میں نشہ بھی ہے اور اچھی خوراک بھی پس لازم ہے کہ اس میں کوئی چیز مباح ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا تصور اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اس کا استعمال روا ہو۔

دوسری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع والے سال میں سقایہ (پنسال) پر تشریف لائے پھر وہاں ٹیک لگا کر بیٹھے اور فرمایا استقونی (یعنی مجھے پانی پلاؤ) حضرت عباس نے عرض کیا کہ آیا حضور نبیذ (شیرہ) جو گھر میں نکالا جاتا ہے پینا پسند فرمائیں گے؟ ارشاد ہوا لاؤ جو لوگوں کو پلاتے ہو۔ چنانچہ وہ نبیذ (شیرہ یا رس) ایک پیالہ میں لے کر آئے۔ آپ نے اسے سونگھا اور چہرے سے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور واپس کر دیا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آیا آپ نے اہل مکہ کو اس کے پینے سے منع فرمایا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اسے پیالہ میں انڈیلو۔ پس پیالہ میں نکال کر پیش کیا گیا۔ حضور نے زمزم کا پانی طلب فرمایا اور اس میں ملا کر اسے پی لیا اور ارشاد فرمایا کہ ان مشروبات میں اگر جوش (یا ابال) آ جائے تو پانی ملا کر اس کا ابال دور کر لیا کرو۔

Marfat.com

اس حدیث سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ اس میں پانی کی آمیزش اس لیے کی گئی تھی کہ اس میں زیادہ تبدیلی آ گئی تھی اور اس کی تندی کو توڑنے کے لیے پانی کی ملاوٹ کی گئی۔ اور حضور کا اسے نوش فرمانا اس کے حلال ہونے کی واضح دلیل ہے۔

تیسری دلیل صحابہ رضوان اللہ علیہم کے آثار ہیں۔ اور یہ کہ جس شے کو 'خمر' کہا جاتا ہے اور اس کا پینا حرام ہے وہ انگور یا کھجور کے شیرے سے بنی ہوئی ہوتی ہے جبکہ اس میں ابال آ جائے، تندی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینکنے لگے یہ بدلائل قرآن وحدیث و اجماع امت و تواتر قطعاً حرام ہے۔ رہا ان درختوں کے علاوہ اور قسم کی شراب۔ سو جو شخص اس کو حلال جانے اسے فاسق قرار دیا جائے گا باقی تمام نشہ آور اشیاء کا حرام ہونا حدیث اور قیاس کی بناء پر ہے۔

ان تمام اقوال میں سے اس قول کو ترجیح حاصل ہے کہ ایسا مشروب جو زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ اس کو خمر کہا جائے گا اور پینے والے پر حد (سزائے شرعی) نافذ ہو گی۔ ہر قسم کی شراب اس حکم میں آتی ہے خواہ انگور، کھجور، کشمش، گندم، جو، زیتون، مکئی، چاول کی بنی ہوئی ہو یا کسی اور شے کی اور تازہ ہو یا پکائی ہوئی۔ مشروب کے طور پر استعمال ہوتی ہو یا کسی اور طرح۔ منجمد ہو یا رقیق۔ پینے والے نے اسے حرام سمجھا ہو یا مباح سمجھ کر پیا ہو (بہر حال وہ مستوجب سزا ہے) کیونکہ اس کے مباح ہونے کی دلیل کمزور ہے اور اکثر علماء کے نزدیک (اس کے حلال ہونے کا قول) قابل انحراف ہے، خاص کر اس زمانے میں جبکہ لوگوں کی طبیعت میں بگاڑ ہے اور دین کے ضوابط میں خلل ہے اور طرح طرح کے شہوانی، نشہ آور مشروبات کی کثرت ہے لوگوں نے ان کے اچھے اچھے نام رکھ لیے ہیں مثلاً بیر، بوظہ، القات، تنکہ اور عرق وغیرہ۔ عہد حاضر میں لوگوں نے اسے حلال بنا لیا ہے۔ حالانکہ وہ حرام ہیں کیونکہ زیادہ مقدار میں پینے سے نشہ ہو جاتا ہے اور عقل زائل ہو جاتی ہے رسول اللہ ﷺ نے آخری زمانہ کی بابت جو پیشگوئی فرمائی وہ سچ ہو رہی ہے۔

حضرت ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ حضور نے فرمایا "لیشربن اناس من امتی الخمر، ویسمونها بغیر اسمها" احمد وابوداود (یعنی میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اسے شراب کے علاوہ کسی اور نام سے یاد کریں گے)۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "لتستحلن طائفة من امتی الخمر باسم یسمونها ایاه" (یعنی میری امت میں سے ایک جماعت شراب کو حلال کرے گی وہ ہوگی شراب لیکن اس کا نام شراب کے علاوہ کچھ اور رکھ لیا جائے گا۔ امام احمد وابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے۔ (انھوں نے تستحل کی جگہ پر تشرب روایت کیا) یعنی "حلال کرے گی" کی جگہ "پیے گی" روایت کیا۔

ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دن رات نہیں گزریں گے" (ایک زمانہ آئے گا) کہ میری امت کا ایک گروہ شراب پیے گا اور وہ اس کا دوسرا نام رکھ لے گا"۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

ابن محیریز نے کسی صحابی سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ "یشرب ناس من امتی الخمر، ویسمونها بغیر اسمها" (یعنی میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام شراب کے علاوہ کچھ اور رکھ لیں گے) اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

Marfat.com

یہ حدیثیں اوران کے علاوہ اور حدیثیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں قطعی دلائل ہیں کیونکہ ان میں ایسی باتوں کی خبر دی گئی ہے جو بعد میں پیش آنے والی تھیں۔ اور آپ تو اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے تھے (بلکہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا تھا) چنانچہ حضور نے مختلف قسم کے مشروبات کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ سب کچھ اس زمانہ میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔

وہ شیرہ جس میں شدت (تندی) نہ آئی ہو

ایسے عصیر (نچڑے ہوئے رس) کے بارے میں جو تین دن کا ہو جائے لیکن ہنوز تازہ ہو اور اس میں ابال یا تندی نہ ہو اور جھاگ نہ آئی ہو علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ شیرہ تین دن یا اس سے کم عرصہ کا ہو اور اس میں ابال اور تندی پیدا نہ ہو اور جھاگ نہ لایا ہو تو وہ 'خمر' نہیں ہے۔ اس کا پینا حلال ہے کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ''کنا ننبذ لرسول اللہ ﷺ فی سقاء یوکی اعلاہ' ولہ عزلاء' ننبذہ غدوۃ فیشربہ عشیاء، وننبذہ عشیاً فیشربہ غدوۃ'' بروایت امام احمد و مسلم و ابوداؤد و امام ترمذی رحمہم اللہ (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک سقاء۔ مشکیزہ یا ظرف آب میں ہم نبیذ یا افشردہ بناتی تھیں اور اس کا دھانہ ڈوری سے باندھ دیتی تھیں اس کے نچلے حصہ میں ایک سوراخ تھا۔ یہ نبیذ (یا افشردہ) صبح کو تیار ہوتا اور آپ اسے رات کو پیتے تھے اور رات کو افشردہ تیار ہوتا اسے اگلی صبح کو تناول فرماتے)۔

ایک اور حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ''کان رسول اللہ ﷺ ینبذ لہ اول اللیل، فیشربہ اذا اصبح یومہ ذلک، واللیلۃ التی تجیٔ، والغد، واللیلۃ الاخریٰ، والغد الی العصر، فاذا بقی شیء سقاہ الخدم، اوامر فصب'' بروایت امام احمد ومسلم رحمہما اللہ (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لیے سر شام نبیذ یعنی افشردہ بنایا جاتا تھا آپ اسے اگلی صبح کو پیتے پھر اگلی رات کو اور اس سے اگلی صبح کو اور پھر دوسری رات کو اور اس سے اگلے روز عصر کے وقت تک۔ اس کے بعد اگر کچھ بچ جاتا تو اسے خادم پی لیتے یا پھینک دینے کا حکم فرماتے تھے)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ''کان ینقع لہ الزبیب فیشربہ الیوم والغد، وبعد الغد الی مساء الثالثۃ، ثم یامربہ، فیسقی الخادم، اویھراق'' امام احمد، مسلم وابوداؤد (یعنی آنحضرت ﷺ کے لیے کشمش کو بھگو دیا جاتا تھا، آپ اس کو اس روز اور اس کے اگلے روز اور اگلے سے اگلے روز یعنی تیسرے دن کی شام تک پیتے تھے پھر جو بچتا وہ خادم پی لیتا یا پھر اسے لنڈھا دینے کا حکم دیتے تھے) اور یہ جو خادم کے پینے کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک اس میں نشہ نہیں ہوتا تھا۔ ورنہ یہ تو جائز نہیں ہے کہ خادم کو نشہ آور مشروب پلایا جائے۔ جبکہ خود آپ کو پینا جائز نہ تھا۔ بلکہ تیسرے دن عصر کے بعد اس کو پھینک دینا واجب ہے۔ کیونکہ تین دن کے بعد اس کی خاصیت بدل جاتی ہے اور مشروب نشہ آور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا پینا حرام ہے اور وہ نجس ہوتا ہے اس لیے پھینک دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

ابن ابی شیبہ اور نسائی نے بطریق سعید بن المسیب وشعبی اخراج فرمایا ہے کہ عصیر (یعنی افشردہ) کو اس وقت تم پی سکتے ہو جب تک کہ اس میں ابال نہ آئے۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عصیر (افشردہ) کو اس وقت تک پی سکتے ہو جب تک کہ اس میں تغیر نہ پیدا ہو جائے۔ بیشتر بزرگان سلف کا یہ قول ہے کہ تین دن سے پہلے اسے پیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تغیر نہ آیا ہو یعنی (بگڑا نہ ہو)۔ لیکن جب اس میں تغیر پیدا ہو جائے تو اس کا پینا حرام ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں غلیان پیدا ہو (یعنی ابال آنے لگے)۔ اس کی کیفیت عصیر (افشردہ) کی اقسام کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور مقامی خطہ کو بھی اس میں دخل ہے۔ اگر وہ گرم علاقہ ہے تو اس میں یہ خرابی جلد ہی اثر انداز ہو گی۔ لیکن اگر وہ ٹھنڈے علاقہ میں ہے یا سردی کا موسم ہے تو وہ جلد خراب نہ ہو گا۔ غرض اس کے استعمال کا جواز اس پر موقوف ہے کہ اس میں غلیان (ابال) نہ پیدا ہوا ہو۔ اگر ابال شروع ہو جائے تو حرام ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر افشردہ پہ تین دن ہو گئے ہیں تو اسے 'خمر' قرار دیا جائے گا اس کا پینا حرام ہے اور اسے ضائع کر دینا واجب ہے۔ اگر چہ اس میں ابال نہ آیا ہو اور تندی نہ پیدا ہوئی ہو یا جھاگ نہ آنے لگے ہوں۔ کیونکہ اسے 'خمر' اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں خمیر (ابال) آنے تک اسے پڑا رہنے دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بو میں تبدیلی آجاتی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ''علمت ان رسول اللہ ﷺ کان یصوم، فتحینت فطرہ بنبیذ صنعتہ فی دباء، ثم اتیتہ بہ، فاذا ھو ینش، فقال اضرب بھذا الحائط، فان ھذا شراب من لایؤمن باللہ والیوم الآخر'' ابوداؤد والنسائی (یعنی مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ روزہ رکھ رہے تھے میں نے ایک ظرف کدو میں نبیذ (افشردہ) تیار کیا اور ان کے افطار کا منتظر رہا۔ پھر اسے لے کر حضور کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ اس میں ابال آنے لگا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے دیوار پر انڈیل دو اس مشروب کو وہ پیے جسے خدا اور آخرت پر ایمان نہ ہو)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عصیر (افشردہ) کے بارے میں مروی ہے ''اشربہ مالم یاخذہ شیطانہ'' (یعنی اسے اس وقت تک پی سکتے ہو جب تک اس پر شیطان کا غلبہ نہ ہو)۔ دریافت کیا گیا کہ شیطان کا غلبہ کب ہوتا ہے فرمایا 'فی ثلث' (یعنی تین دن میں) احمد وغیرہ نے اس روایت کیا ہے۔

امام شوکانی نے نیل ''الاوطار'' میں بتایا ہے کہ (روایت بالا میں) فتحینت فطرہ، کے معنے یہ ہیں کہ میں حضور کے وقت افطار کا منتظر رہا اور 'صنعتہ فی دباء' کے معنے ظرف کدو میں تیار کرنے کے ہیں اور لفظ 'ینش' بفتح الیاء وکسر النون' کے معنے غلی (یعنی ابلنے) کے ہیں چنانچہ جب شراب میں ابال آجائے تو کہتے ہیں ''نشت الخمر یا تنش نشیشاً اذا غلت'' (یعنی شراب ابلنے لگی یا اس میں ابال آگیا) غرض 'نبیذ' کا پینا اس وقت تک روا ہے۔ جب تک اس میں شیرینی ہے اور اس کے ذائقہ میں فرق نہیں آیا۔ لیکن اگر موسم گرما میں نبیذ تند ہو جائے اور اس کے ذائقہ میں تبدیلی آنے لگے تو جملہ اصحاب کی رائے میں اس کا پینا حرام ہے۔

پکائے ہوئے عصیرہ (افشردہ یا شیرہ) کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عصیرہ کو اس قدر جوش دیا جائے کہ ایک تہائی حصہ کم ہو جائے تو اسے 'طلاء' کہتے ہیں۔ اگر آدھا رہ جائے تو اسے 'منصف' کہتے ہیں اگر معمولی سا جوش دیا جائے تو اسے 'باذق' کہتے ہیں۔ اب اگر اس میں ابال

Marfat.com

آجائے تندی یا شدت پیدا ہو جائے اور جھاگ دینے لگے تو یہ سب حرام ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں یہ لذت انگیز اور طرب آگین مشروب مائع ہو جائے گا، فاسقوں کا شیوہ ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر اسے پیتے ہیں۔ اس کا پینا (شرعاً) حرام ہے تا کہ اس میں جو خرابی ہوتی ہے اس سے بچا جا سکے۔ البتہ اگر شیرہ کو اس قدر پکایا جائے کہ دو تہائی شیرہ سوخت ہو جائے تو وہ حلال ہے اگرچہ اس میں تندی آ جائے بشرطیکہ نیت پرہیزگاری کی ہو مستی و بیخودی کے لیے ہو تو حرام ہے یہ حکم اس روایت کی بناء پر ہے جس کا نسائی نے بطریق عبداللہ ابن یزید الخطمی اخراج کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ لکھا تھا کہ "اطبخوا شرابکم حتی یذھب نصیب الشیطان اثنین، ولکم واحد" (یعنی تم اپنی شراب کو اس قدر پکاؤ کہ شیطان کے دو حصے جو ہیں وہ ختم ہو جائیں اور ایک حصہ باقی رہے)۔ حافظ نے کتاب فتح میں اس روایت کو صحیح بتایا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں بطریق محمود بن لبید الانصاری اخراج فرمایا ہے کہ حضرت عمر جب شام میں آئے تو شام کے باشندوں نے وہاں کے وبائی امراض اور خرابی، آب و ہوا کی شکایت کی اور کہنے لگے کہ جب تک یہ (ابالا ہوا مشروب) استعمال نہ کیا جائے صحت مند نہیں رہتے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ شہد پیا کرو۔ انھوں نے کہا کہ شہد سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہاں کے باشندوں میں سے کسی نے کہا کہ آیا آپ اس مشروب کو ایسا بنا سکتے ہیں کہ نشہ آور نہ رہے۔ آپ نے فرمایا 'ہاں' پھر انھوں نے (کہنے کے مطابق) اسے پکایا یہاں تک کہ صرف ایک تہائی رہ گیا، پھر اسے لے کر وہ حضرت عمر کے پاس آئے۔ آپ نے اپنی انگلیاں اس میں بار بار ڈال کر نکالیں جو اس میں لس جاتی تھیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ یہ طلاء (قوام) طلائے شتر (یا قطران) کی مانند ہے (جو بالعموم اونٹ پر ملا جاتا ہے) اور فرمایا کہ اب اس کو پی سکتے ہو اور کہا "اللّٰھم انی لا احل لھم شیئاً حرمتہ علیھم" (یعنی اے اللہ میں نے ایسی شے کو حلال نہیں کیا جسے تو نے ان پر حرام فرمایا ہے) اور بطرق سعید بن المسیب سے ایک روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایسی شراب کو حلال فرمایا ہے جسے پکا کر دو تہائی جلا دیا جائے اور ایک تہائی باقی رہے۔

کتاب فتح میں مذکور ہے کہ حضرت عمر کے اس حکم کے متعلق جس جس کے پاس ذکر آیا سب نے حضرت عمر سے اتفاق کیا۔ مثلاً ابو موسیٰ اور ابو الدرداء جن سے نسائی نے اخراج فرمایا۔ نیز امام علی کرم اللہ وجہہ، ابو امامہ اور خالد بن ولید جن سے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے اخراج کیا۔ تابعین میں سے ابن المسیب، حسن اور عکرمہ نے اور فقہاء میں سے امام ثوری، لیث اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے فرمایا کہ پکایا ہوا شیرہ اگر نشہ آور ہو جائے تو اس کا پینا منع ہے۔ خواہ قلیل مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں اور خواہ ابال آیا ہو یا نہ آیا ہو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ابال آ کر اس میں نشہ پیدا ہو گیا ہو لیکن بعد میں اس کا ابال بیٹھ گیا ہو۔ پس ان سب کے نزدیک اس کو استعمال میں لانے کی شرط یہ ہے کہ وہ نشہ آور نہ ہو۔

امام مالک نے باسناد صحیح اخراج فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "انی وجدت من فلان ریح شراب، فزعم انہ شرب الطلاء وانی سائل عما شرب، فان کان یسکر جلدتہ فجلدہ عمر الحد تاماً" (یعنی فلاں شخص سے مجھے شراب کی بو آئی۔ آپ نے گمان کیا کہ اس شخص نے طلاء (مشروب جوشاندہ یا نشہ آور شیرہ) پی رکھا ہے۔ میں اس سے پوچھنے والا ہوں کہ کیا پیا ہے اگر وہ نشہ آور شے ہے، تو میں اس پر درے لگاؤں گا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اسے پورے درے مارے)۔ بظاہر اس عبارت میں کچھ رہ گیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "فسال عنہ فوجدہ یسکر فجلدہ" یعنی حضرت عمر نے اس کی بابت دریافت کیا تو اسے نشہ آور پایا تب اسے حد

Marfat.com

ماری (تازیانہ کی سزادی)۔سعید بن منصور نے حضرت عمرؓ سے اسی طرح اخراج فرمایا ہے۔اس میں ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جنھوں نے یہ سمجھا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے پکائی ہوئی شراب کو جائز قرار دیا ہے جبکہ اسے اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے۔ابواللیث سمرقندی کہتے ہیں کہ پکایا ہوا افشردہ اگر نشہ آور ہو جائے تو اس کا پینا 'خمر' کے پینے سے بڑا گناہ ہے کیونکہ خمر (شراب) پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے اور پکے ہوئے نشہ آور مشروب کا پینے والا اسے حلال جان کر پیتا ہے۔اس بات پر اجماع (سب کا اتفاق) ہے کہ شراب خواہ تھوڑی ہو یا بہت حرام ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "کل مسکر حرام" (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے) اور حرام شے کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

شافعیہ، مالکیہ اور ہادویہ کہتے ہیں کہ ہر نشہ آور شے کا پینا حرام ہے خواہ وہ عصیر (نچوڑا ہوا شیرہ) ہو یا نبیذ (رس) اس کا استعمال مطلقاً ناجائز ہے خواہ اتنی تھوڑی مقدار ہو کہ نشہ نہ لائے۔(لیکن حرام اسی صورت میں ہوگا) کہ اس میں نشہ لانے کی صلاحیت ہو۔

شراب سے سرکہ بنالینے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ خمر (شراب) کو سرکہ بنا لینا حلال ہے، خواہ شراب خود سرکہ بن جائے یا اسے سرکہ بنا لیا جائے۔کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ "نعم الادم الخل مطلق" ہے (یعنی سرکہ بہت اچھا سالن یا لاون ہے) (یعنی یہ تفصیل نہیں ہے کہ وہ خمر سے بنا ہو یا کسی اور طرح سے) پھر یہ بھی ارشاد ہے کہ "خیر خلکم خل خمرکم" (یعنی اچھا سرکہ وہ ہے جو خمر سے بنایا جائے) اور اس لیے بھی کہ شراب کے سرکہ بن جانے سے اس میں جو برائی ہے وہ جاتی رہتی ہے اور اس کی خاصیت اچھی ہو جاتی ہے

کیونکہ سرکہ قاطع صفراء ہے۔(یعنی صفراء کو چھانٹ دیتا ہے) اور اس میں غذائیت کے علاوہ اور بھی خوبیاں ہیں اگر (شراب کی) وہ خرابیاں دور ہو جائیں جو اس کے حرام ہونے کا موجب ہیں تو وہ اسی طرح حلال ہو جائے گی جیسے سرکہ بذات خود حلال ہے اور جس برتن کی شراب سرکہ بن جائے وہ برتن بھی پاک ہو جائے گا۔کیونکہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کا ہر جز و سرکہ بن جاتا ہے رہا برتن کا وہ حصہ جو سرکہ سے خالی ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ساتھ کے ساتھ پاک متصور ہو گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر شراب کا سرکہ بنانے کے لیے اسے دھوپ سے ہٹا کر سایہ میں رکھ دیا جائے یا (سرکہ بنانے کے لیے) ایسا ہی کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے تو وہ بھی اس کے حلال اور پاک ہو جانے کی ایک صورت ہوگی۔

مالکیہ سے اس بارے میں تین روایتیں منقول ہیں اور ان میں صحیح ترین روایت یہ ہے کہ (شراب سے) سرکہ بنانا حرام ہے۔اگر اس کا سرکہ بنالیا جائے تو وہ سرکہ پاک متصور ہوگا تاہم ایسا کرنا گناہ ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے شراب کو سرکہ بنائے جانے کی بابت استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا "لا" (یعنی ایسا نہ کرو) احمد، ابو مسلم ابوداؤد اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوطلحہ نے آنحضرت ﷺ سے ان یتیموں کا ذکر کیا جنہیں ورثہ میں شراب ملی تھی آپ نے حکم دیا کہ اس شراب کو بہا دو۔عرض کیا

Marfat.com

گیا کہ آیا اس کا سرکہ نہ بنالیا جائے ارشاد ہوا ''لا'' (یعنی نہیں) احمد اور ابوداؤد اس حدیث کے راوی ہیں۔اس میں عوام کے لیے ایک رہنمائی ہے کہ شراب سے سرکہ بنانا جائز نہیں ہے اور سرکہ بنانے سے کہ اس میں کچھ ڈال کر بنایا جائے، پاک نہ ہوگا۔

شراب کی تلچھٹ کا بیان

شراب کی تلچھٹ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ تلچھٹ ظرف شراب کی تہ میں جمی ہوئی شے ہے، جسے درد کہتے ہیں شافعیہ کہتے ہیں کہ 'خمر' کی تلچھٹ پینا حرام ہے اور جو پیے اسے حد (ضرب تازیانہ) ماری جائے۔ یہی حکم دوسری نشہ آور چیزوں کا ہے اور ایسی شے کے پینے پر حد نہ ہوگی جس میں مل کر شراب ختم ہوگئی ہو۔اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شراب میں گندھے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی جائے۔اس طرح شراب آگ میں جل جاتی ہے البتہ روٹی نجس رہ جاتی ہے۔اسی طرح شراب آمیز معجون کے کھانے پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ شراب کو اس میں ماردیا جاتا ہے۔نیز اس گوشت کے کھانے پر حد نہیں ہے جو شراب میں پکایا جائے۔بخلاف اس صورت کے جب کہ اس گوشت کا شوربا بنالیا جائے یا گوشت کو شراب میں ڈبو کر یا اس کا ثرید بنا کر (یعنی اس میں بھگو کر) کھایا جائے۔ان صورتوں میں حد (سزائے شرعی) نافذ کی جائے گی کیونکہ ان میں شراب اپنی اصل حیثیت باقی رکھتی ہے اگر شراب کا حقنہ دیا جائے کہ کسی مائع شے کے ساتھ (بذریعہ اینمہ) اسے جوف شکم میں پہنچا دیا جائے تو اس پر حد عائد نہ ہوگی البتہ ناک سے سڑک کر پیٹ میں داخل کی جائے تو حد نافذ ہوگی کیونکہ اس سے شراب کا نشہ ہوجاتا ہے اور اس طرح پیٹ میں کچھ داخل کرنے سے روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔اندریں باب ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ شراب کے حقنہ سے یا سڑکنے سے حد جاری نہ ہوگی کیونکہ حد (سزائے شرعی) کا مقصد مرتکب کی تنبیہ ہے اور اس عمل پر تنبیہ کی حاجت نہیں ہے کیونکہ اس فعل میں نفسانی خواہش کو دخل نہیں ہوتا۔تاہم بلقینی کا کہنا یہ ہے کہ شراب کو ناک سے سڑکنے پر حد ماری جائے گی۔ حقنہ (اینمہ) کرنے پر حد نہیں ہے۔کیونکہ شراب کو سڑکنے سے سرور ہوسکتا ہے' حقنہ سے نہیں ہوتا۔حنفیہ کہتے ہیں کہ شراب کی تلچھٹ کو پینا یا اسے کام میں لانا مکروہ ہے کیونکہ وہ بھی شراب کے اجزاء میں سے ہے۔لیکن اس کے پینے والے کو جب تک کہ نشہ نہ ہو حد نہیں ماری جائے گی کیونکہ تلچھٹ بہت گھٹیا شے ہے۔طبع سلیم اسے پسند نہیں کرتی اور تھوڑی سی ہوتی ہے زیادہ نہیں پی جاتی۔پس وہ شراب سے جداگانہ شے ہے اسے شراب نہیں کہا جاسکتا۔

شراب کی خرید وفروخت کا بیان

تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ قطعی دلائل کی بناء پر شراب کا حرام ہونا ثابت ہے اسے حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ اس کے حرام ہونے پر پوری امت کا اجماع اور یہ بدلائل متواترہ ثابت ہے۔مسلمان کے نزدیک وہ بے قدر شے ہے۔لہٰذا خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔اس کو غصب کرنے والے یا تلف کرنے والے پر کوئی تاوان نہیں ہے۔کیونکہ ایسا ہونا اس کے قابل قدر ہونے کا ثبوت ہے۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کا ارشاد کہ ان الذی حرم شربھا وحرم بیعھا واکل ثمنھا (یعنی جو شے حرام ہے اس کی خرید وفروخت حرام ہے اور اس کی قیمت کو استعمال میں لانا بھی حرام ہے) اور اس کے نجس ہونے کے باعث اس سے فائدہ اٹھانا حرام ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے استفادہ کرنا اس سے قریب ہونا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا 'فاجتنبوہ' (یعنی اس سے دور رہو)۔

شراب کے متعلق احکامات

شراب پینے والے کو حد ماری جائے خواہ اسے نشہ نہ ہوا ہو تا کہ برائی کی بناء ہی جاتی رہے جیسے غیر عورت کے ساتھ خلط ملط اور بوس وکنار بھی حرام ہے کیونکہ اس سے بدکاری تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حاکم کی روایت میں آیا ہے کہ "من شرب الخمر فاجلدوہ" (یعنی جو شراب پیے اسے دُرّے لگاؤ)۔ یہ حکم (شراب کے علاوہ) دوسری نشہ آور اشیاء کے لیے نہیں ہے۔ اگر بالفرض کسی کو شراب کا نشہ نہیں ہوتا اور صرف دوران خون ہوتا ہے تب بھی بوجہ نجس ہونے کے نہ کہ بوجہ نشہ آور ہونے کے حرام ہے لہٰذا (اس حرام کے استعمال کرنے پر) حد ماری جائے گی۔

اگر کسی کے گھر میں شراب ہو اور وہاں کچھ لوگ مجلس شراب میں شامل ہونے والوں کی طرح بیٹھے ہوں لیکن انھیں پیتے ہوئے نہ دیکھا گیا ہو نہ ان سے شراب کی بو آتی ہو اور نہ انھوں نے پینے کا اعتراف کیا ہو۔ تو حاکم شرع ایسے اشخاص کو اس بناء پر سزا دے گا کہ انھوں نے ایک امر ممنوع کا ارتکاب کیا ہے اور ناپسندیدہ اشخاص کے شریک مجلس ہوئے۔ اسی طرح اگر کچھ لوگ خانۂ خمار (Box) میں جہاں شراب ملتی ہے پائے جائیں اور حاکم شرع انھیں دیکھے تو انھیں اس سے باز رکھنے کے لیے سزا دے۔ اگر کسی شخص کے پاس ظرف شراب (بوتل وغیرہ) پایا جائے یا اس نے گھر میں رکھ چھوڑا ہو تو اسے بھی سزا ملے گی کیونکہ اس نے امر ممنوع کا ارتکاب کیا۔

شراب کی بو محسوس کرنے کا بیان

اگر کسی شخص نے ارادۃً بلا جبر کے شراب پی اور اس حالت میں گرفتار ہوا کہ اس (کے منہ) سے شراب کی بو آتی یا ایسا شخص حاکم کے پاس لایا جائے جو نبیذ وغیرہ عام نشہ آور اشیاء میں سے کوئی شے پی کر مدہوش ہو رہا ہے اور دو اشخاص نے اس کے پینے کی گواہی دی تو اس پر حد نافذ ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص گرفتار ہوا جب کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی لیکن حاکم کے پاس لائے جانے تک، فاصلہ دور ہونے کے باعث وہ بو جاتی رہی، تب بھی اسے حد ماری جائے گی۔ ہاں اگر حاکم تک پہنچنے کا فاصلہ قریب تھا (اور بو جاتی رہی) تو اس حالت میں (اس کے مستوجب سزائے حد ہونے کے متعلق) علماء کا اختلاف ہے:

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس پر حد نافذ نہ کی جائے کیونکہ جب تک شراب کی بو کے ساتھ گواہ بھی نہ ہو تو وہ شخص مستوجب حد نہیں ہے۔

حنفیہ میں سے امام محمد اور مالکیہ وشافعیہ اور بموجب ایک روایت کے حنابلہ بھی یہ کہتے ہیں کہ شہادت موجود ہو تو حد ماری جائے گی، خواہ شراب کی بو اس شخص سے نہ آتی ہو۔ ان کے نزدیک حد نافذ کرنے کے لیے شراب کی بو آنا یا شرابی کا اقرار کرنا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ (ثبوت جرم کے لیے) بو کا آنا ضروری نہیں ہے (شہادت کافی ہے)۔

اگر کسی سے شراب کی بو آ رہی ہو لیکن وہ شراب پینے کا اعتراف نہ کرے اور گواہ بھی کوئی نہیں ہے تو ایسی حالت میں (نفاذ حد کے بارے میں) علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، شافعیہ، جمہور اہل عراق اور بصرہ کے علماء کہتے ہیں کہ محض شراب کی بو محسوس ہونے کی بناء پر حد جاری نہ کی جائے کیونکہ شراب پینے کا جرم اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ شراب کی سی بو اور شے سے بھی آ سکتی ہے لہٰذا کوئی حکم بو آنے یا نہ

Marfat.com

آنے کی بناء پر نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ یہ شبہ کی بات ہے اور شبہ ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔

مالکیہ، حنابلہ اور جمہور اہل حجاز کہتے ہیں کہ (شراب کی) بو آنے پر حد نافذ ہو گی بشرطیکہ دو معتبر گواہ حاکم کے روبرو اس کی شہادت دیں کیونکہ شراب کی بو تحریر یا آواز کی شہادت کی مانند ہے۔ اور (منہ سے) بو کا آنا شراب پینے کے ثبوت میں سب سے قوی شہادت ہے۔ ماہرین کو بو کے تعین میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس حکم کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے۔ "انہ قراء سورہ یوسف فقال رجل: ماھکذا انزلت، فقال عبداللہ: واللہ لقد قرأتھا علی رسول اللہ ﷺ فقال: احسنت، فبینا ھو یکلمہ، اذ وجد منہ رائحۃ الخمر فقال: اتشرب الخمر، وتکذب بالکتاب؟ فضربہ الحد" (یعنی انھوں نے سورہ یوسف کو پڑھا۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی، (عبداللہ ابن مسعود) نے کہا کہ بخدا میں نے یہ سورت رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھی۔ آپ نے تحسین فرمائی۔ لیکن وہ شخص جس وقت بول رہا تھا اس (کے منہ) سے بوئے شراب آرہی تھی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تو نے تو شراب پی رکھی ہے اور کلام اللہ کو جھٹلاتا ہے۔ اس کے بعد اس شخص کو حد ماری گئی)۔ یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت ابن مسعود نے شراب کی بو آنے کی بناء پر اس شخص پر حد کا نفاذ فرمایا: اس کے لیے نہ کوئی شہادت پیش ہوئی اور نہ اس شخص نے اقرار کیا۔

دار قطنی نے سائب بن یزید سے اور انھوں نے عمر بن الخطاب سے بسند صحیح اخراج فرمایا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو جس سے شراب کی بو آرہی تھی 'حد' ماری۔

شراب پینے کا اعتراف کرنے کا بیان

اگر کسی شخص نے شراب پینے کا اعتراف کیا لیکن اس سے شراب کی بو نہیں آرہی۔ اس شخص کے (مستوجب حد ہونے کے بارے میں) علماء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد کہتے ہیں کہ شراب پینے کا اعتراف کرنے والے کو حد ماری جائے۔ کیونکہ انسان اپنے اوپر بلاوجہ الزام عائد نہیں کرتا۔ چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدفعلی کا اعتراف کر لینے سے جرم باطل نہیں ہو جاتا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شراب پینے کا اعتراف کرنے والے کے منہ سے اگر اس وقت بو نہ آتی ہو تو اسے حد نہ ماری جائے۔ کیونکہ شراب پینے کی حد جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اجماع سے ثابت ہے اور یہ اجماع محض ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے پر ہوا ہے۔ انھوں نے نفاذ حد کے لیے شراب کی بو کا پایا جانا شرط (لازم) قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابی ماجد حنفی سے روایت ہے "جاء رجل بابن اخ لہ سکران الی عبداللہ بن مسعود فقال عبداللہ بن مسعود: ترتروہ، ومزمزوہ، واستنکھوہ ففعلوا، فردہ الی السجن، ثم عاد بہ من الغد، ودعا بسوط، ثم امر بہ فدقت ثمرتہ بین حجرین، حتی صارت درۃ، ثم قال للجلاد اجلد ورجع یدک، واعط کل عضو حقہ" (یعنی ایک شخص اپنے بھتیجے کو نشہ کی حالت میں عبداللہ بن مسعود کے پاس لایا۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اس سے بات چیت کرو۔ ہلاؤ جلاؤ اور سونگھ کر دیکھو چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔ پھر اسے قید میں ڈال دیا اور اگلی صبح کو طلب فرمایا اور

Marfat.com

ایک چھڑی منگوائی پھر ان کے حکم سے اس کی گانٹھوں کو دو ہتوں کے درمیان رکھ کر کچلا گیا۔ جب درہ تیار ہو گیا تو جلاد کو حکم دیا کہ اسے دُرّے لگاؤ اور ہاتھ بدل بدل کر اس کے ہر عضو کو کما حقہ سزا دو) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے ہلانے جلانے اور بات چیت سے شراب کی بو محسوس کی تب حد نافذ فرمائی حدیث میں الفاظ ترترہ اومزمزہ جو آئے ہیں اس کے معنے ہلانے جلانے اور جھنجھوڑنے کے ہیں تاکہ شراب کی بدبو نمایاں طور پر ظاہر ہو جائے۔ (ہلانے جلانے سے معدہ میں جنبش ہوتی ہے اور بدبو خفیف بھی ہو تو تیز ہو جاتی ہے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا مسلک یہی تھا لہٰذا شہادت کی بناء پر نفاذ حد کا حکم نہیں دیا جائے گا تا آنکہ اس کے ساتھ شراب کی بو بھی نہ ہو۔ تاکہ ارتکاب جرم میں شبہہ باقی نہ رہے۔

مخمور انسان پر کس حالت میں حد لگائی جائے

ائمۂ فقہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب تک شراب پینے والے کا نشہ نہ اتر جائے اور وہ ہوش میں نہ آ جائے اسے حد نہ ماری جائے۔ تاکہ وہ ضرب کی اذیت محسوس کرے۔ اس کو تنبیہہ ہو اور (آئندہ) اس حرکت سے باز رہے۔ اگر انسان کی عقل برجا نہ ہو اور بے خودی کا غلبہ ہو تو نشہ کے باعث تکلیف کم محسوس ہوتی ہے۔

نشہ باز کے اقرار جرم کا بیان

ائمۂ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر مخمور انسان بے خودی اور نشہ کے عالم میں شراب پینے کا اقرار کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ خالص حدود نافذ نہ ہوں گی۔ مثلاً بدفعلی کی حد یا شراب نوشی یا چوری کی حد جب کہ نشے کی حالت میں وہ ان جرائم کا اقرار کرے البتہ اگر مسروقہ مال کا اقرار کرے تو (اس حال میں بھی) اس کے تاوان کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا۔ کیونکہ اس کا تعلق بندوں کے حق سے ہے جو اس پر عائد ہوتا ہے۔ حالت نشہ میں اقرار کا ذکر اس لیے ہے کہ اگر (اقرار سے نہیں بلکہ) شہادت سے بدکاری کا ثبوت ہو جائے تو حد ماری جائے گی لیکن نشہ اترنے کے بعد اسی طرح اگر نشہ کی حالت میں چوری کی اور اس کی شہادت موجود ہو تب بھی حد واجب ہو گی اور جب نشہ دور ہو جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے حقوق (یعنی خدا کی مقرر کردہ سزاؤں) کے بارے میں مدہوش انسان کا اقرار تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ہوش میں آنے کے بعد وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مدہوش انسان اقرار یا انکار کسی بات پر قائم اور ایک حالت میں نہیں رہتا۔

علماء کا کہنا یہ ہے کہ اگر نشہ کی مدہوشی میں کوئی شخص اپنے اوپر کسی بندے کا حق واجب ہونے کا اقرار کرے تو اس کا تاوان اس سے تادیباً لیا جائے گا کیونکہ اس نے یہ مصیبت خود اپنے اوپر عائد کی ہے پس اگر کسی نے نشہ کی حالت میں ایک مسلمان مرد یا عورت پر تہمت لگائی تو اسے قید میں ڈال دیا جائے گا او جب وہ ہوش میں آئے تو اس پر تہمت لگانے کی حد نافذ کی جائے گی پھر اسے ضربات حد کی تکلیف دور ہونے تک بدستور قید میں رکھا جائے گا۔ اس کے بعد دوبارہ شراب پینے کی حد ماری جائے گی۔

واضح ہو کہ نشہ میں آنے سے انسان مرتد نہیں ہوتا اور نہ بیوی سے علیحدگی ہوتی ہے کیونکہ کفر کا تعلق عقیدہ یا توہین سے ہے پس توہین کی غرض سے (دین) کا مذاق اڑانے والے پر کفر عائد ہوتا ہے گو اس کا عقیدہ وہ نہ ہو جو وہ کر رہا ہے لیکن

Marfat.com

نشہ کی حالت میں مدہوش انسانوں کا کوئی عقیدہ نہیں ہوتا اور نہ توہین پیش نظر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں سمجھ ہی نہیں ہوتی اور عقیدہ یا اس کی توہین سمجھ بوجھ کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے علماء نشہ کی حالت میں کلمہ کفر بکنے والے کو کافر قرار نہیں دیتے۔ کیونکہ (اس حالت میں) وہ مرفوع القلم (یا غیر ذمہ دار) متصور ہوتا ہے۔

بار بار ارتکاب شراب نوشی کا بیان

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "من شرب الخمر فاجلدوه، ثم ان شرب فاجلدوه. الی ان قال. فان عاد الرابعة فاقتلوه" (یعنی حضور نے فرمایا کہ شراب پینے والے کو درے لگاؤ اور دوبارہ پیے تو پھر درے لگاؤ۔ یہاں تک کہ اگر چوتھی بار بھی ایسا کرے تو اسے قتل کر دو) اس حدیث کو نسائی کے سوا تمام ارباب سنن نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اخراج فرمایا ہے اور اس حدیث یعنی من شرب الخمر فاجلدوه، الخ کو نسائی نے سنن کبریٰ میں محمد بن اسحٰق سے۔ انھوں نے محمد بن المکندر سے اور انھوں حضرت جابر سے مرفوعاً اخراج فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی حضور نے اسے بھی دُرّے لگائے۔ قتل نہیں کیا اصحاب سنن کا کہنا یہ ہے کہ قتل کا حکم منسوخ ہوا۔ چنانچہ روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کر دیا کہ مسلمانوں کی رائے میں (شراب پینے کی) حد مقرر ہو گئی ہے اور قتل کا حکم جاتا رہا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے شراب پینے والے کے بارے میں فرمایا کہ "اذا شرب فاجلدوه، ثم اذا شرب فاجلدوه ثم اذا شرب الثالثة فاجلدوه، ثم اذا شرب الرابعة فاضربوا عنقه" (یعنی اگر کوئی شراب پیے تو اسے دُرّے لگاؤ اور پھر پیے تو دُرّے لگاؤ اور تیسری بار پیے تو دُرّے لگاؤ پھر اگر چوتھی بار پیے تو اس کی گردن مار دو) یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں۔ اور چاروں اصحاب رحمہم اللہ کے۔

شراب پینے والے کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں اختلاف ہے۔ کہ آیا چوتھی بار کوئی پیے تو اسے قتل کیا جائے یا پانچویں بار پینے پر قتل کیا جائے؟

ابوداؤد نے ابان القصار کی روایت سے یہ اخراج فرمایا ہے اور کے بعد دیگرے تین بار دُرّے لگائے جانے کا ذکر کیا اور پھر کہا کہ "فان شربوا فاقتلوهم" (یعنی اس کے بعد پھر پییں تو انہیں قتل کر دو) چنانچہ بظاہر یہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور ابن حزم اسی خیال پر قائم رہے اور اس کا ثبوت انھوں نے احادیث رسول اللہ ﷺ سے دیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ حکم قتل کے منسوخ ہو جانے پر اجماع نہیں ہے۔ تاہم جمہور علماء کا خیال یہی ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر قتل کیے جانے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد حیات میں ایک بار بھی اس پر عمل نہیں فرمایا۔ اور نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے بھی اس پر عمل کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس حکم کے منسوخ ہو جانے پر اجماع ہے۔

امام ترمذی نے زہری کی روایت سے اخراج کیا ہے جنہوں نے قبیصہ بن ذؤیب سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "من شرب الخمر فاجلدوه الی ان قال ثم اذا شرب فی الرابعة فاقتلوه" (یعنی جو شراب پیے تو اسے دُرّے لگاتے رہو یہاں تک کہ فرمایا اگر چوتھی بار بھی شراب پیے تو اسے قتل کر دو) اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص کو جس نے شراب پی رکھی تھی پیش کیا گیا اسے درے لگے پھر اس نے شراب پی پھر درے لگے۔ اسکے بعد پھر اس نے شراب پی پھر درے لگے اور چوتھی بار بھی جب اس نے شراب پی تو اسے درے ہی

Marfat.com

مارے گئے۔ پس قتل کا حکم نہ رہا اور درے کی اجازت ہوگی۔ یعنی درآنحالیکہ رسول اللہ ﷺ نے چوتھی بار شراب پینے پر بھی درے ہی کی سزا پر اکتفا کیا تو یہ شارع کا قتل سے درگزر کرنے کی اجازت دینا اور سابق الذکر حکم کی جو نافذ نہیں کیا گیا تنسیخ کرنا ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ صورت حال (یعنی تنسیخ حکم قتل) ایسی بات ہے جس میں اہل علم کو اختلاف نہیں ہے اس بناء پر ترمذی اور جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ''فرای المسلمون ان الحد قد وضع، وأن القتل قد ارتفع'' (یعنی مسلمانوں نے اس سے یہ رائے قائم کی کہ حکم حد برقرار رہا اور قتل کا حکم ہٹالیا گیا)۔ واللہ اعلم۔

ابن رسلان کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ شراب پینے والے پر حد کا جاری کرنا واجب ہے۔ شراب خواہ تھوڑی سی (پی) ہو یا بہت یا محض ایک قطرہ پی ہو۔ اور اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ شراب پینے والے کو (اس کی پاداش میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔ خواہ وہ بار بار اس جرم کا ارتکاب کرے۔

حد جاری کرنے کا طریقہ

علماء کہتے ہیں کہ شراب پینے کی سزائے شرعی بدکاری کی سزا سے ہلکی ہوگی کیونکہ بدکاری کی سزا تو قرآن حکیم سے ثابت ہے اور شراب پینے کی سزا سنت (حدیث) سے ثابت ہے۔ علاوہ اس کے بدکاری کا ارتکاب دوسرے پر ظلم ہے اور شراب پینا اپنے اوپر ظلم ہے اور بدکاری کا گناہ باعتبار نقصان دہ ہونے کے شراب پینے سے زیادہ بڑا اور زیادہ ضرر رساں ہے۔ لیکن شراب نوشی کی سزا تہمت لگانے کی سزا سے زیادہ سخت ہے کیونکہ وہ شراب نوشی کا مجرم یقینی طور پر مرتکب جرم ہوتا ہے لیکن تہمت لگانے کے جرم میں اس الزام کے سچ یا جھوٹ ہونے کا امکان ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ شراب کے مرتکب کو سزائے تازیانہ کپڑے اتار کر دی جائے یا بغیر کپڑے اتارے۔

چاروں اماموں کا قول یہ ہے کہ شراب کی سزائے تازیانہ کے وقت مجرم کے تمام کپڑے بجز اس کے جو ستر ڈھانکنے کے لیے ہوں، اتار دیے جائیں۔ جیسا کہ دوسری حدوں کے نفاذ میں ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جرم کیا ہوتا ہے اور اس کی تکلیف محسوس ہو اور اجرائے حد کا مقصد پورا ہو کہ آئندہ ارتکاب جرم سے باز رہے۔

امام محمد بن حسن کہتے ہیں کہ شراب پینے کی سزا تہمت کی سزا کی طرح لباس پہنے ہوئے دی جائے اور پوستین، روئی دار یا کھال کے سوا اور کوئی کپڑا نہ اتارا جائے۔ کیونکہ شراب نوشی کی سزا بھی تہمت تراشی کی سزا کی مانند ہے جیسا کہ امام علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ انسان شراب پی کر اول فول بکتا ہے یہی اول فول الزام تراشی ہے اور اللہ کی کتاب (قرآن) میں جھوٹا الزام لگانے کی سزا اسی (۸۰) دُرّے ہیں۔

شراب پینے والے کو ضرب ''حد'' لگانے کی کیفیت

شافعیہ کہتے ہیں کہ ضرب یہ ہے کہ کھجور کی چھچی، جوتوں یا کپڑے کے پلوؤں سے مارا جائے۔ چھچی اور جوتے کی سزا اکٹھی دی جاسکتی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ چھچی، جوتے، کپڑے کے پلو یا ہاتھ سے مارا جائے اور جائز ہے کہ تازیانے مارے جائیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''ان النبی ﷺ ضرب فی الخمر بالجرید والنعال، وجلد ابوبکر اربعین'' متفق علیہ (یعنی رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے کی سزا چھچی اور جوتوں کی مار سے دی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس ضربیں ماریں)۔

Marfat.com

عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ان النبی اتی بنعیمان او بابن نعیمان وھو سکران، فشق علیہ، وامر من فی البیت ان یضربوہ فضربوہ بالجرید والنعال وکنت ممن ضربہ" بخاری (یعنی رسول اللہ ﷺ کے سامنے نعیمان یا ابن نعیمان کو پیش کیا گیا اور وہ نشہ میں تھے حضور کو سخت ناگوار گزرا اور گھر میں موجود کسی شخص کو حکم دیا کہ ان کو (سزا کے طور پر) مارا جائے۔ پس انھیں چھڑی اور جوتے سے مارا گیا۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں بھی ان کو سزا دینے والوں میں تھا)۔

حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے "کنانؤتی بالشارب فی عھد رسول اللہ ﷺ وفی امرة ابی بکر وصدراً من امرة عمر، فنقوم الیہ، نضربہ بایدینا، ونعالنا، واردیتنا، حتی کان صدراً من امرة عمر فجلد فیھا اربعین حتی عتوا فیھا وتشفوا، جلد ثمانین "رواہ احمد والبخاری واللفظ لہ، (یعنی عہد نبوی، عہد خلافت ابوبکر اور ابتدائے عہد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس شراب پینے والے کو لایا جاتا تو اسے ہم اپنے ہاتھوں جوتوں اور چادر سے مارتے تھے۔ عہد خلافت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آغاز تک تو چالیس ضربیں ماری جاتی تھیں۔ جب لوگ اس (جرم کے ارتکاب) میں حد سے زیادہ بڑھ گئے اور بہت زیادہ پینے لگے تو اسی (۸۰) ضربیں لگائیں جانے لگیں) بروایت احمد و بخاری یہ الفاظ راوی کے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "اتی رسول اللہ ﷺ برجل قد شرب فقال: اضربوہ فقال ابوھریرة: فمنا الضارب بیدہ، والضارب بنعلہ، والضارب بثوبہ، فلما انصرف قال بعض القوم اخراک اللہ قال: لا تقولوا ھکذا، لا تعینوا علیہ الشیطان" بروایت احمد و بخاری وابوداؤد (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا اس نے شراب پی رکھی تھی۔ حضور نے حکم دیا کہ اسے سزائے ضرب دو۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ہم ضرب لگانے والوں میں ہاتھ سے مارنے والے بھی تھے اور اپنی جوتی اور کپڑے سے مارنے والے بھی۔ پھر جب وہ شخص واپس جانے لگا تو کسی نے کہا کہ خدا تجھے ذلیل کرے۔ اس پر حضور نے فرمایا ایسا نہ کہو۔ اس پر شیطان کو مسلط نہ کرو)۔

واضح ہو کہ 'جرید' سے مراد کھجور کی چھڑی ہے اور کپڑے (کے پلو) سے مراد یہ ہے کہ اسے بٹ لیا جائے تاکہ مار کھانے والے کو دکھ پہنچے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ کپڑے، جوتی اور چھڑی سے ضرب لگانا سنت ہے۔ مگر تازیانہ (کوڑے) سے ضرب لگانا اچھا ہے، جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کیا اور اس پر کسی کو اعتراض نہ تھا (دراصل) تازیانہ کی ضرب ہی سے حد ماری جانے کا مقصد یعنی آئندہ کے لیے باز رکھنے کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

بعض متاخرین کہتے ہیں کہ تازیانہ مارنے کی سزا سر پھرے شرابیوں کے لیے مخصوص ہے اور کپڑے کے کوڑے اور جوتے مارنے کی سزا کمزوروں کے لیے ہے۔ علاوہ ازیں مرتکب جرم جس سزا کے لائق ہو وہی سزا دی جائے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ سوط (وہ کوڑا) ہے جو اونٹ کی سرین کی کھال سے بنایا جاتا ہے اور اسے سوط (ملاوٹ) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ گوشت کو خون سے ملا دیتا ہے۔

Marfat.com

شراب پینے کی سزا میں ضربات کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ، مالکیہ، حنبلیہ اور ایک قول کے مطابق شافعیہ بھی شراب پینے والے کی سزا اسی (۸۰) ضربات بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی متفقہ رائے کی بناء پر ہے۔ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب نے جب اس تعداد کے بارے میں مشورہ کیا تو سب نے اس سے اتفاق فرمایا اور کسی نے انکار نہ کیا۔

ابوداؤد اور نسائی نے اخراج فرمایا ہے کہ "ان خالدبن ولید کتب الی عمر: ان الناس قد انهمکوا فی الخمر، وتحاقروا العقوبة. قال: و عنده مهاجرون والانصار، فسألهم فاجمعوا علی ان یضرب ثمانین" (یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی خدمت میں مراسلہ بھیجا کہ لوگ شراب بہت پینے لگے ہیں اور (موجودہ) سزا کو معمولی خیال کرتے ہیں۔ اس وقت وہاں مہاجرین اور انصار موجود تھے۔ حضرت عمر نے اس کی بابت مشورہ کیا تو سب نے اس امر پر اتفاق کیا کہ اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے۔

شافعیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ شراب پینے کی سزا چالیس ضربیں ہیں کیونکہ نبی ﷺ سے اتنی ہی سزا مروی ہے اور یہی سزا عہد خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی جاری رہی۔ اگر ان احادیث کو جو اس بارے میں آئی ہیں اور ان سب کے باہمی اختلاف کو یکجائی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ چالیس درے لگائے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ رہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی وہ بطور تعزیر کے ہے بطور حد (شرعی سزا) کے نہیں ہے۔ غرض جہاں تک حد کا تعلق ہے وہ تو چالیس ضربات ہیں البتہ حاکم کو اجازت ہے کہ وہ اسی (۸۰) کوڑوں تک مار سکتا ہے۔

حد مارنے کے لیے مردوں کو کہا جائے کوڑے لگانا عورت کی شان کے خلاف ہے۔ مخنث کو بھی اس باب میں عورت ہی قرار دیا جائے گا۔ اگر سزایاب کوئی ذی وجاہت شخص ہے تو اسے علیحدگی میں سزا دینا اچھا ہے۔ تاکہ اس کی رسوائی نہ ہو۔ ہاں اگر مرتکب عوام الناس میں سے ہے تو اسے برسر عام سزا دی جائے۔ لیکن مسجدوں میں سزا نہ دی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لاتقام الحد فی المساجد" ترمذی وحاکم اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح اخراج فرمایا ہے۔ یعنی مسجدوں میں سزائیں نہ دی جائیں کہ مبادا مسجد خون سے ناپاک یا غلاظت کے خارج ہونے سے نجس ہو جائے اور سزا اس طرح دی جائے کہ سزایاب ارتکاب جرم سے کنارہ کش ہو جائے، ڈر جائے اور عبرتناک سزا بھگتے۔

سزا کا وقفہ وقفہ کے ساتھ دنوں اور مختلف اوقات میں دیا جانا جائز نہیں ہے۔ تاکہ سزایابی کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو۔ بخلاف اس کے اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کو سو کوڑے ماروں گا تو مختلف اوقات اور دنوں میں وقفہ وقفہ سے کوڑے مارے تو قسم پوری ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں قسم کے پورا ہونے کا انحصار ضرب کی تعداد پورا کرنے پر ہے لیکن سزائے شرعی کا مقصد جرم سے کنارہ کشی اور عبرت حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا وقفہ وقفہ سے ضرب نہیں لگائی جائے گی اور چوٹ جسم کے مختلف حصوں پر لگائی جائے۔ ایک ہی جگہ پر ضرب لگانا جائز نہیں ہے۔ بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے جلاد کو حکم دیا کہ چہرہ اور اعضائے مخصوص کو چھوڑ کر بدن کے تمام حصوں کو قرار واقعی سزا دی

Marfat.com

جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بدن کے مختلف حصوں پر ضرب لگانا واجب ہے۔ کیونکہ ایک ہی جگہ پر مکرر ضرب لگانا المناک بھی ہے اور بعض اوقات موجب ہلاکت ہوسکتا ہے اور ایسی جگہ پر بھی نہ مارنا چاہیے جو فوری ہلاکت کا سبب ہو جائے مثلاً دل پر یا جان کی رگ پر یا عضو مخصوص پر مارنا اور چہرہ پر بھی نہ مارا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اذا ضرب احدکم فلیتق الوجه" (یعنی جب تم سزا کے طور پر مارو تو چہرہ کو چھوڑ دو) کیونکہ تمام حسن چہرہ ہی میں ہوتا ہے۔ صورت کو بگاڑ دینا، بری بات ہے اور چہرہ کی طرح سر کو بھی عظمت حاصل اس پر بھی چوٹ نہ ماری جائے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ سر پر مارنا جائز ہے۔ ابن شیبہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "انه قال للجلاد: اضرب الراس، فان الشیطان فی الرأس" (یعنی سر پر مار۔ شیطان سر میں سمایا ہوتا ہے)۔ جلاد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اتنا ہاتھ اٹھا کر مارے کہ بغل کی جلد نظر آجائے اور بہت قریب سے مارنا بھی جائز نہیں ہے۔ بلکہ بہتر یہی ہے کہ اوسط درجہ کی چوٹ لگائی جائے۔ سزایاب کو باندھ کر ڈال دینا بھی جائز نہیں ہے اسے کھلا چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ اپنی تکلیف کو ہلکا کر سکے۔ اسے باندھا اور گھسیٹا بھی نہ جائے اور (مجرم کو) کھڑا کر کے مارنا چاہیے۔ سزا کے وقت عورت کے لباس کو اس کے جسم پر باندھ دیا جائے اور پوستین یا روئی دار کپڑے کے سوا اس کا لباس نہ اتارا جائے اور حجاب کے پیش نظر اسے بٹھا کر مارا جائے۔

ناگزیر حالات میں شراب استعمال کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ مجبوری کی حالت میں یا پیاس کی شدت میں جب کہ اور کوئی شے دستیاب نہ ہو شراب پی لینا جائز ہے۔ شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دوا کے طور پر شراب استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے "انها لیست بدواء ولکن داء" (یعنی شراب دوا نہیں بلکہ مرض ہے) نیز فرمایا "ان الله لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم" (یعنی اللہ نے جو شے حرام فرمائی اس میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی ہے) البتہ اگر پیاس کی شدت ہو۔ یا اچانک اچھو ہو جائے (یا گلا گھٹ جائے) اور پانی دستیاب نہ ہو (اور شراب موجود ہو) تو اسے پی کر جان بچا لینا مسلمان کے لیے ضروری ہے مثلاً پیاس کے مارے جان جاتی ہو کہ ایک لق و دق میدان میں ہو یا سمندر یا دریائے شور میں کشتی پر سوار اور شراب کے سوا کوئی ایسی شے دستیاب نہیں ہے جس سے زندگی کو تلف ہونے سے بچایا جا سکے تو ایسی صورت میں اتنی شراب پی لینا جائز ہے جس سے جان بچ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں مردار، خون اور سوٴر تک کا گوشت کھا لینے کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح شراب بھی جو حرام ہے، ناگزیر صورت میں روا ہے۔ جب اور پینے کی مجبوری نہ ہو یعنی جان جانے کا ڈر نہ رہے تو وہ حرام ہو جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "ان الله انزل الداء والدواء، وجعل لکل داء دواء، فتداووا ولا تداووا بحرام" احمد و مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے مرض بھی نازل فرمایا اور دوا بھی اور ہر مرض کے لیے دوا بنائی۔ پس لوگو اپنا علاج کیا کرو لیکن علاج کے لیے حرام شے کا استعمال نہ کرو)۔

مالکیہ اور حنابلہ اور ایک روایت کے مطابق شافعیہ بھی کہتے ہیں کہ غذا کا پھندا حلق میں پڑ جائے (یعنی اچھو ہو

Marfat.com

بجائے) اور جان کا اندیشہ ہو (اور سردست شراب دستیاب ہو) تو اسے پی کر جان بچا لینا واجب ہے اور اگر کسی مریض کا شراب کے سوا اور کوئی علاج نہ ہو تو علاج کے طور پر اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی مسلمان، عادل اور معتمد علیہ طبیب یا جو معالجہ کا ماہر ہو تجویز کرے۔ جیسا کہ (ناگزیر حالات میں) نجس جانور کا گوشت یا آدمی کا پیشاب بطور دوا کے استعمال کرنا روا ہے۔

شافعیہ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ مکلف شخص کے لیے دوا کے طور پر یا تشنگی کے عالم میں شراب پینا حرام ہے چنانچہ دوا کے طور پر شراب پینے کی بابت آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ "انہ لیس بدواء ولکنہ داء" (یعنی شراب دوا نہیں بلکہ مرض ہے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام فرمایا تو شراب کا فائدہ اس سے چھین لیا چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ "ان اللہ لما حرم الخمرة سلبها المنافع" (یعنی جب اللہ نے خمر کو حرام کیا تو اس کے فوائد اس سے چھین لیے) اور اس لیے بھی (دوا کے طور پر اس کا استعمال ممنوع ہے) کہ شراب کا حرام ہونا تو امر قطعی ہے لیکن شفایاب ہونا امر ظنی ہے امر ظنی کو قطعی پر فوقیت نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ جان جانے کی نوبت نہ پہنچ جائے۔ ہاں اگر جان جانے کا ڈر ہو تو دوا کے طور پر شراب کا استعمال جائز ہے۔ رہا پیاس کی شدت میں شراب کا پینا تو اس سے تشنگی دور نہیں ہوتی بلکہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس کی خاصیت گرم وخشک ہے جیسا کہ ماہرین طب کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب پینے والا ٹھنڈے پانی کے لیے بیقرار ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پینے کے علاوہ کسی اور طرح سے اس کا استعمال روا ہے۔ اور بھوک دور کرنے کے لیے شراب کا پینا بھی ایسا ہی ہے جیسے پیاس مٹانے کے لیے پینا۔

(جان بچانے کے لیے پینے کی) ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو ٹھنڈ لگ جائے اور (سردی کی شدت سے) جان جانے کا اندیشہ ہو اور ایک گھونٹ یا ایک پیالی شراب کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہ ہو کہ (اس کے استعمال سے) جان بچ سکے۔ اسی طرح اگر کسی کا دل بیٹھنے لگے اور جان بر آئے اور کسی قدر شراب پینے کے سوا اور کوئی تدبیر بچنے کی نہ ہو (تب بھی اس کا استعمال روا ہے)۔

شرابی پر لعنت بھیجنا فعل مکروہ ہے

صحیح بخاری میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں ایک شخص جس کا نام عبداللہ تھا اور لوگوں نے اس کا نام حمار (گدھا) رکھ چھوڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس پر خندہ فرما دیتے تھے۔ ایک بار حضور نے شراب پینے کی پاداش میں اسے سزائے تازیانہ دی تھی ایک روز حضور کے پاس آیا اور شراب پینے کا اعتراف کر لیا اس پر درے لگائے گئے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا "اللھم العنہ، ما اکثر مایؤتی بہ" (یعنی خدایا اس پر لعنت ہو کتنا بڑا گنہگار ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر ارشاد فرمایا "لا تلعنوہ، فواللہ ماعلمت الا انہ یحب اللہ ورسولہ" (یعنی لوگو! اس پر لعنت نہ بھیجو۔ بخدا مجھے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہی معلوم ہوتا ہے)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "ولکن قولوا: اللّٰھم اغفر لہ، اللّٰھم ارحمہ" (یعنی لعنت کی بجائے یوں کہو کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما اور اے اللہ اس پر رحم فرما)۔ غرض آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص پر جو شراب پینے کا

Marfat.com

اعتراف کرے (اور سزا پا جائے) لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والے کو مستوجب سزا قرار دیا ہے۔ وہ شخص اپنے گناہ کی سزا پا کر عذاب سے بری ہو گیا اس لیے اس پر لعنت کرنے سے منع فرمایا، کہ مبادا گنہگار شخص کے دل میں یہ خیال آئے کہ جس شخص پر آنحضرت ﷺ کے روبرو لعنت بھیجی گئی اور آپ نے منع نہیں فرمایا تو گویا اس کا گناہ قائم رہ گیا اس کا اثر گنہگار کے دل پر برا پڑے گا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس گناہ کے مرتکب کو ذلیل نہیں کرنا چاہیے۔ اور اس پر لعنت کرنے کی بجائے اس کام پر جو اس سے سرزد ہوا عمومی لعنت کرنی چاہیے۔ تاکہ لوگوں کی تنبیہ اور اس سے کنارہ کشی کا موجب ہو اور گنہگار کے سامنے توبہ اور مغفرت کا دروازہ کھل جائے اب اس کا توبہ کرنا اللہ کے نزدیک طاعت گزاری میں شمار ہوگا اور گناہ سے پاک ہونے کا موجب بن جائے گا۔

روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شام کا ایک شخص جدا ہو گیا۔ یہ شخص نہایت جوانمرد تھا۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ پینے پلانے کا عادی ہے۔ یعنی شراب پیتا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منشی کو حکم دیا کہ اس شخص کے نام عمر کی طرف سے ایک خط بدیں مضمون لکھو:

''سلام علیک، وانا احمد الیک اللّٰہ الذی لآ الٰہ الا ھو، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: حٰم تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب، شدید العقاب۔ ذی الطول، لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر، ثم ختم الکتاب، وقال لرسولہ: لا تدفعۃ الیہ حتی تجدہ صاحیاً، ثم امر من عندہ بالدعاء لہ بالتوبۃ'' (یعنی سلام علیک کے بعد معلوم ہو کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی حمد سنا رہا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔حٰم یہ خدائے بزرگ و برتر کی نازل کردہ (فرمودہ) کتاب ہے۔ وہ خدا گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کا عذاب سخت ہے اور وہ صاحب کرم ہے۔ صرف وہی معبود ہے اور سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے۔ یہ خط ختم کرنے کے بعد آپ نے نامہ بر کو حکم دیا کہ جب تک وہ نشہ سے ہوش میں نہ آ جائے یہ خط اسے نہ دینا۔ پھر فرمایا کہ خط دے کر اس کے حق میں توفیق توبہ کی دعا کرتے رہنا)۔ جب یہ خط اس شخص کے پاس پہنچا تو وہ شخص خط پڑھتا جاتا اور یہ کہتا رہا، کہ میرے اللہ نے مجھے معاف کر دینے کا وعدہ کیا ہے اور عذاب سے بچا لیا ہے۔ بار بار یہی کہتا رہا یہاں تک کہ اشکبار ہو گیا اور پھر گناہ سے باز آ گیا اور خوب باز آیا توبہ کی اور خوب توبہ کی۔ یہ خبر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا ''ھکذا فاصنعوا، اذا رایتم اخاکم قدزل زلۃ فسددوہ، و وقفوہ وادعوا لہ اللّٰہ ان یتوب علیہ، ولا تکونوا اعوانا للشیاطین علیہ'' (یعنی یہ دیکھا تم نے؟ اب تم لوگ بھی ایسا کرو اگر دیکھو کہ تمہارے بھائی سے کوئی لغزش سرزد ہو گئی ہے تو اب اسے روکو اور سمجھاؤ اور اس کے حق میں دعا کرو کہ اللہ اس کی توبہ قبول کر لے۔ غرض اس کے خلاف شیطان کی اعانت نہ کرو)۔

حقیقت یہ ہے کہ غلط کاروں اور گنہگاروں کے حق میں، امیر المومنین سیدنا حضرت عمرؓ بن الخطاب کی یہ بھی ایک دانشمندانہ حکمت عملی تھی۔

Marfat.com

شراب لعنت ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ شراب ایک لعنتی شے ہے۔ بلکہ حضور نے ہر ایسے شخص پر جسے تھوڑی بہت بھی شراب سے نسبت ہے لعنت بھیجی ہے۔

لعنت کے معنے اللہ کی رحمت اور اس کی خوشنودی سے دور ہو جانے کے ہیں اور یہ انتہائی بدبختی اور نامرادی ہے۔ صحیح ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے "لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها شاربها، وحاملها، والمحمولة اليه، و ساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشترى لها، والمشترى له" (یعنی رسول اللہ ﷺ نے شراب کے سلسلہ میں دس پر لعنت بھیجی ہے نچوڑنے والا، اس کا کاروبار کرنے والا، اس کی قیمت کھانے والا، وہ مرد جس کے لیے خریدا جائے اور وہ عورت جس کے لیے خریدا جائے)۔ نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "أتاني جبرئيل فقال: يامحمد ان الله لعن الخمر، وعاصرها، ومعتصرها، وشاربها، والمحمولة اليه، وبائعها، ومبتاعها، ساقيها و مسقاها" (یعنی جبرئیل میرے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ اے محمد اللہ تعالیٰ شراب پر، اس کے نچوڑنے والے پر۔ نچڑنے والی شے پر، پینے والے پر، اس پر جس کے لیے لائی جائے، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر۔ پلانے والے پر اور جہاں پر پلائی جائے ان سب پر لعنت بھیجتا ہے) یہ حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اسے احمد نے صحیح اسناد کے ساتھ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کی ہے۔ نیز ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اسی حدیث کے ہم معنے حدیث ابن عمر سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں حضرت جبرئیل کا ذکر نہیں ہے۔

علماء کا کہنا ہے کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسلمان پر لعنت بھیجنے سے منع فرمایا ہے جو اپنے شراب پینے کا اقرار کرلے حالانکہ ایسے شخص کو مستوجب حد قرار دیا ہے۔ تاہم انھوں نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ دائم الخمر پر جو شراب سے توبہ نہ کرے اور اسی حالت پر قائم رہے، لعنت کی جاسکتی ہے۔ خواہ یہ لعنت ایسے تمام اشخاص پر بھیجی جائے یا خصوصیت کے ساتھ اس شخص پر جو حد سے بڑھ جائے اور اپنی بری خصلت پر جما رہے۔ علماء نے اس پر لعنت کرنے کی اجازت اس لیے دی ہے کہ لوگوں کی مذمت کے ڈر سے اس بری بات کو چھوڑ دے اور اپنے نفس پر ملامت کرے۔ ہلاکت سے بچے، اپنے گناہ سے توبہ کرے اور اس کی خواہش دل سے نکال دے۔ ایسے شخص پر لعنت کرنا اور اس کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے جو دائم الخمر نہ ہو۔ درآنحالیکہ اسے حد لگائی جاچکی ہو کیونکہ سزائے شرعی اس کے گناہ کا کفارہ ہوگئی ہے۔

بیر (Beer)، بھنگ اور خواب آور اشیاء کے استعمال کا بیان

بعض اشخاص جو گناہ میں آلودہ ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ (Beer) حلال ہے کیونکہ یہ جو کے پانی سے تیار کی جاتی ہے اس طرح بلح (گدرائے ہوئے خرما) کا تیار کیا ہوا شیرہ اور جو کی روٹی کا اٹھایا ہوا خمیر (بوظہ) اور دوسری مضرت رساں بوٹیاں مثلاً قات، حشیش (بھنگ) اور فتکہ (زہریلی بوٹی) ان اشیاء اور ایسی ہی دوسری خواب آور اشیاء کی بابت بھی ان اشخاص کا گمان ہے کہ یہ حلال ہیں۔ کیونکہ عہد رسالتمآب ﷺ میں یہ اشیاء موجود نہ تھیں اور نہ ان کے حرام ہونے کی

Marfat.com

بابت کوئی صراحت موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام علماء اس امر پر متفق اللفظ ہیں کہ یہ تمام خواب آور مشروبات بھنگ اور افیون وغیرہ حرام ہیں۔اس کے متعلق استاد معظم مفتئی دیار مصر کا فتویٰ۔ مصری رسالہ ''الازہر'' کی اشاعت ماہ شعبان ۱۳۶۰ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ بغرض افادہ عام اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے تا کہ لوگ اس سے مستفید ہوں اور جس کے دل میں ان اشیاء کے حرام ہونے میں شبہ ہے وہ دور ہو جائے۔

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ان اشیاء کا استعمال حرام ہے۔ کیونکہ اس میں بڑا نقصان اور بہ کثرت خرابیاں ہیں۔ عقل زائل ہونے اور جسم کی ہلاکت کے علاوہ اس میں اور بھی بڑی بڑی مضرتیں اور خرابیاں ہیں اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ شریعت اس کے ارتکاب کی اس لیے اجازت دے دے کہ اس کی برائیاں حرام ہونے کی برائی سے کم ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ جو شخص بھنگ کے حلال ہونے کا قائل ہے وہ بے دین اور بدعتی ہے۔ اس کا حرام ہونا علانیہ طور پر ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ان اشیاء کو اگر زیادہ مقدار میں استعمال کیا جائے تو عقل زائل ہو جاتی اور اس پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس سے جو سرور ہوتا اور لذت حاصل ہوتی ہے انسان اس کے ارتکاب پر دلیر ہو جاتا ہے اور اس کا عادی ہو جاتا ہے یہ اشیاء ان میں داخل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حرام فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی نشہ آور اور خمار آور اشیاء میں شامل فرمایا ہے۔

اس کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''السیاسۃ الشرعیہ'' میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

''بھنگ حرام ہے اور اس کے پینے والے کو اسی طرح حد ماری جائے جس طرح شراب پینے والے کو۔ بھنگ شراب سے زیادہ بری چیز ہے۔ کیونکہ یہ عقل پر پردہ ڈالنے کے علاوہ طبیعت پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان میں نامردی اور کمینگی وغیرہ عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیز اللہ کی یاد اور نماز سے محروم کر دیتی ہے یہ شے لفظ اور معنے دونوں اعتبار سے خمر ہے اور نشہ آور ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرمایا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے دو مشروبات کے بارے میں، جو ہم یمن میں تیار کیا کرتے تھے شرعی حکم دریافت کیا۔ ایک کا نام 'بتع' ہے جو شہد کے شیرے سے بنایا جاتا ہے اور اس میں نشہ ہوتا ہے دوسرے کا نام 'مزر' ہے جو مکئی یا جو کے شیرہ سے بنتا ہے اور اس میں تندی (نشہ کی) پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ نے کامل موجز بیانی عطا فرمائی ہے آپ نے یہ (موجز) ارشاد فرمایا کہ ''کل مسکر حرام'' (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے) بروایت بخاری مسلم۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ان من الحنطۃ خمراً، ومن الشعیر خمراً، ومن الزبیب خمراً، ومن التمر خمراً، ومن العسل خمراً، وانا انھی کل مسکر''۔ بروایت ابوداؤد وغیرہ (یعنی گندم سے بھی شراب بنتی ہے، جو سے بھی، کشمش سے بھی، کھجور سے بھی اور شہد سے بھی اور میں ہر نشہ آور شے سے منع کرتا ہوں)۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کل

Marfat.com

مسکر خمر و کل مسکر حرام'' (یعنی ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں ''کل مسکر خمر و کل خمر حرام'' (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے اور ہر خمر حرام ہے)۔ یہ دونوں روایتیں مسلم میں ہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کل مسکر حرام، وما اسکر الفرق منه فملء الکف منه حرام'' (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے۔ اور جو شے ''فرق'' (مٹکا) بھر حرام ہو وہ ہتھیلی کے برابر بھی حرام ہے) فرق ایک پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل (تقریباً آٹھ سیر) کی گنجائش ہوتی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شے حرام ہے وہ زیادہ مقدار میں ہو یا کم میں بہر حال حرام ہے۔

محدثین نے اس سلسلہ میں متعدد طریقوں سے روایتیں بیان کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام'' (یعنی جو شے زیادہ مقدار میں حرام ہے وہ کم مقدار میں بھی حرام ہے)۔ حافظان حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مکئی سے تیار کیے ہوئے ایک مشروب کی بابت حکم پوچھا۔ یہ مشروب ان کے علاقہ میں لوگ پیا کرتے تھے اور اس کا نام 'مزر' تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ مشروب نشہ آور ہوتا ہے؟ اس شخص نے کہا 'جی ہاں'۔ ارشاد ہوا کہ ''کل مسکر حرام، ان علی اللہ عهدا لمن یشرب المسکر ان یسقیه من طینة الخبال'' (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے اور اللہ کی مرضی یہ ہے کہ جو شخص نشہ آور شے پیے گا۔ اسے طینۃ الخبال پلایا جائے گا۔ اس شخص نے کہا حضور 'طینۃ الخبال' کیا ہوتا ہے فرمایا ''عرق اهل النار، او عصارة اهل انار'' (یعنی دوزخیوں کا پسینہ یا فرمایا دوخیوں کے جسم سے نچڑی ہوئی شے) اس کے راوی مسلم ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''کل مخمر و کل مسکر حرام'' (یعنی ہر خمار آور اور نشہ آور شے حرام ہے) بروایت ابوداؤد۔ خمر وہ شے ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ اس مفہوم کی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے تمام ایسی اشیاء کو جو عقل کو زائل کرنے اور نشہ لانے والی ہیں یک جائی طور پر بیان فرمادیا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ اشیاء مختلف قسم کی ہوں۔ کھانے کی چیز ہو یا پینے کی۔ کیونکہ شراب کو اس میں کوئی شے ڈبو ڈبو کر کھاتے ہیں یعنی اسے لاون بنالیا جاتا ہے۔ اسی طرح بھنگ کھاتے بھی ہیں اور اس کو پیتے بھی ہیں اور یہ ہر طرح حرام ہے۔ چونکہ یہ عہد نبوی کے بعد کی شے ہے اس لیے ائمہ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد ''کل مسکر'' کی عمومیت میں اسے بھی داخل کیے جانے سے منع نہیں فرمایا۔ اور ہر نشہ آور شے جو عہد نبوی کے بعد کی ہے وہ سب قرآن وحدیث کے مجموعی احکامات میں داخل ہے۔

امام تیمیہ نے بھنگ کے متعلق ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

یہ لعنتی گھاس (بھنگ) اور اسے استعمال کرنے اور حلال جاننے والے، اللہ کے اس کے رسول کے اور ایمان داروں کے غضب کے مستوجب ہیں اور اللہ کے عذاب میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس سے انسان کے مذہب، عقل، اس کے وجود اور اس کی طبیعت کو ضرر پہنچتا ہے اور مزاج فاسد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اکثر لوگ اس کے استعمال سے پاگل ہو

Marfat.com

گئے اور اس کے کھانے سے ذلت و کمینگی وغیرہ پیدا ہوتی ہے۔ اس میں شراب نوشی کی خرابیوں کے علاوہ اور بھی ایسے مفاسد ہیں جو شراب میں بھی نہیں ہیں۔ پس بھنگ بدرجۂ اولیٰ حرام ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بھنگ کا نشہ حرام ہے جو شخص اسے حلال کہے اور یہ گمان کرے کہ یہ حلال ہے اسے توبہ کرنے کو کہا جائے اگر توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اسے مرتد کی طرح قتل کر دیا جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔

واضح ہو کہ تھوڑی مقدار میں بھی اس کا پینا حرام ہے اس کے حرام ہونے کا ثبوت بھی وہی ہے جو تمام نشہ آور اشیاء کے حرام ہونے کا ہے۔ امام ابن تیمیہ کے شاگرد امام محقق، ابن قیم بھی اس مسئلہ میں اپنے استاد کے متبع ہیں اور انھوں نے اپنی کتاب 'زاد المعاد' میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ 'خمر' میں تمام نشہ آور اشیاء داخل ہیں خواہ وہ رقیق (یا مائع) ہوں یا ٹھوس ہوں۔ شیرہ نکال کر تیار کی جائیں یا پکا کر۔ اس میں وہ شے داخل ہے جو فسق و فجور کی سبیل ہے۔ ان کی مراد اس سے 'بھنگ' ہے اس کو بھی 'خمر' (نشہ آور) سمجھا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کی واضح تصریح کے بموجب جس کی اسناد پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا اور نہ اس کی عبارت میں کوئی اجمال ہے۔ حضور کا یہ فرمودہ تسلیم شدہ ہے کہ "کل مسکر حرام" (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے) اور صحابہ رضوان اللہ علیہم جو ارشادات نبوی اور ان کے مطالب کو تمام امت میں سب سے زیادہ جانتے تھے ان کی مسلمہ رائے یہ ہے کہ 'خمر' سے مراد ہر ایسی شے ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے ارشاد 'کل مسکر' میں تمام اقسام کی منشیات کو شامل نہ سمجھا جائے۔ پھر بھی قیاس صحیح کا صریح تقاضا یہ ہے کہ جس شے کی جڑ اور شاخ یکساں ہے اس کو حکم میں مساوی سمجھا جائے۔ پس اشیائے منشیات میں باہم فرق کرنا ایک دوسرے کی مماثل اشیاء میں باہم فرق کرنا ہے۔

کتاب "سبل السلام" (شرح بلوغ المرام) کے مؤلف کہتے ہیں کہ جو شے بھی نشہ آور ہو وہ حرام ہے خواہ اسے بھنگ کی طرح نہ پیا جاتا ہو۔

حافظ ابن حجر سے منقول ہے کہ یہ کوئی نہیں کہتا کہ بھنگ میں نشہ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عقل زائل کر دیتی ہے اور نشہ آور ہے۔ اس سے بھی وہی کیف اور سرور ہوتا ہے جو شراب سے ہوتا ہے۔

ابن بیطار نے اطبا کی یہ رائے نقل کی ہے کہ مصری بھنگ ایک درہم کے برابر بھی استعمال کی جائے تو اس سے سخت نشہ ہوتا ہے اور اس کا ضرر بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے اس میں دینی اور دنیوی ایک سو بیس برائیاں گنائی ہیں۔ اور یہی برائیاں افیم میں بھی ہیں بلکہ افیم میں ان کے علاوہ بھی اور خرابیاں ہیں۔

اس کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم وغیرہ دوسرے علماء نے جو کچھ کہا ہے وہ سب درست ہے جس کے لیے اطمینان بخش دلائل موجود ہیں۔ اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن و حدیث میں جن اشیاء کے حرام ہونے کی تصریح ہے بھنگ ان میں شامل ہے اور افیم بھی اس کے تحت آتی ہے بلکہ بقول علماء افیم میں اس سے زیادہ برائی ہے۔ اور اس کی مضرت بھنگ سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اس میں اس قسم کا نشہ بھی ہے جو اس سے پہلے معلوم نہ تھا۔ مثلاً اس میں شراب کے نقصانات اور خرابیاں تو ہیں ہی کہ اس سے عقل زائل ہو جاتی اور اس پر پردہ پڑ جاتا ہے اس کے ساتھ وہ

Marfat.com

خرابی بھی ہے جو بھنگ میں ہے اور اس کے علاوہ بھی اس سے زیادہ نقصان دہ برائی افیم میں ہے۔ اس کی خرابیاں ظاہر اور معلوم ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ شریعت اسلامیہ ایسی مضرت رساں شے کو روا قرار دے دے۔ اگر کوئی اسے حلال کہے تو اللہ تعالیٰ پر افترا ہے یا پھر اس کا قول جہالت پر مبنی ہے۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ بعض علمائے حنفیہ اس شخص کو زندیق اور بدعتی کہتے ہیں جو بھنگ کو حلال بتائے۔ لہٰذا نو پید منشیات کو جو اس سے بھی زیادہ ضرر رساں اور زیادہ بری ہیں اگر کوئی حلال کہے تو وہ بدرجۂ اولیٰ زندیق اور بدعتی ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلامیہ ان منشیات کو روا قرار دے جو ملت اسلامیہ کے لیے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ ان کا نقصان انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ اس میں مال کا بھی زیاں ہے اور جسمانی و اخلاقی ضرر بھی۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ کی بنیادی خصوصیت اصلی یا ترجیحی مصالح کا حصول اور فساد و ضرر کا دور کرنا ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ جو تمام امور سے واقف اور حکیم ہے انگور کی شراب کو حرام نہ فرمائے خواہ وہ زیادہ مقدار میں ہو یا کم میں۔ یہ بہر حال نقصان دہ ہے یہ اگر تھوڑی ہو تو اور زیادہ مطلوب ہوتی ہے یعنی تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا زیادہ مقدار میں استعمال کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ایسی نشہ آور شے کو مباح کر دے جس میں یہ خرابی ہو بلکہ اس کے علاوہ اس سے زیادہ انسان کے وجود۔ اس کی عقل و دین اور اس کے اخلاق اور مزاج کے حق میں ضرر رساں ہے اس کے روا ہونے کی بات وہی شخص کرے گا جو مذہب اسلام سے بے خبر یا زندیق اور بدعتی ہو۔ جیسا کہ سابقاً ذکر ہوا۔ غرض ان تمام منشیات کا حرام ہونا اجماع امت سے ثابت ہے۔ خواہ اس کا استعمال کسی طرح بھی کیا جائے۔ یعنی اس کا کھانا، پینا، سونگھنا یا حقنہ کرانا سب حرام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کام دشمنان اسلام کا ہے جو بھنگ وغیرہ منشیات کے استعمال کو پھیلاتے ہیں تاکہ ملت اسلامیہ کا حوصلہ پست ہو جائے ان کی شان و شوکت کو دبا دیا جائے ان کا مال اور مردانگی ختم ہو جائے۔ مسلمان مردوں کی عقل میں فتور آ جائے اور ترقی یافتہ اقوام کے مقابلہ میں پسماندہ ہو کر رہ جائیں۔ اغیار ان پر غالب آ جائیں اور دشمنان دین ان کا ملک برباد کر کے اپنے علاقوں کو آباد کریں۔ چنانچہ یہودی جو بھنگ اور افیون کو بلاد عربیہ میں پھیلا رہے ہیں اس کی غرض بھی یہی ہے کہ ان بستیوں کو ویران کر دیا جائے۔

اس موضوع پر گفتگو کو اس لیے طول دیا گیا ہے کہ بھنگ، بیر، وسکی اور قینگی وغیرہ مشروبات کے بارے میں کثرت سے سوال کیے جا رہے ہیں اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ منشیات کا استعمال نئی پود میں کثرت سے پھیلتا جا رہا ہے۔ جس کے باعث ان کی صحت خراب، خاندان برباد اور مال ضائع ہو رہا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ حکومت کو ان اشیاء کا ناجائز کاروبار کرنے والوں اور بھنگ پینے والوں کے خلاف سخت اقدامات کرنے پر زر کثیر صرف کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان فضول مصارف خطیر کو جو حکومت کو اس کے سدباب کی غرض سے کرنے پڑتے ہیں، مفید طریقوں سے صنعتوں، مشترکہ مفاد کے کاموں میں لگایا جائے تو اس سے قوم کی فلاح ہو اور عظیم فائدہ حاصل ہو اگر لوگ احکام شرعیہ کو سمجھیں۔ اس پر کان دھریں اور اس کے مطابق عمل کریں اور منشیات اور خواب آور اشیاء کے استعمال سے پرہیز کریں تو یقیناً اس سے قوم کے وقار، اس کی قوت، عزت، فوقیت، عظمت اور سالمیت کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ کاش تمام اسلامی حکومتیں متحدہ طور پر اس کے خلاف سخت قوانین اور حتمی پابندی عائد کریں تاکہ بہت سے اشخاص جو اپنی صحت و دولت کو منشیات میں تباہ کر رہے ہیں اس سے باز

Marfat.com

آجائیں۔خواہ اس حکم کی رو سے ناجائز کاروبار کرنے والوں اور منشیات کے بڑے بڑے تاجروں کو موت ہی کے گھاٹ کیوں نہ اتارنا پڑے۔

منشیات کی تجارت کا بیان

(بدقسمتی سے) بعض مسلمان منشیات: شراب، بھنگ، افیون اور کوکین وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں کیونکہ ان اشیاء کی تجارت میں آسانی کے ساتھ بہت زیادہ منافع حاصل ہوتا ہے۔تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لوگ بڑے مالدار بن جاتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ نے اس طرح کے منافع اور ایسے لوگوں کے ذریعۂ معاش کو حرام قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بکثرت احادیث میں منشیات کے کاروبار کو حرام فرمایا گیا ہے۔منجملہ ان روایات کے بخاری و مسلم میں حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''ان اللہ حرم بیع الخمر والمیتۃ، والخنزیر والاصنام'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، سؤر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے) اور متعدد احادیث میں آیا ہے کہ جس چیز سے فائدہ اٹھانا اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کی خرید وفروخت اور اس کی قیمت کو کام میں لانا بھی حرام ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے ان (مضر اشیاء) کی برائیاں پھیلتی ہیں اور نقصانات افراد ملت میں راہ پا جاتے ہیں اور کاروبار کرنے والا شخص بھی ملت کی تباہی وبربادی کا آلہ کار بن جاتا ہے۔بلکہ ایسا شخص جان کو ہلاک کرنے والا اور مال کو ضائع کرنے والا ہے۔لہٰذا اگر چہ لوگ اسے تجارت خیال کریں لیکن دراصل یہ زندگی کی تجارت ہے جس سے جوانی تباہ، اخلاق برباد اور قوم ہلاک ہوتی ہے پس اس میں کوئی شک نہیں کہ منشیات کی تجارت حرام ہے اور گناہ کی اعانت ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو (اللہ کی) معصیت اور نافرمانی میں اعانت کرنے سے منع فرمایا ہے ''تعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان'' (یعنی نیکی اور پرہیزگاری میں باہم تعاون کرو اور گناہ ونافرمانی میں باہم تعاون نہ کرو)۔پس ان (منشیات) کی تجارت کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں، کیونکہ اس کا حرام ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔جمہور علماء کہتے ہیں کہ مسلمان کے نزدیک منشیات کی کوئی قیمت نہیں ہے لہٰذا اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے اور ایسی شے پر ناجائز قبضہ کرنے یا تلف کردینے والے پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔کیونکہ (اس کا تاوان دلانا) اس کے قابل قدر ہونے کی دلیل ہے۔حالانکہ وہ حرام ہے اور اس لیے بے قدر ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ''ان الذی حرم شربھا، حرم بیعھا، واکل ثمنھا'' (یعنی جس کا پینا حرام ہے اس کا فروخت کرنا اور اس کی قیمت اپنے کام میں لانا بھی حرام ہے)۔

بھنگ کی کاشت کرنے کا بیان

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بھنگ اور پوست کی کاشت اس غرض سے کرنا حرام ہے کہ اس سے نشہ آور مادہ نکال کر استعمال کیا جائے گا یا اس کی تجارت کی جائے گی۔

اس کی کاشت کئی وجہوں سے حرام ہے:

Marfat.com

ایک وجہ تو وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ان من حبس العنب ایام القطاف حتی یبیعہ ممن یتخذہ خمراً فقد تقحم النار '' (یعنی جس نے انگور اتارنے کے دنوں میں روک رکھا تاکہ اس کے ہاتھ فروخت کرے جو اس سے شراب بنائے، تو وہ شخص اوندھا ہو کر جہنم میں پڑا) اس حدیث سے، بطور دلالۃ النص کے یعنی مفہوم عبارت کی بناء پر، ثابت ہوتا ہے کہ اس غرض سے انگور کی کاشت حرام ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ منشیات کی کاشت کرنا، اس کے استعمال اور اس کی تجارت میں اعانت کرنا ہے اور گناہ کی اعانت بھی گناہ ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس غرض سے منشیات کی کاشت کرنا، کاشت کار کا اس کے استعمال اور اس کی تجارت پر راضی ہونا ہے۔ اور گناہ پر راضی ہونا بھی گناہ ہے۔ کیونکہ ناپسندیدہ شے کو دل سے برا سمجھنا یعنی برا جان کر اس سے نفرت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں رسول اللہ کا یہ ارشاد آیا ہے ''ان من لم ینکر المنکر بقلبہ . بالمعنی الذی بینا. لیس عندہ من الایمان حبۃ خردل '' (یعنی جو شخص ناپسندیدہ بات سے نفرت نہ کرے جس طرح کہ بتایا گیا۔ اس میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے) اور اس میں حاکم کے حکم کی مخالفت بھی ہے جس نے اس (کے سدباب) کی بابت قانون بنائے۔ حالانکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حاکم کے حکم کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ ہو۔

منشیات کی تجارت سے حاصل شدہ نفع کا بیان

یہ بتایا جا چکا ہے کہ منشیات کی تجارت حرام ہے پس اس میں مال کی جو قیمت حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل '' (یعنی لوگو ناجائز طور پر حاصل کیا ہوا مال نہ کھاو) یعنی ایسے مال کو کام میں نہیں لانا چاہیے۔ (جو ناجائز طور پر حاصل کیا گیا ہو اور ناجائز اشیاء کا باہمی تبادلہ بھی منع ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ دوسرے کے مال پر زبردستی قبضہ کر لیا جائے یعنی چھین کر یا چوری، ڈاکہ، بددیانتی اور فریب دہی یا ایسے ہی کسی اور طریقہ سے مال حاصل کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حصول مال کا طریقہ شرعاً ممنوع ہو۔ مثلاً جوا اور غیر شرعی طریقہ مثلاً حرام معاہدہ سے حاصل کیا ہوا مال جیسے سودی معاملہ میں ہوتا ہے یا ایسی شے کے فروخت کرنے سے حاصل شدہ مال جس سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔ یہ تمام صورتیں چوری کے مال کی طرح یکساں حرام ہیں اگرچہ یہ معاملہ مالک کی مرضی سے ہوا ہو اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں بھی آیا ہے کہ جس شے سے فائدہ اٹھانا حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے ''ان اللہ اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ '' (یعنی اللہ تعالیٰ نے جس شے کا استعمال میں لانا حرام قرار دیا ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے)۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔

کتاب 'زاد المعاد' میں جمہور فقہاء کا یہ قول مذکورہ ہے کہ اگر انگور کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جو اس کی شراب تیار کرتا ہے۔ تو اس کی قیمت حرام ہے۔ ہاں کوئی کھانے کے لیے خریدے تو حرام نہیں ہے۔ اسی طرح اس شخص کے ہاتھ اسلحہ کا فروخت کرنا حرام ہے۔ جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہے۔ اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ ہاں اس کے ہاتھ

Marfat.com

فروخت کیا جائے جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہے تو اس اسلحہ کی قیمت پاکیزہ روزی ہے۔ اسی طرح ریشمی کپڑے کا ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا حرام ہے جسے اس کا پہننا حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جسے ریشم کا پہننا حلال ہے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اگر ایسی شے فروخت کی جائے جسے کام میں لانا حلال ہے لیکن خریدار اسے ایسے کام میں لائے جو جمہور فقہاء کے نزدیک حقیقت میں گناہ ہے تو اس کی قیمت حرام ہوگی جس کی دلیل وغیرہ اوپر آچکی ہے، تو ایسی شے جس کا استعمال سرے سے حلال ہی نہیں ہے تو یہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگی، جیسے منشیات کی قیمت۔

واضح ہو کہ منشیات کی قیمت اگر حرام ہے تو یہ مال ناپاک ہوا اور اسے نیک کاموں مثلاً خیرات، تعمیر مسجد یا حج بیت اللہ میں صرف کرنا مقبول نہ ہوگا۔ یعنی ان امور پر خرچ کرنے والے کو ثواب نہ ہوگا۔ مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ان اللہ طیب لایقبل الاطیباً'' (یعنی اللہ پاک ہے اور صرف پاکیزہ شے کو پسند فرماتا ہے) نیز مسلمانوں کے لیے بھی وہی حکم ہے جو پیغمبروں کے لیے ہے۔ یاایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً'' الآیۃ (یعنی اے پیغمبرو پاکیزہ خوراک کھاؤ اور نیک عمل کرو) نیز اللہ فرماتا ہے ''یاَیھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقنا کم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون '' (یعنی اے ایمان والو اگر تم صرف اللہ کے بندے ہو تو پاک رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اور اللہ کا شکر کرو)۔ اس کے بعد (اسی کتاب میں) بتایا گیا کہ ایک شخص حج کے لیے دور دراز کا سفر کرتا ہے۔ بال چکٹ جاتے ہیں اور گرد سے اٹا ہوا ہوتا ہے پھر ہاتھ اٹھا کر یارب یارب پکار رہا ہے۔ لیکن اس کا کھانا، پینا لباس اور ذریعہ معاش حرام ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟

ایک اور حدیث احمد نے اپنی (کتاب) مسند میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''والذی نفسی بیدہ لا یکسب عبد مالاً من حرام فینفق منہ،فیبارک لہ فیہ،ولا یتصدق فیقبل منہ،ولا یترکہ خلف ظھرہ،الاکان زادہ فی النار،ان اللہ لایمحو السیئی بالسیئی ولکن یمحو السیئی بالحسن ،ان الخبیث لا یمحوا الخبیث '' (یعنی اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص حرام مال کمائے اور اس کو خرچ کرے تو اس میں برکت ہو اور صدقہ دے تو قبول ہو یا پیچھے چھوڑ کر جائے یہ سب اس کی آتش دوزخ کو زیادہ کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ برائی کو برائی سے دور نہیں کرتا۔ البتہ نیکی سے برائی دور ہوتی ہے اور ایک بری بات دوسری بری بات کو نہیں مٹاتی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''من کسب مالاً حراماً فتصدق بہ لم یکن لہ اجر،وکان اصرہ. یعنی اثمہ وعقوبتہ. علیہ'' (یعنی حرام کی کمائی خیرات کرنے میں کوئی ثواب نہیں بلکہ وہ کمائی اس پر ایک بوجھ ہو جائے گی۔ یعنی گناہ اور عذاب)۔

قاسم بن مخیمرہ کے مراسیل (مجموع احادیث مرسلہ) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''من اصاب مالاً من مأثم،فوصل بہ رحمہ اوتصدق بہ او انفقہ فی سبیل اللہ،جمع ذلک جمیعاً، ثم قذف بہ فی نار جھنم '' (یعنی گناہ کمائے ہوئے مال کو اگر صلہ رحمی یا حسن سلوک میں خرچ کیا یا صدقہ میں دیا یا اللہ کے راستہ میں لگایا وہ

Marfat.com

سب مال جمع کیا جائے گا اور اس آگ میں جھونک دیا جائے گا اور اس شخص کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا) نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا "انه اذا خرج الحاج بالنفقة الخبيثة فوضع رجله في الغرز. اى الركاب. وقال: لبيك ،ناداه ملك من السماء: لالبيك، ولاسعديك، وحجك مردود عليك" (یعنی اگر کوئی شخص ناپاک کمائی لے کر (حج کو) نکلے اور سواری کے رکاب میں پاؤں ڈالے اور کہے "لبیک" تو اس کے جواب میں آسمان سے ایک فرشتہ آواز دے گا "لا لبیک لاسعدیک" (یعنی نہ تیری لبیک قبول ہے اور نہ تیرے لیے خوشخبری ہے اور تیرا حج نامقبول ہے)۔

یہ تمام حدیثیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہے کہ حرام مال کا صدقہ یا حج یا کوئی اور کار ثواب قبول نہیں ہوتا۔ بناء بریں علمائے حنفیہ نے یہ بتادیا ہے کہ حج کے لیے حرام مال خرچ کرنا بھی حرام ہے۔

اب ان تمام امور بالا کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ بھنگ، افیون، کحلیات وغیرہ مسکرات جو نشہ آور اور غافل کردینے والی اشیاء ہیں سب حرام ہیں۔

۲۔ ایسی اشیاء کی تجارت اور اسے نفع آور پیشہ میں لگانا حرام ہے۔

۳۔ اس کا کاروبار چلانا، اس کی تجارت کو فروغ دینے میں تاجروں کا ساتھ دینا اور اس میں شامل ہونا حرام ہے۔

۴۔ ایسی شے کی کاشت بھی حرام ہے جس سے نشہ آور مادہ نکال کر استعمال کیا جائے یا اس کی تجارت کی جائے۔

۵۔ ایسی اشیاء کے کاروبار سے جو فائدہ حاصل ہو وہ حرام اور ناپاک ہے۔ کار ثواب میں اسے لگانا قبول نہ ہوگا۔

ان تمام موضوعات پر طویل تشریح اور اس کے متعلق دلائل اوپر آچکے ہیں۔ اس تفصیل سے غرض یہ ہے کہ امر حق کو بیان کردیا جائے اور صحیح بات کو کھول کر بتا دیا جائے تاکہ وہ شبہات دور ہو جائیں۔ جن کی بناء پر ناواقفوں نے ان منشیات کے حلال ہونے کا فتویٰ لگایا اور معلوم ہو جائے کہ ان منشیات کو حلال کہنا خطا کاروں کے اباطیل میں سے ہے اور ان لوگوں کا قول ہے جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں، یہاں تک کہ اس زمانے میں منشیات کا استعمال عام ہے۔ تمام قومیں اور مختلف طبقات کے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ عجب نہیں کہ ملت اسلامیہ تک اس کا اثر پہنچ جائے اور اسلام کی عزت و شرف کو زیاں پہنچے۔ واللہ ولی التوفیق۔

بیر کے استعمال کی خرابیاں

جامعہ لاما (کنیڈا) کے پرنسپل جو ماہرین امراض قلب کے مؤتمر عالمی منعقدہ لندن کے صدر ہیں یہ اعلان فرمایا ہے کہ ان کی تحقیقات کے نتیجہ میں اڑتالیس مردوں اور دو عورتوں کو "بری بری" کے عارضہ میں مبتلا پایا گیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دل کے ایک عارضہ میں مبتلا ہیں جس کا سبب ایک خاص قسم کے بیر کا استعمال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مریض روزانہ ۳ء۱۱ لیٹر (کم وبیش ۱۲ سیر) بیر زہر مار کیا (پیا) کرتے تھے۔ اس مرض کے پیدا ہونے کا سبب وہ تیزابی مادہ (Sulphate) ہے جو اس خاص قسم کی بیر کے نشہ آور مادہ سے پیدا ہوتا ہے اور تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اس سے دل بڑا ہو جاتا ہے اور اس کے ڈھکنے موٹے ہو جاتے ہیں۔

امام محمد رشید رضا نے اپنی تفسیر میں سورہ مائدہ کی آیت متعلقہ خمر کی طویل تشریح کی ہے اور بعد میں بتایا ہے کہ

Marfat.com

''یہاں پر خمر کی ماہیت کے بیان کرنے میں اس لیے طوالت سے کام لیا گیا ہے کہ حدیث کی پیشگوئی کے مطابق لوگوں نے شراب کا نام بدل کر اس کو حلال کر لیا ہے ادھر نزول قرآن حکیم کے بعد مختلف اقسام کی شرابیں تیار کی گئیں جو بقول اطباء انسان کی صحت اور عقل دونوں کے لیے انگوری شراب سے زیادہ ضرر رساں ہیں۔ ان شرابوں کے باعث باہمی بغض وعداوت میں زیادتی اور ذکر الٰہی اور نماز میں رکاوٹ پڑ رہی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انگور کی شراب کے سوا اور کوئی شراب حرام مطلق نہیں ہے۔ دوسری شرابیں صرف اس صورت میں حرام ہیں جبکہ نشہ ہو جائے۔ چنانچہ اس ہلاکت آفریں زہر کا استعمال قلیل مقدار میں جاری ہے۔ حالانکہ تھوڑی پی کر مزید کی طلب ہوتی ہے اور نتیجۃً انسان دائم الخمر ہو جاتا ہے، جس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ ان کا یہ نقطۂ نظر فساد عظیم کا موجب ہے اور خیریت اسی میں ہے کہ اس خیال کو باطل اور متقدمین ومتاخرین کے قول کو فوقیت دی جائے تا کہ بے شمار برائیوں کے اس ذریعہ کا سد باب کیا جا سکے۔

واضح ہو کہ یہ بغض وعداوت کے واقعات، قتل وغارت جبر وستم معصیت و بے حیائی، ارتکاب جرائم کی جرأت، بدکاری، خاندانی اور قبائلی اسرار کا افشا اور مخفی رازوں کا اظہار اور حکومت اور وطن سے غداری، جس کا چرچا جا بجا اور ہر وقت لوگ کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب منشیات کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (دشمن کا) کوئی جاسوس اعلیٰ افسروں اور بڑے بڑے سیاست دانوں کے عشرت کدوں میں چھپ رہتا ہے تا کہ فوجی رازوں اور علاقائی حکمت عملیوں کا سراغ لگائیں۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ کسی سردار کی ایک گھونٹ شراب ساری قوم کو ختم کر دیتی ہے۔ پورے کا پورا قبیلہ تباہ ہو جاتا ہے اور زبردست فوج بھی شکست کھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے شراب کو سخت حرام قرار دیا ہے اس کا ذکر کتاب اللہ میں تین جگہ آیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی شدت سے ممانعت فرمائی ہے۔ حضور کا ارشاد ہے ''من شرب الخمر فی الدنیا، ثم لم یتب منہا، حرمہا فی الأخرۃ'' بروایت بخاری واصحاب سنن'' (یعنی جس نے دنیا میں شراب پی اور اس سے توبہ نہ کی تو (اللہ) نے آخرت کی شراب اس پر حرام کر دی)۔ امام مسلم نے اس کے اخیر میں الفاظ ''فلم یسقہا'' کا اضافہ فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ''ایسے شخص پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے کہ جنت میں جائے اور شراب طہور پیے'' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے معنے یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں شراب طہور نہ ملے گی اگر چہ مسلمان مرا ہو اور جنت میں گیا ہو کیونکہ اس کے پینے میں اس نے جلد بازی سے کام لیا۔ لہٰذا اس سے محروم رہنے کی سزا اسے دی گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ اسے معاف کر دے۔

احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن، ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن، ولا یشرب الخمر حین یشربہا وھو مؤمن'' (یعنی بدکاری کے وقت بدکار کا ایمان نہیں رہتا اور چوری کے وقت چور مومن نہیں رہتا اور شرابی شراب پینے کے وقت ایمان سے خارج ہو جاتا ہے)۔ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ایمان کی نفی سے مطلب ایمان کامل کی نفی ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم ممانعت ہے۔ اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ان گناہوں کے مرتکب جب ارتکاب کرتے ہیں تو ان کا ایمان نہیں رہتا ہے۔ جب یہ گناہ کر چکتے ہیں تو پھر ایمان واپس آ جاتا ہے اگر گناہ کرتے وقت موت آ جائے تو مرتکب خارج از ایمان ہو کر مرتا ہے۔

Marfat.com

عہد حاضر کے تمام مہذب اہل علم اور موجودہ ترقی پذیر شہروں میں جہاں سے اخبارات و رسائل شائع ہوتے رہتے ہیں وہاں کے بیشتر اشخاص یہ جانتے ہیں کہ شراب کا استعمال جسم، عقل، دولت، صحت عامہ اور اصول معاشرہ کے لیے سخت ضرر رساں ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتنا کچھ جاننے کے باوجود لوگ اس سے توبہ کرنے اور ترک کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے ڈاکٹر جو اس کے نقصانات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں شراب کے رسیا اور دائم الخمر ہیں۔ حالانکہ انھیں علم ہے کہ منشیات کے استعمال سے عوارض و امراض پیدا ہوتے ہیں اور نشہ پینے والوں کے پاگل ہو جانے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ان کی جوانی، پاکدامنی اور گھر بار تک برباد ہو جاتا ہے لیکن حوصلہ کی کمی، دوست احباب کی ہمنوائی کا ذوق، مستی اور بے خودی کا مزہ اور دوستوں کی صحبت کا لطف۔ یہ سب باتیں انھیں شراب کا شائق بنا دیتی ہیں اور شراب خوری میں مبتلا ہو کر عتاب رب العالمین کے مستوجب ہو جاتے ہیں۔

علماء نے شراب نوشی میں جو برائیاں بتائی ہیں ان کو مختصراً ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ شراب پینے کے وقت شرابی کا تمام ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

۲۔ اللہ کی نافرمانی کے باعث اس پر اللہ کی لعنت پڑتی ہے اور اس کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

۳۔ شرابی کی ہمت پست ہو جاتی ہے۔ رزق تنگ ہو جاتا ہے۔ قحط اور تباہی پھیلتی ہے۔ شکلیں مسخ ہو جاتی ہیں اور نامردی بھی لاحق ہو جاتی ہے۔

۴۔ شراب نوشی کا ارتکاب وہی کرتا ہے جو بدکار اور گناہگار ہو اور جسے خدا و آخرت پر ایمان نہ ہو۔

۵۔ شراب انسان کو ہر قسم کے گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی ماں ہے۔

۶۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شراب پینے والے کو عذاب میں ڈال دے گا۔ اور وہ گندگی پلائی جائے گی جو بدکاری کے نتیجہ میں شرمگاہوں سے خارج ہوتی ہے۔ العیاذ باللہ (خدا کی پناہ)۔

۷۔ اللہ تعالیٰ شرابی کو جنت سے اس طرح محروم کر دے گا کہ اس کی بو تک انھیں نہ پہنچے گی۔

۸۔ شرابی کو وہی عذاب ہوگا جو بتوں اور مورتیوں کے پجاری کو ہوگا۔

۹۔ شرابی حشر کے روز سخت تشنگی اور پیاس کے عالم میں قبر سے اٹھے گا۔

۱۰۔ شراب پینے کے بعد چالیس دن تک نہ شرابی کی عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

۱۱۔ شراب پینے والا توہین، تذلیل اور تحقیر کا مستوجب ہو جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''لا تسلموا علی شربة الخمر'' (یعنی شراب پینے والے کو سلام نہ کرو)۔

۱۲۔ شراب خور پر اللہ کا عتاب نازل ہوتا ہے اور اگر اسی حالت میں مر جائے تو اللہ کی رحمت اور جزائے خیر سے محروم رہ جائے گا۔

۱۳۔ شرابی اگر نشہ کی حالت میں مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے حالت سکر میں پڑے رہنے کا عذاب دے گا اور وہ اپنے دوسرے کاموں میں بھی یہی تلخی محسوس کرے گا اور ایمان سے بے بہرہ ہو کر مرے گا۔

۱۴۔ شراب پینے والے کے لیے نار جہنم میں ایک چشمہ نکالا جائے گا، جس سے پیپ، کچ لہو اور طرح طرح کی

Marfat.com

اذیت ناک چیزیں ابلیں گی یعنی اس میں سے کچھ لہو اور پیپ برآمد ہوگا۔

۱۵۔شراب پینے والا محتاج، تلف کار اور نیکی سے محروم ہو کر رہ جاتا ہے گویا دنیا کو پا کر اس نے تلف کر دیا۔

۱۶۔شراب نوشی منجملہ ان خصائل کے ہے جو تباہ کن، ضرر رساں، دولت سے محروم کرنے والے، عقل مار دینے والے اور ملت کو ہلاک کرنے والے ہیں۔

۱۷۔شراب مضر صحت ہے انسان کو اطمینان سے محروم اور بدبختی، تباہی بربادی سے دوچار کر دیتی ہے۔

۱۸۔شراب کی مضرت شرابی کی اولاد اور اس کی نسل تک پہنچتی ہے اور بچے مریض پیدا ہوتے ہیں۔

۱۹۔اللہ تعالیٰ شرابی کی نہ فیاضی قبول کرتا ہے نہ انصاف پسندی نہ فرض (کی بجا آوری) قبول ہے نہ نفل (کی ادائیگی)۔

۲۰۔جو شخص نشہ کی حالت میں دنیا سے جاتا ہے وہ نشہ ہی کی حالت میں دفن ہوتا ہے اور نشہ کی حالت میں اٹھایا جائے گا پھر نشہ ہی کی حالت میں اسے واصل جہنم کیا جائے گا اور پھر ایک پہاڑ پر لایا جائے گا جس کا نام 'سکران' ہے اس میں ایک چشمہ ہے جس سے پیپ اور کچ لہو بہہ رہا ہے۔اور جب تک زمین و آسمان ہیں شراب نوشوں کا کھانا پینا یہی ہوگا۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔(ملخصاً ماخوذ از شرح الترھیب والترغیب)

''حرمت شراب کی آیات قرآنی''

''یَسْئَلُوْنَکَ عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس، واثمھما اکبر من نفعھما'' (البقرۃ:۲۱۹)

(یعنی لوگ حکم شراب وقمار کی بابت سوال کرتے ہیں تو اے نبی انھیں بتادو کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں اور لوگ ان سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں لیکن ان میں فائدہ اتنا نہیں ہے جتنا بڑا گناہ ہے)۔

۲۔یٰآیھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون'' (المائدہ:۹۰)

(یعنی اے مسلمانوں شراب، جوا، دیوتاؤں کے تھان اور پانسے کے تیر یہ سب گندے اعمال شیطانی میں سے ہیں۔تم ان سے کنارہ کش رہو۔اسی میں تمہاری بہتری ہے)۔

۳۔ولا تلقوا باید یکم الی التھلکۃ، واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین'' (البقرۃ:۱۹۵)

(یعنی خود اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ پڑو۔اچھے کام کرو۔اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

۴۔ولاتتبدلوا الخبیث بالطیب'' (النسآء:۲)

(یعنی اچھی چیز کو چھوڑ کر بری چیز اختیار نہ کرو)۔

۵۔''یاایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنا کم'' (البقرہ:۱۷۲)

(یعنی مسلمانو پاکیزہ رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے)

۶۔''وکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً'' (المائدۃ،۸۸)

Marfat.com

(یعنی پاک روزی کھاؤ جو اللہ نے تمہیں دی ہے)۔

۷۔"لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً" (النساء:۲۹)

(یعنی اللہ تعالیٰ ازراہ کرم تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی جان کو ہلاک نہ کرو)۔

۸۔یآیھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاًانی بما تعملون علیم" (المؤمنون:۵۱)

(یعنی اے رسولو پاک چیزیں کھاؤ اور اعمال نیک بجاتے رہو۔ یاد رہے کہ ہم تمھارے افعال سے واقف ہیں)۔

۹۔"یآیھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ماتقولون" (النسآء:۴۳)

(یعنی اے مسلمانو نشہ میں ہو تو نماز کے پاس نہ جاؤ اس وقت تک کہ تمہیں یہ ہوش آجائے کہ تم کیا کہہ رہے ہو)۔

جنگ کی حالت میں حد (شرعی سزا) کے نافذ کرنے کا بیان۔

ائمۂ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حالت جنگ میں حد نافذ نہیں کی جائے گی اور نہ دارالحرب (دشمن کے علاقہ) میں۔ ہر چند کہ پولیس کے سپاہی، لشکر اور افسروں کو شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ حال میں اللہ تعالیٰ اور شارع حکیم علیہ السلام کے احکام کی اطاعت کریں اور اپنے آپ کو پرہیز گاری سے آراستہ رکھیں تا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے دشمنوں پر فتح یاب فرمائے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔"ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز" (یعنی جو خدا کا حامی ہوگا اللہ تعالیٰ بالیقین اسے فتحیاب کرے گا، اللہ زبردست قوت والا ہے) نیز ارشاد باری تعالیٰ "ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" (یعنی اگر تم اللہ کے حامی رہے تو اللہ تمہیں فتح یاب کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا)۔ بناء بریں حکام اور افسران فوج لشکریوں اور پولیس کے سپاہیوں کو میدان کارزار میں بھی نماز کی پابندی کا حکم دیتے تھے اور گناہوں اور نافرمانیوں کے ارتکاب سے دور رہنے کا بھی اور اللہ تعالیٰ انھیں اپنے دشمنوں پر فتح یاب فرماتا تھا۔ "وما النصر الا من عند اللہ" (یعنی اللہ کے سوا اور کہاں سے مدد مل سکتی ہے) یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ نے جنگ فارس میں حضرت سعدؓ بن وقاص کے پاس بمقام قادسیہ ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں حضرت سعد اور ان کے لشکر کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ "میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ہر حالت میں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہوں۔ یاد رہے کہ خدا کا خوف دشمن کے لیے سب سے بڑی تیاری اور سب سے زیادہ کارگر حکمت عملی ہے۔ نیز تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ دشمن سے زیادہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو۔ کیونکہ لشکریوں کا گناہ دشمن سے زیادہ خطرناک ہے۔ یاد رکھو کہ مسلمانوں کی فتح یابی ایمان باللہ اور طاعت الٰہی پر منحصر ہے اور نتیجہ ہے دشمنوں کی معصیت کا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم کبھی ان پر غالب نہ ہوسکتے۔"

ان ہدایات کے باوجود ایسا ہوا کہ مجاہدین اسلام میں سے ایک شخص سے ایسا گناہ سرزد ہوگیا جس پر حد کا نفاذ لازم ہوگیا۔ لیکن دارالحرب میں اسے حد نہیں ماری گئی جیسا کہ کارروائی سے ثابت ہے جو سعدؓ بن وقاص نے ابن محجن ثقفی کے ساتھ روا رکھی۔ یہ صاحب عہد جاہلیت اور عہد اسلام کے زبردست بہادروں میں سے تھے۔ بڑے رعب داب کے آدمی تھے ایک اچھے اور طبع زاد شاعر بھی تھے لیکن شراب کے رسیا تھے۔ اس کا چھوڑنا ان کے لئے ممکن نہ تھا شراب پینے کی

Marfat.com

سزااور لوگوں کی مذمت بھی انھیں اس برائی سے باز نہ رکھ سکی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد بار انھیں شراب پینے پر سزادی اور بالآخر ایک دریائی جزیرہ میں انھیں جلاوطن کر دیا۔ ایک شخص کو ان کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ بھیج دیا تھا۔ لیکن وہ وہاں سے بھاگ کر حضرت سعدؓ بن وقاص کے پاس قادسیہ میں آگئے اور جنگ میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے حارس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جسے حضرت عمرؓ نے ان کی نگرانی کے لیے ان کے ساتھ بھیجا تھا۔ حارس نے ابن مجحن کے اس ارادہ کو بھانپ لیا اور بھاگ کر حضرت عمرؓ کے پاس آگئے اور صورت حال سے انھیں آگاہ کیا۔ سیدنا عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو حکم بھیجا کہ ابن مجحن کو گرفتار کر لیا جائے چنانچہ انھیں قید میں ڈال دیا گیا پھر جب (پادری) ناطف قادسیہ میں آیا اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی تو ابو محجن نے حضرت سعدؓ بن وقاص کی بیگم سے التجا کی کہ ''مجھے قید و بند سے رہا کر کے سعد کا گھوڑا میرے حوالے کیجیے۔ اگر میں جنگ سے بچ کر واپس آگیا تو وعدہ کرتا ہوں کہ پھر بدستور قید و بند میں پڑ جاؤں۔ اگر شہید ہو گیا تو اس پر کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ بیگم سعد نے (ان کی باتوں سے متاثر ہو کر) انھیں آزاد کر دیا اور گھوڑا بھی دے دیا۔ ابو محجن جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے اور خوب داد شجاعت دی پھر قید میں آگئے۔ ان ہی کے ہاتھوں قادسیہ کی جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور سعد بن وقاص نے انھیں سزا نہیں دی۔

واضح ہو کہ دوران جنگ یا دارالحرب میں حدُ نافذ نہ کی جائے تو بعد میں حاکم اپنی ذاتی رائے پر جو مناسب سمجھے سزا دے سکتا ہے۔ لیکن سیدنا سعدؓ بن وقاص نے یہ فیصلہ کیا کہ ابو محجن نے اپنی جان راہ خدا میں لڑا دی اور شجاعت کے وہ جو ہر دکھائے کہ جو باید و شاید اس لیے نہ انھیں شراب پینے کی حد ماری جائے اور نہ بعد میں کوئی اور سزا دی جائے۔ کیونکہ گناہ سے پاک کرنے والی بات اس سے بڑھ کر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ مجاہد اگر میدان جنگ میں کام آئے تو اسے جنت میں جگہ ملے گی اور اگر واپس آجائے تو وہ تنخواہ اور مال غنیمت میں سے اپنا حصہ پائے گا۔

ابو محجن پر اس معافی کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے صدق دل سے ایسی توبہ کی کہ ہمیشہ کے لیے شراب کا پینا ترک کر دیا۔ اور وہ مسلمان جو راسخ العقیدہ ہو اس کا عزم ایسا ہی پختہ ہوتا ہے اور گناہوں میں ملوث ہونے کے بعد ان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسے اپنے گناہوں کے انجام کا خوف ہو اور اپنے پروردگار کی طرف مائل ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے دشمن کے علاقہ میں سزائے شرعی کے نافذ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے اخراج فرمایا ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب

ان حدوں کے بیان میں جن کے نفاذ پر سب کا اتفاق ہے

'حدِ زنا اور اس کے معنے

از روئے لغت حد کے معنے روکنے (باز رکھنے) کے ہیں۔ چنانچہ دربان کو 'حدّاد' کہا جاتا ہے کیونکہ وہ (غیر شخص کو) گھر میں آنے سے روکتا ہے۔

کتاب نہایہ (شرح ہدایہ) میں ہے کہ لفظ حد کا اطلاق گناہ پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'تلک حدود الله فلا تقربوها'' (یعنی اللہ نے ان امور کو گناہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان کے پاس نہ پھٹکو)۔ اس لفظ کا اطلاق ان سزاؤں پر ہوتا ہے جو صاحب شریعت نے گناہ کی پاداش میں مقرر فرمائی ہیں۔ چنانچہ بولنے میں یوں آتا ہے 'اقمتُ علیه الحد'' (یعنی میں نے فلاں شخص پر حد جاری کی)۔ 'حد' کے بنیادی معنے رکاوٹ اور دو چیزوں کے درمیان علحدگی کے ہیں مصباح میں ہے کہ (حد کے مفہوم میں) شرع کی مقرر کردہ سزائیں شامل ہیں کیونکہ یہ سزائیں گناہ کے ارتکاب میں رکاوٹ ہیں۔ شریعت میں 'حد' اس سزا کو کہتے ہیں جو بطور مطالبۂ حق مقرر کی جائے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے 'ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه'' (یعنی جس نے اللہ کے حکم یا اس کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کیا۔ اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا یعنی مستوجب عذاب ہوگیا) نیز ارشاد ہے۔ 'والحافظون لحدود الله'' (یعنی اہل ایمان اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پاسداری کرتے ہیں)۔

(نفاذ حد کا) ثمرہ، معاشرہ کی خرابی کو دور کرنا، جان کو ہلاک ہونے سے اور عزت و آبرو کو برباد ہونے سے بچانا، نسل کو گڈمڈ ہو جانے اور مال کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا اور ذلت و رسوائی سے نجات پانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها'' (یعنی دنیا کے بنے بنائے حالات میں بگاڑ نہ پیدا کرو)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر کسی طرح کا فساد نہ پھیلاؤ۔ اس فساد میں یہ تمام باتیں داخل ہیں: منشیات کے استعمال سے عقل کا زائل کرنا، جانوں کو قتل کرنا، اعضاء کا کاٹنا، اغلام و زنا سے نسلوں کو خراب کرنا، تہمت لگانا، پرائے مال پر ناجائز قبضہ جمانا، چوری کرنا، کاروبار میں فریب سے کام لینا، دین میں کفر و بدعت کو داخل کرنا، دنیا کی اصلاح (فساد سے بچانے) کا تعلق ان پانچ باتوں سے ہے۔ (۱) جان، (۲) عقل، (۳) عزت، (۴) دین، (۵) مال۔

نفاذ حد سے فائدہ یہ ہے کہ دنیا سے برائی کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے چنانچہ زنا کی سزا لاگو ہونے سے نسل ضائع ہونے بلکہ ختم ہونے سے بچ جاتی ہے کیونکہ اس سے نسل مشتبہ ہو جاتی ہے، اس لیے شارع نے اس کو بہتر سمجھا ہے کہ زنا کے مرتکب کو عوام کے سامنے 'حد' ماری جائے یا سنگسار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم 'ولیشهد عذابهما طائفة من المؤمنین' (النور:۲) (یعنی مرتکبین بدکاری کو جب سزا دی جائے تو چاہیے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کا مشاہدہ کرے)۔

دوسرے مستوجب سزا گناہ ایسے ہیں جن کی خرابی کو عقل تسلیم کرتی ہے اور ہر شخص کی طبیعت مانتی ہے کہ شراب

Marfat.com

سے عقل زائل ہو جاتی ہے، تہمت سے آبرو میں بٹہ لگتا ہے اور چوری، غیر کے مال کو ہتھیا لینا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اقوام سابقہ میں سے کسی میں دوسرے کا مال یا آبرو لینا جائز نہیں رہا اور بدکاری کے ارتکاب اور مستی کی اجازت نہیں دی گئی۔ چونکہ دنیائے انسانیت میں یہ برائیاں عام ہیں اور انسان کو ان سے جو خطرات درپیش ہوتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اس لیے ان کا سدباب کرنے کے لیے جو سزائیں رکھی گئی ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق (یعنی احکام الٰہی) میں سے ہیں ان کے نافذ کرنے ہی سے ہمیشہ معاشرہ کو فائدہ پہنچتا رہے گا۔

ان حدود کو شرعی حکم قرار دیے جانے کی حکمت

ان سزاؤں کو شرعی حکم اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ جو امور خدا کے بندوں کیلئے ضرر رساں ہیں ان کا سدباب کیا جائے مثلاً عصمت دری، نسل کی بربادی بے آبروئی، ضیاع مال، اتلاف جان اور بدامنی۔ یہ شرعی سزائیں معاشرے کے ان تمام بڑے بڑے اخلاقی عارضوں اور نفس سرکش کے امراض کی شفا بخش دوا اور ان سے چھٹکارا دلانے والا علاج ہے جو معاشرہ کے لیے تباہ کن اس کے جسد کو گھن لگانے والے، اس کے اعضاء کو کچل دینے والے اور بالآخر واصل جہنم کرنے والے ہیں۔

انما الامم الاخلاق ما بقیت
فان ھمو ذھبت اخلاقھم ذھبوا

(مطلب یہ ہے کہ اقوام کے وجود کی بقا اخلاق کے ساتھ ہے۔ اخلاق گیا تو قومیں بھی گئیں)۔

اسلام (راہ راست) سے انحراف پر نظر رکھتا ہے، کیونکہ اخلاق سے گرنا فطری خوبی سے (جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے) ہٹ جانا اور فطرت سے بغاوت ہے۔ اسلام (بذات خود) فطری صلاحیت سے منہ موڑ لینے والوں کا علاج کرتا ہے اور جب علاج کارگر نہ ہو اور اصلاحی اقدامات سودمند نہ ہوں تو اسلام جرائم سے روکنے میں سختی سے کام لیتا ہے اور شدید احکامات نافذ کرتا ہے تاکہ برائی کا وجود تمام معاشرے ہی کو ختم نہ کر دے۔ غرض اسلام خودسری کے خلاف برسر جنگ ہے اور اس کے سدباب کی خاطر شرعی سزائیں شدت گناہ کے پیش نظر رکھی گئی ہیں تاکہ جمعیت انسانی کو نقصان وفساد سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی عضو انسان ہلاکت آفریں مرض میں مبتلا ہو جائے اور اس کا علاج نہ ہو سکے تو اس عضو کو کاٹ دینا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ پورے جسم کو بچایا جا سکے۔

زنا (بدکاری) کی حد

زنا سے مراد ایک مکلف انسان کا (یعنی جس پر احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں) کسی مشتہاۃ عورت (یعنی جو خواہش نفسانی کی محرک ہو سکتی ہے) کے ساتھ فعل گناہ کا مرتکب ہونا ہے۔ درآنحالیکہ وہ شخص اس عورت پر ایسا کوئی حق نہ رکھتا ہو۔ اور یہ حرکت اس نے غلط فہمی سے یا شبہ میں پڑ کر نہ کی ہو۔ اس فعل سے اس عورت کے ساتھ نسب اور دودھ کا وہی رشتہ قائم ہو جاتا ہے جو باقاعدہ بیوی بنا لینے سے ہوتا۔ بدفعلی کا جرم انسانی جرائم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ جرم ہے، جو شرافت، اخلاق اور انسانی فضل وشرف کے منافی اور معاشرہ کی بنیاد کو منہدم کرنے، خاندان کو تباہ کرنے نسل کو مٹانے،

Marfat.com

زوجیت کے رشتہ کو منقطع کرنے اور اولاد کی خرابی تربیت بلکہ بچے کو ضائع کرنے یعنی فی الواقع اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔اس طرح جو ناجائز اولاد پیدا ہوگی ان کا کوئی مربی نہیں ہوتا اور ماں بے وسیلہ ہونے کے باعث بذات خود بچے کی تربیت اور اس کے حالات کی دیکھ بھال نہیں کرسکتی۔لہٰذا اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے اور اس کا وجود (جسد) معاشرہ کا ایک ناکارہ عضو بن کر رہ جاتا ہے۔اس حرکت سے باہمی بغض وعناد بڑھتا اور بدی وجرائم کی کثرت ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بچہ قابل نفرت اور ناپسندیدہ گناہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔غرض بدفعلی کا جرم زندگی کے جملہ معاملات میں سب سے زیادہ خطرناک جرم ہے بلکہ اگر نظام حیات کی پائداری اور اس کی دائمی خوش بختیوں اور خوشگواریوں اور اس کے ربط وضبط (کی اہمیت) کے پیش نظر دیکھا جائے تو یہ حرکت نہایت ہی اذیت ناک ہے۔یہی وجہ ہے کہ شارع حکیم علیہ السلام نے اس (جرم کی) سزا کو انتہائی اہمیت دی ہے۔تاکہ انسان کی عمرانی زندگی ممنوعاتؒ سے پاک ہو اور اسے ان مصیبتوں اور خطرات سے بچایا جاسکے جو خاندان کی تباہی کا باعث ہیں، چنانچہ جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو (آلودگی معصیت سے) بچا کر نہیں رکھتے ان کے مستوجب عذاب ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی خوب وضاحت کردی ہے اور اس کے مرتکبوں پر شدید ترین اور اذیت ناک ترین سزا عائد فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ ان پر نہ رحم کیا جائے اور نہ ہی ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔اور حکم ہے کہ مسلمانوں کی جماعت ان کی سزا کو دیکھے ''ليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين'' (النور:۲) (یعنی مسلمانوں کی جماعت کو چاہیے کہ ان کی سزا کا مشاہدہ کرے) ساتھ ہی ایسی پیش بندیاں بیان فرمائی ہیں جن کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے تاکہ شرمگاہوں اور اعضائے معصیت کو بچایا جاسکے اور انسان محتاط رہ سکے چنانچہ حکم یہ ہے کہ غیر عورتوں کے سامنے نظر کو جھکا کر رکھا جائے کیونکہ نظر ہی دعوت گناہ دیتی ہے پھر مردوں کو حکم ہے کہ اپنی عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے آنے سے منع کریں اور بے پردگی نہ ہونے دیں۔عورتوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنے جسم کو شرم وحیا کے ساتھ چھپا کر رکھیں اور ایسے مقامات سے دور رہیں جہاں تہمت کا اندیشہ اور بدانجامی کا خطرہ ہو۔انھیں چاہیے کہ غیر مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے بچیں تاکہ حرام کی مرتکب نہ ہوں اور انھیں یہ میل جول اور فیاضانہ سلوک معصیت میں مبتلا نہ کردے اور حد کی مستوجب ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولی'' (یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں رہیں اور عہد سابقہ کی جاہلیت کی طرح اپنا سنگھار دکھاتی نہ پھریں) اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب امہات المومنین (ازواج نبی ﷺ) سے تھا جو نیک نفس اور صابر خواتین تھیں۔انھوں نے درسگاہ نبوت میں تعلیم پائی اور سب سے بڑے دار العلوم اسلامیہ کی تربیت یافتہ تھیں۔بارگاہ نبوت میں آداب سیکھے اور رسول اللہ ﷺ سے اخلاق حاصل کیا۔یہ خواتین بغیر کسی شرعی ضرورت کے گھر سے باہر نہیں جاتی تھیں مثلاً حج یا عمرہ ادا کرنا ہو یا ماں باپ کی زیارت کرنی ہو یا اقرباء سے ملنا جلنا ہو یا بیمار پرسی پیش نظر ہو یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو۔پھر بھی جب وہ باہر جاتی تھیں تو اپنی زیب وزینت کو ظاہر نہ ہونے دیتی تھیں اور نہ اپنے حسن وجمال کا کوئی اظہار ہونے دیتی تھیں اور نہ بھڑک دار کپڑے پہن کر نکلتی تھیں۔دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایسی خواتین کو یہ حکم دیا جو ان صفات کی مالک تھیں تو دوسری عورتوں کا باہر نکلنا اور مردوں کے سامنے بازاروں میں چلنا پھرنا اور بھی اندیشہ کی بات ہے۔درآنحالیکہ ان میں ایسی عورتیں بھی ہیں جن کے دل مریض ہیں۔گناہ، بدی اور فسق وفجور میں پڑی ہوئی ہیں اور خوف

Marfat.com

وخشیت اللہ سے خالی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان المرأة عورة فاذا خرجت من بیتھا استشرفھا الشیطان وان اقرب ماتکون من رحمة ربھا وھی فی عقر بیتھا" (یعنی عورت ایسی چیز ہے جسے چھپانا واجب ہے۔ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی پذیرائی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت جب تک اپنے گھر کے اندر رہے اپنے پروردگار کی رحمت سے زیادہ قریب ہے)۔ فقہاء اس بارے میں متفق اللفظ ہیں کہ بعض اوقات عورت کا اس حال میں گھر سے نکلنا گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے جب کہ اس سے خرابی پیدا ہو۔ مثلاً کوئی عورت عطر لگا کر اور بناؤ سنگھار کر کے بے پردہ سفر کو نکلے اور غیر مردوں کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کرے، جیسا کہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے اور جس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں گھر سے باہر نکلنا حرام ہے۔ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو لیکن (خوش قسمتی سے) کوئی فتنہ پیدا نہ ہو تو اسے گناہ کبیرہ کی مرتکب نہیں سمجھا جائے گا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ کسی مجبوری سے عورت کا (گھر سے) باہر نکلنا جائز ہے۔ لیکن اس کی چند شرطیں ہیں جن میں سب سے زیادہ ضروری شرط 'محرم' (یعنی ایسا شخص جس سے نکاح نہیں ہو سکتا) کا ساتھ ہونا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پاس حیا ہو۔ عطر لگا ہوا نہ ہو، بناؤ سنگھار نہ کر رکھا ہو اور حسن چھپا رکھا ہو اور مردوں سے ہٹ کر چلے تا کہ فتنہ نہ پیدا ہو اور بیباک اشخاص سے دور رہے، اور چاہیے کہ سابقہ عہد جاہلیت والی نمود و نمائش نہ ہو۔ اس سے مراد وہ کیفیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی، یعنی عورتوں کا ناز و انداز کے ساتھ اپنے حسن و شباب کی نمائش کرتے ہوئے اٹھلا کر چلنا اور گردن، سینہ، بال، گدی، پیٹھ، ہاتھ اور پنڈلی کو جس قدر چھپانا چاہیے اسے ننگا رکھنا۔ اور ایسی باتیں جو ایک مسلمان کی غیرت کے منافی ہیں۔ اس زمانے میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کا ناز و انداز سے باہر نکلنا، شوخیاں کرنا، نیم برہنہ لباس پہننا، بالوں کو کھلا اور پیٹھ کا ننگا رکھنا، بے حیائی اور بے پردگی کا مظاہرہ کرنا، بیباکی اور آزادی کی برائیوں میں آج کی عورتیں، اسلام سے پہلے عہد جاہلیت کی عورتوں سے بڑھ گئی ہیں۔

اس معصیت کی ذمہ داری اول تو خود ان عورتوں پر عائد ہوتی ہے۔ پھر اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو ان کے نگران حال (سرپرست) ہیں ان میں ان کے خاوند، باپ، دادا اور بھائی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر اور ان لوگوں پر جو عورتوں کے اس طرز عمل پر راضی ہیں لعنت کرتا ہے اور ان مردوں پر بھی لعنت ہے جو انھیں اس حال میں دیکھتے اور ان کا ساتھ دیتے ہیں۔۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد برحق ہے 'صنفان من اھل النار لم ارھما، قوم معھم سیاط کاذناب البقر یضربون بھا الناس، ونسآء کاسیات عاریات، ممیلات مائلات، رؤسھن کاسنمة البخت المائلة، لا یدخلن الجنة، ولا یجدن ریحھا، وان ریحھا لتوجد من مسیرة کذا و کذا۔" (یعنی دو قسم کے اہل جہنم ایسے ہیں جنھیں میں نے نہیں دیکھا ہے (یعنی میرے دور کے بعد پیدا ہوں گے)۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے بیل کی دم جیسے کوڑے ہیں اور وہ لوگوں کو اس سے مارتے پھرتے ہیں۔ اور (دوسری قسم میں) وہ عورتیں جو لباس میں بھی ننگی ہیں، پیار کرنے اور پیار چاہنے والیاں ہیں، ان کے سر بالتو اونٹ کے کوہان کی مانند ہیں۔ یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ جنت کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ وہ اتنے اتنے فاصلہ سے

Marfat.com

سونگھی جا سکتی ہے)

یہ حدیث بھی نبوت آنحضرت ﷺ کی ایک دلیل ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے مستقبل کے حالات سے آگاہ فرمایا ہے اور ایک ایسی حالت بتائی ہے جو حضور کے عہد حیات کے تیرہ سو نوے سال بعد پیش آنے والی تھی۔

واضح ہو کہ شریعت کی مقرر کردہ، حدوں، (سزاؤں) میں سے بدفعلی کی حد سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ سزا ایک بہت بڑے ایسے نفسانی مرض کا علاج ہے، جس کا انسانی طبائع پر بہت گہرا اثر ہے اور طبیعت پر اس کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ مرض خواہش نفسانی کا جوش ہے جو عقل پر قابو پا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوع بشر میں یہ زبردست قوت اس لیے پیدا فرمائی ہے کہ دنیا آباد ہو اور نوع انسان باقی رہے۔ لیکن ایسا ہوتا ہے کہ یہ قوت اپنی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ اس لیے شریعت نے اس کے لیے ایک پابندی رکھ دی ہے تاکہ یہ سرکش نہ ہونے پائے اور اسے صحیح طریقہ سے کام میں لایا جائے۔

زنا کے نقصانات

واضح ہو کہ 'زنا' کا فعل شنیع بے شمار خرابیوں اور ناخوشگوار نتائج کا حامل ہے۔ اس میں ہر قسم کی اخلاقی، روحانی، جسمانی، عمرانی اور خاندانی مضرتیں ہیں۔ یہ ایک جرم تمام جرائم پر بھاری ہے۔ اس کا مرتکب نازاں و فرحاں اپنے اوپر اللہ کا غضب سمیٹتا ہے اور خود کو اس کے عتاب و عقاب اور عذاب کا مستوجب بنا لیتا ہے بلکہ اپنے ایمان کو معرض خطر میں ڈال لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن" (یعنی کوئی بدکار ایسا نہیں جس کا ایمان بدکاری کے وقت سلامت رہتا ہو)۔

اس فعل شنیع کے ارتکاب سے (مرد کے علاوہ) عورت کو جو ضرر پہنچتا ہے۔ اس میں بے عزتی، کمینہ پن، بے حیائی، معاشرہ کی رسوائی اور سب سے بڑے گناہ کا ارتکاب ہے۔ اس میں جو خوشی اور تفریح یا نفس پرستی ہوتی ہے وہ بہت حقیر اور تھوڑی دیر کے لیے ہے۔ لیکن اس سے خاندانی شرافت کو جو بٹہ لگتا ہے اور بے قصور رشتہ داروں کو جن میں مرد و عورت شامل ہیں جو شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس بدکاری کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسے ناکردہ گناہ کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اکثر اوقات اس بچے کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اگر وہ زندہ بچ بھی رہا تو عمر بھر کے لیے اسے دھتکار، مذمت، اور عار کا سامنا ہے۔ سب اسے حقیر اور قابل نفرت سمجھیں گے یہاں تک کہ وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دے گا۔ اور جس کا نسب ہی ثابت نہیں وہ عملی حیثیت سے مردہ ہی کے برابر ہے۔

ایسی عورت کا اگر شوہر ہے تو وہ بھی ناحق اس کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ بے آبرو ہو جائے گا، اس کی عزت و وقار خاک میں مل جائے گا اور اپنے ساتھیوں، پڑوسیوں اور جان پہچان والوں میں بے وقعت ہو جائے گا۔ اور یہ شرمندگی تمام عمر بلکہ مرنے کے بعد بھی اسے لاحق رہے گی۔ اسی طرح اس عورت کی اولاد لڑکے لڑکیوں کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا اور یہ ناکردہ گناہ گاری مارے جانے یا جان دے دینے کے برابر ہے۔ یہ قابل نفرت گناہ نہ بھلایا جا سکتا ہے اور نہ چھپایا جا سکتا ہے کیونکہ عیب کے کام کی بو سب کے دماغ میں پہنچ جاتی اور طوفانی ہوا کی طرح پھیل جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ برائی کے پر ہوتے ہیں اور وہ اڑتی ہے۔ اس گناہ کی قباحت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ عورت ایسے ناجائز بچے کو اپنی دوسری

Marfat.com

اولاد یا اپنے خاوند کے کنبہ میں شامل کر دے اور ایک اجنبی کو زبردستی ان کے مال و معیشت میں بغیر کسی حق کے ان کا شریک اور ان کی شرافت، وراثت اور دوسری خصوصیات میں ان کا ہمسر بنا دے۔ اس سے جو مادی مضرت ہوگی اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

پھر اس برے فعل سے جو نقصان صحت کو پہنچتا ہے مثلاً امراض آتشک، سوزاک وغیرہ کا لاحق ہو جانا جن کا ذکر اطبا نے بدکاری کے نقصانات کے سلسلہ میں کیا ہے اور جس پر مستقل کتابیں تالیف ہوئی ہیں۔ اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ شریعت نے اس بارے میں جو شدید احکام نافذ فرمائے ہیں اس میں کیا حکمت ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی شخص ایک بار اس برائی میں ملوث ہو جاتا ہے تو پھر وہ اسی میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا چسکا لگنے کے بعد چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے وہ جابجا اس کا ارتکاب کرتا ہے جس کے باعث یہ برائی پھیلتی جاتی ہے اور اس کی مضرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور معاشرہ میں یہ گناہ وبا کی طرح پھیل جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اس گناہ کے مرتکبوں کو یہ سخت حکم دیا گیا کہ اگر مرتکب زنا غیر شادی شدہ ہے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں اور اسے اس کے ہمسروں اور پڑوسیوں کے سامنے رسوا کیا جائے تاکہ سب کی نظروں میں وہ حقیر ہو جائے اس کی توقیر ان کی نگاہوں سے گر جائے۔ لوگ اس سے کنارہ کشی اختیار کریں اور اس کی صحبت سے دور رہیں۔ کیونکہ ایسا شخص اپنی بدطینتی، زبوں فطرتی اور بدکرداری کے باعث ملنے جلنے والوں کے حق میں سخت خطرناک ہوتا ہے اور یہ تو صرف دنیا کی سزا ہے اگر اس نے توبہ نہ کی تو عذاب آخرت اس سے کہیں زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

زنا کا مرتکب اگر شادی شدہ شخص ہو تو اس کی سزا سنگساری ہے۔ ان سزاؤں کے معنے یہ ہیں کہ یہ بدکار مرد اور عورت مقام (انسانیت) سے نیچے گر گئے ہیں اور انسانیت کے مرتبۂ فضل و کمال سے ہٹ کر پتھر کے زمرہ میں آ گئے ہیں، یہ اشخاص تادیب و تنبیہ کو نہیں سمجھتے۔ تا آنکہ انھیں سخت المناک سزائے ضرب نہ دی جائے یا بری طرح موت سے ہمکنار نہ کر دیا جائے، کیونکہ ایسے اشخاص کو ڈرانے دھمکانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ انہیں ٹھیک کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ بجز اس کے انھیں ہولناک سزا دی جائے۔ اسی لیے شارع حکیم نے حکم دیا ہے کہ دُرّہ زنی یا سنگساری کی سزا مسلمانوں کی ایک جماعت کے روبرو دی جائے تاکہ ان کو مکمل اور عبرت آموز مذلت حاصل ہو اور آئندہ جب بھی ان کا نفس اس گناہ میں آلودہ ہونے کا تقاضا کرے تو اس گناہ کے انجام اور حشر کے پیش نظر اس سے باز رہیں۔

شارع حکیم نے زنا کی یہ (سخت) سزا اس لیے رکھی ہے کہ معاشرہ اس گناہ سے پاک رہے اور اس طرح نافذ کرنے کی غرض یہ ہے کہ مجرم سے زیادہ دوسروں کو عبرت ہو۔ ایک بندہ جب اس گناہ کی عارضی لذت کا مقابلہ اس سخت سزا اور اس رسوائی، ندامت اور لوگوں کی ملامت سے کرے گا جو مجرم کو اپنی زندگی میں لوگوں کے سامنے یا مرنے کے بعد ہوتی ہے تو اس گناہ میں پڑنے سے باز رہے گا اور بتقاضائے عقل اس سے دور رہنے اور اس سے کنارہ کشی کو ترجیح دے گا تاکہ اس جان اور اس کی عزت و بزرگی باقی رہے۔

شریعت اسلامیہ نے معاشرہ کو اس گناہ سے محفوظ رکھنے کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے تاکہ

Marfat.com

سب لوگ امن وعافیت سے رہیں۔ معاشرہ میں پھوٹ اور ملت میں انفرادی واجتماعی عناد پھیلانے والا کوئی جرم بدکاری جیسا نہیں ہے شارع نے اہل ایمان کو جہاں اس کے پاس پھٹکنے سے منع فرمایا ہے، وہاں ایسی باتوں سے بھی روکا جو اس کے اسباب اور اس کا پیش خیمہ ہیں۔ تاکہ انسان اس کے لپیٹ میں آجانے سے بچے۔ (یہ احتیاط ایسی ہی ہے) جیسے بلدیہ کا انجینئر خطرناک جگہوں مثلاً مجمع الکھربا (برقی خزانہ یا ''Accumulater'') بارودی سرنگوں (Mines) کا علاقہ یا مخازن المفرقعات (یعنی دھماکہ خیز اشیاء Blasts کے ذخیرہ) کے پاس جانے سے روکتا ہے کہ بے خبری میں ناگہانی خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وسآء سبيلا'' (یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ یہ سخت گناہ کی بات اور برا راستہ ہے) مطلب یہ ہے کہ زنا کے علاوہ اس کے اسباب محرکہ سے بھی خواہ سبب قریب ہو یا بعید دور رہنے کا حکم اور پاس پھٹکنے سے ممانعت اس لیے ہے کہ اس کے قریب جانے والے کو گناہ دعوت دیتا ہے۔ ''انه كان فاحشة'' اس لیے فرمایا کہ اس کی برائی ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ حد سے تجاوز کرتا ہے اور ساء سبیلا کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ برا طریقہ ہے کیونکہ یہ شرمگاہ کا ناجائز استعمال ہے جس سے نسل برباد ہوتی ہے، فتنہ برپا ہوتا اور معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو شرک اور قتل کے بعد رکھا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ''والذين لايدعون مع الله الها اخر، ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق اثاماً يضاعف له العذاب يوم القيامة ويخلد فيه مهاناً'' (یعنی دیندار لوگ کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناتے اور جسے قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کر دیتے، وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ معصیت میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انھیں دہرا عذاب دے گا اور وہ ذلت کے ساتھ ہمیشہ کے لیے اس میں پڑے رہیں گے)۔ رسول اللہ ﷺ نے اس گناہ کی بعض مضرتوں اور برائیوں کا ذکر اس طرح فرمایا ہے: ''اياكم والزنا فان فيه ست خصال، ثلاث في الدنيا وثلاث في الأخرة، فاما التي في الدنيا، فذهاب البهاء، ودوام الفقر وقصر العمر، واما التي في الأخرة: فسخط الله تعالىٰ، وسوء الحساب والخلود في النار'' بروایت ابو حذیفہؓ بن الیمان (یعنی خبردار زنا سے دور رہو اس کی چھ خاصیتیں ہیں۔ تین خاصیتیں دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور تین کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ قدر جاتی رہتی ہے محتاجی ڈیرہ ڈال لیتی ہے اور عمر گھٹ جاتی ہے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا غضب، محاسبہ اعمال میں سختی اور دائمی جہنم)۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اذا زنى العبد خرج منه الايمان، فكان على راسه كالظلة، فاذا انقطع رجع اليه'' (یعنی جب بندہ یہ گناہ کرتا ہوتا ہے تو اس سے ایمان سلب ہو جاتا ہے اور اس کے سر پر چھتری کی طرح رہ جاتا ہے اس کے بعد ایمان پھر آجاتا ہے) اس حدیث کے علاوہ بدکاری اور اس کے محرکات سے منع کرنے کے بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں۔

عورت کا ستر

اس بارے میں کہ عورت کو غیر مردوں کے سامنے اپنے اعضائے جسم میں سے کس قدر کھولنے کی اجازت اور کس قدر ڈھکنے کا حکم ہے، علماء کا اختلاف ہے کیونکہ اس ارشاد باری کے مفہوم میں، ان کی رائیں مختلف ہیں۔ ''قل

Marfat.com

للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ،ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا "(یعنی اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو (گناہ سے) بچائیں اور اپنی زینت کو بجز اس کے جو ظاہر ہے (یعنی جس کو چھپایا نہیں جا سکتا) ظاہر نہ کریں)۔ اس آیت میں "غض بصر" کے معنے نامحرم پر (جس سے عقد ہو سکتا ہے) نظر کرنے سے باز رہنا اور حفظ فروج کے معنے ہیں خاوند کے سوا غیر کو شرمگاہ کے دیکھنے۔ چھونے اور مباشرت سے روکنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"والذین ھم لفروجھم حافظون. الاعلیٰ ازواجھم اوما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین "(یعنی وہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، البتہ اپنی بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں سے نہیں کرتے، اس پر وہ مذمت کے مستحق نہیں ہیں) الفاظ 'لا یبدین زینتھن' سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے خوبصورتی ہوتی ہے۔ 'الا ماظھر منھا' (یعنی وہ حسن جواز خود ظاہر اور ظاہر کرنے سے نمایاں نہ ہوا ہو)۔

مختلف مسالک کی رو سے عورتوں کے قابل ستر حصہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔

شافعیہ کے دو اقوال میں سے ایک کی رو سے اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ آزاد خاتون کا تمام بدن عورت (قابل ستر) ہے اور اعضائے جسم میں سے کسی حصہ کا کھولنا درست نہیں ہے بجز اس صورت کے جب کہ ایسا کرنا ضروری ہو جائے۔ مثلاً حکیم کے سامنے بغرض علاج یا شادی کے خواہشمند کے سامنے یا قاضی کے سامنے گواہی کے لیے یا خرید وفروخت کا معاملہ کرتے وقت۔ ان اصحاب نے اس حکم سے چہرے اور ہاتھوں کو مستثنیٰ رکھا ہے کیونکہ ان کا کھولنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پاؤں کا کھولنا چونکہ لازمی امر نہیں ہے لہٰذا اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس کا چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں لیکن صحیح رائے یہی ہے کہ یہ بھی واجب الستر ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے دوسرے قول اور مالکیہ کے قول مفتیٰ بہ کے بموجب چہرے اور ہاتھ کے سوا عورت کا بدن 'ستر' ہے پس راہ میں چلتے وقت اور غیر مردوں کے سامنے چہرے اور ہاتھوں کا کھلا رکھنا روا ہے، لیکن انھوں نے اس کے لیے فتنہ کے اندیشہ سے محفوظ رہنے کی شرط رکھی ہے۔ تاہم اگر چہرہ اور ہاتھ حسین ہونے اور زیوروں سے آراستہ ہونے کے باعث موجب فتنہ ہوں تو ان کو چھپانا بھی واجب ہے اور ان کو بھی دوسرے اعضائے کی طرح ستر میں شمار کیا جائے گا۔

یہ سب کچھ فتنے کے سدّ باب، اس کی بیخ کنی، اخلاق، آبرو اور خاندان کے تحفظ کی غرض سے ہے۔ حقیقت یہ کہ نگاہ خواہش نفسانی کی ہرکارہ، گناہ کی پیغام رساں معصیت کے لیے ہیجان آور اور دلوں کے لیے ایک تیر ہے اور بسا اوقات نگاہ، درخت خباثت کا بیج بن جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں یہ درج ہے کہ نگاہ دل میں خواہش نفسانی کی کاشت کرتی ہے اور بیشتر خواہشات نفسانی دیرپا غم کو جنم دیتی ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت میمونہؓ حضورؐ کی خدمت میں بیٹھی تھی کہ حضرت ابن ام مکتوم اندر آئے حضور نے فرمایا ان سے پردہ کرو وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ تو ہم کو دیکھ نہیں سکتے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "افعمیا وان انتما الستما تبصراہ؟" (یعنی وہ تو خیر اندھے ہیں، کیا تم انھیں نہیں دیکھتیں؟)

Marfat.com

عورت کی آواز کا بیان

عورت کی آواز کے بارے میں بھی علماء میں اختلاف ہے، بعض اصحاب کہتے ہیں کہ آواز ستر نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی خواتین مردوں سے واقعات بیان کیا کرتی تھیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ عورت کی آواز ستر (واجب الاخفا) ہے اور گفتگو میں آواز کو اتنا اونچا کرنا منع ہے کہ غیر مرد اسے سن سکیں، کیونکہ بعض اوقات عورت کی آواز اس کی جھانجھن کی آواز سے زیادہ فتنہ انگیز ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے "لا یضربن بارجلھن لیعلم مایخفین من زینتھن" (یعنی عورتیں زمین پر اس طرح پاؤں نہ ماریں کہ ان کے مخفی زیور کی آواز سنائی دے) پس جب کہ اللہ تعالیٰ نے جھانجھن کی آواز سننے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے عورت کے سنگھار کا علم ہوتا ہے تو آواز کا سنانا تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ اس لئے فقہاء نے عورت کے اذان دینے کو مکروہ بتایا ہے۔ کیونکہ اس میں آواز کو اونچا کرنا ہوتا ہے۔ عورت کو ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔ لہٰذا عورت کا اونچی آواز سے گانا کہ غیر مرد اسے سن رہے ہوں حرام ہے، خواہ یہ گانا ساز کے ساتھ ہو یا بغیر ساز کے اور یہ گانا زیادہ حرام ہوگا جب کہ ایسے گانے گائے جائیں جن سے خواہش نفسانی کی تحریک ہوتی ہو۔ مثلاً عشق ومحبت کی باتیں ہوں یا نسوانی خصوصیات کا ذکر ہو یا گناہ کی ترغیب ہوتی ہو۔

گانے کا بیان

گانا گانے اور اس کے سننے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے:

حنفیہ کہتے ہیں کہ گانا مرد بھی گاتا ہے اور عورت بھی۔ اگر عورت گائے اور دھیمی آواز سے اس طرح گائے کہ غیر مرد نہ سنیں تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اگر اونچی آواز سے گانا ہو اور اجنبی مرد اسے سنیں تو وہ حرام ہے، بالخصوص اس صورت میں جب کہ وہ گانے خواہشات نفسانی میں ہیجان اور فتنہ پیدا کرنے والے ہوں۔ مثلاً گانے میں شراب کی تعریف، عورتوں کی صفت اور عشق ومحبت کی طرف راغب کرنے والے گیت ہوں وغیرہ۔

رہا مرد کا گانا، سو اگر یہ گانا دل کی پریشانی دور کرنے یا لشکر کو حوصلہ دلانے یا کسی مہم اور جہاد پر ابھارنے کے لیے ہو تو جائز۔ لیکن (مرد کا گانا بھی) اگر مضامین عشق ومحبت پر مشتمل ہو اور اس سے اجنبی عورت کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو حرام ہوگا جیسا کہ ریڈیو، سینما، تھیٹر اور ڈرامہ کے نگارخانوں میں منعقد ہونے والی محافل نشاط میں ہوتا ہے۔

خوشی کی تقریبوں میں بھی مرد کا گانا ان ہی شرائط پر حلال ہے کہ ساز کے بغیر ہو۔ ہیجان انگیز وفتنہ خیز نہ ہو اور جلسہ ممنوعات سے خالی ہو اور اس میں مرد اور عورتیں خلط ملط نہ ہوں اور اس میں کسی فعل ممنوع کی شمولیت نہ ہو۔ اگر یہ شرائط ملحوظ نہ ہوں تو گانا حرام ہوگا۔ جیسے گویوں اور موسیقاروں کے وہ گانے جو نشر کیے جاتے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عورتوں کا گانا اور اس کا سننا حرام ہے۔ ہاں اگر مردوں کا گانا فوج کی حوصلہ افزائی کے لیے یا صحراؤں میں اونٹ کو آمادۂ سفر رکھنے کے لیے ہو اور ساز وآلات طرب کے بغیر ہو تو جائز ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ سے، مدینے والوں کے گانے کی بابت سوال کیا گیا کہ کہاں تک اجازت ہے؟ تو انھوں

Marfat.com

نے فرمایا کہ ہمارے سامنے بدکار لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل" (یعنی موسیقی دل میں نفاق کی نشوونما اس طرح کرتی ہے جیسے پانی سبزے کو اگاتا ہے)۔

حضرت یزید بن الولید فرماتے ہیں کہ "اے بنی امیہ خبردار موسیقی سے دور رہنا۔ اس سے شرم جاتی رہتی ہے خواہشات نفسانی بڑھتی ہیں اور مروت ختم ہو جاتی ہے یہ شراب کی قائم مقام ہے اور نشہ کا سا کام کرتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ساز و سرود کے ساتھ بے حیائی کے گانے، عورت اور مرد دونوں کے حرام ہیں اور اس کا سننا بھی حرام ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہٗ سے منقول ہے کہ گانا ایک مکروہ مشغلہ ہے اور فضول کی مانند ہے۔ جو شخص اس میں زیادہ منہمک ہو جائے وہ احمق ہے اور اس کی گواہی کو تسلیم نہ کیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ گانا سن کر خواہشات نفسانی کا ہیجان ہوتا ہے۔ اس میں مردوں عورتوں کا اجتماع وقار اور خودداری کے منافی ہے جو بہرحال حرام ہے۔ خواہ گانا مرد کا ہو یا عورت کا۔ ایسے گانوں کا سننا بھی حرام ہے کیونکہ جب کوئی شخص شراب کی یا سینے، رخسار اور پستان کی تعریف یا شوق وصال کے تذکرے سنے گا تو بری خواہش پیدا ہو گی اور شیطان اس کے دل میں پھونک لگائے گا۔ برے برے خیالات آئیں گے اور جنسی خواہشات مشتعل ہوں گی۔ بری بات کا سامان مہیا ہو جائے گا اور فتنہ بیدار ہو جائے گا۔ اعضاء لذت گناہ کی جانب راغب ہوں گے۔ اس طرح شیاطین کا غلبہ ہو گا اور عقل جو اس کے خلاف اور حق پرست ہے ناکارہ ہو کر رہ جائے گی اور نتیجہ بالآخر فعل حرام کا ارتکاب ہو گا اور جس فعل کا نتیجہ حرام ہو وہ فعل بھی حرام ہے۔ پس اس کا حرام ہونا ایسا ہی ہے جیسے بری خواہش کے ساتھ اجنبی عورت کو دیکھنا یا اسے ہاتھ لگانا یا اس کے ساتھ تخلیہ کرنا حرام ہے (کہ اس سے بھی نوبت فعل حرام کے ارتکاب تک پہنچ جاتی ہے)۔

بدکاری شرافت نسبی کو بیکار بنا دیتی ہے

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ نے جہاں حد زنا کا حکم دیا ہے وہاں اس امر کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے کہ اس کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے روبرو نافذ کیا جائے۔

قرآن حکیم کی بہت سی آیتوں میں اس گناہ کا ذکر آیا ہے۔ اس کے اسباب و محرکات سے وابستہ ہونے اور اس کے پاس پھٹکنے سے منع فرمایا گیا اور اس فعل بد کی طرف راغب کرنے والے تمام امور کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ (زن و مرد کا) باہم اکٹھا ہونا اور ناچ گانا وغیرہ گناہ عظیم اور سب سے بڑی معصیت ہے۔ اسے شرک باللہ اور قتل ناحق کے برابر رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ یہ فعل قیامت کے دن دگنے عذاب اور دائمی جہنم کا موجب ہے۔ اس کا نتیجہ ذلت و خواری ہے۔ اس کے مرتکب کو مذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور انسان کو بدترین راستے پر ڈال دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "انه یخلع الایمان من قلب الزانی والزانیة کما یخلع الرجل قمیصه من عنقه" (یعنی بدکار مرد اور بدکار عورت کے دل سے ایمان اس طرح نکل جاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی گردن سے کرتا اتار دے) شریعت نے شادی

Marfat.com

شدہ بدکار کو پتھراؤ کر کے مار ڈالنے کی سزا دی ہے جو شرعی سزاؤں میں سب سے زیادہ بری اور ہولناک سزا ہے۔

الغرض اسلام ان تمام باتوں کے علاوہ شرف انسانیت کو داغدار اور تباہ ہونے سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن طریقے کو کام میں لانا چاہتا ہے کیونکہ شرافت کی بحالی خاندان کے اطمینان کا موجب ہوتی ہے اور اس سے نیک اور پائدار نسل، ذی شرف اور صاحب فضل افراد، بہادر اور قوی خاندان بنتے ہیں اور انسانیت کے فروغ اور اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ادنیٰ نسل اور انتشار یافتہ کنبہ سے شرفا کی قوم اور اچھا خاندان معرض وجود میں نہیں آسکتا۔ صالح معاشرہ کی عمارت اس صورت میں اٹھائی جاسکتی ہے جب کہ اسے مستحکم اور پائدار اینٹوں سے تیار کیا جائے۔ ایسا معاشرہ جس میں بدکاری عام ہو اور علانیہ معصیت اور بری باتیں پائی جاتی ہوں وہ معاشرہ مادی اور اخلاقی حیثیت سے بہت جلد بربادی سے دوچار ہو جائے گا اور قدرتی طور پر ان میں ایسی تباہی پھیلے گی جیسے گھاس پھوس میں آگ پھیلتی ہے اور اس میں ناگوار خصلتیں اس طرح گھر کرلیں گی جیسے لکڑی میں دیمک کرتی ہے۔ پھر اہل معاشرہ ایک تباہ شدہ جماعت کے ایسے افراد بن کر رہ جائیں گے جن میں نہ باہمی تعاون ہوگا نہ یگانگت و محبت۔ باہمی میل جول ختم ہو جائے گا کیونکہ وہ قرابت داری کی وابستگی اور برادرانہ خونی رشتہ سے محروم ہیں۔ نتیجۃً ان میں نفرت، عداوت اور مخالفت جڑ پکڑ لے گی۔ معاشرہ کا رعب داب جاتا رہے گا اور اس کی بزرگی خاک میں مل جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے "لا تزال امتی بخیر مالم یفش فیھم ولدالزنا، فاذا فشافیھم ولدالزنا اوشک ان یعمھم اللہ بعقابہ" (یعنی میری امت کی خیریت اسی وقت تک ہے کہ اس میں ناجائز اولاد نہیں پھیلتی اگر ایسے بچوں کی کثرت ہو جائے تو بہت جلد ان سب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب پڑے گا)۔ پس بدکاری ان اسباب میں سے ہے جو قوموں کے ستونوں کو ہلا دیتی اور بنیاد شرف کو ڈھا دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے حسب و نسب پر ناز فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آباء و اجداد کو اس عیب سے محفوظ رکھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ولدت من نکاح، ولم اولد من سفاح" (یعنی میں رشتہ ازدواج سے پیدا ہوا ہوں گناہ سے نہیں)۔

ناجائز اولاد سے نہ کبھی وطن کو فیض پہنچ سکتا ہے نہ اس کے خاندان کو۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چاروں فرزندوں کو جو جنگ قادسیہ میں شریک جہاد تھے، ثابت قدمی، بہادری اور حملہ کی تلقین کرتی ہوئی فرماتی ہیں "ای بنی انکم اسلمتم طائعین، وھاجرتم مختارین، والذی لآ الہ الاھو انکم لبنو رجل واحد، کما انکم بنو امراۃ واحدۃ، ما خنت اباکم ولا فضحت خالکم ولا ھجنت حسبکم ولا غیرت نسبکم" (یعنی میرے بیٹو تم نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا اور اپنے ارادہ سے ہجرت کی میں اس ذات کی قسم کھاتی ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم ایک ہی باپ کے بیٹے ہو اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو جس نے تمہارے باپ کی چوری نہیں کی۔ نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ تمہارے خاندان کو بٹہ لگایا اور نہ تمہاری نسل کو

Marfat.com

تبدیل کیا ہے)۔ حضرت خنساءؓ نے اس امر کی اہمیت کے پیش نظر محاربہ کے وقت یہ بیان فرمایا کہ وہ چاروں بیٹے ایک پاک خاتون کے بطن اور پاک نسل سے ہیں اور شریف خاندان کے فرزند اور پاکدامن اور بے داغ ماں باپ کی اولاد ہیں۔

''محصن'' کی تعریف (یعنی شادی شدہ ہونے کا مطلب)

ائمۂ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ (مسائل حد میں) شادی شدہ ہونے کا مصداق وہ ہے جس میں یہ پانچ شرطیں پائی جائیں۔

۱۔ آزاد ہونا (غلام نہ ہونا)

۲۔ بالغ ہونا

۳۔ عقل کا برجا ہونا (جنون زدہ نہ ہو)

۴۔ اسی طرح کی پاکدامن عورت کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہو۔

۵۔ اور یہ کہ اپنی بیوی کے ساتھ بطریق مباح اس نے مباشرت کرلی ہو اور دونوں پاک باز ہوں۔

پس غلام (بردہ مملوک) کو یا نابالغ (لڑکے) یا جنون زدہ کو اور اسے جس کی شادی جائز طریقے سے نہ ہوئی (اس کی تصریح پہلے ہو چکی ہے) بدکاری کی سزا (حد زنا) نہیں دی جائے گی۔ نیز اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے غیر فطری طور پر مباشرت کی یا مملوکہ (لونڈی) سے مباشرت کی تو وہ شخص 'شادی شدہ' کی تعریف میں نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر نکاح فاسد (نکاح نادرست) تھا۔ مثلاً ولی کی عدم موجودگی میں یا گواہوں کے بغیر شادی کرلی اور اسی بناء پر مباشرت بھی ہو گی تو اسے محصن (شادی شدہ) قرار نہیں دیا جائے گا۔ نیز کسی غلام (مملوک) نے بیوی سے مباشرت کی اور بعد میں آزاد ہو گیا یا نابالغی کی حالت میں مباشرت کی اور بعد میں بالغ ہو گیا یا جنون زدہ تھا اور (مباشرت کے بعد) کسی وقت جنون جاتا رہا تو وہ بھی محصن شمار نہ ہو گا۔

اس میں باقاعدہ نکاح ہونے اور مباشرت صحیحہ کی جو شرط ہے وہ اس لیے ہے کہ ایسا شخص ہی چونکہ (صحیح طور پر) اپنی جنسی خواہش کو پورا کر لیتا ہے لہٰذا وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ فعل حرام کے ارتکاب سے رک جائے اور اس میں کامل طور پر مباشرت کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ مباشرت کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ یہ مناسب حالات میں ہوئی ہو یعنی باقاعدہ نکاح ہوا ہو۔ لہٰذا نفاذ حد کے لیے ضروری ہے کہ زنا کے مرتکب نے کامل طور پر مباشرت کر کے 'شادی شدہ' ہونے کی حیثیت حاصل کر لی ہو۔ پس ایسے مرتکب زنا کو سنگسار نہ کیا جائے گا جس پر محصن کامل (یعنی باقاعدہ شادی شدہ ہونے) کی تعریف صادق نہیں آتی بلکہ اس نے ناقص حالت میں مباشرت کی ہے اور کامل حالت میں مرتکب زنا ہوا۔ (مثلاً کوئی نابالغ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے تو چونکہ وہ محصن کی تعریف میں نہیں آتا اس لیے اگر بالغ ہو کر مرتکب زنا ہو تو اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا)۔ اس سزا کا مستوجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں حیثیتوں سے کامل ہو (یعنی پورے طور پر محصن ہو اور پورے طور پر ارتکاب جرم کیا ہو)۔

Marfat.com

واضح ہو کہ مرتکب کو شادی شدہ قرار دیے جانے کے لیے مسلمان ہونے کے شرط کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں 'محصن' قرار پانے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ کیونکہ محصن ہونا ایک نیک خصلت ہے اور یہ فضیلت (نیکی) بغیر مسلمان ہوئے نہیں ہوسکتی۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "من اشرک باللہ فلیس بمحصن" (یعنی جو مشرک ہو وہ محصن نہیں قرار پا سکتا) اور اس لیے بھی کہ حد کا نفاذ گناہ سے پاک کر دیتا ہے اور شرک کو تو جہنم کی آگ ہی پاک کر سکتی ہے العیاذ باللہ۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونا "محصن" قرار دیے جانے کے لیے شرط نہیں ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک زانی یہودی مرد اور ایک زانیہ یہودی عورت کا معاملہ پیش ہوا حضور نے دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اسے حضرت مالک نے 'نافع' سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

واضح ہو کہ اس امر میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس عورت سے زنا کیا گیا ہو اسے بھی محصن قرار دیے جانے کے لیے وہی شرائط ہیں جو مرد کے لیے ہیں۔ البتہ اس صورت میں جب کہ فریقین میں سے ایک میں 'محصن' ہونے کی تمام شرائط موجود ہوں اور دوسرے فریق میں نہ ہوں تو (اس کے فیصلہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے) حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں دونوں میں سے کسی کو بھی "محصن" قرار نہ دیا جائے گا۔ لہٰذا کسی کو سنگسار نہ کیا جائے۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ فریقین میں سے جس میں 'محصن' ہونے کی تمام شرطیں پائی جائیں اسے سنگسار کیا جائے اور جو یہ شرائط پوری نہ کرتا ہو اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر ایسے دو اشخاص نے بدکاری کی تو جو 'محصن' نہیں ہے اسے تو دُرّے مارے جائیں اور جو 'محصن' ہے اسے سنگسار کیا جائے۔ اس کا ثبوت وہ روایت ہے جسے محدثین نے ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی سے اخراج فرمایا ہے۔ یہ دونوں اصحاب کہتے ہیں ایک اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کو قسم ہے کہ آپ میرا معاملہ کتاب اللہ کے مطابق طے کر دیں۔ فریق ثانی نے جو اس شخص سے زیادہ قانون دان تھا کہ "ہاں حضور ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کی رو سے کر دیجیے اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہو اس نے کہا کہ میرا بیٹا، اس شخص کے ہاں کام کرتا تھا۔ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدفعلی کی۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا" اس پر میں نے ایک سو بکری اور ایک جاریہ اسے بطور تاوان دیا پھر میں نے واقف کاروں سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو ایک سو دُرّے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہونی چاہیے اور اس شخص کی بیوی کو سنگسار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "والذی نفسی بیدہ لاقضین بینکما بکتاب اللہ، اما الولیدۃ والغنم فرد علیک، وعلی ابنک جلد مائۃ و تغریب عام واغد یا انیس. تصغیرانس. الی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا فغدا علیھا أنیس فاعترفت

Marfat.com

محصن (شادی شدہ) زانی کی سزا کا بیان

واضح ہو کہ از روئے شرع زنا کی سزا، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے لیے جدا جدا ہے۔ اول الذکر کی سزا زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ وہ شخص کماحقہ جانتا ہے کہ بیوی بنانے کے کیا معنے ہیں اور آبرو پر ڈاکہ ڈالنا کس قدر سنگین جرم ہے۔ لہٰذا اس کی سزا موت ہے (۱)

فامر النبی ﷺ بھا فرجمت" (یعنی میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں تمہارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا۔ وہ لڑکی اور بکریاں تو تمہیں واپس مل جائیں گی البتہ تمہارے بیٹے کو سو دُرّے اور ایک سال کے لئے جلاوطنی کی سزا ہوگی اور اے انیس (یہ لفظ انس کی تصغیر ہے) کل اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اس جرم کا اقبال کرے تو اسے سنگسار کردو چنانچہ انیس، اگلے روز اس عورت کے پاس گئے۔ اس نے اقرار جرم کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے سنگسار کیے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کردی گئی۔

محصن (شادی شدہ) پر نفاذ حد کا بیان

ا۔ ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص میں شادی شدہ ہونے کی تمام شرطیں پائی جائیں اور وہ ایسی عورت سے بدفعلی کرے جس میں شادی شدہ ہونے کی تمام شرطیں ہوں کہ وہ عورت آزاد، بالغ، عاقل اور باقاعدہ نکاح کے بعد مباشرت شدہ اور مسلمان ہو تو یہ دونوں بدکاری کے مجرم اور 'محصن' ہیں لہٰذا دونوں کو سنگسار کیا جانا واجب ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرجائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة نکالا من اللہ متفق علیہ" (یعنی بڑی عمر کا مرد اور بڑی عمر کی عورت اگر زنا کریں تو بہر حال لازم ہے کہ عذاب الٰہی کے طور پر ان کو سنگسار کیا جائے)۔ نبی ﷺ نے فرمایا "لایحل دم امری مسلم الا باحدیٰ ثلاث: الثیب الزانی والنفس بالنفس، والتارک لدینہ المفارق للجماعة" (یعنی کسی مسلمان کا خون حلال نہیں بجز ان تین صورتوں کے: کوئی شادی شدہ شخص بدکاری کرے یا جان کے بدلے اس کی جان لی جائے یا اپنے دین (اسلام) کو چھوڑ کر ملت سے الگ ہو جائے)۔ یہ حدیث صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوہریرہؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث ہے جس میں ارشاد ہے: "ان الرجم حق فی کتاب اللہ علی من زنا اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینة، او کان الحمل، او الاعتراف" متفق علیہ (یعنی سنگساری کی سزا اس شخص کے لیے کتاب اللہ کی رو سے فرض الٰہی ہے جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری کی ہو۔ اس میں خواہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ بشرطیکہ گواہوں سے یہ جرم ثابت ہو جائے یا حمل ہو گیا ہو یا مجرم اپنے جرم کا اقرار کرلے)۔

آنحضرت ﷺ نے ماعزؓ اور غامدیہ وغیرہ کو سنگساری کی سزا دی اور خلفائے راشدین نے بالاتفاق اس سزا کو جاری فرمایا اور کسی فرد واحد کو اس سے انکار نہ تھا۔ پس رجم (سنگساری کی سزا) حدیث متواترہ اور رسول اللہ ﷺ کے عمل

Marfat.com

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جرم کی پاداش میں جو سزا رکھی گئی ہے وہ عین مناسب ہے، کیونکہ آبروریزی کا یہ مذموم طریقہ قتل کردینے کے برابر ہے بلکہ بسا اوقات غیرت مند انسان عزت کی خاطر بدکاری کو گوارا کرنے کی بجائے ارتکاب قتل کو ترجیح دیتا ہے۔ خواہ وہ قتل جائز ہو یا ناجائز۔ (۱)

سے ثابت ہے اور بقول ان اصحاب کے کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے جو کہتے ہیں کہ سنگساری والی حدیث قرآن حکیم کی ایک آیت تھی جو قرآن سے منسوخ ہوگئی لیکن اس کا حکم باقی رکھا گیا۔

سنگسار کرنے کا طریقہ

۱۔ واضح ہو کہ جب بدکار مرد یا عورت کو سنگسار کرنا واجب ہو جائے خواہ اقرار جرم سے یا گواہوں کی شہادت اور ثبوت بہم پہنچ جانے سے ہو تو مجرم کو اوسط درجہ کے پتھروں سے مارا جائے۔ ہلکی کنکریوں سے نہیں تاکہ اسے زیادہ اذیت نہ ہو اور دھاردار پتھروں سے بھی یکدم ہلاک نہ کردینا چاہیے تاکہ اس سزا کا جو مقصد عبرتناک ہوا ہے وہ فوت نہ ہو بلکہ مٹھی کے بھرپور پتھروں سے مارا جائے لیکن چہرہ پر مارنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چہرہ پر مارنے سے اور 'وسم' کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (وسم گرم لوہے سے داغ دینے کو کہتے ہیں)۔ آنحضرت ﷺ نے جب ''غامدیہ'' کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو پہلے خود چنے کے برابر کنکریاں لے کر اسے ماریں اور پھر لوگوں کو فرمایا ''ارموھا واتقوا الوجہ'' (یعنی اسے سنگسار کرو لیکن چہرے کو بچا کر)۔

مجرم اگر مرد ہے تو 'حد' مارنے کے وقت اسے باندھا نہ جائے اور نہ قید کیا جائے نہ اسے گڑھا کھود کر اس میں رکھا جائے۔ ہاں عورت کے لیے جائز ہے کہ سینے تک گڑھا کھود کر اس میں رکھا جائے اور پھر سنگسار کیا جائے تاکہ اس کی بے پردگی نہ ہو اور چاہیے کہ سنگساری کے وقت اس کے لباس کو اس کے جسم پر لپیٹ دیا جائے تاکہ اس کا جسم نظر نہ آئے کیونکہ عورت پردہ کی شے ہے اور سزایاب ہونے کے وقت بھی اس کا بے پردہ ہونا حرام ہے۔ عہد نبوی میں صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طریقہ پر عمل کیا کرتے تھے۔

فقہاء اس پر متفق ہیں کہ بدکاری کے مجرم پر سخت گرمی ہو یا سخت سردی حد نافذ کی جائے اور مریض ہو تب بھی سنگسار کیا جائے۔ کیونکہ بہر حال اسے موت درپیش ہے لہٰذا اس کی صحت کا انتظار نہ کیا جائے۔ ہاں سزائے تازیانہ کے لیے (مریض مجرم کے) صحتیاب ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مجرم عورت اگر حاملہ ہو تو اس کا بچے کی پیدائش اور دودھ پلانے کی مدت تک انتظار کیا جائے کہ وہ بچہ کھانے پینے کے قابل ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے 'غامدیہ' کی سزا میں ایسا ہی کیا تھا۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ حاملہ مجرمہ کو سنگسار کرنا اس کے پیٹ کے بچے کو بے قصور اور ناحق قتل کرنا ہے۔

علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اگر مجرم نفاذ حد کے دوران مرجائے تو اسے نہلایا جائے کفن دیا جائے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے سزا کے درمیان مرجانے والے کے ساتھ اسی طرح عمل فرمایا۔

Marfat.com

غیر شادی شدہ (مرتکب زنا) کی شرعی سزا کا بیان

واضح ہو کہ غیر شادی شدہ (مرتکب زنا) کے لیے (سنگساری کی بجائے) محض سو دُرے کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بیوی کے بارے میں شادی کی غیر تمندی سے بے بہرہ ہوتا ہے لہٰذا سزا میں تخفیف کا مستحق ہے۔ (۱)

ذی عقل شخص کا جنون زدہ کے ساتھ ملوث ہونے کا بیان

اگر مسلمان، عاقل و بالغ عورت کسی مجنون مرد کے ساتھ ملوث ہو جائے اور وہ مجنون اس کے ساتھ برا فعل کر لے یا عاقل و بالغ مرد کسی دیوانی عورت سے خراب ہو تو اس کی سزا (حد) کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جس شخص کی عقل برجا ہے اس پر (ارتکاب جرم کی صورت میں) 'حد' نافذ کی جائے اور جو پاگل ہے اس کی سزا ساقط ہو جائے گی کیونکہ وہ غیر مکلف ہے (یعنی جنون زدہ پر احکام شرعیہ عائد نہیں ہوتے) اور احکام کا نفاذ بہر حال عقل والے پر ہی ہوتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عاقل و بالغ انسان نابالغ ناسمجھ لڑکی سے یا کسی پاگل عورت سے جو عقل نہ رکھتی ہو برا فعل کرے تو اس پر حد نافذ ہوگی۔ لیکن یہ حکم صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔ لہٰذا اگر عاقل و بالغ عورت کسی نابالغ لڑکے کے ساتھ گناہ میں آلودہ ہو جائے یا وہ اپنا نفس کسی پاگل شخص کے حوالے کر دے (اور وہ بدکاری کے مرتکب ہو جائیں) تو دونوں میں سے کسی پر بھی سزائے شرعی لاگو نہ ہوگی کیونکہ مرد پر تو حد اس صورت میں نافذ ہوتی ہے جب کہ مرتکب اسے جرم سمجھتا ہو۔ اور عورت پر حد (جرم کی سزا) اس صورت میں نافذ ہوگی جب کہ وہ اپنے نفس پر دوسرے کو اختیار دے کر قطعی حرام فعل کا ارتکاب کرنے کے جرم میں ماخوذ ہو اور یہ صورت نابالغ لڑکے کے ارتکاب پر عائد نہیں ہوتی کیونکہ وہ غیر مکلف ہے (جس پر احکام شرعیہ عائد ہی نہیں ہوتے) لہٰذا نابالغ (بچہ) کا اس کے ساتھ ملوث ہونا قطعی طور پر گناہ نہ ہوا۔ لہٰذا عورت پر نفاذ حد واجب نہ رہا۔ البتہ عاقل بالغ مرد چونکہ حرام کو اچھی طرح جانتا ہے لہٰذا اس پر 'حد' لاگو ہوگی۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عاقل و بالغ عورت ایک دیوانہ شخص کو یا نابالغ لڑکے کو اپنے نفس پر قابو پانے کا موقع دے اور اس کے ساتھ بدفعلی کی مرتکب ہو جائے تو اس پر حد کا نفاذ واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ عاقل اور مکلف ہے (یعنی اس پر احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں) اور اس کے افعال کی بابت اس سے باز پرس ہوگی۔ اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

غیر شادی شدہ (مرتکب زنا) کو کوڑوں کی سزا

(۱) فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر گناہ کے مرتکب، کنوارے، آزاد، عاقل و بالغ مسلمان ہوں تو ہر ایک کو سو دُرّے کی سزا دی جائے یہ حکم کتاب اللہ سے ثابت ہے "الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الأخر لیشهد عذابهما طائفة من

Marfat.com

المؤمنين'' (یعنی بدکار مرد اور بدکار عورت دونوں کو سو سو درے کی مار دو۔ اور اگر اللہ اور آخرت پر ایمان ہے تو اس قانون الٰہی کی بجا آوری میں ان سے نرمی کا برتاؤ نہ کرو اور چاہیے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس سزا کا مشاہدہ کرے)۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت غیر شادی شدہ کے لیے مخصوص ہے احادیث میں شادی شدہ مرتکب کے لئے سنگساری کا حکم ہے۔

سزائے دُرّہ زنی کی کیفیت

فقہاء کہتے ہیں کہ عام سزاؤں کی ضربات بہ نسبت سزائے بدکاری کی ضربات کے زیادہ سخت ہیں اور بدکاری کی سزا شراب پینے کی سزا سے زیادہ سخت ہوگی۔ دُرّہ زنی نہ تو نئے تازیانے سے ہونی چاہیے کہ تکلیف (حد مناسب سے) زیادہ نہ ہو اور نہ پرانے تازیانے کو تر کرکے مارا جائے، تاکہ چوٹ المناک نہ ہو جائے۔ بلکہ اوسط درجہ کے درے سے مارنا چاہیے جو چمڑے کا بنا ہوا ہو۔

کہتے ہیں کہ سزایاب کو گھسیٹنا اور باندھنا بھی نہیں چاہیے اور جلاد کو چاہیے کہ ضربات میں سختی سے کام نہ لے۔ سزا پانے والے کے تمام کپڑے نہ اتارے جائیں بلکہ اس کے بدن پر کرتا رہنے دیا جائے کہ وہ اپنا ستر ڈھانک لے۔ ہاں فر اور پوستین کا لباس اتار دیا جائے اور جسم کے مختلف حصوں پر ضربات لگائی جائیں تاکہ جسم کا ہر عضو مار کا مزہ چکھ لے۔ کیونکہ گناہ کی لذت بھی اس کے تمام اعضاء نے اٹھائی ہے۔ یہ حکم اس لیے بھی ہے کہ ایک ہی جگہ پر ضربات لگانے سے بسا اوقات جان جاتی رہتی ہے، حالانکہ وہ شخص موت کا سزاوار نہیں ہے۔ لہٰذا جسم کے مختلف حصوں پر مارنا چاہیے تاکہ سزایاب کی جان نہ جاتی رہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے''لایحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث، زنا بعد احصان، وارتداد بعد اسلام، وقتل نفس بغیر نفس'' (یعنی کسی مسلمان کا خون ان تین صورتوں کے علاوہ حلال نہیں شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرنا، مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جانا، ناحق قتل کرنا) یہ حدیث ترمذی نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جان لیوا ضرب سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مثلاً شہ رگ کے گڑھے یا شرمگاہ پر ضرب لگانا۔ اور چہرہ پر بھی نہ مارنا چاہیے کیونکہ وہ حسن کا مرکز ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا''اذا ضرب احدکم فلیتق الوجہ'' (یعنی کسی کو مارو تو چہرے کو بچا کر مارو) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے جلاد کو سزا دیتے وقت حکم دیا تھا''ایاک ان تضرب الراس والفرج'' (یعنی خبردار سر اور شرمگاہ پر نہ مارنا)۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ سر پر مارنا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جلاد کو حکم دیا تھا ''دق الراس فان فیہ شیطان'' (یعنی سر پر مار کیونکہ اس میں شیطان سمایا ہوا ہے)۔

واضح ہو کہ دُرّہ زنی کی سزا مرد کو کھڑا کرکے دینی چاہیے اور عورت کو بٹھا کر پردہ کے ساتھ مارنا چاہیے۔ اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں کیونکہ عورت پردہ کی چیز ہے اور اس کے ستر کا بے پردہ ہونا حرام ہے۔ البتہ استر والا لباس (روئی وغیرہ بھرا ہوا) اور پوستین اتار دینے چاہئیں۔ تاکہ اس کی جلد کو اذیت پہنچے اور سزا دینے کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو، یعنی وہ تکلیف محسوس کرے۔ گناہ چھوڑ دے اور (ہمیشہ کے لیے) باز آ جائے۔ عورت کو بٹھا کر سزا دینے کا حکم اس بناء پر ہے کہ

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر سزائے ضرب دی جائے۔ یہ اس لئے بھی کہ مرد کی حالت اعلان وظہور کی متقاضی ہے تاکہ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے اور عورت کے حال کا تقاضا یہ ہے کہ اسے چھپایا جائے اور پردہ میں رکھا جائے۔

مریض کو دُرّے لگانے کا بیان

اگر سزایاب شخص سخت نحیف وناتوان ہو یا کسی شدید مرض میں مبتلا ہو اور آرام ہونے کی توقع نہ ہو۔ مثلاً سل یا جذام (کوڑھ) کا مریض ہے یا سرطان وغیرہ کا خطرناک اور ہلاکت انجام مرض لاحق ہے اور درہ زنی کا سزاوار مجرم ہے تو اسے درخت خرما کے 'مکتال' سے سزا دی جائے۔ مکتال درخت کی شاخدار چھڑ کو کہتے ہیں۔ اس میں پچاس سے سو شاخیں ہوتی ہیں۔ اگر وہ چھڑ سو شاخ والی ہے تو صرف ایک بار اس سے مارا جائے اور پچاس شاخیں ہوں تو دو بار اس طرح ضرب لگائیں کہ اس چھڑ کی تمام شاخیں اس کے پورے بدن پر لگیں۔ یا مجرم کو مروڑی دیے ہوئے کپڑے سے مارا جائے۔ یا پھر جوتی سے پیٹا جائے۔ جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں ہوا۔ بخاری اور ابوداؤد رحمہا اللہ نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی۔ حضور نے حکم دیا کہ اسے مارو (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) ہم میں سے کسی نے ہاتھ سے، کسی نے جوتے سے اور کسی نے کپڑے سے اسے مارا پھر جب وہ (پٹ پٹا کر) جانے لگا تو حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ "خدا تجھے رسوا کرے" حضور نے فرمایا "لا تقولوا هكذا، لا تعينوا عليه الشيطان" (یعنی ایسا مت کہو شیطان کی اس پر مدد نہ کرو)۔

غرض اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی شے سے جو تکلیف رساں ہو حدّ مارنا جائز ہے۔ پس شدید مریض کی سزا میں اس حدیث سے رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مریض مجرم کو سہولت حاصل ہو۔ مجرم صحتمند ہو تو ان چیزوں کا استعمال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ سزا دینے کا مقصد مجرم کو تکلیف پہنچانا ہے تاکہ آئندہ کے لیے گناہ میں پڑنے سے باز رہے۔ اس لیے مجرم کو چمڑے کے کوڑے سے مارنا مقرر ہوا۔

فقہاء کا اس بارے اتفاق ہے کہ زناء کے مجرم کو سخت گرمی یا شدید سردی میں کوڑے کی سزا دینا جائز نہیں ہے بلکہ فضا کے معتدل ہو جانے تک انتظار کرنا واجب ہے، ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مجرم ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے آرام پا جانے کی امید ہو اسے سردست حدّ نہ لگائی جائے بلکہ صحت یاب ہونے تک سزا کو التواء میں رکھا جائے تاکہ مرض کی حالت میں چوٹ کھانے سے ہلاک نہ ہو جائے۔

حالت نفاس اور حمل میں نفاذ حد کا بیان

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حالت حمل میں مجرمہ کو حد نہ ماری جائے بلکہ اسے ملتوی رکھا جائے یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے تاکہ مبادا وہ بچہ اور عورت درہ کی چوٹ ولادت کی تکلیف اور مرض نفاس کے یک جا ہو جانے کے باعث ہلاک ہو جائیں۔

امام علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ایها الناس اقیموا

Marfat.com

علی ارقائکم الحد، من احصن منهم ومن لم یحصن فان امة لرسول الله ﷺ زنت فامرنی ان اجلد ھا فاذا ھی حدیثة عھد بالنفاس فخشیت ان جلدتھا قتلتھا، فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال: احسنت "(یعنی لوگو اپنے مملوک لونڈی غلام کو (جو مرتکب جرم ہوں) حد مارو خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا شادی شدہ نہ ہوں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کنیز کو جس نے بدکاری کی تھی حد مارنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے وہ عورت اس وقت حالت نفاس میں تھی۔ میں نفاذ حد سے ڈر گیا (حد مارنے سے باز رہا) کہ اگر حد ماری تو وہ مر جائے گی۔ پھر اس بات کا ذکر میں نے نبی ﷺ سے کیا تو فرمایا کہ تم نے اچھا کیا)۔

بخاری کے سوا پانچوں محدثین نے، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "قبیلۂ جہینہ" کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اسے ناجائز حمل تھا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میں 'حد' کی سزاوار ہوں، مجھ پر حد نافذ فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے سرپرست کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ اس عورت کو اچھی طرح رکھو اور جب بچے سے فراغت ہو جائے تو اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے کپڑوں میں جا بجا ٹانکے لگا دو (تاکہ کپڑا بدن سے ہٹ نہ جائے) اس کے بعد سنگسار کیے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دی گئی اس کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت عمر نے اس وقت کہا کہ یا رسول اللہ آپ اس عورت کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ اس نے تو بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ فرمایا کہ اس نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو ستر اہل مدینہ میں تقسیم کر دیا جائے تو (یہ ایک توبہ) سب کی مغفرت کے لیے کافی ہو گی۔ اس نے اللہ کی خاطر اپنی جان قربان کر دی کیا تو نے اس سے بہتر توبہ کہیں پائی ہے؟

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ حد کا نفاذ غلام اور لونڈی پر بھی ہوتا ہے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ اسی طرح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ نفاس والی عورت کی سزا اس وقت تک التوا میں ڈالی جا سکتی ہے کہ وہ صحتیاب ہو جائے۔ ایام نفاس ختم ہو جائیں اور بچے کو دودھ پلا چکے یہاں تک کہ وہ بچہ ماں کے دودھ سے بے نیاز ہو جائے۔ یہ احکام پیٹ کے بچہ پر رحم کے پیش نظر ہیں اور منجملہ ان سہولتوں کے ہیں جو دین اسلام (کے احکام) میں پیش نظر ہوتی ہیں۔

دُرّہ زنی اور سنگساری دونوں سزاؤں کا اکٹھا نافذ کرنا

مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں سزاؤں یعنی دُرّہ زنی اور سنگساری کو (شادی شدہ مجرم کے حق میں) اکٹھا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ سنگساری کی سزا درہ زنی کی سزا کو منسوخ کر دیتی ہے۔ چھوٹی سزا خود ہی بڑی سزا میں مدغم ہو گئی۔ اس سے یہ فائدہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ مجرم گناہ کرنا چھوڑ دے گا یا اس سے باز آ جائے گا۔ کیونکہ (سنگساری کے بعد) مجرم زندہ ہی نہیں رہے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شادی شدہ مرتکب زنا کو ایک روز دُرّے لگائے جائیں اور اگلے روز رجم کر دیا جائے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے ایک شخص کو جمعرات کے دن دُرّے لگائے اور جمعہ کے دن سنگسار کرایا۔ لیکن ترجیح اسی قول کو حاصل ہے جس پر جمہور کا عمل ہے آنحضرت ﷺ نے ماعزؓ اور قبیلہ جہینہ کی ایک عورت کو (صرف) سنگسار کیا (درے نہیں مارے) اور کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے سنگسار کرنے سے پہلے کسی کو درہ مارنے کی سزا دی ہو۔

Marfat.com

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ درہ زنی کی سزا کنوارے کے لیے اور شادی شدہ کی سزا سنگساری ہے (درہ زنی کی سزا شادی شدہ مرتکب زنا پر عائد نہ ہوگی) ان کے نزدیک تمام آئمہ نے سنگساری کے ساتھ دُرّہ زنی کی سزا نہیں دی۔

دُرّہ زنی کے ساتھ جلاوطنی کی سزا کا بیان

دونوں سزاؤں کے جمع کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

مالکیہ کہتے ہیں کہ کنوارا آدمی مرتکب زنا ہو تو واجب ہے کہ پہلے اسے درہ زنی کی سزا دی جائے اور پھر اسے وطن سے دور مسافت قصر کے فاصلہ پر سال بھر کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ بدکاری کے عیب میں ملوث ہو چکا ہے۔ یہ (جلاوطنی) اس کے ساتھ مہربانی ہے، کیونکہ جہاں اس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے وہاں کے اہل شہر اور اس کے پڑوسی جب اسے دیکھیں گے تو اسے اذیت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور مسجدوں اور تقریبات میں اس کی تحقیر ہوگی اور ذلیل کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ لہٰذا اس کا جلاوطن ہونا خود اس کے لیے اور عوام کے لیے بہتر ہے۔

رہا عورت کا معاملہ جو بدکاری کی مرتکب ہوئی اسے شہر سے باہر نہیں نکالنا چاہیئے تا کہ برائی کی شہرت نہ ہو اور خرابی نہ پھیلے۔ اور اس لیے بھی کہ عورت پردہ کی چیز ہے اور اسے جلاوطن کرنا اس (کی نسوانیت) کو ختم کر دینے کے برابر ہے۔ پھر شارع نے عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایسی عورت کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی بیٹھی رہے اور مجمع سے دور یعنی خانہ نشین رہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ درہ زنی اور جلاوطنی دونوں سزاؤں کا جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ سورہ نور کی آیت میں جلاوطنی کا ذکر نہیں ہے لہٰذا ایسا کرنا قرآن حکیم پر اضافہ ہے۔ جلاوطنی خبر واحد کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا شرعی تعزیر کے طور پر اسے عمل میں نہیں لایا جائے گا اور اسے سزا کا حصہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ اسے عام سزا کے طور پر امام کی رائے پر منحصر رکھا جائے گا۔ اگر حاکم کی رائے میں جلاوطنی مفید ہو تو اسے جلاوطن کر دیا جائے۔ اگر اس میں فائدہ نظر نہ آئے تو وطن سے نہ نکالے۔

اندریں باب امام ابوحنیفہ کا یہ نظریہ مشہور ہے کہ "کفی بالنفی فتنة" (یعنی جلاوطنی فتنہ انگیزی کے لیے کافی ہے) یعنی صحابہؓ نے جو اس پر عمل کیا وہ انھوں نے اپنی امتیازی رائے کے پیش نظر کیا (کسی شرعی حکم کے تحت نہیں کیا)۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر آزاد، عاقل اور کنوارے اس جرم کے مرتکب ہوں تو ان دونوں کو حد ماری جائے اور (ان کو وطن سے دور) اتنے فاصلہ پر جلاوطن کر دیا جائے جہاں نماز قصر واجب ہو جاتی ہے تا کہ دونوں کو اپنے متعلقین اور وطن سے دور رہنے کی پریشانی لاحق رہے اور وہ آئندہ جرم کرنے سے باز رہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے یہی فیصلہ کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں اجماع ہے۔ کیونکہ حضرت عمر نے شام کی جانب، حضرت عثمان نے مصر کی طرف اور حضرت علی نے بصرہ کی سمت جلاوطن کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ سے مروی کہ "البکر بالبکر جلد مائة وتغریب عام" (یعنی کنوارا مرد کنواری عورت سے ملوث ہو تو اس کی سزا سو درے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی ہے) نیز عسیف کے بارے

Marfat.com

بیوی کی آبروریزی کرنے والے کو قتل کر دینے کا بیان

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ بدکاری کی پاداش میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں تمام شریعتوں کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو بدفعلی کرتا ہوا دیکھ لے اور اسے قتل کر دے تو قصاص کے مطالبہ کا حق جاتا رہے گا۔ کیونکہ اس جرم کا مرتکب واجب القتل ہو جاتا ہے۔ (۱)

میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "علی ابنک جلد مائة وتغریب عام" (یعنی تیرے بیٹے کو سو دُرّے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی کی سزا ہے)۔

جلاوطنی کی سزا میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں تاہم یہ ملحوظ رہے کہ مجرمہ عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم (قریبی رشتہ دار جس سے نکاح حرام ہو) اس کے ساتھ رہے اور جلاوطنی کے دوران اس کے خرچ پر اس کی دیکھ بھال کرے۔

(۱) اس صورت میں جبکہ ایک شخص کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ ملوث پائے اور اس کا ارتکاب جرم پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اور خاوند اسے قتل کر دے تو آیا اس کی پاداش میں قاتل کو سزائے موت دی جائے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ مرتکب گناہ پائے تو اس کو قتل کر دینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس جرم فاحش کی تحقیق کی جائے۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ان سعد بن عبادة رضی الله عنه قال: یا رسول الله ارایت ان وجدت مع امراتی رجلا امهله حتی آتی باربعة شهداء؟ فقال رسول الله ﷺ نعم" (یعنی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسالت مآب سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آیا اس بارے میں آپ کی یہ رائے ہے کہ اگر میں کس شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ ملوث پاؤں تو اسے چھوڑ دوں جب تک کہ چار گواہ اس (گناہ کے) ثبوت میں نہ پیش کر سکوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں) پس اگر کسی نے قتل کر دیا تو اس کے عوض قصاص (جان کا بدلہ جان) ہے بجز اس صورت ہے کے جبکہ ارتکاب زنا کی شہادت موجود ہو۔ اور مرتکب شادی شدہ تھا۔ یا اس نے (موت سے پہلے) اقبال جرم کر لیا ہو۔ اب اگر اس شخص نے ان دونوں کو یا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور (ارتکاب جرم) کا ثبوت نہ ہوا یا ارتکاب زنا کے گواہ نہ ہوئے اور مجرم نے اقبال جرم بھی نہیں کیا تو تاوان۔ تلافی مافات، قصاص یا خون بہا کا مطالبہ ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس شخص نے اس مرد کو کسی بہانے سے بلوایا ہو اور کسی کام کے لیے گھر کے اندر لے گیا اور دل میں کینہ ہو اس لیے اسے قتل کر دیا پھر جھوٹ موٹ یہ کہہ دیا کہ میں نے اس کو اپنی بیوی کی آبروریزی کرتے دیکھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شخص کسی نامعلوم وجہ سے اپنی بیوی سے چھٹکارا پانے کے لیے قتل کر دے اور پھر اس پر یہ جھوٹا الزام لگا دے کہ اس نے ایک آدمی کو اس کے ساتھ برا فعل کرتے دیکھا (اس لیے قتل کر دیا)۔ (ایسے ہی امکانات کے پیش نظر) شریعت اسلامیہ نے ناحق جان کو تلف ہونے سے بچانے کے لیے اس بارے میں

Marfat.com

یہ احتیاط رکھی ہے کہ قاتل کو اپنے الزامات کے ثبوت میں گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر گواہی سے یہ الزام ثابت ہو جائے تو پھر اس کو قتل کی سزا سے بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔

متقدمین میں سے بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ (ایسی صورت میں) اس شخص کو قتل تو ہرگز نہ کیا جائے البتہ اسے اس اقدام کی سزا دی جائے وہ بھی صرف اس صورت میں کہ اس کے الزام کی سچائی کے نشانات ظاہر ہوں۔ مثلاً انصاف پسند طبیب (ارتکاب جرم کی) صداقت کا انکشاف کرے یا بیوی کی بدکرداری کا ثبوت پہلے سے موجود ہو یا مقتول کی بدکرداری مشہور ہو وغیرہ۔

حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر قاتل ایسے دو گواہ پیش کر دے جن سے ثابت ہو کہ اس نے واقعی (اس کی بیوی کے ساتھ) بدکاری کی پاداش میں اسے قتل کیا ہے اور وہ شادی شدہ تھا تو قاتل پر کوئی الزام نہ رہے گا۔

ہادویہ کہتے ہیں اگر کوئی شخص ایک مرد کو اپنی بیوی لونڈی یا اولاد کے ساتھ ارتکاب گناہ کرتے ہوئے دیکھ لے اور وہ اسے قتل کر دے تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے لیکن اگر ارتکاب جرم کے بعد اسے معلوم ہوا تو (قاتل کو) الزام کا ثبوت پیش کرنا ہوگا یا پھر اس پر قصاص (یعنی جان کا بدلہ جان) عائد ہوگا بشرطیکہ مقتول کنوارا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو ملوث دیکھے اور ان دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو قتل کر دے اور اس کا کہنا یہ ہو کہ دونوں شادی شدہ تھے اور ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جو مستوجب قتل ہے۔ لیکن اس جرم کے ارتکاب کا ثبوت نہ پیش کر سکے تو جسے بھی قتل کیا ہے اس کا قصاص عائد ہوگا۔ ہاں اگر مدعیان خون، خون بہا لینا چاہیں یا معاف کر دیں تو انہیں اختیار ہے۔

اگر قاتل اولیائے مقتول میں سے کسی کی بابت یہ بیان دے کہ یہ لوگ جانتے تھے کہ اس مرد نے عورت کے ساتھ ایسی حرکت کی ہے جس پر وہ حد (سزائے شرعی) کا سزاوار ہے یا اس سے آگاہ تھے کہ اس مقتولہ عورت نے خود ہی اس مرد کو گناہ پر راغب کیا تو لازم ہوگا کہ جس کے خلاف یہ دعویٰ کیا گیا ہے وہ حلف اٹھائے کہ اسے اس بات کا علم نہیں تھا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک مرد کو اپنے بیٹے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے یا اپنی لونڈی سے آلودہ ہوتے ہوئے دیکھا (اور اسے قتل کر دیا) تو اس کا حکم بھی پہلی صورت سے مختلف نہیں ہے۔ یعنی قتل کا الزام اور وجوب قصاص اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ تا آنکہ وہ اپنے الزامات کا ثبوت مہیا نہ کرے۔

اگر ایک شخص نے کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ فعل مستوجب حد کا مرتکب ہوتے ہوئے پایا اور دونوں کو قتل کر دیا۔ ان میں مرد تو شادی شدہ تھا لیکن عورت پر شادی شدہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا کہ وہ مسلمان نہ تھی یا گواہوں کی موجودگی کے بغیر شادی ہوئی تھی تو اس شخص پر مرد کے قتل کرنے کی کوئی پاداش نہ ہوگی البتہ عورت کے قتل کا قصاص عائد ہوگا۔ (اس کے برعکس) اگر مرد غیر شادی شدہ اور عورت شادی شدہ تھی تو مرد کے قتل کا قصاص عائد ہوگا اور عورت کے قتل کی کوئی پاداش نہ ہو گی لیکن یہ سب اسی صورت میں ہے جبکہ ارتکاب جرم کا ثبوت مہیا ہو۔ ابن مسیب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے جو شام کا باشندہ تھا کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ ملوث دیکھا۔ اس شخص نے دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کے پاس خط لکھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت فرما کر مطلع کریں کہ اس بارے میں کیا حکم

Marfat.com

ہے؟ چنانچہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''انا ابو الحسن ان لم یات باربعة شهداء فليعط برمته'' (یعنی میں حسن کا باپ ہوں میرا کہنا یہ ہے کہ اگر وہ شخص (ارتکاب جرم) کے چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اسے اپنے کیفر کردار کو پہنچادو) یعنی قتل کر دو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے (ایسی صورت میں) مقتول کا خون ہدر کر دیا (قصاص یا دیت نہ لی) اور فرمایا یہ اللہ کا مارا ہوا ہے اور اللہ کو کبھی ایذا نہیں دی جا سکتی۔ یہ حکم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) اس لیے دیا کہ اس مقتول کا جرم ثابت ہو گیا تھا اور شادی شدہ تھا یا یہ سبب ہے کہ مقتول کے والی نے یہ اقبال کر لیا تھا کہ فی الواقع مجرم نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جس پر قتل واجب ہو گیا تھا۔ تاہم انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر وہ شخص قتل کرنے میں مشہور ہے تو اسے قتل کی پاداش میں قتل کیا جائے۔ ہاں اگر قاتل مشہور نہیں (اور یہ اس کا پہلا اقدام ہے) تو اسے چھوڑ دو قتل نہ کرو۔

واضح ہو کہ تمام شرائع سابقہ کا اس پر اجماع ہے کہ زنا فعل حرام ہے۔ جیسا کہ آسمانی کتابوں سے ثابت ہے۔

جرم زنا کے متعلق مروجہ قوانین

واضح ہو کہ زنا کے جرم سنگین کے بارے میں جو قوانین بنائے گئے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ قوانین جن کی رو سے ارتکاب زنا کی مطلق کوئی سزا نہیں ہے۔ بلکہ یہ فعل روا ہے جیسا کہ انگریزی حکومتوں میں ہے۔

۲۔ وہ قانون جس کی رو سے خاوند اور بیوی کو یکساں سزا جرم زنا کی دی جاتی ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا جیسا کہ جرمنی کا قانون ہے۔

۳۔ وہ قانون جس کی رو سے یہ جرم مستوجب سزا ہے لیکن خاوند اور بیوی کی سزاؤں میں فرق ہے جیسا کہ فرانسیسی حکومت میں ہے۔ اسی طرح کا قانون عرب کی موجودہ جمہوری حکومتوں میں رائج ہے۔

مروجہ قانون اور اسلامی قانون کا موازنہ

واضح ہو کہ دین اسلام کی رو سے مرد اور عورت کا ہر گونہ جنسی اتصال حرام ہے۔ اس طرح مرد کی مرد کے ساتھ جنسی آلودگی بھی حرام ہے۔ خواہ وہ مرد شادی شدہ ہو یا شادی شدہ نہ ہو۔ لیکن (نیکی بدی کی) تمیز رکھتا ہو۔ عاقل و بالغ ہو اور گناہ پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اس کے لیے جگہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں انسان کے بنائے ہوئے قانون کی رو سے بدفعلی کو گناہ (جرم) تصور نہیں کیا جاتا۔ جب تک کہ دونوں مجرم یا ان میں سے کوئی ایک شادی شدہ نہ ہو۔ اس فعل کو جرم قرار دیے جانے کی چند شرائط اور مخصوص حالات ہیں جن کی تفصیل قانون میں کر دی گئی ہے۔

مرد کو اس جرم کا مرتکب صرف اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ارتکاب جرم وہاں پر کیا جہاں وہ شادی شدہ مرد کی حیثیت سے رہتا ہے۔ اگر یہ جرم مرد کسی اور مقام پر کرے تو اسے مجرم قرار نہیں دیا جائے گا اور سزا نہ ملے گی۔ لیکن عورت کسی جگہ بھی یہ گناہ کرے وہ مجرم ہے بشرطیکہ وہ کسی شخص کی زوجیت میں ہو۔

Marfat.com

مرجبہ وضعی قانون کی رو سے خاوند اور بیوی کے جرائم کا باہمی فرق تفصیل ذیل سے واضح ہے۔

۱۔ بیوی خواہ کسی جگہ بھی برے فعل کی مرتکب ہو وہ مجرم ہے لیکن خاوند جرم کا مرتکب اسی صورت میں سمجھا جائے گا جبکہ وہ اپنے گھر میں اس جرم کا ارتکاب کرے ملاحظہ ہو دفعہ ۲۷۴ تا ۲۷۷ قانون متعلقہ۔

۲۔ عورت اگر اس جرم میں ماخوذ ہو تو اسے زیادہ سے زیادہ دو سال قید کی سزا دی جائے گی لیکن مرد کو چھ مہینے کی سزا ہوگی۔

۳۔ عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ خاوند کے خلاف آخری فیصلہ ہو جانے کے بعد اسے معاف کر دے۔ ہاں آخری فیصلہ سے پہلے معاف کر سکتی ہے لیکن مرد بہر حال بیوی کے خلاف آخری حکم ہو جانے کے بعد بھی معاف کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ گویا اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو دفعہ ۲۷۴۔

۴۔ جب کوئی شخص بدکاری کے جرم میں پکڑا جائے اور اس کی بیوی اسے معاف کر دے تو قانونی طور پر اس کی سزا ہلکی کر دی جائے گی۔ لیکن بیوی ایسی صورت میں سزا کی تخفیف کا فائدہ نہیں اٹھا سکتی ہے۔

۵۔ اگر احیاناً کسی شخص نے اپنی بیوی کو بدکاری کا مرتکب ہوتے دیکھ لیا اور اسے اور اس مرد کو جو ملوث تھا دونوں کو قتل کر دیا تو اسے جرم قتل زیر ۲۳۴ تا ۲۳۶ کی مقررہ سزاؤں کی بجائے ایک مناسب مدت کے لیے سزائے قید دی جائے گی۔

مصر کی عدالتوں میں جرم عہد شکنی کے متعلق جو قانون جاری ہے اس کے تحت ان حالات میں قتل کر دینا جرم کے ارتکاب اور نافرمانی کے درمیانی حیثیت کا ایک عمل ہے لہٰذا اس کی کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی کوئی تصریح کتاب وسنت میں موجود نہیں ہے۔

مال اور آبرو

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے مال پر قبضہ کرنے یا قتل کرنے کے لیے حملہ کرے خواہ یہ حملہ شہر میں ہو جہاں کسی سے فریاد کی جا سکتی ہو یا جنگل میں جہاں کوئی مددگار نہ ہو یا وہ شخص شہر یا جنگل میں کسی کی عزت کے درپے ہو تو اسے اختیار ہے کہ جس نے یہ مذموم ارادہ کیا اسے زخمی کر دے اور مسلمانوں یا لشکر کو آواز دے۔ اس کے بعد اگر وہ شخص (برے ارادے سے) رک جائے اور باز آ جائے اور اسے چھوڑ کر وہاں سے چلا جائے تو اسے قتل کر دینے کا حق نہ رہے گا لیکن اگر وہ شخص اس کی التجا پر کان نہ دھرے اور زبردستی اس کا مال چھیننا چاہے اور اسے یا اس کے خاندان میں سے کسی کو قتل کرنے پر تلا ہو، یا اس کی خواتین میں سے بیوی، بیٹی، بہن، ماں یا خاندان کی خاتون یا خادمہ، لونڈی یا بچے کو اٹھانے کا ارادہ کرے۔ یا وہ کوئی چور ہو جو گھر کے باہر کے محافظ کتے (یا نگہبان) کو مار ڈالے تاکہ برے ارادے سے گھر کی عورتوں تک پہنچ جائے یا اغوا کرنا چاہے تو (ایسی صورت میں) بزرگ خاندان پر لازم ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے پوری قوت اور ہتھیاروں سے، حفاظتی اقدامات کرے۔ اگر ہاتھ، لاٹھی یا ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کے سوا اور کوئی طریقہ بچاؤ کا نہ ہو اور جب کوئی چارۂ کار نہ رہے تو ایسی حالت میں اسے حملہ کر دینے کا حق ہے لیکن پہلے ہی حلے میں قتل کر دینے کا ارادہ نہ ہو بلکہ ایسی جگہ پر ضرب لگائے جس سے وہ شخص مر نہ جائے۔ اگر جان مال یا عزت کی حفاظت کے لیے اس شخص نے حملہ کر دیا اور وہ زیادتی کرنے والا شخص مر گیا تو اس پر نہ تاوان ہے، نہ قصاص، نہ خون بہا، نہ کفارہ، نہ قیامت کے دن گناہ، نہ حاکم کی طرف سے کوئی سزا، بلکہ وہ خون رائگاں جائے گا اور اگر مدافعت کرنے والے کو ظالم چور اپنے ہاتھ سے ہلاک کر دے تو اس

Marfat.com

نے شہادت پائی اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

ترمذی وغیرہ نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون اهله فهو شهيد '' (یعنی جو شخص اپنے مال کے پیچھے قتل ہوا وہ شہید ہے اور جو اپنے خون کے پیچھے قتل ہوا وہ شہید اور جو شخص اپنے دین کے پیچھے قتل ہوا وہ شہید ہے اور جو اپنے بال بچوں کے پیچھے قتل ہوا وہ شہید ہے)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا ''يا رسول الله ارايت ان جاء رجل يريد اخذ مالي، قال: لا تعطه مالك، قال ارايت قاتلني؟ قال: قاتله قال: ارايت ان قتلني؟ قال: فانت شهيد، قال: ارايت ان قتلته؟ قال: هو في النار '' (یعنی اے رسول اللہ اگر کوئی میرا مال چھیننا چاہے تو کیا کرنا چاہیے فرمایا اپنا مال اسے مت لینے دو اس نے کہا اگر وہ لڑنے لگے فرمایا تم بھی اس سے لڑو۔ اس نے کہا اگر مجھے قتل کر دے فرمایا تم شہادت کا درجہ پاؤ گے۔ اس نے کہا اگر میں اسے قتل کر دوں فرمایا وہ جہنم واصل ہوا)۔ اس حدیث پر ہر اس شخص کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو اپنی جان، اپنی آبرو اور اپنے دین کے تحفظ میں جان لڑا دے۔ جیسا کہ سابقۃ الذکر حدیث شریف میں ہے۔

عورت کو اس کی اصلاح کے لیے مارنے کا بیان

فقہائے اسلام اس پر متفق اللفظ ہیں کہ عورت اگر خاوند سے عناد رکھے یا مخالفت پر تل جائے یا فعل مذموم کا ارتکاب کرے تو اسے مارنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''واللاتي تخافون نشوزهن فعظوهن، واهجروهن في المضاجع، واضربوهن '' (یعنی جن عورتوں سے تمہیں عناد رکھنے کا اندیشہ ہو تو انھیں سمجھاؤ پھر بستروں پر تنہا پڑی رہنے دو پھر انھیں مارو)۔ یعنی ایسی مار جس سے تکلیف تو ہو لیکن ضرب شدید نہ ہو کہ کوئی عضو شکستہ ہو جائے اور نہ ایسی ضرب ہو کہ خون نکل آئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''استوصوا بالنساء خيراً، فانهن عوان عندكم لستم تملكون منهن شيئاً غير ذلك الا ان ياتين بفاحشة مبينة، فان فعلن فاهجروهن في المضاجع، واضربوهن ضرباً غير مبرح، فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً، الا ان لكم على نسائكم حقا، ولنسائكم عليكم حقا، فحقكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم من تكرهون، ولا ی ياذن في بيوتكم لمن تكرهون، الا وحقهن عليكم ان تحسنوا اليهن، كسوتهن وطعامهن '' (یعنی لوگوں عورتوں سے حسن سلوک کرنے کی تلقین کیا کرو۔ عورتیں تمھارے پاس تمھارے معاون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ تم ان کی کسی شے کے مالک نہیں ہو البتہ اگر وہ کھلی معصیت کی مرتکب ہوں اور ایسا فعل ان سے سرزد ہو تو انھیں اپنے بستر پر پڑا رہنے دو، (یعنی فرائض زوجیت سے باز رہو) اور انھیں مار بھی سکتے ہو لیکن ضرب شدید نہ ہو۔ اب اگر وہ مان جائیں تو ان پر ظلم کے بہانے مت ڈھونڈو۔ یاد رکھو کہ جہاں تمھارا حق عورتوں پر ہے وہاں تمھاری عورتوں کا حق بھی تم پر ہے۔ تمھارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمھارے بستر پر اسے نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور نہ تمھارے گھروں میں اسے داخل ہونے دیں جس کا داخل ہونا تمھیں ناگوار ہو

Marfat.com

حد کے بارے میں معتزلیوں اور خارجیوں کی رائے

واضح ہو کہ اس حد (سنگساری) کے بارے میں بعض معتزلیوں اور خارجیوں کے علاوہ کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سنگساری کی سزا ابتدائے عہد اسلام میں رائج تھی۔ پھر جب آیت "الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة" (یعنی بدکاری کرنے والے مرد اور بدکاری کرنے والی عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو)۔ نازل ہوئی، تو اب وہ صرف درہ زنی کے سزاوار ہیں خواہ شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن ان کی یہ دلیل اسی صورت میں کافی ہوتی جبکہ یہ ثابت ہو جاتا کہ اس آیت کے نازل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی کو سنگسار نہیں کیا۔ لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی سنگساری کی سزا دی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک سنگساری کے موقع پر ابا ہریرۃ موجود تھے جو سنہ ۷ ہجری سے پہلے ایمان نہیں لائے تھے، حالانکہ سورہ نور سنہ ۵ یا سنہ ۶ میں نازل ہوئی۔ پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے سنگساری کی سزا دی اور انھوں نے صراحت فرمائی دی ہے کہ رجم حد (شرعی سزا) ہے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ سنت کتاب اللہ کے احکام کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مشہور سے کتاب اللہ کے کسی حکم (عام) کو خاص کیا جا سکتا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں سنت نے قرآن حکیم کے حکم (عام) کو غیر شادی شدہ کے لیے مخصوص کر دیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس اختلاف کا کوئی بڑا عملی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ (۱)

پھر ان کا حق تم پر یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو اور انھیں لباس و خوراک مہیا کرو)۔ اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لايسال الرجل فيم ضرب امراته" (یعنی کوئی شخص اپنی عورت کو مارے تو اس سے باز پرس نہ ہوگی)۔

۱۔ کتاب البحر میں بتایا گیا ہے کہ سنگساری کی سزا واجب نہیں ہے، ابن العربی نے بتایا ہے کہ یہ قول خارجیوں کا ہے اور بعض معتزلی مثلاً نظام اور ان کے ساتھی بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ سنگساری کی سزا سنت متواترہ سے ثابت ہے جس پر سب کا اجماع ہے نیز اہل سنت والجماعت کے نزدیک حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رو سے اس کا ثبوت نص قرآنی سے بھی ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ "كان مما انزل على رسول الله ﷺ آية الرجم، فقرأناها، وحفظناها،

Marfat.com

وو عیناھا، و رجم رسول اللہ ﷺ ورجمنا بعدہ'' (یعنی سنگساری والی آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ ہم نے اسے پڑھا، یاد کیا اور تسلیم کیا اور اس کے مطابق رسول اللہ نے سنگساری کی سزا دی اور بعد میں ہم نے بھی سنگساری کی سزا دی۔) اس کی تلاوت منسوخ ہو جانے سے سنگساری کے حکم کا منسوخ ہو جانا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے جنہوں نے ابن عباسؓ سے اور احمد اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے جنہوں نے سہل سے اور انھوں اپنی خالہ عجماء سے اس روایت کا اخراج فرمایا ہے کہ قرآن میں نازل شدہ احکام کے منجملہ یہ بھی ہے ''الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ بما قضیا من اللذۃ'' (یعنی عمر رسیدہ مرد اور عمر رسیدہ عورت اگر بدکاری کریں تو لازمی طور پر ان دونوں کو لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو)۔ اور ابوہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یہ دونوں اصحاب کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علی وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ آپ کو قسم ہے کہ آپ میرا معاملہ کتاب اللہ کے مطابق طے کریں۔ فریق ثانی نے جو اس شخص سے زیادہ دانشمند تھا، کہا کہ ہاں حضور ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کی رو سے کر دیجئے اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا۔ کہو! اس نے کہا ''میرا بیٹا اس شخص کے ہاں کام کرتا تھا۔ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدفعلی کی مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا اس پر میں نے ایک سو بکری اور ایک جاریہ بطور تاوان اسے دے دیا۔ پھر میں نے اہل علم سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو دُرّے اور ایک سال جلا وطنی کی سزا ہوگی اور اس شخص کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔'' میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ میں تمہارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا۔ وہ لڑکی اور بکریاں واپس ہوں گی اور تمہارے بیٹے کو سو درے اور ایک سال کے لیے جلا وطنی کی سزا ہوگی۔ اور اے انیس۔ ایک شخص کا نام جو مسلمان ہو گیا تھا۔ کل اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اس جرم کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دو۔ انیس اگلے روز اس عورت کے پاس گئے اس نے اقبال جرم کر لیا۔ حضور نے سنگساری کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دی گئی۔ ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خذوا عنی خذوا عنی، قدجعل اللہ لھن سبیلاً، البکر بالبکر جلد مائۃ وتغریب عام، والثیب بالثیب جلد مائۃ والرجم'' (یعنی مجھ سے سنو، مجھ سے سنو اللہ نے ان کے بارے میں طرز عمل اختیار کرنے کی سبیل بتا دی ہے: کنوارہ مرد کنواری عورت سے ملوث ہو تو اس کی سزا سو درے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے ملوث ہو تو سو درے اور سنگساری) یہ روایت بخاری اور نسائی کے سوا سب نے بیان کی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ''ان رجلاً زنی بامرأۃ فامربہ النبی ﷺ فجلد الحد، ثم اخبر انہ محصن فامربہ فرجم'' رواہ ابوداؤد (یعنی ایک شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی، حضور نے اسے دُرّے مارے جانے کی سزا کا حکم دیا لہٰذا اسے دُرّے لگائے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ شخص شادی شدہ ہے تب اسے سنگسار کیا گیا)۔ اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ''ان رسول اللہ ﷺ رجم ماعزبن مالک'' (یعنی رسول اللہ ﷺ نے ماعز بن مالک کو سنگسار کیا)۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ شخص بدکاری کرے تو اسے سنگسار کیا جانا واجب ہے۔

Marfat.com

ثبوت زنا کے لیے گواہی کا بیان

واضح ہو کہ زنا کی سزا اسی وقت دی جاسکتی ہے جب کہ وہ اقبال جرم کرلے۔ اگر وہ بدکار شخص اقبال جرم نہ کرے تو اس کا ثبوت گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا جنہوں نے بچشم خود اسے فعل بد کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہو لیکن ایسا ہونا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ (۱)

ا۔ تمام فقہاء اس پر متفق اللفظ ہیں کہ ارتکاب زنا کا ثبوت گواہی سے یا اقبال جرم سے ہوتا ہے نیز یہ کہ دوسرے دعووں کے خلاف اس مذموم جرم کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ درکار ہیں۔ اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے ''والـلاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم ''(یعنی اگر مسلمان عورتوں میں کوئی اس گناہ عظیم کا مرتکب ہو تو اس کے ثبوت کے لیے چار مسلمانوں کی گواہی درکار ہے) اسی طرح آنحضرت ﷺ نے زنا کا الزام لگانے والے کو حکم دیا ہے ''الت باربعة یشهدون علی صدق مقالتک ۔ والا فحد فی ظهرک'' (یعنی ایسے چار آدمی لاؤ جو تمہارے بیان کی صداقت پر گواہی دیں، بصورت دیگر تمہاری پیٹھ پر دُرّے لگائے جائیں گے)۔ اس بات پر امت کا اجماع ہے اور ائمۂ فقہ اس پر متفق ہیں کہ وہ گواہ انصاف پسند اور مرد ہوں اور سزایاب نہ ہوں اور اس شہادت (کے قابل تسلیم ہونے کی) شرط یہ ہے کہ گواہ مرد کی شرمگاہ کو عورت کی شرمگاہ میں بچشم خود دیکھنا بیان کرے۔ اور اس کو واضح الفاظ میں بتائیں۔ اشاروں سے بتانا کافی نہیں ہے۔ (اس طرح کے) چار گواہوں کی شرط لگانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کا پردہ فاش نہ ہو اللہ تعالٰے یہی چاہتا ہے۔ کسی شے کے ثابت کرنے کی شرائط جتنی زیادہ (سخت) ہونگی اتنا ہی اس کے ثبوت کا امکان کم ہوگا اور شریعت یہی چاہتی ہے۔

اس بارے میں کہ شہادتیں (ایک ہی مقام پر گزریں) مختلف مقامات پر نہ ہوں اختلاف ہے:

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ شہادت گزارنے کے لیے یہ شرط ہے کہ ثبوت جرم کے لیے تمام شہادتیں ایک ہی جگہ پر ہوں۔ ورنہ یہ گواہوں کا جرم متصور ہوگا اور تہمت لگانے کے جرم میں سزا پائیں گے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ شریعت اسلامیہ چاہتی ہے کہ (نفاذ سزا کے لیے) پورا پورا ثبوت جرم مہیا ہو۔ مختلف مقامات پر شہادت گزرنے میں ایک شبہ کا امکان ہے جو بدکاری کی چشم دید شہادت سے مانع ہے اور جب شبہ لاحق ہو جائے تو سزا موقوف ہو جاتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مختلف مقامات پر شہادت گزارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مختلف جگہوں پر گواہوں کی شہادت ہو تو اسے تسلیم کیا جائے گا۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ حاکم شرع جب دیکھے کہ مطلوبہ گواہیاں پوری ہوگئیں تو مسلمانوں کی دینی اور دنیوی مصلحت اسی میں ہے کہ انھیں گناہ سے پاک کرنے کی جلد از جلد کوشش کرے۔

گواہیوں کا ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں گزرنے کا بیان

فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ صحت شہادت کی یہ شرط ہے کہ چاروں گواہوں کی شہادت ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں ہو:

Marfat.com

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ چاروں شہادتیں ایک ہی جگہ پر لی جائیں اس کے لیے یہ قید بھی ہے کہ چاروں گواہ ایک ہی وقت میں اکٹھے حاضر ہوں اگر متفرق طور پر آئے اور ایک جگہ پر جمع ہو گئے تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور تہمت لگانے کے جرم میں سزا پائیں گے۔ چاروں گواہوں کے اکٹھے نہ ہونے کے باعث ان کی گواہی مشتبہ ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلا گواہ (اکیلا) جب گواہی دے گا تو چونکہ ہنوز چار گواہ پیش نہیں ہوئے تو (جرم ثابت نہ ہوا) اور اس کی شہادت تہمت ہو جائے گی لہٰذا اس پر سزا عائد ہو گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (صحت شہادت کے لیے) یہ شرط نہیں ہے کہ چاروں گواہ ایک جگہ اور ایک وقت میں موجود ہوں۔ بلکہ جرم زنا کی گواہی جس وقت بھی پوری ہو جائے اگرچہ یکے بعد دیگرے متفرق طور پر دی گئی ہو اسے تسلیم کیا جائے گا۔ اور اس کی بناء پر مجرموں پر حد نافذ ہو گی۔ کیونکہ چاروں گواہ امر شہادت میں باہم مشترک ہیں خواہ انہوں نے یک جائی طور پر گواہی دی ہو یا متفرق طور پر۔ اگر متفرق طور پر گواہی پوری گزر گئی تو شریعت کا حکم پورا ہو گیا کیونکہ تمام فیصلے جس طرح گواہوں کی یک جائی شہادت پر ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح متفرق شہادت پر بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر شہادت دینے والے متفرق طور پر آئیں تو ان پر ملی بھگت کا الزام نہیں لگ سکتا۔ پھر یہ کہ شہادت کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ تمام گواہ یکجا ہو کر گواہی دیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تمام گواہوں کا ایک جگہ جمع ہو کر ایک ساتھ گواہی دینا شرط ہے۔ اگر وہ سب ایک جگہ پر جمع ہوئے اور گواہی دی تب ہی ان کی گواہی کی سماعت ہو گی۔ اگرچہ ادائے شہادت سے پہلے وہ متفرق طور پر (گواہی کے لیے) آئے ہوں کیونکہ شبہ کا امکان صرف اس حال میں ہے جبکہ گواہی مختلف مقامات میں لی جائے۔

وقوعہ جرم کی جگہ کے بارے میں گواہوں کے بیان میں اختلاف

اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا گواہوں کے بیانات کا وقوعہ جرم کی جگہ کے تعین میں مختلف نہ ہونا شرط ہے؟ مثلاً گواہوں میں سے دو نے بیان کیا کہ جرم زنا کا ارتکاب مکان کے فلاں حصہ میں ہوا اور باقی دو گواہوں نے اسی مکان کے ایک دوسرے حصہ میں ارتکاب ہونا بتایا۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس اختلاف سے ادائے شہادت میں کوئی نقص نہ ہو گا بلکہ (اتنے سے اختلاف کو نظر انداز کر کے) گواہی کو تسلیم کر لیا جائے گا اور سزا دے دی جائے گی۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور حد نافذ نہ ہو گی۔ کیونکہ مقام وقوعہ کے تعین کے بارے میں گواہوں کے بیانات مختلف ہونے سے شہادت مشتبہ اور سزا موقوف ہو جائے گی۔ پس (ثبوت جرم کے لیے) یہ شرط ہے کہ چاروں گواہ بیک وقت گواہی کے لیے پیش ہوں اور سب ایک ہی جگہ پر ایک ہی جرم زنا کے متعلق ایک ہی طرح سے مرتکب ہونے کی گواہی دیں تب ہی شہادت مکمل ہو گی۔

وقوعہ جرم کے علاقہ کے بارے میں گواہوں کا اختلاف

مثلاً اگر دو گواہوں نے بیان کیا کہ فلاں شخص نے کوفہ میں ارتکاب جرم کیا اور باقی دو گواہوں نے کہا کہ بصرہ میں یہ جرم سرزد ہوا تو یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور اس پر اجماع ہے کہ مجرموں کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ تہمت

Marfat.com

لگانے کے الزام میں گواہوں کو حد قذف ماری جائے گی۔

گناہ کی مجرمہ کے باکرہ ثابت ہونے کا بیان

اگر چار معتبر اشخاص گواہی دے دیں کہ فلاں شخص اس عورت کے ساتھ مرتکب گناہ ہوا۔لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ عورت باکرہ ہے تو ان کی گواہی رد کر دی جائے گی اور اس پر اجماع ہے کہ اس گواہی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور شبہ کی بناء پر عورت کو بھی حد سے بری کر دیا جائے گا اور کوئی سزا نہ دی جائے گی۔کیونکہ عورت کا باکرہ ثابت ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا۔

گواہی میں تاخیر ہونے کا بیان

اگر قابل سزا جرم کے گواہ دیر سے حاضر ہوئے تو بدیں سبب کہ وہ حاکم شرع سے فاصلہ پر ہوں انھیں شہادت سے منع نہیں کیا جائے گا۔تاہم اس بارے میں فقہاء کی مختلف رائیں ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں جبکہ گواہی دینے میں دیر کر دی جائے تو گواہی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ ادائے شہادت میں ڈھیل دینے سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔حنفیہ کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ شہادت میں دیر ہو جائے تو خالص اللہ تعالے کی مقرر کردہ حدود (سزائیں) باطل ہو جاتی ہیں۔کیونکہ گواہ کے پیش نظر دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ان دو باتوں میں سے ایک تو فرض شہادت کا ادا کرنا ہے اور دوسری بات ایک مسلمان کا پردہ ڈھکنا ہے۔گواہی میں توقف یا تامل کرنا پردہ ڈھکنے کے خیال سے ہوتا ہے۔اس کے بعد پھر گواہی دینے کا سبب کوئی عداوت یا کینہ ہی ہو سکتا ہے جس نے گواہی دینے پر اسے آمادہ کیا اور ابھارا۔اسی سے گواہ پر الزام لگایا جا سکتا ہے۔ہاں اگر اس توقف کا سبب کوئی معذوری ہو تو اور بات ہے۔

لیکن بغیر کسی (معقول) سبب کے گواہی میں ڈھیل کرنا گناہ ہے پس ایسی شہادت کو رد کر دیا جائے گا جب کہ امر مانع شہادت کا یقین ہو۔

مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ زنا،تہمت اور شراب نوشی کی سزاؤں کے بارے میں،شہادت کی سماعت وقوع جرم کو طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔کیوں کہ سزا کا نفاذ شہادت گزرنے کے بعد تو قطعی درست ہے اور سزا کا باطل ہو جانا ثابت نہیں ہے۔کیوں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ گواہ اس وقت شہادت دینے سے معذور ہو جب کہ جرم کا ارتکاب ہوا۔بایں طور کہ اس جرم کا فتنہ باقی رہے اور اس وقت تک فرو نہ ہو جب تک کہ مجرم کو سزا نہ مل جائے اندریں صورت گواہ ادائے شہادت میں تاخیر کرنے میں معذور ہیں۔

جبری ارتکاب کے بارے میں گواہوں کے بیان میں اختلاف

اگر ارتکاب زنا کے بارے میں دو گواہ یہ بیان دیں کہ اسے گناہ پر مجبور کیا گیا تھا اور باقی دو گواہ کہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس شخص نے بخوشی خود ارتکاب جرم کیا ہے۔اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

آئمۂ اربعہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں مجرموں کو کوئی سزا نہ ہوگی اور گواہوں کی شہادت رد کر دی جائے گی کیوں کہ (گواہوں کے اختلاف بیانات کی بناء پر) وقوعہ جرم مشتبہ ہو گیا اور سزا ساقط ہو گئی۔لیکن صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں صرف مرد کو حد ماری جائے گی کیوں کہ چار گواہیاں گزر گئیں اور سب اس پر متفق ہیں کہ جرم زنا کا

Marfat.com

ارتکاب ہوا۔ اختلاف اس میں ہوا کہ آیا ارتکاب جرم پر مجرم کو مجبور کیا گیا تھا یا نہیں؟ پس مرد پر تو حد نافذ ہوگی، رہی عورت سوا سے سزا نہیں ملے گی کیوں کہ (دو) گواہوں کے بیان سے ثابت ہے کہ وہ مجبور تھی اور اس پر سب متفق ہیں کہ جس کے ساتھ زنا بالجبر کیا جائے، وہ سزا کی مستوجب نہیں۔ اس صورت میں بدکاری کرنے والے مرد پر عورت کا مہر واجب ہو جائے گا اور اگر وہ حاملہ ہوگئی ہو تو وہ اولاد بھی اسی شخص کی متصور ہوگی۔

خاوند کا بیوی کے خلاف گواہی دینے کا بیان

سوال یہ ہے کہ آیا ارتکاب زنا کے گواہوں میں عورت کے خلاف خاوند کی شہادت مانی جائے گی؟

مالکیہ کہتے ہیں کہ بیوی کے خلاف خاوند ارتکاب زنا کی شہادت دے سکتا ہے۔ کیوں کہ (گناہ کی) اس حرکت مذموم سے خاوند کی بے عزتی ہوتی ہے خاص کر اس صورت میں جب کہ وہ صاحب اولاد ہو۔ لہٰذا گواہی دینے پر اسے متہم نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس کی گواہی تسلیم کی جائے گی اور بیوی کو سزائے شرعی دی جائے گی۔

حنفیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ارتکاب زنا کے بارے میں دوسرے گواہوں میں شامل ہو کر خاوند کا (بیوی کے خلاف) گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی گواہی (غالباً فریق ثانی ہونے کے باعث) قابل الزام ہے۔ لہٰذا اس کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی۔

گواہ پر جرح کا بیان

جب چاروں گواہ ارتکاب زنا کی گواہی دینے کے لیے حاکم کے سامنے پیش ہوں تو حاکم ان سے سوال کرے گا کہ زنا کیا ہے؟ کیسے ہوتا ہے؟ پھر یہ کہ یہ زنا کہاں پر ہوا؟ کس وقت ہوا؟ کس کے ساتھ ہوا؟ اور کس طرح ہوا؟ اب اگر سب گواہوں کے بیانات میں اتفاق ہو اور وضاحت کے ساتھ کہیں کہ ہم نے مرد کے عضو مخصوص کو عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی یعنی مجملاً بیان کرنا کافی نہیں ہے، اس کے بعد حاکم شرع پر واجب ہو جائے گا کہ بدفعلی کے مرتکبوں پر حد جاری کرے (تفصیلی بیان اس لیے ضروری ہے کہ) بہت ممکن ہے کہ اس شخص نے عورت کو صرف ہاتھ لگایا ہو یا یہ گناہ دارالحراب میں ہوا ہو یا نابالغی کی حالت میں ہوا یا کوئی پرانا واقعہ ہو (یہ باتیں واجب الحد نہیں ہیں)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شہادت اس صورت میں درست ہوگی جب کہ اس گناہ کی تمام کیفیت سب نے ایک جیسی بتائی ہو۔ مثلاً لیٹ کر ہوا یا کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر۔ وہ شخص عورت کے اوپر تھا یا نیچے تھا اور فلاں وقت ہوا اور ضروری ہے کہ گواہی لینے سے پہلے تمام گواہوں کو جدا جدا کر دیا جائے اور گواہ فرداً فرداً ان تمام باتوں کو بیان کریں اور ایک ہی وقت میں بچشم خود دیکھنا بیان کریں۔ مختلف اوقات کی باتیں نہ ہوں۔ اور یہ ضروری ہے کہ وہ عضو مخصوص کا شرمگاہ میں اس طرح داخل ہونا بیان کریں جیسے سرمہ دانی میں سلائی۔ یہ بیان اس لئے ضروری ہے کہ گواہی کے معاملہ میں سختی سے کام لیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس گناہ کو چھپایا جائے۔ اب اگر کسی گواہ کی شہادت میں خلا پایا گیا یا ایک کا بیان دوسرے گواہوں کے مطابق نہ ہوا تو وہ گواہی رد کر دی جائے گی اور گواہ کو تہمت لگانے کے الزام میں سزا دی جائے گی۔

Marfat.com

نابینا کی گواہی کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ نابینا معتبر مسلمان کی گواہی صرف سماعی امور میں تسلیم کی جائے گی۔ خواہ اس کا بیان بینائی جانے سے پہلے کا ہو یا بعد کا۔ نابینا شخص سنی ہوئی باتوں کو یاد رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ حس کر کے بھی گواہی دے سکتا ہے۔ مثلاً اس نے مرتکبین گناہ کو ہاتھ سے ٹٹولا ہو (نیاز مند مترجم کے نزدیک یہ تمام امور نا ممکن مفروضات ہیں اور غیر ضروری اطناب ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ زنا کے بارے میں نابینا کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی کیوں کہ نابینا شخص سرے سے مرد اور عورت میں امتیاز ہی نہیں کر سکتا (تو شہادت کیسے دے سکتا ہے) جب کہ نفاذ حدود کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ جرم کی تحقیق کی جائے اور ارتکاب کا یقین حاصل ہو۔

حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نابینا، بینائی سے محروم ہونے کے پہلے کسی وقوعہ کی شہادت دے کہ اس نے ارتکاب جرم اس وقت دیکھا جبکہ اس کی بینائی قائم تھی اور اس کے بعد بینائی سے محروم ہو گیا تو اس کی گواہی تسلیم کی جائے گی لیکن نابینا ہو جانے کے بعد کی گواہی نہیں مانی جائے گی۔

مجرم کا شادی شدہ ہونے سے انکار کرنا

اگر چار گواہوں نے کسی کے خلاف ارتکاب زنا کی گواہی دی، پھر اس شخص نے شادی شدہ ہونے سے انکار کیا، حالانکہ اس کی بیوی اور اولاد موجود ہیں تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور اسے سنگسار کر دیا جائے گا کیوں کہ بیوی اور اولاد موجود ہونے کی صورت میں اس کی کذب بیانی ظاہر ہے۔

اگر چار اشخاص نے کسی کے خلاف کے ارتکاب زنا کی شہادت دی اور اس شخص نے شادی شدہ ہونے سے انکار کیا لیکن دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس نے ایک عورت سے شادی کی ہے اور با قاعدہ نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لے چکا ہے تو اسے شادی شدہ قرار دے کر سنگسار کیا جائے گا۔

گواہ بننے کی اہلیت سے خارج ہو جانے کا بیان

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر گواہ میں ایسی تبدیلی آ جائے جو اسے گواہ بننے کی اہلیت سے خارج کر دے تو اس کی گواہی باطل ہو جائے گی۔ مثلاً وہ شخص مرتد ہو جائے (نعوذ باللہ) یا بینائی جاتی رہے یا گونگا ہو جائے یا فاسق ہو جائے یا تہمت لگانے کے جرم میں سزایاب ہو جائے۔ اسی طرح کسی گواہ کی موت یا مجرموں میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو شرعی سزا موقوف ہو جائے گی۔

سنگساری میں پہلے گواہوں کا پتھر مارنا

حنفیہ کہتے ہیں کہ زنا کے مجرم کو سنگسار کرنے کا حکم ہو تو واجب ہے کہ سب سے پہلے گواہ اسے پتھر مارے۔ امام وقت اس پر انھیں مجبور کرے اس کے بعد خود امام یا اس کا نائب اور پھر عام لوگ سنگسار کریں۔ نفاذ حد زنا کے لیے یہ امر بطور شرط لازم کے ہے یہاں تک کہ اگر گواہ مجرم کو سنگسار کرنے سے انکار کریں تو مستوجب سزا کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ تاہم گواہ پر حد قذف بھی عائد نہ ہوگی کیونکہ ان پتھر مارنے سے باز رہنا صریحاً گواہی سے پھر جانے کا ثبوت نہیں ہے ہاں نفاذ حد کو روک دینے کے لیے ایک شبہ ضرور ہے کیونکہ گواہ کا مجرم کو سنگسار کرنے سے انکار کرنا اپنے بیان سے رجوع کرنے کی

Marfat.com

دلیل ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ پہلے تو گواہ ادائے شہادت میں تامل کرے لیکن جب گواہی پر عملدرآمد کا وقت آئے تو یہ کام اسے بہت سخت معلوم ہو اس کا دل کڑھے اور اپنی گواہی سے پھر جائے۔ جس سے ملزم کی سزا رک دی جائے۔ پس (گواہ کو سنگساری کا) حکم دینے کا مقصد یہ ہے کہ جرم کی مزید توثیق ہو جائے اور موجب سرزنش ہو۔

حدیث ابی بکرہ میں مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ایک عورت کو سنگساری کا حکم دیا اور سب سے پہلے آپ ہی نے چنے کے برابر کنکریوں سے اسے مارا پھر فرمایا کہ اسے سنگسار کرو لیکن چہرہ بچا کر مارنا اور عامر الشعبی سے مروی ہے کہ شراحہ کا ایک خاوند تھا جو شام میں جا کر مفقود الخبر ہو گیا۔ یہ عورت حاملہ ہو گئی اس کا متولی اسے لے کر حضرت علی کی خدمت میں آیا کہ اس نے بدکاری کی ہے اور اقبال جرم کر لیا ہے۔ لہٰذا جمعرات کے روز سو درے مارے گئے اور جمعہ کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس کے لیے ناف تک گہرا گڑھا کھودا گیا تھا راوی کہتے ہیں کہ میں وہاں موجود تھا۔ (اس وقت) حضرت علی نے فرمایا تھا کہ سنگساری کرنا رسول ﷺ کی مقرر فرمودہ سنت ہے اگر کسی نے اس جرم کے ارتکاب کی گواہی دی ہوتی تو وہی گواہ سب سے پہلے پتھر مارتا۔ یہ عمل اس گواہ کی گواہی کے تابع ہے لیکن اس عورت نے خود ہی اقبال جرم کیا ہے۔ لہٰذا میں ہی سب سے پہلے پتھر ماروں گا۔ پھر اور لوگوں نے بھی پتھر مارے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا۔ اور بخدا میں بھی اس کے ہلاک کرنے میں شریک ہوں۔

علمائے حنفیہ میں سے ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجرم زنا کی سنگساری کے لیے گواہوں کا سب سے پہلے پتھر مارنا امر مستحب ہے۔ شہادت کی تکمیل کے لیے نہیں ہے، لہٰذا اگر گواہ سنگساری سے انکار کر دے یا وفات پا جائے تو امام (حاکم وقت) حد نافذ کرے گا، مجرم کو رہا نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا جرم گواہی سے ثابت ہو چکا ہے اور اس کا نفاذ واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (سزائے سنگساری میں) پتھر مارنے کی ابتدا، امام وقت یا اس کا نائب کرے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ گواہ اس کا آغاز کریں اور نہ مجرم کے لیے لازم ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو پتھر مارے۔ کیونکہ واجب القتل فعل کے مرتکب کا خود اپنے آپ کو ہلاک کرنا درست نہیں ہے بلکہ یہ کام امام (حاکم وقت) کا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ امام وقت کا سنگساری کے وقت موجود ہونا یا نہ ہونا دونوں طرح جائز ہے۔ یہی حال گواہوں کا بھی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے 'ماعز' کو سنگساری کیے جانے کا حکم دیا لیکن سنگساری کے وقت موجود نہ تھے۔

گواہوں کے اپنے بیان سے پھر جانے کا بیان

اگر چار اشخاص نے ایک مرد کے بارے میں کسی عورت سے ارتکاب گناہ کی گواہی دی اور ان کے علاوہ چار دوسرے اشخاص نے کسی اور عورت کے ساتھ اس کے ارتکاب زنا کی گواہی دی اور اس مرد کو سنگسار کر دیا گیا۔ پھر دونوں طرح کے گواہ اپنے اپنے بیان سے پھر گئے تو وہ تمام گواہ اجتماعی طور پر اس شخص کا خون بہا ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان سب کو تہمت لگانے کے جرم میں سزا دی جائے گی۔

امام محمد بن الحسن کہتے ہیں کہ گواہ خون بہا کے تو ذمہ دار ہوں گے لیکن ان پر حد قذف نافذ نہ ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی گواہ مجرم کو سزا ملنے کے بعد اپنی گواہی سے انحراف کرے تو صرف اس پر حد قذف عائد ہوگی۔ اور چوتھائی خون بہا کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر سزا ملنے سے پہلے کوئی ایک گواہ اپنے بیان سے پھر جائے تو ان

Marfat.com

سب کو سزائے قذف ملے گی۔ کیونکہ گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو گئی (لہٰذا جرم ثابت نہ ہوا اور سب تہمت کے مجرم ہوئے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی گواہ اپنے بیان سے پھر جائے تو وہ واجب القتل ہے کیونکہ وہ ملزم کے ناحق قتل کیے جانے کا ذمہ دار ہے۔

شاہدوں کا ناقابل اعتماد ثابت ہونا

اگر قاضی (یعنی عدلیہ) کسی کو دُرّہ زنی کی سزا کا حکم دے اور سزا یابی کے دوران وہ شخص مر جائے یا زخمی ہو جائے۔ پھر یہ ثابت ہوا کہ گواہی دینے والے حق گو نہیں ہیں بلکہ دروغ باف ہیں یا یہ معلوم ہوا کہ گواہ فاسق ہے یا مسلمان نہیں ہے یا غلام ہے یا تہمت لگانے کے جرم میں سزا پا چکا ہے۔ یا نابینا ہے تو ایسے گواہوں کو سزا دی جائے گی۔ اس پر تمام علماء متفق ہیں۔ (اور جن باتوں میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں)۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ قاضی نے جب فیصلہ کر دیا اس کے بعد اس پر کوئی ذمہ داری نہیں نہ گواہوں سے باز پرس ہے نہ بیت المال (سرکاری خزانہ) پر کوئی بار ہو گا۔

صاحبین کہتے ہیں کہ تاوان یا دیت کی ادائیگی بیت المال کے ذمہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر گواہ کا فاسق ہونا (نفاذ سزا کے بعد) ثابت ہو تو قاضی (عدلیہ) پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی، لیکن اگر گواہ مملوک غلام یا غیر مسلم ثابت ہو تو قاضی کو ذمہ دار قرار دیا جائے گا کہ وہ اس سزا یافتہ کے گزارے کے لیے تاوان ادا کرے کیونکہ اس نے گواہوں کے معتبر ہونے کی تفتیش میں کوتاہی کی۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ (ایسی صورت میں) درہ زنی کی ضرب کا جو جسم پر اثر ہوا ہے اس کی تلافی یا جو زخم ہوا ہے اس کا تاوان قاضی کے ذمہ ہے تاہم علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مجرم کو سنگساری کی سزا ملنے کے بعد اگر گواہ کی نا اہلیت ثابت ہوئی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تو اس کا تاوان بیت المال کے ذمہ ہو گا اور گواہوں کو تہمت لگانے کی سزا ملے گی۔

بدوران سزا مجرم کی موت واقع ہو جانے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر درہ زنی یا جراحت کے باعث مجرم کی موت واقع ہو جائے۔ لیکن حاکم یہ سمجھتا تھا کہ مجرم یہ سزا جھیل لے گا تو حاکم پر نہ تاوان عائد ہو گا نہ اسے گنہگار قرار دیا جائے گا اگر مجرم کے بچ جانے میں اسے شبہ تھا تو اس کی جان یا وجود پر جو حالت گزری حاکم اس کا ذمہ دار ہو گا اور اس کا تاوان یا معاوضہ ایک گواہ کے برابر ادا کرے گا۔ لیکن اگر مجرم کے سلامت نہ رہنے کا گمان غالب ہو تو (حاکم پر) قصاص عائد ہو گا۔ مجرم کے سلامت رہنے کا گمان غالب ہونا یا نہ ہونا یا اس کا مشکوک ہونا، حاکم کے اقبال کر لینے پر اور صورت حالات پر منحصر ہے۔

یہ تمام احکام ان خطاؤں کی سزا کے بارے میں ہیں۔ جن پر حدود (شرعی سزائیں) عائد نہیں ہوتیں۔ ایسے جرائم جن پر حد عائد ہوتی ہے مثلاً کنوارے شخص کا ارتکاب زنا یا شراب نوشی یا تہمت تراشی پر درہ زنی کے دوران کوئی مر جائے تو حاکم پر کوئی ذمہ داری نہیں بشرطیکہ عام دستور کے مطابق ضرب لگائی گئی ہو توڑ پھوڑ والی ضرب نہ ہو۔ چنانچہ مروی

Marfat.com

ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کسی عورت کے متعلق نازیبا حرکت کی اطلاع ملی آپ نے ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا وہ عورت اس قدر خائف ہوئی کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے ضائع شدہ حمل کے متعلق حضرت علیؓ سے مشورہ لیا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس بچے کا خون بہا لازم ہو گیا جو حمل گرنے سے ضائع ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کی قوم کی طرف سے اس کی ادائیگی کا بندوبست کیا جائے چنانچہ ایسا کر دیا گیا۔

(اس روایت کے پیش نظر) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے یہ ہے کہ گو امام پر بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے تاہم وہ اپنی ذمہ داری کے بل پر کسی کی جان نہیں لے سکتا، تا آنکہ وہ شخص مستوجب حد نہ ہو۔ اگر کسی کی جان کا نقصان ہوا تو حاکم اس کے تاوان کا ذمہ دار ہو گا لیکن گناہ سے بری متصور ہو گا۔ کیونکہ اسے ایسے جرائم کے ارتکاب پر بھی سزا دینے کا حکم ہے جس کے لئے اللہ کی مقرر کردہ حد (سزا) نہیں ہے۔ اور سزا ایسی ہونی چاہیے کہ سزا کی ضربات تکلیف دہ تو ہوں لیکن زخمی کرنے والی اور مہلک نہ ہوں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (سزا سے کوئی نقصان ہو تو) گواہوں پر کوئی تاوان عائد نہ ہو گا کیونکہ گواہی کی بناء پر جو سزا دی جائے اس سزا کا غیر مہلک ہونا واجب ہے۔ اسی طرح قاضی پر بھی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی کیونکہ قاضی نے مہلک ضرب لگانے کا حکم نہیں دیا۔ اس کا ذمہ دار جلاد ہے تاہم اس پر بھی بقول صحیح تاوان عائد نہ ہو گا۔ کیونکہ ہلاک کرنے کے ارادہ سے اس نے حد نہیں ماری اور جب ارادہ نہ ہو تو مطلقاً کوئی تاوان عائد نہ ہو گا۔

نفاذ حد کے فیصلہ میں حاکم سے غلطی ہونے بیان

اگر حد یا قصاص کے نفاذ کا فیصلہ کرنے میں حاکم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو اس کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں کہ حاکم کی فروگزاشت کا تاوان یا خون بہا مسلمانوں کے بیت المال سے ادا ہو گا۔ قاضی کے ذمہ کوئی تاوان نہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے اپنی دانست میں صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں غلطی ہو سکتی ہے لہٰذا وہ بے قصور ہے۔ روایت ہے کہ امام علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ کوئی مجرم حد شرعی کے دوران مر جائے تو مجھے اس کا خیال نہیں کیونکہ اس کا مرنا برحق ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص شراب پینے کی سزا کے دوران مر جائے تو یہ ایسا واقعہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد پیش آیا۔ پس اگر بدوران سزا وہ مر جائے تو اس کا خون بہا بیت المال سے ادا کیا جائے یا فرمایا کہ حاکم وقت ادا کرے۔ اس بارے میں راوی کو شک ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی مقرر کردہ سزا ملنے کے دوران کوئی وفات پا جائے تو اس کا خون رائگاں ہے اور کسی پر اس کا خون بہا نہیں ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی اس بارے میں دو رائیں بتائی جاتی ہیں: ایک تو یہ ہے کہ ایسی حالت میں تاوان بیت المال سے ادا کیا جائے اور قاضی پر کوئی الزام عائد نہ ہو گا۔ دوسری رائے یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا تاوان قاضی اور اس کے متعلقین پر ہو گا۔ کیونکہ قاضی کی یہ ذمہ داری تھی کہ سزا اس طرح دی جائے کہ جان تلف ہونے سے بچ جائے مثلاً چوری کی پاداش میں ہاتھ کاٹنا ہو تو یہ ضروری ہے کہ جہاں سے کاٹنا ہے اس سے تجاوز نہ کرے اور تیار کیے ہوئے تیل وغیرہ میں ڈبو کر خون

Marfat.com

بند کرے اور (حد میں) ایسی چوٹ نہ مارے جس سے مجرم کی جان جاتی رہے۔ اس لیے حاکم پر تاوان عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ مجرم کی موت حاکم کے طریق سزا ہی سے واقع ہوئی لہٰذا حاکم موت کا ایک ذریعہ بن گیا جیسے ایک شخص نے شکار مارنا چاہا لیکن کوئی شخص اس کا نشانہ بن گیا۔ اس صورت میں تاوان عائد ہوگا کیونکہ نشانہ کا خطا ہونا بھی شکاری ہی کی غلطی ہے۔

گواہوں کا اپنے بیان سے پھر جانا

اگر چار اشخاص نے کسی کے ارتکاب زنا کی گواہی دی اور دو اشخاص نے مجرم کے شادی شدہ ہونے کی گواہی دی جس کی بناء پر حاکم نے سنگساری کی سزا نافذ کردی اس کے بعد تمام گواہوں نے اپنے بیان سے رجوع کرلیا یعنی ارتکاب زنا کے گواہ اور اس کے شادی شدہ ہونے کے گواہ اپنے بیان سے پھر گئے۔ ایسی صورت میں:

حنفیہ کہتے ہیں کہ صرف زنا کے گواہوں پر خون بہا اور شادی کے گواہوں پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقدار تاوان میں سے دو تہائی کی ادائیگی زنا کے گواہ کریں اور ایک تہائی کے ذمہ دار شادی کے گواہ ہوں گے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خون بہا کے ذمہ دار دونوں طرح کے گواہ نصفا نصف ہوں گے یعنی آدھا تاوان زنا کے چاروں گواہ اور آدھا تاوان شادی کے دو گواہ ادا کریں، کیونکہ سزا ان سب کی مجموعی گواہی کی بناء پر دی گئی اگر صرف زنا کے گواہ شہادت دیتے اور شادی کے گواہ نہ ہوتے تو مجرم کو صرف دُرّہ زنی کی سزا ہوتی (سنگسار نہ کیا جاتا) پس جس بناء پر مجرم کی جان ناحق جانے کا ظلم ہوا وہ شادی کے گواہوں کی شہادت تھی (لہٰذا دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں دو رائیں ہیں اور زیادہ قوی رائے یہ ہے کہ تاوان صرف زنا کے گواہوں پر ڈالا جائے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تاوان دونوں طرح کے گواہوں پر نصفا نصف عائد کیا جائے۔

جاننا چاہیے کہ

تمام علماء اس پر متفق اللفظ ہیں کہ 'حد' (سزائے شرعی) کا نفاذ کرنا حاکم کے سوا اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم 'اجلدوا' (یعنی درے مارو) میں امام وقت کو خطاب ہے۔ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اسی غرض سے کسی کو امام مقرر کر لینا واجب ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نفاذ حد کا حکم دیا۔ سب کے نزدیک امام (حاکم شرع) کے سوا اور کوئی شخص حد قائم کرنے کا مجاز نہیں ہے اور اس امر واجب کی ادائیگی کی تکمیل بغیر امام کے نہیں ہوسکتی اور چونکہ مکلف انسان کو اس کا مقدور ہے اس لیے امام کا مقرر کرنا واجب ہے۔ امام نہ ہو تو کسی اور شخص کو حدود (شرعی سزاؤں) کے لاگو کرنے کا حق نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ لوگ صالح اصحاب میں سے کسی کو فیصلہ کے لیے متعین کرلیں جو فیصلہ کیا کرے۔

شہادت گزر جانے کی گواہی کا بیان

حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کی ایک رائے کے بموجب اگر چار اشخاص یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص کے خلاف ارتکاب زنا کی چار شہادتیں گزر چکی ہیں تو ان شہادتوں کی بناء پر حد نافذ نہیں کی جائیگی کیونکہ اس کے ثبوت میں دو مرحلوں

Marfat.com

میں شبہات واقع ہونے کے باعث شبہ زیادہ ہو جاتا ہے ایک مرحلہ اصل شاہدوں کا دوسروں کو حامل شہادت بنانا اور پھر ان دوسروں کا نقل کرنا ہر چند کہ شریعت کی رو سے گواہی گزرنے کی تصدیق کے لیے گواہی پر بالعموم اعتبار کیا جاتا ہے اور مالی معاملات میں اس کی بناء پر فیصلہ ہوتا ہے لیکن یہ فیصلہ کمزور ہوتا ہے اور فی الجملہ اس پر اعتبار کیے جانے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ ہر معاملہ میں اس پر اعتبار کیا جائے یہ ایسا ہی ہے جیسے عورتوں کی شہادت پر اعتبار کرنا۔ کیونکہ مالی معاملات میں تو ان کی شہادت قابل اعتبار اور درست ہے۔ لیکن نفاذ حد کا معاملہ ہو تو معتبر نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں شبہ زیادہ ہے۔ اس کے باوجود عورتوں کی گواہی قابل اعتبار ہے لیکن حدود (شرعی سزاؤں) کے بارے میں نہیں اس کا سبب یہ ہے کہ نفاذ حد کے بارے میں جلدی کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔ اور احتیاط اس میں ہے کہ ان صورتوں میں شہادتوں کو رد کر دیا جائے کیونکہ یہ گواہیاں اصل گواہوں کی بجائے ہیں اور جب اصل گواہوں کے بدلہ گواہی پیش ہو تو ثبوت مدعا میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ لیکن اس گواہی کے باطل کر دینے میں احتیاط کی حاجت نہیں ہے۔

شافعیہ کی دوسری رائے یہ ہے کہ شہادت گزر جانے کے ثبوت میں گواہی پیش ہو تو اسے قبول کیا جائے اور اس کی بناء پر حد نافذ کی جائے بشرطیکہ گواہی کی شرائط پوری ہوتی ہوں۔

گواہوں میں سے کسی ایک گواہ کے منحرف ہو جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر گواہوں میں سے کوئی گواہ (مقدمہ کا) فیصلہ ہو جانے کے بعد لیکن (مجرم کو) سزا ملنے سے پہلے اپنے بیان سے پھر جائے تو تمام گواہوں کو جرم اتہام کی پاداش میں سزا دی جائے کیونکہ حکم (فیصلہ) پر عملدرآمد بھی فیصلہ کا حصہ ہے۔ لہٰذا فیصلہ پر عملدرآمد سے پہلے کسی گواہ کا منحرف ہو جانا فیصلہ سے پہلے منحرف ہو جانا ہے اور حکم پر عملدرآمد (یعنی نفاذ حد) کو فیصلہ کا ایک حصہ قرار دیے جانے کا ثبوت یہ ہے کہ اگر گواہی کے باطل ہونے کا کوئی ثبوت مل جائے یا ملزم کا شادی شدہ ہونا تسلیم نہ کیا جائے۔ یا قاضی (یا حاکم عدلیہ) کو برطرف کر دیا جائے تو حد قذف وغیرہ موقوف کر دی جاتی ہے۔

اگر گواہوں میں سے کوئی گواہ فیصلہ ہونے سے پہلے اپنے بیان سے انحراف کرے تو تمام گواہوں کو جرم قذف کی سزا دی جائے گی کیونکہ ان کا بیان بذات خود تہمت لگانا ہے۔ (شہادت نہیں ہے) شہادت تو اس صورت میں ہوتی جب کہ اس کی بناء پر فیصلہ ہوتا۔ گواہوں کا بیان چونکہ فیصلہ سے مربوط نہیں ہے کیونکہ ان کا اپنے بیان سے پھر جانا مانع فیصلہ ہے لہٰذا وہ بیان (گواہی نہ رہا بلکہ) الزام تراشی ہو گیا اور گواہ حد قذف کے سزاوار ہوئے۔

اگر چار گواہوں میں سے ایک گواہ، گواہی دینے سے انکار کر دے تو ان تین گواہوں کو تہمت لگانے کی سزا دی جائیگی اور چوتھے گواہ (جس نے گواہی دینے سے انکار کیا) کو سزا نہیں دی جائے گی۔ ان تین گواہوں کو سزا ملنے کا سبب یہ نہیں ہے کہ چوتھے نے گواہی نہیں دی بلکہ اس سبب سے ہے کہ انھوں نے یہ بیان دیا کہ فلاں شخص نے زنا کیا (اور وہ زنا ثابت نہ ہوا) پس اس بارے میں چوتھے گواہ کے خاموش رہنے کو نہیں دیکھا جائے گا یعنی ہر ایک کو اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔ دوسرے کے قصور پر اس گواہ سے کوئی مواخذہ نہیں ہے کیونکہ تہمت لگانے کا جرم ان تینوں نے کیا (جنھوں نے گواہی دی)۔

Marfat.com

پانچ گواہوں کی شہادت کا بیان

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر گواہوں کی تعداد پانچ ہو اور ان میں سے کوئی گواہ مجرم کے سنگسار ہو جانے کے بعد اپنے بیان سے پھر جائے تو اس شخص کو نہ کوئی سزا دی جائے گی اور نہ اس پر تاوان عائد ہو گا، کیونکہ پانچویں گواہ کے رجوع کے بعد بھی شہادت کا حق یعنی چار اشخاص کا گواہی دینا پورا ہو گیا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس (پانچویں گواہ) پر تاوان کا پانچواں حصہ عائد ہو گا۔

پانچ میں سے دو گواہوں کا اپنے بیان سے پھر جانا

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر پانچ گواہوں نے جرم زنا کی شہادت دی ہو اور مجرم کو سنگسار کر دیا جائے اس کے بعد ان پانچ گواہوں میں سے دو گواہ اپنی گواہی سے پھر گئے تو ان تمام گواہوں کو قذف کے جرم میں سزا دی جائے گی اور یہ دونوں (پھر جانے والے) گواہ تاوان واجب کا چوتھا حصہ رجم شدہ کے ورثاء کو ادا کریں گے۔ قذف کی سزا تو اس لئے کہ ان تمام گواہوں کی گواہی (اب گواہی نہ رہی بلکہ) تہمت قرار پائی، کیونکہ دو آدمیوں کے اپنے بیان سے پھر جانے کے باعث جرم ثابت نہ ہوا اور تاوان اس لیے کہ تین چوتھائی حق تاوان جو ان گواہوں کے ذمہ لگایا گیا اس کے بعد اتنا ہی باقی رہا۔ اور تاوان کی اس مقدار کا اعتبار کیا جائے گا جو بقیہ گواہوں پر عائد کرنے سے باقی رہے۔ رجوع کرنے والوں کے رجوع کو نہ دیکھا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر اپنے بیان سے پھرنے والے گواہ یہ تسلیم کریں کہ ان سے گواہی دینے میں غلطی ہوئی تو وہ اپنے حصہ کا صرف تاوان ادا کریں گے اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ وہ تاوان کے دو خمس (یعنی ۲/۵) ادا کریں۔ اور دوسرا یہ کہ کل تاوان کا ایک چوتھائی ادا کریں جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر دونوں گواہ کہتے ہیں کہ ہم نے جان بوجھ کر جھوٹی گواہی دی تھی اور اب اس سے پھر گئے ہیں تو انھیں بطور قصاص قتل کر دیا جائے گا۔

صالحیت گواہاں کی تصدیق کرنے والوں کا انحراف

اس امر پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر چار اشخاص نے کسی شخص کے خلاف ارتکاب زنا کی گواہی دی تو ان چاروں کی صلاحیت کی تصدیق کے لیے گواہ یوں کہیں گے کہ یہ لوگ آزاد، مسلمان اور عدول (حق پسند) ہیں۔ اگر انھوں نے صرف یہ کہا تھا کہ یہ حق پسند ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غلام (مملوک) تھے تو ان کی صالحیت (یا باصطلاح حال نیک چلنی) کی شہادت دینے والوں پر کوئی الزام نہیں ہے اگر بطریق بالا گواہوں کی صلاحیت کی شہادت دی گئی اور (گواہان جرم کی شہادت پر) مجرم کو سنگسار کر دیا گیا اس کے بعد پتہ چلا کہ گواہ کافر تھا یا غلام تھا لیکن صالحیت کے گواہ بدستور یہی کہتے رہے کہ وہ آزاد اور مسلمان تھے تو ان (صالحیت کے) گواہوں پر بالاتفاق کوئی الزام نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہمیں اس بارے میں غلط فہمی ہو گئی تھی تب بھی اصل گواہوں کا کفر ظاہر ہو جانے پر کوئی ذمہ داری (صالحیت کے گواہوں پر) عائد نہ ہو گی کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ کوئی گواہ اس کی (صلاحیت کی) گواہی گزرنے کے بعد کافر ہو گیا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر گواہوں کی صالحیت کی شہادت دینے والے کہیں کہ ہم نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا کہ یہ گواہ

Marfat.com

آزاد یا مسلمان ہیں۔ حالانکہ ہمیں معلوم تھا کہ نہ وہ آزاد (غیر مملوک) ہیں نہ مسلمان ہیں تو یہ لوگ مستوجب تاوان قرار پائیں گے اور انھیں تاوان دینا ہوگا۔ صاحبین کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ تاوان بیت المال (سرکار خزانے) سے ادا کیا جائے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں صالحیت کے گواہوں پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی اور تاوان بیت المال سے ادا کیا جائے گا ان پر تاوان لگایا گیا تو ظلم ہوگا، کیونکہ تاوان اس صورت میں عائد ہوتا ہے جبکہ کوئی شخص (امر موجب تاوان میں) شریک ہو یا اس امر کا موجب بنا۔ کیونکہ 'مجرم کے ہلاک ہونے کا سبب ارتکاب زنا ہے جس کا ثبوت ان (صالحیت کے)' گواہوں سے نہیں ہوا انھوں نے گواہوں کے صالح ہونے کی تصدیق کی تھی اس کی مثال ایسی ہے جیسے 'احصان' (شادی شدہ ہونے) کی گواہی، کہ سنگسار ہونے کے بعد اگر معلوم ہو کہ مجرم شادی شدہ نہیں تھا تو شادی کے گواہ پر کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ شادی شدہ ہونے کی گواہی سے ارتکاب زنا ثابت نہیں ہوتا جو اس کے سزایاب ہونے کا موجب ہے۔ اسی طرح صالحیت کے گواہ پر بھی کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے گواہوں پر تاوان واجب ہونے کی دلیل یہ ہے، کہ جن گواہوں کی شہادت پر حاکم کے لیے سنگساری کا حکم دینا واجب ہو جاتا ہے، ان گواہوں کے صالح ہونے کا ثبوت ضروری ہے، پس صالحیت کی گواہی مجرم کی ہلاکت کے لیے علت العلت ہے لہٰذا حکم (سنگساری) کو اس علت العلت کی طرف منسوب کرنا بھی اصل علت (سبب) سے منسوب کرنے کی مانند ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا بخلاف 'احصان' (شادی شدہ ہونے) کی شہادت کے کہ یہ گواہی کہ (فلاں شخص شادی شدہ ہے) سنگ ساری کی موجب نہیں ہے اور نہ اس کی شدت کی موجب ہے بلکہ سزا کا موجب ارتکاب زنا ہے اور سزا میں سختی اس کے شادی شدہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ شادی اللہ کی نعمت ہے اور اس سزا کا سبب اللہ کی اس نعمت کا کفران ہے۔ اور یہ گواہی علامت ہے مجرم کے شدت سزا کا مستوجب ہو جانے کی اور سزا کا سبب شکر کی بجائے کفران نعمت ہے۔

حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صالحیت کی تصدیق کو شہادت سے 'جدا' نہیں کیا جا سکتا (یعنی یہ بھی شہادت ہے) اور اس شہادت کا مجلس قضا (عدالت) میں گزارنا ضروری نہیں ہے۔ نیز امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اس کے لیے گواہوں کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ لیکن امام محمد فرماتے ہیں کہ تمام معاملات میں ثبوت کے لیے دو گواہ ضروری ہیں تاہم ارتکاب زنا کے ثبوت کو چار گواہوں کی شرط ہے اور شادی کے ثبوت کو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی جائز ہے پھر یہ کہ گواہوں پر حد قذف نافذ نہیں ہوتی کیونکہ انھوں نے جو الزام لگایا اس کا تعلق مجرم کے عہد حیات سے تھا اور وہ وفات پا چکا ہے اور قذف کی سزا کا حق ورثہ میں نہیں آتا۔ لیکن اگر کوئی گواہ (بحیثیت مرد آزاد گواہی دے) اور بعد میں (جبکہ مجرم کو سزا دی جا چکے) وہ شخص غلام (مملوک) ثابت ہو اور گواہی سے پھر جائے تو بالاتفاق وہ مستوجب سزا ہوگا۔

سزائے سنگساری کا حکم ہو جانے کے بعد مجرم کے قتل کیے جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر چار اشخاص نے کسی شخص کے خلاف ارتکاب زنا کی گواہی دی اور قاضی (حاکم) نے اسے سنگسار کیے جانے کا حکم دے دیا اس کے بعد کسی شخص نے مجرم کو گواہی کے بعد لیکن گواہوں کی چھان بین سے پہلے بالارادہ یا

Marfat.com

غلطی سے قتل کیا تو قصداً قتل کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا اور اگر غلطی سے قتل ہوا ہے تو اس کے مستحق رشتہ داروں کو خون بہا دلوایا جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ گواہوں کی صالحیت ثابت ہونے کے بعد لیکن سزائے سنگساری کا حکم صادر ہونے سے پہلے کسی نے مجرم کو قتل کر دیا۔ لیکن اگر حاکم نے سنگساری کا حکم دے دیا اس کے بعد کسی نے مجرم کو ارادۃً یا غلطی سے قتل کر دیا تو قاتل کے ذمہ کچھ لازم نہ ہوگا۔ اگر فیصلہ کے بعد قصداً قتل کیا پھر ثابت ہوا کہ گواہ غلام (مملوک) یا کافر تھے یا تہمت کے جرم میں سزا پا چکے ہیں تو قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسے شخص کے قتل عمد کا ارتکاب کیا جس کی سزائے موت معاف ہو گئی تھی اور اس صورت میں جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ گواہی دینے والے (آزاد نہیں بلکہ) غلام تھے لہٰذا فیصلہ صحیح نہیں ہوا اور مجرم کا خون روا نہیں ہے پھر بھی اسے قتل کیا گیا اور اس طرح کہ حکم نہ تھا یعنی حکم سنگسار کرنے کا تھا لیکن اس کی گردن کاٹی گئی۔ لہٰذا قاضی کے حکم کے مطابق عمل نہ ہوا کہ یہ سمجھا جاتا کہ قتل کے حکم کی تعمیل اس شخص کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ پس بہر حال وہی قصور وار گردانا جائے گا 'استحسان' کی رو سے کہ صورت بالا میں قاتل پر تاوان عائد ہوگا (قصاص نہ ہوگا) کیونکہ قاضی کا حکم رجم ظاہری ثبوت پر نافذ ہوا ہے لیکن اگر مجرم کو قتل کرنے کے وقت قاضی کا فیصلہ صحیح تھا تو اس سے (سنگساری کی بجائے) قتل کے روا ہونے کا شبہ نکلتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ظاہر اور باطن دونوں لحاظ سے حکم نافذ کیا جائے تو حقیقی طور پر قتل کا روا ہونا ثابت ہوتا لیکن اگر ایک لحاظ سے تعمیل حکم ہوا اور دوسرے لحاظ سے نہ ہو (یعنی قتل تو کر دیا جائے لیکن سنگسار نہ کیا جائے) تو یہ شبہۂ اقدام عمل ہوا۔ برخلاف اس صورت کے جبکہ فیصلہ صادر ہونے سے پہلے مجرم کو قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ محض گواہی کا گزر جانا جرم کا ثبوت نہیں ہے (تا آنکہ حاکم کا فیصلہ صادر نہ ہو) لہٰذا اس صورت میں قاتل پر قصاص عائد ہوگا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بدیں گمان کسی کو قتل کر دے کہ وہ شخص برسر جنگ (دشمن) ہے، جبکہ اس میں ایسی علامتیں پائی جاتی ہوں اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ (دشمن نہیں) مسلمان تھا، تو قاتل کے مال میں سے اس کا خون بہا واجب الادا ہوگا۔ کیونکہ اس نے قتل عمد کیا ہے اور اس کے رشتہ دار عمداً ارتکاب قتل میں دیت نہیں دیتے۔ خون بہا کی یہ ادائیگی تین سال میں کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ تاوان قتل کی پاداش میں عائد ہوتا ہے اور جو تاوان جیسے خون بہا قتل کی سزا میں عائد ہو اس کی ادائیگی (فوری طور پر واجب نہیں ہے بلکہ) تاخیر سے ہو سکتی ہے اس کے خلاف جو مطالبہ باہمی تصفیہ سے واجب ہو جیسے قود (یعنی وہ تاوان جو مقتول کے ورثا قبول کر لیں)، وہ فوری طور پر واجب الادا ہے۔ کیونکہ یہ مطالبۂ باہمی تصفیہ کی بناء پر واجب الادا ہوا ہے، قتل کی پاداش میں عائد نہیں ہوا۔

اگر مجرم (زنی محصن) کو قاتل نے سنگسار کر کے ہلاک کر دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس جرم کے گواہ غلام (ہونے کے باعث نااہل) تھے تو قاتل پر تاوان عائد نہ ہوگا بلکہ بیت المال سے اس کا خون بہا ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ قاتل نے قاضی کے حکم کی پوری تعمیل کر دی ہے۔

زنا کے گواہوں کا شرمگاہوں کو دیکھنا

چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ چار گواہوں نے ارتکاب زنا کی گواہی کسی کے خلاف دی اور انہوں نے کہا کہ میں نے دونوں کی شرمگاہوں کو اچھی طرح دیکھا ہے کیونکہ تفتیش کے وقت اثبات جرم پر قادر ہونے کے لیے یہ امر ضروری تھا تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ناگزیر حالات میں ستر کا بار بار دیکھنا گناہ نہیں ہے۔ جیسے دائی، دوا، ختنہ کرنے

Marfat.com

ارتکاب زنا کا اقبال کر لینے کا بیان

عہد نبی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین کی ایسی احادیث کا جن کا تعلق سنگساری سے ہے، بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت اس گناہ کا مرتکب خود حاضر خدمت ہو کر اس بات کا اعتراف کرتا تھا کہ اس نے اس فعل بد کا ارتکاب کیا ہے۔ تاہم اس بارے میں بڑی ردوکد نہیں کی جاتی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ اس کی سزا کا جاری ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اس سزا کا نفاذ

والا، معالج اور انیمہ دینے والے کا دیکھنا یا بکارت کا امتحان اور یا واپسی کی شرط پر لیے ہوئے مملوک کے عیب کا پتہ لگانا ہو وغیرہ اور بہتر یہ ہے کہ عورت کے ایسے معاملات کو عورت ہی انجام دے۔ اگرچہ ضروری حصے سے زائد حصہ ڈھکنا واجب نہیں ہے۔ اگر گواہ نے لذت اندوزی کے لیے ستروں پر نظر ڈالی ہو تو ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

گواہوں کی تعداد کا چار سے کم ہونا

واضح ہو کہ اگر ارتکاب زنا کے گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو یہ جرم ثابت نہ ہو گا اور نہ مجرم پر حد نافذ ہو گی۔ گواہوں پر حد قذف نافذ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ گواہوں کو سزا دینا واجب نہیں ہے کیونکہ وہ گواہ کی حیثیت سے آتے ہیں (مجرم کی حیثیت سے نہیں) اور اس لئے بھی کہ اگر ان پر تشدد روا رکھا جائے تو ارتکاب زنا کی شہادت کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ ہر گواہ کو یہ خطرہ ہو گا کہ مبادا ان کا ساتھی (گواہ) دوسرے ساتھی (گواہ) کے موافق بیان نہ دے تو اسے سزا بھگتنی پڑے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر گواہ چار سے کم گواہی دیں تو ان پر حد قذف واجب ہو جائے گی کیونکہ ایک گواہ نے جب (ارتکاب زنا) کی گواہی دی تو گویا اس شخص پر تہمت لگائی اور (اپنی تصدیق میں) چار گواہ پیش نہ کر سکا تو اس پر حد قذف واجب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة" (یعنی جو لوگ بے قصور عورتوں پر الزام تھوپیں اور چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی درے مارو) اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہ چار اشخاص نے ان کے خلاف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے، ارتکاب زنا کی شہادت دی گواہوں میں ابو بکرہ نافع اور نفیع تھے اور چوتھا گواہ زیاد تھا" رایت استا تنبو ونفسا یعلو ورجلاها علی عاتقه کاذنی حمار ولا ادری ما وراء ذلک، فجلد عمر الثلاثة ولم یسأل هل معهم شاهد آخر، لانه تبین انه کان نائما مع زوجته" (یعنی میں نے دیکھا کہ ایک عورت کا سرین اٹھا ہوا تھا اور ایک شخص اس کے اوپر تھا عورت کے دونوں پاؤں اس شخص کے مونڈھوں پر اس طرح تھے جیسے گدھے کے دو کان، اس کے آگے مجھے معلوم نہیں)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں گواہوں کو درے لگائے اور یہ دریافت نہیں فرمایا کہ آیا ان

Marfat.com

صرف اسی صورت میں ہوتا تھا جب کوئی یہ ٹھان ہی لیتا تھا کہ اپنی جان کو اس گناہ عظیم کی بدانجامی سے پاک کرے اور دوسرے کی آبروریزی کے گناہ سے نجات پائے۔ (۱)

کے ساتھ کوئی اور گواہ بھی ہے؟ کیونکہ انھیں یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ سویا ہوا تھا غیر کے ساتھ نہ تھا)۔

(۱) چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ اقبال جرم کر لینے سے ارتکاب ثابت ہو جاتا ہے خواہ مرد اقبال کرے یا عورت۔ مرتکب شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور آزاد ہو یا مملوک (غلام یا لونڈی) لیکن یہ شرط ہے کہ اقبال کرنے والا عاقل بالغ اور باشعور ہو اور اسے اقرار کر لینے پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔

چار بار اقبال جرم کرنے کا بیان

حنفیہ، حنابلہ اور ابن ابی لیلےٰ کہتے ہیں کہ (ثبوت کے لیے) اقرار جرم کی تعداد کو ملحوظ رکھنا شرط ہے۔ عاقل اور بالغ انسان اگر اپنے جرم کا چار بار یکے بعد دیگرے اقرار نہ کرے تو اقبال جرم تسلیم نہ کیا جائے۔ حدود شرعیہ پر عملدرآمد کے لیے (اقبال جرم کے لیے) توثیق و تاکید ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ دنیا کو فنا کرنے کی بہ نسبت اسے باقی رکھنا زیادہ پسند فرماتا ہے چنانچہ اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے "ان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ" (یعنی لوگ اگر امن و سلامتی کی طرف جھک جائیں تو تم بھی جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرو) یعنی اگر دشمن امن چاہے اور جنگ کا خیال چھوڑ دے تو تم بھی جنگ کرنے سے باز آ جاؤ نیز اللہ کا ارشاد ہے "ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا" (یعنی جس نے ایک جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کی جان بچائی)۔ ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جان کا تلف کرنا گناہ کبیرہ ہے اور جب تک کہ اس سے بچنے کے تمام وسائل کی چھان بین اچھی طرح نہ کر لی جائے اتلاف جان کا اقدام نہ کرنا چاہیے۔

چار بار اقرار کرانے کا سبب یہ بھی ہے کہ فقہاء نے اقرار جرم کو گواہی کے برابر رکھا ہے۔ چونکہ عام معاملات کے خلاف ثبوت زنا کے لیے گواہوں کی تعداد چار رکھی گئی ہے اسی طرح اقبالی مجرم کا چار بار اقبال جرم واجب ہے۔ کیونکہ ہر اقرار کو ایک گواہ کے برابر تصور کیا گیا ہے۔

چار بار اقرار کا ذکر ماعز وغیرہ کی حدیثوں میں آیا ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اقبالی مجرم پر سزائے حد عائد ہونے کے لئے ایک بار ہی اقرار کرنا کافی ہے۔ اس میں کسی تعداد کی شرط نہیں ہے۔ دوسرے جرائم: قتل، سرقہ اور شراب نوشی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ داؤد، حسن بصری، طبری اور اہل تحقیق علمائے فقہ کی ایک جماعت کا بھی یہی کہنا ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے 'عسیف' والی حدیث میں یہ فرمایا "واغد یا انیس علی امراۃ ھذا، فان اعترفت فارجمھا" (یعنی اے انیس کل اس عورت کے پاس جا اگر وہ ارتکاب جرم کا اعتراف کرے تو اسے سنگسار کر دینا) چنانچہ انیس اگلے روز اس کے پاس گئے اس نے اقرار جرم کر لیا اور نبی ﷺ کے حکم دینے پر اسے سنگسار کر دیا گیا۔ یہاں پر اس عورت کے اقبال جرم کرنے کی تعداد مذکور نہیں ہے۔ علاوہ اس کے اگر کوئی شخص اپنے

Marfat.com

خلاف ایسے جرم کا اقرار کرتا ہے جس سے سزائے 'حد' یا 'رجم' عائد ہوتی ہے تو یہ اقرار ہی اس کی صداقت کا ثبوت ہے۔ لہٰذا بار بار اس اقرار کو دہرانے کی حاجت نہیں ہے۔ ایک ہی بار مجرم کا اعتراف جرم کر لینا ثبوت جرم کے لیے کافی ہے اور اس گناہ کا اعتراف وہی کرے گا جس کا یقین خالص اور ایمان صادق ہو۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں۔ اگر کوئی شخص خود اپنے خلاف گواہی دے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عذاب آخرت پر کامل الایمان اور صادق الیقین ہے اور خود اپنے اوپر حد جاری کرنے (یعنی سزایاب ہونے) کا مطالبہ محض روز قیامت کے عذاب سے ڈر کر کیا ہے۔ لہٰذا اس کا اقبال جرم اگرچہ اس نے ایک ہی بار کیا ہو محض روز قیامت کے عذاب سے ڈر کر کیا ہے اور اس کا اقرار تسلیم کر لیا جائے گا۔ پس اس کے لئے بار بار اعتراف کرنے یا کوئی تعداد مقرر کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اور آنحضرت ﷺ ماعز کے اعتراف جرم کو بار بار جو رد فرمایا اس کا سبب یہ تھا کہ حضور کو اس کے اعتراف کے بارے میں شک تھا اسی لیے فرمایا "ابک جنون" (یعنی تو پاگل تو نہیں ہے؟) اور اسی وجہ سے اس کے گھر والوں سے بھی اس کی بابت دریافت فرمایا تھا۔

کئی مجلسوں میں اقبال جرم کرنے کا بیان

وہ اصحاب جو اقبال جرم کے لیے تعداد کا مقرر کرنا شرط قرار دیتے ہیں ان کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا اقرار جرم چار مختلف جگہوں پر ہونا چاہیے؟

حنابلہ اور ابن لیلیٰ کہتے ہیں کہ چار بار اقبال جرم (ثبوت کے لیے) کافی ہے خواہ ایک ہی مجلس میں ہو۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مجرم کو اقبال جرم چار بار اور چار مختلف جگہوں پر کرنا چاہیے۔ ان کی دلیل صحیح مسلم کی وہی روایت ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ماعز ابن مالک نے نبی ﷺ کے پاس آ کر اعتراف جرم کیا، حضور نے اسے رد کر دیا پھر وہ دوسری بار آئے اور آپ نے پھر رد فرمایا اور اس کے اہل قبیلہ کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ آیا اس شخص کی عقل میں کوئی فتور تو نہیں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم تو اسے کامل العقل اور صالح افراد میں سے سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد تیسری بار 'ماعز' آئے اور آپ نے انہیں واپس ان کے قبیلے میں بھیج کر مزید دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا کہ نہ ان کو کوئی مرض ہے اور نہ اس کی عقل خراب ہے۔ غرض جب چار بار تحقیق ہو چکی تو اس کے لیے گڑھا کھودا گیا اور اس میں اس کو سنگسار کر دیا گیا۔

ایک روایت وہ ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "ماعز اسلمی" رسول اللہ ﷺ کے پاس چار بار آئے اور اپنے بارے میں بیان کیا کہ انہوں نے فلاں عورت کے ساتھ حرام کاری کی ہے۔ ہر بار حضور نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور پانچویں بار جب پھر انہوں نے یہی کہا تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اس سے زیادتی کی؟ انہوں کہا نے جی ہاں۔ فرمایا کیا اس قدر کہ تمہارا عضو اس کے عضو میں غائب ہو گیا۔ انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا اس طرح جیسے سلائی سرمہ دانی میں یا رسی کنویں میں؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ پھر سوال کیا تم جانتے ہو زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں نے اس کے ساتھ وہی فعل حرام کیا جو خاوند بیوی کے ساتھ بطور فعل حلال کرتا ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اب اس کا اقرار کرنے سے تمہارا کیا مقصد ہے انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کر دیں۔ تب حضور نے رجم کا حکم دیا اور انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے دو صحابیوں کو باہم یوں باتیں کرتے ہوئے سنا۔ ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ "ذرا اس شخص کو دیکھنا کہ اللہ نے اس کا پردہ ڈھکا لیکن اس کے نفس نے اس کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ کتے کی طرح اس پر پتھراؤ نہیں کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سنا اور خاموش رہے۔ گھڑی بھر چلنے کے بعد ایک

Marfat.com

مردار گدھے کے پاس سے گزر ہوا جو پھولا ہوا چت پڑا ہوا تھا۔ آپ نے آواز دی کہ فلانے فلانے کہاں ہو؟ ان دونوں نے کہا، یارسول اللہ ہم یہ رہے فرمایا اس مردار گدھے کا گوشت کھاؤ۔ دونوں نے کہا، یارسول اللہ بھلا اسے کون کھائے گا؟ فرمایا ابھی ابھی جو بے حرمتی اپنے بھائی کی تم نے کی ہے، وہ اس کا گوشت کھانے سے زیادہ گندی بات ہے۔ میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہے ہیں۔

اس حدیث سے اقبالی مجرم کا کئی جہت سے آنا اور بار بار رد ہو جانے سے متعدد دفعہ اقرار کرنا واضح ہے اور اسی کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارتکاب گناہ کا ایک بار اقرار کرنا ثبوت کے لئے کافی خیال نہیں فرماتے تھے بلکہ کئی بار اقرار کراتے تھے۔ تاکہ اس امر کا پورا وثوق ہو جائے کہ اقبالی مجرم سچ کہہ رہا ہے اور حد جاری کرنے پر مصر ہے۔ بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ مسجد میں تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے پکار کر کہا یارسول میں نے بدکاری کی ہے۔ حضورؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، وہ شخص اس طرف سے جدھر پہلے حضور کا چہرہ تھا دوسرے رخ سے آیا اور پھر کہا کہ یارسول اللہ میں نے بدکاری کی آپ نے اس طرف سے منہ موڑ لیا وہ شخص پھر ادھر سے مڑ کر آیا اور جب چار بار اس نے اپنے خلاف بیان دیا تو نبی ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا 'ابک جنون' (یعنی کیا تو پاگل ہے؟) اس نے کہا 'لا رسول الله' (یعنی نہیں تو، یارسول اللہ) پھر سوال فرمایا 'احصنت' (یعنی کیا تو شادی شدہ ہے؟) اس نے کہا 'نعم یا رسول الله' (یعنی ہاں اے رسول اللہ) تب آپ نے حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔ یہ حدیث چار بار اقبال جرم کرنے کے بارے میں واضح ہے۔ یہ موقع اس لیے دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے وہ شخص اپنا گناہ چھپانے کے لیے اپنے اقرار سے پھر جائے۔

مسند امام احمد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ماعز سے کہا تھا کہ اگر تم نے چوتھی بار بھی اقبال جرم کیا تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

ایک اور حدیث ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی بیان کرتے ہیں کہ غامدیہ اور ماعز بن مالک اگر اقرار گناہ کے بعد اپنے بیان سے پھرنا چاہتے تو ان سے چوتھی بار اقرار کے بعد مزید اقرار کا مطالبہ نہ کیا جاتا۔

شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بعض روایات میں صرف ایک بار، دو بار یا تین بار اقرار کا جو ذکر ہے (یعنی چار بار کا ذکر نہیں ہے) تو یہ راوی حدیث کی کوتاہی ہے۔ اگر کسی نے یہ کوتاہی کی تو یہ کوتاہی یاد رکھنے والوں کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔

'عسیف' والی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ 'فان اعترفت فارجمها' (یعنی اگر وہ عورت اعتراف کرے تو اسے سنگسار کر دو) اس میں اعتراف سے مراد وہ اعتراف ہے جس سے حد زنا عائد ہوتی ہے، اس واسطے کہ حضور کے صحابہ کو معلوم تھا کہ اقرار (مستوجب حد) کس کو کہتے ہیں؟ خاص کر ایسے صحابی جن کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ قرب خصوصی حاصل تھا وہ جانتے تھے کہ چار بار اقرار کرنے پر ہی (حد) عائد ہوتی ہے۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ ایسے ہی صحابیوں میں سے تھے۔

Marfat.com

اقبالی مجرم سے جرح (چھان بین) کرنے کا بیان

اگر کوئی مرتکب زنا چار بار ارتکاب گناہ کا اقرار کرلے تو پھر قاضی (حاکم شرع) اس سے پوچھے گا زنا کیا ہے اور اس نے کس طرح ارتکاب کیا۔ کس جگہ کیا اور کس کے ساتھ کیا جب وہ ان تمام باتوں کو بیان کردے اور اس کی صراحت ہو جائے تو سزائے زنا کا نفاذ واجب ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس کے تمام ثبوت مہیا ہو چکے۔ اس جرح میں وقت کی بابت سوال شرط نہیں ہے جیسا کہ گواہوں کی شہادت میں ضروری ہوتا ہے۔ کیوں کہ وقوعہ کو زیادہ عرصہ گزر جائے تو یہ شہادت کے تسلیم کرنے میں مانع ہوتا ہے لیکن اقرار جرم کے لیے مانع نہیں ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (اقبالی مجرم سے) وقت کی بابت بھی سوال کرلیا جائے تو جائز ہے کیوں کہ اس امر کا احتمال ہے کہ ارتکاب گناہ کے وقت وہ نابالغ رہا ہو یا اسلام لانے سے پہلے اس نے ارتکاب کیا ہو۔

غیر معلومہ عورت سے ملوث ہونے کا بیان

اگر کوئی شخص چار بار یہ اعتراف کرے کہ وہ ایک ایسی عورت سے ملوث ہوا ہے جس سے وہ واقف نہیں ہے، تب بھی وہ مستوجب سزا ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اقرار کرے کہ اس نے فلاں عورت سے بدکاری کی لیکن وہ عورت اس شہر میں جہاں یہ شخص رہتا ہے موجود نہ ہو اس پر بھی حد نافذ ہوگی جیسا کہ عسیف والی حدیث سے ظاہر ہے کہ عسیف نے جب آنحضرت ﷺ کے سامنے اقرار کرلیا تو اس پر حد نافذ فرمائی اور اس کے بعد عورت کے پاس آدمی کو بھیجا۔ کیوں کہ عسیف نے ارتکاب زنا کا اعتراف کرلیا اور ایسی کوئی بات نہیں بتائی جس سے اس فعل کا 'زنا' نہ ہونا معلوم ہوتا یا ایسا کوئی شبہہ بھی نہ تھا جس سے سزا روک دی جاتی۔ اس کے برعکس ارتکاب زنا کا اقرار کرنے ہی میں یہ بات داخل ہے کہ اس عورت پر ان کو کوئی حق نہ تھا کیوں کہ اگر کوئی حق ہوتا تو وہ اس کا اظہار کرتے یا کوئی امر شبہہ، ارتکاب جرم پیدا کرنے والا ہوتا تو وہ اس کا ذکر کرتے۔ انسان اپنی بیوی یا اپنی (مملوکہ) لونڈی سے ناواقف نہیں ہوتا۔

مرتکبین میں سے ایک کے اقبال جرم کو دوسرے کا اقبال جرم تصور نہیں کیا جائے گا۔ اگر ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ بدفعلی کی ہے اور اس عورت نے اس شخص کے قول کو جھوٹ بتایا اور کہا کہ میں اس کو جانتی ہی نہیں اور اس صورت میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ (اس صورت میں) نہ اس مرد پر حد نافذ ہوگی نہ اس عورت پر کیونکہ عورت کے انکار سے (اثبات جرم میں) شبہہ پیدا ہوگیا۔ جو مانع سزائے زنا ہے۔ البتہ دروغ بیانی کی سزا (اسی کوڑے) مرد کو دی جائے گی۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ (عورت کے انکار سے) مرد کا اقرار باطل نہیں ہوگا۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور صاحبین کہتے ہیں کہ صرف مرد پر حد جاری ہوگی۔ محض مرد کے اقرار کرنے سے اس عورت کا ارتکاب کرنا ثابت نہ ہوگا جس سے اس نے بدفعلی کی۔ اور اس شخص پر تہمت کی سزا بھی عائد نہ ہوگی۔

امام احمد نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد نے سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول

Marfat.com

ﷺ کے پاس آکر ایک عورت کے ساتھ ارتکاب زنا کا اقرار کیا۔ اس عورت کا نام بھی اس نے بتایا۔ حضورؐ نے اس عورت کو طلب فرما کر اس سے پوچھا تو اس نے انکار کیا۔ اس پر مرد کو سزائے زنا دی گئی اور عورت کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اسے سزا نہیں دی گئی۔

ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "ان رجلاً من بکر بن لیث اتی النبی ﷺ فاقر اربع مرأت انه زنی بامرۃ" (یعنی قبیلہ بکر بن لیث کا ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے چار بار اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت سے بدفعلی کی ہے) اور چونکہ وہ کنوارا تھا اسے سو درے لگائے گئے، پھر اس شخص سے عورت کے مرتکب ہونے کی بابت ثبوت مانگا گیا تو عورت نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ تہمت لگانے کی سزا میں اس شخص کو اسی (۸۰) دُرّے لگائے گئے۔

یہ مسائل دین اسلام میں سہولت، رواداری، حقیقت حال کی چھان بین اور (تابمقدور) سزا سے بچانے کے لیے ہیں۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (صورت مذکورہ میں) تہمت لگانے اور بدکاری کرنے دونوں جرموں کی سزائیں دی جائیں تاکہ خدا اور بندہ دونوں کا حق ادا ہو۔

عورت کا اقبال جرم کرنا

اگر عورت حاکم کے سامنے چار بار اپنی بدکاری کا اقرار کرے اور نام لے کر بتائے کہ میں فلاں شخص کے ساتھ ملوث ہوئی ہوں۔ لیکن وہ مرد اسے جھوٹا بتائے اور کہے کہ میں نے اس سے بدفعلی نہیں کی نہ میں اسے جانتا ہوں تو (ایسی صورت میں) امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ نہ عورت پر حد نافذ ہوگی اور نہ مرد پر۔ مرد پر تو اس لیے حد عائد نہ ہوگی کہ وہ انکاری ہے اور عورت پر اس لیے حد عائد نہ ہوگی کہ (مرد کے انکار سے) اس کے اقرار میں شبہ پیدا ہوگیا چونکہ 'زنا' دونوں کا مشترکہ ایک ہی فعل ہے اس لیے اگر اس کے ارتکاب میں شبہ پیدا ہو تو دونوں پر اثر انداز ہوگا۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور صاحبین کہتے ہیں کہ اقبال زنا کرنے والی عورت پر حدلاگو ہوگی کیونکہ اقرار ارتکاب جرم کا ثبوت ہے اور ایک شخص کا جرم ثابت نہ ہونے سے اقبالی مجرم کے اقبال جرم کر لینے میں ارتکاب کے بارے میں شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے وہ شخص جس کا نام عورت لے رہی ہے شہر میں موجود نہ ہو۔ اس قول کو ترجیح حاصل ہے۔

گونگے مرد یا گونگی عورت کے ساتھ مرتکب ہونے کا بیان

اگر ایک شخص یہ کہے کہ اس نے ایک گونگی عورت کے ساتھ جو بول نہیں سکتی برا فعل کیا ہے یا عورت کہے کہ میں گونگے کے ساتھ ملوث ہوئی ہیں (تو اس صورت میں)

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی پر بھی سزائے زنا عائد نہ ہوگی کیونکہ ایک طرف جو شبہ پیدا ہوا ہے وہ دوسری طرف بھی اثر انداز ہوگا۔

ائمۂ ثلاثہ اور صاحبین کہتے ہیں کہ (فریقین میں سے) جس نے اقرار کیا اس پر حد عائد ہوگی، گونگے یا گونگی پر نہ ہوگی۔ کیونکہ مکمل اقرار کر لینے پر حد ثابت ہوگئی اور دوسرے پر نہیں ہوئی اس لیے کہ اقرار نہیں کیا۔

Marfat.com

گونگے کے اقرار جرم کا بیان

ائمۂ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر گونگا شخص لکھ کر یا اشارے سے ارتکاب زنا کا اقرار کرے تو اس پر حد عائد نہ ہوگی گو وہ اشارہ ایسا ہو جو سمجھ میں آ جائے۔ کیونکہ صریحاً اقرار جرم نہ ہونے کے باعث (وقوع جرم میں) شبہہ ہو جاتا ہے جو بدکار کو سزا سے بچا دیتا ہے۔

اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ گونگے کے خلاف زنا کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ وہ اپنے خلاف گواہی کو مشتبہ قرار دیتا یہ حکم اندھے پر عائد نہیں ہوتا۔ پس علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر نابینا شخص ارتکاب زنا کا اقرار کرے تو اس کو درست مانا جائے گا۔ اس پر حد نافذ ہوگی اور اس کے خلاف گواہی دینا درست اور قابل تسلیم ہوگا۔

اقبال جرم کے بعد پھر جانے کا بیان

ارتکاب زنا کا اقرار کرنے کے بعد پھر جانے کے مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ارتکاب زنا کا اقبالی، اپنے بیان سے پھر جائے تو اسے تسلیم کیا جائے گا اور اس پر حد نافذ نہ ہوگی اور سزا سے بری ہو جائے گا، خواہ کچھ جرم اس پر عائد ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ماعز وغیرہ کے اقرار کو بار بار رد فرمایا تاکہ شاید اپنے اقرار سے پھر جائے اور اس کے گناہ پر پردہ پڑا رہے کہ یہی بہتر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ غامدیہ نے جب اپنے گناہ کا اقرار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے کہا کہ ممکن ہے کہ اس شخص نے تجھے پیار کیا ہو یا ایسی ویسی کوئی اور بات کی ہو (یعنی مباشرت نہ کی ہو اور تم اسی فعل کو زنا تصور کر رہی ہو) اس ارشاد نبوی میں یہ اشارہ ہے کہ اگر وہ باوجود اقرار کے رجوع کر لیتی تو اسے تسلیم فرما لیتے۔

نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''ادرؤا الحدود بالشبہات'' (یعنی مشتبہ حالات میں شرعی سزائیں نہ دو) اور اقبالی مجرم کا اپنے بیان سے پھر جانا بھی ارتکاب جرم میں شبہہ کا موجب ہے۔

اس مسئلہ میں ابن ابی لیلیٰ اور عثمان البتی نے حنفیہ سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبال کر لینے والا رجوع کرے تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اس پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر اقبال کرنے والا کسی شبہہ کے پیش آ جانے کی بناء پر رجوع کرے تو اسے مان لیا جائے اور حد نافذ نہ کی جائے، لیکن اگر کوئی شبہہ کی بات پیش نہیں آئی اور اقبالی اپنے بیان سے پھر گیا تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے گا اور یہی قول قابل ترجیح ہے۔

پانچوں فقہاء نے بالفاظ ترمذی یہ حدیث روایت کی ہے:

''جاء ماعز رضی اللہ عنہ الی النبی ﷺ فقال: انہ قد زنیٰ فاعرض عنہ، ثم جاء من شقہ الآخر، فقال انہ زنیٰ فاعرض عنہ، ثم جاء من شقہ الآخر، فقال انہ قد زنیٰ فامر بہ فی الرابعۃ فاخرج الی الحرۃ فرجم بالحجارۃ، فلما وجد مس الحجارۃ فریشتد، فلقیہ رجل معہ لحی جمل فضربہ بہ، وضربہ الناس حتی مات، فذکروا ذلک للنبی ﷺ فقال ھلا ترکتموہ'' (یعنی ماعز رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ انھوں نے 'زنا' کیا۔ حضور نے منہ موڑ لیا، وہ دوسری طرف سے آئے اور کہا

Marfat.com

ارتکابِ زنا میں شبہات پیدا کرنے کا بیان

اگر کوئی شخص ایک عورت کے ساتھ جس کا خاوند نہیں ہے۔ ملوث دیکھا جائے تو اس شخص کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت سے شادی کر لی ہے بعض مسالک کی رو سے اس کا یہ بیان (ارتکاب جرم میں) شبہہ پیدا کرتا ہے اس لیے اس شخص کو سزا سے بری کر دیا جائے گا۔ (۱)

کہ انھوں نے زنا کیا، حضورؐ نے منہ موڑ لیا وہ پھر دوسری طرف سے آئے اور پھر کہا کہ انھوں نے زنا کیا ہے اس کے بعد جب چوتھی بار بھی اسی طرح وہ سامنے آئے تب انھیں ایک پتھریلی زمین پر لا کر سنگسار کیا گیا۔ جب پتھر انھیں لگے تو وہ وہاں سے بھاگ نکلے۔ ایک شخص سے مڈبھیڑ ہوگئی جس کے ہاتھ میں اونٹ کا جبڑا تھا اسی سے اس نے انھیں مارا پھر اور لوگوں نے بھی مارا یہاں تک کہ مر گئے۔ پھر جب لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو فرمایا تم نے اسے چھوڑ دیا ہوتا)۔

ایک اور روایت ہے کہ حضور نے ماعز سے فرمایا تھا کہ ''ممکن ہے تم نے اس کا محض بوسہ لیا ہو یا اسے بھینچا ہو، یا گھورا ہو (یعنی زنا تک نوبت نہ پہنچی ہو) اس پر ماعز رضی اللہ عنہ نے کہا جی نہیں (یعنی مجھ سے تو بدکاری ہی سرزد ہوئی ہے) پھر فرمایا کہ تم شادی شدہ ہو؟ انھوں نے کہا جی ہاں غرض رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد نے انھیں اپنے اقرار سے پھر جانے اور اس فعل کو چھپا لینے کا موقع دیا، لیکن وہ اپنی بات سے نہ پھرے یہاں تک کہ حضور ﷺ نے تنگ آ کر فرمایا'' تو تم نے اس عورت کے ساتھ زیادتی کی؟ انھوں نے کہا جی ہاں۔ تب آپ نے سنگسار کیے جانے کا حکم دے دیا۔

ان سے اور دوسری روایات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اقبال زنا کرنے والا اگر اپنے اقرار سے پھر جائے تو اسے قبول کر لینا چاہیے، اور اس رجوع کو گناہ سے توبہ کرنا تصور کیا جائے گا اور اس پر حد نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ مذہب اسلام میں گناہ کو چھپانا واجب ہے اور گناہ کو مشہور کرنا فعل مکروہ ہے۔

(۱) شبہہ کی تعریف: شبہ کہتے ہیں ایسی بات کو جو یقینی نہ ہو بلکہ یقینی جیسی ہو۔ (شبہہ کے بارے میں) بعض امور ایسے ہیں جن میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ شبہہ ایسا ہے جس کی بناء پر سزا کو نافذ نہ کیا جائے یا ایسا نہیں ہے؟ اور آیا پوچھ گچھ سے ایسا شبہہ پیدا ہوا ہے جو ملزم کو سزائے جرم سے بچا سکے۔ اور معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے کیا سمجھ کر ارتکاب زنا کیا؟ آیا اس نے گناہ کا ادارہ کرنے میں غلطی کی ہے یا نہیں؟ آیا ارتکاب خطا کے وقت اس نے اس فعل کا اقدام حلال سمجھ کر کیا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس ردوکد اور پوچھ گچھ کا مقصد یہ ہے کہ اس گناہ کے الزام سے جو ایک شخص پر لگا ہے اسے بری قرار دیا جائے۔ یہ پوچھ گچھ صریحاً اقرار گناہ کے بعد ہوگی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے'' ادرؤا الحدود بالشبہات'' (یعنی شبہات میں پڑ کر سزائیں نہ دو)۔

حنفیہ کے نزدیک شبہے کی دو قسمیں ہیں ایک شبہہ عملی (یعنی نفس فعل میں شبہہ) اس کے واقع ہونے کے آٹھ مواقع ہیں:

۱۔ کوئی شخص اپنے باپ، ماں، دادا، دادی یا پردادا وغیرہ کی (مملوکہ) لونڈی کے ساتھ اس شبہہ میں مباشرت کر لے کہ وہ اس لونڈی کا مالک ہے (حالانکہ وہ مالک نہیں ہے)۔

۲۔ اپنی بیوی کی مملوکہ (لونڈی) سے اس شبہہ میں کہ بیوی کا مال خاوند کا مال ہے مباشرت کر لے (حالانکہ خاوند

Marfat.com

بیوی کے مال کا مالک نہیں ہے)۔

۳۔ اپنی بیوی سے جسے تین طلاق دے دی ہو بدوران عدت مباشرت کرے (حالانکہ یہ جائز نہیں ہے) کیونکہ مطلقہ عورت پر خاوند کو کسی طرح کا اختیار نہیں رہتا اس صورت میں کوئی قطعی (یا قانونی) شبہہ نہیں بلکہ محض کہنے کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره" (یعنی اگر خاوند بیوی کو طلاق دے دے تو وہ آئندہ اس پر حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے اور اس لیے بھی کہ تین طلاق کے بعد بیوی کے حرام ہو جانے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ تاہم اگر مرتکب یہ کہتا ہے کہ میں نے اس بیوی کو حلال تصور کر کے اس سے مباشرت کی تھی تو اس پر حدِ عائد نہ کی جائے گی، کیونکہ یہاں شبہہ کی گنجائش اس لحاظ سے ہے کہ بیوی پر جو ملکیت (نکاح) خاوند کی ہوتی ہے بوجہ اس کے کہ اس کی اولاد سے اس کا نسب باقی ہے۔ اس ملکیت (نکاح) کا اثر باقی ہے۔ یعنی اس عورت سے اگر دو سال کے اندر کوئی اولاد ہو جائے وہ اس کے خاوند ہی کی اولاد قرار پائے گی پھر خاوند اپنی مطلقہ بیوی کو (بدوران عدت) گھر کے باہر جانے سے روک سکتا ہے اور اس کے نان نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ بدوران عدت اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا (اگر وہ چوتھی بیوی ہے تو) کوئی اور شادی (تا انقضائے عدت) نہیں کر سکتا۔ پس ممکن ہے کہ ان امور میں سے کسی امر کے پیش نظر اس شخص نے مباشرت کو حلال تصور کر لیا ہو۔ لہٰذا اس شبہہ کو سزا سے بچنے کا عذر تصور کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس بیوی سے مباشرت کر لی جائے جسے مال لے کر طلاق دی گئی ہو (حالانکہ بالاجماع وہ عورت حرام ہو گئی ہے)۔

۵۔ اس بیوی سے مباشرت کرے جس نے خاوند سے خلع کر لیا ہو (یعنی اپنا پیچھا چھڑا لیا ہو) اور وہ مہر جو اس نے خاوند سے لیا تھا واپس کر دیا ہو۔ (یہ بھی حرام ہے لیکن) اس میں شبہہ کی گنجائش یوں ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق بائنہ۔

۶۔ اپنی ام ولد (وہ لونڈی جس سے اولاد ہو گئی ہو) کے ساتھ آزاد کر دینے کے بعد بدوران عدت اس شبہہ میں مباشرت کر لی کہ وہ اب تک اس کا مالک ہے اور اس کی اولاد کا نسب اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

۷۔ غلام اپنے آقا کی لونڈی سے مباشرت کر لے بدیں خیال کہ غلام اور آقا میں ایک دوسرے کے مال سے باہم استفادہ کی گنجائش ہے۔ اور غلام اسی بناء پر یہ سمجھ لے کہ آقا کی لونڈی سے بھی وہ استفادہ کر سکتا ہے تو یہ بھی شبہہ کی بنا ہے۔

۸۔ رہن رکھنے والا مرہونہ لونڈی سے مباشرت کرے (حالانکہ یہ ناجائز ہے)

کیونکہ رہن کا معاملہ کرنے سے رہن شدہ شے پر مرتہن کو حق تمتع کسی طرح حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اجرت کے معاملہ پر قیاس کر کے یہاں کوئی شبہہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ معاملہ اجارہ میں بھی متعہ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ پس رہن کی صورت میں کوئی قانونی شبہہ لونڈی کو حلال کرنے والے کے لئے نہیں ہو سکتا ہے۔ بناء بریں اس شخص پر حد کا نفاذ واجب ہے خواہ وہ شبہہ کا اظہار کرے یا نہ کرے۔ جس طرح اس لونڈی کو حلال نہیں سمجھا جا سکتا جسے اجرت پر کسی نے رکھا ہو۔ تاہم اگر (فی الواقع) اس شخص کو حلال ہونے کا اشتباہ ہو تو اس پر حد نافذ کرنا واجب نہیں ہے جبکہ وہ کہے کہ میں نے اس کو حلال سمجھا تھا کہ کیونکہ یہاں اس شبہہ کی گنجائش ہے کہ کسی مال کا کس حیثیت سے مالک ہونا مالک متعہ ہونے کا سبب ہو سکتا ہے

Marfat.com

اگر چہ رہن شدہ شے میں نہیں ہوسکتا اور مال کے معاملہ میں ہوسکتا ہے تو اب شبہہ کی صورت یہ ہوگی کہ اس قدر اختیار حاصل ہونے سے تمتع کا اختیار حاصل ہوگا یا نہیں؟ بخلاف اس صورت کے جبکہ اجرت پر (لونڈی کو) رکھا جائے کہ اس میں فائدہ حاصل کرنے کا حق تو حاصل ہے۔ لیکن حق تمتع کے حاصل ہونے کا سبب کسی حال میں مقصود نہیں ہے۔ غرض یہ شبہہ ایسا ہے جہاں شبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا اس شخص پر حد واجب ہوگی خواہ اس نے حلال سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو۔

ان تمام مواقع میں اور اسی جیسے دوسرے مواقع میں اگر وہ شخص کہے کہ میں نے یہ فعل کیا تو ہے لیکن اپنی دانست میں یہ تصور کیا تھا کہ یہ حلال ہے حرام نہیں ہے اگر مجھے اس کا حرام ہونا معلوم ہوتا تو ہرگز یہ کام نہ کرتا تو مرتکب زنا پر حد نافذ نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا اور میں جانتا تھا کہ یہ فعل حرام ہے اور یہ (عورت) مجھ پر حلال نہیں تو اس پر حد کا لاگو کرنا واجب ہے۔ تاہم اگر دونوں میں سے ایک بھی یہ کہے کہ میں نے اس فعل کو حلال گمان کیا تھا اور دوسرا یہ نہیں ہے کہتا تب بھی ان میں سے کسی پر حد عائد کرنا واجب نہیں ہے، تا آنکہ وہ دونوں ایک ساتھ یہ اقرار نہ کریں کہ انھوں نے اس فعل کو حرام جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اگر ایک کی جانب سے شبہہ ثابت کیا جائے تو لامحالہ دوسرا بھی اس سے متاثر ہوگا (کیونکہ مشترکہ عمل اگر مشتبہ ہو تو فریقین کو اس کا فائدہ یکساں پہنچے گا)۔

حنفیوں کے نزدیک شبہ کی دوسری قسم کا تعلق محل اشتباہ سے ہے (یعنی جس کے ساتھ ارتکاب ہوا اس کی حیثیت حلت اور حرمت کے باب میں مشتبہ تھی اس شبہہ کے پیدا ہونے کے چھ مواقع ہیں:

۱۔ کسی نے اپنے بیٹے، پوتے پڑپوتے وغیرہ کی (مملوکہ) لونڈی سے مباشرت کی گو (اس کا مالک) بیٹا زندہ ہو (تو یہ محل اشتباہ ہے) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے جس نے اپنے باپ کی شکایت کی تھی یہ فرمایا "انت ومالک لابیک" (یعنی تجھ پر اور تیرے مال پر، تیرے باپ کا حق ہے) اور اس لئے بھی کہ اس لونڈی سے جو اولاد ہو گی اس کا نسبی رشتہ اس کے مالک، مالک کے والد اور دادا کے ساتھ (جس سے بھی اولاد ہو) قائم ہو جاتا ہے۔ اگر چہ اس کا مالک زندہ ہو۔

۲۔ کسی نے اپنی بیوی کو (صراحۃً نہیں بلکہ) کنایۃً طلاق بائنہ دے دی مثلاً اس سے کہا کہ تو خلیعہ (یعنی آزاد یا بے قید) ہے، یا یوں کہا کہ تیرا انجام تیرے اپنے اختیار میں ہے۔ اور بیوی اس اختیار کو کام میں لائی (یعنی قید ازدواج سے آزدی کا اختیار پا کر آزاد ہو گئی) یا ایسی ہی کوئی اور بات ہوئی (جس سے کنایۃً طلاق پڑ جاتی ہے) اور پھر اسی بیوی سے بدوران عدت مباشرت کر لی (تو یہ بھی محل اشتباہ ہے) کیونکہ کنایۃً طلاق کے بارے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم میں اختلاف ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا رجحان اس طرف ہے کہ کنایہ کی طلاق رجعی ہے۔ (یعنی بغیر تجدید نکاح کے رجوع کیا جا سکتا ہے)۔ یہی مسلک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت ثوری نے منصور سے اور ابراہیم نے علقمہ اور اسود سے یہ حدیث بیان کی۔ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرا اپنی بیوی کیساتھ نزاع ہو گیا ہے۔ بیوی نے کہا کہ تمہیں مجھ پر جو اختیار ہے اگر اس اختیار کی مالک میں ہوتی تو تم دیکھتے کہ میں کیا کرتی؟ پھر اس شخص نے بتایا کہ میں نے وہ اختیار تجھے دے دیا۔ بیوی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو (تمہاری طرف سے تین طلاق دیتی ہوں۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ میری رائے میں وہ ایک ہی طلاق ہے اور تمہیں رجوع کا حق ہے پھر (ابن مسعود کہتے ہیں

Marfat.com

کہ) ہم نے اس کی بابت امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ تم نے اس شخص کو کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا کہ میں نے کہا کہ میری رائے میں یہ ایک طلاق (رجعی) ہے اور وہ شخص اپنی بیوی کا حقدار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''میری بھی یہی رائے ہے۔'' ایک اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ ''ولو رایت غیر ذلک لم تصب'' (یعنی اگر اس کے علاوہ تمہاری کچھ اور رائے ہوتی تو درست نہ ہوتی)۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف میں ان دونوں اصحاب سے تخریج فرمایا ہے کہ دونوں نے الفاظ بریہ اور خلیہ (یعنی بے تعلق یا آزاد) کے استعمال کرنے کو ایک طلاق قرار دیا ہے جس میں خاوند کو رجوع کا حق ہوتا ہے۔ لیکن امام علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک الفاظ خلیہ اور بریہ کے استعمال سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں جیسا کہ حضرت علی سے ابن شیبہ نے اخراج فرمایا ہے۔

۳۔ مرہونہ لونڈی سے مرتہن کا مباشرت کرنا ایک روایت کی رو سے محل اشتباہ ہے کیونکہ رہن بھی ملکیت کا ایک ذریعہ ہے چنانچہ راہن وفات پا جائے تو مرتہن کا رہن شدہ پر پورا پورا حق اسی وقت سے ہو جاتا ہے جب سے کہ اسے رہن رکھا گیا۔ ایسی صورت میں مرتہن کے شے مرہونہ کا مالک بننے کا سبب تو سردست موجود ہوتا ہے لیکن حقیقی طور پر مالکانہ حقوق اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب راہن وفات پا جائے۔

۴۔ دو اشخاص کی مشترکہ ملکیت میں آئی ہوئی لونڈی سے کسی کا مباشرت کرنا (موجب اشتباہ ہے) کیونکہ اس شخص نے ایک ایسی عورت سے مباشرت کی جس کی ملکیت کا معاملہ ہوا ہے۔ یعنی کسی لونڈی کا خرید لینا ملک متعہ کا موجب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس فعل کے جرم ہونے میں شبہہ واقع ہوا جو مانع حد ہے۔

۵۔ کسی شخص نے اپنی فروخت کی ہوئی لونڈی سے اس کی سپردگی سے پہلے مباشرت کر لی (تو یہ بھی محل اشتباہ ہے)۔

۶۔ اسی طرح اس لونڈی سے مباشرت بھی (محل اشتباہ) ہے جسے اس کے مالک نے اپنی بیوی کا مہر قرار دیا ہو لیکن ہنوز اسے بیوی کے حوالے نہ کیا ہو۔

ان دونوں صورتوں میں چونکہ لونڈی پر اس خریدار کا یا منکوحہ بیوی کا حق قائم ہی نہ ہوا تھا اس کا موجودہ مالک بوجہ قابض اور مالک ہونے کے اس کے ساتھ مباشرت کا اختیار رکھتا تھا۔ اس کا قابض ہونا برجا ہے اور ملکیت جو ختم ہونے والی ہے وہ ناپائدار امر ہے (یعنی پورے طور پر زائل نہیں ہوئی) لہٰذا حقیقی طور پر مالک ہونے کے بارے میں، یہ صورت حال از روئے شرع موجب اشتباہ جرم ہے پس ان تمام مذکورہ صورتوں میں مباشرت کرنے والے پر حد عائد نہ ہو گی۔ اگر چہ ارتکاب کرنے والا یہ کہے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ ایسے اشخاص پر حد عائد نہ ہونے کا سبب شبہہ ہے جو اس فعل کی حکمی حیثیت میں موجود ہے۔ یعنی اس کے حرام ہونے کی جو دلیل ہے وہ اس فعل کے حلال ہونے والی دلیل کے پیش نظر مشتبہ ہے، یقینی نہیں ہے۔ حالانکہ زنا ایک فعل ممنوع ہے جو محض گمان بلکہ قوی شبہہ کی بناء پر ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ (ثبوت جرم کے لیے) ضروری ہے کہ قرار واقعی اس کی تحقیق کی جائے اور بغیر کسی شک و شبہہ کے وہ ثابت

Marfat.com

ہو جائے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس بارے میں وثوق حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، تاکہ بے قصور کسی کی جان کو ناحق ہلاک نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا "ادرؤا الحدود بالشبهات" (یعنی شبہات دریافت کر کے سزائیں روک دو) یہ حدیث متفق علیہ ہے اور امت نے اسے اختیار کر لیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لان اعطل الحدود بالشبهات احب الی من ان اقیمها بالشبهات" (یعنی شبہات کی بناء پر سزاؤں سے بری کر دینا میرے نزدیک شبہات کی بناء پر سزا دینے سے زیادہ محبوب فعل ہے) حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی احکام کے اجراء میں بہت زیادہ سخت گیر تھے۔

معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے تخریج ہے کہ ان اصحاب کا کہنا ہے "اذا اشتبه علیک الحد فادراه" (یعنی جب جرم مستوجب حد کے بارے میں تجھے شبہ ہو تو سزا نہ دے) اور صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے "من اجترا علی مایشک فیه من الاثم، اوشک ان یواقع ما استبان، والمعاصی حمی اللّٰہ تعالیٰ من یرتع حول الحمی یوشک ان یقع فیه" (یعنی جو شخص ایسے فعل کی جرأت کرتا ہے جس کے گناہ ہونے میں شک ہو وہ جلد ہی غیر مشتبہ گناہ میں پڑ جاتا ہے۔ گناہ کو اللہ نے ایک چراگاہ کی مانند بتایا ہے کہ اس کے اردگرد چرنے والا جلد ہی اس کے اندر چلا جاتا ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ جس فعل کے حلال یا حرام ہونے کا علم نہ ہو احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے بچا جائے۔ اور جس فعل کا واجب ہونا یا نہ ہونا معلوم نہ ہو اسے واجب نہ بنائے اور جس فعل کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مستوجب سزا ہے یا نہیں (اسکی سزا دینے سے پہلے) تحقیق کر لینا واجب ہے۔

یہ تحقیق جرم ثابت ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز سے اقرار زنا کے بعد بھی یہ جرح فرمائی تھی "لعلک قبلت لعلک لمست، لعلک غمزت" (یعنی ممکن ہے تم نے محض اس کا بوسہ لیا ہو یا ہاتھ لگایا ہو یا بھینچا ہو) یہ تمام باتیں اس لئے تھیں کہ شاید وہ اس اقرار کے بعد جو حضورؐ کے سامنے اس نے کیا تھا۔ اب بھی یہ کہہ دے کہ جی ہاں میں نے یہی کچھ کیا تھا اس سے زیادہ نہیں۔ مزید برآں حضورؐ نے اس کے اہل خانہ سے دریافت فرمایا کہ آیا اس کی عقل برجا ہے یا اسے جنون ہے؟ پھر حضورؐ نے اس عمل کی کیفیت کے بارے میں بھی سوال کیا اور یہاں تک کہا کہ "انکتها"؟ (یعنی کیا تو نے اس کے ساتھ فعل جماع کر لیا)۔ انھوں نے کہا، جی ہاں جیسے سرمہ دانی میں سلائی۔ ان سوالات سے بجز اس کے اور کوئی مقصد نہ تھا کہ اگر وہ ان باتوں میں سے کسی کا اقرار کر لیتا تو اصل جرم سے بری ہو جاتا۔ (دوسرے معاملات میں) اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، چنانچہ جب ایک شخص نے حضورؐ کے روبرو قرض دار ہونے کا اقرار کیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ممکن ہے وہ مال تمہارے پاس امانت رہا ہو اور ضائع ہو گیا وغیرہ۔

(نفاذ حد کا معاملہ اس سے مختلف ہے چنانچہ) حضورؐ نے اس چور سے جو آپ کے پاس لایا گیا یہ فرمایا کہ کیا تم نے چوری کی ہے۔ میں تو اس کی بابت خیال نہیں کرتا کہ اس نے چوری کی ہو۔ اور "غامدیہ" سے جبکہ اس نے بدکاری کا

Marfat.com

اعتراف کیا اور وہ حاملہ تھی حضور کا سوال فرمانا ایسا ہی تھا۔ اور بارگاہ نبوت سے اسے چلے جانے اور وقت ولادت تک التوائے سزا کا بھی یہی مقصد تھا کہ ممکن ہے کہ اتنے عرصے کے بعد وہ اپنے اعتراف جرم سے پھر جائے اور اپنے اوپر حد نافذ کرنے کے مطالبہ سے باز رہے۔

ایسی ہی وہ تمام روایتیں ہیں جو ترک حد (سزائے شرعی) کے بارے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں مثلاً:

روایت ہے کہ ایک مملوکہ (لونڈی) شراحہ نے جو بدکاری کے نتیجہ میں حاملہ ہوگئی تھی امام علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے اقبال جرم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں؟ کہ وہ شخص تجھے سوتا پاکر تجھ پر آپڑا ہو۔ یا جبراً تجھ سے یہ حرکت کی ہو۔ یا ممکن ہے کہ تیرے آقا نے اس شخص کے ساتھ تیری شادی کردی ہو اور تو اسے چھپا رہی ہے۔

اسی طرح ایک عورت کسی چرواہے کے پاس آئی اور اس سے دودھ مانگا، اس نے نہ دیا، یہاں تک کہ اس عورت نے اپنا وجود اس چرواہے کے حوالہ کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اس گناہ کی پاداش میں) اس عورت پر حد نافذ نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ چرواہے نے دودھ کی شکل میں اس کا مہر دے دیا لہٰذا اب اس فعل کے جرم ہونے میں شبہہ ہوگیا اور اس عورت کو سزا نہیں دی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ طریق کار نہ تھا کہ ظنی امور پر مواخذہ فرمانے لگیں جب تک کہ ارتکاب جرم کا پورا یقین نہیں ہو جاتا تھا، حد نافذ نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عجلان اور اس کی بیوی سے لعان (حلف بریت جرم موکد بہ لعنت) لیا۔ شداد بن الہاد کہتے ہیں کہ عجلان کی بیوی وہ عورت ہے جس کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بغیر گواہی کے ثبوت کیم یں کسی کو سنگساری کی سزا دیتا تو اس عورت کو دیتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا نہیں (یعنی یہ وہ عورت نہیں ہے) وہ عورت تو مسلمانوں میں اعلانیہ بدکاری پھیلاتی تھی۔ تاہم اس کا جرم زنا نہ تو شہادت سے ثابت ہوا اور نہ اس کے اقرار سے۔ لہٰذا گناہ پھیلانے کی بناء پر اس کی حد نہیں ماری گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا "لو کنت راجماً احداً بغیر بینۃ رجمت فلانۃ، فقد ظھر منھا الریبۃ فی منطقھا، وھیئتھا، ومن یدخل علیھا" (یعنی اگر میں کسی کو ثبوت شہادت کے بغیر سنگسار کرتا تو فلانی عورت کو کرتا، کہ گفتگو حالات کے بیان اور اس کے پاس آنے والے کے بارے اس کا دھوکہ (جھوٹ) ظاہر ہوگیا ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ لعان کرنے سے کوئی شخص انکار کرے تو اس پر حد عائد نہ ہوگی، وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد "لو کنت راجماً احداً بغیر بینۃ لرجمتھا" (یعنی بغیر ثبوت لیے اگر کسی کو میں سنگسار کرتا تو اس عورت کو کرتا) اس امر کی واضح اور صریح دلیل ہے کہ الزامات کی بناء پر حد نافذ نہ کی جائے گی، کیونکہ ایسے شخص کا سزائے شرعی پانا جو مستوجب حد نہ ہو سخت ضرر رساں اور اس شخص کے لیے اور اس کے کنبہ والوں کے لیے

Marfat.com

باعث ننگ وعار ہے اور عقل اور شرع دونوں لحاظ سے قابل مذمت ہے لہٰذا حد کا نفاذ جائز نہیں ہے تا آنکہ پر از حکمت شریعت، حدود اور قصاص کے بارے میں جرم کا پورا یقین کر لینے کے بعد تمام شکوک وشبہات کے بغیر اس کی اجازت نہ دے اور حاکم کو (وقوعہ جرم کا) پورا یقین نہ ہو جائے۔ محض گمان یا قیاس نفاذ حد اور جان سے مارنے کے لیے وجہ جواز نہیں ہے۔ تہمت لگانے اور شبہہ پیدا کرنے میں خطا اور غلطی فیصلہ کا گمان ہے اس طرح کسی مسلمان کو ایذا دینا، اسے نقصان اور دکھ پہنچانا، بدنام کرنا اور عزت بگاڑنا روا نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم، فان کان له مخرج فخلوا سبیله، فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة'' ترمذی۔ (یعنی جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو سزاؤں سے بچاؤ۔ کوئی سبیل بھی بچنے کی ہو تو اسے اختیار کرو۔ اگر حاکم وقت غلطی سے معاف کر دے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ غلطی سے سزا دے دے)۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''ادرؤا الحدود بالشبهات، وادفعوا القتل عن المسلمین ما استطعتم'' (یعنی شبہوں کی بناء پر سزاؤں سے درگزر کرو اور جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کی جان بچاؤ)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بابت مروی ہے کہ انھوں نے شام کے علاقہ میں ایک شخص (جو مرتکب گناہ تھا) کے اس عذر کو قبول کیا کہ اسے زنا کے حرام ہونے کا علم نہ تھا۔ یعنی اس شبہہ کی بناء پر جسے ہر شخص اپنی بریت کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ حد نافذ نہیں فرمائی نیز ان کی اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بابت مروی ہے کہ انھوں نے ایک عجمیہ عورت کا یہ عذر جرم زنا (سے بریت) کے بارے میں قبول فرمالیا جس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ زنا حرام ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کے درمیان 'لعان' کرایا (لعان کے مسائل آگے آرہے ہیں) کیونکہ اول الذکر نے اپنی بیوی پر 'شریک بن سماء' کے ساتھ ملوث ہونے کی تہمت لگائی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اللهم بين' (یعنی خداوندا حقیقت حال ظاہر فرمادے)۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ اس عورت کے ایک بچہ پیدا ہوا جو اس شخص سے مشابہہ تھا جس پر الزام لگایا گیا تھا، لیکن اس (مشابہت) کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے 'حد' نافذ نہیں فرمائی، کیونکہ (گواہوں سے) ثبوت جرم نہیں ہوا اور نہ اس عورت نے اعتراف کیا اور حمل کا ہو جانا نفاذ حد کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ اسے سزائے زنا نہیں دی اور فرمایا ''لولا الایمان لکان لی ولها شان'' (یعنی ایمان یا لعان کا حکم نہ ہوتا تو مجھے اس عورت کے معاملہ میں دخل کی گنجائش ہوتی) پس اس حمل سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس شخص سے نہیں جوڑا گیا جس پر تہمت لگائی تھی۔

چونکہ یہ ایسا اہم جرم ہے جو جان کی ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے ثبوت کے لیے شہادت یا اقرار جرم ضروری ہے۔ چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جرم کے اقدام میں شبہات کے پیدا ہونے سے سزا تو موقوف ہو جائے گی لیکن شبہات کی تفصیل میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

اجنبی عورت کو بیوی تصور کر لینا

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنے بستر پر کسی عورت کو پایا اور یہ گمان کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس سے ہم بستر ہو گیا پھر بعد میں پتہ چلا کہ وہ کوئی اجنبی عورت ہے تو اس شخص پر حد جاری ہو گی کیونکہ اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ شخص اس عورت سے بات چیت کر کے، اس کی نقل و حرکت کو دیکھ کر، اس کو ہاتھ لگا کر اور مس کر کے یہ تو معلوم ہی کر سکتا تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے؟ لہٰذا یہ کوئی شبہہ نہیں کہ حد سے بچا سکے۔ تاہم اگر وہ قسم کھا کر کہے کہ اس شخص نے اسے اپنی بیوی سمجھا تھا تو اس کی قسم کو تسلیم کر لیا جائے گا۔

اسی طرح اگر نابینا شخص اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور کوئی عورت اس کے جواب میں آجائے اور یہ نہ بتائے کہ فلاں عورت ہوں۔ پھر وہ شخص اس سے مباشرت کر لے اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ اجنبی عورت تھی تو اس نابینا شخص پر حد نافذ ہو گی اور اسے شبہہ تصور نہ کیا جائے گا کیونکہ نابینا شخص اور ظن سے کام کرنے والا ہوشیار اور نہایت تجربہ کار ہوتا ہے اور وہ اپنی بیوی اور پرائی عورت کا امتیاز بخوبی کر سکتا ہے۔

حنفی علماء اس خرابی کا سد باب کرنا چاہتے ہیں تاکہ معاشرہ میں برائی پھیلنے کا ذریعہ باقی نہ رہے۔ ان کا یہ حکم امت مسلمہ کی بہتری کے پیش نظر ہے تاکہ مفسدہ پردازوں کو یہ جرأت نہ ہو کہ قصداً ایسی حرکتوں کا ارتکاب کریں اور یہ سمجھتے رہیں کہ ان پر حد نافذ نہ ہو گی کیونکہ یہ ارتکاب شبہہ میں کیا گیا ہے۔ لیکن محض اس لئے کہ کوئی عورت اس کے بستر پر گئی ہے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اس کے لیے حلال ہے اور جو کچھ اس نے کیا ہے وہ گمان پر مبنی ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ان دونوں حالتوں میں مرتکب پر حد نافذ نہ ہو گی۔ کیونکہ اس میں شبہہ کا وجود ہے اور ایک حد تک ایسا عذر پایا جاتا ہے کہ اس مباشرت کو روا سمجھا جا سکے۔ کیونکہ اس شخص نے عورت کو اپنے بستر پر پایا اور یہ کہ اس نے اپنی بیوی کو بلایا جس کا جواب غیر عورت نے دیا۔ پھر یہ کہ اس شخص نے یہ خیال کیا کہ یہی وہ عورت ہے جس کے ساتھ زفاف (یعنی پہلی بار شب بسری) ہونا ہے ان تمام باتوں سے اس فعل کے حلال سمجھے جانے کا گمان ہو سکتا ہے۔

غلط فہمی کی ایک اور صورت

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے ملنے کے لیے وقت اور جگہ کا تعین کیا۔ لیکن اتفاق سے اس کی بجائے کوئی اور لونڈی عین وقت مقررہ پر اسی جگہ آ گئی، اور اس شخص نے یہ سمجھ کر کہ یہ اس کی لونڈی ہے جس سے وقت مقرر ہوا تھا مباشرت کر لی۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور عورت ہے تو ان دونوں میں سے کسی پر حد عائد نہ ہو گی اور اس فعل کا ارتکاب شبہ کی بناء پر سمجھا جائے گا کیونکہ وہ عورت عین بر وقت اور اسی جگہ پر آئی جہاں آنے کے لیے لونڈی سے وعدہ کیا گیا تھا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اس عورت پر حد نافذ ہو گی کیونکہ اسے سب کچھ معلوم تھا پھر بھی اس نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ (ایسی صورت میں) یہی حکم مرد کے بارے میں ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کسی لونڈی سے وعدہ کیا کہ میں فلاں جگہ میدان میں تیرے پاس آؤں گا۔ ایک اور لونڈی کو یہ بات معلوم ہو گئی اور وہ (عین

Marfat.com

وقت مقررہ پر) وہاں پہنچ گئی۔ اس شخص نے بایں گماں کہ یہ وہی ہے جس سے وعدہ ہوا تھا، اس سے مباشرت کر لی۔ بعد میں اس غلط فہمی کا علم ہوا تو وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا، آپ نے کہا کہ حضرت علی بن ابوطالب کے پاس جاؤ پس اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا، انھوں نے فرمایا کہ میری رائے میں تجھے کھلے میدان میں درے لگائے جائیں اور تو ایک غلام آزاد کر اور اس عورت کو بدکاری کی پاداش میں سزا دی جائے۔

غیر عورت سے زفاف ہو جانے کا بیان

چاروں امام اس پر متفق ہیں کہ اگر ایک شخص کے پاس پہلی رات کو زفاف کے لیے کوئی عورت لائی جائے جو اس کی بیوی نہ ہو اور عورتیں کہیں کہ یہ تیری بیوی ہے اور وہ شخص اس سے مباشرت کرے پھر بعد میں معلوم ہو کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے اسے دھوکے میں رکھا گیا ہے تو اس پر حد نافذ نہ کی جائے گی کیونکہ یہ جرم شبہ ہے۔ البتہ اس شخص پر مہر لازم ہو جائے گا اور مزفوفہ عورت (جس کے ساتھ ہم بستری ہوئی) کو عدت گزارنا ہوگی اور جو اولاد اس سے پیدا ہو وہ اس شخص کی اولاد قرار پائے گی اور جن عورتوں نے اس کے بارے میں دروغ بیانی کی تھی ان پر تہمت کی حد بھی نافذ نہ ہوگی۔ اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی حکم دیا ہے کیونکہ کوئی شخص پہلی بار دیکھ کر اپنی بیوی کو نہیں پہچان سکتا جب تک کہ عورتیں نہ بتائیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں ان عورتوں کا بتانا اس عورت کے حلال ہونے کا ثبوت ہے اور ان کے کہنے ہی سے اس شخص کا حق اس عورت پر ہوا۔ اس لیے کہ معاملات میں فرد واحد کی گواہی قابل قبول ہے اور اس کے بموجب عمل کیا جائے گا۔

بے شوہر عورت کے حمل ہو جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی آزاد عورت کو جس کا خاوند نہ ہو یا کوئی لونڈی ہو جس کا نہ کوئی خاوند ہو اور نہ اس کا آقا ہو حمل ہو جائے تو اس کی بابت اس سے پوچھا جائے اگر وہ عورت کہے کہ مجھے بدکاری پر مجبور کیا گیا۔ یا (کسی اور کے) شبہ میں میرے ساتھ مباشرت ہوگئی تو اس کا یہ عذر مان لیا جائے گا اور اس پر حد نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ صورت حال بھی ایسی ہی ہے جیسے کوئی اقرار زنا کرنے کے بعد یہ بیان دے کہ یہ فعل جبراً اس کے ساتھ کیا گیا۔ اس کی بابت حنفیہ کی دلیل، مسماۃ شراحہ والی حدیث ہے کہ (اس کے اقرار زنا پر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس سے کہا کہ "ممکن ہے تیرے ساتھ جبر کیا گیا ہو لیکن عورت نے کہا کہ نہیں (مجھ پر جبر نہیں کیا گیا) پھر فرمایا کہ "شاید تیرے سوتے میں کسی نے آکر تیرے ساتھ یہ زیادتی کی ہو۔ یہ تنقیح اس لیے ہے کہ شریعت اسلامیہ میں سزاؤں کی تشہیر کو ناپسند کیا گیا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے بیان کیا کہ ایک عورت نے بیان کیا کہ اسے بڑی غفلت کی نیند آتی ہے (اسی حالت) میں ایک شخص نے اس کے ساتھ زبردستی بیجا حرکت کی اور اس کے بعد اسے چھوڑ کر چلا گیا وہ یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ شخص کون تھا)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر حد نافذ نہیں فرمائی اور اس بیان کو اس کے ارتکاب جرم میں شبہ قرار دے کر اس کا عذر قبول کر لیا۔

مسلمانوں کے درمیان اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس کے ساتھ زنا بالجبر کیا جائے وہ مستوجب سزا نہیں ہے۔ البتہ وجوب مہر کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور بنائے اختلاف یہ ہے کہ آیا 'مہر' عوض بضع، (معاوضہ) ہے

Marfat.com

یا 'نحلہ' (عطیہ) ہے۔ جولوگ کہتے ہیں کہ مہر معاوضہ (حق مباشرت) ہے ان کے نزدیک (اس مباشرت کے عوض) مہر لازم الادا ہوگا خواہ مباشرت حلال ہو یا حرام ہو، اور جولوگ کہتے ہیں کہ مہر "عطیہ" ہے۔ ان کے نزدیک مہر کی ادائیگی صرف شوہروں کے لئے مخصوص ہے اور ان پر واجب الادا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (ناجائز حمل کے بارے میں) ان کے دو اقوال ہیں اور دونوں میں سے زیادہ قوی یہ ہے کہ زنا بالجبر کی صورت میں عورت پر حدّ نافذ نہ ہوگی اگرچہ وہ اپنی مجبوری کے ثبوت میں ایسے واقعات نہ بیان کر سکے جو اس کے دعوے کی تصدیق کرتے ہوں اور نہ اس شخص کی بیوی ہونے کے ثبوت میں گواہ لا سکے کیونکہ نفاذ حد گواہوں کی گواہی یا اقرار جرم کے بغیر نہیں ہوسکتا اور اس صورت میں ان دونوں میں سے کوئی بات موجود نہیں ہے (یعنی نہ جرم کے گواہ ہیں اور نہ عورت کو اقرار ہے لہٰذا ارتکاب جرم میں شبہ ہے) اور شبہات پیش آنے پر سزا ساقط ہوجاتی ہے غرض محض حمل ہوجانے سے نفاذ حد واجب نہ رہے گا۔ اس کے لیے اقرار جرم یا گواہی زنا ضروری ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ عورت اپنے قبیلہ میں رہتی ہے اور غیر مقامی یا باہر سے آئی ہوئی نہیں ہے تو اس پر حد زنا نافذ ہوگی اور اس کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ تا آنکہ اس کے بیان کی سچائی واضح نہ ہوجائے۔ بایں طور کہ وہ اپنی مجبوری کی علامات بتائے یا ایسے گواہ پیش کرے جن سے معلوم ہوسکے کہ اس شخص کے ساتھ اس کی شادی ہوچکی ہے یا ایسی کوئی اور بات بیان کرے جس سے اس کے بیان کی سچائی ظاہر ہو۔ کیونکہ حمل ہوجانے سے وہ عورت مستوجب 'حد' ہوجائے گی اور بغیر ثبوت کے اس الزام سے بری نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر وہ عورت غیر مقامی ہے تو اس کی بات 'شبہ کی بناء پر' مان لی جائے گی اور وثوق کے ساتھ اسے مستوجب حد قرار نہیں دیا جائے گا۔

شادی شدہ مرد کا غیر شادی شدہ عورت سے ملوث ہونے کا بیان

اگر ایک شادی شدہ اور آزاد شخص کنواری عورت یا (کسی کی) لونڈی سے یا جبراً کسی عورت سے بدکاری کرے تو ان تمام صورتوں میں بالاتفاق علماء شادی شدہ مرد کو سنگسار کیا جائے۔ کیونکہ (ارتکاب جرم میں) کوئی شبہ ایسا نہیں ہے جو حد کو ساقط کردے۔ کنواری عورت کو سو دُرے لونڈی کو پچاس درے کی سزا دی جائے اور مجبور عورت کو کوئی سزا نہ ملے گی۔

سلطان (یا صاحب اقتدار) کا کسی کو زنا پر مجبور کرنا

اگر بادشاہ کسی کو زنا کرنے پر مجبور کرے یہاں تک کہ وہ کسی عورت سے ملوث ہوجائے تو اس مرتکب زنا پر حد نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس کام پر مجبور کرنے والا سبب یعنی تلوار موجود ہے۔ اسی طرح اگر عورت کو سلطان مجبور کرے تو بالاتفاق اس عورت پر حد نافذ نہ ہوگی۔ ہاں اگر سلطان کے علاوہ کسی اور شخص نے زنا پر مجبور کیا تو اس صورت میں حکم کے بارے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ اس فعل کے ارتکاب کا تصور ہی نہیں ہوسکتا جب تک عضو مخصوص میں استادگی پیدا نہ ہوا گر یہ کیفیت پیدا ہو تو وہ مرد کی خواہش اور رضامندی کا ثبوت ہوگا۔ (لہٰذا جبر متصور نہ ہوگا)۔

Marfat.com

شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور صاحبین (امام محمد و امام ابو یوسف رحمہا اللہ) کہتے ہیں کہ سلطان کے علاوہ کسی کے مجبور کرنے پر بھی مرتکب زنا پر حد عائد ہو گی۔

زنا بالجبر کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مرد عورت کے ساتھ جبراً بدکاری کا مرتکب ہو تو اس مرد پر حد نافذ ہو گی۔ عورت پر حد نافذ نہ ہو گی۔ کیونکہ اسے مجبور کیا گیا تھا۔ اور اس سے بچنا اس کے اختیار میں نہ تھا۔ وہ عورت مہر مثل کی حقدار ہو گی خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی (مملوکہ) اگر وہ حاملہ ہو جائے تو پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس شخص سے جوڑا جائے گا اور عورت کو عدت گزارنا ہو گی۔

اگر وہ عورت مملوکہ (لونڈی) ہے اس کی قیمت ہنوز پوری ادا نہ ہوئی ہو تو وہ شخص مہر کے علاوہ بقایا قیمت بھی مہر کے ساتھ ادا کرے گا اور آزاد عورت کو اگر کوئی زیاں (جسمانی پامالی) پہنچا ہے تو اس کی دیت (تاوان) ادا کرنا ہو گا۔ اور مرد کے ذمہ ادائے تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر اس زیادتی کے باعث عورت مر جائے تو اس مرد کو آزاد عورت کا خون بہا اور لونڈی ہو تو اس کی قیمت اور مہر ادا کرنا ہو گا۔

بدکاری کے معاوضہ کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ بدکاری کا معاوضہ طے کیا اور عورت نے منظور کر لیا اور مرد نے اس سے مباشرت کی تو اس کی پاداش میں کسی پر 'حد زنا' عائد نہ ہو گی۔ البتہ حاکم وقت جو سزا مناسب سمجھے وہ دے سکتا ہے۔ یہ دونوں قیامت کے روز بدکاری کے گنہگار قرار دیے جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نے جنگل میں کسی چرواہے سے کہا کہ وہ اسے پینے کے لیے دودھ دے دے۔ چرواہے نے کہا کہ جب تک تو اپنے وجود کو میرے حوالے نہیں کرتی میں دودھ نہ دوں گا۔ عورت نے اپنی ضرورت اور طلب خوراک کے پیش نظر اس کی بات مان لی۔ چرواہے نے اس سے مباشرت کی۔ پھر یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش ہوا آپ نے ان دونوں پر حد نافذ نہیں فرمائی اور کہا کہ وہ دودھ ہی اس کا مہر ہو گیا۔ اور اس دودھ کو معاوضہ (یا اجرت) قرار دیا کیونکہ اجرت حصول منفعت کا اختیار حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے اور عورت کی اندام نہانی سے مباشرت بھی ایک منفعت ہے لہٰذا ارتکاب جرم میں دونوں کے حق میں شبہہ کی گنجائش ہے (ظاہر ہے کہ شک کا فائدہ مجرم کو ملتا ہے) واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مہر کو اجرت سے تعبیر فرمایا ہے "فاتوھن اجورھن فریضۃ" (یعنی بیویوں کو ان کی طے شدہ اجرت یا مہر ادا کر دو) پس یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ 'امھرک کذا' (یعنی میں تیرا مہر اس قدر مقرر کرتا ہوں) تو یہ صورت نکاح فاسد کی ہے۔

اس مہر کی وصولیابی خواہ عورت (آزاد) کا ولی کرے یا لونڈی کا آقا یا خود عورت اور وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی جو کسی کی منکوحہ نہ ہو۔

یاد رہے کہ معاوضہ پر سودا کر لینے کے بعد مباشرت کرنا جرم زنا کو مشتبہ بنا دیتا ہے جس سے حد (سزائے شرعی)

Marfat.com

سے بچا جا سکتا ہے تاہم ایسا کرنا (بہر حال) فعل حرام ہے۔

صاحبین (امام محمد وامام ابو یوسف رحمہما اللہ) کہتے ہیں کہ (صورت مذکرہ میں) حدّ کا نافذ کرنا واجب ہے کیونکہ عورت کو اندام نہانی کی اجرت دے کر کوئی شخص مباشرت کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اجرت دی ہو یا نہ دی ہو ایک ہی بات ہے اس سے جرم زنا میں شک پیدا نہیں ہوتا جو حد کو باطل کر دے پس اس شخص کا یہ کام غیر مشروط متصور ہوگا (صاحبین کی) یہ رائے قابل ترجیح ہے اور مسلک حنفیہ میں اس پر عمل درآمد ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس صورت مذکورہ میں دونوں پر حد نافذ ہوگی اور اجرت دینے سے اس فعل کے جرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا جو نفاذ حد سے روک دے۔ اجرت مقرر کرنے سے عورت کا جسم شرعاً اور عرفاً مرد پر مباح نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک عورت کو کھانا وغیرہ پکانے کے لیے اجرت پر (ملازم) رکھے اور اس کے ساتھ بدکاری کرلے تو اس شخص کو بدکاری کی سزا دی جائے گا۔ کسی عالم کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔

کنوارپنے اور شادی شدہ ہونے کی حالت میں ارتکاب گناہ کرنا

حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ بھی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جبکہ کنوارا تھا بدکاری کی اور ہنوز اس کی سزا نہ ملی تھی کہ اس نے شادی کی اور پھر بدکاری کی تو اس شخص کو درہ زنی اور سنگساری دونوں سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ بلکہ اسے محض سنگسار کیا جائے گا۔ کیونکہ جب اس کا قتل کیا جانا یا سنگسار کیا جانا واجب ہو چکا ہے تو درہ زنی سے کیا فائدہ؟ درہ زنی سے آئندہ کی اصلاح جو مقصود تھی وہ مقصد تو اب رہا ہی نہیں۔

عدت کے دوران عقد کر لینے کا بیان

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے ایسی عورت سے عقد نکاح کیا جو اپنے پہلے خاوند کی عدت میں ہے اور اس شخص نے اس عورت سے مباشرت کرلی تو اس پر سزائے زنا عائد ہوگی۔ یعنی اگر وہ کنوارا ہے تو اسے سو درے لگائے جائیں گے۔ اگر شادی شدہ ہے تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ لیکن اس کو مشتبہ عقد قرار نہ دیا جائے گا کہ دونوں کو سزائے زنا سے بری کر دیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ان پر حد (سزائے شرعی) نافذ کرنا واجب نہیں ہے، البتہ انھیں سزا دی جائے گی کیونکہ اس عقد کے درست ہونے میں شبہ ہے اور جہاں شبہ ہو ملزموں کو سزا نہیں دی جاتی۔ نفاذ حدود کا انحصار شہادتوں پر ہے۔

چار بیویوں کے ہوتے پانچویں سے عقد کرنے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کی چار بیویاں ہیں اور پانچویں سے اس نے عقد کیا اور جانتا تھا کہ پانچویں سے شادی کرنا حرام ہے تو اس پر 'حد زنا' نافذ کی جائے گی لیکن اگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ حرام ہے اور عقد نکاح ہو گیا تو وہ مستوجب حد نہ ہوگا اور اس فعل کے حرام ہونے سے ناواقفیت کا جرم مشتبہ ہو جائیگا اور نفاذ حد کو موقوف کر دیا جائے گا۔ اور خارجیوں کے اس قول پر اعتبار نہیں کیا جائے گا جو کہتے ہیں کہ نو عورتوں تک (بیک وقت) بیویوں کا رکھنا جائز ہے اور اس کے لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ کی بیک وقت آٹھ بیویاں تھیں اور یہ حضورؐ کے لیے مخصوص اجازت نہ

Marfat.com

تھی۔ آپ ہمارے رہنما ہیں ہم ان کی پیروی کر سکتے ہیں۔ نیز وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ثبوت لاتے ہیں کہ "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع" (یعنی تم اپنی حسب پسند دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو)۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ چار بیویوں سے زیادہ رکھنا حضورؐ کی خصوصیات میں سے تھا۔ آیت میں جو حرف 'وْ' (عطف بمعنیٰ 'اور') آیا ہے اس کا مطلب 'اوْ' (حرف تردید بمعنیٰ 'یا') ہے یعنی ان سب کو نکاح میں جمع کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ان (دو، تین یا چار) میں سے کسی تعداد کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ ایک روایت ہےکہ ایک شخص مسلمان ہوا اس کی دس بیویاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ چار کو رکھ لے باقیوں کو چھوڑ دے۔

محارم (جن سے نکاح حرام ہے) سے نکاح کر لینے کا بیان

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے، ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسی عورت سے عقد نکاح کرے جس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے خواہ وہ پیدائشی رشتہ سے حرام ہو جیسے ماں، بہن یا نسبی اور دودھ کے رشتہ سے حرام ہو، پھر اسی عقد کی بناء پر اس کے ساتھ مباشرت کرے اور جانتا ہو کہ یہ فعل حرام ہے تو اس پر نفاذ حد واجب ہے، کیونکہ اس عقد سے وہ عورت (جو ہمیشہ کے لئے حرام ہے) حلال نہیں ہو سکتی پھر خود اس شخص کے نزدیک بھی اس فعل کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ تاہم اس کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہو جائے وہ اسی شخص کی طرف منسوب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر 'حد' کا نفاذ واجب نہیں ہے اگرچہ وہ یہ کہتا ہو کہ میں جانتا تھا کہ یہ فعل حرام ہے۔ تاہم اس فعل سے اس شخص پر ادائیگی مہر واجب ہوگی اور پیدا ہونے والے بچہ کا نسب اس سے وابستہ کیا جائے گا۔ اور اسے تمام سزاؤں میں سب سے بڑی سزا دی جائے گی لیکن یہ سزا سیاسی نوعیت کی ہوگی شرع کی مقرر کردہ سزا نہ ہوگی۔ بشرطیکہ جان بوجھ کر اس شخص نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہو، لیکن اگر وہ (اس فعل کے) شرعی حکم سے ناواقف تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ فعل حرام ہے تو اسے نہ شرعی حد ماری جائے گی اور نہ تنبیہاً سزا دی جائے گی۔

اس مسئلہ میں قابل ترجیح قول وہ ہے جو جمہور ملت کا ہے۔

واضح ہو کہ یہ اختلاف مہر اس صورت میں ہے جہاں دودھ یا رشتہ ازدواج سے حرام ہونے والی عورت کے ساتھ ملوث ہونے کا معاملہ ہو۔ اور اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا اس فعل کے ارتکاب میں شبہ تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ سو جمہور فقہاء کے نزدیک تو اس فعل کے جرم ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور امام زفر کے نزدیک یہ عقد شبہ کا ہے اور اس کے جرم ہونے میں شک ہے۔ شک کی گنجائش کا انحصار اس سوال پر ہے کہ آیا یہ عقد اپنی جگہ پر درست تھا یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ یہ عقد بجائے خود درست نہیں ہے کیونکہ جن کے درمیان عقد ہوا ہے ان میں باہم عقد ہو ہی نہیں سکتا جس سے عورت مرد پر حلال ہو جاتی ہے۔ یہ عورتیں بہرحال اس مرد پر حرام ہیں، لہٰذا گو بظاہر یہ عقد ہے لیکن نافذ العمل نہیں ہو سکتا کیونکہ اپنے محل میں واقع نہیں ہوا (یعنی جن میں باہم عقد ہو سکتا تھا ان میں نہیں ہوا) یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک مرد کسی مرد سے عقد ازدواج کرے۔

اس مسئلہ میں تینوں اماموں اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے قول پر فتوے ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ یہ

Marfat.com

عقد مشکوک متصور نہ ہوگا بلکہ یہ (قطعی طور پر) گناہ اور جرم مستوجب سزائے زنا ہے۔

محارم سے بدکاری کرنے کا بیان

اگر کسی شخص نے اپنے محرم سے (جس کے ساتھ نکاح حرام ہے) بدکاری کی، خواہ اس کے ساتھ مباشرت ازدواجی رشتہ کی بناء پر حرام ہو یا دودھ کے رشتہ کی بنا پر۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی گردن ماردی جائے اور اس جرم کی پاداش میں اس کا تمام مال (بحق حکومت) ضبط کر کے بیت المال (خزانہ حکومت) میں داخل کر دیا جائے تا کہ اسے قرار واقعی سزا ملے اور دوسروں کے لیے موجب عبرت ہو کہ اتنے بڑے گناہ کی جرأت نہ کریں۔

امام احمد اور اسحاق سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے باپ کی بیوی سے ملوث ہو، اس کی سزا قتل ہے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا کنوارا۔ چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں کو ہاتھ میں ایک رات (علم یا نیزہ) اٹھائے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا، کہاں کا ارادہ فرمایا؟ انہوں نے کہا ''بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم الى رجلٍ نكح امرأة ابيه، ان اضرب عنقه، و آخذ ماله'' ابوداؤد و ترمذی (یعنی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ فلاں شخص کی، جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، گردن اڑا دوں اور اس کا مال ضبط کر لوں)۔ محدثین کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''من وقع على ذات محرم منه، فاقتلوه'' (یعنی جو شخص اپنے محرم سے ملوث ہوا سے قتل کر دو) کیونکہ وہ شخص اللہ کی حرام کردہ شے کو حلال کرنے کا مجرم ہے۔ چونکہ یہ عمل اسلام سے مرتد ہو جانا ہے لہٰذا ایسے شخص کا قتل کیا جانا حلال ہے اور اس کا مال تمام مسلمانوں کے مشترکہ خزانہ میں داخل کر لیا جائے اور ایسا ہونا کفر کا لازمی نتیجہ ہے۔

واضح ہو کہ یہ حدیث ہر ایسے نکاح پر منطبق ہے جو محرم سے کیا جائے اور ہر ایسے شخص کو شامل ہے جو محرم عورت سے بدکاری کرے۔ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ جو شخص محرم عورت سے جس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے شادی کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اس شخص نے فطرت انسانی سے بغاوت کی اور حیوانیت کے درجہ پر اتر آیا۔ آدمیت سے خارج ہو گیا، اپنی برتری کھو بیٹھا اور شرافت و شعور سے بیگانہ ہو گیا لہٰذا اس مذموم فعل کی پاداش میں جس سے ہر صحیح العقل انسان متنفر ہے، مستوجب قتل ہے۔

معاویہ بن قرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے (یعنی معاویہ کے) دادا کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ وہ اس شخص کو جس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی تھی قتل کر دیں اور اس کے مال سے خمس (پانچواں حصہ) ضبط کر لیں۔ یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس شخص نے اس فعل کو حلال کر لیا اور بدیں سبب وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس نے ایسی عورت سے مباشرت کی جس پر اسے کوئی حق نہ تھا اور نہ حق کا شبہ ہو سکتا تھا۔ وہ عورت اس پر حرام تھی اور اس کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور اس فعل کا مرتکب مستوجب حد ہے اور چونکہ وہ اس فعل کے حرام ہونے سے واقف تھا لہٰذا اس پر حد کا نافذ کیا جانا واجب ہے۔

Marfat.com

آقا (مالک یمین) کا اپنی شادی شدہ لونڈی سے مباشرت کرنا

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر آقا اپنی لونڈی سے جس کی شادی کسی اور سے ہوئی ہے مباشرت کرے تو اس پر حد واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں سابقہ ملکیت کے باقی رہنے کا شبہ وہ کر سکتا ہے۔ اس شک کی بنا پر حد ساقط ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اس پر سزائے حد کا عائد کرنا واجب ہوگا اور اس کا یہ عذر (کہ اس نے مالک ہونے کے شبہے میں مباشرت کی) قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں اس شک کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اسی نے شادی کی اور شادی کے بعد وہ اپنے حق سے دست بردار ہو گیا اور وہ لونڈی کسی اور کے تصرف میں چلی گئی اور قطعی طور پر وہ اس شخص کے لیے حرام ہو گئی اور اس کی ملکیت سے باہر ہو گئی تو شک وارد ہونے کا امکان نہ رہا اور اس شخص پر بالاتفاق حرام ہو گئی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مرتکب زنا کا عورت کے حال سے ناواقف ہونے کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک اجنبی عورت کے ساتھ تخلیہ کرتے ہوئے پکڑا جائے اور یہ کہے کہ اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا ہے یا یہ کہ اسے معلوم نہ تھا کہ اس کا کوئی خاوند ہے یا وہ عدت کے دن کاٹ رہی ہے اور نہ اسے یہ علم ہے کہ وہ عورت اس کی رشتہ دار محرم یا اس کی دودھ شریک بہن ہے یا اس کی ساس ہے۔ تو اس بارے میں اس سے حلف لیا جائے گا۔ اگر وہ حلف اٹھالے تو اس کی سزائے 'حد' ساقط ہو جائے گی اور حد نافذ نہ ہوگی۔ البتہ مہر ادا کرنا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی (خطا کرنے والی) عورت یہ کہے کہ وہ اس سے ناواقف ہے کہ اس کا کوئی خاوند ہے یا یہ کہ وہ عدت میں ہے تو اس سے حلف لیا جائے گا اور حلف کے بعد اس کا بیان تسلیم کر لیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی لیکن اگر حلف اٹھانے سے انکار کرے تو اس پر 'حد' جاری ہوگی۔

اگر (مرتکب) مرد کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ اس عورت کا خاوند ہے یا یہ کہے کہ میں جانتا تھا کہ یہ عدت کے دن گذار رہی ہے یا یہ کہ وہ عورت اس کی محرمات میں سے ہے اور اسے اعتراف ہو کہ وہ اس پر حرام ہے۔ ان تمام صورتوں میں اس پر حد واجب ہوگی اور مہر لازم ہوگا۔ اگر عورت اقرار کرے کہ وہ جانتی تھی کہ اس کی شادی ہو چکی ہے اور وہ اپنے خاوند کے قبضہ میں ہے یا یہ کہ وہ عدت میں ہے وغیرہ تو اس پر حد زنا لاگو ہوگی کیونکہ اب اس کے جرم ہونے میں کوئی شک نہ رہا۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی عدت گزارنے والی بیوی سے، عدت گزارنے کے بعد مباشرت کی یا کسی اور خاوند کی عدت گزارنے والی عورت سے مباشرت کی تو اس پر حد نافذ ہوگی۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی موجودگی میں سالی سے شادی کر لی تو وہ مستوجب سزا ہے۔ ہاں اگر وہ کہے کہ مجھے اس کی بابت شرع کا حکم معلوم نہ تھا تو ناواقف ہونے کا یہ عذر تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر کسی شخص کو ایسی عورت سے بدکاری پر مجبور کیا گیا جو اس پر راضی تھی۔ لیکن اس کا کوئی خاوند یا مالک نہیں ہے ایسے شخص پر حد نافذ کرنے کی بابت اختلاف ہے۔ مشہور قول یہی ہے کہ اسے سزائے حد دی جائے گی لیکن اگر اس عورت کا خاوند یا مالک ہے تو اس کا حق ملحوظ رکھتے ہوئے اس

Marfat.com

شخص پر بالاتفاق حد نافذ ہوگی۔

بیوی کی مملوکہ لونڈی سے بدکاری

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو اس کی بیوی نے اپنی لونڈی سے مباشرت کی اجازت دے دی اور اس نے مباشرت کرلی۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ میں نے حلال سمجھ کر یہ کام کیا تھا تو اس کی یہ بات تسلیم کرلی جائے گی۔ جرم مشتبہ ہوجائے گا اور حد ساقط ہوجائے گی کیونکہ یہاں اس شبہ کا امکان ہے کہ بیوی کے مال پر خاوند کا حق ہوتا ہے خاص کر اس صورت میں جب کہ منکوحہ بیوی نے اسے اپنے مال میں تصرف کی اجازت دے دی ہو۔ گویا اس نے خاوند کو حق ملکیت دے دیا۔ لیکن اگر خاوند کہتا ہے کہ میں جانتا تھا کہ اس سے مباشرت حرام ہے تو اس پر حد لاگو ہوگی۔ کیونکہ اب (جرم کے ارتکاب میں) ایسا کوئی شبہ نہیں رہا جو سزا کو ساقط کردے۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں حد نافذ ہوگی۔ اگر وہ شخص کنوارا ہے تو درہ زنی کی سزا پائے گا ورنہ سنگسار کیا جائے گا کیونکہ اس شخص نے ایسی عورت کے ساتھ مباشرت کی جس پر اسے نہ تو پورا حق حاصل تھا نہ وہ اس کی ملکیت میں شریک تھا اور نہ یہ شبہ تھا کہ وہ اس کی منکوحہ ہے۔ لہٰذا وہ مستوجب حد ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو (بہرحال) سو درے مارے جائیں گے، اگرچہ وہ شادی شدہ ہو۔ شبہ کا فائدہ صرف اس قدر ہوگا کہ اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا اور شک کے پیش نظر اس کی سزا میں تخفیف کردی جائے گی۔ تاہم حد کلی طور پر ساقط نہ ہوگی جیسا کہ احناف کہتے ہیں۔ کیونکہ محدثین سے بسند حسن روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کی لونڈی سے ملوث ہوگیا۔ یہ معاملہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا جو کوفہ کے حاکم (گورنر) تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں تمہارا فیصلہ رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق کروں گا کہ "ان کانت احلتھا لک جلدتک مائة، و ان لم تکن احلتھا لک رجمتک" (یعنی اگر بیوی نے اسے تیرے لیے حلال کردیا تھا تو تجھے سو دُرّوں کی سزا ہوگی اور اگر اس نے حلال نہیں کیا تھا تو تجھے سنگسار کیا جائے گا)۔

غیر مسلم حربی کی بدکاری کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم حربی (جو برسر جنگ ہے) کسی ذمیہ عورت سے (یعنی ایسی غیر مسلم عورت سے جو مسلمانوں کی پناہ میں ہو) بدکاری کرے۔ اور اگر ایک شخص کو کسی مطاوعہ عورت سے (جو اس گناہ پر راضی ہو) بدکاری پر مجبور کیا گیا ہو تو وہ ذمیہ اور مطاوعہ (راضی ہونے والی عورت) مستوجب حد ہے اور اس حربی (برسر جنگ دشمن) اور جبر کے تحت ارتکاب زنا کرنے والے پر حد نافذ نہ ہوگی، کیوں کہ حدیث میں ہے "رفع عن امتی الخطاو النسیان، وما استکرھوا علیه" (یعنی حضور کا ارشاد ہے کہ میری امت سے بھول چوک میں یا جبر کے تحت کوئی گناہ سرزد ہو تو اس پر گرفت نہ ہوگی)۔

اور اگر حربی (دشمن) دارالاسلام (اسلامی حکومت کے علاقہ) میں آکر مسلمان ہوجائے اور بدکاری کرے اور یہ کہے کہ میرا گمان یہ تھا کہ بدکاری حلال ہے، تو اس کی اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور اس پر حد نافذ کی جائے

Marfat.com

گی، اگر چہ یہ حرکت اس سے پہلے ہی روز جب کہ وہ اسلامی علاقہ میں آیا سرزد ہوئی ہو۔ کیونکہ 'زنا' ہر دین و مذہب میں حرام ہے۔

مجاہد کا مرتکب زنا ہو جانا

کوئی مسلمان فوجی (مجاہد) بدوران جہاد غنیمت میں ہاتھ لگی ہوئی کسی لونڈی کے ساتھ تقسیم غنیمت سے پہلے ہی مباشرت کرلے تو اس پر حد نافذ نہ کی جائے کیونکہ اس کا جرم مشتبہ ہے بدیں جہت کہ علاقہ جنگ میں (ارتکاب جرم پر) حد نافذ نہیں ہوتی اور نہ بدوران جنگ حد عائد ہوتی ہے تا آنکہ وہ شخص دشمن سے نہ مل جائے۔ وہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ دشمن کو شکست ہو جائے اور مال غنیمت میں اس کا شریک ہونا مسلم ہو۔ اور اس کی مقدار زیادہ ہو اور لشکریوں کی تعداد کم ہو۔

مشرکین اہل کتاب کا مرتکب زنا ہونا

اگر دو شادی شدہ مشرکوں نے بدکاری کی اور ان کی بدکاری گواہوں کی شہادت یا مجرموں کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو اس بارے میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں:

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا کیونکہ مشرکوں میں 'احصان' (پاکبازی) کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ سنگساری کی بجائے اور سزا دی جائے گی۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر اہل کتاب اس بارے میں مسلمانوں سے فیصلہ کے طالب ہوں اور وہ اس بات کو ماننے پر آمادہ ہوں کہ مسلمانوں کی عدالت میں جو معاملہ پیش کیا جائے گا اسے وہ تسلیم کرلیں گے۔ اور پھر جب (اسلامی نقطہ نظر سے) ان کا جرم زنا ثابت ہو جائے تو ان پر حد جاری کی جائے گی۔ یعنی اگر وہ شادی شدہ ہیں تو انہیں سنگسار کیا جائے گا اور کنوارے ہیں تو سو دُرّے مارے جائیں گے اور انہیں ایک سال کے لیے اتنے دور فاصلہ پر جلاوطن کیا جائے گا جس پر نماز کا قصر کرنا لازم ہوتا ہے چنانچہ حضرت نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، مدینہ منورہ میں، ایک یہودی مرد اور یہودیہ عورت کو، جو زنا کے مرتکب ہوئے تھے اور پھر حضور سے فیصلہ کے طالب ہوئے تھے، سنگسار کئے جانے کا حکم دیا ہے' و اذا حکمت فاحکم بینھم بالقسط "(یعنی اہل کتاب کے درمیان منصفانہ فیصلہ کرو) اور یہ کہ' و ان احکم بینھم بما انزل اللہ "(یعنی ان کے معاملہ میں اللہ کی فرستادہ وحی کے مطابق فیصلہ کرو) اس کا یہی مطلب ہے۔ پس یہودیوں کے درمیان امور دنیا میں سے کسی امر کی بابت وہی فیصلہ کیا جائے گا جو مسلمانوں کے درمیان ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کا حکم اس کے تمام بندوں کے لیے یکساں اور غیر متبدل ہے۔

حرمت زنا سے لاعلمی کا اظہار کرنا

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ زنا کی شرعی سزا پر عمل درآمد کے لیے یہ شرط ہے کہ مرتکب یہ جانتا ہو کہ یہ فعل حرام ہے۔ پس اگر وہ شخص جس کے خلاف ارتکاب جرم کی گواہی گزر چکی ہے، نفاذ حد کے وقت یہ کہے کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ 'زنا' فعل حرام ہے اور وہ اس کے بارے میں حکم شرع سے ناواقف تھا اور اس پر حلف اٹھالے تو اس کی بات تسلیم کرلی

Marfat.com

جائے گی اور اس پر حد نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ (اس کے قسم کھا لینے پر) اس کے ارتکاب جرم میں شک پیدا ہو جائے گا۔ جس کے باعث حد ساقط ہو جائے گی۔

روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اقراری مرتکب سے یہ استفسار فرمایا تھا "فهل تدری ما الزنا؟" (یعنی تم جانتے ہو کہ زنا کیا ہے؟)

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص مستوجب حد قرار دیے جانے کے بعد یہ کہتا ہے کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ شرعاً یہ فعل حرام ہے۔ میں اس حکم سے ناواقف ہوں اور یہ نیا نیا اسلام میں داخل ہوا ہے یا ایسے صحرائی علاقہ میں پرورش پائی ہے جو علمائے دین (کے اثر) سے دور واقع ہے تو اس پر حد عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہو۔ اس شک کی بناء پر حد کا نفاذ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو بلکہ اسے مسلمان ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہو کہ اس عرصہ میں اسے ان مسائل کا جاننا اور سیکھنا ممکن تھا یا ایسے صحرائی علاقہ میں رہائش پذیر تھا۔ جو اہل علم کے قریب ہو اور اسے مقامی اشخاص کے ساتھ ربط وضبط اور ان کی باتیں سننے سنانے کا موقع ملتا رہا ہے تو اس پر حد نافذ ہوگی اور لاعلمی کا بہانہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ فیصلہ کرنے والے حاکم کے سامنے زنا کا اقرار کرنے یا گواہوں کی شہادت سے جرم ثابت ہو جانے کے بعد اس کا یہ بیان دینا اس کے جھوٹ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

حرکت غیر فطری کے مرتکب ہونے کا بیان

ائمۂ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص غیر عورت سے، اندام نہانی کے علاوہ کسی اور طرح سے حرکت جماعی کرے مثلاً آگے یا پیچھے کے منافذ کے علاوہ پیٹ وغیرہ کی تہوں (یا بغلیوں) میں تو وہ مستوجب حد نہیں ہے لیکن سزا کے قابل ہے کیونکہ بہر حال اس نے ایسا مذموم فعل کیا ہے جو شرعاً حرام ہے۔ امام علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا ہے کہ جو شخص غیر عورت کے ساتھ تخلیہ کرتا ہوا پایا جائے گو ملوث نہ ہوا ہو اسے بھی سو کوڑے بطور سرزنش کے مارے جائیں کیونکہ یہ بھی بدکاری میں پڑ جانے کا ذریعہ ہے۔

مردہ عورت سے بدفعلی کے مرتکب پر حد زنا، تو نافذ نہ ہوگی البتہ امام وقت جو سزا بھی چاہے سرزنش کے طور پر دے سکتا ہے۔ کیونکہ فطرت انسانی ایسے مذموم افعال سے گھن کھاتی ہے۔ چونکہ اس میں زنا کی پوری کیفیت نہیں ہوتی اس لیے حد شرعی نافذ نہ ہوگی۔

میاں بیوی میں جھگڑا کرا دینے کا بیان

واضح ہو کہ میاں بیوی کے درمیان فساد ڈالنے کی کوشش کرنا دین اسلام میں حرام اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے اگر کسی نے میاں بیوی کے درمیان ایسا فساد ڈلوایا کہ ان میں طلاق ہوگئی تو اس (فعل بد) کی پاداش کے بارے میں علماء کی مختلف رائیں ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی کی بیوی کو فساد پر اکسایا کہ بعد میں اس کے ساتھ شادی کرلے تو اس عورت کو ہمیشہ کے لیے اس پر حرام قرار دے دیا جائے گا تا کہ اسے اپنے (مذموم) ارادے میں زک پہنچے اور مقصد

Marfat.com

ثبوت جرم کے بارے میں شریعت کی سختی کا بیان

ممکن ہے کہ یہاں پر یہ کہا جائے کہ (ثبوت جرم زنا کے لیے) شریعت کے اس تشدد سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے، کیونکہ جرم زنا کا ثبوت چار اشخاص کی شہادت پر موقوف ہے اور چونکہ گواہوں کو یہ علم ہوتا ہے کہ اگر چاروں میں سے کسی نے بھی ادائے شہادت میں کوتاہی کی تو ان سب کو تہمت لگانے کی 'حد' یعنی اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ لہٰذا وہ گواہی دینے کی جرأت ہی نہ کریں گے پھر یہ بھی ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی شخص کو دیکھے اور اسی حالت میں دونوں کو چھوڑ کر گواہوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہو اور جب تک گواہ آئیں وہ مرد اپنا مطلب پورا کر چکا ہو اور خاوند کا حق دعوٰے ختم ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مذموم جرم اور قابل نفرت گناہ کا ضرر محض مرتکب مرد اور مرتکبہ عورت تک محدود نہیں ہے بلکہ پورا خاندان اس سے متاثر ہوتا ہے بے خبر اور بے گناہ کی عزت میں بٹہ لگ جاتا۔ انہیں ذلت و رسوائی سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور سب کی نگاہوں سے ان کا مرتبہ گر جاتا ہے۔ پس اہل خاندان کی بزرگی اور سب کی آبرو بچانے کے لیے شریعت اسلامیہ نے اس جرم کو ثابت کرنے میں سختی سے کام لیا ہے تاکہ لوگ بے دھڑک ایک دوسرے پر تہمت تراشی کی جرأت نہ کریں۔

اگر اس گناہ کا مرتکب شادی شدہ ہے تو فی الحال اسلام نے اس کے اس فعل کو خود اس کے لیے سخت اذیت کا موجب بنا دیا ہے۔ اسے بتا دیا گیا ہے کہ یہ کس قدر قابل مذمت فعل ہے۔ پھر سب کو یہ معلوم ہے کہ یہ فعل قتل کے برابر ہے۔ اس کے ارتکاب پر ان ایمانداروں کو سخت تنبیہ حاصل ہوتی ہے جو اللہ کے غضب اور اس کی گرفت سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے بندوں کی غیرت کے مقابلہ میں اپنی بے غیرتی کا موازنہ کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ایمان جب قرآن حکیم میں اللہ کے اس ارشاد کو پڑھتا ہے "ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما"

(جرم) پورا نہ ہو۔

امام احمد نے بسند صحیح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من خبب علی امرئ زوجتہ او مملوکہ فلیس منا" (یعنی جس نے ایک شخص کے خلاف اس کی بیوی یا لونڈی کو بھڑکایا وہ ہم میں سے یا امت محمدیہ میں سے نہیں ہے) حدیث میں لفظ 'خبب' جو آیا ہے اس کے معنی مکر و فریب یا بگاڑ ڈالنے کے ہیں۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کرانے سے وہ عورت اس شخص پر حرام نہیں ہو

Marfat.com

(یعنی جو شخص عمداً کسی ایماندار کو قتل کرتا ہے اس کی سزا دوزخ ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا عتاب اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب سخت کا فیصلہ ہو چکا ہے) ادھر اسے یہ علم ہے کہ فعل زنا کی سزا (حد) سزائے قتل کے مساوی ہے اب اگر وہ یہاں زنا کی سزا سے بچ جاتا ہے تو اسے اس گناہ کی باز پرس کا سامنا ہوگا۔ اسی خیال سے بعض اصحاب نے جو حقیقی معنوں میں صاحب ایمان تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے جرم زنا کا جو مستوجب قتل تھا اعتراف کیا تا کہ اس دنیا کی سزا جھیل کر عذاب آخرت سے نجات پائیں۔ (۱)

لعان (بریت کی قسم کھانے) کا بیان

واضح ہو کہ اس معاملہ میں شریعتِ اسلامیہ نے خاوند کے حق کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ ایک معقول حد تک اس کا تعین فرما دیا ہے، جس سے ایک طرف تو خاوند کو غیظ و غضب کی اذیت سے نجات ہو گی اور دوسری طرف بیوی کا کردار مشکوک ہو جائے گا اور اس کا خاندان اس کے شر کی اذیت سے بچ جائے گا۔

جاتی۔ اس شخص کا اس عورت سے شادی کر لینا تو حلال ہے لیکن یہ شخص نہایت گنہگار اور اس کا یہ فعل بدترین معصیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک روز قیامت میں بڑے سے بڑا گنہگار متصور ہوگا۔

طبرانی کی کتاب صغیر و اوسط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من افسد امرأة علیٰ زوجها فلیس منا (یعنی جو شخص کسی کی بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف فساد میں ڈالے وہ ہم میں سے نہیں ہے) یعنی ہماری راہ سے ہٹا ہوا اور ہماری شریعت سے باہر ہے۔ کیونکہ اس نے ایسے مذموم فعل کا ارتکاب کیا جسے اسلام روا نہیں رکھتا۔

۱۔ ابوداؤد، نسائی اور عبدالرزاق نے اپنی 'مصنف' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اخراج فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسلمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے خلاف بیان دیا کہ انہوں نے ایک عورت سے حرام کاری کی اور یہ اقرار انہوں نے چار بار کیا اور ہر بار حضور ان سے منہ موڑ لیتے تھے اور پانچویں بار جب وہ سامنے آئے تو آپ نے فرمایا کہ فی الواقع تم نے اسے دبوچ لیا۔ انہوں نے کہا 'جی ہاں' پھر فرمایا کیا اس طرح جیسے سلائی سرمہ دانی میں یا رسی کنوئیں میں؟ انہوں نے کہا 'جی ہاں' استفسار فرمایا کہ جانتے ہو زنا کس طرح ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا 'جی ہاں'! میں نے اس عورت کے ساتھ وہی کام بطور فعل حرام کیا جو مرد اپنی بیوی کے ساتھ بطور فعل حلال کرتا ہے۔ پھر سوال فرمایا کہ اس بیان سے تمہارا کیا مقصد ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضور مجھے (عذاب آخرت) سے پاک فرما دیں۔ تب آپ کے حکم پر انہیں سنگسار کر دیا گیا۔

اسی طرح حضورؐ کی خدمت میں ماعز بن مالک حاضر ہوئے اور انہوں نے ارتکاب زنا کا اقرار کیا۔

(ایک اور عورت) غامدیہ نے بھی آ کر اعتراف زنا کیا۔

یہ تمام واقعات اس امر کا ثبوت ہیں کہ ان گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر تھا۔

Marfat.com

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی غیر شخص ایک بے گناہ عورت یا بے گناہ مرد پر تہمت لگاتا ہے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کر سکتا تب تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس اتہام تراشی کی پاداش میں اسے اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں۔ لیکن خاوند اگر یہ کہے کہ اس کی بیوی نے بدکاری کی ہے تو شریعت اسلامیہ اس کو اپنا الزام ثابت کرنے کا ذمہ دار اس طرح نہیں ٹھہراتی جیسا کہ اجنبی شخص کو ٹھہراتی ہے۔ کیونکہ کسی ذی عقل خاوند کو اپنی بیوی پر تہمت لگانے اور یونہی بدکاری کا الزام عائد کر دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس بے عزتی سے نجات پانے کے لیے اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ تاہم اس کے بیٹے بیٹیوں پر یہ داغ باقی رہے گا۔ اور اگر بیٹے بیٹیاں نہ ہوں تب بھی لوگوں کے درمیان کبھی نہ کبھی اس کی بے عزتی کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیروں کی الزام تراشی اور اس کے الزام لگانے کو یکساں قرار نہیں دیا، چنانچہ اگر خاوند بیوی پر تہمت لگائے تو شریعت نے اس کے (ثبوت) کے لئے (گواہی کی بجائے) ''لعان'' رکھا ہے۔ لعان یہ ہے کہ خاوند قاضی (حاکم شرع) کے سامنے یوں کہے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی پر الزام لگانے میں سچا ہوں۔ چار بار اسی طرح کہنے کے بعد یوں کہے کہ اگر اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس طرح عورت بھی کہے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ یہ شخص مجھ پر ''زنا'' کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہے وہ بھی چار بار اسی طرح کہنے کے بعد کہے کہ اگر یہ شخص سچا ہو تو مجھ پر خدا کی لعنت پڑے۔ (۱)

۱۔ فقہاء کہتے ہیں کہ 'لعان' (لعنت پر مشتمل قسم بریت کھانے) سے پہلے امام کے لیے طریق سنت یہ ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ایک تقریر کرے جس میں انہیں کذب بیانی سے ڈرنے اور اس گناہ سے بچنے کے لیے نصیحت کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، جب کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحما سے ملوث ہونے کی تہمت لگائی تھی۔ اس وقت حضور نے آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی۔ انہیں نصیحت کی اور عذاب الٰہی کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ تب اس شخص نے کہا تھا کہ میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس نے حضور کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے اس عورت پر جھوٹا الزام نہیں لگایا پھر حضورؐ نے اس عورت کو طلب فرمایا اور اسے بھی نصیحت فرمائی اور (انجام) کا خوف دلایا اور بتایا کہ دنیا کا عذاب جھیل لینا، آخرت کے عذاب سے بہت آسان ہے، اس پر اس عورت نے کہا کہ میں اس ذات کی قسم کھاتی ہوں، جس نے حضور کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ یہ شخص جھوٹ کہتا ہے میں نے ایسی حرکت نہیں کی۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے پر الفاظ لعنت دہرائے۔ ملت اسلامیہ میں حکم لعان پر عمل کرنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔

ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ 'لعان' میں پہلے مرد سے قسم لی جائے جیسا کہ امام مہدی نے 'کتاب البحر' میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن اس (تقدیم مرد کے واجب ہونے) میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

شافعیہ اور مالکیہ میں سے اشہب نیز حنابلہ کہتے ہیں کہ 'لعان' کا حلف پہلے مرد سے لینا واجب ہے۔ عورت کا پہلے 'لعان' کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تہمت لگانے والا مرد ہے۔ اسی نے حاکم کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور لعان کا مطالبہ کیا۔ پس وہی مدعی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے لعان والی آیت میں پہلے خاوند کا اس کے بعد بیوی کا ذکر فرمایا ہے "والذین یرمون ازواجهم ،ولم یکن لهم شهدآء الا انفسهم، فشهادة احدهم اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین. والخامسة ان لعنت الله علیه ان کان من الکاذبین "(النور:۶،۷) (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا عیب لگاتے ہیں اور ان کے سوا اس کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ تو ان میں ہر مرد کی گواہی یہ ہے کہ وہ بار بار اللہ کو گواہ کر کے قسم کھائے کہ وہ اپنے بیان میں سچا اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت یا پھٹکار ہے) پھر یہ بھی ہے کہ شرع میں لعان کا مقصد یہ ہے کہ جس نے اپنی بیوی پر یہ عیب لگایا ہے وہ تہمت لگانے کی سزا سے بچ جائے (ورنہ گواہ پیش نہ کر سکنے کی صورت میں سزائے قذف کا مستوجب ہوتا) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال ابن امیہ سے فرمایا تھا کہ "البینة والا حد في ظهرک" (یعنی اس الزام کا گواہ لاو ورنہ تیری پیٹھ پر دُرّے لگیں گے) پس (چونکہ 'لعان' گواہی کی بجائے ہوتا ہے۔ لہٰذا مرد ہی کو پہلے لعان کے لیے کہا جائے گا) اگر عورت سے حلف لعان پہلے لیا جائے تو گویا وہ ایک ایسے جرم کا دفعیہ ہے جس کا وجود ہی نہیں ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور ابن القاسم کہتے ہیں کہ 'لعان' کی قسم کا پہلے مرد سے لیا جانا سنت ہے لیکن یہ واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر لعان کی قسم پہلے عورت سے لی گئی تب بھی 'لعان' ہو جائے گا جیسے پہلے مرد سے قسم لینے میں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات لعان کو عطف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور عطف میں ترتیب مقصود نہیں ہوتی (یعنی تقدیم و تاخیر کا مفہوم نہیں نکلتا)۔

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے خاوند سے لعان کرائے وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں تجھ پر زنا کا الزام لگانے میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں نے تجھ پر جو الزام لگایا ہے اس میں جھوٹ تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر تہمت زنا کے ساتھ بچے (کا باپ ہونے) سے انکاری ہو تو یوں کہے گا کہ جو الزام میں نے تجھ پر بدکاری کا اور بچے سے انکار کر کے لگایا ہے اگر اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر لعنت ہو۔ اگر صرف بچے (کا باپ ہونے) سے انکاری ہو تو صرف یوں کہے گا کہ تیرے بچے (کا باپ ہونے) سے جو میں نے انکار کیا ہے۔ اگر اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر لعنت ہو۔ کیونکہ اس حلف کا مقصد بچے (کا باپ ہونے) سے انکار ہے۔ اس کے بعد پھر عورت چار بار اسی طرح قسم کھائے اور ہر بار یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ شخص جو مجھ پر بدکاری کا عیب لگاتا یا بچے (کا باپ ہونے) سے انکاری ہے جھوٹا ہے اور پانچویں باری یوں کہے کہ اگر یہ شخص مجھ پر زنا کی تہمت لگانے یا بچے (کا باپ ہونے) سے انکار کرنے میں سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔

ملت اسلام میں سب سے پہلا لعان

جمہور ملت کی رائے میں ہلال بن امیہ کا واقعہ دین اسلام میں لعان کے شرعی حکم نازل ہونے کا سبب ہے۔ کیونکہ ملت اسلامیہ میں وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے 'لعان' کیا۔

ماوردی کا کہنا ہے کہ ہلال بن امیہ کا واقعہ، عویمر عجلانی اور ان کی بیوی خولہ بنت عاصم سے پہلے کا ہے۔ علامہ خطیب، نووی اور ان کے پیرو حافظ بھی یہ کہتے ہیں کہ یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ پہلے 'ہلال' نے، رسول اللہ صلی علی وسلم

Marfat.com

سے اس کی بابت دریافت کیا پھر عویمر عجلانی نے بھی اس کی بابت دریافت کیا تو ان دونوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور 'ابن صباغ' نے 'کتاب شامل' میں بتایا ہے کہ یہ آیات کریمہ ہلال بن امیہ کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو حضورؐ نے 'عویمر' سے فرمایا ''ان اللہ انزل فیک و فی صاحبتک قرآناً'' (یعنی اللہ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں آیات قرآنی نازل فرمادی ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت قرآنی جو ہلال بن امیہ کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی وہ (تم) سب انسانوں کے لیے عام ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ لعان کے متعلق نازل ہونے والی آیت کب نازل ہوئی؟ علامہ طبری، ابوحاتم اور ابن حبان کی قطعی رائے یہ ہے کہ یہ آیتیں سنہ نو ہجری ماہ شعبان میں نازل ہوئیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اس سال نازل ہوئی جس سال حضورؐ نے وفات پائی۔ کیونکہ صحیح بخاری میں سہل بن سعد سے مروی ہے کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ سنہ دس ہجری کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سنہ ۱۱ ہجری میں ہوئی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''فرّق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اخوی بنی عجلان وقال: اللہ یعلم ان احدکما کاذب فھل منکما من تائب ثلاثاً'' متفق علیہ. (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عجلائیوں میاں بیوی میں تفریق کرادی اور فرمایا کہ خدا بلاشبہ جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی میں تفریق کرادی اور فرمایا کہ اب خدا ہی جانتا ہے کہ تم دونوں میں کون جھوٹا ہے؟ تو کیا اب تم میں سے کوئی ایسا ہے جو تین بار توبہ کرلے)۔

اس حدیث میں لفظ اَخَوِی: (دو بھائیوں) سے مراد، میاں بیوی ہیں۔ ابن مندہ نے، کتاب الصحابہ میں فرمایا ہے کہ اس مرد کا نام، قبیلۂ بنی بکر کا عویمر تھا اور عورت کا نام 'خولہ بنت قیس' تھا اور ابن مردویہ نے بتایا ہے کہ وہ عورت میرے بھائی 'عاصمؓ' کی بیٹی تھی۔

لعان کی تعریف

لفظ 'لعان' کے لغوی معنے 'ابعاد' (یعنی دور کردینے کے ہیں) چنانچہ کہا جاتا ہے کہ 'لعنہ اللہ' یعنی اسے اللہ نے اپنی رحمت سے دور کردیا۔ یہ لفظ افعال لاعن (ماضی) یلاعن (مضارع) از باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اصطلاح شریعت میں یہ لفظ مخصوص ہے کسی خاص سبب اور مخصوص طریقہ سے میاں بیوی کے درمیان باہم لعنت کرنے کا۔ لعان دین اسلام کا ایک مخصوص عمل ہے جو مرد کے حق میں تہمت تراشی کی سزا کی مانند ہے کہ اگر خاوند کو جھوٹا مان لیا جائے تو اس کی حیثیت اس شخص کی مانند ہوگی جس پر حد لاگو ہوچکی ہے۔ حتیٰ کہ لعان کرنے کے بعد اس شخص کی گواہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناقابلِ قبول ہوگی اور بیوی کے حق میں 'لعان' سزائے زنا کی مانند ہے چنانچہ شھادۃ علی الشھادۃ سے قاضی کی تحریر سے اور عورتوں کی گواہی ویسے ہی ثابت نہ ہوگا کہ حد زناء ثابت نہیں ہوتی۔ بالکل اسی طرح جیسے حدود کے بارے میں ہوتا ہے۔ اس عورت کا حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کے حق کا معاملہ ہے جیسا کہ سزائے تہمت کی صورت میں ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ 'لعان' پر عمل درآمد دین اسلام کا دستور العمل اور احکام شرعیہ میں سے ایک حکم نیز امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے اور تہمت لگانا مستوجب حد فعل ہے۔ یہ تہمت خواہ کسی غیر پر لگائی جائے یا اپنی بیوی پر اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

ارشاد ہے ''والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعہ شھدآء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ، ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا، واولئک ھم الفاسقون '' (النور:۴) (یعنی جو لوگ بے قصور عورتوں پر عیب تھوپتے ہیں اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کر سکتے انہیں اسی (۸۰) دُرّے لگاؤ اور پھر کبھی ان کی گواہی کو قبول نہ کرو کیونکہ وہ لوگ فاسقوں کے زمرہ میں ہیں)۔

بعد میں بیوی کا معاملہ پیش آیا تو اس حکم کی بجائے لعان کا حکم نازل ہوا ''والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللّٰہ انہ لمن الصادقین. والخامسۃ ان لعنت اللّٰہ علیہ ان کان من الکاذبین. و یدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللّٰہ انہ لمن الکاذبین. والخامسۃ ان غضب اللّٰہ علیھاان کان من الصادقین.'' (النور: آیات ۶ تا ۹) (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر عیب تھوپتے ہیں اور اس کا کوئی گواہ خود ان کے سوا نہیں ہوتا تو ان میں سے ہر ایک کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ کہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو۔ اسی طرح بیوی کی سزا ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند جھوٹ کہتا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا عذاب نازل ہو)۔

اس آیت کے نازل ہونے کا سبب جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب آیت ''والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھدآء '' نازل ہوئی تو عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں آئے اور کسی شخص کو اپنی بیوی کے پیٹ پر چڑھا ہوا پائے اور چار گواہوں کو دکھانے کے لیے انہیں لانے چلا جائے تو واپس آنے تک وہ شخص مطلب برآری کر کے چلا جائے گا۔ اگر وہ اس شخص کو قتل کرتا تو اس کی پاداش میں اسے بھی قتل کر دیا جاتا اور اگر وہ بیان کرے کہ میں نے فلاں شخص کو اس شخص کے ساتھ پایا (اگر گواہ نہ پیش کر سکے) تو اسے حد قذف ماری جائے گی اگر خاموش رہتا ہے تو غصہ میں گھٹتا رہے گا پس باری تعالیٰ یہ مشکل حل فرما دے! (اب ہوا یہ کہ) ان ہی عاصم کا ایک چچازاد بھائی تھا جس کا نام عویمر تھا اور اس کی ایک بیوی تھی جسے خولہ بنت قیس کہتے تھے۔ یہی 'عویمر' عاصم کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ میں نے 'شریک بن سحاء' کو اپنی بیوی 'خولہ' کے پیٹ پر چڑھے ہوئے دیکھا ہے۔ عاصم یہ سن کر مڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہا کہ یا رسول اللہ علیہ وسلم میں تو اپنے گھر والوں کے ہاتھوں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'ماذاک ؟' (یعنی یہ تو بتاؤ بات کیا ہے؟) انہوں نے کہا میرے چچازاد بھائی عویمر نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے شریک بن سحاء کو اپنی بیوی کے پیٹ پر چڑھا ہوا دیکھا ہے واضح ہو کہ عویمر، خولہ اور شریک یہ سب عاصم کے چچا کی اولاد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے کہا کہ تم کو اپنی بیوی اور اپنی چچازاد بہن پر الزام لگاتے ہوئے اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ اس پر تہمت نہ لگاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے 'شریک' کو اپنی بیوی کے پیٹ پر چڑھے ہوئے دیکھا۔ میں نے کوئی چار ماہ سے اس کے ساتھ قربت نہیں کی اور وہ کسی غیر مرد کا حمل ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور صرف وہی بات بیان کر جو تجھ سے سرزد ہوئی اس نے کہا 'یا رسول اللہ عویمر ایک غیرت مند انسان ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ شریک مجھے گھور رہا تھا اور میرے ساتھ

Marfat.com

باتیں کر رہا تھا۔ اس کی بات پر عویمر کو غیرت آ گئی۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ اذان دی گئی۔ جماعت کھڑی ہوئی اور عصر کی نماز ہوئی، پھر آپ نے عویمر سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اور اب کہو کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ خولہ بدکار ہے اور میں سچا ہوں پھر دوسری بار کی قسم کے لیے فرمایا کہ اللہ کی قسم کھا کر کہو کہ میں نے شریک کو اس عورت کے پیٹ پر چڑھا ہوا دیکھا اور میں اس قول میں سچا ہوں اس کے بعد تیسری بار قسم کے لیے فرمایا کہ یہ کہو کہ اس کے پیٹ میں کسی غیر شخص کا حمل ہے اور میں اس بیان میں سچا ہوں پھر چوتھی بار کے لیے کہا کہ یوں کہو کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ عورت بدکار ہے اور یہ کہ میں چار ماہ سے اس کے پاس نہیں گیا اور میں اس بیان میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں بار کی قسم کے لیے فرمایا کہ یوں کہو کہ عویمر (یعنی وہ خود) جو کہتا ہے اگر جھوٹ ہو تو اللہ کی اس پر لعنت ہو۔ پھر حضور نے عویمر سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ اور 'خولہ' کو فرمایا کہ کھڑی ہو جاؤ وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے بدکاری نہیں کی اور میرا خاوند عویمر جھوٹ کہہ رہا ہے۔ دوسری بار پھر اس نے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ انہوں نے 'شریک' کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا، یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ تیسری بار پھر اس نے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں ان ہی سے حاملہ ہوئی ہوں، یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ پھر چوتھی بار اس نے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ انہوں نے ہرگز مجھے کسی بڑے گناہ میں مبتلا نہیں دیکھا، اگر عویمر سچے ہوں تو 'خولہ' پر اللہ کا غضب پڑے۔ اس (طرح لعان) کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں علیحدگی کرا دی۔

جاننا چاہیے کہ جب ایک شخص اپنی بیوی پر زنا کا عیب لگائے اور وہ عورت بے قصور ہو تو اس شخص پر تہمت کی شرعی سزا واجب ہوگی اور اگر وہ عورت کنواری ہو تو اس شخص پر سزائے سرزنش لازم ہے۔ جیسا کہ اجنبی عورت پر الزام لگانے کی صورت میں ہوتا ہے۔ بہر دو صورت ان سزاؤں کے موجب میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ سزا سے نجات پانے کے موجبات میں اختلاف ہے، چنانچہ اگر کسی اجنبی نے تہمت لگائی تو جب تک کہ وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس الزام کا اقرار نہ کرے۔ یا ارتکاب جرم زنا کے گواہ نہ گزریں سزائے تہمت ساقط نہ ہوگی۔ لیکن اگر کسی شخص نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو اس شخص کی سزا بھی ان دونوں باتوں سے ساقط ہو جائے گی یا پھر 'لعان' سے ساقط ہوگی لیکن لعان صرف بیوی پر الزام کی صورت میں ہوتا ہے اجنبی عورت پر الزام کی سزا لعان سے ساقط نہیں ہوتی اس کے دو سبب ہیں:

ایک سبب یہ ہے کہ اجنبی عورت سے کسی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھ کر آدمی اس پر خاموش رہتا ہے اور کچھ نہیں کہتا، اس لیے کہ اس میں دیکھنے والے پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ لیکن بیوی کی بدکاری کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس میں اسے اپنی بے عزتی اور خرابی نسل کا اندیشہ ہوتا ہے اور گواہی پیش کرنا تقریباً محال ہوتا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے لعان کی یہ صورت مقرر فرمائی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اکثر حالات میں، میاں خود نہیں چاہتا کہ جب تک اصلیت نہ ہو بیوی پر تہمت لگے۔ پس اس کا الزام لگانا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سچا ہے۔ لیکن چونکہ حال کا بیان کر دینا (ارتکاب جرم کا پورا ثبوت نہیں ہوتا لہٰذا مکمل شہادت کے لیے اس کے ساتھ قسم کا اضافہ کر دیا گیا جیسے عورت کی شہادت چونکہ کمزور ہوتی ہے اس کو قوی کرنے کے لیے عورت گواہ ہو تو گواہوں کی تعداد زیادہ کر دی گئی ہے۔ اسی لیے اگر (کسی معاملہ کا) ایک ہی گواہ ہو تو بقول اکثر فقہاء اس کی شہادت کو قوی کرنے کے لیے حلف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

لعان سے انکار کرنے کا بیان

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر عیب لگائے تو وہ شخص مستوجب حد (قذف) ہو جاتا ہے لیکن لعان کرلے تو سزا سے بچ جائے گا۔ جیسے اجنبی عورت پر الزام لگانے والا مستوجب حد ہوتا ہے لیکن اگر وہ (اپنے الزام کے ثبوت میں) گواہی پیش کردے تو اس سے بچ جاتا ہے۔ پس اگر خاوند لعان سے گریز کرے تو اس پر تہمت لگانے کی حد (شرعی سزا) لاگو ہوگی چنانچہ ہلال بن امیہ نے جب اپنی بیوی پر عیب زنا لگایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ ''اما البینۃ و اما اقامۃ الحد علیک'' (یعنی یا تو گواہ پیش کرو یا پھر تم پر حد قذف نافذ کی جائے گی) اسی طرح اگر خاوند لعان کرے اور بیوی لعان سے گریز کرے تو وہ حد زنا کی مستوجب ہے؟ اور اگر وہ خاوند کے اقرار کی تصدیق کرے تب بھی اس پر حد زنا واجب ہوگی، کیونکہ ان اصحاب کے نزدیک ایک بار بھی اقرار کرنے سے مجرم زنا پر حد لاگو ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں یہ مذکور ہے کہ اجنبی عورت پر تہمت لگانا اس امر کا مقتضی ہے کہ گواہ پیش کرے ورنہ تہمت لگانے والے کو دُرّہ زنی کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح بیوی پر تہمت لگانے والے پر واجب ہے کہ یا تو لعان کرے ورنہ تہمت لگانے کی پاداش میں سزائے دُرّہ پائے گا اور (عورت کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ویدرأ عنھا العذاب'' یعنی اس عورت سے عذاب ساقط ہو جائے گا۔ عذاب کے لفظ سے حد کا ثبوت نکلتا ہے کہ اگر وہ عورت لعان نہ کرے تو اسے حد ماری جائے گی اور لعان کرلے تو حد زنا ساقط ہو جائے گی۔ آیت میں اس حد کو لفظ عذاب سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور عورت لعان میں گویا یہ کہتی ہے کہ اگر یہ شخص (خاوند) سچا ہے تو مجھے سزائے زنا دو لیکن اگر وہ جھوٹا ہے تو مجھے رہا کردو اور قید مجھے نہیں ہوسکتی۔ میرے لیے قید کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہے نہ سنت میں نہ اجماع امت میں اور نہ قیاس کی رو سے۔ اسی طرح وہ خاوند جس نے بیوی پر تہمت لگائی اور گواہ نہ پیش کرسکا اور نہ خود ہی شہادت دے سکا کہ سزائے تہمت سے بچ جاتا لہٰذا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتو اباربعۃ شھدآء فاجلدوھم '' (یعنی جو لوگ گھر یار والی عورتوں کو عیب لگاتے ہیں اور اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کرسکتے تو انہیں سزائے تازیانہ دو) اس جرم کی سزا جس طرح مردوں کے حق میں ثابت ہے اسی طرح عورتوں کے حق میں بھی ثابت ہے کوئی شخص ان دونوں میں فرق کا قائل نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 'خولہ' کو جب اس کے خاوند نے اس پر زنا کی تہمت لگائی تھی یہ کہا تھا '' فالرجم اھون علیک من غضب اللہ تعالیٰ '' (یعنی سنگسار ہو جانا ہے تیرے لیے غضب الٰہی سے زیادہ آسان ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند لعان سے گریز کرے تو اسے جب تک کہ لعان نہ کرے، قید میں رکھا جائے۔ کیونکہ ازروئے قرآن لعان اس پر واجب ہے اور وہ کرسکتا ہے یا پھر وہ خود اپنی تکذیب کرے اور تہمت لگانے کی سزا 'بھگتے' کیونکہ اگر وہ خود اپنے لگائے ہوئے الزام سے پھر گیا تو لعان کا موقع ختم ہو گیا اور جب لعان ساقط ہو گیا تو اس پر سزائے قذف واجب ہوگی کیونکہ سزائے تہمت کا موجب موجود ہے۔ لعان سے سزا ساقط ہو جاتی ہے اور لعان ساقط ہو جائے تو سزائے قذف واجب ہوگی کیونکہ اس معاملہ میں بنیادی شے یہی ہے۔ واضح ہو کہ جب مرد لعان کرلے تو قرآن کی رو سے عورت

Marfat.com

پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ بھی لعان کرے۔ اگر وہ لعان کرنے یا اقرار جرم سے انکار کرے تو اس وقت تک قید میں رہے گی جب تک کہ خاوند کے مقابلہ میں وہ بھی لعان نہ کرے۔ اگر خاوند کی تصدیق کرے تو لعان کی حاجت نہ رہے گی لیکن اس عورت پر حد زنا عائد نہ ہوگی کیونکہ نفاذ حد کی شرط یہ ہے کہ مرتکب زنا گواہوں (کی تعداد) کے مطابق چار بار ارتکاب جرم کا اقرار کرے اور عورت نے لعان سے گریز کے سوا اور کچھ نہیں کیا اور لعان سے انکار نہ تو ارتکاب جرم کی شہادت ہے اور نہ عورت کا اقبال جرم ہے۔ پس لازم ہوا کہ وہ عورت سنگساری کی مستوجب نہ قرار دی جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا یحل دم امریء الا باحدی ثلاث" (یعنی ان تین صورتوں کے سوا جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، یعنی قتل نفس، ارتداد اور زنائے محصن، کسی شخص کا خون روا نہیں ہے) اور جبکہ ایسی عورت کا شادی شدہ ہونے پر بھی سنگسار کیا جانا واجب نہیں ہے تو غیر شادی شدہ کو سزائے تازیانہ (بدرجۂ اولیٰ) واجب نہیں ہے نیز اس لیے بھی کہ (لعان سے) انکار کرنا واضح طور پر (جرم زنا کا) اقرار نہیں ہوتا لہٰذا اس پر حد کا عائد کرنا جائز نہیں ہے جس طرح ایسے لفظ (میں اقبال جرم) سے حد عائد کرنا نہیں ہے جس کے مفہوم میں فعل زنا اور غیر فعل زنا کا احتمال ہو۔

صلاحیت لعان کا بیان

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص حلف اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ لعان بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا فریقین آزاد ہوں یا غلام (مملوک) ہوں یا گنہگار ہوں یا ذمی ہوں یا سزا یافتہ ہوں یا دونوں میں سے ایک غلام (مملوک) ہو یا خاوند مسلمان اور عورت ذمیہ ہو تو لعان ہو سکتا ہے۔

اس بارے میں تینوں ائمہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "والذین یرمون ازواجھم ......" (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر عیب لگاتے ہیں......) یہ حکم (بلا امتیاز) سب کو شامل ہے اور اس سے خصوصیت کا مفہوم نہیں نکلتا نیز قیاس بھی تو دو طرح سے اس کی تائید کرتا ہے:

ایک یہ کہ لعان کا مقصد بے عزتی سے اور غیر کی اولاد کو اپنی طرف منسوب کرنے سے بچنا ہے اور جس طرح بے داغ شخص یا نیک آدمی کو اس کی ضرورت ہے اسی طرح سزا یافتہ (یا بدنام) بھی اسے ضروری سمجھتا ہے لہٰذا وہ بھی لعان کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس امر پر اجماع ہے کہ بدکار یا نابینا شخص اگرچہ گواہ بننے کا اہل نہیں ہے لیکن اس کا لعان کرنا جائز ہے۔

پس ان دونوں کے علاوہ دوسرے زمرہ کے اشخاص کا بھی یہی حکم ہے اور سب میں مشترک سبب گناہ زنا کی بے عزتی سے بچنا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند شہادت کا نا اہل ہو مثلاً غلام یا تہمت کے جرم میں سزا یافتہ ہو یا کافر ہو اس کا لعان کرنا درست نہیں ہے یہی حکم اس عورت کا ہے جس پر (خاوند کے سوا) کوئی اجنبی شخص تہمت لگائے تو مستوجب حد قذف نہیں ہوتا، مثلاً یہ کہ وہ عورت مملوکہ (لونڈی) ہو یا ذمیہ ہو (یعنی غیر مسلم عورت جو مسلمانوں کی پناہ میں ہو) یا جو تہمت کے جرم میں سزا پا چکی ہو یا نابالغ یا جنون زدہ یا بدکار ہو۔ ایسی عورت پر تہمت لگانے والا نہ مستوجب حد ہے اور نہ لعان کر سکتا ہے کیونکہ مانع لعان کا موجب وہ عورت ہے۔ یہ صورت گویا ایسی ہے کہ اس عورت نے اپنے اوپر لگائے گئے الزام کی تصدیق کر دی۔ تاہم حاکم کو لازم ہے کہ وہ خاوند کو (بطور سرزنش) سزا دے۔ کیونکہ اس نے عورت پر عیب لگایا۔ لیکن اس بناء پر حد (سزائے شرعی) واجب نہیں ہے اور سرزنش اس لیے واجب ہے کہ برائی کی بیخ کنی ہو اور عزتیں محفوظ رہیں۔

Marfat.com

اگر خاوند گواہی کا اہل نہ ہو جیسا کہ بتایا گیا اور وہ اپنی بیوی پر عیب لگائے تو وہ نفاذ حد کا مستوجب ہوگا۔ کیونکہ (شہادت کی) عدم صلاحیت کے باعث وہ لعان تو کر سکتا نہیں (کہ حد سے بچ جاتا) لہٰذا اصل موجب حد باقی رہا۔

اگر دونوں ہی شہادت کے نااہل ہوں کہ دونوں 'جرم تہمت میں سزا پا چکے ہوں تو خاوند پر حد نافذ ہوگی کیونکہ 'لعان' جو مانع حد تھا، اس کی صلاحیت اس میں نہیں ہے (لہٰذا مستوجب حد ہوگا)۔

اس بارے میں احناف کی دلیل وہ حدیث ہے جو عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ "اربع من النساء لیس بینھن وبین ازواجھن ملاعنة: الیھودیة والنصرانیة تحت المسلم، والحرة تحت المملوک، والمملوکة تحت الحر۔" (یعنی ایسی عورتیں جن کے خاوندوں کے ساتھ 'لعان' نہیں ہو سکتا، یہ ہیں: یہودی یا نصرانی عورت جو کسی مسلمان کے پاس ہو اور آزاد عورت جو کسی غلام کے پاس ہو یا کوئی لونڈی جو آزاد کے پاس ہو)۔

پھر یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی غیر عورت پر یا خود اپنی بیوی پر تہمت لگائے اس پر نفاذ حد واجب ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "والذین یرمون المحصنات" کا مفہوم ہے۔ لیکن یہ حکم خاوند کے حق میں منسوخ ہو گیا اور اجنبی کے لیے بحال رہا۔ اس حکم کی بجائے (خاوند کو) لعان کرنے کا حکم آیا اب چونکہ خاوند کے حق میں لعان کی وہی حیثیت ہے جو غیر عورتوں پر تہمت لگانے پر حد (سزائے شرعی) کی ہے۔ لہٰذا جس پر حد عائد نہ ہوگی اس پر لعان بھی عائد نہ ہوگا اگرچہ (عورت پر) عیب لگانے والا کوئی اور شخص (خاوند کے علاوہ) ہو۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ لعان بھی شہادت ہے لہٰذا واجب ہے کہ وہی لعان کر سکے جو شہادت کا اہل ہو۔ اور احناف لعان کو جو شہادت قرار دیتے ہیں اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادة احدھم اربع شھادات باللہ ....." (یعنی اگر الزام لگانے والے اپنے سوا کسی اور کی شہادت نہ پیش کر سکیں تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھائیں......) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے 'لعان' کو شہادت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اسی طرح جیسے اللہ کا ارشاد "و استشھدوا شھیدین من رجالکم' (یعنی تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنالو)" اور فاستشھدوا علیھن اربعة منکم" (یعنی تم میں سے چار اشخاص ان عورتوں کے خلاف گواہی دیں)۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میاں بیوی کے درمیان لعان کا حکم دیا تو 'لعان' کے لیے شہادت کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور محض یمین کے لفظ پر اکتفا نہیں فرمایا۔ پس جبکہ یہ ثابت ہوا کہ لعان بھی شہادت ہے تو لازم ہے کہ تہمت کے 'جرم میں سزا پانیوالے کا لعان بھی (شہادت کی طرح) تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ (ایسے سزا یاب شخص کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لاتقبلوا لھم شھادة ابداً" (یعنی ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو)۔ اور جبکہ سزا یافتہ شخص کا شہادت کا نااہل ہونا ثابت ہو گیا تو اسی طرح غلام اور کافر کی شہادت بھی ممنوع ثابت ہوئی۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس امر پر اجماع ہے کہ یہ دونوں (غلام اور کافر) شہادت کے اہل نہیں ہیں اور ان میں فرق کرنے کا کوئی قائل نہیں ہے۔

شافعیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ 'لعان' شہادت نہیں ہے بلکہ یہ قسم ہے کیونکہ کسی شخص کا اپنے بارے میں گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر لعان کرنا شہادت ہوتا، جیسا کہ احناف کہتے ہیں تو ضروری تھا کہ

Marfat.com

'لعان' سے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کا بیان

واضح ہو کہ لعان ہو جانے پر عورت ہمیشہ کے لیے خاوند (کی زوجیت) سے الگ ہو جاتی ہے، اس عورت کو طلاق ہو جاتی ہے، اور جو لعان میں جھوٹی قسم کھاتا ہے درحقیقت اس پر خدا کا غضب اور اس کی پھٹکار پڑتی ہے۔[1]

عورت لعان میں آٹھ بار قسم کھائے کیونکہ (شہادت کے بارے میں) مردوں کی نصف تعداد کے برابر ہے۔ نیز یہ کہ نابینا اور بدکار شخص کا لعان کرنا بالاجماع درست ہے لیکن ان کی گواہی جائز نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ممکن ہے بدکار مرد اور بدکار عورت توبہ کر لیں۔ تو اسی طرح غلام کا آزاد ہو جانا بھی ممکن ہے لہٰذا اس کی شہادت کو جائز ماننا چاہیے۔ امام شافعیؒ نے اس خیال کی تائید فرمائی ہے کیونکہ غلام اگر آزاد ہو جائے تو معاً اس کی گواہی قابل قبول ہو جائے گی۔ پھر انہوں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ زور دیا ہے کہ اگر ذمیوں کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں قابل تسلیم ہے تو لازم ہے کہ ذمی اور ذمیہ کے درمیان لعان بھی جائز ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مستوجب سزا کے اعتبار سے حد کی مقدار مختلف ہوگی۔ یعنی خاوند اگر لعان سے انکار کرے تو مملوک ہونے کی صورت میں اسے آدھی سزا دی جائے گی اور اگر خاوند لعان کرے لیکن بیوی لعان سے گریز کرے تو اس عورت کی حد اس کے شادی شدہ ہونے، کنواری ہونے، آزاد ہونے یا مملوکہ (لونڈی) ہونے کے اعتبار سے مختلف نوعیت کی ہوگی۔

شافعیہ کے قول کے مطابق لعان میں پانچ باتیں لاگو ہوتی ہیں: حد کا ساقط ہو جانا، اولاد سے بے تعلقی، میاں بیوی میں تفریق، ہمیشہ کے لیے ان کا ایک دوسرے پر حرام ہونا اور دونوں پر حد کا واجب ہونا، ان تمام امور کے لیے بیوی کا لعان کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ حاکم شرع کے حکم کی ضرورت ہے۔ حاکم کا حکم ان امور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تو ہو سکتا ہے۔ باہمی تفریق کے لیے حکم حاکم کی ضرورت نہیں کیونکہ دونوں میں علیحدگی اس وقت ہو جاتی ہے جب خاوند اپنی شہادت اور قسم پوری کر لے۔ اس کے بعد دونوں میں علیحدگی حاکم کے حکم پر منحصر نہ رہے گی۔ پس لعان گویا طلاق بائن ہے جیسا کہ نافع اور نافع ابن عمر سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے ''ان رجلاً لاعن بامراته، وانتفى من ولدها ففرق النبى بينهما والحق الولد بالمراة'' (یعنی ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ لعان کیا۔ اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کا باپ ہونے سے انکار کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں علیحدگی کر دی اور بچہ عورت کے حوالے کر دیا)۔

۱۔ لعان سے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جانے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند کے لعان کر لینے کے بعد وہ عورت اس وقت تک زوجیت سے خارج نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم علیحدگی کا حکم نہ دے۔ اس حکم کے صادر ہونے سے پہلے ان میں علیحدگی نہیں ہوتی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (لعان میں) شہادت اور لعنت کے بعد اس کا حق زوجیت بیوی پر سے ختم ہو جاتا ہے اور پھر کبھی اس پر حلال نہیں ہو سکتی خواہ بیوی نے ہنوز لعان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ويدرؤا عنها العذاب ان

Marfat.com

تشهد اربع شهادات بالله انه لمن الكاذبين' (یعنی اگر چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند جھوٹ بولتا ہے تو اس کی سزا ٹل جائے گی) اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے لعان کرنے کا اس کے سوا اور کوئی اثر نہیں ہے کہ بیوی کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ لعان سے لاگو ہونے والی تمام باتیں خاوند کے لعان سے لاگو ہوتی ہیں اور خاوند ہی کے لعان سے بچے سے انکار متصور ہے۔ یعنی بچے کی نسبت خاوند سے جوڑنے کے بارے میں خاوند کے قول ہی پر اعتبار کیا جائے گا نہ کہ عورت کے قول پر۔ چنانچہ عورت گو اپنے لعان میں اس بچہ کو خاوند ہی کا بتاتی ہے لیکن اس کو نہیں مانا جاتا۔ اور خاوند کے انکار کو معتبر قرار دیا جاتا ہے عورت کا کہنا کہ یہ اس کے خاوند کی اولاد ہے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر خاوند اپنے بیان (یعنی بیوی پر الزام زنا) کی خود ہی تکذیب کر دے تو وہ بچہ اسی کا مانا جائے گا اور جب تک کہ وہ اپنے لعان (والے بیان) پر اڑا رہے گا کہ بچہ اس کا نہیں ہے تو بیوی سے علیحدگی واجب ہوگی کیونکہ اگر علیحدگی نہ کی جائے (یعنی زوجیت کو برقرار رکھا جائے) تو بچے کی نسبت کو باپ سے منقطع نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'الولد للفراش'' (یعنی اولاد بستر والے خاوند کی ہے) پس جب تک کہ اس کی زوجیت باقی ہے یہ بچہ اس کی اولاد مانی جائے گی۔

مالکیہ، لیث اور زفر کہتے ہیں کہ جب میاں بیوی دونوں لعان سے فارغ ہو جائیں تو قدرتی طور پر دونوں میں علیحدگی ہو جائے گی اگرچہ حاکم نے ہنوز ان میں حکماً علیحدگی نہ کرائی ہو۔

حنفیہ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں سہل بن سعد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو بنو عجلان کے واقعہ کے متعلق ہے کہ لعان کرنے والوں میں یہ طریق کار جاری ہے کہ ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے کہ وہ پھر کبھی نہ مل سکیں۔ اسی طرح وہ روایت جو عویمر کے بارے میں ہے کہ جب عویمر اور اس کی بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا کہ ''کذبت علیها یا رسول الله ان امسکتها، هی طالق ثلاثاً '' (یعنی اے رسول اللہ اگر میں اس عورت کو رکھ لوں تو گویا میں نے اس میں جھوٹا الزام لگایا۔ پس میں اسے تین طلاق دیتا ہوں)۔ ان حدیثوں سے مسلک حنفیہ کا استدلال کئی طرح سے کیا گیا ہے:

ایک یہ کہ اگر محض لعان سے علیحدگی ہو جاتی تو 'عویمر' کا یہ کہنا بے معنی ہوتا کہ ''کذبت علیها ان امسکتها'' (یعنی اگر اسے اپنی بیوی بنا کر رکھ لوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی تھی) کیونکہ (علیحدگی کے بعد) اسے رکھنا ممکن ہی نہیں رہتا۔

دوسرے اس طرح کہ اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ قرار دیا۔ اور طلاق کا نافذ فرمانا اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ لعان کی وجہ سے علیحدگی نہ ہوئی ہو (یعنی زوجیت ختم نہ ہوئی ہو)۔

تیسرے وہ قول جو سہل بن سعد نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ 'مضت السنة فی المتلاعنین ان یفرق بینهما ولا یجتمعان ابداً '' (یعنی لعان کرنے والوں کے بارے میں یہ طریق کار جاری ہے کہ ان دونوں میں علیحدگی کر دی جائے اور پھر وہ کبھی نہ مل سکیں گے) نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ 'المتلاعنان اذا تفرقا لا یجتمعان ابداً'' (یعنی جب دو لعان کرنے والوں (میاں بیوی) میں علیحدگی ہو جائے تو وہ پھر کبھی نہ مل سکیں گے)۔

Marfat.com

ابوبکر رازی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا قول مفہوم آیت کے منافی ہے۔ اس واسطے کہ اگر خاوند کے لعان سے میاں بیوی میں علیحدگی ہوگئی (تو اب وہ عورت بیوی نہ رہی) تو اب اگر (خاوند کے بعد) وہ عورت لعان کرے تو (یہ بیوی کا لعان کرنا نہ ہوگا) بلکہ اجنبی عورت کا لعان ہوگا جو منشاء آیت کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف میاں بیوی پر لعان واجب کیا ہے (اجنبی عورت پر واجب نہیں ہے) پھر یہ بھی ہے کہ لعان ایک شہادت ہے اور حاکم کے سامنے ہی ہو تو نافذ العمل ہوتا ہے (ورنہ نہیں ہوتا) پس واجب ہے کہ جب تک حاکم فیصلہ نہ کرے علیٰحدگی متصور نہ ہو۔ جس طرح وہ بات جس کے لیے شہادت دی گئی ہے ثابت نہ ہوگی جب تک کہ حاکم (بر بنائے شہادت) فیصلہ نہ کردے نیز لعان ایک حق ہے جو عورت کو اپنے بارے میں حاصل ہے جیسا کہ مدعی کو گواہ پیش کرنے کا حق ہے۔ پس دراآنحالیکہ مدعی نے جس شے کا دعویٰ کیا ہے اس کا حقدار اسی وقت ہوتا ہے، جب کہ حاکم (اس کے حق میں) فیصلہ کردے، تو اس طرح لازم ہے کہ عورت کے حق کو بھی (تا صدور فیصلۂ حاکم) برقرار رکھا جائے۔ علاوہ اس کے لعان میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی جس سے معلوم ہو کہ عورت خاوند پر حرام ہوگئی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے بدکاری کا ارتکاب کیا۔ لیکن اگر بدکاری کا ثبوت گواہوں سے ہوجائے یا عورت خود اقبال جرم کرلے تب بھی وہ خاوند پر حرام نہ ہوجائے گی۔ یہی صورت لعان کی بھی ہے کہ اس میں عورت کے حرام ہوجانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو لازم ہے کہ (نفس) لعان کو علیٰحدگی کا موجب نہ تصور کیا جائے بلکہ یہ علیحدگی یا تو خاوند کی طرف سے ہوگی (کہ وہ طلاق دے دے) یا پھر حاکم اپنے حکم سے علیٰحدگی کرادے۔

مالکیہ کی دلیل اپنے مسلک کے بارے میں یہ ہے کہ اگر لعان کے بعد میاں بیوی اپنا نکاح باقی رکھنا چاہیں تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔ بلکہ ان میں حکماً علیٰحدگی کرادی جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر حاکم ان میں تفریق نہ کرائے تب بھی علیٰحدگی واجب ہے۔

لعان کے بعد پھر میاں بیوی کا باہم ملنا

شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، ابو یوسف اور ثوری کہتے ہیں کہ لعان کرنے والے علیٰحدگی کے بعد پھر کبھی نہیں مل سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے لعان کرنے والے سے لعان کے بعد فرمایا کہ: "لا سبیل لک علیھا" (یعنی اب اس عورت سے تیرا تعلق کسی طرح نہیں ہوسکتا) اور یہ نہیں فرمایا کہ جب تک تو اپنے بیان کردہ الزام کو جھوٹ نہ بتائے۔ اگر لعان کرنے والا خود اپنی تکذیب کرکے اس حرمت کو ختم کرسکتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجوع کی سبیل بیان فرمادیتے جیسا کہ تین طلاق (مغلظہ) پانے والی عورت کے بارے میں ہے "فان طلقھا فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ" (یعنی اگر خاوند بیوی کو طلاق مغلظہ دے دے تو اب وہ عورت اس پر حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور شخص کی زوجیت میں نہ آجائے اور پھر اس سے علیٰحدگی ہو) پھر یہ بھی ہے کہ لعان، فسخ زوجیت کو کہتے ہیں، لہٰذا اس عورت کا حرام ہونا دائمی ہوگا۔ جیسے دودھ پینے (میں شراکت) کی وجہ سے حرمت عائد ہوتی ہے اور حدیث میں ہے "المتلاعنان اذا تفرقا لا یجتمعان ابداً" (یعنی لعان کرنے والے جب الگ ہوجائیں تو اب وہ کبھی نہیں مل سکتے) نیز امام علی اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "لایجتمع المتلاعنان ابداً" (یعنی دو

Marfat.com

لعان کرنے والے پھر کبھی نہ مل سکیں گے) اور زہری نے عجلانی کے واقعہ کے بارے میں، سہل بن سعد سے روایت کیا ہے "مضت السنة انهما اذاتلاعنا فرق بینهما، ثم لا یجتمعان ابداً" (یعنی ماضی میں یہ طریق کار رہا ہے کہ جب لعان کرنے والوں میں علیحدگی ہوجائے تو پھر وہ کبھی نہیں مل سکتے) یہ تمام روایتیں اس کی دلیل ہیں کہ لعان کرنے والے کی بیوی ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جائے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے (بیان میں) جھوٹ بولنے کا اقبال کرلے اور (تہمت تراشی کے الزام میں) اسے شرعی سزا مل جائے تو نکاح کی حرمت ختم ہو جائے گی اور اسے جائز ہوگا کہ اس عورت سے پھر نکاح کرلے۔ غرض اس بیوی کا حرام ہونا (دائمی نہیں بلکہ) ایک مقررہ عرصہ تک کے لیے ہے۔ اس مسلک کے بارے میں حنفیہ کی دلیل یہ (آیت قرآن) ہے "واحل لکم ماوراء ذلکم" (یعنی محرمات مذکورہ کے علاوہ تمام عورتیں تم پر حلال ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فانکحوا ماطاب لکم من النساء" (یعنی تم اس عورت سے نکاح کرسکتے ہو جسے تم پسند کرو) پس لعان چونکہ طلاق ثلاثہ ہے (لہٰذا مطلقہ ثلاثہ کی طرح) وہ عورت (متلاعنہ بھی) ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہو جاتی۔

الفاظ لعان کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ الفاظ لعان کے بیشتر حصہ کا استعمال مکمل الفاظ کے بولنے کے برابر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں میں سے کوئی شخص لعان کے بعض الفاظ استعمال کرلے تو وہ لعان نہ ہوگا۔ لعان کے بعض کلمات استعمال کرنے سے سزا ساقط نہ ہوگی جب تک کہ لعان کے وہ تمام مکمل الفاظ نہ ادا کیے جائیں جو قرآن میں آئے ہیں۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ 'لعان' کی حیثیت شہادت جیسی ہے۔ لہٰذا حاکم شرع کی موجودگی کے بغیر لعان نہ ہوگا لعان میں شرط یہ ہے کہ وہ شوہر کی طرف سے ہو، خواہ شوہر نے بیوی سے ہم بستری کی ہو یا نہ کی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ (شوہر) بالغ، عاقل اور مسلمان ہو۔ فقہاء یہ بھی کہتے ہیں کہ لعان کے وقت حق پسند (یا صالح) مردوں کی ایک جماعت کا موجود ہونا شرط ہے۔ کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ خاوند اپنے بیان سے یا عورت اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے۔ لعان کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عورت باقاعدہ نکاح کرکے، نکاح فاسد کی بناء پر نہیں، اپنے خاوند کے قبضہ میں ہو یا اس کی عدت میں ہو۔ گونگے کا لعان کرنا بھی درست ہے بشرطیکہ وہ اچھی طرح لکھ سکتا ہو۔ اور شہادت سے پہلے پانچ بار تحریر کرچکا ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ 'لعان' قسم ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ لعان حلفیہ شہادت ہے جو مؤکد بہ لعنت و غضب الٰہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فشهادة احدهم اربع شهادات بالله" میں ہے (یعنی فریقین لعان میں سے ہر ایک اللہ کی قسم کھا کر چار بار شہادت دے)۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں شہادت کا لفظ ہے "فجاء هلال فشهد ثم جاءت فشهدت" بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما (یعنی ہلال آئے اور انھوں نے شہادت دی پھر عورت یا ان کی بیوی آئی اور اس نے شہادت دی)۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لعان شہادت ہے جس میں قسم شامل ہے۔

Marfat.com

حمل کے بارے میں لعان کرنے کا بیان

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ حمل کی بناء پر لعان کرنا وضع حمل سے پہلے بھی درست ہے۔ (وضع حمل کی شرط نہیں ہے)۔ اسی طرح بچے سے بریت کے لیے بھی لعان ہو سکتا ہے (گو ہنوز پیدا نہ ہوا ہو) لیکن اس کے لیے مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس سے پہلے تین بار یا باختلاف بعض ایک بار وہ عورت ماہواری سے گزر چکی ہو (یعنی حمل سے خالی رہی ہو)۔

فقہاء نے حدیث مذکور کو حمل کے بارے میں لعان کرنے کی دلیل قرار دیا ہے علاوہ اس کے حمل کے دوران 'لعان' لاگو ہوتا ہے اور حمل کا پایا جانا لعان کے قوی ہونے کا قرینہ ہے۔ حمل کا ہو جانا ہی شبہ کا موجب ہوتا ہے۔ پس حمل کی بناء پر لعان کرنا درست ہے۔ تاکہ خاوند کو اس سے جو کوفت ہے وہ جلد از جلد دور ہو جائے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ولادت سے پہلے (حمل کی بناء پر) لعان کرنا اور ولادت سے پہلے بچے (کے حلالی ہونے) سے انکاری ہونا درست نہیں ہے۔ کیونکہ حمل کی بابت یقین نہیں کہ وہ حمل ہی ہو ممکن ہے وہ ریح (بادیا ہوا) ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اولاد کو تسلیم کر لینے کے بعد اس سے انکار کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اقرار کے بعد اس سے پھر جانا (اولاد کے حق میں) درست ہو تو ہر قسم کے اقرار میں ہو سکتا ہے۔ اس طرح تو کوئی حق ثابت نہیں ہو سکتا، اور دوسری صورت (یعنی پیدائش کے بعد مولود سے انکار کرنا) بالاجماع باطل (ناقابل تسلیم) ہے۔

نیز مروی ہے کہ ایک شخص نے اس بچہ کا جو حمل میں تھا اقرار کیا اور پیدا ہونے کے بعد اس (کا باپ ہونے) سے انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے سزائے تازیانہ دی اور وہ بچہ اس شخص کا قرار دے دیا۔

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس عورت کا نکاح لعان کے باعث فسخ کر دیا گیا ہو وہ بدوران عدت نان نفقہ اور مکان کی مستحق نہیں ہے کیونکہ بیوی کو نان نفقہ کا حق طلاق کی عدت کے دوران ہوتا ہے۔ فسخ نکاح کی عدت میں نہیں ہوتا۔ مکان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے اور جو اصحاب کہتے ہیں کہ لعان بھی طلاق ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ وہ کہتے ہیں کہ نان نفقہ اور مکان خاوند پر واجب ہے۔

گونگے کے بارے میں حکم شرعی

حنفیہ کہتے ہیں کہ گونگے کا تہمت لگانے یا لعان کرنے کو درست نہیں مانا جائے گا کیونکہ اس کا بیان مشکوک ہوتا ہے جس سے سزائے شرعی ساقط ہو جاتی ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ گونگے کا تہمت لگانا اور لعان کرنا صحیح مانا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کا اشارہ قابل فہم ہو جس سے اس کا مقصد واضح ہو جائے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ یا پھر اچھی طرح لکھنا جانتا ہو۔ ایسی صورت میں وہ سزائے تہمت کا مستوجب ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص لکھ سکتا ہے یا اس طرح اشارہ کر کے عیب کو بتا سکتا ہے جسے لوگ سمجھ سکیں تو اسے یہ معلوم ہوگا کہ اس نے شادی شدہ عورت پر تہمت لگائی اور اس پر عیب تھوپا۔ لہٰذا اس کے اشارے کو بیان کرنا تصور کیا جائے گا اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو گویائی رکھنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔

Marfat.com

لعان کرنے والوں کی اولاد کا بیان

فقہاء کہتے ہیں کہ لعان کرنے والوں کی اولاد ماں کی طرف منسوب ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی ماں کی وارث ہوگی اور اگر پہلے وہ وفات پائے تو ماں اس کی وارث ہوگی۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ اس عورت پر اس شخص کے ساتھ بدکاری کا الزام لگائے جس کے بارے میں خاوند نے اس پر تہمت لگائی تھی، اگر کسی شخص نے اس پر زنا کی تہمت لگائی تو وہ شخص مستوجب حد ہوگا۔ کیونکہ اس کے خاوند نے جو الزام لگایا تھا اس کی سچائی ثابت نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس عورت کو بے قصور تصور کیا جائے گا اور (شریعت کی رو سے) بنیادی بات یہ ہے کہ انسان کو بے گناہ تصور کیا جائے محض لعان سے اس عورت کو بے گناہی کی صفت سے عاری نہیں کہا جاسکتا اور جب تک یقین نہ ہو جائے کسی کی آبرو میں بٹہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی طرح کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے، کہ لعان کرنے والوں کے بچے کو ناجائز اولاد ہونے کا طعنہ دے اگر کوئی اسے ناجائز اولاد کہے تو اسے اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اس بچے کی قرابت داری وہی متصور ہوگی جو ماں کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سے مروی ہے کہ "وقضى انه ليس عليه قوت ولا سكنى من اجل أنهما يفترقان بغير طلاق ولا متوفي عنها" (یعنی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ خاوند کے ذمہ نہ اس عورت کی خوراک ہے نہ مکان، کیونکہ ان کے درمیان طلاق کے بغیر علیحدگی کرادی گئی۔ اور خاوند فوت بھی نہیں ہوا) اور انھوں نے فرمایا "الحق الولد بالمراة" (یعنی اس بچے کو ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا)۔ ایک اور روایت میں ہے "فكان الولد ينسب الى امه" (یعنی لڑکے کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی تھی) مطلب یہ ہے کہ اسے صرف ماں کی اولاد کہا جائے گا اور باپ سے منسوب نہ کیا جائے گا اور نہ وہ ایک دوسرے وارث قرار پائیں گے اور اس کا خاندان وہی متصور ہوگا جو اس کی ماں کا ہے اور مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لعان والی حدیث میں فرمایا "ومن رماها به جلد ثمانين جلدة" (یعنی جو شخص اس بات پر عورت کو عیب لگائے اسے اسی دُرّوں کی سزا دی جائے) ایک اور روایت میں ہے "وقضى ان لا يدعى ولدها لاب، ولا يرمى ولدها، ومن رماها او رمى ولدها فعليه الحد" (یعنی حضور نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس عورت کے لڑکے کو باپ کے نام سے نہ پکارا جائے اور نہ اس پر عیب لگایا جائے جس شخص نے اس بچے پر یا اس عورت پر تہمت لگائی وہ شخص مستوجب حد ہوگا)۔

لعان کے بعد مہر کے مطالبہ کا بیان

فقہاء کہتے ہیں کہ جب لعان کی تکمیل ہو جائے تو بیوی کا عقد فسخ ہو جائے گا اور وہ عورت طے شدہ مہر کی مستحق ہو گی، کیونکہ خاوند لعان سے پہلے اس کے ساتھ جنسی تمتع حاصل کر چکا ہے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کے ساتھ لعان کر لیا تو کہا "یا رسول الله مالی ؟" (یعنی یارسول اللہ میرے مال کا کیا بنے گا؟) ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ مہر جو وہ ادا کر چکے ہیں اس کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ جواب دیا "لاسبيل لك عليها" (یعنی اب اس سے تیرا کوئی مطالبہ نہیں ہے) کیونکہ وہ اس مہر کی حقدار ہو چکی ہے۔ پھر حضور نے وضاحت سے بیان فرمایا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچا تھا یا جھوٹا بہرحال عورت مہر کی مستحق ہے۔ کیونکہ اگر (یعنی بیوی پر الزام لگانے میں) سچا ہے تب بھی عورت وہ بات پوری کر چکی ہے جو اسے مہر کا حقدار بناتی ہے اور اگر جھوٹا مانا جائے تب بھی یہی صورت حال ہے اور مزید برآں جو عیب لگانا تھا اس شخص نے اس پر لگا لیا ہے۔ اگر عورت مباشرت شدہ ہے تو متفقہ طور پر سب کی یہی

Marfat.com

رائے ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا "للمتلاعنین حسابکما علی اللہ، احد کما کاذب لا سبیل لک علیھا قال یا رسول اللہ مالی؟ قال لامال لک ان کنت صدقت علیھا فھو بما استحللت من فرجھا، وان کنت کذبت علیھا فذلک ابعد لک منھا" (یعنی تمہارا معاملہ اب خدا کے ساتھ ہے۔ کوئی نہ کوئی تو تم میں سے جھوٹا ہے۔ مگر اب اس عورت کے ساتھ تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ سوال کیا یا رسول اللہ میرے مال (یعنی مال مہر) کا کیا ہوگا؟ فرمایا اب تمہیں اس مال پر کوئی حق نہیں ہے۔ اگر تم نے جو الزام لگایا تھا اس میں سچے ہو تب بھی وہ مال معاوضہ ہے اس کا جو تم نے اس کے اندام کو اپنے اوپر حلال بنالیا تھا اور اگر تم جھوٹ بولے ہو تب تو وہ مال اور بھی تم سے دور ہو گیا)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اگر اس عورت کے ساتھ خاوند نے مباشرت نہیں کی تھی تو اس بارے میں بھی جمہور کا خیال یہی ہے کہ وہ نصف مہر کی مستحق ہے جیسا کہ ان بیویوں کا حق ہوتا ہے جنھیں مباشرت سے پہلے طلاق مل گئی ہو۔ حماد اور حکم کہتے ہیں کہ وہ عورت بھی پورے مہر کی مستحق ہے لیکن زہری اور مالک کہتے ہیں کہ اسے کچھ نہ ملے گا۔

اولاد کے رنگ کا باپ کے رنگ سے نہ ملنا

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ محض رنگ کے مختلف ہونے کی بناء پر باپ کا اولاد سے انکار کرنا جائز نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ انکار صرف اس صورت میں جائز نہیں ہے جب کہ ایسا کوئی قرینہ موجود نہ ہو کہ رنگ کا اختلاف الزام زنا موجب قرار دیا جاسکے۔ چنانچہ اگر عورت پر بدکاری کا اتہام ہو اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کا رنگ اس شخص سے ملتا ہو جس کے ساتھ الزام لگایا گیا ہے تو اس صورت میں صحیح یہی ہے کہ خاوند بچے سے انکار کرسکتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی بچے کا رنگ باپ کے رنگ سے مختلف ہو اور اس عورت کی بدکاری کا قرینہ موجود ہے تو بچے سے بے تکلف انکار کرنا جائز ہے، لیکن اگر ایسا کوئی قرینہ نہ ہو تو انکار کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی فزارہ کا ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ میری بیوی نے سیاہ فام بچہ جنا ہے اور وہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس بچے کو اپنی اولاد (قرار دینے) سے انکار کردے۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا "ھل لک من ابل" (یعنی تیرا کوئی اونٹ ہے؟) اس نے کہا 'نعم' (جی ہاں) فرمایا "فما لونھا" (اس کا رنگ کیا ہے؟) اس نے کہا 'حمر' (یعنی سرخ) فرمایا 'ھل فیھا اورق؟' (کیا اس میں خاکی یا سرمئی رنگ ہے؟) اس نے کہا 'ان فیھا لورقاء' (یعنی جی ہاں خاکستری رنگ تو ہے) فرمایا 'فانی اتاھا ذلک' (کہ یہ رنگ اس میں کہاں سے آیا) اس نے کہا 'عسی ان یکون نزعۃ عرق' (یعنی ممکن ہے یہ رنگ کسی نسلی اثرات کا نتیجہ ہو) فرمایا 'فھذا عسی ان یکون نزعۃ عرق' (یعنی یہاں بھی ممکن ہے کہ یہ کسی نسلی رجحان کا نتیجہ ہو) غرض حضور نے بچے سے انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بہت سے لوگوں نے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں 'ان امراتی ولدت غلاما اسود وانی انکرہ' (یعنی میری بیوی نے ایک سیاہ فام بچہ جنا ہے۔ میں اس (کا باپ ہونے) سے انکار کرتا ہوں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ 'ان رسول اللہ ﷺ دخل علی تبرق اساریر

Marfat.com

وجهه، فقال: الم تری ان مجززاً نظر آنفاً الی زید بن حارثة و اسامة ابن زید فقال ان هذه الا قدام بعضها من بعض" رواہ الجماعۃ (یعنی رسول اللہ ﷺ آئے ان کا چہرہ (خوشی سے) دمک رہا تھا آپ نے فرمایا تم نے دیکھا ابھی ایک مجزز (قیافہ شناس) نے زید ابن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ کو دیکھا اور کہا کہ ان کے پیر ایک دوسرے کا حصہ معلوم ہوتے ہیں) اس حدیث کو ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگ زیدؓ بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ کے بارے میں چہ میگویاں کرتے تھے، کیونکہ زید کا رنگ سفید تھا اور اسامہ سیاہ فام تھے۔ اس بارے میں لوگ ایسی باتیں کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرتی تھیں۔ پھر جب حضورؐ نے اس مُدلجی کی یہ بات سنی تو خوش ہوئے اور غم دور ہوا کہ سیدنا زید پر جو تہمت تھی وہ دور ہوگئی۔ اور ان کے ساتھ اسامہؓ کے نسب کی صداقت ثابت ہوگئی اور یہی امر برحق تھا۔ رسول اللہ ﷺ امر حق کے سوا کسی بات پر مسرت کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ اسامہؓ کا نسب تو شرعی طور پر ان کے باپ کے ساتھ ثابت تھا لیکن رنگ کے اختلاف کے باعث جو باتیں بنائی جاتی تھیں، مدلجی کے قول نے ان سب کی باتوں کو بے اصل بنا دیا۔

تہمت لگانے کے بعد طلاق دے دینے کے متعلق مسائل

حنفیہ کہتے ہیں کہ جب ایک شخص اپنی بیوی کو، جس پر اس نے تہمت لگائی ہے، طلاق دے دے، تو اب ان کے درمیان لعان کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس تہمت کی کوئی سزا نہیں ہے۔ لیکن اگر بیوی کو کسی نے پہلے طلاق دے دی اور پھر اسے کہا اے زنا کرنے والی عورت! تو ایسا شخص مستوجب حد ہے۔ کیونکہ اس شخص نے ایک عورت پر اس وقت عیب لگایا جب کہ وہ اجنبی تھی (یعنی اس کی بیوی نہیں رہی تھی)۔ ہاں اگر یوں کہا ہوتا کہ اے بدکار (یازانیہ) عورت تجھے طلاق ہے تو اب اس پر نہ لعان ہے اور نہ سزائے تہمت ہے کیونکہ اس شخص نے صورت لعان پائی جانے کے بعد تین طلاق دے دی اور جب وہ عورت زوجیت سے خارج ہوگئی تو گویا لعان کے بعد علیحدگی ہوئی لہٰذا حد ساقط ہوگئی۔

اگر کسی شخص نے اپنی چار بیویوں پر تہمت لگائی تو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لعان ہوگا۔ لیکن اگر چار غیر عورتوں پر تہمت لگائی تو ایک حد (سزائے قذف) کا مستوجب ہوگا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ثانی الذکر مسئلہ میں (سزا کا مقصد جو سرزنش ہوتا ہے وہ ایک بار حد لگنے سے پورا ہوگیا۔ لیکن پہلی صورت میں لعان کا مقصد ہر عورت کو اس تہمت سے بری کرنا ہے جو اس پر لگائی گئی نیز اس کے نکاح کو فسخ کرنا ہے اور یہ امر ایک ساتھ کرنے سے پورا نہیں ہوسکتا ہے۔ (لہٰذا ہر ایک سے الگ الگ لعان ہوگا)۔

اگر کسی شخص نے بیوی سے کہا کہ تجھے جو حمل ہے وہ میرا نہیں ہے۔ تو اس سے لعان عائد نہ ہوگا کیونکہ ہنوز حمل ہونے ہی کا یقین نہیں ہے (ممکن ہے کہ وہ کوئی عارضہ ہو) لہٰذا اسے تہمت قرار نہیں دیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے اپنی آزاد بیوی (جو لونڈی نہ ہو) کے بچے کا باپ ہونے سے انکار کیا اور بیوی نے اس کو مان لیا تو نہ حد ہے نہ لعان ہے وہ بچہ ان دونوں ہی کا قرار دیا جائے گا اور ان کے انکار کو تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ باپ کے ساتھ بچے کے نسب کا قائم ہونا بچہ کا حق ہے اور ماں کی یہ حق نہیں ہے کہ وہ بچے کو اس حق سے محروم کردے لہٰذا محض اس کی تصدیق سے بچے کو نسب سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی تصدیق کو حد یا لعان کا موجب بنایا جاسکتا ہے کیونکہ بصورت موجودہ وہ عورت لعان کے (قرآنی) الفاظ کہ "میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ شخص جھوٹا ہے" نہیں کہہ سکتی کیونکہ وہ کہہ چکی کہ یہ

Marfat.com

سچ کہتا ہے۔اور جب لعان ممکن نہیں تو نسب کی نفی بھی ممکن نہیں۔

اگر کسی شخص نے اتہام لگانے کے بعد بیوی کو طلاق رجعی دے دی تو لعان واجب ہوگا، کیونکہ (طلاق رجعی میں) زوجیت باقی رہتی ہے اور اگر کسی نے طلاق بائن کے بعد (یعنی ایسی طلاق کے بعد جس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے) پھر اس عورت سے شادی کر لی تو اب نہ (سابقہ تہمت کی بناء پر) لعان ہو سکتا ہے اور نہ حد عائد ہوتی ہے۔

ولادت کے بعد بچے (کا باپ ہونے) سے انکار

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خاوند بچہ ہونے کے بعد ہی اس (کا باپ ہونے) سے انکار کر دے تو وہ تسلیم کیا جائے گا۔لیکن اگر ولادت کو طویل عرصہ گزر گیا اور اب انکار کیا تو یہ انکار نہ ہوگا۔کیونکہ اس نے بچے کی مبارکباد قبول کی۔ ولادت کے اخراجات برداشت کیے اور دوستوں کے تحفے قبول کیے اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد ایک عرصہ بھی گزر گیا اور بیوی کو اس نے بدستور رکھ چھوڑا ہے، تو اس کا یہ فعل واضح طور پر بچے کے تسلیم کر لینے کا اقرار ہے۔اس کے بعد انکار درست نہیں ہے۔

قبیصہ بن ذؤیب سے مروی ہے کہ ''قضی عمر بن الخطاب فی رجلٍ انکر ولد امرأته وھو فی بطنھا، ثم اعترف به وھو فی بطنھا حتی اذا ولد انکرہ، فامر به عمر فجلد ثمانین جلدۃ لفریته علیھا، ثم الحق به ولدھا '' (یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ تھا جبکہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے پیٹ کے بچے سے پہلے تو انکار کیا پھر ہنوز وہ پیدا نہ ہوا تھا کہ اس (کے باپ ہونے) کا اقرار کر لیا، تاہم جب وہ پیدا ہو گیا تو انکار کر دیا۔حضرت عمر نے بیوی پر طوفان باندھنے کی پاداش میں اسے اسی (۸۰) دُرّوں کی سزا کا حکم دیا جس پر عمل کیا گیا پھر وہ بچہ اس شخص کا قرار پایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ ''ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لاعن بین ھلال ابن امیة وامرأته و فرق بینھما و قضی ان لایدعی ولدھالاب، ولا یرمی ولدھا من رماھا اورمی ولدھا فعلیه الحد' بروایت احمد (یعنی آنحضرت ﷺ نے ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا اور ان دونوں میں علیحدگی کر دی اور حکم دیا کہ اس بچے کو کسی باپ کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور نہ اس کے اس بچے کو عیب لگایا جائے۔اگر کسی نے اس عورت پر یا اس کے بچے پر عیب لگایا تو وہ مستوجب حد ہوگا)۔حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہی لڑکا بعد میں مصر کے ایک صوبہ کا حاکم (گورنر) مقرر ہوا، اسے کسی کا بیٹا نہیں کہا جاتا تھا۔

اگر خاوند کہیں دور دراز علاقہ میں چلا گیا ہو اور سفر سے واپس آنے پر معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے تو گویا وہ اسی وقت پیدا ہوا جب خاوند کو علم ہوا۔اب اگر اس کی پیدائش کا علم ہوتے ہی اس (کا باپ ہونے) سے انکار کر دے تو یہ انکار قابل تسلیم ہوگا لیکن اگر اس کا علم ہونے کے طویل عرصہ بعد انکار ہو تو یہ انکار قابل تسلیم نہ ہوگا کیونکہ اس کے طویل عرصہ تک خاموش رہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس پر راضی ہے (یعنی اس نے بچہ کو تسلیم کر لیا)۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ولادت سے پہلے حمل کے نسب سے انکار نہیں ہو سکتا۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ

Marfat.com

ولادت سے پہلے ہی اس بچے کو اولاد کی حیثیت دے دی گئی حالانکہ بچہ جب تک پیٹ میں ہے اسے اولاد کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ مثلاً حق وراثت اور امور متعلقہ وصیت کا حق اس وقت تک پیٹ کے بچے کو حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ پیدا نہ ہو جائے۔ (یہ نہیں ہوسکتا تو بچہ کو نسل سے خارج بھی نہیں کیا جاسکتا)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے جنے اور خاوند نے پہلے (پیدا ہونے والے) بچے کو اپنا مانا اور دوسرے سے انکار کیا تو دونوں بچوں کا نسب تو اس شخص سے مانا جائے گا لیکن (انکار جو کیا ہے اس لیے) لعان کرایا جائے گا اگر خاوند نے اس کے برعکس کیا کہ پہلے بچے سے انکار کیا اور دوسرے کو اپنا مانا، تب بھی دونوں کا نسب اس شخص سے مانا جائے گا لیکن (انکار کی پاداش میں) مستوجب حد ہوگا (دونوں بچوں کا) نسب تو اس شخص کے ساتھ اس لیے تسلیم کیا جائے گا کہ دونوں بچے قدرتی طور پر جڑواں ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے تو اگر ایک کا نسب تسلیم کرلیا گیا تو دوسرے کا ثابت ہونا بھی ناگزیر ٹھہرا۔ اور درآنحالیکہ اس شخص نے دوسرے بچے سے انکار کیا تو اس نے اپنے کسی پہلے بیان کی تکذیب نہیں کی لہٰذا اب وہ لعان کرے گا اور اس نے پہلے بچے سے انکار کیا او دوسرے کا اعتراف کرتا ہے تو اس اعتراف سے اپنے پہلے بیان کی تکذیب کرتا ہے۔ لہٰذا مستوجب حد ہے۔

بیوی کو کسی خاص شخص کے ساتھ بدنام کرنے کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی پر کسی خاص آدمی کے ساتھ ملوث ہونے کی تہمت لگائے اور کہے کہ تو نے فلاں شخص کے ساتھ بدکاری کی تو بیوی پر اس اتہام کے بارے میں لعان کرے گا۔ اور اس شخص پر تہمت لگانے کی پاداش میں مستوجب حد ہوگا، بشرطیکہ وہ حد کا مطالبہ کرے۔ اس لعان سے حد قذف ساقط نہ ہوگی۔

اس بارے میں شافعیہ کے اقوال میں سے اس قول کو ترجیح حاصل ہے کہ (ان دونوں الزاموں کے عوض) اس شخص پر ایک حد لاگو ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں الزامات میں سے ہر ایک کی پاداش میں اس پر حد لازم ہے۔ لیکن اگر لعان میں اس تہمت کا ذکر آیا ہے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر، شریک بن سحاء کے ساتھ ملوث ہونے کی تہمت لگائی۔ وہ براء بن مالک کے ماں شریک بھائی تھے اور ملت اسلامیہ میں وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے لعان کیا۔ بیوی کے ساتھ لعان کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا، "ابصروھا فان جاءت به ابیض سبطاً، قضئ العینین فھو لھلال بن امیه، وان جاءت به اکحل، جعداً، حمش الساقین، فھو لشریک بن سمحاء" (یعنی اب دیکھنا اگر اس عورت کے بچہ کا رنگ سفید، بال سیدھے اور آنکھیں پھیلی ہوئی ہیں تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے اور اگر وہ سیاہ چشم گھونگھریالے بال اور پتلی پنڈلیوں والا ہے تو وہ شریک بن سحاء کا ہے) پھر یہ معلوم ہوا کہ اس بچے کی آنکھیں سیاہ، بال گھونگھریالے اور پنڈلیاں پتلی ہیں۔ (بروایت احمد، مسلم ونسائی

اس حدیث میں لفظ 'سبط' کے معنے سیدھے بال والے اور 'قضئ العینین' کے معنے خراب آنکھوں والے کے ہیں اور 'اکحل' وہ ہے جس کی آنکھ سیاہ ہو اور 'جعد' کے معنی سیدھے بال کے برعکس یا چھوٹے بال کے ہیں۔

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ جس شخص کی بابت انھوں نے اطلاع دی تھی وہ زرد رنگ، چھوٹے اور گھونگھریالے بال والا ہے اور وہ شخص جس کی بابت ان کا بیان تھا کہ اپنی گھر والی کے پاس اسے دیکھا۔ وہ بھری پنڈلیوں والا، گندم گوں اور فربہ جسم ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللّٰھم بین'' (یعنی یا اللہ حقیقت حال کھول دے) چنانچہ اس عورت سے جو بچہ پیدا ہوا وہ اس شخص سے مشابہ تھا جس کا ذکر اس کے خاوند نے کیا تھا کہ انھوں نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان میں لعان کرا دیا۔

بن دیکھے الزام پر لعان کرنے کا مسئلہ

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو 'زانیہ' کہا اور اس کا ثبوت بہم نہ پہنچا سکا تو وہ شخص مستوجب حد ہے۔ ایسے شخص کو لعان کے لیے نہ کہا جائے گا جس نے ارتکاب جرم خود نہ دیکھا ہو۔ مالکیہ کے نزدیک لعان کی شرط یہ ہے کہ اس شخص نے اس برائی کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ خاوند کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرے اگرچہ لعان میں چشم دید برائی کا الزام نہ لگایا ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک لعان کے لیے دیکھنا شرط نہیں ہے۔

بدوران عدت بدکاری کا ارتکاب

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دی (جس کے بعد زوجیت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے) پھر اس نے اپنی بیوی کو ایام عدت میں ملوث ہوتے پایا تو اسے حق ہے کہ اس کے ساتھ لعان کرے اگر طلاق کے بعد عورت کا حمل ظاہر ہو اور خاوند کہے کہ میں ایام کے آنے تک اس سے بے تعلق رہا ہوں تب بھی لعان کا حق ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو حمل ہو یا بچہ پیدا ہو جائے تب ہی خاوند لعان کر سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو اسے لعان کا حق نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ (جس نے طلاق دے دی ہے) اسے لعان کا حق ہی نہیں ہے کیونکہ طلاق کے بعد عورت بیوی نہ رہی بلکہ اجنبی ہو گئی (اور اجنبی عورت سے لعان نہیں ہوتا)۔

عقد کے بعد ہی طلاق یافتہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے کا بیان

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے عقد نکاح کیا اور عقد کے معاً بعد کہ ہنوز مباشرت کا موقع نہ ملا تھا، طلاق دے دی اور عقد کے بعد چھ ماہ میں بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ اس شخص کا قرار نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ عقد کے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ عقد سے پہلے کی حاملہ تھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ بچہ اسی کا قرار دیا جائے گا بشرطیکہ اس کا عقد حاکم شرع کے سامنے ہوا ہو اور عقد کے بعد ہی اسے طلاق ہو گئی ہو اور چھ ماہ سے کم میں پیدا نہ ہوا ہو اور نہ چھ ماہ سے زیادہ میں۔ یہ بچہ اسی شخص کا مانا جائے گا کیونکہ وہ عقد کے بعد اور طلاق سے پہلے کا ہے۔

Marfat.com

نکاح کے بعد خاوند کے مفقود الخبر ہو جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے بعد دو سال تک مفقود الخبر رہا پھر اس کے وفات پا جانے کی خبر آ گئی۔ بیوی نے عدت گزاری اس کے بعد شادی کر لی اور دوسرے خاوند سے اولاد پیدا ہوئی پھر پہلا خاوند واپس آ گیا تو اس دوران پیدا ہونے والے بچے پہلے خاوند کی طرف منسوب ہوں گے انھیں دوسرے کی اولاد قرار نہیں دیا جائے گا دوسرے خاوند سے طلاق ہو جائے گی اور پھر پہلے خاوند کی بیوی ہو جائے گی۔

اس بارے میں حنفیہ کی دلیل، رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے ''الولد للفراش، وللعاهر الحجر'' (یعنی بچہ صاحب فراش کا ہے اور بدکار کا کچھ نہیں)۔ اس حدیث کو ایک جماعت نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور بخاری کی روایت میں ''الولد لصاحب الفراش'' آیا ہے (یعنی بچہ صاحب فراش کا ہے) چونکہ عورت عقد کے بعد خاوند کا 'فراش' ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جو اس فراش کا مالک ہے لڑکا اسی کا ہو گا۔ کیونکہ احکام کا ماخذ صاحب شریعت کی تصریح ہے۔

واضح ہو کہ لفظ 'فراش' کے معنوں میں علماء کا اختلاف ہے:

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ لفظ 'فراش' حدیث میں عورت کا نام ہے۔ اور عورت کو اس کی حالت اِفتراش (یعنی پچھاڑی جانے) کی بناء پر 'فراش' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ 'فراش' کے معنے 'خاوند کی بیوی' کے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی سے 'فرش مرفوعة' نکلا ہے۔ (جس کے معنے شاندار یا بلند بالا بیویاں ہیں) اور اس کے معنے جاریہ (لونڈی) کے بھی ہیں جسے مرد نیچے ڈالتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث میں 'فراش' کا لفظ خاوند کے لیے ہے چنانچہ ابن الاعرابی نے اس معنے کے ثبوت میں 'جریر' کے اس قول کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ''باتت تعانقه، وبات فراشها'' (یعنی وہ عورت اس شخص کے ساتھ شب باش ہوئی اور اس کے خاوند نے بھی رات گزاری) اور الفاظ حدیث ''للعاهر الحجر'' میں عاہر کے معنے زنا کرنے والے کے ہیں چنانچہ بولتے ہیں 'عهر' یعنی اس نے بدکاری کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے مفہوم میں رات کا وقت داخل ہے (یعنی رات کے وقت بدکاری کرنا 'عهر' ہے) اور ''لهُ الحجر'' میں حجر کے معنے 'خیبت' (یعنی نامرادی) کے ہیں۔ یعنی اس شخص کا اس اولاد پر کوئی حق نہیں ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں لفظ 'حجر' کے معنے یہ ہیں کہ اگر بدکاری کرنے والا شادی شدہ ہے تو اسے سنگسار کیا جائے۔

ایک جماعت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: وہ کہتی ہیں 'اختصم سعد بن ابی وقاص وعبداللّٰه بن زمعة الی رسول اللّٰه ﷺ، فقال سعد: یارسول اللّٰه ابن اخی عتبة بن ابی وقاص، عهد الی انه ابنه، انظر الی شبهه وقال عبداللّٰه بن زمعة: هذااخی یا رسول اللّٰه ولد علی فراشِ ابی، فنظر رسول اللّٰه ﷺ الی شبهه، فرای شبها بینا بعتبة، فقال: هولک یا عبداللّٰه بن زمعة، الولد للفراش، وللعاهر الحجر، واحتجبی منه یا سودة بنت زمعة قال، فلم یری سودة قط'' (یعنی سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن زمعہ نے اپنا باہمی نزاع رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا: سعد نے کہا، یارسول اللہ میرے بھتیجے عتبہ بن ابی وقاص نے قسم کھا کر مجھے کہا ہے کہ ''میں ابو وقاص کا بیٹا ہوں۔ ان

Marfat.com

کے ساتھ مشابہت آپ ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ عبداللہ بن زمعہ نے کہا کہ: یارسول اللہ یہ تو میرا بھائی ہے میرے باپ کی بیوی سے پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی صورت کو ملاحظہ فرمایا اور دیکھا کہ عتبہ کو ان سے یعنی عبداللہ بن زمعہ سے، واضح مشابہت ہے، تب فرمایا کہ اے بندے عبداللہ بن زمعہ یہ تیرا ہی بھائی ہے۔ اولاد خاوند کی ہے اور بدکاری کرنے والے کا کوئی حق نہیں ہے: بہر حال اے سودہ بنت زمعہ تو ان سے پردہ کر: اس کے بعد انھوں نے کبھی سودہ کو نہیں دیکھا)۔ واضح ہو کہ یہ سودہ وہی ہیں جو ام المومنین (یعنی ازواج رسول اللہ ﷺ میں سے) ہیں واضح ہو کہ حنفیہ صرف عقد نکاح ہو جانے کی بناء پر نسب قائم کر دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ نسب ثابت کرنے کے لیے محض گمان کافی ہے۔ بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی جو مغرب میں ہے اور خود مشرق میں ہے اور شادی کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کو اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اور محض عقد کی بناء پر اس بچے کے ہو جانے سے انکار کرنے کی مخالفت کی ہے اور امکان مباشرت کا تسلیم کرنا لازمی قرار دیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ فرائض زوجیت کو ثابت کرنے کے لیے صرف نکاح کا ہو جانا کافی ہے۔ لیکن ابن تیمیہ کا خیال یہ ہے کہ (ثبوت نسب کے لیے) ضروری ہے کہ حقیقی معنوں میں مباشرت کا ہونا معلوم ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ محض امکان مباشرت کی بناء پر شریعت (بچہ کا) نسب ایسے شخص کے ساتھ جوڑ دے جس نے نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ زفاف کیا ہو نہ مباشرت کی ہو اور نہ دونوں اکٹھے ہوئے ہوں؟

حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ حقیقی طور پر مباشرت کا معلوم ہونا دشوار ہے اگر (صحت نسب کا) انحصار اسی پر رکھا جائے تو بہت سے نسلی رشتے باطل ہو جائیں گے شریعت نے (نسب کے بارے میں) بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور (ثبوت نسب کے لیے) محض امکان مباشرت کو پیش نظر رکھنا ہی احتیاط کی مناسب صورت ہے۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ بالا میں اس اولاد کو عورت کے دوسرے خاوند کی طرف منسوب کیا جائے۔ کیونکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اس شخص نے اس عورت سے شادی کی اور مباشرت ہوئی اور عورت اس کی زوجیت میں رہی۔ یہی رائے قرین عقل ہے اور بہر حال اثبات نسب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بچہ نکاح صحیح کے بعد گو بقول ائمہ ثلاثہ نکاح فاسد ہی ہوا ہو اور مباشرت کا موقع مل چکنے کے بعد حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ گزرنے پر پیدا ہوا ہو۔ احناف کے نزدیک یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد اتنی مدت گزر چکی ہو خواہ دونوں اکٹھے نہ رہے ہوں۔ ابن تیمیہ کے نزدیک یہ ہے کہ گو حقیقی طور پر ان کا مباشرت کرنا معلوم نہ ہو۔ (وقت کی اس قید پر) سب کا اتفاق ہے۔ پس اگر اس عرصہ سے پہلے بچہ پیدا ہو گیا تو قطعی طور پر وہ بچہ عقد سے پہلے کا ہے لہٰذا اسے کسی شخص کی طرف سے منسوب نہیں کیا جا سکتا اور یہ سب کہتے ہیں کہ کسی بچے کو ایک سے زیادہ اشخاص کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

خارجیوں کی رائے

خوارج کہتے ہیں کہ زنا کرنا اور تہمت لگانا کفر ہے۔ اہل سنت اس خیال کی تردید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں "والذین یرمون ازواجهم ولم یکن شهداء الا انفسهم ......" (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر عیب لگاتے ہیں اور اپنے سوا اس کی کوئی گواہی پیش نہیں کر سکتے ......") اس آیت سے اہل سنت کے خیال کی تائید دو طرح سے ہوتی ہے:

Marfat.com

انسانی خصائل ذمیمہ کو ختم کرنے میں شریعت اسلامیہ کا کردار

شریعت اسلامیہ نے انسان کی بری خصلتوں کو ختم کرنے اور بداخلاقیوں کا سدباب کرنے کی طرف پوری توجہ مبذول فرمائی ہے۔ کیونکہ اقوام کی پائیداری اور خوشی بختی اسی میں ہے۔

ایک یہ کہ عیب لگانے والا اگر سچا ہے تو عورت کو مرتکب زنا قرار دیا جائے گا اور اگر جھوٹ بولا ہے تو وہ قاذف (یعنی تہمت لگانے والا) ٹھہرے گا۔ اب خوارج کے قول کے مطابق دونوں میں سے ایک پر کفر عائد ہوگا اور وہ 'مرتد' (دین اسلام سے پھر جانے والا) ہوگا۔ ایسی صورت میں دونوں کے درمیان علیحدگی لازم ہوگی۔ اور لعان قطعاً نہ ہوگا اور یہ علیحدگی جو ارتداد کی بناء پر ہوگی اس میں باہمی وراثت کو دخل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر لعنت کرنے سے بقول خوارج کفر ثابت ہوگیا تو لازم ہوگا کہ انھیں قتل کیا جائے دُرّہ زنی یا سنگساری کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ مرتد ہونے کی سزا بدکاری کی سزا سے بالکل مختلف ہے۔

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ اس آیت سے ان لوگوں کا قول باطل ثابت ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ 'زنا' سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بیوی پر زنا کا عیب لگاتا ہے تو اس صورت میں واجب ہے کہ وہ نکاح کے فاسد ہو جانے کا اعتراف کرے اور صورت حال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بیوی کو دودھ شریک بہن یا کافرہ قرار دے۔ ایسا ہو تو عیب لگانے کے ساتھ ہی 'لعان' کے بغیر ہی ان دونوں میں علیحدگی واجب ہو جائے گی اور اس خیال کی غلطی بالاجماع مسلّم ہے۔

معتزلیوں کی رائے

معتزلہ کہتے ہیں کہ آیت لعان سے ثابت ہے کہ تہمت لگانے والا اگر جھوٹا ہے تو مستوجب لعنت الٰہی اور فاسق ہے اسی طرح بدکاری کرنے والا مرد اور عورت دونوں خدا کے غضب اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں ورنہ اپنے اوپر لعنت کرنا درست نہ ہوگا بلکہ یہ ایسا ہی فعل (ناموزوں) ہوگا جیسے کوئی شخص بچوں یا جنون زدہ پر لعنت الٰہی کا طالب ہے جو جائز نہیں ہے۔ پس وہ عذاب کے مستحق ہوئے اور عذاب بھی ثواب کی طرح دائمی شے ہے۔ اور چونکہ دونوں باتیں (یعنی عذاب وثواب) جمع نہیں ہوسکتیں لہٰذا ان کے (کارہائے) ثواب رائیگاں گئے اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو جنت میں نہ جائیں گے کیونکہ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ مکلف انسانوں میں سے (یعنی جن پر شرعی احکامات لاگو ہوتے ہیں) صرف اہل طاعت ہی جنت میں داخل ہوں گے اور نتیجۃً بدکار لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ائمہ فقہ کہتے ہیں کہ یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ جو شخص اپنے گناہوں کے باعث مستوجب غضب الٰہی ہے وہی اپنے ایمان کے باعث رضائے الٰہی کا مستحق بھی ہے۔ پھر اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ بات نہیں مانی جاسکتی کہ جنت میں صرف ثواب کے حقدار داخل ہوں گے۔ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔

Marfat.com

شریعت اسلامیہ چاہتی ہے کہ بنی نوع انسان کا مقام عزوشرف قائم رہے۔ چنانچہ ہمیشہ ائمہ امت نے اس امر کو مدِنظر رکھا ہے کہ اسلامی معاشرہ عیب سے پاک ہو غیرت کا پاس رکھا جائے اور گناہ پھیلنے نہ پائیں۔ ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد بے رحم (ظالم) کو قوم پر مسلط کر دیتا ہے۔ (۱)

بعض کہتے ہیں کہ لعان کرنے والی کو پانچویں بار اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ قسم کھانا اس لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ گناہ کی جڑ اور حرص وطمع کی منبع وہی ہے اور اسی لیے آیت قرآن میں زانیہ کا ذکر پہلے آیا ہے۔

۱۔ پُراز حکمت شرع اسلام نے بدکاری سے منع کیا اور ناجائز نکاح سے نفرت دلائی ہے اور اسے ایک ایسا گناہ قرار دیا ہے جو انسان کے اعمال نیک کو بھی تلف کر دیتا ہے۔ اور اس کا مرتکب مستوجب جہنم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لاتنکحوا مانکح آباؤ کم من النسآء الا ماقد سلف ، انه کان فاحشة و مقتا، وساء سبیلا " (النسآء:۲۲) (یعنی لوگو جن عورتوں سے تمھارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو تم ان سے نکاح نہ کرنا۔ اس سے پہلے جو ہوا سو ہو چکا۔ وہ سخت گناہ اور ناپسندیدہ حرکت تھی اور برا طریقہ تھا)۔ پھر (خدا پرست لوگوں کے حق میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والذین لایدعون مع الله الهاً آخر، ولا یقتلون النفس التی حرم الله الابالحق ، ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاماً، یضاعف له العذاب یوم القیامة، ویخلد فیه مهانا " (یعنی وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو بھی نہیں پکارتے اور ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے اور جو بھی یہ کرتا ہے وہ معصیت سے دوچار ہوا، قیامت کے روز اسے دگنے عذاب کا سامنا ہوگا اور وہ ذلت کے دیرپا عذاب میں پڑا رہے گا)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زنا کو شرک اور قتل ناحق کے ساتھ ملایا جو اللہ کی حرام کردہ بدترین معصیتیں اور بڑے سے بڑے گناہ ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے زنا کتنا بڑا گناہ ہے اور تمام معصیتوں اور گناہوں میں یہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ بہت بڑا گناہ کرتا ہے اور اس کی پاداش میں اتنے طویل عرصہ تک ذلت وحقارت کے ساتھ جہنم میں رہے گا کہ گویا یہ دائمی عذاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قل انما حرم ربی الفواحش ماظهر منها ومابطن " (الاعراف:۳۳) (یعنی یہ بتا دو کہ میرے پروردگار نے تمام بڑے گناہوں کو خواہ ان کا علانیہ ارتکاب کیا جائے یا چھپ کر، حرام فرمایا ہے)۔ نیز ارشاد فرمایا "الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة؛ ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تومنون بالله والیوم الآخر، ولیشهد عذابهما طائفة من المومنین. الزانی لاینکح الازانیة اومشرکة، والزانیة لاینکحها الازان اومشرک، وحرم ذلک علی المؤمنین " (النور:۲،۳) (یعنی زناکار مرد اور زناکار عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو تازیانے مارو اور اگر تم کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے تو اس دینی حکم کی بجا آوری میں نرمی سے کام نہ لینا اور چاہیئے کہ سزا ملنے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت اس کا مشاہدہ کرے۔ جو بدکار انسان ہے وہی بدکار یا مشرکہ عورت سے شادی کرے گا اسی طرح بدکار عورت سے ایک بدکار یا مشرک آدمی ہی نکاح کرے گا اور ایسا کرنا اہل ایمان کو حرام ہے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لایحل دم امری مسلم یشهدان الا اله الاالله، وانی رسول الله الاباحدی ثلاث، الثیب الزانی، والنفس بالنفس والتارک

Marfat.com

لدينه، المفارق للجماعة ''بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی۔ (یعنی کوئی بھی مسلمان جو اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون ان تین حالتوں کے سوا حلال نہیں ہے۔ شادی شدہ زنا کار، ناحق قتل کرنے والا اور اپنے دین (اسلام) کو ترک کر کے امت مسلمہ سے الگ ہو جانے والا)۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ''یا بغايا العرب يا بغايا العرب ان اخوف ما اخاف عليكم الزنا، الشهوة الخفية'' رواه الطبرانی ''(یعنی اے عرب کی بدکار عورتو! اے عرب کی بدکار عورتو! مجھے تمھاری طرف سے سب سے زیادہ اندیشہ بدکاری اور مخفی شہوت رانی کا ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اذا زنى الرجل خرج منه الايمان، فكان عليه كالظلة فاذا اقلع رجع اليه الايمان'' بالفاظ ابوداؤد (یعنی جب کوئی شخص بدکاری کرتا ہوتا ہے تو اس وقت ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کے سر پر کھڑا رہتا ہے جیسے سائبان پھر جب وہ اس فعل سے الگ ہو جاتا ہے تب ایمان واپس آ جاتا ہے)۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ان الايمان سربال يسربله الله من يشاء، فاذا زنى العبد نزع منه سربال الايمان، فان تاب رد عليه'' (یعنی یقیناً ایمان لباس ہے اللہ جسے چاہتا ہے پہناتا ہے، جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا لباس اتر جاتا ہے۔ پس اگر توبہ کرے تو لوٹ آتا ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة، ولا يزكيهم، ولا ينظر اليهم، ولهم عذاب اليم، شيخ زان، وملك كذاب، وعائل مستكبر'' (بروایت مسلم ونسائی۔ (یعنی تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ نہ ان سے کلام کرے گا نہ وہ (عیب سے) پاک ہوں گے اور نہ ان کی طرف نظر (کرم) فرمائے گا، بلکہ ان پر المناک عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ عمر رسیدہ شخص ہے جو زنا کا مرتکب ہوا اور وہ بادشاہ جو جھوٹ بولے اور عائل (محتاج) جو تکبر پسند ہو)۔ اور الاوساط میں بروایت طبرانی یہ الفاظ ہیں ''لا ينظر الله يوم القيامة الى الشيخ الزانى، ولا العجوز الزانيه'' (یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عمر رسیدہ بدکار مرد اور عمر رسیدہ بدکار عورت کی طرف نظر کرم نہ فرمائے گا)۔

بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان السموات السبع، والا رضين السبع ليلعن الشيخ الزانى، وان فروج الزناة ليوذى اهل النار نتن ريحها'' بروایت بزار۔ (یعنی بلاشبہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین عمر رسیدہ زانی پر لعنت کناں ہیں، اور بدکار عورتوں کی شرمگاہ سے ایسی عفونت نکلے گی جس کی اذیت اہل جہنم بھی محسوس کریں گے)۔

غلام پر حد کا نفاذ

چاروں ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر غلام یا لونڈی بدکاری کریں تو انھیں پوری سزا نہیں دی جائے گی۔ سزا پچاس درّے ہے۔ یہ مرد ہوں یا عورت سب کی سزا یکساں ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ انھیں سنگسار نہیں کیا جائے گا، اگرچہ مرتکب شادی شدہ ہوں۔ انھیں بہرحال درّہ زنی کی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ فقہاء نے سزائے سنگساری کے لیے آزاد اور شادی شدہ ہونے کی شرط رکھی ہے پس مملوک اگرچہ شادی شدہ ہو وہ محصن (محفوظ) تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے

Marfat.com

ثبوت میں فقہاء اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش فرماتے ہیں "فاذا احصن فان اتین بفاحشة فعلیهن نصف ما علی المحصنات من العذاب" (یعنی اگر لونڈیاں شادی شدہ ہوں اور اس گناہ عظیم کی مرتکب ہوں تو انھیں شادی شدہ عورتوں سے نصف سزا دی جائے) اور سنگساری ایسی سزا ہے جسے آدھا نہیں کیا جاسکتا (یعنی جس سزا کو آدھا کیا جانا ممکن ہے وہی سزا آدھی کردی جائے گی)۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر غلام بدکاری کا ارتکاب کرے تو اسے پچاس درے مارے جائیں اور نصف سال کے لیے جلاوطن کردیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا "اذا زنت امة احدکم فتبین زناها، فلیجلدها الحد، ولا یثرب علیها ای لا یوبخها ثم ان زنت فلیجلدها الحد، ولا یثرب علیها، ثم ان زنت الثالثة فلیبعها، ولو بحبل من شعر" محدثین خمسہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (یعنی اگر تمھاری کوئی لونڈی (مملوکہ) بدکاری کی مرتکب ہو اور اس کا جرم ثابت ہوجائے تو حد ماری جائے اور زجر و توبیخ سے کام نہ لیا جائے اگر وہ پھر بدکاری کرے تو پھر اسے حد ماری جائے اور زجر و توبیخ سے کام نہ لیا جائے اگر تیسری بار بھی وہی حرکت کرے تو اسے فروخت کردو خواہ بالوں کی ایک رسی ہی کی عوض کیوں نہ ہو)۔

مسند عبد بن احمد میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں جا کر حضرت سودا کی لونڈی کو جس نے ارتکاب زنا کیا تھا درہ زنی کی سزا دوں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ عورت حالت اورار میں ہے۔ میں نے حضور سے یہ بات بتائی۔ ارشاد فرمایا کہ جب وہ اورار سے فارغ ہو تو اسے پچاس دُرّے لگاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعۃ مخزومی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ "امرنی عمر بن الخطاب فی فتیة من قریش فجلدنا ولائد من ولائد الامارة خمسین خمسین فی الزنا" رواہ امام مالک فی کتابہ الموطا۔ (یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قریش کی ایک لونڈی سے ملوث ہونے کی پاداش میں سزا کا حکم دیا۔ چنانچہ حکومت کے ملازم لڑکوں نے ہمیں پچاس پچاس دُرّے مارے) اس حدیث کو امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں روایت کیا ہے۔ پس بندوں میں سے اگر مرد زنا کرے تو اسے سو دُرّے مارے جائیں اور لونڈی پر اگر ارتکاب زنا کا الزام ثابت ہوجائے تو اسے پچاس دُرّے مارے جائیں۔

ائمہ اربعہ نے، غیر شادی شدہ لونڈی پر حد لاگو ہونے کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ اور زید بن الخالد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ علیہم کی روایت کردہ اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے "ان النبی ﷺ سئل عن الامة زنت، ولم تحصن فقال: ان زنت فاجلدوها، ثم ان زنت فاجلدوها، ثم ان زنت فاجلدوها ثم بیعوها ولو بضفیر ای بحبل مغفور قال ابن شهاب : لاادری ابعد الثالثة او الرابعة" متفق علیہ (یعنی نبی ﷺ سے غیر شادی شدہ بدکاری کرنے والی لونڈی کی بابت دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ اگر وہ بدکاری کرے تو اسے دُرّے مارو، اگر پھر کرے تو پھر مارو اگر پھر مرتکب ہو تو دُرّے مارو اور اسے فروخت کردو خواہ ایک بٹے ہوئے بال یعنی بال کی بٹی ہوئی رسی...... کے عوض ہو۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ اسے دفع کرنے کا حکم تین بار یا چار بار کے بعد دیا)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ غلام اور لونڈی اگر شادی شدہ نہ ہوں تو ان پر حد لاگو نہ

Marfat.com

ہوگی۔ البتہ حاکم جو سزا مناسب سمجھے، وہ دے سکتا ہے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوں تو دونوں کی سزا یکساں پچاس درے ہیں۔
اس میں اختلاف رائے کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'فاذا احصن' میں احصان کی جو شرط ہے اس لفظ کا مفہوم ہر ایک نے الگ الگ سمجھا ہے۔ چنانچہ جن اصحاب نے 'احصان' کے مفہوم میں نکاح اور اسلام دونوں کو شامل سمجھا ہے۔ بایں دلیل کہ اس حکم میں مسلمان کو خطاب ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو شادی شدہ نہ ہوا سے دُرّہ زنی کی سزا نہیں دی جائے گی اور جنھوں نے لفظ احصان کا مفہوم صرف 'اسلام' سمجھا انھوں نے اس کو حکم عام قرار دیا۔ جو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں پر عائد ہوتا ہے اور یہی خیال قابل ترجیح ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ غلام اور لونڈی اگر مرتکب بدکاری ہوں تو انھیں جلاوطنی کی سزا نہ دی جائے کیونکہ معاشرہ میں 'غلام' کو ادنیٰ حیثیت کا فرد تصور کیا جاتا ہے اور (ایسی باتوں سے) عام طور پر اس کی رسوائی اتنی نہیں ہوتی جتنی آزاد شخص کی ہوتی ہے وجاہت کا انحصار نسبی شرافت اور خاندان پر ہے اور غلام اس سے بے بہرہ ہے۔
شافعیہ کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ مانا گیا ہے کہ غلام اور لونڈی کا بدکاری کرنا اگر ثابت ہو جائے تو انھیں نصف سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ کیونکہ بیشتر احکام تعزیری میں انھیں آزاد شخص کے مقابلہ میں نصف سزا ملتی ہے۔

کیا آقا کو اپنے مملوک (لونڈی / غلام) پر حد نافذ کرنے کا حق ہے؟

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ آقا کو حق ہے کہ وہ اپنے غلام یا لونڈی پر حد لاگو کرے۔ بشرطیکہ جرم (گواہوں سے) ثابت ہو گیا ہو یا آقا کے سامنے اس نے اقرار جرم کر لیا ہو۔ اندرین باب زنا، قذف (تہمت) اور شراب نوشی وغیرہ جملہ جرائم کی سزا عائد کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ غلام آقا کی ملکیت شمار کیا جاتا ہے اور (نفاذ سزا کی صورت میں) اس کا اپنا ہی نقصان ہے کہ ان سے کوئی خدمت نہ لے سکے گا۔ لہٰذا یہ اللہ کے واسطے اپنے فائدے سے دست کش ہوتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں اور مالکیہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ آقا کو سزا دینے کا حق ہے۔ لیکن چوری کی سزا اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ آقا کو جائز نہیں ہے کہ حاکم وقت یا اس کے نائب کا حکم حاصل کیے بغیر چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹ دے۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ آقا کو یہ حق نہیں ہے کہ مستوجب حد ہونے کے کسی جرم میں وہ (اپنے غلام یا لونڈی) پر حد نافذ کر سکے۔ کیونکہ حدوں کا لاگو کرنا، بنیادی طور پر حاکم مجاز کے فرائض منصبی اور اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت نے حدود کے لاگو کرنے کا اختیار حاکم اعلیٰ یا اس کے نائب کو دیا ہے۔ کسی اور صاحب اقتدار کو جو سزا دینے پر قادر ہو یہ اختیار نہیں ہے تاکہ زمین میں فساد برپا نہ ہو اور معاشرہ میں طوائف الملوکی نہ پھیل جائے۔ محض اس لیے کہ رعایا کے افراد اپنے آپ کو ان لوگوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے جو جاہلانہ بے جا حمایت کی بناء پر ایک دوسرے پر اپنے غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس طرح اسلام اور شریعت کے ساتھ تعاون نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف حاکم اعلیٰ کو بیشتر حالات میں اپنے اختیار کے بل پر ایک کو فائدہ پہنچانے اور دوسرے کو اس کے حق سے محروم کرنے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھی ہے کہ حاکم ہی کو اپنے احکام کے نافذ کرانے کا حق ہے دوسرے کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ اگر امام

Marfat.com

وقت کسی شخص کو جرم کی پاداش میں خود قتل کر دے، خواہ اس میں زیادتی سرزد ہوئی ہو قانونا مجرم کے رشتہ داروں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کے عوض امام کو قتل کر دیں کیونکہ حاکم کو قانون کی حمایت حاصل ہے اور فوج وانتظامیہ (پولیس) کی طاقت اس کے ہاتھ میں ہے۔

ذمی پر نفاذ حد کا بیان

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ذمی (غیر مسلم جو اسلامی حکومت کی پناہ میں ہو) زنا کرے تو اس پر بھی مسلمانوں کی طرح حد لاگو ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس پر حد لاگو نہ ہوگی کیونکہ وہ غیر محصن ہے (یعنی دین کی پناہ میں نہیں ہے) یہ برتری صرف مسلم کو حاصل ہے۔

یہودی پر نفاذ حد کا بیان

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہودیوں پر بھی اسی طرح حد لاگو ہوگی جس طرح عیسائیوں اور ذمیوں پر اور پناہ گیروں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ شریعت کے فروعی احکامات ان سب پر عائد ہوتے ہیں۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ ان کا دعویٰ اسلامی حکام کے سامنے پیش ہو اور اس لیے بھی کہ اگر ان پر حد نافذ کر دی جائے تو قیامت کے دن ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی پھر یہ بھی ہے کہ سنت کی رو سے ثابت ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا اور حضور نے یہودی مرد اور یہودی عورت پر حد زنا کے نافذ کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے "**ان الیھود اتوا النبی ﷺ برجل وامراۃ منھم قد زنیا. فقال: ماتجدون فی کتابکم؟ قالوا تسخم وجوھھما...... ای تسود ویخزیان قال کذبتم: ان فیھا الرجم فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین. فجاوا بالتوراۃ، وجاءوا بقاری لھم فقراء حتی اذا انتھی الی موضع منھا وضع یدہ علیہ، فقیل لہ: ارفع یدک فرفع یدہ فاذا ھی تلوح فقال، اوقالوا: یا محمد ان فیھا الرجم ولکننا کنا نتکاتم بیننا فامربھما رسول اللہ ﷺ فرجما، قال: فلقد رایتہ یخباء علیھا ویقیھا الحجارۃ بنفسہ ومعنی یخباء ینحنی**" (یعنی یہودی اپنوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت کو جو زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا "بھلا تمہاری کتاب (تورات) میں اس کی بابت کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا کہ ان کے چہروں کی تسخیم کی جائے گی یعنی منہ کالا کیا جائے گا اور سرزنش کی جائے۔ حضور نے فرمایا، تم نے غلط بتایا ہے کیونکہ اس میں سنگساری کا حکم ہے" اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر دیکھو۔ چنانچہ وہ لوگ تورات کو اور ایک پڑھنے والے کو لائے۔ اس شخص نے تورات کو پڑھا اور جب ایک مقام پر پہنچا (جہاں سزائے زنا کا حکم درج تھا) اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ دیا۔ اور جب کہا گیا کہ ہاتھ ہٹاؤ تو اس نے ہاتھ ہٹایا جو کچھ ہاتھ کے نیچے اس نے چھپا رکھا تھا وہ کھل گیا۔ تب اس نے یا ان سب نے کہا "یا محمد" اس میں واقعی سنگسار کرنے کا حکم ہے لیکن ہم ایک دوسرے سے یہ حکم چھپاتے تھے۔ آخر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے انھیں سنگسار کیا گیا۔ راوی کہتے

Marfat.com

ہیں کہ میں نے اس مرد کو دیکھا کہ وہ عورت پر جھک کر اسے چھپا رہا تھا اور اسے پتھروں سے بچا رہا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ”رجم رسول اللہ ﷺ رجلاً من اسلم ورجلاً من الیھود وامراۃ“ (یعنی رسول اللہ ﷺ نے اسلم کے ایک شخص کو اور ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو سنگسار کیا) اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”مر علی النبی ﷺ یھودی محمم مجلود فدعاھم فقال: اھکذا تجدون حد الزنا فی کتابکم؟ قالو: نعم، فدعا رجلاً من علمائھم فقال: انشدک باللہ الذی انزل التوراۃ علی موسیٰ اھکذا تجدون حد الزنا فی کتابکم؟ قال: لا ولولا انک نشدتنی بھذا لم اخبرک بحد الرّجم، ولکن کثر فی اشرافنا، وکنا اذا اخذنا الشریف ترکناہ، واذا اخذنا الضعیف اقمنا علیه الحد، فقلنا، تعالوا فلنجتمع علی شی نقیمه علی الشریف والوضیع، فجعلنا التحمیم والجلد مکان الرجم. فقال النبی ﷺ اللّٰھم انی اول من احیا امرک اذا اماتوہ فامر به فرجم فانزل اللہ عزوجل ”یایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر من الذین قالوا آمنا بافواھھم الی قوله: ان اوتیم ھذا فخذوہ“ (یعنی رسول اللہ ﷺ ایک یہودی سے دوچار ہوئے جس پر سیاہی ملی ہوئی تھی اور اسے سرزنش کی گئی تھی۔ آپ نے یہودیوں کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب (تورات) میں زنا کی یہی سزا ہے؟ انھوں نے کہا ’جی ہاں‘ آپ نے ان کے ایک عالم کو طلب فرمایا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں اس معبود کا حلف دلاتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات نازل فرمائی۔ سچ سچ بتانا کہ کیا تمہاری کتاب میں زنا کی سزا یہی ہے۔ اس شخص نے کہا جی نہیں اگر آپ ہمیں ایسی سخت قسم نہ دلاتے تو ہم سزائے سنگساری کا جو حکم ہے آپ کو ہرگز نہ بتاتے۔ ہمارے شرفاء میں زناء بکثرت ہونے لگا سو اگر ہم کسی شریف آدمی کو اس میں پکڑ لیتے تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کمزور آدمی پکڑا جاتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے تھے۔ پھر ہم سب نے مل کر یہ کہا کہ ایک ایسی سزا مقرر کر لیں جو ہر ادنیٰ واعلیٰ پر لاگو کی جاسکے تو ہم نے سنگسار کرنے کی بجائے منہ کالا کر کے درّے لگانے کی سزا مقرر کر لی۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے اللہ میں پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو جسے ان لوگوں نے ختم کر دیا تھا پھر سے زندہ کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے سنگساری کا حکم دیا اور اس پر عمل درآمد ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ ”اے پیغمبر ان لوگوں کی اس حرکت پر غمزدہ نہ ہو جو کفر کی باتوں میں پیش دستی کرتے ہیں۔ یہ لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن دل ان کے بے ایمان ہیں، ان میں وہ یہودی ہیں جو جھوٹی باتیں سنتے ہیں اور دوسروں کے کہنے میں آجاتے ہیں حالانکہ جو باتیں وہ کہتے ہیں ان کا تم سے کوئی تعلق نہیں، بات کو جابجا سے الٹ پلٹ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ پیغمبر کے پاس جاؤ۔ اگر یہی یہود جیسی باتیں وہ کہیں تو مان جاؤ اور اگر کچھ اور کہیں تو اس کو چھوڑ دو)۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اگر وہ (سزائے زنا کے بارے میں) منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کو کہیں تو مان لو، اور اگر وہ سنگسار کرنے کو کہیں تو چھوڑ دو تب یہ آیت نازل ہوئی ”من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون“ (یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں) پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے ”ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون (یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فرمان

Marfat.com

کے مطابق فیصلہ نہ دیں وہ ظالم ہیں) نیز ارشاد باری ہے "من لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الفاسقون" (یعنی جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ دیں وہ گنہگار ہیں)۔ یہ آیت تمام منکران خدا کے لیے ہے، اسے احمد، مسلم اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ ان احادیث سے ثابت ہے کہ 'ذمی' کو بھی وہی شرعی سزا دی جائے گی جو مسلمانوں کو دی جاتی ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ یہودی، عیسائی، ذمی اور پناہ گیر پر حد لاگو نہ ہوگی۔ ان اصحاب کے نزدیک 'محصن' قرار دیئے جانے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ پس غیر مسلم چونکہ 'محصن' نہیں ہے لہٰذا اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اسے درہ زنی کی سزا دی جائے گی۔ پھر یہ ہے کہ سنگساری کی سزا گناہ سے پاک کرنے کے لیے ہوتی ہے اور ذمی یا غیر مسلم کو گناہ سے پاک نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔ سوا اس کے کہ اسے نار جہنم میں جلایا جائے۔ پھر یہ کہ شریعت کے فروعی احکام غیر مسلم پر عائد نہیں ہوتے۔ سب سے پہلے انھیں دین کے ابتدائی بنیادی امور کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ نیز حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث مرفوعاً وموقوفاً مروی ہے۔ "من اشرک باللّٰہ فلیس بمحصن" (یعنی جو مشرک ہے وہ 'محصن' نہیں ہے) دار قطنی وغیرہ کے نزدیک اس حدیث کو 'موقوف' قرار دینا قابل ترجیح ہے۔ 'اسحاق' بن راہویہ نے اپنے مسند میں دو طرح سے اس کا استخراج فرمایا ہے۔

واضح ہو کہ حنفیہ اور مالکیہ نے ان احادیث کی بابت جن سے غیر مسلم کو سنگسار کرنے کی اجازت پائی جاتی ہے، یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کو سنگسار کیے جانے کا حکم جو دیا تھا وہ خود ان کی کتاب تورات کی بناء پر تھا۔ اسلام کی بناء پر نہ تھا اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں آنے کے ابتدائی اوقات میں پیش آیا تھا۔ اس وقت خود آنحضرت ﷺ کو بھی تورات کے احکام پر چلنے کا حکم تھا۔ بعد میں یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ ہو گیا۔ "والّٰتی یاتین الفاحشة من نسائکم......" (یعنی تم مسلمانوں کی عورتیں جب بڑے گناہ کی مرتکب ہوں تو......) غرض سزا کا حکم جو اس آیت شریفہ میں آیا ہے وہ پہلا حکم تھا جو صرف مسلمان عورتوں کے متعلق ہے۔

امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہ جواب ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اپنے فعل کو احادیث متعلقہ کے مقابلہ میں رکھنا عجیب بات ہے۔ آنحضرت ﷺ کے تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی دور میں یہ ارشاد فرمانا اسے حکم شریعت قرار دینے کے منافی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی شریعت میں رکھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی توثیق فرما دی۔ سابقہ شریعتوں کے ایسے تمام احکامات جو احکام اسلامی سے ہم آہنگ ہیں اور جنہیں باطل کرنے کا کوئی حکم ہماری شریعت میں نہیں آیا۔ ان احکامات کو برقرار رکھنے کا اس کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ بہرحال ان کے درمیان وحی الٰہی کے مطابق فیصلہ فرمانے پر مامور تھے اور اہل کتاب کی اپنی خواہش کے مطابق انہیں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کی تصریح موجود ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ لوگ (اس بارے میں) آنحضرت ﷺ کا حکم دریافت کرنے کو آئے تھے۔ اس شریعت کے احکام پوچھنے نہیں آئے تھے۔ پس آپؐ نے انھیں اپنی شریعت کے مطابق حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ یہ حکم جس طرح اسلام میں ہے اسی طرح ان کی شریعت میں بھی ثابت ہے۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضورؐ نے اپنی شریعت کے مخالف ہونے کے باوجود ان کی شرع کے مطابق فیصلہ دیا کیونکہ یہ جائز نہیں

Marfat.com

ہے کہ وہ حکم جو حضورؐ دیں وہ حکم حضورؐ کے نزدیک منسوخ ہو۔ آپؐ کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہودیوں پر اتمام حجت ہو جائے۔

مسلمانوں کا اپنے ناموس کی پاسداری کرنے کا بیان

درحقیقت اسلام آغاز ہی سے بدکاری کا دشمن رہا ہے اور اس نے لوگوں کو عفت، پاکدامنی اور پاس ناموس کی تلقین فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''عفوا تعف نساؤ کم '' (یعنی تم نیک چلن رہو، تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی) نیز آپ نے ایسی عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جو خود کو سنبھال کر رکھیں۔ نیک طینت پاک دامن اور گناہ سے بچنے والی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللّٰہ '' (یعنی نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جن امور کے تحفظ کا حکم ہے (خاوند کی نظروں سے اوجھل ہو کر بھی اس کی حفاظت کرتی ہیں)۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المئومنات '' (یعنی جس شخص کو پاکدامن معزز مسلمان عورتوں سے شادی کا مقدور نہ ہو......) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''خیر النساء الودود الولود التی اذا نظرت الیھا سرتک واذا امرتھا اطاعتک واذا غبت عنھا حفظتک فی مالک وعرضھا '' (یعنی بہترین عورت وہ ہے جو محبت کرنے والی اور اولاد پیدا کرنے والی ہو اور ایسی ہو کہ جب تم اسے دیکھو تو وہ تمہیں مسرت بخش دے اور جب کسی بات کو کہو تو اسے بجالائے اور تمہارے پیچھے بھی تمہارے مال اور اپنی عزت کو بچا کر رکھے)۔

واضح ہو کہ جس وقت 'حادثہ افک' (یعنی حضرت عائشہ پر الزام تراشی کا واقعہ) پیش آیا اور لوگوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹا الزام لگایا، حالانکہ وہ پاک اور بے گناہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی بے گناہی بیان فرمائی۔ اور سورہ نور کی پندرہ آیتوں میں ان پر لگائے گئے جھوٹے الزام کی تردید فرمائی تا کہ ان کے خلاف الزامات دھل جائیں اور ناپسندیدہ گناہوں کے جھوٹے الزام سے ان کا بری ہونا اہل دنیا پر ثابت ہو جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی متعدد آیات میں سیدہ مریم مادر عیسیٰ علیہ السلام کو بدکاری کی تہمت سے بری فرمایا'' ومریم ابنة عمران التی احصنت فرجھا '' (یعنی عمران کی بیٹی مریم وہ ہے جس نے اپنے وجود کو آلودگی گناہ سے محفوظ رکھا)۔ اور فرمایا ''والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا '' (یعنی مریم وہ خاتون ہے جس نے اپنی شرمگاہ کو گناہ سے بچایا اور ہم نے اس میں اپنی جانب سے روح پھونک دی) نیز ارشاد ہے ''یا مریم ان اللّٰہ اصطفاک وطھرک واصطفاک علےٰ نسآء العالمین '' (یعنی اے مریم بلاشبہ اللہ نے تجھے برگزیدگی عطا فرمائی اور پاک دامن رکھا اور تمام جہان کی عورتوں پر تجھے امتیاز بخشا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس الزام سے بری فرمایا جو بنی اسرائیل نے ان پر لگایا تھا۔ ''فبرأہ اللّٰہ مما قالوا وکان عند اللّٰہ وجیھاً '' (اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے الزام سے کہ ان کو فتق کی بیماری ہے' بری فرمایا اور وہ اللہ کے نزدیک ذی وجاہت تھے)۔ یہاں تک کہ وہ قوم کی نگاہوں میں بے داغ ہو جائیں اور ان کا شرف باقی رہے۔

واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی یا اہل خانہ میں سے کسی میں کوئی ناخوشگوار بات دیکھے یا ان کا رویہ مشکوک پائے تو وہ خاموش رہے۔ برائی کو دیکھ کر خاموشی اختیار کر لینا بدترین خصلت ہے۔

Marfat.com

اس سے دنیا میں مرد کا وقار ضائع ہو جاتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''لایدخل الجنۃ دیوث '' (یعنی دیوث آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا)۔ دیوث وہ شخص ہے جو اپنے ناموس کے بارے میں اپنی عزت اور اپنے وقار کو خیر باد کہہ چکا ہو اور اسے اس کی پروا نہ رہی ہو کہ اس کے گھر میں کون غیر مرد آتا جاتا ہے اسے اپنی بیوی اور بیٹیوں کے رویے پر شرم نہیں آتی بلکہ اپنی رسوائی پر خاموش رہتا ہے اور اس گھٹیا پن کو برداشت کر کے اپنے کنبہ میں اس برائی کو جاری رہنے دیتا ہے۔ قیامت کے روز ایسا شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ہوگا اور جب تک اس میں یہ مرض (سخت عیب) باقی ہے اس کی طاعت وعبادت اور اس کے نیک کام جو اللہ کی خوشنودی کے لیے انجام دے گا، کچھ کام نہ آئیں گے۔

احمد سے بالفاظ نسائی وحاکم مروی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' ثلاثۃ قد حرم اللّٰہ علیھم الجنۃ: مدمن الخمر، والعاق لوالدیہ، والدیوث الذی یقر فی اھلہ الخبث '' (یعنی تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے: دائم الخمر، والدین کا نافرمان اور دیوث جو اپنے گھر والوں میں خباثت جاری رکھنے کی اجازت دے دے)۔

طبرانی سے بسند صحیح مروی ہے کہ حافظ منذری نے فرمایا کہ میں اس روایت کی صحت میں کوئی اعتراض نہیں پاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' ثلاثۃ لایدخلون الجنۃ ابداً: الدیوث والرجلۃ من النساء ومدمن الخمر '' (یعنی تین اشخاص ایسے ہیں جو کبھی جنت میں نہیں جائیں گے۔ دیوث، مردوں کا روپ دھارنے والی عورت اور دائم الخمر)۔ لوگوں نے عرض کیا'' یا رسول اللہ مدمن الخمر (یعنی دائم الخمر) کا مطلب تو ہم جانتے ہیں۔ لیکن دیوث کیا ہے؟ فرمایا'' الذی لایبالی بمن یدخل علی اھلہ '' (یعنی دیوث وہ ہے جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ کون اس کے اہل خانہ کے پاس آتا ہے؟) پھر عرض کیا گیا کہ الرجلۃ من النساءٗ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا'' التی تشبہ بالرجال '' (یعنی وہ عورت جو مردوں سے مشابہت اختیار کرے)۔

یہ تمام باتیں اور ان کے علاوہ اور بھی خرابیاں جن کا ذکر طوالت کے باعث اور لوگوں کی اکتاہٹ کے اندیشے سے نظر انداز کر دیا گیا، اس امر کا ثبوت ہیں کہ بدکاری کا ارتکاب تمام برائیوں میں سب سے برا اور سب سے بڑا جرم ہے۔ جس کا خراب اثر افراد، جماعت اور خاندان پر پڑتا ہے۔ اور مال کے ضیاع، بے ہودگی کے انتشار اور قتل کا موجب ہو جاتا ہے۔ اس سے معاشرہ میں فساد اور مسلمانوں کی صفوں میں بغض وعداوت پھوٹ پڑتی ہے۔ ان کی صلاحیتیں تلف ہو جاتی ہیں۔ کاروبار میں زیاں ہوتا ہے اور انسانی شرف اس کی بزرگی اور حوصلہ مندی کی بجائے ذلت، حقارت، کم حوصلگی اور پست ہمتی جنم لیتی ہے اور انسان پامردی کی لذت سے ناآشنا ہو کر رہ جاتا ہے۔ غرض کہا جا سکتا ہے کہ زناکاری تمام خرابیوں کی جڑ اور برائیوں کا سرچشمہ ہے جس سے معاشرہ تباہ اور اس کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا عجب ہے اگر شریعت اسلامیہ نے اس برائی کی بیخ کنی کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی اور (نہ صرف زنا بلکہ) اس کے جملہ محرکات کو بھی حرام قرار دیا۔ مثلاً بدنظری، غیر عورتوں کو ہاتھ لگانا، ان کی آواز (گانا وغیرہ) سننا یا ان کے ساتھ تخلیہ کرنا وغیرہ تاکہ انسان کو اس گناہ میں مبتلا ہونے (اور اس کے برے نتائج سے) بچایا جا سکے۔

Marfat.com

اسی طرح یہ بھی عجیب بات نہیں کہ شریعت اسلامیہ نے اس کی سزا بھی ایسی رکھی ہے کہ اس کا سدباب کر سکے۔ یعنی کنوارے کو سو درے لگانا اور شادی شدہ کو پتھر مار کر ہلاک کرنا۔ پھر ان کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرنے سے منع فرمایا۔ نیز لعان کا حکم دیا، تہمت تراشی کو حرام قرار دیا۔ اور جھوٹا الزام لگانے والے کی سزا اسی درے تجویز فرمائی تاکہ لوگوں کی آبرو بچے اور معاشرہ میں امن، سلامتی، خوش بختی اور اطمینان کا دور دورہ ہو۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ زمین کی تخلیق اور حضرت آدم علیہ السلام کے اس میں آباد ہونے کے بعد قتل کا سب سے پہلا جرم جو ہوا اس کا موجب بھی یہی جنسی خواہش اور عورت کا وجود تھا۔ قابیل اور ہابیل (فرزندان آدم) کے قصے کی بناء یہی ہے۔

ضروری تصریحات

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے" لاتاخذ کم بھما رافة فی دین اللّٰہ "(یعنی احکام الٰہی کے نفاذ میں ان مجرموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کرنا)۔ اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسرین کہتے ہیں کہ بہت ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ مبادا لوگ ایسے شخص کے ساتھ نرمی کر کے حد (سزائے زنا) کو ختم کرنے یا اس میں تخفیف کا ارادہ کریں۔ مقصد یہ ہے کہ احکام الٰہی کو ختم نہ کیا جائے اور شفقت و نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حکم پر عمل درآمد ترک نہ کیا جائے۔ مجاہد، عکرمہ اور سعید بن جبیر نے اس حکم سے یہ توجیہ فرمائی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ نرمی کو پیش نظر رکھتے ہوئے درہ زنی کو ہلکا نہ کیا جائے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس حکم میں دونوں مقاصد پیش نظر ہوں۔ (یعنی نہ سزا کی مقدار کم کی جائے اور نہ اس کے نفاذ میں نرمی سے کام لیا جائے)۔ بظاہر اول الذکر توجیہہ بہتر ہے کیونکہ آیت میں صرف درہ زنی کا حکم دیا گیا ہے، اس کی کیفیت نہیں بتائی گئی۔ لہٰذا واجب ہے کہ بعد کی آیت کا مفہوم اسی کے متعلق ہو۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ پر نظر رکھنا کافی ہے، کہ حضور نے فرمایا" لو سرقت فاطمه بنت محمد لقطعت یدھا "(یعنی اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا، مطلب یہ ہے کہ اس پر بھی رحم نہ کیا جاتا)۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ارشاد میں 'فی دین اللہ' کہہ کہ اس امر کی تنبیہہ فرمائی ہے کہ جب شرعاً کسی امر کو واجب قرار دے دیا جائے تو منشا حکم کے خلاف اس میں نرمی برتنا درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد 'ان کنتم تومنون باللّٰہ والیوم الآخر "(یعنی اگر تم کو اللہ اور آخرت پر ایمان ہے تو اس حکم کی پوری پوری تعمیل کرو)۔ انسان کو جوش دلانے اور احکام دینی کے معاملہ میں شدت پسند ہونے کی غرض سے ہے۔ علامہ جبائی فرماتے ہیں کہ آیت کے معنے یہ ہیں کہ اگر تم میں ایمان ہے تو نفاذ حد سے پہلوتہی نہ کرو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ واجبات الٰہیہ کی بجا آوری ایمان کا ایک جزو ہے یہ مرجئہ کے نظریہ کے خلاف ہے (کہ وہ ادائے فریضہ کو ایمان کا جزو قرار نہیں دیتے) ان کے خیال کی تردید اس طرح ہوتی ہے کہ (نفاذ حد میں) نرمی سے کام لینا اسی حالت میں ممکن ہے جب انسان یہ خیال کرے کہ سزا کا نہ دینا بہتر ہے، جیسا کہ بعض نادانوں کا خیال ہے۔ حالانکہ یہ تصور بجائے خود دین سے

Marfat.com

انکار کرنا ہے اور اس غلط تصور کے باعث انسان دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے "یُوتی بوال نقص من الحد سوطاً، فیقال له: لم فعلت ذالک؟ فیقول: رحمة لعباد ک، فیقال له انت ارحم بهم منی، فیؤ مَرُبه الی النار، ویئوتی بمن زاد سوطاً، فیقال له لم فعلت ذلک ؟ فیقول: لینتهوا عن معاصیک، فیقول انت احکم بهم منی، فیئومر به الی النار" (یعنی قیامت کے روز وہ حاکم اللہ کے سامنے لایا جائے گا جس نے 'حد' کی تعداد سے ضرب کم ماری تو اس سے سوال ہوگا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا کہ "تیرے بندوں پر رحم کھا کر۔ تب اللہ کہے گا کہ تو میرے بندوں پر مجھ سے زیادہ مہربان ہے؟ پھر اسے دوزخ میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ اسی طرح اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے (حد کی تعداد سے) ایک درہ زیادہ مارا تھا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا اس لیے کہ تیری نافرمانی سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا کہ تو ان کا فیصلہ مجھ سے بہتر کرنے والا ہے۔ پھر اسے بھی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا)۔

مرتکب زنا کا پردہ ڈھکنے کا بیان

تمام علماء اس پر متفق اللفظ ہیں کہ جس جرم کی اطلاع حاکم کو نہ دی گئی ہو اس کی پاداش میں حد (سزائے شرعی) عائد نہیں ہوتی۔ اور وہ جرم جس کی اطلاع تو حاکم کو دی گئی ہو لیکن مجرم کے اقرار یا گواہوں کی شہادت سے وہ جرم پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا تو اس پر بھی حد عائد نہ ہوگی۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "لو کنت راجماً احدا بغیر بینة رجمت فلانة، فقد ظهر منها الریبة فی منطقها وهیئتها ومن یدخل علیها" (یعنی اگر میں بغیر ثبوت (شہادت یا اقرار کے) کسی کو سنگسار کرتا تو فلاں عورت کو کرتا۔ کیونکہ اس کی گفتگو، وضع قطع اور اس شخص کے بارے میں جو اس کے پاس آتا جاتا تھا اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا ہے۔ اس حدیث کے راوی ابن ماجہ ہیں اور الفاظ "ظهر منه الریبة" کے معنے یہ ہیں کہ وہ بری بری باتیں کرتی ہے لیکن اس کا ثبوت شہادت یا اس کے اقرار سے ملتا۔ ہلال بن امیہ کے واقعہ میں بھی یہ ہوا کہ جب انھوں نے اپنی بیوی کے ساتھ لعان کر لیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ان اتت به علی الصفة الفلانیة فهو لشریک بن سمحاء، وان اتت به علی الصفة الفلانیة فهو لزوجها هلال بن امیة" (یعنی اس عورت کا جو بچہ پیدا ہوا اگر اس میں فلاں بات ہو تو وہ بچہ شریک بن سمحاء کا ہے اور اگر اس میں فلانی بات ہو تو وہ اس کے خاوند ہلال بن امیہ کا ہے) پھر جب اس عورت نے مکروہ صورت والا بچہ جنا تو حضور نے فرمایا "لولا الایمان لکان لی، ولها شان" (یعنی اگر قسمیں یا لعان نہ ہوا ہوتا تو میں اس کے بارے میں کچھ فیصلہ کر سکتا)۔

ائمہ فقہ اس بات پر متفق اللفظ ہیں کہ اگر کوئی شخص حاکم کے سامنے اپنے مستوجب حد ہونے کا اقرار کرے لیکن تفصیل (جرم) نہ بتائے تو اس جرم کی تفصیل و توضیح کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور اس پر حد لاگو نہ ہوگی درآنحالیکہ جرم ثابت اور متعین نہ ہوا ہو۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "کنت عند النبی ﷺ فجائه رجل فقال: یا رسول الله انی اصبت حدا فاقمه علی، فلم یسأله، وقال: حضرت الصلوة، فصلی مع النبی صلی الله علیه وسلم، فلما قضی النبی صلی الله علیه وسلم قام الیه الرجل، فقال: یارسول الله انی

Marfat.com

اصبت حداء، فاقم فِيَّ كتاب الله قال: اليس قد صليت معنا؟ قال: نعم، قال فان الله قد غفر لک ذنبک، او حدک" (یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر تھا کہ ایک شخص حضور کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ میں "حد" کا سزاوار ہو گیا ہوں آپ مجھ پر حد لاگو فرمایئے حضور نے پھر اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اتنے میں نماز کھڑی ہو گئی اور اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ میں حد کا سزاوار ہوں کتاب اللہ کے مطابق مجھ پر حد لاگو فرمایئے، فرمایا تم نے ہمارے ساتھ نماز تو پڑھی ہے؟ اس نے کہا "جی ہاں" فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے تمہارا گناہ معاف کر دیا یا فرمایا کہ تمہاری سزا معاف فرما دی) امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں بتایا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص سے کوئی گناہ قابل تعزیر سرزد ہوا اور بظاہر وہ گناہ صغیرہ تھا۔ نماز اس کا کفارہ ہو گئی۔ اگر وہ گناہ مستوجب حد ہوتا تو نماز پڑھنے سے حد ساقط نہ ہوتی، علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ گناہ جو مستوجب حد ہوں، نماز پڑھنے سے ان کی حدیں ساقط نہیں ہوتیں۔

قاضی عیاض نے بعض ائمہ فقہاء کا یہ قول بیان کیا ہے حدیث مذکور میں 'حد' کا لفظ معنی مشہور ہی میں آیا ہے، لیکن اس شخص پر حد نافذ نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس شخص نے گناہ مستوجب حد کی تفصیل نہیں بتائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بابت دریافت نہ فرمایا تا کہ اس کے گناہ پر پردہ پڑا رہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ اس شخص کو اس کی تلقین کی جائے کیونکہ اسلام نے آبرومندی کے تحفظ کا حکم دیا ہے تا کہ معاشرہ میں برائی کا چرچا نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "من ستر عورة مسلم، ستر الله عورته يوم القيامة" (یعنی جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے)۔ نیز ارشاد ہے "من رای عورة فسترها كان كمن احياء موئودة" (یعنی جس نے کسی کی بری بات کو دیکھ کر اس پر پردہ ڈال دیا وہ شخص ایسا ہے جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی بچی کو زندہ کر دیا)۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ ماعز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ان کے سامنے اپنی بدکاری کا اعتراف کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بار ان کی بات سے اعراض فرمایا کہ بہت ممکن ہے وہ اپنے اقرار جرم سے پھر جائیں اور اپنی خطا پر پردہ ڈال دیں اور آئندہ اس کا رخ نہ کریں۔

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک شخص جسے ہزال کہتے تھے اور تازہ اسلام لایا تھا۔ ایک شخص کی بدکاری کی شکایت کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ہے۔ اس وقت تک حد قذف (یعنی تہمت لگانے کی سزا) کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ حضور نے اس شخص سے کہا، "يا هزال لو سترته بردائک كان خيراً لک" (یعنی اے ہزال! اگر تو اسے اپنی چادر سے ڈھک لیتا تو اچھا ہوتا) چادر میں ڈھک رکھنے سے مراد اس گناہ کا چرچا کرنے سے باز رہنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "من ستر مسلماً ستره الله في الدنيا والآخرة" (یعنی جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے)۔

Marfat.com

حاکم اور بیہقی نے اپنی کتب صحاح میں اخراج فرمایا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے چل کر عقبہ بن عامر۔۔۔ حاکم مصر۔۔۔ کے پاس آئے۔ عقبہ باہر آ کر ان سے بغلگیر ہوئے اور دریافت کیا کہ اے ایوب کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے مسلمان کا گناہ چھپا دینے کی بابت ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، اب میرے اور آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں رہا جس نے یہ حدیث حضورؐ سے سنی ہو حضرت عقبہ نے کہا کہ ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ حضور نے فرمایا من ستر مؤمناً فی الدنیا علی عورة ستره اللہ یوم القیامة" (یعنی جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کے عیب کو چھپا دے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے گناہ پر پردہ ڈال دے گا)۔ حضرت ابوایوب نے فرمایا' آپ نے سچ کہا' اس کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔

واضح ہو کہ اگر کسی شخص نے اپنی آنکھ سے کسی کا ارتکاب جرم دیکھا ہے تو اسے اختیار ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے لئے اور اللہ کے احکام تعزیری اور اس کی منع کی ہوئی باتوں کے احترام کی غرض سے اس جرم کی گواہی دے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ "لحد یقام فی الارض خیر لاھل الارض من ان یمطروا اربعین صباحاً" (یعنی زمین پر حدّ کا نافذ کرنا اہل زمین کے لیے چالیس دن صبح کو باران رحمت نازل کرنے سے زیادہ بہتر ہے) یا پھر وہ شخص چاہے تو بدیں خیال کہ اس کے مسلمان بھائی کے گناہ پر پردہ پڑا رہے اور گناہ کا چرچا نہ ہو اس کی بابت شہادت دینے سے باز رہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من ستر علی اخیه المسلم ستر اللہ علیه فی الآخرة" (یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے گناہ کو چھپا دے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا) اور اس خیال سے بھی کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندوں کا عیب ظاہر نہ ہو۔ وہ برائی کے چرچے اور مسلمانوں کی رسوائی کو ناپسند فرماتا ہے بلکہ وہ ایسی باتوں کو پھیلانے، اس کا چرچا کرنے، اس کا ذکر کرنے اور اسے شہرت دینے کے رجحان کو قابل نفرت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا، لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرة" (یعنی جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں گناہ کا چرچا ہو، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے)۔

مسلمان کا اپنے گناہ کو چھپانا

واضح ہو کہ اسلام نے ہر مسلمان پر واجب کیا ہے کہ جب اس سے اس طرح کے کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو جائے تو آئندہ کے لیے اس سے قطعی طور پر باز آ جائے اور اللہ کی جانب میں اس سے توبہ کرے، اپنے اس جرم پر پردہ ڈالے، لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے اور علانیہ اپنے گناہ کا اظہار نہ کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "ایھا الناس قد آن لکم ان تنتھوا عن حدود اللہ، من اصاب شیئاً من ھذه القاذورات فلیستتر بستر اللہ، فانه من یبدلنا صفحته نقم علیه کتاب اللہ تعالیٰ" (یعنی لوگو تمہارے ساتھ یہ مہربانی کی جاتی ہے کہ اگر تم ان گندی باتوں میں سے کسی سے دوچار ہو جاؤ تو چاہیے کہ اس پر اللہ کا پردہ ڈال رکھو۔ اگر وہ گناہ کھل کر سامنے آیا تو کتاب اللہ کا جو حکم ہے وہ اس پر نافذ ہو جائے گا)۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ (گناہ کر کے) اس کا چرچا کرنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر فخر کرنا اور اس کے احکام کی توہین ہے اور معاشرہ میں خرابی اور بگاڑ اور افراد قوم میں بے حیائی پھیلانے کا موجب ہے۔ خطا کار میں اتنی غیرت تو باقی رہنی چاہیے کہ وہ اپنے عیب کو دوسروں سے بیان کرنے سے ہچکچائے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان اپنے گناہ کا ذکر کرنے سے شرمائے اور اللہ سے حیا کرنے کا برقع اتار کر نہ پھینک دے۔ اگر انسان خدا اور بندوں کے سامنے بے شرمی

Marfat.com

اختیار کرلے تو یہ خود اس کے اور عوام الناس کے لیے خطرناک حرکت ہوگی کیونکہ (شرم وحیا) کی عزیز ترین متاع حیات سے وہ محروم ہو جائے گا۔ گناہ کا چرچا کرنا، پھیلانا دوسروں کو بدی پر اکسانا اور پھر اس میں مبتلا کر دینا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مریض کسی تندرست کے ساتھ خلط ملط رکھے تو بلاشبہ تندرست بھی اس سے متاثر ہو کر مرض میں مبتلا ہو جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ شارع ذی حکمت نے انسان کو یہ ترغیب دی ہے اور رسول برحق نے جتا دیا ہے کہ جب کسی مسلمان سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو اسے بیان کرنے سے پرہیز کرے اسے چھپانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو اور کسی سے اپنے کیے کا ذکر نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "من اتی من هذه القاذورات (المنكرات) فليستتر بستر الله عزوجل' (یعنی جوان گندی باتوں (ممنوعات الٰہیہ) میں سے کسی کا مرتکب ہو جائے تو چاہیے کہ منشاء الٰہی کے مطابق اس کو چھپا دے)۔ شرع اسلام نے گناہ کا چرچا کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت، عفو اور رحمت سے محروم قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "كل امتي معافي الاالمجاهرين، وان من المجاهرة ان يعمل العبد عملاً بالليل ثم يصبح و قدستره الله تعالىٰ فيقول: يافلان عملت البارح كذا و كذا، وقدبات يستره الله عزوجل، و يصبح يكشف ستر الله عليه عنه" (یعنی میری تمام قوم کو معاف کیا جا سکتا ہے بجز ان کے جو اپنے گناہ کا اعلان کرتے ہیں اور اعلان کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک بندے سے رات کو کوئی برا فعل سرزد ہو جائے اور پھر صبح ہو جائے۔ تمام رات اللہ تعالیٰ اس کے کیے پر پردہ ڈال رکھے لیکن صبح کو وہ خود کہے کہ اے فلانے میں نے کل رات یہ کچھ کیا۔ حالانکہ رات گزر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کرتوت پر پردہ ڈال رکھا تھا لیکن صبح کو اللہ نے جو پردہ اس پر ڈالا تھا وہ خود اس نے ہٹا دیا اور (اپنا عیب) دوسرے کو بتا دیا)۔ جو لوگ غیرت مند ہیں اور جنہیں اللہ کا خیال ہے وہ (آئندہ کے لیے) گناہوں سے باز آجاتے ہیں اپنے سابقہ گناہ کو چھپائے رہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے کوئی ذکر نہیں کرتے اور جو خطا ان سے سرزد ہوئی ہے اس پر شرمسار ہوتے ہیں۔ امام احمد سے روایت ہے کہ "ان الله يدني المؤمن فيضع عليه كنفه و ستره من الناس و يقرره بذنوبه فيقول أتعرف ذنب كذا، اتعرف ذنب كذا؟ فيقول نعم اى رب، حتىٰ اذا قرره بذنوبه ورأى في نفسه انه قدهلك قال: فاني سترتها عليك في الدنيا، وانا اغفرها لك اليوم" (اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا اس پر اپنی پناہ کا پردہ ڈالے گا اور لوگوں سے چھپا کر اس سے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ فرمائے گا فلاں گناہ پہچانتے ہو، فلاں گناہ پہچانتے ہو۔ تو وہ ساتھ ساتھ اقرار کرتا جائے گا، جب وہ تمام گناہوں کا اقرار کرلے گا اور یہ یقین کرلے گا کہ وہ تو برباد ہو گیا کہ اچانک خدا ذوالجلال فرمائے گا کہ میں نے تمہارے گناہ دنیا میں چھپائے تھے تو آج میں تمہارے یہ گناہ معاف کرتا ہوں)

نفاذ حدود (یعنی شرعی سزاؤں کا نافذ کرنا) گناہ کا کفارہ ہے

علماء اس بات پر متفق اللفظ ہیں کہ شرعی سزائیں گناہوں (جرائم) کا کفارہ ہیں کیونکہ ان سزاؤں پر عملدرآمد کرنے سے ظالموں کا جبر کم ہوتا ہے اہل شر و فساد کو عبرت ہوتی ہے اور معاشرہ تباہی و بربادی اور ہلاکت و فساد و زیاں کاری سے بچ جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا استحلت

Marfat.com

امتی خمساً فعلیھم الدمار : اذا ظھر التلاعن، و شربوا الخمر، و لبسوا الحریر، و اتخذوا القیان، و اکتفی الرجال بالرجال، و النسآء بالنسآء" (یعنی جب میری امت ان پانچ باتوں کو حلال کرلے تو اس پر تباہی نازل ہو جائے گی: ایک دوسرے پر لعنت (یا باہمی گالم گلوچ) کرنا، شراب پینا، ریشمی لباس پہننا، بناؤ سنگھار میں لگ جانا اور مردوں کا مردوں کے ساتھ اور عورتوں کا عورتوں کے ساتھ ملوث ہونا) یہ حدیث ترمذی اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ اب جو لوگ ان بُرائیوں میں مبتلا ہوں ان پر حد لاگو کرنے سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا اور عذاب آخرت سے رستگاری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک گناہ کی پاداش میں دنیا اور آخرت دونوں جہان کے عذابوں کو جمع نہیں فرماتا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور نے (ایک عورت) غامدیہ کے بارے میں جس سے گناہ زنا سرزد ہو گیا تھا، اس پر وہ شرمسار ہوئی اور حضور کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور اس پر حد لاگو کی گئی یہ فرمایا تھا "لقد تابت توبة لو قسمت علی سبعین من اھل مدینة لو سعتھم و ھل وجدت افضل من انھا جادت بنفسھا للّٰہ تعالیٰ" (یعنی غامدیہ نے جس طرح توبہ کی ہے اگر وہ توبہ ستر (۷۰) اہل مدینہ پر تقسیم کی جائے تو ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ کیا اس سے بہتر کوئی بات ہو سکتی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنی جان دے دی)۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ماعز بن مالک اسلمی کے بارے میں جنھوں نے ارتکاب زنا کا اقرار کیا اور اپنے گناہ پر نادم ہو کر سنگسار ہونا گوارا کر لیا تھا، قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا گناہ معاف فرمایا اور جنت میں داخل کیا اور ان کی صدق دل کی توبہ قبول ہوئی، اور یہ سزا ان کے گناہ کا کفارہ ہو گئی۔ چنانچہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک اعتراض کرنے والے کو یہ جواب دیا کہ "والذی نفسی بیدہ انه الآن لفی انھار الجنة ینغمس فیھا" (یعنی اس ذات کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ وہ (ماعز) اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہے ہیں)۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ "کنا مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی مجلس فقال: بایعونی علی ان لا تشرکوا باللّٰہ شیئاً، و لا تزنوا، ولا تسرقوا، و لا تقتلو النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق، فمن و فی منکم فاجرہ علی اللّٰہ، و من اصاب شیئاً من ذلک، فعوقب به فی الدنیا فھو کفارة له، و من اصاب شیئاً من ذلک فسترہ اللّٰہ علیه، فامرہ الی اللّٰہ ان شاء عفا عنه، و ان شاء عذبه" (یعنی میں کچھ لوگوں کی جمعیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، زنا کے مرتکب نہ ہو گے، چوری نہ کرو گے اور کسی کو ناحق قتل نہ کرو گے، جو لوگ تم میں سے ان باتوں کو پورا کریں گے وہ اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں گے۔ اگر ان میں سے کوئی گناہ کسی سے سرزد ہو جائے اور اس کی سزا اسے دنیا میں مل جائے تو وہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گی۔ اور جو شخص ان میں سے کسی گناہ سے دوچار ہو جائے اور اللہ اس پر پردہ ڈال دے (یعنی کسی کو اس کی خبر نہ ہو) تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اللہ چاہے تو اس سے درگزر فرمائے اور چاہے تو عذاب دے) ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ "فبایعناہ علی ذلک" (یعنی ہم نے مندرجہ بالا باتوں پر بیعت کر لی) اس حدیث کو ابوداؤد کے سوا باقی پانچوں محدثین نے روایت کیا ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "فعوقب به في الدنيا فهو كفارة له" (یعنی اگر ان کے گناہوں کی سزا دنیا میں دے دی جائے تو وہ کفارہ گناہ ہو جائے گی) اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ حدود شرعیہ گناہوں کا کفارہ ہیں ان کا مقصد محض سرزنش ہی نہیں بلکہ تلافی مافات بھی ہے۔

ترمذی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "و من اصاب من ذلک شيئاً فعوقب به في الدنيا فالله اكرم من ان يثني العقوبة على عبده في الآخرة" (یعنی اگر ان میں سے کوئی بات کسی سے سرزد ہو جائے اور دنیا میں اس کی سزا اسے مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اس سے بالاتر ہے کہ آخرت میں دوبارہ اپنے بندے کو عذاب دے)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدود کے بارے میں کوئی اور حدیث، اس سے زیادہ واضح میں نے نہیں سنی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا "وما يدريك لعل الحدود نزلت كفارة للذنوب" (یعنی تمہیں کیا معلوم؟ بہت ممکن ہے کہ حدود کے احکام کا نزول گناہوں کے کفارے کے لئے ہوا ہو) یہ حدیث بھی حدیث سابقہ کے مشابہ ہے اور مفہوم کے اعتبار سے اس کی تائید کرتی ہے۔ غرض حدود شرعیہ کا نفاذ نفوس انسانی کو جرم و خطا سے پاک کرتا اور معاشرہ کو بربادی اور تباہی سے بچاتا ہے۔ جملہ علمائے سلف کی یہی رائے ہے اور ائمہ فقہاء بعد رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ یہ سزائیں صرف سرزنش کی غرض سے ہیں قیامت کے دن عذاب ہوگا، لیکن قابل ترجیح وہی خیال ہے جو اوپر بتایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے کرم اور فیض ربانی کے شایاں بھی یہی ہے اور اس کے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔

حرمت مصاہرہ کا بیان

حنفیہ کہتے ہے کہ حرمت مصاہرہ (یعنی جنسی تعلق کی بناء پر جو حرمت عائد ہو جاتی ہے) حسب ذیل صورتوں میں عائد ہوتی ہے۔

(۱) باقاعدہ عقد ازدواج سے۔

(۲) مباشرت حلال سے۔

(۳) نکاح فاسد سے یا شبہ میں مباشرت ہو جانے سے۔

(۴) جنسی خواہش (یا شہوت کے ساتھ) مرد و زن کا ایک دوسرے کو مس کرنے سے۔

(۵) عورت کے اندام نہانی کو شہوت کے ساتھ دیکھنے سے۔ اس کے علاوہ کسی اور عضو کو یا عورت کے بالوں کو دیکھنے سے حرمت مصاہرہ عائد نہ ہوگی خواہ شہوت سے دیکھا ہو۔

(۶) زنا کرنے، ہاتھ لگانے یا نکاح کے بغیر شہوت کے ساتھ دیکھنے سے۔ وہ تمام عورتیں مرد پر حرام ہو جاتی ہیں جو باقاعدہ بیوی بن جانے سے حرام ہوتی ہیں۔ شہوت سے مراد یہ ہے کہ دل میں جنسی خواہش کا ہیجان ہو۔ اس کیفیت کا ثبوت اس شخص کے اقرار ہی سے ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہوت وہ ہے جس کے ساتھ عضو مخصوص میں استادگی اور حرکت ہو۔ اس حکم کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا "من

Marfat.com

نظر الی فرج امراۃ لم تحل امها و لا بنتها " (یعنی اگر کوئی مرد ایک عورت کی شرمگاہ کو دیکھے تو پھر اس عورت کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی یعنی ان کے ساتھ رشتہ ازدواج نہیں ہو سکتا)۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "حرمت علیه امها و بنتها" (یعنی اس عورت کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائیں گی) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ملعون ملعون من نظر الی فرج امراۃ و ابنتها " (یعنی جو شخص کسی عورت کے اندام نہانی کو اور پھر اس کی بیٹی کے اندام نہانی کو دیکھے وہ ملعون ہے ملعون ہے)۔ غرض جس مرد نے کسی غیر عورت کے ساتھ بدکاری کی یا (بیوی کے) شبہ میں مباشرت کر لی تو اس کی اصول و فروع (یعنی اوپری اور نچلی نسل کی عورتیں) سب اس پر حرام ہو جائیں گی نیز اس عورت پر بھی اس گناہ میں ملوث ہونے والے کی اوپری اور نچلی نسل کے مرد حرام ہو جائیں گے۔ یہی حکم طرفین میں سے کسی ایک کا شہوت کے ساتھ دوسرے کو ہاتھ لگانے کا بھی ہے۔ اور دیکھنے کے بارے میں اندام نہانی کے داخلی حصہ کو دیکھنا معتبر مانا گیا ہے۔ اوپر حصہ کے دیکھنے سے یہ حکم عائد نہ ہوگا اس حکم کی بناء اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "لا تنکحوا مانکح آباؤکم من النسآء" (یعنی جس عورت کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا تم اس سے نکاح نہ کرو' یہاں پر نکاح سے مباشرت مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من نظر الی فرج امراۃ بشهوة، او لمسها بشهوة حرمت علیه امها و ابنتها، و حرمت علی ابنه و ابیه " (یعنی جس نے کسی عورت کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھا یا اسے شہوت کے ساتھ چھوا تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائیں گی۔ اسی طرح وہ عورت بھی اس مرد کے بیٹے اور باپ پر حرام ہو جائے گی) حرام مادہ ہائے تولید بالکل اسی طرح محترم ہوں گے جس طرح حلال مادہ ہائے تولید محترم ہوتے ہیں۔

مالکیہ مباشرت حرام کے متعلق کہتے ہیں کہ اس باب میں تین اقوال ہیں: ایک قول ضعیف یہ ہے کہ اس سے حرمت متعدی نہیں ہوتی، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں، دوسرے یہ کہ حرمت متعدی ہوتی ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے اور امام مالک نے بھی اسی خیال کی طرف رجوع فرما لیا تھا جیسا کہ مؤطا میں ہے۔ امام موصوف جب تک زندہ رہے انہی کے مطابق فتوے دیتے رہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں صرف کراہت ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کسی کی بیٹی سے مباشرت کر لینے والے پر اس کی ماں حرام نہیں ہوتی اسی طرح اگر کسی کی ماں سے مباشرت کی تو اس کی بیٹی حرام نہ ہوگی اور وہ لڑکی جو حرام نطفہ سے پیدا ہوئی وہ اس پر حرام نہیں ہوتی جس کے نطفہ سے پیدا ہوئی اور نہ اس کے اصول و فروع یعنی اوپر یا نیچے کی نسل والوں پر وہ حرام ہوگی۔ خواہ اس عورت کے ساتھ رضامندی سے مباشرت ہوئی یا جبراً کی گئی ہو اور خواہ مرد کو معلوم ہو کہ وہ عورت اسی کے نطفہ سے ہے یا معلوم نہ ہو۔ پس بہر حال اس کی حیثیت ایک اجنبی عورت کی سی ہے۔ مادۂ تولید سے حرمت عائد نہیں ہوتی البتہ زنا کرنے والے شخص کو چاہیے کہ محض احتیاط کے پیش نظر اس سے شادی نہ کرے اور اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ نکاح حلال سے شریف النسب اور صالح اولاد پیدا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مباشرت حلال ہو یا حرام، ہر دو صورت میں حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ بدکاری کی تو وہ عورت اس کے حقیقی اور سوتیلے باپ پر حرام ہو جائے گی اور اس شخص پر اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائیں گی۔ اس طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کی ماں (یعنی اپنی ساس) سے بدکاری کی تو اس کی

Marfat.com

بیٹی، (یعنی اس کی بیوی) اس پر حرام ہو جائے گی اور دونوں میں علیحدگی واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر اپنی بیوی کی بیٹی سے بدکاری کر لی تو اس کی ماں جو اسکی بیوی ہے اس پر حرام ہو جائے گی (اسی طرح جیسے باقاعدہ شادی کے بعد ہوا کرتا ہے)۔
ایک شخص کی بدکاری کے نتیجہ میں جو لڑکی پیدا ہوئی ہو، اس لڑکی سے اس شخص کا نکاح کرنا حنابلہ کے نزدیک بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح حنفیہ کے نزدیک حرام ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس نے عہد جاہلیت میں (یعنی مسلمان ہونے سے پہلے) ایک عورت کے ساتھ بدکاری کی تھی تو کیا اب اس عورت کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے؟ فرمایا "لا اری ذلک ولا یصلح لک ان تنکح امراۃ تطلع علی ابنتها علی ما اطلعت علیه منها" (یعنی میں تو یہ رائے نہیں دیتا اور یہ تیرے لئے بھی اچھا نہیں ہے کہ تو ایک عورت سے نکاح کر کے اس کا پردہ فاش کرے اسی طرح جیسا کہ تو نے اس کی ماں کا پردہ فاش کیا)۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت سے شادی حرام فرمائی ہے اور اس باب میں یہ ایک واضح حکم ہے۔

ناجائز لڑکی کے متعلقہ احکام

علما کہتے ہیں کہ بدکاری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی، مرتکب زنا شخص کے لئے اجنبی متصور ہوگی، لہٰذا اگر وہ شخص مرجائے تو لڑکی اس کی وارث نہ ہوگی اور نہ اسے اس شخص کی اولاد میں تصور کیا جائے گا پس اس شخص پر اس لڑکی کا خرچ برچ بھی واجب نہیں ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کے ساتھ تنہائی میں رہے نیز وہ شخص اس لڑکی کا ولی (نگران حال) بھی قرار نہ دیا جائے گا اگر وہ لڑکی پہلے مرجائے اور مال چھوڑ جائے تو وہ شخص بھی اس کا وارث نہ ہوگا۔ غرض ناجائز لڑکی احکام میراث اور حرمت میں ایک اجنبی عورت ہے لیکن رشتہ ازدواج اور حرمت مصاہرہ کے احکام میں وہ اس کی قرابت دار متصور ہوگی (جیسے حلال کی اولاد ہوتی ہے) چنانچہ اس کے ساتھ شادی جائز نہیں اور نہ مصاہرت ہو سکتی ہے (یعنی اس کا داماد یا خسر بھی نہیں بن سکتا) اور اس کی نسل سے اوپر کی ہو یا نیچے کی شادی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وہ لڑکی بھی اسی شخص کی اوپر یا نیچے کی نسل سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس بارے میں یہی قول قابل ترجیح ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ یقین کے ساتھ ثابت ہو کہ وہ لڑکی اسی شخص کے نطفہ سے ہے یا اس بارے میں شک ہو۔ لیکن یہ ہوا ہو کہ اس شخص نے اس کی ماں کے ساتھ بدفعلی کی اور اس کے ساتھ رابطہ کے دوران ہی وہ حمل ہو گیا تھا۔ پس بہر حال اس خیال کو ترجیح دی جائے گی کہ وہ لڑکی اس شخص کے نطفہ سے ہے۔

بدکاری کی خرابیوں کا بیان

واضح ہو کہ علماء نے آیات واحادیث کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان خرابیوں کو مختصراً بیان فرمایا ہے جو زنا کے بارے میں آئی ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:

اول یہ کہ ارتکاب زنا کے وقت مرتکب کے دل سے ایمان کا نور زائل ہو جاتا ہے اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی تو اسی حال میں (یعنی نور ایمان سے بے بہرہ) مرجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جرم زنا قتل اور چوری وغیرہ جرائم سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ شادی شدہ شخص بدکاری کرے تو

Marfat.com

اس کا قتل روا قرار دیا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ ارتکاب زنا خوف اور پریشانی کی تمہید ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ عادی بدکار کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

چوتھے یہ کہ قیامت کے روز اس کے چہرے کو نار جہنم سے جھلسایا جائے گا۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ زنا کار انسان کو آتش دوزخ کی دہکتی ہوئی بھٹی کے درمیان میں پھینک دے گا۔ جہاں کی تپش سے اس کا جسم پگھل جائے گا اور بدن جھلس کر رہ جائے گا۔ اور جہنم میں اس کی بو ایسی ہوگی جیسے غسل خانوں میں بہتی ہوئی غلاظت کی ہوتی ہے یہاں تک کہ اہل جہنم کو بھی اس سے اذیت ہوگی۔

ساتویں یہ کہ مرتکب زنا کا نام نیک اور پاکیزہ خصائل لوگوں کی فہرست سے نکال دیا جائے گا اور صاحب ایمان نیک اشخاص کے دائرے سے باہر کر دیا جائے گا۔

آٹھویں یہ کہ قیامت کے روز اللہ عزوجل زنا کاروں کو اپنی خوشنودی اور مہربانی کی نظر سے محروم رکھے گا بلکہ انہیں بنظر عتاب دیکھے گا۔

نویں یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو بدکاری کو روا رکھتا اور اس کا عادی ہے کبھی توبہ نہ کی، جنت کی خوشبو تک سے محروم رکھے گا۔

دسویں یہ کہ زنا کاری سے بدکاری پھیلتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ناجائز اور نامراد نسل وجود میں آتی ہے جو معاشرہ کی ذلت و بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے۔

گیارہویں یہ کہ جس بستی میں بھی زنا کاری پھیل جائے اللہ تعالیٰ نے اسے تباہ و ہلاک و برباد ہو جانے سے ڈرایا ہے جیسا کہ قوم لوط کا حال ہوا ہے۔

بارہویں یہ کہ زنا دنیا و آخرت دونوں جگہ ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔

تیرہویں یہ کہ جو شخص خدا سے ڈر کر ارتکاب زنا سے دور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر اپنا سایہ رحمت ڈالے گا۔ اس کے گناہ معاف فرما کر اسے بخش دے گا اور خوف سے نجات دے گا۔

چودہویں یہ کہ جو شخص گناہ کبیرہ زنا سے دور رہے اس کے رزق میں فراوانی اور اسے نیکیوں کی توفیق ہوتی ہے اور اس کی صورت سے رعب، وجاہت اور نور نمایاں ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

مخنث کا بیان

مخنث وہ ہے جو عورتوں کی طرح ناز نخرے سے بات کرے۔ یا اپنے لباس اور بناؤ سنگھار میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرے جیسا کہ عہد حاضر میں بعض نوجوان کرتے ہیں کہ بال بڑھا لیتے ہیں اور زلفیں لٹکا لیتے ہیں نیز عورتوں کے زیورات اور ان کے بعض مخصوص کپڑے پہنتے ہیں اور (عورتوں کی طرح) گفتگو میں باریک آواز سے کام لیتے ہیں۔ علماء اس بارے میں متفق اللفظ ہیں کہ مخنث کو بطور سزا کے مسلمانوں کی بستی سے دور علاقہ میں قصر صلوٰۃ کی مسافت پر جلاوطن کر دینا واجب ہے، تاکہ وہ اس اذیت کا احساس کرے جو اس کیلئے اپنے کنبے اور ساتھیوں سے دور ہو جانے کی وجہ سے موجب وحشت و مایوسی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تین قسم کے اشخاص کے علاوہ کسی اور کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا: وہ کنوارا جو مرتکب زنا ہو، مخنث (ہیجڑا) اور محارب (دشمن یا آمادۂ فساد)۔

Marfat.com

اگر مخنث کے ساتھ بدفعلی کی جاتی ہو تو ایسے مخنث کو سنگسار کر کے مار دیا جائے کیونکہ جو اس فعل بد کا مجرم ہوا سے جلا وطن کر دینا مفید نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد مخنثوں اور مردانہ وضع اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔ چنانچہ فلاں شخص کو نکالا گیا اور فلاں شخص کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نکال دیا۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

(روایت ہے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مخنث پیش ہوا جس کے ہاتھوں پیروں میں مہندی کا رنگ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما بال هذا" (یعنی یہ کیا ڈھنگ ہے؟) لوگوں نے بتایا کہ یا رسول اللہ اس نے عورتوں کی مشابہت اختیار کی ہے۔ حضور نے اسے "دبقیع" کی طرف جلا وطن کر دینے کا حکم دیا۔ لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ فرمایا "انی نهیت عن قتل المصلین"۔ (یعنی ہمیں نمازیوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے)۔ ابوداؤد

علماء کہتے ہیں کہ مخنث نظر آئے تو امام (حاکم اسلام) کے لئے جائز ہے کہ اسے سزا دے تاکہ اسے اس گناہ میں آلودہ ہونے سے روکا اور باز رکھا جاسکے۔ نیز جائز ہے کہ اسے کسی دوسرے شہر میں ایک مسافرت کے فاصلہ پر جلا وطن کر دیا جائے بشرطیکہ لوگوں کی گواہی یا اس کے اعتراف سے اس کا بدفعلی میں مرتکب ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا ہو۔ جس طرح کہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔

روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں نے عرب کے بعض نواحی علاقوں میں ایسے مرد کو دیکھا جس کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو جمع فرمایا، اور اس بارے میں ان سے مشورہ کیا۔ سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے سب سے زیادہ سخت رائے دی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب بجز ایک قوم کے کسی نے نہیں کیا۔ اس قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ پس میری رائے تو یہ ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ چنانچہ تمام صحابہ اس پر متفق ہو گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے لیکن یہ سنگسار کر کے ہلاک کرنے اور حد نافذ کرنے کے بعد ہو۔ کیونکہ کسی جاندار مخلوق کو آگ میں جلانا جائز نہیں ہے۔ اللہ کے سوا اور کسی کو حق نہیں ہے کہ آگ کا عذاب دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے زبان جانوروں کو بھی آگ سے جلا کر عذاب دینا حرام فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک کام پر بھیجا اور قریش کے دو اشخاص کا نام لے کر فرمایا کہ فلاں فلاں اشخاص اگر مل جائیں تو انہیں آگ میں جلا دو۔ پھر جب ہم جانے لگے تو حضور نے ارشاد فرمایا "انی کنت امرتکم ان تحرقوا فلاناً و فلاناً و ان النار لا یعذب بها الا اللہ، فان وجدتموهما فاقتلوهما" (یعنی میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص کو آگ میں جلا دو۔ لیکن آگ میں جلانے کا عذاب اللہ ہی کا کام ہے۔ پس اگر وہ اشخاص تمہیں مل جائیں تو (آگ میں جلانے کی بجائے قتل کر دینا)۔ بروایت بخاری۔

Marfat.com

زنا کار عورت کے ساتھ نکاح کا بیان

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے ملوث ہو جائے تو بعد میں اس شخص کو جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ باقاعدہ نکاح کرے کیونکہ بدکاری کے مادۂ تولید کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ روایت ہے کہ عہد خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ گناہ کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو سو سو دروں کی سزا دی کیونکہ وہ دونوں کنوارے تھے۔ بعد ازاں ان کا نکاح آپس میں کر دیا اور سال کے لئے دونوں جلاوطن کئے گئے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت عمر، ابن مسعود اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس میں ابتدا گناہ سے ہے اور انجام نکاح پر ہے۔ نکاح ایک فعل مباح ہے۔ گناہ کرنے سے فعل مباح حرام نہیں ہو جاتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک شخص کے احاطے سے کوئی پھل چرا لیا ہو۔ پھر باغ کے مالک کے پاس آیا اور وہی پھل اس سے خرید لیا تو چوری جو اس نے کی وہ تو فعل حرام تھا، لیکن یہ خریداری امر حلال ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے بدکاری کر لی ہے تو اب اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ تاوقتیکہ اس عورت کو اپنے فاسد مادۂ تولید سے پاک نہ کرلے (یعنی اسے ماہواری نہ آجائے یا حمل ساقط نہ ہو جائے) کیونکہ نکاح ایک قابل احترام عمل ہے اور اس کا احترام یہ ہے کہ مادۂ گناہ کے ساتھ مادۂ حلال کو خلط ملط نہ کیا جائے تاکہ گندہ مادۂ تولید قابل احترام مادۂ تولید کے ساتھ نہ مل جائے۔ یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة" (یعنی بدکار آدمی بدکار عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرتا ہے) پھر اللہ کا ارشاد ہے "وحرم ذلک علی المؤمنین" (یعنی ایسا نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام ہے)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ برا کام کیا پھر اس سے نکاح کر لیا تو وہ دونوں ہمیشہ کے لئے بدکاری میں مبتلا رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "واحل لکم ماوراء ذلک ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین" (یعنی تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ اس عورت کے سوا کسی اور کو مال مہر کے عوض حاصل کر سکتے ہو کہ اسے بیوی بنا کر اپنی حفاظت میں رکھو بدکاری کے لئے نہیں) پس اس آیت میں جو بدکار نہیں ہے ان کے نکاح کو روا اور ان کے علاوہ اوروں کے نکاح کو باطل قرار دیا ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر عقد نکاح کر لیا ہو لیکن اس عورت سے اس وقت تک مباشرت نہ کی ہو کہ وہ عورت اس کے مادۂ حرام سے پاک ہو جائے تو یہ نکاح جائز ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے ایک شخص کی بابت دریافت کیا گیا جس نے ایک عورت کے ساتھ گناہ کیا اور بعد میں اسی سے شادی کر لی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس فعل پر کراہت (ناپسندیدگی) کا اظہار فرمایا۔

Marfat.com

بیوی یا خاوند کے ارتکاب بدکاری کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة والزانیة لا ینکحھا الا زان او مشرک" (یعنی بدکار شخص بدکار عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرتا ہے اور جو عورت بدکار ہو اس کے ساتھ بدکار یا مشرک مرد ہی نکاح کرتا ہے) علماء کی ایک جماعت نے اس آیت سے حسب ذیل مسائل اخذ فرمائے ہیں۔

اگر کسی مرد نے بدکاری کر لی تو اس کی بیوی سے اس کا نکاح فاسد ہو جائے گا اور اگر بیوی نے بدکاری کی تو اس کے خاوند سے اس کا نکاح فاسد ہو جائے گا اور خاوند پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے نکاح فاسد نہیں ہوتا کسی کے ارتکاب زنا سے نکاح تو فسخ نہ ہوگا۔ البتہ اگر بیوی نے برا کام کر لیا ہے تو اس کے خاوند کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ اسے بیوی بنائے رکھے تو گنہگار ہوگا۔

ایسی عورت سے جس کی بدکاری مشہور ہو کسی شخص کا شادی کرنا جائز نہیں ہے اور کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرے جو علانیہ بدکاری کرنے میں مشہور ہو۔ ہاں اگر صدق دل سے توبہ کریں تو خیر۔

علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص زنا وغیرہ بدکرداریوں میں مشہور ہو اور اسلامی احکام کی بے حرمتی کرتا ہو اور اسلام پسند کنبہ میں شادی کر کے ان لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالے رکھے۔ پھر بعد میں اس کے کرتوت سب کو معلوم ہو جائیں تو ان لوگوں کو اختیار ہے، چاہیں تو اس رشتہ کو قائم رکھیں یا علیحدگی اختیار کر لیں۔ اس شخص کا یہ عیب ایسے عیبوں میں شمار کیا جائے گا۔ جس کی بناء پر نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے۔ علماء اس کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش فرماتے ہیں "لا ینکح الزانی المجلود الا مثلہ" (یعنی وہ شخص جو جرم زنا کی پاداش میں تازیانے کی سزا پا چکا ہو، اپنی ہی جیسی عورت کے سوا اور کسی سے نکاح نہ کرے) اگر کوئی شخص بدکردار مشہور نہ ہو تو اس صورت میں زوجین کے درمیان علیحدگی درست نہیں ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ بیوی کی بدکاری سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر خاوند بدکاری کرے تو نکاح فاسد نہ ہوگا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ منسوخ ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "ان امراتی لا ترد لامس" (یعنی میری بیوی کو کوئی بھی شخص ہاتھ لگائے تو وہ اسے نہیں روکتی) ارشاد فرمایا 'طلقھا' (یعنی اسے طلاق دے دے)۔ اس نے کہا "مجھے تو اس سے محبت ہے" فرمایا 'امسکھا' (یعنی اسے رکھ چھوڑ)۔

نکاح متعہ کا بیان

کتب امامیہ میں بتایا گیا ہے کہ متعہ وہ نکاح ہے جو کچھ عرصہ کے لئے کیا جائے۔ یہ عرصہ معلوم ہو یا نا معلوم ہو۔ بہرحال اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پینتالیس روز ہے۔ یہ نکاح مقررہ مدت گزر جانے پر از خود ختم ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس عورت کو ایام ماہواری نہ آتے ہوں (یا بند ہو گئے ہوں)۔ اگر ایام آتے ہوں تو دوبار ایام ماہواری آنے کے بعد (نکاح متعہ) ختم ہو جائے گا۔ متعہ کے متعلقہ امور حسب ذیل ہیں:

نکاح متعہ میں کوئی مہر نہ ٹھہرا ہو تو کچھ واجب الاداء نہ ہوگا۔ نہ بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہوگا اور نہ وہ وراثت کی حقدار ہوگی۔ استبراء کے سوا جس کا ذکر کیا گیا اور کوئی عدت نہیں ہے۔ اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد، اس شخص کی

Marfat.com

نسل سے متصور نہ ہوگی بشرطیکہ اس کی شرط نہ لگا دی گئی ہو۔ ہاں متعہ سے نسبت مصاہرہ (ازدواجی رشتہ) کے احکام عائد ہوں گے۔

علما اس پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں ناگزیر حالات کے تحت اس کی اجازت دی تھی۔ بعد میں منع فرما دیا اور وہ ممانعت ہمیشہ کے لئے تھی۔ چنانچہ اجازت منسوخ ہوگئی تمام مسلمانان متقدمین و متاخرین کی یہی رائے ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ متعہ کا حرام ہونا اور اس کا روا ہونا دوبار ہوا۔ متعہ معرکہ خیبر سے پہلے روا تھا پھر حرام کر دیا گیا۔ اس کے بعد سال فتح یا معرکہ اوطاس والے سال میں اسے حلال کیا گیا، اس کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ اکثر علماء کا خیال یہی ہے کہ اس کے بعد متعہ حرام ہو گیا۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ "رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعة ثلاثة ایام ثم نهی عنها" (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ اوطاس والے سال میں تین دن کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی اس کے بعد ممانعت فرما دی)۔

مسلم کی روایت میں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن المتعة عام خیبر" (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ خیبر والے سال میں متعہ سے ممانعت فرما دی تھی)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اخراج فرمایا ہے کہ حضرت ممدوح نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مواقع پر متعہ کی اجازت دی بعد میں اسے حرام فرمایا "بخدا مجھے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جس نے متعہ کیا ہو۔ جس نے بھی متعہ کیا میں نے اسے سنگسار کر دیا۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ "نهانا عنها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و ما کنا مسافحین" (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہم بدکار نہیں رہے)۔

صنعانی فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ اس کا مباح ہونا امر قطعی ہے اور اس کا منسوخ ہو جانا امر ظنی ہے، درست نہیں ہے کیونکہ جن اصحاب نے اس کے روا ہونے والی روایت بیان فرمائی ہے ان ہی نے ان کا منسوخ ہونا بیان کیا ہے۔ پس یا تو دونوں باتوں کو قطعی تصور کیا جائے یا دونوں کو ظنی مانا جائے۔

نهاية المجتهد میں آیا ہے کہ اس کے حرام ہونے کا حکم تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

Marfat.com

لواطت (یعنی مرد کے ساتھ بدفعلی) کی سزا کا بیان

واضح ہو کہ لواطت (یعنی مرد کا مرد کے ساتھ بدفعلی کرنا) ایک ایسا جرم ہے جو انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ یہ حرکت انسانیت سے کھلی عداوت اور اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ فطری وظائف کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اسی طرح گناہ کبیرہ قرار دیا ہے جس طرح زنا ہے۔ ارشاد باری ہے " اتأتون الفاحشة ماسبقکم بها من احد من العالمین" (یعنی تم ایسی بے شرمی کے مرتکب ہونا چاہتے ہو جس کا ارتکاب اس سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا؟) پس جو شخص اس فعل بد کا مرتکب ہو اس (کی سزا) کے بارے میں ائمہ فقہ کی مختلف رائیں ہیں۔

منجملہ ان فقہاء کے کچھ وہ ہیں جنہوں نے فرمایا کہ اگر شادی شدہ شخص اس کا مرتکب ہو تو وہی سزا دی جائے جو زنا کی ہے۔ یعنی اسے ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے اسے کنوارے (مرتکب زنا) کی طرح درہ زنی کی سزا دی جائے کیونکہ اس شخص کو محصن (شادی شدہ یا محفوظ) قرار نہیں دیا جاسکتا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ لوطی (بدفعلی کرنے والے) کو جو سزا دی جاتی ہے وہ سزا 'حد' (شریعت کی مقرر کردہ) نہیں ہے بلکہ سرزنش کے طور پر ہے۔ لہٰذا قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے کے مطابق اسے قید کر دے یا اس جرم کی پاداش میں تنبیہاً اسے تازیانے کی سزا دے اگر اس سے دوبارہ ایسی حرکت سرزد ہو اور باز نہ آئے تو اسے سزائے موت دی جائے۔ (۱)

۱۔ ائمہ رضوان اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ شرعاً لواطت فعل حرام ہے اور بے حیائی کا کام ہے۔ بلکہ جرم زنا سے بڑا اور کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس کے حرام ہونے کے بارے میں احادیث متواترہ آئی ہیں اور اس کے مرتکب پر لعنت آئی ہے۔ ثبوت جرم کے لئے گواہوں کی تعداد کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جرم لواطت کے ثبوت کو بھی ثبوت زنا کی طرح شہادت درکار ہے۔ لہٰذا چار معتبر اشخاص، جن میں کوئی عورت نہ ہو، کی گواہی کے بغیر یہ جرم ثابت نہ ہوگا، ان گواہوں کو سرمہ دانی میں سلائی کی طرح چشم دید گواہی دینی ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ لواطت کے بارے میں شہادت دینا زنا کی شہادت سے مختلف ہے کیونکہ مرد کے ساتھ بدفعلی کا گناہ زنا کے گناہ سے ہلکا ہے اور اس جرم کی حیثیت اس جرم کی حیثیت سے کم ہے۔ اس گناہ سے نہ نسل میں گڈمڈ ہوتی ہے اور نہ عزت پر حرف آتا ہے۔ لہٰذا اس کا ثبوت صرف دو گواہوں کی شہادت سے ہوسکتا ہے۔ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو اس

Marfat.com

فعل کو زنا کے برابر قرار دے۔ کتاب وسنت میں بھی ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو ثابت کرنے کے لئے وہی بنیادی حکم عائد ہوگا جو دوسرے جرائم اور گواہوں کے متعلق ہے۔

ائمہ فقہ کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اس جرم کے ارتکاب پر کوئی حد (شرعی سزا) مقرر ہے یا سرزنش کے طور پر سزا واجب ہے؟

مالکیہ حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اس کے ارتکاب پر حد کا نفاذ واجب ہے۔ لیکن اسے 'زنا' یعنی ناجائز طور پر ایک کے عضو مخصوص کو دوسرے کی شرمگاہ میں داخل کرنے پر قیاس کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

مالکیہ، حنابلہ اور ایک روایت کی رُو سے شافعیہ بھی کہتے ہیں کہ لواطت کی حد (یا سزائے شرعی) یہ ہے کہ لواطت کرنے اور کرانے والے دونوں کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے، خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ہوں۔ اس بارے میں محصن ہونے اور اس کی متعلقہ شرائط کو جن کا ذکر شرائط زنا کے سلسلہ میں ہو چکا ہے، شمار میں نہیں لایا جائے گا یا (اگر سنگسار نہیں تو) پھر انہیں تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ لواطت بھی زنا ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ یہ بھی شہوت کے ساتھ لذت اندوز ہونے کے لئے ایک شخص کا اپنے عضو مخصوص کو دوسرے کے عضو مخصوص میں داخل کرنا ہے۔ پس لواطت (یعنی مرد کے ساتھ بدفعلی) کرنے والے اور کرانے والے دونوں ان موجبات (حرمت وتعذیب) کے تحت آتے ہیں جن کا ذکر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زناکاروں کے سلسلہ میں آ چکا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اقتلوا الفاعل و المفعول به" (یعنی کرنے اور کرانے والے دونوں کو قتل کر دو) اور "اقتلوا الاعلیٰ و الاسفل' (یعنی اوپر والے کو بھی قتل کر دو اور نیچے والے کو بھی) اور اس روایت کی بنا پر جسے بیہقی نے سعید بن جبیر اور مجاہد سے اخراج فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے جب کنوارے شخص کے بارے میں جو لواطت کا مرتکب پایا جائے، حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا 'یرجم' (یعنی اسے سنگسار کر دیا جائے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ "اقتلوا الفاعل و المفعول به احصنا ام لم یحصنا" (یعنی ایسا کرنے والے کو اور جس کے ساتھ کیا جائے اسے بھی قتل کر دو شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حماد بن ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا فرمانا ہے کہ یہ ٹھیک ہوتا کہ دو مرتبہ سنگسار کیا جا سکتا ہے تو میں لواطت کرنے والے کو کرتا، اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا اتی الرجل 'الرجل فهم زانیتا' ، و اذا اتت المراة المراة فهما زانیان" (یعنی اگر ایک مرد دوسرے کے ساتھ ملوث ہو تو وہ دونوں زناکار ہیں اور ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ ملوث ہو تو وہ دونوں زانیہ ہیں)۔

ان اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ یہ فعل 'زنا' ہے اور اس پر حد نافذ کرنے کا حکم صریح موجود ہے۔ لفظی اعتبار سے 'زنا' گناہ فاحشہ ہے اور قرآن میں صراحۃ اسے 'فاحشہ' فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قوم لوطؑ (جو اس کی مرتکب تھی) کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اتاتون الفاحشة ما سبقکم بها من احد من العالمین" (یعنی کیا تم لوگ ایسی حرکت فاحشہ کرنی چاہتے ہو جو اس سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی؟) معنوی اعتبار سے 'زنا' نام ہے ایک فعل کا جس کا مطلب عضو مخصوص کو

Marfat.com

دوسرے عضو مخصوص میں داخل کرنا ہے اور جس کے ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں اس کا مقصد لذت اندوزی اور اخراج مادۂ تولید ہے۔ یہی کیفیت لواطت میں بھی پائی جاتی ہے۔ 'قبل اور دبر' (یعنی شرمگاہ پیشیں و پسیں) دونوں کا ڈھکنا شرعاً واجب ہے اور نماز کے اندر اور باہر واجب الستر ہے۔ ان میں سے کسی پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ یہ دونوں ہی اعضاء شہوت (بری خواہش) کو ابھارنے والے ہیں اور انہیں ہاتھ لگانے، دیکھنے اور مباشرت سے فطرۃً حظ نفس حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ جو شخص شرع سے بیگانہ ہے وہ بھی دونوں افعال (زنا و لواطت) میں امتیاز نہیں کر سکتا۔

پچھلے سال اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ انگلستان کے دارالامرا نے ایک قانون منظور کیا ہے جس کی رو سے ایک مرد کی شادی دوسرے مرد کے ساتھ جائز قرار دی گئی ہے اور جس مرد کے ساتھ شادی ہو اسے وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو بیوی کی ہے۔ چنانچہ ایسا عقد جو گرجا میں انجام پایا اس کی کیفیت نشر کی گئی۔ یہ بھی قدرت کا ایک کرشمہ اور اخلاقی پستی کی حد ہے، العیاذ باللہ۔

واضح ہو کہ محل معصیت (یعنی اعضائے گناہ) کی گرمی و نرمی ہی شہوت انگیز ہوتی ہے بایں اعتبار 'قبل و دبر' (یعنی آگے اور پیچھے کے اعضائے گناہ) میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ چنانچہ دونوں میں سے کسی میں بھی محض ادخال عضو سے، غسل واجب ہو جاتا ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے لواطت کے حرام ہونے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ کسی شے کا برمحل ہونا اس کی ملکیت حاصل ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے چنانچہ قبل (اندام نہانی سے استفادہ اس کا مالک ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے اور دبر (یعنی مقعد) کے مالک ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس فعل بد کا حرام ہونا قطعی اور مسلم ہے۔ کیونکہ یہاں کسی حال میں ملکیت کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حقیقی معنوں میں مادۂ تولید کا اتلاف اس فعل بد میں زیادہ واضح ہے بہ نسبت اندام نہانی کے کیونکہ یہی صورت اولاد پیدا کرنے کی ہے اور اس کی بابت گمان ہو سکتا ہے کہ یہ فعل زراعت کی مانند ہے۔ اگرچہ زنا کرنے والے کا یہ ارادہ نہ ہو۔ لیکن فعل لواطت میں اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس میں مادہ تولید کا اتلاف 'مسلم' ہے۔ پس حد کا یہ حکم (حکم حد زنا) پر قیاس کرنے کی بناء پر نہیں ہے۔ اور حد کا نفاذ قیاس کی بناء پر ہوتا بھی نہیں ہے بلکہ 'حد' حکم صریح کی بناء پر ہوتی ہے۔ رہا محل معصیت کا مختلف ہونا سو وہ ایسا ہی ہے جیسے مرتکب کے نام کا مختلف ہونا (کہ ایک کو زانی اور دوسرے کو لوطی کہتے ہیں)۔

ایک اور روایت کی رو سے شافعیہ کہتے ہیں کہ لواطت کی سزا بھی وہی ہے جو زنا کی ہے۔ پس اس میں شادی شدہ ہونے (یا نہ ہونے) کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، قتادہ، نخعی، ثوری، اوزاعی، ابو طالب اور امام یحییٰ رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اس بدفعلی کا مرتکب کنوارا ہو تو اسے درہ زنی اور جلاوطنی کی سزا دی جائے اور شادی شدہ ہو تو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ بھی زنا ہی کی ایک قسم ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جرم لواطت کے لئے کوئی 'حد' (شریعت کی مقرر کردہ سزا) نہیں ہے۔ لیکن حاکم اسلام پر واجب ہے کہ وہ اپنی رائے کے مطابق سزا دے۔ تاکہ مجرم کو تنبیہ ہو۔ اگر اس فعل کو دوبارہ کرے اور اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو سزا کے طور پر، حد کے طور پر نہیں اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ اس بارے میں کوئی صراحت شرعی نہیں ہے۔ امام شوکانی نے اپنی کتاب 'تعلیق' میں اسی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مسلک میں ان دلائل کے خلاف کوئی بات

Marfat.com

نہیں ہے جو سزائے لواطت کے بارے میں مذکور ہوئے اور جو بالعموم 'زنا' کے بارے میں آیات واحادیث متواترہ سے اخذ کیے گئے ہیں۔

حنفیہ میں سے ابو یوسف اور امام محمد نے، امام اعظم کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لواطت بھی 'شہوت رانی' ہے اور بعض اصحاب کے نزدیک اس میں اور عورت کے ساتھ شہوت رانی میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہاں بھی پورے طور پر شہوت انگیزی کا سامان ہے۔ بناء بریں ایسے اشخاص پر حد زنا کا نافذ کرنا واجب ہے۔ لہٰذا کنوارے کو دُرّہ زنی کی سزا دی جائے اور شادی شدہ میں اگر محصن ہونے کی تمام شرائط موجود ہوں تو اسے سنگسار کیا جائے۔ یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو بدیں جہت کہ وہ اس بدکرداری کی مرتکب تھی 'مفسدین' سے تعبیر فرمایا ہے اور مفسد (فسادی) کی سزا قتل اور دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قال رب انصرني على القوم المفسدين" (العنکبوت: ۳۰) (یعنی پیغمبر نے کہا کہ پروردگار مجھے اس فساد انگیز قوم پر غلبہ عطا فرما)۔

صاحبین کہتے ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انھیں زندہ نہ چھوڑا جائے۔ البتہ ان کی سزاؤں کی سختی کے بارے میں اختلاف ہے۔ لہٰذا ہم نے اس کی بابت ایسے قول کو اختیار کر لیا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ترجیح دی کہ اس کے مرتکبوں کو حد ماری جائے۔

سزائے لواطت کے متعلق صحابہؓ کی رائیں

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سزائے لواطت دیے جانے کے متعلق تو سب کو اتفاق ہے لیکن کیا سزا ہو؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حد کے طور پر مرتکبوں کو تلوار سے قتل کر دیا جائے پھر ان کی تذلیل کے لئے دونوں کو جلا دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم کی یہی رائے ہے۔

حافظ منذری کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور ہشام بن عبدالملک نے لواطت کے مرتکب کو آگ میں جلایا ہے لیکن تلوار سے قتل کرنے یا سنگسار کرنے کے بعد۔

حقیقت یہ ہے کہ اس جرم کا مرتکب اور اس مذموم اور ذلیل حرکت میں ملوث ہونے والا عبرت ناک سزا کا مستحق ہے اور اسے ایسی سخت اذیت پہنچائی جائے کہ سرکش بدکاروں کی نفسانی خواہشات کا خاتمہ کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص جس نے اس قوم کی سی بے حیائی اختیار کر لی جس کی بابت فرمایا گیا ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں کبھی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی، اس امر کا مستحق ہے کہ اس کو وہی سزا دی جائے، جو شدت اور اذیت میں اسی قوم کے عذاب کے برابر ہو جن کی بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا، ان کی اونچی عمارتوں کو خاک میں ملا دیا۔ ان کے اوپر کھنگر کی بارش ہوئی اور اس عذاب میں کنوارے، بیاہے، چھوٹے بڑے اور عورت مرد سب ہی کی بیخ کنی کر دی گئی، تاکہ انھیں اس گناہ عظیم کی سزا دی جائے۔ قرآن نے ایسے لوگوں کو ظالم (ظلم کرنے والا) قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنی اس بدکرداری سے خود اپنی جانوں پر اور پورے عالم انسانیت پر ظلم کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے "فلما جاء امرنا جعلنا عاليها سافلها، و امطرنا عليها حجارة من سجيل منضود، مسومة عند ربك وما هي من الظالمين ببعيد" (ہود: ۸۲، ۸۳) (یعنی جب ہمارا حکم عذاب نازل ہوا ہم نے اس بستی

Marfat.com

کے اوپر کو نیچا کر دیا (یعنی الٹا دیا) ان پر کھنگر برسائے جو تہ بر تہ برتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے نشان لگا رکھے تھے کہ جن کے نام کے ہیں انہی پر پڑیں اور عذاب ظالموں سے دور نہیں ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لواطت کے مجرموں کو اونچی جگہ مثلاً سر بلند پہاڑ یا اونچی عمارت سے سر کے بل دھکا دے دیا جائے اور یا ان کے اوپر دیوار گرا دی جائے اور پتھر برسائے جائیں کہ دونوں مر جائیں جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ ہوا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ انھیں ایسی متعفن جگہ میں قید کر دیا جائے جہاں کی عفونت سے وہ مر جائیں۔

ان سب میں قابل ترجیح رائے یہ ہے کہ انھیں سنگسار کر دیا جائے، خواہ وہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ۔ اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ کی شریعت میں بھی سنگساری کی سزا رکھی تھی۔ قوم لوط کے بارے میں ارشاد باری ہے ''لنرسل علیهم حجارة من طين '' (یعنی تاکہ ہم اس قوم پر کھنگر برسائیں)

قرآن کریم میں ان لوگوں کو دین اور تعلیمات صاحب شریعت کے دائرہ سے خارج فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''بل انتم قوم مسرفون '' (یعنی تم لوگ حدود شریعت سے تجاوز کرنے والے ہو)۔ نیز فرمایا ''انا منزلون علی اهل هذه القرية رجزا من السماء بما كانوا يفسقون '' (العنکبوت: ۳۴) (یعنی ہم اس بستی والوں کی بدکاریوں کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے لواطت کے مرتکب پر لعنت کی ہے اور ایسے شخص کی بابت بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارا ہوا ہے۔ نسائی نے اپنی صحاح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لعن الله من عمل عمل قوم لوط '' (یعنی اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے جو قوم لوط کے عمل کا مرتکب ہوا)۔ لَعۡنَتۡ کے معنے اللہ کی رحمت سے دور کئے جانے کے ہیں۔ اور تمام بڑے بڑے گناہوں میں سے یہ فعل مذموم قوموں کی معاشرتی تعمیر کو گرا دینے والا ہے جس سے قوم کے نوجوانوں اور عورتوں میں برائیاں پھیلتی ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی سزا دوسرے جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مانقض قوم العهد الا كان القتل بينهم، ولا ظهرت الفاحشة في قوم الا سلط الله عليهم الموت '' (یعنی جب کوئی قوم عہد کو توڑتی ہے تو ان میں خونریزی ہونے لگتی ہے اور جب کسی قوم میں علانیہ بدکاری ہو تو اس پر مردنی چھا جاتی ہے)۔

ترمذی نے بسند صحیح بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اخوف ما اخافه على امتي عمل قوم لوط '' (یعنی مجھے اپنی امت میں جس بات کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے)۔ یہ حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے اور اسے 'حسن غریب' بتایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اذا استحلت امتي خمساً فعليهم الدمار: اذا ظهر التلاعن، وشربوا الخمر، ولبسوا الحرير، واتخذوا القيان، واكتفى الرجال بالرجال والنساء بالنساء ' (یعنی میری امت جب ان پانچ باتوں کو اپنے اوپر حلال کر لے تو جان لو کہ ان پر تباہی آ گئی: یعنی جب وہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں، شرابیں پئیں، ریشمی

Marfat.com

لباس پہنیں اور بناؤ سنگھار میں لگ جائیں، مرد عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر اکتفا کریں اور عورتیں مردوں سے قطع نظر کر کے عورتوں پر اکتفا کریں)۔ اس حدیث کو بیہقی نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔

واضح ہو کہ یہی حد اس شخص پر بھی عائد ہوتی ہے جو اجنبی عورت کے ساتھ دبر (پیچھے کی راہ سے) بد فعلی کرے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا "الذی عمل عمل قوم لوط فارجموا الاعلی والاسفل، وارجموهما جميعا" (یعنی جو شخص قوم لوط کے فعل کا مرتکب ہو تو اوپر اور نیچے والے دونوں کو ایک ساتھ سنگسار کر دو)۔

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ انسانی فطری تقاضے سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس فعل کے ارتکاب میں جنسی عمل کی وہ مصلحت قطعاً ملحوظ نہیں رہتی جو عاقل انسان اور بے زبان حیوان کو ہوتی ہے ان لوگوں کی غرض محض شہوت رانی اور لذت اندوزی ہے۔ ان کی حالت جانوروں سے بھی گری ہوئی ہے یہ ان سے زیادہ بد راہ ہیں۔ کیونکہ جانور بھی اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لیے مادہ کی طلب کرتا ہے۔ تاکہ ہر جانور اپنی نوع کا تحفظ حاصل کرے اس لحاظ سے انھیں انسان پر فوقیت حاصل ہے۔ پھر جب مادہ حاملہ ہو جاتی ہے تو نر اس سے مقاربت نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی نر کبھی نر سے جفتی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے بدکرداروں کو "مسرف" یعنی حد سے تجاوز کرنے والا، مجرم، ظالم اور بداعمالی کا عادی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

"اتاتون الذكران من العلمين. وتذرون ماخلق لكم ربكم من ازواجكم، بل انتم قوم عدون (الشعراء ۱۶۵، ۱۶۶)

"قال رب انصرني على القوم المفسدين. ولما جاء ت رسلنآ ابرهيم بالبشرىٰ، قالوآ انا مهلكوا اهل هذه القرية ان اهلها كانوا ظلمين" (العنکبوت: ۳۰، ۳۱)۔

انا منزلون علىٰ اهل هذه القرية رجزاً من السماء بما كانوا يفسقون" (العنکبوت: ۳۴)۔

ولوطاً اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العلمين. انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النسآء، بل انتم قوم مسرفون. وما كان جواب قومه الا ان قالوآ اخرجوهم من قريتكم انهم اناس يتطهرون فانجينه واهله الاامر أته كانت من الغابرين. وامطرنا عليهم مطراً، فانظر كيف كان عاقبة المجرمين" (الاعراف: ۸۰ تا ۸۴)۔

(یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آیا تم اس جہان میں مردوں کے ساتھ ملوث ہونا چاہتے ہو اور اپنی بیویوں کو جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے پیدا کیا ہے چھوڑ بیٹھے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم لوگ حد سے بڑھ گئے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پیغمبر نے فریاد کی کہ اے پروردگار اس بدکار قوم پر مجھے غلبہ عطا فرما۔ پھر وہ فرماتا ہے کہ پھر جب ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم کو بشارت دینے آئے تو انہوں نے یہ بتایا کہ ہم اس بستی کو تباہ کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگ ظالم ہیں۔

نیز فرمایا کہ ہم اس بستی کے رہنے والوں پر، ان کی بدکاری کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ وہ گناہ عظیم کرتے ہو کہ دنیا میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یعنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔ ان کی قوم نے اس کا جواب دیا تو یہ کہ لوگو! لوط کے کنبہ والوں کو اس بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ تو اس سے پاک رہنا چاہتے ہیں۔ پس ہم لوط اور اس کے کنبہ کو عذاب سے بچا کر لے آئے البتہ اس کی بیوی (نہ آئی) پیچھے رہ گئی۔ ہم نے ان لوگوں پر پتھر کی بارش برسائی تو دیکھو کوان مجرموں کا کیا حشر ہوا؟)

غرض اس جرم کے مرتکبوں کا انجام ان کی تباہی کے سوا نہیں ہے۔ اس مذموم گناہ کا مرتکب، ارتکاب کرنے کی پاداش میں سخت ترین عذاب کا سزاوار ہے۔

طبرانی نے اپنی کتاب صحیح میں رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ''اذا ظلم اھل الذمة، کانت الدولة دو لة العدو، واذا کثر الزنا، کثر السباء واذا کثر اللواط رفع اللّٰہ یدہ عن الخلق فلا یبالی فی ای واد ھلکوا'' بروایت جابر ابن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ۔ (یعنی اگر ذمیوں پر ظلم ہو تو وہ حکومت دشمن کی حکومت ہو جاتی ہے اور جب زنا کی کثرت ہو تو قیدیوں کی کثرت ہو گی اور اگر لواطت کی کثرت ہو تو اللہ تعالیٰ لوگوں سے دستکش اور ان کی طرف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ خواہ کسی بھی آفت ناگہانی میں ہلاک ہو جائیں)۔ یہ حدیث جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

الغرض لواطت ان اسباب میں سے ہے جن سے قومیں برباد ہوتیں۔ قبائل ہلاک ہو جاتے ہیں اور اس کے مرتکب اللہ کی عنایت اور اعانت سے محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ فعل لوگوں کو نفس پرستی کی دعوت دیتا ہے۔ لوگ شہوت رانی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور اللہ کی مدد، اس کی حمایت اور نصرت و کامرانی سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لا ینظر اللّٰہ عزوجل الی رجل اتی رجلاً، او امرة فی دبرھا'' بروایت نسائی۔ (یعنی اللہ اس شخص پر نظر کرم نہیں فرمائے گا جو مرد کے ساتھ ملوث ہو یا عورت کے ساتھ دبر (پیچھے کی راہ سے) بدفعلی کرے)۔ اور طبرانی نے اپنی کتاب الاوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ثلاثة لاتقبل لھم شھادة ان لاالہ الا اللّٰہ: الراکب والمرکوب، والراکبة والمرکوبة، والا مام الجرائر'' (یعنی تین قسم کے اشخاص ایسے ہیں کہ ان کے اس کہنے پر بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی وہ مرد جو لواطت کرنے اور کرانے کے مرتکب ہوں اور وہ عورت جو کسی عورت سے ملوث ہو اور وہ شخص جو گناہوں کی رہنمائی کرے)۔

Marfat.com

لواطت مستوجب لعنت الٰہی ہے

حقیقت یہ ہے کہ فعل لواطت اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور اس کے غضب کا نیز فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستوجب ہے کیونکہ یہ ایک ایسی ناشدنی حرکت ہے جو عقل سلیم اور مذاق صحیح کے منافی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس فعل کے مرتکب نے شرم اور انسانیت کا جامہ اتار کر رکھ دیا ہے اور باوقار انسان کی تمام خوبیوں سے عاری ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ ایسے اشخاص جانوروں کی خصائل فطری سے بھی عاری ہیں، ان کی عادات حیوانات غیر ناطق سے بھی زیادہ مذموم، قبیح اور قابل نفرت ہیں بلکہ کنکر پتھر سے بھی زیادہ گری ہوئی ہیں۔ اس سے بڑا عیب اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس حرکت سے کتے، گدھے اور سؤر بھی پرہیز کرتے ہیں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا صدور ان سے ہو جو ان سب سے برتر، صاحب قدرت اور باعظمت ہوں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی اس کا مرتکب ہو تو اس سے زیادہ اپنے مقام سے گرا ہوا، اپنی شان سے ہٹا ہوا اور ایک گندے، مردار جانور سے زیادہ ذلت ورسوائی کے قابل ہے۔ غرض معاشرہ میں لواطت کرنے والے سے تو قاتل، چور یا زنا کار بھی بہتر ہیں۔ وہ شخص تو اللہ کا باغی ہے۔ اس میں ایمان کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ وہ رحمت الٰہی سے دور، راندہ درگاہ الٰہی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جو سب سے بری جگہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے اس جرم سے بچنے کے لئے بے ریش لڑکوں پر نظر ڈالنے سے منع فرمایا ہے بالخصوص اس صورت میں جبکہ وہ خوش شکل ہوں۔ بعض اصحاب نے کہا کہ ان کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا منع ہے کیونکہ یہی نفسانی خواہشات کی تحریک اور بدکاری کا سبب بن جاتا ہے اور چھپی ہوئی شہوت کو ابھارتا ہے۔

حسن بن ذکوان رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ دولت مندوں کے لڑکوں کے ساتھ میل جول مت رکھو کیونکہ ان کی شکلیں بالعموم عورتوں کی سی ہوتی ہیں اور وہ عورتوں سے زیادہ فتنہ برپا کرتے ہیں۔

نجیب بن سدی کہا کرتے تھے کہ کوئی شخص بے ریش لڑکوں کے ساتھ گھر میں اکیلا نہ رہے۔

ابن سہل سے یہ قول مروی ہے کہ اس امت میں ایک قوم پیدا ہو گی جنہیں لوطی (لونڈے باز) کہا جائے گا۔ یہ تین قسم کے ہیں: نظارہ بازی کرنے والے، ہاتھ سے ہاتھ ملانے والے اور وہ جو بدفعلی کے مرتکب ہوں۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس عمل (یعنی عمل قوم لوط) کا مرتکب، آسمان سے نازل ہونے والے تمام قطرہ ہاء باران سے اور زمین کی تہ میں جو پانی ہے اس سے غسل کرے تب بھی وہ نجس ہی رہے گا تا آنکہ وہ اپنے اس فعل بد سے توبہ نہ کرے۔

ایک شخص امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں آیا۔ ان کے ہمراہ ایک اچھی شکل وصورت والا لڑکا تھا۔ امام موصوف نے دریافت فرمایا کہ یہ تمہارا کیا لگتا ہے؟ اس شخص نے کہا "یہ میرا بھانجا ہے۔" فرمایا "آئندہ اسے لے کر یہاں نہ آنا اور نہ اسے لے کر راستہ پر چلا کرو، تاکہ جو شخص تمہیں اور اس لڑکے کو نہیں جانتا تم سے بدگمانی نہ کرے"۔

ایک بار حضرت سفیان ثوری عوامی حمام (غسل خانہ) میں داخل ہوئے ان کے ساتھ ایک قبول صورت لڑکا بھی ننگے بدن داخل ہوا تو آپ نے چلا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا "اسے میرے پاس سے لے جاؤ، اسے لے جاؤ۔ میں ہر عورت کے ساتھ ایک شیطان اور ہر نوعمر بے ریش لڑکے کے ساتھ کئی شیطان دیکھتا ہوں۔

واضح ہو کہ یہ تمام خرابیاں اس مذموم فعل میں پائی جاتی ہیں جو تمام عورتوں اور مردوں کے لیے بلکہ جملہ افراد

Marfat.com

معاشرہ اور پوری انسانیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ ہم اس سے محفوظ رہنے اور بچنے کی دعا کرتے ہیں، انه سميع الدعاء۔

لواطت سے حرمت مصاہرہ عائد ہونے کا بیان

حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ لواطت کے ارتکاب سے، حرمت مصاہرہ یعنی کہ وہ حرمت جواز دواج سے پیدا ہوتی ہے) عائد نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ لواطت کے ارتکاب سے حرمت مصاہرہ اسی طرح عائد ہو جاتی ہے جس طرح زنا سے عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے ایسے لڑکے سے بدفعلی کی جو اس قابل تھا یا کسی مرد سے بدفعلی کی تو یہ دونوں اشخاص بنص صریح ایک دوسرے کی ماں اور بیٹی پر حرام ہو جائیں گے کیونکہ یہ بھی شہوت انگیز حصہ بدن میں ایسی ہی مباشرت ہے جیسی کہ عوت کے ساتھ مباشرت، بطور سرزنش کے دونوں پر حرمت مصاہرہ عائد ہوگی۔

اقدام لواطت میں جو خرابیاں علماء نے بیان کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

اول یہ کہ یہ حرکت انسانی فطرت سلیمہ کے منافی ہے۔ طبیعت سلیم اس کو بے حیائی کا کام اور زنا سے بدتر فعل خیال کرتی ہے کیونکہ اس گناہ کا ارتکاب گندی جگہ سے ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس سے جوانوں کی قوت مردمی کا ضیاع ہوتا ہے کیونکہ اس کا اقدام بسہولت ممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ اس سے مردوں میں علت اُبنہ (یعنی بدفعلی کرانے کا مرض) پیدا ہو جاتا ہے جو موجب ذلت ہے اور جب کسی کا نفس اتنا ذلیل ہو جائے تو وہ سربلند نہیں ہو سکتا۔

چوتھے یہ کہ ایسے اشخاص کی عورتوں میں برائی راہ پا جاتی ہے کیونکہ ان کے خاوندوں کو لواطت کا چسکا لگ جاتا ہے۔ اور وہ اپنی عورتوں سے بے تعلق ہو جاتے ہیں اور بیوی کی پاسداری کا جو فرض ان پر عائد ہوتا ہے اس کی بجا آوری اور ان کے نفسانی تقاضوں کی تسکین میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں۔ نتیجۃً ان کی بیویاں بھی بے اعتنائی کے باعث خاوندوں سے بیزار ہو جاتی ہیں۔

پانچویں یہ کہ اس گناہ کبیرہ کے پھیل جانے سے نسل گھٹتی جاتی ہے کیونکہ اس فعل کے مرتکب مرد شادی کرنے اور عورتوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

چھٹے یہ کہ ایسے مرد اپنی عورتوں کے ساتھ غیر فطری مباشرت کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور یہ امر برائی کی انتہا ہے۔

ساتویں یہ کہ جو شخص اس شرمناک فعل کا عادی ہو مشت زنی اختیار کرنے کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور جانوروں کے ساتھ شہوت رانی کرتا ہے۔ یہ دونوں حرکتیں نہایت بری ہیں جو وجود انسانی کے لئے ضرر رساں، اخلاق کو تباہ کرنے والی اور صحت کو برباد کرنے والی ہیں اور ہر مذہب وملت میں زنا اور لواطت کی طرح حرام ہیں کیونکہ یہ باتیں موجب ہلاکت اور سخت مضرت رساں ہیں۔

آٹھویں یہ کہ اس سے ازدواجی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کنبہ اور قبیلہ سے علیحدگی ہو جاتی ہے اور باہمی بغض و عداوت کا بیج بویا جاتا ہے۔

نویں یہ کہ یہ خصلت جوانوں کو شادی کرنے اور خاندانی ذمہ داریوں سے منہ موڑ لینے پر آمادہ کرتی ہیں۔ یہ وہ

Marfat.com

خرابیاں ہیں جن سے معاشرتی تقاضوں کی بنیادیں گر پڑتی ہیں کیونکہ زوجین کی پاسداری وتحفظ کا انحصار ازدواجی زندگی (کے مقام) پر ہی منحصر ہے۔

دسویں یہ کہ ایسی حرکت کرنے والا (فاعل) زہری (آتشک) اور سیلان (جریان) کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کرانے والا (مفعول) بھی ضرر سے دوچار ہوتا ہے اور ایسی مکروہ باتوں میں پڑ جاتا ہے جس کا مداوا اختیار سے باہر ہے۔

اس گناہ کبیرہ کے عام نقصانات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی خرابیوں کا شمار، اس کا پھیلاؤ اور اس کا اثر فرد اور جماعت پر پڑتا ہے ان سب باتوں کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ حرکت (نازیبا)، وقار شکن، نامرادی کا موجب، رسوائی کا باعث، کمینگی کا سبب اور عزت وشرافت کے منفی وباؤں اور امراض خبیثہ کو جنم دینے والی اور سل اور صفراء کی بیماریوں کا ذریعہ ہے۔ اس سے اللہ کی رحمت (بندوں پر سے) اٹھ جاتی ہے اور اس کا عتاب نازل ہوتا ہے۔ فاعل ومفعول دونوں لعنت وعذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لواطت کرنے والے کی طبیعت میں پستی آجاتی ہے اور چہروں سے شرم ڈھل جاتی ہے۔ دونوں مجرموں کی گواہی تسلیم نہیں کی جاتی اور دنیا وآخرت دونوں جگہ عذاب کے مستوجب ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مخنث کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا ہے کہ معاشرہ میں خرابی راہ نہ پائے۔ شریعت اسلامیہ نے اس فعل کو سختی سے منع فرمایا ہے اور اس کے لئے عبرتناک سزا مقرر فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بکثرت احادیث میں اس گناہ سے نفرت دلائی گئی ہے اور اس کی بدانجامی سے خوف دلایا گیا ہے اور اس کے عظیم خطرات اور ذلت کے پیش آنے سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لعن اللّٰہ سبعةً من خلقه من فوق سبع سمواته، وردد اللعنة علی کل واحد منهم ثلاثا، ولعن کل واحد منهم لعنةً تکفیه، قال: ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوطٍ ملعون من عمل عمل قوم لوطٍ، ملعون من ذبح لغیر الله، ملعون من اتی شیئاً من البهائم، ملعون من عق والدیه ملعون من جمع بین امراةٍ وابنتها، ملعون من غیر حدود الارض، ملعون من ادعی الی غیر موالیه" (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے آسمان ہفتم سے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے اشخاص پر لعنت فرمائی ہے اور ان میں سے ہر ایک پر یکے بعد دیگرے تین بار لعنت فرمائی ہے اور ہر ایک پر ایسی لعنت بھیجی کہ جو اس کیلئے کافی ہو۔ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے قوم لوط والی حرکت کی وہ لعنتی ہے جس نے قوم لوط والی حرکت کی وہ لعنتی ہے۔ جس نے قوم لوط والی حرکت کی وہ لعنتی ہے۔ اور وہ شخص ملعون ہے جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے نام (جانور) ذبح کیا۔ وہ شخص ملعون ہے جس نے جانوروں کے ساتھ کوئی بدفعلی کی۔ وہ شخص ملعون ہے جسے ماں باپ نے عاق (محروم الحق) کر دیا۔ وہ شخص ملعون ہے جس نے ماں بیٹی دونوں کو اپنی زوجیت میں جمع کیا۔ وہ شخص ملعون ہے جس نے زمین کی حدود میں تبدیلی کی۔ وہ شخص ملعون ہے جس نے دوسروں کے (مملوک) غلام کی ملکیت کا دعویٰ کیا۔

بیویوں کے ساتھ غیر فطری مباشرت کرنے کا بیان

تمام علمائے اسلام اس امر پر متفق اللفظ ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ اندام نہانی سے ہٹ کر پیچھے کی راہ سے مباشرت کی اس پر حد عائد نہ ہوگی کہ اس مذموم فعل کا مرتکب گنہگار اور مستوجب عذاب آخرت ہے

Marfat.com

کیونکہ اس شخص نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جو شرعاً ممنوع اور نا قابل درگزر ہے۔ بلکہ اس کی سزا میں نرمی کرنا اور بچانے کی کوشش کرنا بھی منع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث میں عورتوں کے ساتھ غیر فطری بدفعلی کے ارتکاب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

حضرت خذیمہ بن ثابت، ابو ہریرہ اور علی بن طلق رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''لاتاتوا النسآء فی ادبارھن'' (یعنی عورتوں کے ساتھ پیچھے کی راہ سے مجامعت مت کرو)۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''ھی اللوطة الصغری'' (یعنی عورتوں کے ساتھ غیر فطری عمل بھی ایک چھوٹی قسم کی لواطت ہے)۔

حماد بن سلمہ نے حکیم بن الاثرم سے انھوں نے ابی تمیم سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''من اتی حائضاً، او امراۃً فی دبرھا، او کاھناً فصدقه، فقد کفر بما نزل علی محمد'' بروایت ترمذی و امام احمد۔ (یعنی جس شخص نے کسی عورت سے بدوران حیض یا غیر فطری طور پر مباشرت کی یا کسی نجومی کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی سے انکار کیا)۔

قرآن حکیم نے مباشرت کے لئے اندام نہانی کو مخصوص فرمایا ہے کیونکہ (قرآن میں لفظ حرث یعنی کھیتی کا لفظ آیا ہے اور) حرث (کھیتی) کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے کہ یہیں سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور مقام کو (مباشرت کے لئے) حرام کر دیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ اندام نہانی میں مباشرت کی لیکن پیچھے کی طرف سے کی، اس کی وجہ سے بھینگا لڑکا پیدا ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''نسائوکم حرث لکم، فاتوا حرثکم انی شئتم، وقدموا لانفسکم واتقوا اللہ واعلموآ انکم ملقوہ، وبشر المئومنین'' (البقرۃ:۲۲۳) (یعنی لوگو تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں۔ اپنی کھیتی کو جس حال میں چاہو استعمال کر سکتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جان رکھو کو تمہیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اور ایمانداروں کی خوش انجامی کی بشارت دے دو) اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مقبلة ومدبرة ما کان فی المخرج'' (یعنی مباشرت صحیح آگے کی طرف سے ہو یا پیچھے کی طرف سے اس سے اولاد پر کچھ اثر نہیں پڑتا)۔

مختلف طریقوں سے بکثرت احادیث ایسی آئی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''استحیوا ان اللہ لایستحی من الحق، لایحل لکم ان تاتوا النسآء فی حشوشھن'' (یعنی لوگو باز آجاؤ۔ اللہ اظہار حق میں تامل نہیں کرتا۔ عورتوں کے ساتھ غلاظت کی جگہ پر مباشرت کرنا تم پر حلال نہیں ہے)۔

امام احمد نے خذیمہ بن ثابت سے روایت کیا ہے ''ان رسول اللہ ﷺ نھی ان یاتی الرجل امراته فی دبرھا'' (یعنی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ سرین کی طرف سے مباشرت کرے) یہی روایت ایک دوسرے طریقے سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''استحیوا ان اللہ لایستحی من الحق، لاتاتوا النسآء فی اعجازھن'' (یعنی لوگو باز آجاؤ حق بات کے بیان کرنے میں اللہ کو کوئی تامل نہیں ہے کہ عورتوں

Marfat.com

کے ساتھ براہ مقعد مجامعت نہ کرو) نسائی اور ابن ماجہ نے بطریق خزیمہ اسے روایت کیا ہے اور ترمذی ونسائی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لاینظر اللّٰہ الی رجل اتی رجلاً، او امراۃ فی الدبر" (یعنی اللہ اس شخص پر رحمت کی نظر نہ ڈالے گا جو کسی مرد کے یا عورت کے ساتھ سرین کی طرف سے بدفعلی کرے)۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

عبد کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے بتایا کہ معمر ابن طاؤس نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے عورت کے ساتھ اس غیر فطری عمل (کے جواز) کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "تسائلنی عن الکفر" (یعنی یہ سوال تو کفر کی بابت سوال کرنا ہے کہ آیا یہ جائز ہے؟) اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ نسائی نے بھی اس حدیث کو بطریق ابن المبارک معمر سے اسی طرح بیان کیا ہے اور عبدؒ نے بھی اپنی تفسیر میں بتایا ہے کہ ابراہیم نے حاکم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے عکرمہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں اپنی گھر والی کے ساتھ پیچھے کی راہ سے مجامعت کیا کرتا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا کہ "نسائوکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم" (یعنی عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ تم اپنی کھیتی کو جس طرح چاہو استعمال کر سکتے ہو) تو میں نے خیال کیا کہ یہ حرکت حلال ہے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے فرمایا: اے وکیع! اللہ کا ارشاد ہے "فاتوا حرثکم انی شئتم" (یعنی اپنی کھیتی کو جس طرح چاہو استعمال کر سکتے ہو۔ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، سامنے سے یا پیچھے سے لیکن آگے کی راہ سے اس کے آگے نہ بڑھو)۔

امام احمد سے روایت ہے کہ عبدالصمد نے انھیں بتایا کہ ان کو ہمام نے قتادہ سے اور انھوں نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیوی کے ساتھ پیچھے کی راہ سے مجامعت کرنا بھی ایک چھوٹی قسم کی لواطت ہے)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سبعۃ لاینظر اللّٰہ الیھم یوم القیامۃ ولا یزکیھم، ویقول: ادخلوا النار مع الداخلین: الفاعل والمفعول بہ والناکح یدہ، وناکح البھیمۃ، وناکح المراۃ فی دبرھا، وجامع بین امراۃٍ وابنتھا والزانی بحلیلۃ جارہ وموذی جارہ حتی یلعنہ" (یعنی سات اشخاص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان کی طرف توجہ فرمائے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا بلکہ ان سے کہے گا کہ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں جاؤ۔ وہ اشخاص یہ ہیں۔ لواطت کرنے والا اور کرانے والا، ہاتھ سے جلق لگانے والا، جانور سے مجامعت کرنے والا، عورت کے ساتھ پیچھے کی راہ سے بدفعلی کرنے والا، ماں اور بیٹی کو اپنی زوجیت میں لانے والا، پڑوسی کی عورت سے بدکاری کرنے والا، پڑوسی کو ایذا دینے والا۔ یہاں تک کہ وہ اسے لعنت کرے۔

امام احمد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی انھوں نے بتایا کہ معمر نے سہیل بن ابی صالح سے انھوں نے حارث بن مخلدؒ سے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "ان الذی یاتی امراتہ فی دبرھا لاینظر اللّٰہ الیہ" (یعنی جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ پچھلی راہ سے مجامعت

Marfat.com

کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت نہ فرمائے گا)۔

نسائی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "ملعون من اتی امرأتهٗ فی دبرھا" (یعنی اپنی عورت کے ساتھ لواطت کرنے والا ملعون ہے)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ "ملعون من اتی النسآء فی ادبار ھن" (یعنی وہ شخص لعنتی ہے جو عورتوں کے ساتھ لواطت کرتا ہے)۔

نسائی کہتے ہیں کہ اسحاق بن منصور نے ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن مہدی بن سفیان ثوری، نے لیث بن ابی سلیم سے اور انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "اتیان الرجال النسآء فی ادبارھن کفر" (یعنی مردوں کا عورتوں سے لواطت کرنا کفر ہے) پھر یہی روایت بندار سے ہے جنھوں نے عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "من اتی امراۃً فی دبرھا وتلک کفر" (یعنی اگر کسی شخص نے عورت کے ساتھ پیچھے کی راہ سے مجامعت (لواطت) کی تو یہ کفر ہوا)۔ اسی طرح کی ایک روایت نسائی نے بطریق ثوری لیث سے کی ہے اور انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من اتی شیئاً من الرجال والنسآء فی ادبار ھن فقد کفر" (یعنی جس نے کسی مرد یا عوت کے ساتھ پچھلی راہ سے کچھ کیا تو وہ کفر ہے)۔ اس حدیث میں کفر سے مراد اللہ تعالیٰ کی حلال فرمودہ نعمت یعنی عورت کا انکار ہے۔

ابن مسعود نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا "محاش النسآء حرام" (یعنی عورتوں کے ساتھ لواطت حرام ہے)۔

ثوری نے صلت بن بہرام سے روایت کی جنھوں نے ابی المعتمر سے اور انھوں نے ابی جویریہ سے کہ انھوں نے بتایا کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے عورتوں سے لواطت کرنے کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے فرمایا: "سفلت سفل اللہ بک الم تسمع قول اللہ عزوجل اتاتون الفاحشۃ ماسبقکم بھا من احد من العلمین" (یعنی کیسا گھٹیا سوال ہے۔ ارے کمینے کیا تو نے اللہ عزوجل کا ارشاد نہیں سنا کہ لوگو! کیا تم ایسا گناہ عظیم کرو گے جو تم سے پہلے اہل جہان میں سے کسی نے کبھی نہیں کیا)۔

'امام ابن کثیرؒ' نے اپنی تفسیر میں بتایا ہے کہ اس فعل کے حرام ہونے کے بارے میں حضرات ابن عباس، ابن مسعود، ابو درداء، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال اوپر بیان ہو چکے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بلاشبہ یہ ثابت ہے کہ انھوں نے اس کو حرام فرمایا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ اس بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ "کہیں مسلمان بھی ایسی حرکت کر سکتا ہے" اور بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا "ماانتم الاقوم عرب، ھل یکون الحرث الاموضع الزرع لاتعدوا الفرج. قال: یا اباعبداللہ انھم یقولون انک تقول ذلک، قال یکذبون علی، یکذبون علی" (یعنی تم تو قوم عرب ہو، کیا حرث یا زراعت کھیت کے سوا ہو سکتی ہے؟ پس اندام نہانی سے ہرگز تجاوز نہ کرو۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ اے ابو عبداللہ لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اسے روا کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ یہ مجھ پر دروغ بافی ہے، مجھ پر بہتان ہے۔ یہی حکم حضرت امام مالک سے ثابت ہے۔

Marfat.com

غرض تمام ائمہ فقہ اس پر متفق اللفظ ہیں حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ میں سے کسی کو اس کے بارے میں اختلاف نہیں ہے اور سب اس فعل کے حرام اور مذموم ہونے کے قائل ہیں اور بیوی یا لونڈی وغیرہ کے ساتھ بھی کسی صورت اس فعل کو جائز قرار نہیں دیتے۔ سعید بن مسیب، ابی سلمہ، عکرمہ، طاؤس، عطاء، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، مجاہد بن جبر اور حسن بصری وغیرہ تمام اسلاف نے اس فعل کی شدید ترین مذمت فرمائی ہے۔ بعض اصحاب نے اس کے ارتکاب کو کفر قرار دیا ہے یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

منجملہ ان دلائل کے جو اس فعل کے ناجائز ہونے کا ثبوت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد 'وقدموا لانفسکم '' ہے (یعنی لوگو اپنے انجام کا فکر قبل از وقت کرلو) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو اور جن باتوں سے تمہیں روکا گیا ہے انہیں ترک کردو۔ پھر اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'واتقوا اللّٰہ واعلموا انکم ملقوہ'' یعنی اپنی عورتوں کے ساتھ مباشرت میں اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو اور اسی جگہ سے مجامعت کرو جو 'حرث' (کھیتی) کی مصداق ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ جگہ اندام نہانی ہی ہوسکتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کا محاسبہ کرے گا۔ جس میں یہ فعل مذموم بھی ہے۔ ساتھ ہی اللہ کا یہ ارشاد 'وبشر المومنین' (یعنی ایمان داروں کو بشارت دے دو) جو آیا ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی جس امر سے منع کیا گیا ہے اسے نہیں کرتے۔

اب اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد 'والذین لفروجھم حافظون الاعلی ازواجھم اوماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین '' (یعنی جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے سوا ہر طرح سے بچاتے ہیں۔ ان کو برا نہیں کہا جاسکتا) اس حکم کا تو یہ تقاضا ہے کہ عورتوں کے ساتھ لواطت بھی جائز ہو کیونکہ اس آیت میں بغیر کسی استثناء کے سب باتوں کو روا قرار دیا گیا ہے اور کسی ایک جگہ کو مجامعت کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے '' فاتوھن من حیث امر کم اللّٰہ '' (یعنی عورتوں سے مجامعت وہیں سے کرو جہاں سے کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے) اس کے بعد ارشاد ہے 'فاتوا حرثکم انی شئتم '' (یعنی جس طرح بھی چاہو اپنی کھیتی کو استعمال کرو) اس طرح حصر کے ساتھ ارشاد فرما کر اس جگہ کی وضاحت فرما دی ہے جہاں شرعاً مباشرت کا حکم ہے۔ یعنی اولاد پیدا ہونے کی جگہ (جس کو کھیتی سے تعبیر فرمایا ہے) لہٰذا یہی جگہ مباشرت کے لئے خاص ہوگئی۔ اس کے علاوہ اجازت نہیں ہے اور یہیں سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'الاعلی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم '' (یعنی ان کی بیویاں اور مملوکہ لونڈیاں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) کی وضاحت بھی ہوجاتی ہے یعنی جس طرح حائضہ عورت سے مباشرت کی ممانعت اللہ کے ارشاد 'الاعلی ازواجھم '' سے نکلتی ہے۔ اسی طرح وہ آیت جو سورہ بقرۃ میں آئی ہے وہ بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مباشرت جائز اور مخصوص ہے صرف اندام نہانی تک، کسی اور جگہ کی اجازت نہیں ہے کیونکہ 'حرث' (یعنی کھیتی) جس کی صراحت آیہ کریمہ 'فاتوا حرثکم ''میں ہے اس کا مصدق یہی ہوسکتا ہے اس لئے کہ بچے کی ولادت یہیں سے ہوتی ہے۔

'ابوبکر الرازی الجصاص اپنی کتاب احکام القرآن میں بسلسلہ لواطت بازنان، بتایا ہے کہ ہمارے بزرگ اس فعل کو حرام قرار دیتے تھے اور نہایت سختی کے ساتھ اس سے منع فرماتے تھے۔ علی بن طلق رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'لاتاتوا النسآء فی استاھن ، فان اللّٰہ لایستحی من الحق '' (یعنی عورتوں کے ساتھ سرین کے راستے سے مجامعت نہ کرو اللہ تعالیٰ حق بات کا حکم دینے میں تامل نہیں فرماتا)

Marfat.com

بروایت احمد و ترمذی وہ کہتے ہیں کہ یہ روایت 'حسن' ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ عورتوں سے لواطت کرنا برافعل اور قابل مذمت جرم ہے اور کسی شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی اور نہ کوئی عاقل انسان اسے پسند کرتا ہے۔ اس میں بے حد و بے شمار خرابیاں ہیں۔ بسا اوقات فرد اور خاندان پر اس کا برا اثر دوسرے ممنوعہ گناہوں سے زیادہ پڑتا ہے۔ ایسے ذلیل لوگوں کو خدا سے ڈرنا چاہیے جو اپنی بیویوں سے پیچھے کی راہ سے مباشرت کر کے عمل قوم لوط کے مرتکب ہوتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ فعل اسلام میں جائز ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی لغزشوں سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے کا بیان

جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی سزا میں چاروں ائمہ فقہاء میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس گناہ عظیم کے لئے کوئی حد (شریعت کی مقرر کردہ سزا) نہیں ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس گناہ کے مرتکب پر 'حد' عائد کی ہو۔ البتہ حاکم شرع پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی رائے کے مطابق جو سزا چاہے دے دے، قید کر دے یا تازیانہ لگائے یا سرزنش وغیرہ جس سے اسے تنبیہ ہو اور (آئندہ) ارتکاب سے باز رہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس فعل کی سزا بھی وہی ہے جو 'زنا' کی ہے۔ یعنی کنوارا ہو تو اسے درے لگائے جائیں اور شادی شدہ ہو تو سنگسار کر دیا جائے کیونکہ یہ بھی ممنوعہ عضو میں جو انسانی 'قبل' و 'دبر' کی طرح شہوت انگیز ہے، ارتکاب بدفعلی کا نام ہے لہٰذا اس پر بھی زنا کی طرح نفاذ حد واجب ہے۔

شافعیہ کی اس بارے میں تین رائیں ہیں جن میں سے قوی تر قول یہ ہے کہ ایسے شخص پر حد عائد کی جائے۔ جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں، تو اس کا حکم زنا کی طرح ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کو کنوارا ہو یا شادی شدہ قتل کر دیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''من وقع علی بھیمۃ فاقتلوہ واقتلوا البھیمۃ'' (یعنی جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اسے اور جانور کو بھی قتل کر دو) اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث اپنی کتاب 'سنن' میں حدیث ابراہیم بن اسمٰعیل سے روایت کی ہے جنھوں نے داؤد بن الحصین سے انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس سے اس طرح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''من وقع علی ذات محرم فاقتلوہ، ومن وقع علی بھیمۃ فاقتلوہ، واقتلوا البھیمۃ'' (یعنی جو شخص اپنی محرم کے ساتھ (جس سے نکاح حرام ہے) بدفعلی کرے یا جانور سے کرے تو اسے اور اس جانور کو قتل کر دو)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اسے (بطور سرزنش) سزا دی جائے۔ اس کے لئے 'حد' (شرع کی مقرر کردہ سزا) نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص پر حد کا نافذ کرنا واجب ہے اور (تعین) حد کے بارے میں ان کی دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ اسے 'لواطت' کے مرتکب کی طرح 'حد' ماری جائے۔ دوسرے یہ کہ اسے سرزنش کے طور پر سزا دی جائے۔ حنابلہ

Marfat.com

کے نزدیک یہی قول قابل ترجیح ہے جو حنفیہ کے قول کے مطابق ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس گناہ کے متعلق جو احکام ہیں ان کا انحصار لوگوں کے دینی حالات پر ہو۔ یعنی (یہ دیکھا جائے کہ) مرتکب پورے طور پر پرہیزگار ہے یا (احکام دین کی بجا آوری میں) کوتاہی کرتا ہے جوان ہے۔ یا پکی عمر کا ہے۔ پس اگر ادنی طبقہ کے شخص یا کسی نوجوان سے یہ فعل سرزد ہو تو اسے ہلکی سزا دی جائے اگر باعزت اور پختہ عمر کا کوئی شخص یہ فعل کرے تو اس پر حد نافذ کی جائے یا قتل کی بڑی سزا دی جائے۔ یہاں یہ اصول مدنظر ہے کہ جو شخص ذی رتبہ ہوتا ہے اس کا چھوٹا سا قصور بھی بڑا متصور ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے جرم کی زیادہ سزا دی جائے گی کیونکہ بعض اچھے لوگوں کا نیک کام بھی مقربین بارگاہ کا جرم متصور ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اربعة یصبحون فی غضب الله ویمسون فی سخط الله، قلت: من هم یا رسول الله؟ قال المتشبهون من الرجال بالنساء ،والمتشبهات من النساء بالرجال، والذی یاتی البهیمة، والذی یاتی الرجال'' بروایت طبرانی۔ (یعنی چار اشخاص ایسے ہیں جو صبح و شام اللہ کے غضب اور عذاب میں مبتلا رہیں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ مرد جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں اور وہ شخص جو جانور سے بدفعلی کرے اور وہ شخص جو مردوں کے ساتھ بدفعلی کرے)۔

جس جانور سے بدفعلی کی جائے اس کی بابت حکم

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس جانور کو ہلاک کر دینا واجب نہیں ہے، خواہ اس کا گوشت حلال ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اندریں باب شریعت میں کوئی صریح حکم نہیں آیا اور وہ روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں اس جانور کو مار دینے کا حکم ہے وہ ضعیف روایت ہے، اس پر عمل نہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور، مرتکب گناہ کی ملکیت ہے تب تو اسے مار دینا واجب ہے۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ مبادا لوگ اس جانور کو چلتا پھرتا دیکھ کر اس گناہ کا چرچا کریں اور کہیں کہ یہ وہی جانور ہے جس کے ساتھ فلاں شخص نے بدفعلی کی۔ اس طرح لوگ غیبت (پیٹھ پیچھے برا کہنے) کے گنہگار ہو جائیں گے اور وہ شخص لوگوں میں گر جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ وہ شخص اس گناہ سے توبہ کر چکا ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس جانور کو دیکھ کر اس بدکار شخص کو پھر اس گناہ کی تحریک ہو۔ لہٰذا زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس جانور کو ہلاک کر دیا جائے۔ نیز بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت لی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ملعون من وقع علی بهیمة'' (یعنی جو شخص جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے)۔ اور دوسری روایت میں ارشاد ہے ''اقتلوه واقتلوها معه، لایقال هذه التی فعل بها کذا وکذا'' (یعنی اس شخص کو قتل کر دو اور ساتھ ہی اس جانور کو بھی مبادا لوگ کہیں کہ یہی وہ جانور ہے جس کے ساتھ ایسی ویسی بات کی گئی ہے)۔ بیہقی کا رجحان اس حدیث کے صحیح ہونے کی طرف ہے کیونکہ اسی روایت کو ابو یوسف نے بسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان فرمایا ہے کہ ''انه اتی برجل وقع علی بهیمة فعزره بالضرب، وامر بالبهیمة فذبحت، واحرقت بالنار'' (یعنی ایک شخص کو جس نے کسی جانور سے بدفعلی کی تھی آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سزائے ضرب دی

Marfat.com

اوراس جانور کو بموجب حکم ذبح کر کے جلا دیا گیا) اس کو ہلاک اس لیے کیا گیا کہ مبادا اس سے کوئی مسخ شدہ بد شکل بچہ پیدا ہو جائے۔ ایسے جانور کا گوشت بھی ذبح کرنے کے باوجود نہ کھانا چاہیے کیونکہ وہ جانور اس حرکت کے بعد نجس ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک چرواہا ایک جانور لے کر آیا جس سے ایک مسوخ الخلقت بچہ پیدا ہوا۔ لیکن اگر اس جانور کا مالک کوئی اور شخص ہے تو اس کا ذبح کرنا واجب نہیں ہے۔

شافعیہ سے اس بارے میں دو اقوال مروی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اگر وہ جانور حلال ہے تو ذبح کر دیا جائے، ورنہ نہ کیا جائے کیونکہ جانور کو ہلاک کرنا بے فائدہ مال کو ضائع کرنا ہے، جس کی ممانعت آئی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جانور کو تو بالکل ناپید کر دیا جائے، خواہ وہ حلال ہو یا نہ ہو، تا کہ اس فعل کا چرچا نہ ہو اور بری بات پر پردہ پڑا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خطاؤں پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی مسلمانوں کی برائی پر پردہ ڈال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ بھی دنیا و آخرت میں اس کے کیے پر پردہ ڈال دے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اس جانور کو ذبح کر دیا جائے خواہ وہ مرتکب گناہ کی ملکیت ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ جانور حلال ہو یا نہ ہو۔ اگر وہ جانور کسی اور شخص کا ہے تو اس کا تاوان مجرم کے ذمہ ہو گا کیونکہ وہی اس جانور کے تلف کیے جانے کا موجب ہوا اور (قاعدہ یہ ہے کہ) جب کوئی شخص کسی کی کوئی چیز ضائع کر دے تو سزا کے طور پر اس شے کی قیمت اسے ادا کرنا ہو گی۔ اس حکم سے جانور کے مالک اور مرتکب گناہ دونوں کی رسوائی نہ ہو گی، ورنہ جب بھی لوگ اس جانور کو دیکھیں گے اس فعل مذموم کا ذکر کریں گے۔

ایسے جانور کے ذبیحہ کا بیان جس سے بدفعلی کی گئی ہو

جس جانور سے بدفعلی کی گئی ہو اس کا گوشت کھانے کی بابت ائمہ فقہاء میں اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور ایسا ہے جس کا گوشت حلال ہے تو اسے (مار کر) آگ میں جلا دیا جائے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت خود مرتکب گناہ کو اور دوسروں کو بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسی شرعی دلیل موجود نہیں ہے جس سے اس کا کھانا حرام ثابت ہو۔ لہٰذا حکم کی بنیادی حیثیت برقرار رہے گی یعنی وہ جائز ہے۔

شافعیہ کی اس بارے میں دو رائیں ہیں ایک یہ کہ اس کا کھانا مجرم کو اور دوسروں کو بھی جائز ہے۔ یہ رائے مالکیہ رحمہم اللہ کی رائے کے مطابق ہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ اس شخص پر اور دوسروں پر بھی حرام ہے جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں اور مرتکب بدفعلی پر لازم ہو گا کہ جانور کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرے۔ یہ حکم بطور جرمانہ اور ملزم کے اس فعل کی سزا ہے جو فعل شرعاً اور عقلاً قابل مذمت ہے۔

ہاتھ کی رگڑ سے اخراج مادۂ تولید یا جلق لگانے کا بیان

جس شخص نے اپنے ہاتھ سے شہوت رانی کی یا کسی عورت نے دوسری عورت کے ساتھ شہوت رانی کی

Marfat.com

جسے 'سحاق' کہتے ہیں، اس پر حد عائد نہ ہوگی۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے، کیونکہ گو یہ فعل حرام ہے لیکن لذت اندوزی کے اعتبار سے ناقص ہے۔ اس گناہ کے مرتکب کو امام (حاکم شرع) اپنی رائے کے مطابق جو سزا چاہے دے سکتا ہے تا کہ اس شخص کو اس مذموم فعل سے باز رکھا جائے۔ ہاتھ کی حرکت سے مادۂ تولید کا خارج کرنا گناہ کبیرہ اور سخت معصیت ہے۔ شارع نے اس سے منع فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس عمل سے جسمانی اور معاشرتی امراض پیدا ہوتے ہیں اور احادیث میں آیا ہے کہ اگر اس گناہ سے توبہ کیے بغیر مر جائے تو قیامت کے روز وہ اس حال میں پیش ہوگا اس کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے" والذین لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ماملکت ایمانهم، فانهم غیر ملومین " (یعنی وہ لوگ بیوی اور مملوکہ لونڈیوں کے سوا سب سے اپنی شرمگاہوں کو بچاتے ہیں) اس آیت میں بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے سوا سب سے شرمگاہوں کو بچانے کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کسی اور طرح سے اعضائے مخصوص کو استعمال میں لانا حرام ہے۔ پھر اس میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ صرف بیویوں اور لونڈیوں سے مباشرت کرنا انسانی خصلت ہے، نہ کہ جانوروں کی۔ اس کے آگے یہ تاکید فرمادی" فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون " (یعنی جو لوگ اس کے سوا کوئی اور صورت اختیار کریں تو وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں)۔ پس ثابت ہوا کہ عضو مخصوص کا استعمال بیوی یا مملوکہ لونڈی کے سوا اور کسی طرح سے مادہ تولید کے اخراج کے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ قانون فطرت سے تجاوز کرنا ہے۔ اس آیت سے ہاتھوں کے ذریعہ شہوت رانی کا حرام ہونا ثابت ہوا، کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنا اور فطرت انسانی کے دائرے سے نکل جانے والوں کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ولیستعفف الذین لایجدون نکاحاً یغنیهم اللّٰه من فضله " (یعنی جو لوگ نکاح نہ کر سکیں انھیں چاہیئے کہ اپنے نفس کو روک رکھیں اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا) مطلب یہ ہے کہ انہیں چاہیے کہ اپنے نفس کو روکے رکھیں اور اس کی سرکشی کو لگام دے رکھیں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انھیں بے نیازی عطا فرمائے اور نکاح کی سبیل آسان بنا دے۔ غرض یہ فعل بری عادت ہے اور کتاب وسنت کی رو سے حرام ہے۔ اگر چہ یہ گناہ زنا سے کم ہے کیونکہ اس سے ابتری اور نسل کی خرابی وغیرہ وہ برائیاں پیدا نہیں ہوتیں جو ارتکاب زنا سے ہوتی ہے۔

مالکیہ جلق (یا زلق) کے حرام ہونے کی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں 'یا معشر الشباب من استطاع منکم البائة فلیتزوج، فانه اغض للبصر واحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم، فانه له وجاء " (یعنی اے جوانو تم میں سے جو شخص شادی کی استطاعت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ شادی کر لے آنکھیں نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے۔ اگر شادی کا مقدور نہ ہو تو چاہیے کہ روزے رکھے اس طرح نفس کو دبایا جا سکتا ہے) بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہما۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ہاتھ سے شہوت رانی شرعاً روا ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کی ہدایت فرماتے۔ کیونکہ یہ فعل روزہ رکھنے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔ اس کا ذکر نہ فرمانا (بجائے خود) اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔

صاحب کتاب 'سبل السلام' فرماتے ہیں کہ بعض حنابلہ اور بعض علماء حنفیہ نے جلق لگانے کے فعل کو اس صورت میں مباح قرار دیا ہے جبکہ انسان کو زنا کی معصیت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن یہ ایک ضعیف تجویز ہے اس کی طرف

Marfat.com

حد سرقہ کا بیان

حد سرقہ (چوری کی سزائے شرعی) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اس طرح فرمایا ہے۔
"والسارق والسارقة فاقطعو آايديهما جزآء بما كسبا نكالاًمن الله والله عزيز حكيم" (چور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ اللہ غالب اور حکمت والا ہے)۔ (المائدة: ۳۷)۔ (۱)

توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔

۱۔ چوری کی 'حد' ان سزاؤں میں سے ہے جو قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا آیت بالا میں بیان فرمائی ہے۔ اس میں حکم ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ غلام ہو یا آزاد۔ مسلمان یا ہو یا غیر مسلم۔ اس کو یہ سزا اس لئے ہے کہ (دوسروں کے) مال کو محفوظ رکھا اور بچایا جا سکے۔ (چور کا) ہاتھ کاٹنے کی سزا اسلام سے پہلے عہد جاہلیت کا بھی دستور العمل تھا۔ اسلام کے آنے کے بعد اسے برقرار رکھا گیا لیکن چند عام شرائط کا اضافہ کر دیا گیا۔ جس طرح کہ 'قسامہ' (حصہ داری) اور 'دیت' (تاوان) دستور شریعہ اسلامیہ نے اسی طرح برقرار رکھا ہے جیسا کہ دور جاہلیت میں تھا اور جو اضافہ کیا گیا اس میں انسان کی بہتری کے تقاضوں کو پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا۔

کہا جاتا کہ سب سے پہلے جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ ایک قریشی مرد تھا جسے 'دویک' کہتے تھے۔ یہ شخص قبیلہ بنی علیج بن عمرو بن خزاعہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس نے کعبہ شریف کے خزانہ میں چوری کی تھی جس کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اسلام آجانے کے بعد سب سے پہلا چوری کرنے والا رسول اللہ ﷺ نے جس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا وہ مردوں میں سے خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھا اور عورتوں میں سے قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت مسماۃ مرۃ بنت سفیان بن عبدالاسد تھی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا بایاں ہاتھ کاٹا تھا جس نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی 'اسماء بنت عمیس' کا ہار چرایا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ پہلے کٹا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا اور سیدنا عمر بن الخطاب نے ابن سمرہ کا ہاتھ کاٹا جو عبدالرحمٰن بن سمرہ کا بھائی تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے چوری کرنے والے پر لعنت کی ہے جو اپنے نہایت قیمتی ہاتھ کو معمولی سی بے حقیقت چیز کی خاطر تلف کر دیتا ہے۔ بعض اصحاب نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ صرف تین درہم (کا مال) چوری کرنے کی پاداش میں ہاتھ کاٹ دیا جائے جس کے تاوان کی مقدار پانچ سو (۵۰۰) دینار (اشرفی) ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاتھ وہی گراں قدر ہے جو امانت دار ہو اور جب ہاتھ خائن (یا بدیانت) ہو گیا تو وہ کم قدر ہو گیا۔ علاوہ اس کے علماء کا کہنا ہے کہ یہ حکم ہماری روشن شریعت کی مخفی مصلحتوں پر مبنی ہے کہ شارع نے سزا (یا معاوضہ) کی صورت میں ہاتھ کی قیمت پانچ سو (۵۰۰) دینار رکھی ہے تاکہ ہاتھ کی قدر تسلیم کی جائے اور اس کو نقصان پہنچانے کا جرم نہ کیا جائے۔ لیکن چوری کرنے کے بعد جبکہ ہاتھ نے امانت میں خیانت کی تو اسے ایک چوتھائی دینار کے برابر تصور کیا جانا مناسب ہے کہ صرف اس قدر مقدار کی چوری کرنے پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تاکہ لوگوں کو چوری کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سارق

Marfat.com

کا ہاتھ کاٹنے کی جو سزا رکھی ہے اس کا سبب "جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ" (یعنی ہاتھ کاٹنے کی عبرتناک سزا اس کے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہے کہ دوسروں کا مال چرایا لہٰذا مناسب یہی ہے کہ جس نے اس فعل کے ارتکاب میں مدد کی اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ "نکالاً من اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبرتناک سزا اللہ تعالیٰ نے ان ہاتھوں کے اپنے کرتوت کی پاداش میں رکھی ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ چنانچہ ہاتھ کٹ جانے کے باعث وہ شخص تمام عمر ذلیل رہتا ہے، اسے ذلت ورسوائی حاصل ہوتی ہے اور معاشرہ میں اس کی قدر گر جاتی ہے، غرض چوری کے سد باب اور لوگوں کے مال وجان اور آبرو کی حفاظت کے لئے یہ سب سے زیادہ موزوں سزا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں کا ہاتھ کاٹ دینا واجب ہے۔ پس اگر کسی مرد نے آزاد شخص کی چوری کی ہو یا غلام کی، اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگر عورت ایسا کرے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹا جائے کیونکہ یہ دونوں گناہ ان دونوں ہی نے کیے ہیں لہٰذا اللہ نے دونوں کو سزا کا حکم دیا اور آیت میں 'واللہ عزیز' جو ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اللہ پر کوئی غالب آسکتا ہے اور نہ اسے کوئی نیچا دکھا سکتا ہے وہ 'حکیم' ہے یعنی اس کے ہر فعل اور ہر ارشاد میں حکمت ہے چنانچہ اس کی مقرر فرمودہ سزائیں اور تعزیرات شرعیہ عین حکمت ومصلحت کے مطابق ہیں جس کے باعث معاشرہ مفاسد سے پاک اور امن وعافیت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چوری کی سزا کا ذکر اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے اور اس کی صراحت ووضاحت اسی طرح فرمائی ہے جیسے سزائے زنا کی کیونکہ ان دونوں جرائم کی سزاؤں کو معاشرہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان سزاؤں کے بارے میں مرد اور عورت دونوں کا ذکر کرنے کی غرض وضاحت حکم تھی۔ باقی احکام شرعی کا ذکر بالعموم مشترکہ طور پر آیا ہے۔ مردوں کے متعلق مخصوص احکام مثلاً امامت (حکومت) اور جنگ (جہاد) کے علاوہ جملہ احکامات مشترکہ مرد وزن کیلئے تغلیباً مذکر کی ضمیر استعمال فرمائی ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ چونکہ (چوری اور زنا کی سزاؤں کے لئے) مذکر ہی کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ لہٰذا 'حد' صرف مردوں پر عائد ہوگی عورتوں پر نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ اس آیت میں 'سارق' کا لفظ 'سارقہ' سے پہلے آیا ہے اس کے برعکس زنا والی آیت میں 'زانیہ' کا ذکر 'زانی' سے پہلے آیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مال کی حرص مردوں میں عورت سے زیادہ ہوتی ہے اور اکثر مرد ہی چوری کرتے ہیں اس لئے چوری میں مرتکبین میں پہلے چوری کرنے والے کا ذکر کیا اور عورتوں میں حظ نفس سے متمتع ہونے کی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ پس خواہش نفس میں زیادہ ملوث ہونے کے باعث جرم زنا کے سلسلہ میں ان کا ذکر پہلے آیا۔ اگرچہ عورتوں میں شرم کا عنصر بھی ساتھ کے ساتھ ہوتا ہے لیکن جب وہ بدکاری (بے حیائی) پر اتر آتی ہیں تو ان کی حیا یک قلم مفقود ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ عورت کا 'برے کام میں مبتلا ہونا (بہ نسبت مردوں کے) زیادہ شرم کی بات ہے۔ اور حمل ہو جائے تو (عورت کے لئے) سخت ضرر رساں ہوتا ہے۔ درحقیقت عورتوں کو ہی زیادہ باحمیت ہونا چاہیے کیونکہ ان کا اصل مقام گھر کے اندر پردہ میں رہنا ہے اور مکان ان کا محافظ ہوتا ہے۔ اس کی اہمیت اور تاکید کے پیش نظر (مرد سے) پہلے عورت کا ذکر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے، کیونکہ ہاتھ ہی سے مال چرایا جاتا ہے اور وہی انسان کو مستوجب سزا بنا دیتا ہے۔ لیکن زنا کی سزا عضو مخصوص کاٹ دینا نہیں ہے۔ حالانکہ ارتکاب گناہ کا آلہ یہی ہے اور یہ عورت

Marfat.com

سے ملوث ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ چور کے پاس کٹے ہوئے ہاتھ کی مانند ایک اور ہاتھ ہے۔ اگر ایک ہاتھ سے محروم ہو جاتا ہے تو دوسرے ہاتھ سے اپنا کام چلا لیتا ہے۔ لیکن زنا کار کے پاس عضو مخصوص جیسا دوسرا عضو نہیں ہے، وہ اس کے تلف ہو جانے پر دوسرے سے کام نہیں لے سکتا جو اس مقصد کو پورا کر سکے۔ علاوہ اس کے عضو مخصوص کے کاٹے جانے سے اس کی نسل ہی منقطع ہو جاتی ہے۔ ہاتھ کے کاٹنے سے نسل کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ غرض معاشرہ کے لئے اس (کے اتلاف میں) سب سے زیادہ خطرہ ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ''فاقطعوا'' کا لفظ آیا ہے (یعنی قطع کر دو) قطع کے معنے دور کرنے اور جدا کر دینے کے ہیں اور قطع ید (یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا) اس وقت تک واجب نہیں ہے جب تک کہ چوری کرنے والے، چوری کے مال اور جائے وقوعہ یا چوری کرنے کی جگہ کے بارے میں حسب ذیل شرائط پوری نہ ہوں۔

چوری کرنے والے کے مستوجب سزا ہونے میں ان پانچ باتوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

(۱) بالغ ہونا: پس اگر کوئی نابالغ بچہ چوری کرلے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ شرعی نقطہ نظر سے غیر مکلف ہے (یعنی احکام شریعت کی بجا آوری کا پابند نہیں ہے۔

(۲) عاقل ہونا۔ پس جنون زدہ کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، تا آنکہ اسے مرض جنون سے افاقہ نہ ہو جائے۔

(۳) یہ کہ مال مسروقہ پر کوئی حق ملکیت نہ ہو۔ چنانچہ اگر باپ نے اپنے بیٹے کا مال چرایا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہوگی، اسی طرح بیٹا اگر باپ کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

(۴) یہ کہ چرانے والے کو اس مال پر حق ولایت (دیکھ بھال کا اختیار) نہ ہو۔ چنانچہ غلام اگر اپنے آقا کے مال میں چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اسی طرح آقا بھی اگر اپنے غلام کے مال میں سے لے لے تو بہر حال اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے کیونکہ غلام اور اس کا مال آقا کا مال ہے۔ غلام کا مال لے لینا اپنا ہی مال لے لینا ہے۔ لہٰذا چوری کی سزا نہیں دی جائے گی۔

(۵) یہ کہ وہ شخص دشمن ملک میں برسر جنگ نہ ہو۔ اور یہ کہ اس نے قصداً چوری کی ہو چوری کرنے پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ وہ مجاہد جو مال غنیمت میں سے چوری کرلے اس پر حد عائد نہ ہوگی۔ روایت ہے کہ ایک غلام نے خمس کے مال میں سے چوری کی۔ اس کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے اسے (سزائے سرقہ) ہاتھ کاٹنے سے بری فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے ''مال اللّٰہ سرق بعضہ بعضا'' (یعنی دونوں اللہ کا مال ہیں ایک نے دوسرے کی چوری کی تو کیا ہوا؟) جہاد کے میدان میں بھی 'حدود' (شرعی سزاؤں) کا نفاذ نہیں ہوتا۔

مستوجب حد چوری کا مال وہ ہے جس میں یہ چار شرطیں ہوں:

(۱) نصاب (مقدار مال سرقہ مستوجب حد)، اس سے مراد مال کی وہ مقدار ہے جس سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔

(۲) مال سے مراد وہ شے ہے جسے مال تسلیم کیا گیا ہو یعنی وہ شے جو ملکیت میں آنے والی ہو اور اس کی خرید وفروخت حلال ہو۔ لہٰذا شراب، سور اور آلات لہو ولعب کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۳) یہ کہ مال مسروقہ پر چرانے والے کا نہ کوئی حق ہو نہ حق کا شبہ (یا امکان) ہو مثلاً مال مرہونہ یا کرایہ پر لی ہوئی

Marfat.com

شے چرائی گئی (تو وہ چوری ہے کیونکہ یقینی طور پر وہ اس کا مالک نہیں ہے) لیکن اگر کسی نے مال غنیمت میں سے یا بیت المال سے چوری کی تو وہ چوری نہیں ہے کیونکہ اس میں علی الترتیب ملکیت کا شبہ امکان یا کسی قدر حق ملکیت ہے اور امام علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے سامنے لایا گیا جس نے مال خمس میں سے ایک 'خود' چرا لیا تھا آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کی رائے نہیں دی اور فرمایا کہ اس مال میں اس کا حصہ ہے (یعنی اس خود کے مالک ہونے کا امکان تھا)۔

(۴) یہ کہ مال مسروقہ ایسی شے ہو جس کے چرائے جانے کی تصدیق ہو سکے مثلاً صغیر سن غلام یا گونگا بالغ انسان۔ پس جس شیئ کو سرقہ تسلیم نہ کیا جا سکے مثلاً بولنے کی صلاحیت رکھنے والا غلام چوری ہو تو اس جرم کی سزا میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

رہ گئی وہ شرط جو مقام واردات (یا چوری کی جگہ) سے تعلق رکھتی ہے وہ صرف ایک ہے یعنی حرز (یا حفاظت) پس جس شے کا کوئی محافظ ہے وہی اس کا 'حرز' ہے۔ چنانچہ مکان، فرودگاہیں اور دوکانیں ان اشیاء کی حرز (یا محافظ) ہیں جو ان میں موجود ہیں اور ہر شے جس کا کوئی بھی محافظ ہے وہی اس کا 'حرز' ہے خواہ ان اشیاء کا مالک موجود ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح بیت المال (سرکاری خزانہ) مسلمانوں کی جمعیت کے حق میں حرز (محافظ) اور اس مال میں چور کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ اس مال میں ایسی شے موجود ہو جو امام اس شخص کو دے سکتا ہے۔ لیکن دراصل ہر مسلمان کا حق عطیہ کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام (حاکم اسلام) کو یہ حق ہے کہ وہ تمام کا تمام مال (عوام کی بہتری کے لئے) کسی بھی مصرف میں لگا دے اور لوگوں میں تقسیم نہ کرے۔ یا اس مال کو کسی ایک شہر میں صرف کرے اور دوسرے میں نہ کرے یا کسی خاص جماعت کو نہ دے اور دوسری جماعت کو دے دے۔ پس درآنحالیکہ چوری کرنے والا ایسے مال کی چوری کرتا ہے جس میں ہنوز اسے کوئی حق حاصل نہیں ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔

واضح ہو کہ جانور جس کی پیٹھ پر مال لدا ہوا ہے۔ وہی جانور اس مال کا حرز (یا محافظ) متصور ہوگا۔ دوکانوں کے آس پاس کی جگہ بھی جس میں فروخت کا مال رکھا گیا ہو وہ جگہ بھی حرز ہے۔ گو وہ جگہ دوکان نہیں ہے اور گو وہاں پر مالک موجود نہ ہو اور چوری رات کے وقت کی جائے یا دن کے وقت۔

اسی طرح بازار میں بھیڑ بکریوں کے رکھنے کی جگہ بھی 'حرز' ہے۔ خواہ جانور رسی سے بندھے ہوئے ہوں یا نہ ہوں۔ مویشی اپنے تھان پر بھی حرز (حفاظت) کے اندر متصور ہوں گے خواہ ان کے مالک وہاں موجود ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن اگر کوئی جانور مسجد کے دروازے پر یا بازار میں ہو اسے حفاظت (یا حرز) کے تحت تصور نہیں کیا جائے گا۔ تا آنکہ اس کا محافظ موجود نہ ہو۔ تاہم اگر اس کے قرب وجوار میں جانور کو رسی سے باندھ دیا ہو یا وہ جگہ ہی ایسی تھی جہاں جانور کو باندھا جاتا ہے تو وہی جگہ 'حرز' متصور ہوگی۔

کشتی اس مال اور سامان کی حرز (محافظ) ہے جو اس کے اندر ہے خواہ اسے کھلا چھوڑ دیا گیا ہو یا باندھ رکھا ہو۔ پس اگر پوری کشتی چرائی جائے تو وہ باربردار جانور کی چوری کی مانند ہے۔ لیکن اگر کشتی کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ حرز کے اندر (یا محفوظ) مال متصور نہ ہوگی۔ ہاں اگر کشتی کے مالک نے کسی جگہ پر باندھ کر لنگر انداز کر دیا ہو تو یہی اس کے لئے حرز ہے۔ اسی طرح اگر کشتی کے ساتھ کوئی شخص موجود ہے تو خواہ وہ کسی مقام پر ہو محفوظ متصور ہوگی۔ اسی طرح وہ جانور جو مسجد کے

Marfat.com

دروازہ پر ہو اور کوئی اس شخص کے ساتھ ہو تو وہ شخص اس کا حرز ہے۔ اگر کشتی پر سفر کرنے والے بدوران سفر کسی جگہ پر اتر گئے اور کشتی کو باندھ دیا تو یہ حرز ہے۔ خواہ کشتی کا مالک وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔

اگر ایک گھر میں چند اشخاص قیام پذیر ہوں مثلاً ہوٹل جہاں ہر شخص اپنے اپنے کمروں میں ٹھہرتا ہے یا طالب علموں کی اقامت گاہیں (ہوسٹل) کہ ہر طالب علم جدا جدا حجروں میں رہتا ہے اگر ایسے شخص کی اقامت گاہ سے کوئی شخص چوری کرے اور مال مسروقہ کو لے کر صحن میں آ گیا ہو تو اسے چور قرار دیا جائے گا اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگرچہ وہ ہنوز اس مال کو اپنے گھر نہ لے گیا ہو اور نہ احاطہ سے باہر گیا ہو۔ لیکن اگر کسی نے کمرے کے بیرونی حصے سے کوئی چیز اٹھالی جس کی مالیت نصاب (مال سرقہ کی مقدار) کے برابر ہے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اگرچہ وہ اس مال کو اپنے گھر میں لے آیا ہو۔ یا گھر کے دروازے سے باہر لے گیا ہو۔ کیونکہ گھر کی حدود سے باہر کی جگہ ہر شخص کے واسطے خرید و فروخت کے لئے کھلی ہے۔ تاہم اگر وہ مال مسروقہ مویشی ہے جسے رسی سے باندھ رکھا ہو یا بائیسکل کو قفل لگا ہوا ہو یا اسی قسم کا کوئی اور مال ہو، تو ایسی صورت میں اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا۔

چوری کیا ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟

چوری میں تین امور کا پایا جانا ضروری ہے: چوری کرنے والا۔ چوری کا مال اور چوری کا عمل۔ ان تینوں امور کے لازمی اجزاء کا ذکر اوپر آ چکا ہے (اب ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو)۔

چوری یہ ہے کہ ایک عاقل و بالغ شخص، مقررہ مقدار کا مال یا اس مقدار کی 'ہم بہا' کوئی سے جسے (حرز کے اندر) یا بچا کر رکھا گیا ہو چھپ کر (بے خبری میں) اٹھالے جائے۔ بشرطیکہ وہ شخص نہ تو اس مال کا مالک ہو اور نہ کسی طرح بھی اس کے مالک ہونے کا شبہ کیا جا سکے۔ اور نہ وہ مال اس کی سپردگی میں دیا گیا ہو۔ نیز یہ کہ چوری کرنے والے کو چرانے پر مجبور نہ کیا گیا ہو خواہ وہ شخص مسلمان ہو یا ذمی (اسلامی ملک کی غیر مسلم رعایا) یا مرتد مرد ہو یا عورت۔ آزاد ہو یا غلام (مملوک) چور میں جب یہ تمام باتیں پائی جائیں تو اس پر حد (سزائے شرعی) کا نفاذ لازمی ہوگا۔ یعنی اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ ہاتھ سالم ہو۔ اگر وہ ہاتھ کٹا ہوا یا شل (ناکارہ) ہے تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے۔ اس پر جملہ علمائے امت کا اتفاق ہے اور کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر شخص مال کا خواہش مند ہوتا ہے۔ انسان کی طبیعت اس کی جانب راغب ہوتی ہے۔ خاص کر اس وقت جبکہ وہ شے ضروری ہو اور انسان اس کا حاجت مند ہو۔ ادھر نوع بشر میں ایسے اشخاص ہیں جو نہ عقل کی بات مانتے ہیں نہ ان میں شرم ہوتی ہے نہ دیانت داری کا خیال ہوتا ہے اور نہ مروت و ایمان داری کی پروا کرتے ہیں۔ اب اگر ہاتھ کاٹنے یا دار پر چڑھائے جانے کی سزا کے ذریعہ ان پر شرعی پابندی عائد نہ کی جائے تو یہ لوگ پرایا مال علانیہ، زبردستی یا چھپ چھپا کر حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس میں جو خرابی ہے وہ ظاہر ہے۔ شریعت اسلامیہ نے علانیہ یا چھپ چھپا کر ہر قسم کی چھوٹی بڑی چوری کا سد باب کرنے کے لئے سخت پابندی لگا دی ہے۔ جس کا مقصد بندگان خدا کی بھلائی ہے۔

ہاتھ کاٹنے کی سزا غلام اور آزاد دونوں کے لئے یکساں ہے کیونکہ سزا کا یہ حکم عام ہے (کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا) اور اس لئے بھی کہ (دوسری سزاؤں کی طرح) اس سزا کو آدھا نہیں کیا جا سکتا۔ پس غلام کو بھی وہی پوری سزا ملے گی جو

Marfat.com

آزاد کے لئے ہے تا کہ لوگوں کا مال محفوظ رہے۔

مال مسروقہ کا نصاب (یعنی کم سے کم مقدار)

حنفیہ کہتے ہیں کہ چوری (مستوجب حد) وہ قرار دی جائے گی جس کی کم سے کم مقدار خالص دھات (سونے) کا ایک دینار (یا اشرفی) ہے یا دس درہم کا سکہ ہے یا ان میں سے کسی ایک (یعنی اشرفی یا دس درہم) کی مالیت کی شے ہے۔ اس میں ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ اگر چوری درہم کی نہ ہو تو اس مالیت کی کوئی بھی شے ہو تو اسے چور قرار دیا جائے گا۔ خواہ اتنی مالیت کا سونا ہو (یعنی اس سے کم مالیت کا سونا چرایا جائے تو اسے حد کا موجب قرار نہ دیا جائے گا) اس بارے میں ان اصحاب کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس اور ابن ام ایمن رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ یہ دونوں اصحاب کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں آنحضرت ﷺ نے مجن (زرہ یا ڈھال) چرانے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی۔ اس زرہ کی قیمت دس درہم تھی نیز عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انھوں نے اس کے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لا تقطع يد السارق في دون ثمن المجن" (یعنی ایک مجن سے کم مالیت کی شے چرانے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے) اور وہ کہتے ہیں کہ مجن (زرہ یا ڈھال) کی قیمت دس درہم تھی۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو نے مجن کی قیمت متعین کرنے میں حضرت ابن عمر کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ پس احتیاط اس میں ہے کہ اس بارے میں زیادہ مقدار کو اختیار کیا جائے کیونکہ شبہ کی صورت میں سزا ساقط ہو جاتی ہے کم قیمت کے تعین سے عدم صدور جرم کے شبہ کا امکان ہے۔ پس جو مقدار زیادہ ہو اسی کا تعین بہتر ہے۔ اسی طرح معمولی مال کو درگزر کر کے معاف کر دینا اور عضو (ہاتھ) اہمیت کو مدنظر رکھنا ممکن ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مال سرقہ (واجب الحد) کی مقدار خالص دھات (چاندی) کے ڈھلے ہوئے تین درہم ہیں پس اگر اس قدر رقم یا اس مقدار کی یا اس سے زیادہ مالیت کی کوئی چیز چوری کی جائے۔ خواہ وہ سامان خانہ ہو یا جانور ہو تو حد جاری کی جائے گی۔ یعنی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ مالکیہ اس کی دلیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں جو نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین درہم کے ایک مجن (یعنی زرہ یا ڈھال) کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے اخراج فرمائی ہے۔ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لیموؤں کی چوری پر جن کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ کاٹنے کی سزا دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں جتنی روایات میں نے سنی ہیں میرے نزدیک یہ روایت سب سے زیادہ قابل تسلیم ہے نیز یہ روایت سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو مالک نے عبداللہ بن ابی بکر سے انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے عروہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے سیدنا عثمان کے عہد میں لیموؤں کی چوری کی۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کی قیمت لگائی جائے ان کی قیمت تین درہم لگائی گئی۔ جبکہ بارہ درہم کا ایک دینار ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ اسی پر عمل درآمد ہے اور اس سے کسی نے انکار نہیں کیا اور ایسی صورت میں اسی پر اجماع سکوتی کیا جائے گا۔ (یعنی خاموشی کو تائید تصور کیا جائے گا)۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت اس امر کا ثبوت ہے کہ پھلوں کی

Marfat.com

چوری پر بھی ہاتھ کاٹنا جائز ہے اور مال سرقہ کی واجب الحد مقدار تین درہم جو مقرر کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مال مسروقہ اتنی مالیت کا نہ ہو گو وہ ایک چوتھائی دینار کی مالیت رکھتا ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دیجائیگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سرقہ واجب الحد میں مال مسروقہ کی مقدار ایک چوتھائی دینار ہے یا پھر اسی مالیت کے یا اس سے زیادہ کے درہم ہوں یا قیمتی اشیاء یا سامان خانہ۔ یعنی ان کے نزدیک اشیاء مسروقہ کی مالیت کا معیار دینار ہے۔ اسی بناء پر وہ دو درہموں کی مالیت کا تعین کرتے ہیں۔ چنانچہ تین درہم اگر ایک چوتھائی دینار کے برابر نہ ہوں تو ان کے چرانے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ وہ اپنے مسلک کی دلیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں جسے شیخین، بخاری و مسلم نے بطریق زھری، عمرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اخراج فرمایا ہے۔ ان کا کہنا ہے "لا تقطع ید السارق الا فی ربع دینار فصاعدا" (یعنی چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹنے کی سزا اس صورت میں دی جائے گی جبکہ مال مسروقہ کی مالیت ایک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ ہو) یہ روایت متفق علیہ ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت بطریق ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور عمرہ سے ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لا تقطع یدالسارق الافی ربع دینار فصاعدا" (یعنی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے تا آنکہ مال مسروقہ کی مالیت ایک چوتھائی دینار نہ ہو)۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بارے میں قطعی ہے اور مال مسروقہ (واجب الحد) کی مالیت صرف ایک چوتھائی دینار نہ کہ کچھ اور تسلیم کیے جانے کے بارے میں واضح ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ مجن (مسروقہ) کی قیمت والی حدیث جس میں تین درہم اس کی مالیت بتائی گئی ہے وہ اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس وقت دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا اور تین درہم ایک دینار کی چوتھائی ہے۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں اس لحاظ سے فرق نہ رہا۔ یہی مسلک حضرت عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، لیث بن سعد، اوزاعی، اسحٰق بن راہویہ اور ابوثور رحمہ اللہ علیہم اجمعین بھی اس مسلک کے قائل تھے۔ غرض شافعیہ کا کہنا ہے کہ مختلف آراء میں سے قابل ترجیح رائے یہی ہے کہ اس مجن (زرہ یا ڈھال) کی قیمت تین درہم تھی جیسا کہ ابن عمر کی (مروی) حدیث میں آیا ہے اور جس پر جملہ محدثین کا اتفاق ہے، باقی وہ احادیث جو اس کے خلاف ہیں وہ صحت میں اس روایت کے ہم پلہ نہیں ہیں۔

ابن العربی فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری جو ایک جلیل القدر محدث ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ جب تک مال مسروقہ دس درہم کا نہ ہو چوری کرنے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ کیونکہ انسان کے ہاتھ کا قابل قدر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اور اس کا تلف کرنا روا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس پر تمام علماء کا اتفاق نہ ہو جائے اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دس درہم کی چوری ہی مستوجب حد ہے۔ لہٰذا اس قول کو اختیار کیا جائے۔ تا آنکہ اس کی بجائے کسی اور فیصلہ پر اتفاق نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرعی اعتبار سے (مال مسروقہ واجب الحد کی) مقدار ایک چوتھائی دینار یا تین درہم ہے پس حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ احادیث کی بناء پر جس شخص نے اتنی رقم یا اس کے مساوی مالیت کی چیز چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام احمد کی روایت میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اقطعوا فی ربع دینار، ولا تقطعو فیما ھو ادنی من

Marfat.com

جو بھی چوری کرے، خواہ مرد ہو یا عورت اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو[1]

ذلک" (یعنی ایک چوتھائی دینار کی چوری ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دو اور اس سے کم میں نہ کاٹو) اور ان دنوں ایک چوتھائی دینار تین درہم کا اور ایک دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا۔ نسائی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں' لاتقطع ید السارق فیما دون ثمن المجن ، قیل لعائشۃ رضی اللہ عنہا وماھو ثمن المجن؟ قالت ربع دینار "(یعنی چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا ایک مجن سے کم مالیت کی چوری میں نہ دی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ اس کی کیا قیمت ہوتی ہے فرمایا ایک چوتھائی دینار) ان تمام نصوص سے ثابت ہے کہ دس درہم کی کوئی شرط نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

کتنا ہاتھ کاٹا جائے گا؟

۱۔ ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب چوری کرنے پر حد سرقہ (یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا) واجب ہو جائے اور یہ جرم اس سے پہلی بار سرزد ہوا ہو جس پر یہ سزا دی جاتی ہے اور اس کے اعضاء صحیح سالم ہوں تو سب سے پہلے اس کا دایاں ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹ دیا جائے۔ پھر ابلتے ہوئے تیل سے اس کا خون بند کیا جائے۔ اس حکم کا سبب یہ ہے کہ چوری ہاتھ ہی سے کی جاتی ہے جو کلائی اور پہنچے پر قائم ہے اسی طرح جیسے انسان کے جسم پر یہ اعضاء قائم ہیں۔ اور سزا اسی عضو کو دی جائے جس سے جرم سرزد ہوا ہو اس کے لئے سب سے پہلے دائیں ہاتھ ہی سے کام لیا جاتا ہے اور گو بعض اشخاص میں اس کے خلاف ہوتا ہے، تاہم بیشتر صورتوں میں اسی سے کام لیا جاتا ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے مخزومیہ اور دوسرے چوری کرنے والوں پر حد کے نفاذ میں یہی عمل فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے آیت سرقہ کو "فاقطعوا ایمانھم" پڑھا ہے (یعنی چوری کرنے والے مرد یا عورت کا دایاں ہاتھ کاٹ دو) اس سے مفہوم آیت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہاں دایاں ہاتھ ہی کاٹنے کا حکم ہے۔ بہر حال اس حکم پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اگر کوئی شخص دوسری بار چوری کرے اور ہاتھ کاٹنے کی سزا پا چکا ہو تو اس کا بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹ دیا جائے اور خون کو روکنے کے لئے اس جگہ کو آگ سے یا ابلتے ہوئے تیل سے داغ دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے 'زند' کے ایک شخص کو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی اور فرمایا "فاقطعوہ واحسموہ" (یعنی اس کا ہاتھ کاٹ دو اور داغ دے کر اس کے زخم کا علاج کرو) یہ حکم اس لئے کہ اگر عضو بریدہ کا علاج نہ کیا گیا تو وہ شخص مر جائے گا کیونکہ کسی اور طریقہ سے خون کو بند نہیں کیا جا سکتا۔ اس سزا کا مقصد سرزنش ہے۔ ہلاک کرنا نہیں ہے۔ اسی لئے حکم ہے کہ گرمی کی شدت یا سخت سردی کے دنوں میں ہاتھ نہ کاٹا جائے کیونکہ اس سے چوری کرنے والے کو (غیر ضروری) ایذا ہوگی۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر چوری کرنے والا تیسری بار چوری کرے تو آیا اسے عضو کاٹنے کی سزا دی جائے یا نہیں؟

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹ دیا گیا ہو اور دوسری بار جرم کا ارتکاب کرے اور اس کا بایاں پاؤں بھی کاٹ دیا گیا ہو تو تیسری بار ارتکاب جرم پر اسے کوئی سزا نہ دی جائے گی بلکہ وہ مال مسروقہ کا صرف تاوان ادا کرے گا۔ البتہ اسے قید کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ چوری کرنے سے توبہ کر لے۔ دراصل جرم سرقہ کی سزا کی غرض

Marfat.com

سرزنش ہے ہلاک کرنا مدنظر نہیں ہوتا۔ تاہم شرعی سزائیں گناہ کبیرہ سے باز رکھنے کی غرض سے دی جاتی ہیں، قیمتی جان کو تلف کرنے کے لئے نہیں ہوتیں۔ پس ہر ایسی سزا جو جان کو بالکل ہلاک کر دینے یا ایک لحاظ سے ہلاکت کا موجب ہو وہ شرع کی رو سے 'حد' نہیں ہے۔ اب اگر اس طرح عضو کو کاٹ دیا جائے کہ کلیۃً انسان ناکارہ ہو جائے تو یہ بھی ایک لحاظ سے ہلاک کرنا ہے اور اسے حکم شرع نہیں کہیں گے۔ لہٰذا اگر تیسری بار چوری کرنے والے کا بایاں ہاتھ کاٹ دیں اور چوتھی بار چوری کرنے پر دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے تو وہ شخص گرفت کرنے اور چلنے سے کلیتہً محروم ہو جائے گا اور یہ شرعی سزا نہ ہوگی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ مجھے اس میں خدا کا خوف آتا ہے کہ میں مجرم کا کوئی ہاتھ باقی نہ رہنے دوں کہ وہ کھا سکے یا طہارت کر سکے اور نہ پاؤں باقی رکھوں کہ وہ چل سکے۔۔ تمام صحابہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول کو بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس پر تمام جماعت کا اجماع ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے سامنے ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں چوری کی پادش میں کاٹ دیا گیا تھا' اس کا نام 'سدوم' تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ اسے 'قطع' کی سزا دی جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی (سابقہ) سزا ایک ہاتھ اور ایک پیر کا کاٹا جانا کافی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی سابقہ سزاؤں کو کافی سمجھا اور مزید قطع عضو کی سزا نہیں دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے ارادے سے باز رہنا ایسی بات ہے جس سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور کسی کا اس سے اختلاف نہ کرنا اجماع صحابہ کی دلیل ہے۔ یا پھر یہ سمجھا جائے کہ ان اصحاب کو شرع کا یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا تھا۔

واضح ہو کہ یہ حکم قصاص کے حکم سے اختلاف رکھتا ہے کیونکہ قصاص میں حقوق العباد کا معاملہ ہے جس میں ایک بندہ کا حق ادا کیا جاتا ہے (یعنی یہ ایک شخص کی جان کے عوض جان کا معاملہ ہے)۔ علاوہ اس کے (چوری کا) ایسا جرم نادر وقوع ہے۔ ایسا ہونا شاذ و نادر ہی ممکن ہے کہ ایک شخص چوری کی پاداش میں اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا کر پھر بھی چوری کا ارتکاب کرے۔ سزائیں ایسے جرائم کی (مقرر) ہوتی ہیں جن کے ارتکاب کا امکان غالب ہو۔

رہی وہ حدیث جس میں چور کے چاروں اعضاء کاٹے جانے کا ذکر ہے اس کی صحت کے بارے میں طحاوی کو اعتراض ہے۔ پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو صحابہؓ امام علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر احتجاج فرماتے اور آپ یقیناً اپنے قول سے رجوع فرما لیتے۔ اب درآنحالیکہ صحابہ نے اس دلیل کو جان کر بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کو ترجیح دی اور کوئی اعتراض نہیں کیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اگر چوری کرنے والے کا ہاتھ ہی سرے سے نہ ہو یا کٹا ہوا ہو تو اس کا بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹ دیا جائے اگر بایاں پاؤں بھی کٹا ہوا ہو تو اب اسے قطع عضو کی سزا نہ دی جائے کیونکہ یہ اس کی (جزوی) ہلاکت کا موجب ہوگا جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ ایسے شخص کو مال مسروقہ کا تاوان ادا کرنا ہوگا اور جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اسے قید میں رکھا جائے گا۔

اگر چوری کرنے والے کا بایاں ہاتھ کٹا ہوا یا شل ہو یا انگوٹھا اور ساتھ کی دو انگلیاں یا ایک روایت کے بموجب تین انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا اس کا دایاں پاؤں کٹا ہوا یا شل ہو کہ چل نہ سکتا ہو تو اس کا نہ دایاں ہاتھ کاٹا جائے اور نہ بایاں

Marfat.com

پاؤں کاٹا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر صورت حال یہ ہو کہ دایاں ہاتھ کٹنے کے بعد وہ بائیں ہاتھ سے کام نہ لے سکے یا اس کا دایاں پاؤں کسی حادثہ کے باعث پہلے ہی ناکارہ ہو تو اسے قطع عضو کی سزا نہ دی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے کام لینے کی صلاحیت کلیۃً مفقود ہو جائے گی اور گرفت کرنے یا چلنے کی قوت کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ دراصل ہاتھ کی صلاحیت کا انحصار انگوٹھے پر ہے۔ اس کے نہ ہونے یا شل ہو جانے سے پورا ہاتھ ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اگر انگوٹھے کے سوا صرف ایک انگلی کٹی ہوئی ہو یا ناکارہ ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی کیونکہ صرف ایک انگلی کے نہ ہونے سے پکڑنے کی قوت میں زیادہ خرابی نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے دو انگلیوں کا نہ ہونا نقصان دہ ہے کیونکہ پکڑنے کے بارے میں یہ انگلیاں انگوٹھے کی مانند ہیں۔ اگر دایاں ہاتھ ایک لحاظ سے شل ہو یا انگلیوں میں خرابی ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پہلی بار چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹ دیا جائے پھر اسے آگ سے یا کھولتے ہوئے تیل سے داغ دیا جائے پھر اگر دوسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹ دیا جائے اور آگ سے داغ دیں اگر تیسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے اور آگ سے داغا جائے پھر جب وہ چوتھی بار چوری کرے تو اس کا دایاں پاؤں بھی ٹخنے سے کاٹ دیا جائے اور آگ سے داغا جائے۔ پھر جب وہ پانچویں بار چوری کرے تو اسے قید میں رکھا جائے اور سرزنش کی جائے اور چوری کرنے والے ہر چور کو ایسی سزا دی جائے کہ وہ چوری سے باز آ جائے۔ اور اگر ارتکاب جرم میں شبہ لاحق ہو جانے کے باعث چور کو سزا نہ دی جا سکے تب بھی حاکم اسلام کو چاہیے کہ اس کو ایسی سزا جو مناسب خیال کرے دے تاکہ وہ شخص ارتکاب جرم سے باز رہے۔

(سزا میں ہاتھ) کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ مجرم کو باندھ کر بٹھا دیا جائے۔ پھر اس کے ہاتھ میں پٹی باندھ کر اس طرح آگے کو کھینچا جائے کہ ہاتھ کا جوڑ دکھائی دینے لگے۔ پھر اسے ایک تیز دھار آلے سے کاٹ دیا جائے پھر اسے (خون بند کرنے کے لئے) داغا جائے اگر اس سے زیادہ نرم طریقہ کاٹنے کا ممکن ہو تو اسی طرح کاٹا جائے کیونکہ اس (سزا) کا مقصد حد شرعی، کا جاری کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاملہ عورت کو نہ قطع عضو کی سزا دی جائے گی اور نہ قتل سے کم درجہ کی اور کوئی سزا دی جائے گی اسی طرح اگر کوئی مجرم دائم المرض ہے یا بیمار ہے یا سخت سردی یا شدید گرمی کے دن ہیں تو حد نافذ نہ کی جائے اور ایسی بات سے پرہیز کیا جائے جو ہلاکت کا سبب ہو سکتی ہے اور ایسے حالات میں جن کی موجودگی میں ان کے دور ہونے تک کے لئے نفاذ حد کو التوا میں ڈالا جا سکتا ہے مثلاً ایک یہ ہے کہ چوری کی پاداش میں کسی کا ہاتھ کاٹا گیا ہو اور ہنوز اس کے زخم کو آرام نہ ہوا ہو کہ وہ پھر چوری کا ارتکاب کرے تو اسے عضو کاٹنے کی سزا اس وقت تک نہ دی جائے گی جب تک کہ اسے آرام نہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سزائے تازیانہ کے بعد ابھی زخم اچھا نہ ہوا ہو کہ جرم مستوجب حد کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا آرام پانے تک ملتوی کر دی جائے۔ یہی حکم مجرم (مستوجب سزا) کو لاحق ہونے والے ہر قسم کے زخم یا مرض کا ہے۔

یہ اصحاب (مالکیہ و شافعیہ) تیسری اور چوتھی بار ارتکاب سرقہ میں ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کی سزا کی دلیل میں یہ روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بعبد سرق' فقطع یدہ الیمنی' ثم اتی بہ فی الثانیہ فقطع رجلہ ثم اتی بہ فی الثالثۃ' فقطع یدہ الیسری ثم

Marfat.com

اتی بہ فی الرابعة فقطع رجلہ الیمنی ‘‘ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک غلام لایا گیا جس نے چوری کی تھی اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس نے دوبارہ چوری کی تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا۔ پھر اس نے تیسری بار چوری کی تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا اور جب چوتھی بار چوری کی تو اس کا دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا گیا)۔

دار قطنی نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اخراج فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا ’’ان سرق فاقطعوا یدہ ثم ان سرق فاقطعوا رجلہ ثم ان سرق فاقطعوا یدہ ثم ان سرق فاقطعوا رجلہ ‘‘ (یعنی اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو، اگر پھر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو)۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ہمیں مالک بن عبدالرحمن بن قاسم نے اور انہیں ان کے باپ نے بتایا کہ یمن کا ایک دست و پا بریدہ شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور ان سے شکایت کی کہ یمن کے حاکم نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ وہ شخص رات کو نماز پڑھتا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس سے کہتے تھے کہ تیری رات تو چوری کرنے والے کی رات جیسی نہیں ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس کا ایک زیور گم ہو گیا۔ وہ شخص لوگوں کے ساتھ پھرتا رہا اور کہتا تھا کہ خداوندا اس نیک گھرانے میں جس نے راتوں رات ڈاکہ ڈالا اس کا فیصلہ اب تیرے ہاتھ ہے۔ پھر لوگوں نے وہ زیور ایک رنگریز کے پاس سے دستیاب کیا اور یہ گمان کیا گیا کہ اس زیور کو وہی دست و پا بریدہ شخص اس کے پاس لایا تھا۔ آخر اس شخص نے ارتکاب سرقہ کا اقرار کر لیا۔ یا اپنے خلاف شہادت دی۔ تب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا اس شخص کا اپنے حق میں بددعا کرنا چوری سے زیادہ شدید امر ثابت ہوا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی اگر چوری کرنے والا پہلی بار چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا جائے اور پھر اسے آگ سے داغا جائے۔ اگر دوسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور آگ سے داغ دیا جائے۔ اگر تیسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا جائے اور آگ سے داغا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو اس کا دایاں پاؤں بھی جوڑ سے کاٹ دیا جائے اور آگ سے داغا جائے اور پانچویں بار چوری کرے تو اسے قید کر دیا جائے اور سرزنش کی جائے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انہوں نے ہاتھ کے بعد دوسرا ہاتھ اور پاؤں کے بعد دوسرا پاؤں کاٹ دیا۔

حنفیہ نے تیسری بار چوری کرنے پر سزا نہ دی جانے اور قید و تعزیر کے واجب ہونے اور جلاوطن کیے جانے کے ثبوت میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اس روایت کو پیش کیا ہے جسے بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص جس کا پاؤں کاٹ دیا گیا تھا جب تیسری بار (ارتکاب جرم پر) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس لایا گیا کہ اس کا (دایاں) پاؤں کاٹا جائے تو آپ نے فرمایا کہ ’’بای شیء یتمسح و بای شیء یاکل ؟‘‘ (یعنی وہ کس طرح پکڑے گا اور کس طرح کھا سکے گا؟) اور فرمایا کہ ’’اقطع رجلہ علی ای شیئی یمشی ؟ ‘‘ (یعنی اگر اس کا پاؤں کاٹا گیا تو وہ کس کے سہارے چلے

Marfat.com

گا) مجھے تو خدائے عزوجل سے خوف آتا ہے۔ پھر آپ نے اسے سزائے ضرب دی اور قید میں ڈال دیا۔ یہ انسانیت کے احترام اور مال کے مقابلہ میں انسان کے زیادہ قابل احترام ہونے کی بناء پر تھا۔

مالکیہ اور شافعیہ اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ایک رائے ہے جس کو نص (صراحت حدیث کے مقابلہ میں نہیں رکھا جاسکتا۔ اگر اس روایت کو ضعیف بھی قرار دیا جائے (جو قطع اعضائے اربعہ کے بارے میں ہے) جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں تب بھی دوسری روائتیں جو اس بارے میں آئی ہیں اس کی تائید کرتی ہیں۔ پس اگر سزائے سرقہ میں نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے واجب القطع عضو مفقود ہو جائے' مثلاً دایاں ہاتھ شل ہو تو بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی طرح دایاں پاؤں بھی کاٹا جائے گا۔

حنابلہ کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق تیسری بار ارتکاب جرم کی صورت میں چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ یہ مسلک مومن کا احترام کرنے کے پیش نظر ہے اور یہ بھی ہے کہ مسلمان کا مرتبہ مال سے بڑھ کر ہے۔ (یعنی مال کے عوض مسلمان کو از کار رفتہ نہیں بنایا جاسکتا) نیز اس میں اللہ کے بندوں کے لئے احکام شریعت کی بجا آوری زیادہ سہل ہے۔

حنابلہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ تیسری بار چوری کی سزا میں مجرم کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے یہ رائے مالکیہ اور شافعیہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ ان اصحاب کے نزدیک (ایسے مفسدوں کے مقابلہ میں) مال کی قدر زیادہ ہے۔ وہ اصحاب اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والے چوروں اور دین سے سرکشی کرنے والوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ پانچویں بار ارتکاب' جرم کرنے والے کو قتل کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ اس کو قید یا جلا وطن نہ کیا جائے۔ انہوں نے اپنے مسلک کی تائید میں نسائی کی حدیث کو پیش کیا ہے جو حارث بن حاطب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک 'چور' کو لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا 'اقتلوہ' (یعنی اسے قتل کر دو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے ارشاد ہوا' اقتلوہ' (یعنی اسے قتل کر دو) لیکن لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس نے تو چوری کی ہے' تب ارشاد ہوا "اقطعوا یدہ" (یعنی اس کا ہاتھ کاٹ دو)۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ اس شخص نے پھر چوری کی تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا۔ اسی شخص نے پھر عہد ابوبکر رضی اللہ عنہ میں چوریاں کیں یہاں تک کہ اس کے دونوں پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ لیکن جب اس شخص نے پانچویں بار چوری کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (اس شخص کی اس عادت کا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ علم تھا' چنانچہ آپ نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ 'اقتلوہ' کہ اسے قتل کر دو۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قریشی جوانوں کے حوالے کر دیا کہ اسے قتل کر دیں۔ ان جوانوں میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے انہیں حکم چلانا پسند تھا۔ چنانچہ انہوں نے جوانوں سے کہا کہ لوگوں نے مجھے تم پر سردار بنایا ہے۔ انہوں نے بھی عبداللہ بن زبیر کو حاکم مان لیا۔ چنانچہ پہلے وہ اس پر ضرب لگاتے پھر سب مارتے یہاں تک کہ اسے مار ڈالا۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچویں بار چوری کرنے والے ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم نے اس شخص کو قید سے نکالا اور قتل کیا پھر اسے گھسیٹ کر لے گئے اور ایک کنوئیں میں پھینک دیا اور اس پر پتھراؤ کیا۔

Marfat.com

معاملات (یا عمرانی قوانین) اسلامی کا بیان

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ نے باہمی معاملات کی انجام دہی کے قوانین کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے چنانچہ خرید و فروخت، رہن، اجرت، شراکت اور شفعہ کے متعلق قوانین مرتب ہیں۔ اسی طرح مالیاتی (اقتصادی) امور تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے متعلق بھی قوانین موجود ہیں۔ ایسا کوئی شعبہء عمرانیات نہیں جس کے بارے میں بنی نوع انسان کی فلاح پر مبنی نظام (دستور العمل) اسلام میں موجود نہ ہو۔ اسلامی نظام (عمرانی) میں انسان کی خوشحالی تنازعات کے تصفیے، باہمی شفقت و نگہداشت اور (اہل اختیار کی) چیرہ دستی سے تحفظ ملحوظ رکھا گیا ہے پھر مجتہدین اسلام نے قرآنی نصوص (تصریحات) اور احادیث صحیحہ سے وہ تمام امور اخذ فرمائے ہیں جو فلاح انسانی کے حامل اور مختلف عہد میں پیش آنے والے حالات کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔ اس طرح مسلمانوں کو تفقہ (دینی بصیرت) کی ایک عظیم ترین دولت ہاتھ آ گئی جس کی بنیاد پر معاشرہ کے لئے بہترین سودمند قوانین مرتب ہوئے جو تمام عمرانی تقاضوں کو پورا کرتے اور تمام قبائل و اقوام اسلامیہ کی حقیقی خوش بختی کا موجب ہیں۔ اسلام نے مالی امور میں قانون شکنی کے جرائم کی سزا کا تعین حاکم شرع کے اپنے استصواب پر چھوڑ دیا ہے (دوسرے اخلاقی یا فوجداری جرائم کی طرح) ان کی سزائیں متعین نہیں کیں۔ تاکہ وہ ہر ظرف و زمان کے تقاضوں کے پیش نظر جو سزا چاہے نافذ کرے۔ اسے تعزیری امور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غرض شریعت اسلامیہ نے حاکم کو اس امر کا مجاز بنایا ہے کہ وہ احکام شرعیہ کے خلاف ارتکاب یا اقدام کرنے والے کو زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق اور ان برائیوں اور خرابیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو قوانین شریعت کی مخالفت سے پیدا ہوئی ہیں، تعزیری قوانین وضع کرے۔ سرقہ کا جرم اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کی سزا شریعت نے مقرر کر دی ہے۔ اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ (۱)

چوری ثابت ہونے کا بیان

۱۔ چاروں ائمہء فقہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چوری کا جرم دوسرے معاملات مال کی طرح دو معتبر اور حق پسند گواہوں کی شہادت سے ہوتا ہے یا پھر آزاد شخص (جو غلام نہ ہو) کے اعتراف سے جرم سرقہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بالغ اور عاقل شخص ایک بار بھی اس جرم کا اقرار کر لے تو وہ مستوجب

Marfat.com

دوسرے جرائم کے مقابلہ میں چوری کی شدت کا بیان

کہا جا سکتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے معاشرہ کو نقصان پہنچانے والے جرائم کے مقابلہ میں چوری (کے سد باب) کو سب سے زیادہ اہمیت کیوں دی ہے۔ غاصب، اچکے اور خائن کو نظر انداز کر دیا گیا

حد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ صورت تہمت (الزام تراشی) کی نہیں ہو سکتی لہٰذا دوسرے حقوق کی طرح ایک بار بھی اقرار کر لینے سے جرم ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری بار اعتراف کرنے کی حاجت نہیں ہے جیسا کہ قصاص اور تہمت لگانے کی شرعی سزاؤں میں ہوتا ہے اور شہادت میں 'دو' کی قید نص (حکم صریح) کی بناء پر ہے۔ لہٰذا اقرار کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں (شہادت دینے والوں کی ایک سے زیادہ تعداد رکھنے میں) یہ مصلحت ہے کہ اس میں الزام دروغ بیانی کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ اقرار جرم کی یہ کیفیت نہیں ہے کیونکہ اقراری مجرم پر یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ وہ خود اپنے خلاف جھوٹ بول رہا ہے اور زنا کے معاملہ میں زیادہ گواہوں کی جو شرط ہے وہ قیاس (عام طریق شہادت) کے خلاف ہے۔ اس میں نص (صراحت حکم) پر انحصار کیا جائے گا۔ علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ اگر (اقراری مجرم) پہلی بار اقرار میں سچا ہے تو دوسری بار اقرار سے فائدہ نہیں کیونکہ (اس کے قول کی) سچائی میں اس سے کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے پہلی بار جھوٹ بولا تو دوسری بار اقرار کرنے سے سچا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس بار بار اقرار لینا بے فائدہ ہے۔

حنابلہ اور حنفیہ میں سے ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جرم کا ثبوت مجرم کے دو بار اقرار کرنے سے ہوگا ایک بار اقرار سے وہ مستوجب حد نہ ہوگا۔ انہوں نے اپنے مسلک کی دلیل میں اس روایت کو پیش کیا ہے جو ابی امیہ مخزومی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چور کو پیش کیا گیا جس نے چوری کا اقرار کر لیا تھا لیکن مال سرقہ اس سے برآمد نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا "ما اخالک سرقت" (یعنی مجھے امید نہیں کہ تو نے چوری کی ہے) اس نے کہا 'یا رسول اللہ: میں نے چوری کی ہے' اس شخص نے دو تین بار اسی طرح کہا تب آپ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر جب وہ حضورؐ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا "استغفر اللہ وتب الیہ" (یعنی اللہ سے اپنے گناہ کی مغفرت مانگ اور توبہ کر لے) اس شخص نے کہا میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں اور اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار کہا "اللھم تب علیہ" (یعنی اے اللہ اس شخص کی توبہ قبول فرما لے)۔ اس روایت کو احمد نسائی اور ابو داؤد نے اخراج فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ ابو داؤد کے بیان کردہ ہیں۔ اس کے بیان کرنے والے معتبر اصحاب ہیں۔

حاکم شروع پر واجب ہے کہ وہ (اقراری مجرم کو) احتیاطاً اپنے بیان سے پھر جانے پر آمادہ کرے۔ تاکہ (نوعیت جرم سے) پورے طور پر واقفیت حاصل ہو جائے چنانچہ روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک چور کو پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا "اسرقت؟ ما اخالہ سرق" (یعنی کیا تو نے واقعی چوری کی ہے؟ میں نے تو خیال نہیں کیا تھا کہ اس نے چوری کی۔)

Marfat.com

اگر جرم کا اقرار کرنے والا ارتکاب جرم سے مکر جائے تو سزائے قطع ید کے جرم میں اس کے انکار کو تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ یہ خالصۃً حقوق اللہ کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن مالی معاملات میں (اقرار کے بعد) انکار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ مال کا مالک اس کی تکذیب کرتا ہے۔

ان اصحاب (یعنی حنابلہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ علیہما) نے اقرار کے صحیح ہونے کی یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شخص مختلف مجالس میں اقرار کرے (بیک وقت دو بار اقرار معتبر نہیں ہے) کیونکہ یہ (اقرار کرنا۔ ثبوت جرم کے) دو دلائل میں سے ایک دلیل ہے (دوسری دلیل شہادت ہے) لہٰذا اس میں شہادت (گواہی) کے اصول کو مدنظر رکھا جائے اور طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان کے سامنے چوری کا اعتراف دو بار کیا آپ نے فرمایا کہ (تیرا دو بار اعتراف ایسا ہے کہ گویا) تو نے اپنے خلاف دو گواہ پیش کر دیئے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ کر اس کے گلے میں لٹکا دیا گیا۔

یہاں پر اقرار جرم کو شہادت سے ملانے کا مقصد تعداد میں یکسانیت ہے، جس پر حد عائد کی جائے گی۔ اس میں اقرار کی تعداد کو گواہوں کی تعداد کے برابر رکھا جائے گا۔ اس کی مثال 'حد زنا' میں ملتی ہے کہ اس میں بھی اقرار کرنے کی تعداد کو گواہوں کی تعداد کے برابر رکھا گیا ہے۔

اگر چوری کرنے والے کے خلاف ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں تو مال مسروقہ یا اس کی قیمت کا واپس کرنا واجب ہو جائے گا لیکن سزائے قطع واجب نہ ہوگی کیونکہ حدود (شرعی سزاؤں) کے بارے میں عورت کی گواہی تسلیم نہیں کی جاتی۔

گواہی گزارنے کا طریقہ

فقہا کہتے ہیں کہ حاکم شرع کو چاہیے کہ چوری کے گواہوں سے سرقہ کی کیفیت دریافت کرے یعنی کس طرح اس نے چوری کی۔ ممکن ہے کہ وہ چوری ایسی ہو جس میں سزائے قطع واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی نے دیوار میں نقب لگائی اور اپنا ہاتھ اس کے اندر ڈال کر مال نکال لیا تو تین ائمہ فقہ کے نزدیک اس شخص کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ چور نے مال مسروقہ کی مقررہ مقدار سے کم مال نکالا اور لوٹ کر آیا پھر کچھ اور نکال لیا یا نکالا ہوا مال اپنے کسی ساتھی کو جو دروازے پر تھا دے دیا۔

گواہوں سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ سرقہ یا چوری کس کو کہتے ہیں؟ کیونکہ لغت کی رو سے، چھپ کر کسی کی بات کو سننا یا نماز کے رکن کی تکمیل میں کوتاہی کرنا بھی سرقہ یا چوری ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسواء السرقة الذی یسرق صلٰوته'' (یعنی بدترین چوری نماز کی چوری ہے) اسی طرح گواہوں سے پوچھا جائے گا کہ چوری کب ہوئی؟ کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ چوری کا کوئی سابقہ واقعہ ان کے ذہن میں ہو۔ اگر چوری کے کسی پہلے وقوعے کی گواہی گزرے تو چرانے والے پر تاوان عائد ہوگا۔ سزائے قطع عائد نہ ہوگی۔ نیز سرقہ کی جائے واردات کی بابت بھی پوچھا جائے گا، کیونکہ ممکن ہے کہ چور نے دار الحرب میں کسی مسلمان کی چوری کی ہو یہ صورت مجرم کے اقرار سے ثابت ہونے والی چوری سے مختلف ہے۔ اقرار جرم کرنے والے سے وقت کی بابت پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی کیونکہ اگر (زیر تفتیش چوری

Marfat.com

کے علاوہ) پہلے کوئی چوری کی ہو تو اس کا اعتراف جرم باطل نہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اقرار سرقہ کرنے والے سے جائے سرقہ 'حرز' (تحفظ) وغیرہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں اقراری چور سے مال مسروقہ کی نوعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیونکہ ہر قسم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب نہیں ہے مثلاً کھجور کی چوری یا مجبوری کی چوری یا یہ احتمال کہ مال مسروقہ کی مالیت نصاب واجب الحد سے کم ہو۔ نیز اقراری چور سے یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ اس نے کس کی چوری کی ہے؟ کیونکہ بعض لوگوں کا مال چرانے سے سزائے قطع واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً قریبی رشتہ دار کا اپنے محرم کی چوری کرنا' غلام کا آقا کی چوری کرنا' خاوند کا اپنی بیوی کی چوری کرنا اور باپ کا اپنے بیٹے کا مال چرالینا۔ یا پھر اس گمان سے چوری کر لینا کہ مال مسروقہ اس کے لئے ہبہ شدہ مال ہے یا وہ اس مال کا مالک ہے۔ ان صورتوں میں سزائے قطع عائد نہ ہوگی۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ چور نے جس کی چوری کی ہے اس کی بابت دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شخص مجلس (عدالت استغاثہ) میں موجود ہے اور اسی نے چور کے خلاف دعوٰی کیا ہے اور اسے سزا دلانی چاہتا ہے اور اسی طرح چوری کے گواہ بھی (جو گواہی دیتے ہیں) کہ اس شخص نے انکے ہاں چوری کی تو اب یہ پوچھ گچھ بے کار ہے کہ کس کی چوری ہوئی؟ اور جب مدعی موجود ہے تو یہ بھی غیر ضروری ہے کہ یہ دریافت کیا جائے کہ چور نے کس نیت سے چوری کی؟ اور مدعی کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بتائے کہ اس شخص نے میرا مال چرایا اور میں اس مال کا مالک ہوں البتہ تفتیش کی غرض سے احتیاطاً یہ پوچھ گچھ ہو سکتی ہے اور خواہ لوگوں کا بیان کچھ ہی ہو چوری کرنے والے کی 'حد' سزائے شرعی ساقط نہ ہوگی۔ اگر قاضی جانتا ہے کہ گواہ حق پسند ہیں تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دے دی جائے گی۔ ان کا حال معلوم نہ ہو تو جس کے خلاف سرقہ کی شہادت دی گئی ہے۔ اسے قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ معتبر گواہ دستیاب نہ ہوں کیونکہ چوری کے الزام کی ضمانت پر بھروسہ نہیں ہو سکتا اور کوئی شخص 'حد' بھگتنے کا ضامن نہیں ہو سکتا۔

اگر معتبر گواہ موجود ہوں اور جس کی چوری ہوئی ہے وہ حاضر نہ ہو تو جب تک وہ نہ آئے مجرم کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مالک نے وہ مال اسے عطا کر دیا ہو یا اسے معاف کر دیا ہو۔ اگر وہ شخص موجود ہو جس کی چوری ہوئی ہے اور گواہ موجود نہ ہوں تب بھی سزائے قطع نہ دی جائے گی جب تک کہ دونوں موجود نہ ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ دونوں گواہ اپنے بیان سے پھر جائیں یا دونوں میں سے ایک پھر جائے۔ اسی طرح موت واقع ہو جانے کا امکان بھی ہے۔ تمام حدود (شرعی سزاؤں) کا یہی حکم ہے بجز سزائے سنگساری کے۔

اگر کوئی شخص چوری میں بدنام شخص کو اپنے گھر میں دیکھ لے حالانکہ وہ چوری کے لئے نہیں بلکہ کسی اور کام سے آیا اور چوری نہیں کی تو مالک مکان کو اسے قتل کرنے کا حق نہیں ہے البتہ وہ اسے پکڑ سکتا ہے اور حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اسے قید میں ڈال دے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔ کیونکہ بہرحال اس پر فساد پھیلانے کا الزام ہے اور تہمت سے نجات پانے کے لئے قید کر دینا جائز ہے۔

Marfat.com

گواہوں کی غلط بیانی کا بیان

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر گواہوں نے چور کے خلاف ادائے شہادت میں غلطی کی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے غلطی سے بیان دیا ہے۔ مثلاً کسی اور شخص نے یہ اقرار کر لیا کہ دراصل یہ چوری میں نے کی تھی۔ یا دوسرے گواہوں نے شہادت دی کہ چوری کسی اور نے کی تھی اور گواہوں نے بھی اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو امام (حاکم شرع) پر واجب ہے کہ گواہوں کو ان کی غلط بیانی پر سزا کے طور پر دست بریدہ کے ہاتھ کی دیت (تاوان) کا مقروض قرار دے۔ لیکن اگر گواہ کہیں کہ ہم نے اس شخص کو زیر کرنے کے لئے قصداً غلط بیانی کی تھی تو اس صورت میں کٹے ہوئے ہاتھ کا تاوان ادا کرنا واجب قرار دیا جائے گا لیکن اس کی اجازت نہیں ہے کہ ایک ہاتھ کے عوض ان دونوں گواہوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں کیونکہ ایسا کرنا جبر و ظلم ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر دو اشخاص نے کسی کے خلاف گواہی دی کہ اس نے مال محفوظ کی چوری کی ہے اور وہ مال نصاب سرقہ کے برابر ہے۔ لہٰذا اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا بعد میں گواہوں کی دروغ بیانی ثابت ہوئی تو حاکم شرع ان دونوں سے اقرار کرائے گا اگر وہ کہیں کہ انہوں نے اس شخص کے خلاف غلط گواہی دی ہے تو امام ان دونوں کو کٹے ہوئے ہاتھ کی دیت (یا تاوان) ادا کرنے کا ذمہ دار گردانے گا۔ اگر گواہ کہیں کہ ہم نے قصداً اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے تو قصاص میں ان دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ یہ حکم سب سے زیادہ قیاس (قاعدہ) کے مطابق ہے کیونکہ جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک شخص کو قتل کرنے کی پاداش میں دو (مشترکہ) قتل کے مجرموں کو قتل کیا جائے اسی طرح ایک ہاتھ کے بدلے دو ہاتھ کاٹے جائیں۔ ہاتھ کی اہمیت جان سے کم ہے۔ زیادہ اگر جائز ہے تو کم کیوں نہ جائز ہو؟ اس کی دلیل میں وہ روایت پیش کی جاتی ہے جو شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دو اشخاص نے امام علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے۔ امام موصوف نے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا، پھر وہ دونوں گواہ ایک اور شخص کو لائے اور کہنے لگے کہ دراصل چوری اس شخص نے کی تھی اور ہم نے پہلے شخص کے خلاف چوری کی گواہی دینے میں غلطی کی ہے۔ آپ نے دوسرے شخص کے متعلق ان کی گواہی کو تسلیم نہ فرمایا اور انہیں پہلے شخص کے ہاتھ کے بدلے ادائیگی تاوان کا ذمہ دار قرار دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم نے دانستہ کذب بیانی سے کام لیا ہے تو میں تم دونوں کے ہاتھ کٹوا دیتا" اس باب میں یہ حکم واضح ہے۔

اگر ایک شخص اور دو عورتیں کسی کے خلاف چوری کی گواہی دیں تو چوری کرنے والا تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا، اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔

اگر کسی شخص نے حاکم کے سامنے چوری کرنے کا اقرار کیا پھر اپنے اقرار سے پھر گیا، تو جس قدر مال چوری کرنے کا اس نے اقرار کیا اسی قدر مال اس پر واجب الادا ہوگا اور ہاتھ کاٹنے کی سزا عائد نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ اور کوئی حکم نہ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مال کا مالک مجرم کے ہاتھ کاٹے جانے کا مطالبہ کرے اور مال کا مطالبہ نہ کرے تب بھی اس کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ہاتھ کاٹنے کا درست ہونا مطالبۂ مال کے تابع ہے، مال سے دست برداری کی صورت میں ہاتھ کاٹنے کا مطالبہ بھی نہ رہا۔

Marfat.com

حداد (سزا دینے والے جلاد) کی غلطی کا بیان

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر حاکم نے جلاد کو (یعنی جو سزا کو عملی جامہ پہناتا ہے) حکم دیا کہ چوری کرنے کی پاداش میں اس شخص کا دایاں ہاتھ کاٹ دو لیکن اس شخص نے دانستہ یا غلطی سے بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو اس پر تاوان عائد نہ ہوگا البتہ اسے سزا دی جائے گی کہ اپنی سمجھ سے کام لینے میں غلطی کی۔ اور جو کام کوئی شخص اپنی دانست میں صحیح سمجھ کر کرے اور وہ درست نہ ہو تو بالا جماع قابل درگزر ہے اور اس معاملہ میں تو اجتہاد (رائے کو کام میں لانے) کی گنجائش بھی ہے کیونکہ ظاہری نص (الفاظ حکم) میں دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ کی تخصیص نہیں کی گئی۔ اور اس لئے بھی (قابل درگزر ہے) کہ گو جلاد نے واجب العمل کام انجام نہیں دیا لیکن فعل واجب کی بجائے اسی طرح کا ایسا عمل کیا جو مجرم کے حق میں بہتر تھا (یعنی دائیں ہاتھ کی بجائے بائیں ہاتھ کا کاٹنا) اور اس کے بعد جبکہ بایاں ہاتھ کاٹا جا چکا ہاتھ کاٹنے کی مزید سزا نہیں دی جائے گی۔ یہ مجرم کے حق میں اچھا ہوا کیونکہ دائیں ہاتھ میں گرفت کی صلاحیت ہوتی ہے اور اکثر کام اسی سے لیا جاتا ہے لہٰذا (جلاد پر) کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔ اسی بناء پر اگر جلاد کے سوا کسی اور شخص نے (مجرم کا) بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو اس سے تاوان کا مطالبہ نہ ہوگا' خواہ اس نے دانستہ اس کا ہاتھ کاٹا ہو یا غلطی سے کٹ گیا ہو۔ کیونکہ مجرم کا دایاں ہاتھ تو (بہر حال) معرض تلف میں تھا گویا نہ ہونے کے برابر تھا اب اس کی بجائے دوسرا ہاتھ جو کاٹ دیا گیا تو دائیں ہاتھ کو گویا ہمیشہ کے لئے بچا لیا گیا۔

حنفیہ میں سے صاحبین کہتے ہیں کہ اگر جلاد نے غلطی سے بایاں ہاتھ کاٹ دیا' درآنحالیکہ اسے دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم تھا۔ اگر غلطی سے ایسا ہو گیا تو جلاد پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔ لیکن اگر اس نے قصداً (دائیں ہاتھ کی بجائے) بایاں ہاتھ کاٹا تو اس ہاتھ کاٹنے کا تاوان ادا کرنا جلاد پر واجب ہوگا۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر جلاد نے غلطی سے ایسا کیا تب تو اس پر کوئی سزا عائد نہ ہوگی لیکن اگر اس نے حاکم کے اس حکم کے باوجود' کہ دایاں ہاتھ کاٹو' یہ کام کیا تو اس پر قصاص واجب ہے۔ لہٰذا جلاد کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ قیاس (قاعدے) کی بناء پر ہے کہ اگر کسی شخص نے گواہی گزرنے کے بعد ہی سارق (مجرم) کا ہاتھ کاٹ دیا اور ہنوز عدالت کے فیصلہ کے انتظار میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ ہوا ہو بلکہ یہ فیصلہ (ہاتھ کاٹنے کے بعد) ہوا۔ تو اب ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ جس ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوئی تھی اب اس کا موقع ہی نہ رہا (کہ پہلے ہی وہ کٹ گیا) کیونکہ یہ صورت حال ایسی ہی ہے جیسے مال مسروقہ تلف ہو جائے اور چوری کی سزائے قطع ید چور کو مل چکی ہو تو تاوان ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ تاوان کا موقع ہی نہ رہا (اس لئے کہ تلف شدہ مال کی مالیت نہیں لگائی جا سکتی) اسی طرح اگر بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اس کا قصاص جلاد سے نہیں لیا جائے گا اور چور کے دائیں ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

(جلاد کے) اجتہادی غلطی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے اس حکم کے بعد کہ مجرم کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے بدیں خیال جلاد نے بایاں ہاتھ کاٹ دیا کہ (گو حاکم نے دائیں ہاتھ کا حکم دیا ہے لیکن) نص قرآن "فاقطعوا ایدیھما" (یعنی ان کے ہاتھ کاٹ دو) میں تو ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے دائیں بائیں کی صراحت نہیں ہے) لہٰذا اس چوری کی پاداش میں بائیں ہاتھ کو کاٹ دینا کافی ہے

Marfat.com

واضح ہو کہ دائیں بائیں کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کرنا قابل درگزر نہیں ہے کیونکہ ایسی ناسمجھی بعید از قیاس اور قابل الزام ہے۔اسی طرح (پاؤں کو) دوجگہ سے کاٹنا بھی عمداً حکم کی خلاف ورزی ہے۔اور عمداً (یا قصداً) کا مطلب یہ ہے کہ جلاد (دائیں ہاتھ کی بجائے) بائیں ہاتھ کو اپنی دانست میں جائز سمجھ کر نہ کاٹے بلکہ جان بوجھ کر (کہ بائیں ہاتھ کاٹنے کی اجازت نہیں ہے) بایاں ہاتھ کاٹ دے۔

اگر حاکم نے صرف یہ کہا کہ فلاں کا ہاتھ کاٹ دو اور دائیں بائیں کی صراحت نہیں کی اور جلاد نے بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو بالاتفاق وہ بری الذمہ قرار دیا جائے گا اگر دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور جلاد نے حاکم کا حکم لئے بغیر اس شخص کا بایاں پاؤں کاٹ دیا اور ارادہ ایسا کیا تو قصاص واجب ہوگا اور جلاد کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔اگر غلطی سے ایسا کیا تو بالاتفاق تاوان کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا اور مجرم کا دایاں ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

مال مسروقہ کی چوری ہو جانے کا بیان

حنفیہ، حنابلہ اور ایک قول کے مطابق شافعیہ کا کہنا اس بارے میں یہ ہے کہ اگر چوری کرنے والے کو جرم سرقہ کی پاداش میں ہاتھ کاٹنے کی سزا مل چکی ہو اس کے بعد وہ مال مسروقہ کسی نے چرالیا تو اب نہ مجرم اول مطالبہ کرسکتا ہے اور نہ صاحب مال کہ دوسرے چور (مجرم دوم) کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ جب مجرم اول پر (مال مسروقہ کے چوری ہو جانے کے باعث) اس کا تاوان واجب نہ رہا تو اب اسکے حق میں اس کی مالیت کا تعین بھی بیکار ہے۔یہی حال مالک مال کا ہے کہ اسے مطالبہ ءتاوان کا حق نہیں ہے۔جس مال کی چوری کے عوض سارق اول کا ہاتھ کاٹا گیا وہ مال نہ تو تاوان رہا نہ امانت اور نہ ملکیت۔لہٰذا مال مسروقہ غیر محفوظ مال متصور ہوگا۔اور ایسا مال چرانے کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے کیونکہ وہ مال تلف شدہ ہے اور تلف شدہ مال کو اٹھا لینے کی سزا قطع نہیں ہے۔تاہم اگر وہ مال برآمد ہو جائے تو وہ مال نہ سارق اول کو ملے گا اور نہ سارق ثانی کو کہ وہ مال اس سے دستیاب ہوا ہے۔دراصل ان دونوں سے خیانت (بے ایمانی) سرزد ہوئی ہے۔یہ مال دوسرے چور کی طرف سے اس کے اصل مالک کو واپس کر دیا جائے گا بشرطیکہ مالک موجود ہو بصورت دیگر اسے اسی طرح قومی خزانے میں رکھا جائے گا جیسے گم شدہ مال کو رکھا جاتا ہے۔

مالکیہ نیز شافعیہ کے ایک دوسرے قول کے مطابق اگر مالک مال دعویٰ کرے تو سارق ثانی کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ بلاشبہ وہ مال (چوری کی دونوں شرائط) پوری کرتا ہے کہ اس کی مقدار نصاب سرقہ کے مطابق ہے اور مال محفوظ ہے پس مالک مال کے دعویٰ کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔خواہ سارق اول کا ہاتھ کاٹا گیا ہو یا نہ کاٹا گیا ہو۔

اگر یہ صورت ہے کہ کسی سارق کو سزائے قطع ملنے سے پہلے یا شبہ کی بناء پر یا اس کے بری ہو جانے کے بعد اس کا مال مسروقہ کسی نے چرالیا تو سارق اول کے دعویٰ کرنے پر دوسرے سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ مال کی مالیت کو اسی صورت میں نظر انداز کیا جاسکتا ہے جبکہ سزائے قطع ناگزیر ہو اور یہ نہیں ہوا لہٰذا اس کا ہاتھ (سارق کا ہاتھ نہیں بلکہ) غاصب کا ہاتھ تصور کیا جائے گا (یعنی اس کے قبضہ میں جو مال ہے وہ مال مسروقہ نہیں بلکہ مال مغصوبہ متصور ہوگا۔جس کی چوری مستوجب قطع ید ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر حاکم نے (جرم سرقہ کی پاداش میں) کسی شخص کا ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دے دیا اور مالک

Marfat.com

ہے اور ان سے بھی صرف نظر کیا ہے جو اپنے مال کو نقصان دہ اور مضرت رساں نفسانی خواہشات کو پورا کرنے یا معاشرے کو نقصان پہنچانے میں صرف کر دیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے جملہ احکامات خدائے عزیز و حکیم کے مقرر فرمودہ ہیں جو عین مصلحت و حکمت پر مبنی ہیں۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

سرقہ (چوری) یہ ہے کہ پرایا مال خفیہ طور پر حرز[1] (محل محفوظ) سے اٹھالیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ چوری کرنے والے کا خطرہ ہر وقت اور ہر جگہ رہتا ہے کیونکہ چوری کرنے والا اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ہر ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس پر اس مطلب کا حاصل کرنا منحصر ہو۔ چنانچہ گھر میں نقب لگانے، قفل شکنی کرنے اور اگر کوئی شخص اس کی راہ میں حائل ہو یا جو شخص اس کا 'حلیہ' (اور اتا پتا) بتا سکے اسے قتل کرنے میں تامل نہیں کرتا۔ ایسا شخص لوگوں کی زندگی اور ان کے مال اور آبرو کے حق میں سخت

نے وہ مال سارق کو بخش دیا اور اس کو دے دیا یا اس کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہوگی۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ اقدام سرقہ چوری ہے اور حاکم کے نزدیک جرم ثابت ہے اور اس کی پاداش میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم ہو چکا ہے۔ اب اس فعل کے سرقہ ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا لہٰذا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس کا ثبوت وہ روایت ہے جو حضرت صفوانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی بابت جس نے ان کی چادر چرالی تھی (بارگاہ نبوی میں) عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں یہ (قطع ید) نہیں چاہتا۔ میں نے اپنی چادر اس شخص کو بخش دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فھلا قبل ان تاتینی بہ" (یعنی ہیں: اب کہتے ہو میرے سامنے اسے پیش کرنے سے پہلے یہ کیوں نہ کہا؟) اس حدیث کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں " فقطعہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا)۔

حرز (حفاظت) سے کیا مراد ہے؟

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جس مال کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے وہ مال ہے جو حرز (محل حفاظت) سے چرایا گیا ہو جس شے سے مال کے کچھ حصہ کی حفاظت ہو اس شے کو اس پورے مال کے لئے حرز تصور کیا جائے گا۔ پھر مختلف اموال کی حفاظت کے طریقے (یا حرز) اس مال کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا "فاذا آواہ الجرین یعنی البیدر، ففیہ القطع" (یعنی جب پیداوار کو سکھانے کی جگہ (کھلیان) میں لایا جائے تو وہاں سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے) نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لا قطع فی حریسۃ الجبل وما آواہ المراح ففیہ القطع" (یعنی پہاڑ کی گھاٹی سے چوری ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے البتہ باڑے سے جہاں رات کو ریوڑ لایا جاتا ہے چوری ہو جائے تو سزائے قطع ہوگی)۔

Marfat.com

حرز نام ہے اس شے کا جس کے ذریعہ چوروں کی دسترس سے مال کو بچایا جائے اور محافظ اس کے پاس ہو۔ مثلاً کوئی شخص صحرا یا مسجد یا راہ میں ہو اور اس کے پاس مال ہو تو وہ حرز کے اندر (محفوظ) متصور ہوگا۔ خواہ وہ مال اس نے اپنے نیچے دبا کر رکھا ہو یا اپنے پاس رکھ لیا ہو بہرحال اسے لوگ محفوظ ہی خیال کرتے ہیں۔ اگر اس کا مال یا اسباب کوئی شخص چرا لے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

حرز مکانی (یعنی محفوظ جگہ) سے مراد وہ جگہ ہے جو حفاظت کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً اقامت گاہ، گھر، دکان اور صندوق کہ یہ سب چیزیں محافظ ہیں۔ مالک موجود ہو یا نہ ہو اس کے لئے محافظ کے موجود ہونے کی قید نہیں ہے اس کی عدم موجودگی میں بھی وہاں کا مال حرز (حفاظت) کے اندر متصور ہوگا کیونکہ اسے حفاظت ہی کے لئے بنایا گیا ہے۔ البتہ وہاں سے کسی شے کو اٹھانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب تک کہ اسے لے کر باہر نہ آجائے کیونکہ جب تک چور مال کو لے کر وہاں سے نہ نکلے وہ مالک ہی کے قبضہ میں متصور ہوگا۔ لیکن جو مال محافظ کی نگرانی میں ہو اسے اٹھاتے ہی چور مستوجب قطع ہوگا کیونکہ اس صورت میں چور کے اٹھاتے ہی محافظ کے قبضہ سے وہ مال نکل جاتا ہے۔ اس کو پورے طور پر ارتکاب سرقہ قرار دیا جائے گا۔ اگر گھر کا دروازہ کھلا پڑا ہو اور دن کے وقت چور اس کے اندر داخل ہو کر سامان اٹھا لے جائے تو اسے قطع ید کی سزا نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ کام اس نے چوری سے نہیں کیا بلکہ دشمنی سے کیا ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ ہاں اگر رات کو اندر جا کر مال اٹھایا تو سزائے قطع کا مستوجب ہے کیونکہ وہ جگہ حفاظت ہی کے لئے تھی۔ مغرب اور عشاء کے درمیان جبکہ لوگ چل پھر رہے ہوں گھر میں داخل ہونا دن میں داخل ہونے کے برابر ہے

اگر مالک خانہ چور کو جانتا ہو اور چور کو اس کا علم نہ ہو یا اس کے برعکس (چور مالک کو جانتا ہو لیکن مالک کو اس کا علم نہ ہو) تو چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ سرقہ کا ارتکاب چھپ کر کیا گیا۔ لیکن اگر مالک اور سارق دونوں کو علم ہو تو (چوری نہیں بلکہ) عداوت کی بناء پر یہ کام ہوا ہے لہذا ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔ اگر کسی نے رات کے وقت حمام میں چوری کی تو سزائے قطع ملے گی لیکن وہاں دن میں چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہاں داخلہ کی عام اجازت ہوتی ہے (جائے محفوظ نہیں ہے) باربردار جانور کی پیٹھ لدے ہوئے مال کی محافظ ہے اور دکانوں کے اردگرد کا (بیرونی حصہ) جہاں فروخت کا مال رکھا جاتا ہے وہ بھی حرز (جائے محفوظ) ہے اگرچہ وہ دکان نہیں ہے۔ اب خواہ وہاں پر مالک موجود ہو یا نہ ہو اور خواہ چوری دن کے وقت ہو یا رات کو ہو' یہی حکم اس جگہ کا ہے جہاں پر بازار میں پھیری لگا کر مال بیچنے والے اپنی اپنی ریڑھیاں (یا گاڑیاں کھڑی کردیتے ہیں یا بازار میں جہاں پر جانوروں کو کھڑا کیا جاتا ہے خواہ وہ جانور وہاں پر بندھے ہوئے ہوں یا بندھے نہ ہوں' انہیں بہرحال حرز میں (محفوظ) مانا جائے گا۔ نیز وہ جانور جنہیں کھیت یا میدان میں باندھ دیا جائے۔ وہی جگہ حرز (جائے محفوظ) ہے خواہ مالک موجود ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی جانور مسجد کے دروازے پر یا بازار میں ہو تو جب تک کہ اس کا پاسبان نہ ہو اسے غیر محفوظ تصور کیا جائے گا۔ اگر کسی نے اپنے جانور کو مکان کے آگے میدان میں باندھ دیا یا وہاں کوئی جگہ باندھنے کے لئے بنالی ہے تو وہ جگہ حرز (مکان محفوظ) متصور ہوگی۔

اگر کسی شخص نے اصطبل سے موتی چرایا تو اسے سزائے قطع نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ جگہ موتی کے لئے حرز (جائے محفوظ) نہیں ہے۔

Marfat.com

کشتی کے سامان کے لئے کشتی ہی حرز ہے۔ اگر کسی نے کشتی کو چرالیا تو یہ چوری باربردار جانور کی چوری کی مانند ہے۔ اگر کشتی کو یوں ہی چھوڑ رکھا ہو تو وہ محفوظ متصور نہ ہوگی۔ البتہ اگر مالک نے اسے باندھ کر اس جگہ لنگر انداز کر رکھا ہو۔ تو یہ بندش یا لنگر اس کا حرز (حفاظت ہے) اگر کوئی شخص کشتی کے ساتھ رہتا ہے تو وہی اس کا محافظ ہے۔ جیسے مسجد کے دروازے پر کوئی جانور اپنے چوپان کے ساتھ ہو۔ اگر کسی بکری کی پیٹھ پر سے کپڑا چوری ہو تو اس کی سزا قطع نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی پیٹھ (باربرداری) کے جانور کی طرح حرز نہیں ہے۔ سوا اس صورت کے جبکہ سفر میں اس سے بھی کام لیا جارہا ہے (تو وہ حرز ہے) خواہ مالک موجود ہو یا نہ ہو۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مختلف مالوں اور مال کی ماہیت کے پیش نظر ان کے حرز (حفاظت) کے مختلف طریقے ہیں اور اس بارے میں ان کے مروجہ طریقوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ اس کے لئے لغت یا شریعت کی رُو سے کوئی خاص قاعدہ تحفظ مذکور نہیں ہے۔ مال کی نوعیت اور اس کی قدر و قیمت کے لحاظ سے اس کے تحفظ کی مختلف صورتیں ہیں پھر مختلف شہروں کی، خصوصیات پھر بادشاہ (یا حکومت) کے عادل و جابر ہونے پر بھی (طریق تحفظ مال کا) انحصار ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں عوام اور ان کے رسم و رواج ہی کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ پس گھر اور دکانیں اور جانوروں کے باندھنے کی جگہ (یا تھان) ان کے لئے حرز (جائے حفاظت) ہیں۔ اسی طرح جانوروں کی پیٹھ یا موٹر گاڑیاں لدے ہوئے مال اور ظروف وغیرہ کے لئے حفاظت کی چیزیں ہیں۔ انسان کا جسم لباس یا جو کچھ اس کے پاس ہے سب کے لئے حرز (محافظ) ہے۔ خواہ وہ سو رہا ہو یا بیدار ہو، اور بچے نے جو زیور وغیرہ پہن رکھا ہے، اگر اس بچہ کا کوئی محافظ نہیں ہے جو مویشیوں کی طرح اس کی دیکھ بھال کرتا ہو تو اس کی چوری پر سزائے قطع نہ ہوگی۔

ہوسٹلوں اور ہوٹلوں میں چوری کرنے کا بیان

ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک ہی عمارت جہاں مختلف اشخاص اپنے اپنے کمروں یا (حجروں) میں جُدا جُدا رہتے ہیں مثلاً سرائے، ہوٹل اور دارالعلوم کی متعلقہ اقامت گاہیں (بورڈنگ) اگر کسی کے کمرے سے جس کا دروازہ بند ہو کوئی شخص چوری کرلے تو وہ سزائے قطع کا مستوجب ہے بشرطیکہ مال مسروقہ لے کر باہر آگیا ہو۔ خواہ وہ سامان لے کر اپنے گھر یا اس عمارت سے باہر نہ آیا ہو۔ کیونکہ مال مسروقہ لے کر (کمرے کے باہر) عمارت کے صحن میں آجانا ایسا ہی ہے جیسے عام گزرگاہ پر آجانا۔ چنانچہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص عمارت کے صحن میں سے کوئی شے چرائے۔ اگر مال مسروقہ اپنے گھر میں لے آئے یا عمارت سے باہر لے جائے۔ کیونکہ (ایسی عمارتوں کے) صحن یا بیہڑے میں عام راستوں کی طرح ہر شخص کو خرید و فروخت (کاروبار) کی اجازت ہوتی ہے۔ (پس وہ مستوجب حد چوری نہیں ہے) بجز اس صورت کے جبکہ وہاں پر کوئی مویشی بندھا ہوا ہو یا اسی طرح کی کوئی چیز اور مثلاً سائیکل وغیرہ ہو (تو ان کی چوری مستوجب قطع ہے)۔

چاروں ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ گھر کے دروازے کا بند ہونا حرز (تحفظ) ہے اور کپڑے، نقدی اور جواہرات کا حرز قفل زدہ صندوق ہیں۔ اموال تجارت کی محافظ مقفل دکانیں ہیں۔ اور رات کے وقت حفاظت کرنے والا شخص 'حرز' ہے۔ قیمتی مویشیوں کی جائے محفوظ اصطبل ہے اور گھر کے برتن بھانڈے اور استعمال کے کپڑوں کی جائے حفاظت گھر کا اندرونی اور ملحقہ حصہ ہے۔

Marfat.com

مشترکہ رہائش کے مکان میں چوری ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ اور دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ مشترکہ بود و باش والے مکان میں سے چوری ہو جائے تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا بشرطیکہ چور نے مال کو اس جگہ سے جہاں پر تھا باہر نکال لیا ہو کیونکہ وہ جگہ مال کی جائے حفاظت تھی۔

حنفیہ میں سے صاحبین کا کہنا ہے کہ جب تک مال مسروقہ اس پورے مکان سے باہر نہ نکال لیا جائے چوری کرنے والے کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ اس مکان میں سب کو آنے کی اجازت ہے اور اس لئے بھی کہ وہ مکان تمام کمروں سمیت (بحیثیت مجموعی) ایک ہی حرز (جائے حفاظت) ہے۔ لہٰذا سزائے قطع اس وقت واجب ہے جبکہ مال مسروقہ اس پورے مکان (مشترکہ) سے باہر لے جایا جائے۔

دکان کی چوری کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر عطار یا سبزی فروش وغیرہ اشیائے فروخت کو اکٹھا کر کے دکان کے دروازے پر نمائش کے لئے رکھ کر باندھ دیں یا اس پر کوئی جالی ڈھک دیں یا دروازوں کے پٹ بھیڑ دیں تو دن کے وقت یہ سب باتیں حرز (تحفظ) قرار پائیں گی کیونکہ اس طرح کرنے سے وہ مال پڑوسیوں اور ادھر سے گزرنے والوں کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ اگر کوئی چور وہاں چوری کرنے کا ارادہ کرے گا تو انہیں خبر ہو جائے گی لیکن اگر ان حفاظتی اقدامات میں سے کچھ بھی نہیں کیا گیا اور مال کو کھلا چھوڑ دیا یا دروازہ کھلا رکھا تو (وہاں سے چوری ہو جانے پر) چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس صورت میں وہ مال محفوظ متصور نہ ہوگا۔ تاہم رات کے وقت (یہ کافی نہیں ہے) بلکہ چوکیدار وہاں پر رہے تب اس مال کو محفوظ مانا جائے گا۔ اگر دکان میں کوئی ایسا موکھا ہے کہ جس میں ہاتھ ڈال کر کوئی چوری کرے اور وہاں کوئی محافظ بھی نہ ہو تو سزائے قطع دی جائے گی۔ ترکاری قسم کی اشیاء مثلاً مولی، گندنا اور ککڑی وغیرہ کو اکھٹا کر کے باندھنے کے بعد دکان کے باہر رکھ دیا جائے اور اس پر چٹائی وغیرہ ڈال دی جائے اور کوئی نگہبان ہو تو وہ حرز (حفاظت) ہے۔

شادی وغیرہ کی تقریبات میں سجاوٹ کی قیمتی اشیاء جو زیبائش کے لئے ہوتی ہیں دکانوں میں رکھی جائیں اور انہیں پلاسٹک وغیرہ سے ڈھک دیا جائے یا برقی قمقمے جو تقریبات شادی میں دکانوں اور مکانوں کے دروازوں پر لگائے جاتے ہیں ان کا نگہبان ہو تو محفوظ قرار دیا جائے گا یا پھر بازار والوں (دکانداروں) کا یہ طریقہ ہو کہ وہ باہم ایک دوسرے کا خیال رکھیں (تب بھی یہ اشیاء حفاظت میں متصور ہوں گی) لیکن عام راتوں میں ایسا نہیں ہے (یعنی جب تک نگہبان نہ ہو انہیں محفوظ قرار نہ دیا جائے گا)۔ سلے سلائے کپڑے جو دھوبیوں (یا ڈرائی کلینروں) کی دکان پر نمائش کے لئے رکھے جاتے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے عطار (یا غازہ فروش) کا مال جو دکانوں کے دروازوں پر نمائش کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

سبزی فروش کی دکان جس کا دروازہ مقفل ہو وہ محفوظ مانا جائے گا اور جوہریوں (یا صرافوں) کا سونا، چاندی اور تجارت کی گھڑیاں وغیرہ بیش بہا اشیاء جو فروخت کے لئے دکانوں کے نمائشی خانوں میں رکھے رہتے ہیں وہ بھی حرز میں ہیں۔ خواہ دن ہو یا رات۔ اگرچہ ان کا کوئی محافظ نہ ہو لیکن امن کا زمانہ ہو۔ (فتنہ و فساد کے عہد میں انہیں محفوظ تصور نہیں کیا جائے گا)۔ ایسی دکان میں جو کھلی ہو اور عام طور پر اس میں لوگ جا سکتے ہوں اگر چوری ہو جائے تو چور کو سزائے قطع نہیں دی

Marfat.com

جائے گی۔ یہی حکم فتنہ وفساد کے ایام میں بند دکان سے چوری ہونے کا ہے۔

بیج اور پیداوار کے لئے اراضی کاشت ہی کو بالعموم حرز (محافظ) تصور کیا جائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر نگہبان نہ ہو تو اسے محفوظ نہ مانا جائے گا۔ باڑ کی دیوار پھلوں کے لئے حرز (سامان حفاظت) نہیں ہے جب تک کہ اس کا کوئی محافظ نہ ہو اور گو پھل (اتارے ہوئے نہ ہوں بلکہ) درختوں پر ہوں۔ تاہم اگر قرب وجوار کے لوگ عام طور پر اس کی دیکھ بھال کرتے ہوں تو اسے محفوظ مانا جائے گا۔ ہاں مکان کے 'لان' میں جو درخت ہیں وہ بغیر محافظ کے بھی حرز (حفاظت) میں ہیں۔ بخلاف ان درختوں کے جو عوامی علاقہ میں ہیں۔

برف خانوں کی برف' سردخانوں کی اشیاء' درختوں میں لگے ہوئے انجیر' خرمن میں گندم' کھڈوں میں دبایا ہوا لوبیا۔ یہ تمام اشیاء غیر محفوظ ہیں جب تک کہ ان کا کوئی نگہبان نہ ہو۔

گھر کے دروازے' اس کے کمرے اور دکانیں جن کے دروازوں میں قفل کنڈیاں ہوں اور جنہیں بھیڑ کر محفوظ کیا جا سکے۔ یہ سب حرز (حفاظت) کی اشیاء ہیں۔ خواہ دروازہ کھلا ہو یا کمروں اور دکانوں میں کوئی (محافظ) نہ ہو۔ اسی طرح گھر کے چھپر' پتھر کی سلیاں تیز اصطبل ان قیمتی جانوروں وغیرہ کے لئے 'حرز' ہیں جو ان میں ہوں بشرطیکہ یہ مکان سے ملحق ہوں۔ اگر دور میدان میں ہوں تو ان کو جائے محفوظ قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ ان کے لئے کوئی قوی نگہبان نہ ہو جو دیکھ بھال کر سکے۔

جلد خراب ہو جانے والی اشیاء کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ جو اشیاء جلدی خراب ہو جاتی ہیں۔ مثلاً دودھ' گوشت اور تازہ پھل وغیرہ۔ ان کی چوری کرنے والے کو سزائے قطع نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لاقطع فی ثمر ولا کثر" (یعنی پھل اور پنیر خرما کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے) بمعنی جمارا☆ اسے 'ودی' ☆☆ بھی کہتے ہیں نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لاقطع فی الطعام" (یعنی کھانے پینے کے کام میں آنے والی اشیاء کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے) بظاہر اس سے مراد ایسی اشیائے خوردنی ہیں جو خراب ہو جاتی ہیں۔ جیسے روٹی' گوشت کھجور اور تازہ پھل۔ دانہ گندم اور شکر کی چوری میں بالاتفاق ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ بشرطیکہ قحط اور ایام قحط نہ ہوں کہ لوگ بھوکے مر رہے ہوں۔ ان حالات میں چوری مستوجب قطع نہیں ہے خواہ چوری کی چیز جلد خراب ہو جانے والی شے ہو یا نہ ہو۔

شافعیہ' مالکیہ' حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف" کہتے ہیں کہ جلد خراب ہو جانے والی اشیاء کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ بشرطیکہ مسروقہ شے کی مالیت اتنی ہو جس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے تاکہ بندوں کے حقوق کی ذمہ داری پوری ہو سکے اور اس لئے بھی کہ سب کے نزدیک ایسی اشیاء کو بھی مالیت والی اشیاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان اصحاب کے مسلک کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لٹکی ہوئی (یا درخت میں لگی ہوئی) کھجوروں کی چوری کی بابت دریافت کیا گیا۔ ارشاد فرمایا "من اصاب بفیہ من ذی حاجۃ غیر متخذ 'خبنۃ' ☆ فلاشیء علیہ' ومن خرج بشیء فعلیہ غرامۃ مثلیہ والعقوبۃ' ومن سرق منہ

☆ 'کثر' یا جمار درخت کی چربی (یعنی مدھ) کو کہتے ہیں یہ ایک سفید مادہ ہے جو درخت خرچ کی پھننگ سے نکلتا ہے (تمالیا پنیر خرما)۔
☆☆ 'وادی' کے معنے 'صفاء النحل' کے ہیں۔ یعنی شہد کی مکھی کا نتھرا ہوا شیرہ' واللہ اعلم بالصواب
☆☆☆ 'خبنۃ' وہ مقدار ہے جو کوئی اپنی آغوش میں لے سکے۔

Marfat.com

شیئا بعد ان یؤ ویه الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیه القطع" ابوداؤد والنسائی۔ (یعنی اہل حاجت سے بچا ہوا کچھ پھل۔ دامن بھر کر نہیں۔ کوئی لے لے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر اسے لے کر چلا جائے تو اس کا دگنا تاوان دے اور سزا الگ رہی۔ اور جب کھجوروں کو سکھانے کے لئے جرین یا کھتی) میں لا کر رکھا جائے اور وہاں سے اتنی مقدار میں چوری ہو کہ اس کی مالیت مجن کی قیمت کے برابر یعنی تین درہم ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب دزدی کی بابت جو حریسہ (محفوظ چراگاہ) سے چوری کر کے لے جائے' دریافت کیا تو فرمایا "فیها ثمنها مرتین' وضرب' و نکال' وما اخذ من اجرانه ففیه القطع" بروایت احمد ونسائی۔ (یعنی ایسی صورت میں مال کی مالیت کا دگنا تاوان اور سزائے ضرب اور سخت سرزنش ہے۔ لیکن ان کھیتوں سے جہاں کھجور کو سکھاتے ہیں چوری کی جائے تو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی)۔ اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

"ماتری فی التمر المعلق؟فقال: لیس فی شیء من التمر المعلق قطع الا ما آواه الجرین' فما اخذ من الجرین فبلغ ثمن المجن ففیه القطع' ومالم یبلغ ثمن المجن ففیه غرامه مثلیه' و جلدات' ونکال" (یعنی عرض کیا گیا کہ) لٹکی ہوئی کھجوروں کی بابت جہاں ہاتھ پہنچ سکتا ہے' آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا اس کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن اگر کھجور کو 'جرین' یا خشک کرنے کی جگہ پر لایا گیا اور وہاں سے اٹھایا گیا اور اس کی مقدار "مجن" قیمت کے برابر (یعنی تین درہم) ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر مجن کی مالیت کے برابر نہ ہو تو اس سے دگنی مقدار میں تاوان دے اور اسے سزائے ضرب و سرزنش دی جائے)۔ یہ الفاظ حاکم کی روایت کے ہیں۔ جرین اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں خشک کرنے کے لئے کھجور کو ڈالا جاتا ہے اس کی جمع جرن ہے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کھجور میں جب (خشک کرنے کی جگہ پر) لائی جائے گی تو تازہ (گیلی) ہوگی اور پھر وہاں پر سوکھ کر خشک ہو جائے گی (مطلب یہ ہے کہ تر کھجور کی چوری بھی مستوجب حد ہو سکتی ہے)۔ ایک روایت میں ہے "ان سارقاً سرق اترجة فی زمن عثمان بن عفان فامر بها عثمان ان تقوم فقومت بثلاث دراهم فقطع عثمان یده" (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص نے لیموؤں کی چوری کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کی قیمت لگائی جائے۔ اس کی قیمت تین درہم لگائی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی)۔

(ان تمام باتوں کا) جواب یہ ہے کہ یہ (مسلک) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمومی ارشاد کے منافی ہے "لاقطع فی ثمر' ولا کثر" (یعنی پھل اور کثر (پنیر خرما) کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا) اور رسول اللہ کا ارشاد ہے "لا قطع فی الطعام" (یعنی اشیائے خوردنی کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا) اور وہ جو روایت ہے کہ ایک لڑکے نے باڑ کی دیوار کے اندر سے 'ودی' (گوند یا پنیر خرما) کی چوری کی اس کے خلاف 'مروان' کے سامنے دعویٰ ہوا اس نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس پر رافع بن خدیج نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "لاقطع فی ثمر' ولا کثر" (کہ پھل اور پنیر خرما کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے) اس حدیث کی صحت کو تمام امت نے تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا تر کھجور جو 'جرین' میں ہو اس کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دینا اس ارشاد کے خلاف ہے اور شرعی سزاؤں کے بارے میں ایسے پہلو کو ملحوظ رکھنا واجب ہے جو سزا سے بچا سکے اور سزا نہ دی جائے۔ پھر ایک امر یہ ہے کہ سابق الذکر مسلک کا اختیار کرنا ظاہر حکم کے خلاف عمل کرنا ہے کہ مال مسروقہ کا تاوان دگنی مالیت کا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ امام احمد سے ایسا ہی منقول ہے لیکن علمائے امت اس کے خلاف ہیں کیونکہ کسی شخص کا قول کتاب اللہ سے ثابت شدہ حکم کے برابر قوی نہیں

Marfat.com

ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" (یعنی اگر کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو تم اس کے ساتھ بس اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی اس نے کی ہے) پس ایسی بات (جو حکم خدا سے متعارض ہو) کی نسبت رسول اللہؐ سے درست نہیں ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی حسین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا قطع فی ثمر معلق، ولا فی حریسة جبل" (۱) (یعنی درخت کے معلق پھل کی چوری اور پہاڑ کے حریسہ (گھاٹی) میں چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا)۔

حنفیہ کہتے ہیں معمولی سی چیز جس کا اٹھا لینا دارالسلام میں جائز سمجھا جاتا ہے ان کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے۔ مثلاً لکڑی، گھاس، بانس، مچھلی، پرندہ اور شکار۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ "کانت الید لا تقطع علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الشیء التافه" (یعنی عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اشیائے تافہ (معمولی اشیاء) کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا) 'تافہ' کے معنے 'حقیر شے' کے ہیں اور ہر ایسی شے جسے غیر مصنوع حالت میں لے لینا جائز ہو اور لوگ اس کے خواہش مند نہ ہوں، حقیر ہے۔ ایسی اشیاء بہت کم لوگوں کو مطلوب ہوتی ہیں اور اسے بچا کر رکھنے کی پروا نہیں کی جاتی یہاں تک کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی اسے اٹھا لے جائے تو اس کے مالک کو ناگوار گزرے اور اس میں خیانت کا تصور نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی اس میں بخل کرے تو اسے تنگ دل خیال کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی اشیاء کی چوری کے بارے میں شرعی (قانونی) سرزنش کی ضرورت نہیں ہے نیز ایسی اشیاء کا تحفظ ناقص ہے۔ چنانچہ پرندہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اڑ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے حصول کی کوشش بہت کم کی جاتی ہے۔ اسی طرح شکار سب کی مشترکہ چیز ہوتی ہے جب تک اسے محفوظ نہ کر لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الصید لمن اخذه" (یعنی شکار کا مالک وہ ہے جو اسے پکڑ لے) نیز حضور ﷺ نے فرمایا "الناس شرکاء فی ثلاثة فی الکلاء، والماء، والنار" (یعنی تین اشیاء میں تمام لوگ شریک ہیں۔ گھاس، پانی اور آگ) چونکہ ان اشیاء میں عوام کو شریک قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگر وہ زیر حفاظت ہوں تب بھی ملکیت کا شبہ رہتا ہے اور شبہ جرم کی صورت میں سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ مچھلی میں مالح اور طری (یعنی نمک پاشیدہ اور تازہ) دونوں طرح کی مچھلیاں داخل ہیں اور پرندوں میں ہر طرح کے پرندے بشمول مرغ، بطخ اور کبوتر داخل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "لا قطع فی الطیر" (یعنی پرندے کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے)۔

شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور ابو یوسف منجملہ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر شے جس کو محفوظ قرار دیا جائے اور مسروقہ شے کی مقدار نصاب سرقہ کو پورا کرے تو سزائے قطع واجب ہو گی۔ اس حکم سے پانی، مٹی، گارا، روڑی، آلات موسیقی اور شراب مستثنیٰ ہیں انکے علاوہ تمام اشیاء جن کی مالیت ہوتی ہے اور زیر حفاظت ہوں، تو ان کا حکم مختلف ہو گا۔ اور ان کی عمومی اباحت ملکیت میں آنے اور زیر حفاظت ہونے کے بعد جاتی رہے گی۔ اس کی بابت کتاب وسنت کا حکم عمومیت کا حامل ہے اور کسی شے کے بنیادی طور پر مباح ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہی حکم بھوسے اور لکڑی وغیرہ اشیاء کا ہے کہ دراصل وہ سب کے لئے مباح ہوں گی لیکن اگر زیر حفاظت ہوں تو سب کے لئے مباح نہ رہیں گی۔

(۱) کہتے ہیں حریسہ وہ چراگاہ ہے جس کا محافظ ہو اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حریسہ وہ جانور ہے جسے اپنے ٹھکانے پر پہنچتے پہنچتے رات پڑ جائے۔

Marfat.com

درخت میں لگی ہوئی کھجوروں کی چوری کا بیان

شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ درخت میں لٹکے ہوئے پھل اور کھڑی فصل (جو ہنوز کاٹی نہ گئی ہو) میں سے چوری کرنے پر سزائے قطع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غیر محفوظ ہے۔ یہی حکم 'جمار' (پنیر خرما) کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' "لا قطع فی ثمر ولا کثر" یعنی پھل اور پنیر خرما کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا)۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ثمر سے مراد وہ پھل ہے جو درخت خرما پر لگا ہوا ہو اور 'کثر' سے مراد 'جمار' ہے۔ (اس سے مراد غالباً وہ سفید مادہ ہے جو خرما کے گچھے سے نکلتا ہے۔ اور اسے پنیر خرما کہتے ہیں) نیز یہ بھی حضور کا ارشاد ہے "لا قطع فی الثمار" (یعنی پھلوں کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے) نیز ابوداؤد نے احادیث مرسلہ کے زمرہ میں حضرت جریر بن حازم اور انہوں نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انی لا اقطع فی الطعام" (یعنی میں اشیائے خوردنی کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دیتا)۔ عبدالحق نے بھی اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی علت اس کے سوا نہیں بتائی، کہ یہ حدیث مرسل (سے ثابت) ہے۔ ان فقہاء کے نزدیک یہ کوئی علت نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ درخت میں لگے ہوئے پھل کی چوری مستوجب قطع ہے۔ بشرطیکہ وہ زیر حفاظت ہو)۔ کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے (درختوں میں) چھپے ہوئے پھلوں کی چوری میں سزائے قطع دی ہے۔ صحابہؓ نے اس سے اتفاق فرمایا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ مالیت رکھتا ہے۔ اسی طرح تازہ پھل کی چوری بھی' بایں لحاظ کہ وہ مال ہے (مستوجب قطع ہے) بشرطیکہ وہ حرز (حفاظت) میں ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (مسروقہ) پھل کی دگنی قیمت لگائی جائے۔ باقی تینوں ائمہ فقہ کا کہنا ہے کہ صرف پھل کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر تازہ پھل غیر محفوظ ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے لیکن اگر پھل گھر کے اندر ہو یا حفاظت میں ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

حرام مشروبات کی چوری کا بیان

ائمہ فقہ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ نشہ آور مشروبات مثلاً شراب، نبیذ، اور سرکہ وغیرہ کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے کیونکہ چوری کرنے والا (اپنے فعل کی) یہ توجیہ کر سکتا ہے کہ اس نے تلف کرنے کے ارادہ سے اٹھایا تھا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان میں ایسی بھی بعض چیزیں ہیں جن کی کوئی مالیت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مال ہی نہیں ہے۔ لہٰذا سزائے قطع نہ ہوگی۔ اور وہ مال جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے مثلاً سور، مردار جانور کی کھال جو غیر مدبوغ ہو (یعنی کمائی ہوئی یا رنگی ہوئی نہ ہو) یا موسیقی کے آلات (یعنی باجا وغیرہ) خواہ مشرک کا مال ہو اور گو ٹوٹ پھوٹ جانے کے بعد اس کی مالیت مقدار مال سرقہ کے برابر ہو جائے۔ ان اشیاء کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے۔ کتے کی چوری میں بھی اگرچہ وہ سدھایا ہوا یا حفاظت کے لیے رکھا گیا ہو، ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو مال میں شمار نہیں کیا جاتا۔ قربانی کا جانور اگر ذبح ہونے سے پہلے چوری ہو تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن ذبح ہونے کے بعد (گوشت کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے کیونکہ ذبح ہونے کے بعد وہ (قربانی کا) جانور مالک کی ملکیت سے خارج ہو کر اللہ کی ملکیت ہو جائے گا لیکن اگر قربانی کے گوشت یا اس کی کھال کو بطور صدقہ کسی محتاج کو یا عطیہ کے طور پر کسی شخص کو دے دیا گیا اور پھر

Marfat.com

اسے کسی نے چرالیا تو اسے سزائے قطع ہوگی۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے شراب یا سور کی چوری کی تو وہ اس کی قیمت کی ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہوگا کیونکہ اسے مال تصور نہیں کیا جاتا خواہ اس کا مالک مسلمان ہو یا کافر۔ اسے مال قرار دیئے جانے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ چوری کرنے والا اپنے عمل کی توجیہ یوں کرے کہ اس نے اسے تلف کرنے کے لیے چرایا ہو۔ اس طرح یہ جرم مشکوک ہو جائے گا کیونکہ ممنوع اشیاء کا تلف کر دینا روا ہے۔ یہ ایسی شے ہے کہ اس کی کوئی مالیت نہیں لگائی جاتی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر شراب یا سور کا مالک ذمی (اسلامی حکومت کی کافر رعایا) ہو اور مسروقہ شے ہنوز چوری کرنے والے کے پاس ہے تو اسے واپس کر دے۔ اور اس کی قیمت بطور تاوان ادا کرے۔ ہاں مسلمان کی چیز ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں۔ کہ موسیقی کے آلات (باجا وغیرہ) کی چوری میں نہ سزائے قطع ہے اور نہ اس کا تاوان ہے۔ خواہ (مال مسروقہ) کسی مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا کیونکہ اس کی کوئی مالیت قرار نہیں دی گئی اور اس کی حفاظت یا استعمال ممنوع ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ آلات طرب (یعنی گانے بجانے کے آلات) کا کوئی تاوان نہیں ہے درآنحالیکہ اسے عیاشی یا فضولیات میں استعمال کیا جاتا ہو۔ لیکن اگر ان آلات اور باجے گاجے کو لہو (فضولیات) میں استعمال نہیں کیا جاتا تو اس کے مالک کو اس کی مالیت کے برابر تاوان دینا ہوگا۔ کیونکہ وہ آلات جس چیز سے بنے ہیں ان اشیاء کا استعمال روا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر وہ آلات ایسی اشیاء کے ہوں جن کا حاصل کرنا اور خرید و فروخت کرنا جائز ہے اور پھر اس شے سے ایسی چیز بنائی جائے جس کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً طنبورہ، باجا، سارنگی یا ساز وغیرہ ایسی اشیاء جو لہو ولعب کا سامان (یعنی اللہ سے غافل کرنے والے) ہیں تو دیکھنا چاہیے کہ اگر اس کی موجودہ صورت کو توڑ پھوڑ کر ناکارہ کر دیا جائے اور اس کی مالیت ایک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ یہی حکم سونے چاندی کے برتنوں کا ہے جس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ ایسے (مسروقہ) برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر صرف اس کے سونے یا چاندی کی مالیت جس میں اجرت ساخت شامل نہ ہو لگائی جائے گی۔ اسی طرح سونے چاندی کی بنی ہوئی صلیب یا ناپاک تیل جس کی مالیت ناپاک ہونے کے بعد بھی مال سرقہ کے نصاب کے برابر ہو جائے تو اس کی چوری پر سزائے قطع دی جائے گی۔ اگر اتنی مالیت نہ ہو تو سزائے قطع نہیں دی جائے گی۔ یہی حکم نرد، شطرنج اور آلات قمار بازی کی چوری کا ہے۔

قرآن مجید اور علمی کتابوں کی چوری کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ قرآن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے۔ خواہ اس کی قیمت مقدار نصاب سرقہ کے برابر ہو اور گو محلی بالذہب ہو (یعنی مطلاّ ہو اور اس پر سونے کا کام ہوا ہو) کیونکہ چور اپنے فعل کی یہ توجیہ کر سکتا ہے کہ وہ اسے تلاوت کے لیے لایا ہے نیز اس لیے بھی کہ قرآن کی حفاظت اس کی تحریر (یعنی متن مکتوبہ) کے لیے ہے اور متن کی مالیت

Marfat.com

نہیں ہوتی باقی اشیاء: جلد، ورق اور غلاف (یا زیب وزینت کی اشیاء) وہ اس کے ساتھ کی اشیاء (بالائی لوازمات) ہیں جن کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ اس مسئلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ جب شے مسروقہ مشتمل ہو واجب القطع اور غیر واجب القطع اجزاء پر تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ اس صورت میں سزائے قطع کے واجب ہونے اور نہ ہونے دونوں باتوں کا امکان ہے۔ لہٰذا ارتکاب جرم مشتبہ ہو گیا (اور شبہ کا فائدہ ملزم کو ملتا ہے۔ لہٰذا سزا نہ ہوگی) اس طرح علمی اور دینی کتابوں کی چوری میں بھی سزائے قطع نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس شخص نے چوری نہیں کی بلکہ پڑھنے کے لیے اٹھالایا ہے۔ یعنی اس فعل کا مقصد حصول علم ہے جو اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مال نہیں ہے جسے چرایا جاسکے۔ ہاں اگر کسی نے جلد اور غیر مکتوبہ اوراق کو (لکھے جانے سے پہلے) چرایا تو سزائے قطع عائد ہوگی۔ کیونکہ یہ مالیت والی شے ہے۔ رہا شعر اور ادب اور حساب (یا ریاضی) کی کتابیں یا دفتر سو دیکھنا چاہیے کہ اس کتاب کی جلد اور کاغذ جو اس میں لگے ہیں اگر ان کی مالیت نصاب مال سرقہ مستوجب سزا کے برابر ہے تب تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی ورنہ نہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید، شرعی کتب اور متعلقہ اشیاء کی چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے۔ کیونکہ یہ بھی مال ہے اس کی خرید وفروخت اور تجارت ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کی جاتی ہے یہی حکم شعر اور مفید ادبی کتب کا ہے۔ ہاں اگر وہ کتاب جائز فائدہ کی نہ ہو تب اس کی جلد اور اوراق کی مالیت کو دیکھا جائے گا اگر اس کی مالیت مقدار مال سرقہ کے برابر ہو تو سزائے قطع دی جائے، ورنہ نہیں۔ ابوثور، ابن قاسم اور ابن منذر بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ اس کو مال قرار دیا گیا ہے۔ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر قرآن مجید مطلّٰی ہو اور اس کی مالیت سرقہ کا نصاب پورا کرتی ہو تو اس کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہ اشیاء قرآن میں داخل نہیں ہیں۔

کفن چور کا بیان

اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا مردے کی قبر کفن کا 'حرز' (جائے حفاظت) ہے یا نہیں؟

حنفیہ کہتے ہیں کہ قبر تو کفن کے علاوہ کسی بھی شے کے لیے 'حرز' نہیں ہے تو کفن کے لیے بھی 'حرز' نہیں ہے۔ لہٰذا کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ قبر غیر محفوظ اور معرض تلف (یعنی ضائع ہونے کی جگہ) ہے اور چوری کرنے والا ایسا مال اٹھاتا ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اوزاعی، مکحول اور زہری بھی یہی کہتے ہیں کہ 'قبر ویرانے میں ایک گڑھا ہے، جہاں سے رات دن ہر شخص کو گزرنے کی اجازت ہے نہ اس میں کوئی دروازہ ہوتا ہے اور نہ کوئی اس کا محافظ ہے جو اس کی دیکھ بھال کرے۔ پس اس کو محفوظ کہہ دینا محض کہنے کی بات ہے۔ کوئی حقیقت نہیں ہے اور ایسا کہنا منع ہے۔ پس اگر کوئی شے حفاظت میں نہیں ہے تو اسے ضائع کرنے کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ میت کی ضرورت میں صرف نہ ہو اور اسے کام میں لایا جائے تو اسے ضائع کرنا نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا اس پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ (ضائع کیا گیا) تو کم از کم اس کا محفوظ قرار دینا مشتبہ ہے اور جب' جرم مشتبہ ہو جائے تو سزا موقوف ہو جاتی ہے۔ پھر کسی کو کفن کا مالک قرار دینا امر مشتبہ ہے اور اس سے سزائے شرعی کا مقصد پورا ہونے میں خلل پیدا ہوتا ہے اور ان باتوں سے سزا دینے سے دستکش ہو جانا واجب ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ کفن کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور نہ میت کو اس کا مالک

Marfat.com

قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ وارث بھی کفن میت کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف اس مال کا مالک ہوتا ہے جو میت کے واجبات سے زیادہ ہو پس کسی میت کے ایسے ترکہ کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی جس کے وصول کرنے کا حق میت کے قرض خواہ کو ہے۔ ترکہ میں سے واجب الادا مال قرض خواہ کا ہوتا ہے جو اپنا حق اس مال سے وصول کر سکتا ہے۔ پس اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے کہ کفن کا کوئی مالک نہیں ہوتا تو اس کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہو سکتی۔ تاہم اس کے مملوکہ ہونے میں شبہ تو ضرور ہے جیسا کہ بتایا گیا اور شبہ کی صورت میں بھی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اور قبر کو گھر قرار دینا نہایت بعید از قیاس ہے۔ ہاں مجازاً کہہ دو کیونکہ گھر تو وہی ہے جس کے چاروں طرف اس گھر کی دیواریں بنی ہوں اور قبر ایسی نہیں ہوتی علاوہ اس کے حقیقی معنوں میں گھر بھی ہو تو ضروری نہیں کہ وہ (شرعی اعتبار سے) محفوظ بھی ہو بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غیر محفوظ ہو تا ہم بنیادی طور پر اسے گھر کہا جائے جیسے مسجد۔

شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مردوں کا کفن چرانے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جانی واجب ہے۔ یہی مسلک حضرت عمر، ابن مسعود، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور علماء میں سے، ابو ثور، حسن، شعبی، قتادہ، حماد اور نخعی کا تھا تاہم وہ کہتے ہیں کہ صرف اس کفن کے چرانے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی جو شرعاً واجب ہے۔ کفن مسنون سے زیادہ جو کچھ بھی ہے اس کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ اسی طرح ان اشیاء کے چرانے کی سزا بھی قطع ید نہیں ہے جو لوگ میت کے ساتھ رکھ دیتے ہیں مثلاً خوشبو (عطر وغیرہ) یا مال اور سونا وغیرہ۔ کیونکہ یہ سب مال کا ضائع کرنا اور احمقانہ حرکت ہے۔ ایسی اشیاء کی حفاظت نہیں ہوتی۔ اصحاب بالا کفن دُزدی کی سزائے قطع کی دلیل میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "من نبش قطعناہ" (یعنی جس نے کفن دُزدی کی ہم اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دیں گے)۔ یہ حدیث 'منکر' (نا قابل تسلیم) مانی گئی ہے بیہقی نے اس کا اخراج کیا ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لا قطع علی المختفی" (یعنی مختفی کو سزائے قطع نہیں ہے)۔ فرمایا کہ اہل مدینہ کی بولی یا عُرف (یعنی روزمرہ) میں مختفی نباش (یعنی کفن چور) کو کہتے ہیں۔

(سزائے قطع نباش کے بارے میں جو روایات آئی ہیں منجملہ ان کے) ابن منذر کا کہنا ہے کہ ابن زبیر کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے کفن چرانے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی، یہ ایک ضعیف روایت ہے۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ انھیں یمن میں ایک قوم سے سابقہ پڑا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں قبروں سے چوری کرتے تھے۔ ان کی بابت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا گیا۔ آپ نے جواباً لکھا کہ ان کا ہاتھ کاٹ دو۔

زہری روایت کرتے ہیں کہ مروان کے سامنے کچھ لوگ پیش کیے گئے جو 'اختفا' کرتے یعنی قبروں سے کفن کی چوری کرتے تھے۔ مروان نے انھیں سزائے ضرب دی اور جلاوطن کر دیا۔ بہت سے صحابی رضوان اللہ علیہم اسی خیال کے حامی ہیں۔

نیز زہری ہی سے ایک روایت ہے کہ ایک کفن چور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گرفتار ہوا۔ مروان مدینہ پر حاکم تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں موجود الوقت صحابہؓ اور فقہاء سے رائے طلب کی تو سب نے یہ رائے دی کہ اسے سزائے ضرب دی جائے اور اس کی تشہیر کی جائے۔

Marfat.com

اور کفن کے جو معنے ہیں اس لحاظ سے یہ بھی مال ہے اور اس جیسے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور قبر میت کی جائے حفاظت ہے اور میت پر جو کپڑا وغیرہ ہوتا ہے وہ میت کے لوازمات میں سے ہے لہٰذا قبر اس کی بھی حفاظت کی جگہ ہے۔ پس وہاں سے چوری کرنے والا سزائے قطع کا مستوجب ہے۔ اور بدیں جہت کہ میت کو برہنہ رکھنا جائز نہیں ہے میت کو اس کی ضرورت ہے لہٰذا قبر کو جائے حرز قرار دیا جائے گا۔ نیز حدیث ابوذر میں آنحضرت ﷺ نے قبر کو گھر تصور فرمایا ہے۔ چنانچہ ابوذر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''کیف انت اذا اصاب الناس موت، یکون الموت فیه بالوصیف، یعنی القبر. قلت: اللّٰه ورسوله اعلم، اوما قال اللّٰه ورسوله'' (یعنی جب لوگوں کو موت آتی ہے تو تمہاری کیا کیفیت ہوتی ہے وہاں یعنی قبر میں موت ہی خادم (یا شریک حال) ہوتی ہے (وہ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا (وہ کیفیت تو) اللہ اور اس کے رسول کو ہم سے بہتر معلوم ہے یا پھر جو کچھ خدا اور اس کا رسول ارشاد فرمائیں)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''علیک بالصبر'' (یعنی تمہیں صبر لازم ہے)۔

ابوداؤد نے (اپنی صحیح میں) ایک باب کا عنوان رکھا ہے ''باب قطع النباش'' (یعنی کفن چور کو سزا قطع دینے کا بیان) ابوداؤد نے اس حدیث سے اس طرح استدلال فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبر کو ایک گھر قرار دیا ہے اور گھر حرز (مقام حفاظت) ہے اور حرز کی جگہ سے چوری کرنے والے کو بالاتفاق ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ اور اس لیے بھی قبر کفن وغیرہ کے لیے 'حرز' ہے کہ مختلف اشیاء کی حفاظت اس کے مناسب حال جگہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ مویشی کے لیے اصطبل حرز ہے اور موتی کی حفاظت ڈبیا، صندوق یا خزانہ میں ہوتی ہے اور بھیڑ بکریوں کی حفاظت کے لیے باڑا ہے۔ پس اگر ان مقامات سے زیر حفاظت اشیاء کی چوری ہو تو سزائے قطع واجب ہے۔ چنانچہ اگر موتی اور جواہر اصطبل یا باڑے میں سے چوری ہو جائیں تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔ پس کفن کا قبر میں سے لیا جانا سرقہ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے زندگی میں انسان کے لیے زمین کو جائے سکونت بنایا ہے اور مرنے کے بعد قبر اس کے دفن ہونے کی جگہ ہے (یعنی دونوں مقامات انسان کے گھر ہیں)۔ اس تفصیل کی ضرورت اس صورت میں ہے جبکہ قبر کسی ویرانے میں ہو۔ لیکن اگر میت کی قبر کسی مکان کے اندر ہو جس کے دروازے بند ہوں جیسا کہ قاہرہ (دارالخلافہ مصر) میں ہوتا ہے کہ ہر خاندان کے لیے ایک وسیع مکان (یا احاطہ) ہوتا ہے جسے 'حوش' (خاندانی قبرستان) کہتے ہیں۔ اس کے اندر مردوں کی قبریں ہوتی ہے۔ اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ ایسے مقامات سے اگر کفن چرائے جائیں تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ یہاں شرط حفاظت پائی جاتی ہے یعنی دروازہ اور اس کا بند ہونا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ یہاں چوروں سے حفاظت پیش نظر نہیں بلکہ 'دوسری نقصان دہ اشیاء سے تحفظ پیش نظر ہوتا ہے مثلاً مال کے خراب ہونے سے بچانے یا کسی دوسرے شخص کے قابض ہو جانے سے باز رکھنے کے لیے حفاظت کی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مال ایسی شے کا نام ہے جس کے اور لوگ خواہش مند ہوں اور (مالک) دینا نہ چاہتا ہو۔ کفن ایسی شے ہے کہ جو شخص جانتا ہو کہ یہ مردہ کو پہنایا گیا ہے وہ اسے لینا پسند نہ کرے گا۔ اس کے خلاف شاذ ونادر ہی ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ شریعت نے حد (سزائے شرعی) اس لیے مقرر کی ہے کہ لوگوں کو جرم سے باز رکھا جائے اور اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ لوگ بکثرت اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لیکن وہ جرم جو شاذ ونادر ہی

Marfat.com

کسی سے سرزد ہوتا ہے اس کے بارے میں کوئی حد (شرعی) سزا نہیں ہے۔ (واضح ہو کہ سزائے قطع کے بارے میں) اسی طرح کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ کسی قافلہ کے ساتھ کوئی جنازہ ہو اور تابوت میں سے چوری ہو جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مردوں کے کفن چرانے کا عادی ہو جائے تو امام (حاکم اسلام) کو چاہیے کہ سرزنش کے طور پر حد شرعی کے طور پر نہیں۔ اس کا ہاتھ کاٹ دے۔ یہ حکم روایات و آثار صحابہ ؓ کی بناء پر ہے۔

تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے تا آنکہ ایک شخص زیر حفاظت مال کو اس مقدار مال کی چوری کر کے نہ لے جائے جس مقدار میں ہاتھ کاٹنے کی سزا لازم ہو جاتی ہے۔ پس اگر کسی شخص نے (چرا کر لے جانے کے لیے) ایک کمرے میں کپڑے اکٹھے کر لیے لیکن ابھی وہاں سے لے جانے نہ پایا تھا کہ پکڑا گیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہو گی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی (سزائے قطع نہ ہو گی) جبکہ چوری کا مال باندھ جوڑ کر رکھا اور گھر سے باہر آتے ہی پکڑا گیا اور اس کے پاس کوئی مال مسروقہ نہ تھا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہو گی کیونکہ وہ پورا گھر ایک ہی حرز (جائے حفاظت) ہے۔ (لیکن وہاں سے مال مسروقہ باہر نہیں گیا اور حرز کے اندر رہا)۔ تاہم حاکم کو چاہیے کہ اس جرم کی سزا وہ اپنی سمجھ کے مطابق دے، یعنی قید یا جرمانہ یا ضرب وغیرہ۔

مسلمان کا مستامن (غیر مسلم پناہ گیر) کے ہاں چوری کرنا

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان پناہ گیر (غیر مسلم) کا مال مقدار سرقہ میں چرائے تو چوری کرنے والے کو سزائے قطع واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اصولی طور پر یہ مال حربی (دشمن بر سر جنگ) کا ہے اور حربی کا مال مال غنیمت ہوتا ہے لہٰذا اس کی چوری میں سزائے قطع نہ ہو گی۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان مستامن (پناہ گیر) کا مال بقدر نصاب چرائے تو چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ وہ مال حرز میں ہے اور مستامن کی ملکیت ہے۔ اس مال کو ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسا ذمی (اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) کا مال، اور جب تک کہ وہ شخص اسلامی ملک میں ہے اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہو گا جو دوسرے ذمیوں اور مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

مستامن یا معاہد کے چوری کرنے کا بیان

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مستامن (یعنی وہ غیر مسلم جو اسلامی حکومت میں پناہ لے) یا معاہد (جس کے ساتھ عدم مجارحت کا معاہدہ ہوا ہو) مسلمان کے مال کی چوری کرے تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہو گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (اس صورت میں) ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب نہیں ہے بسا اوقات مسلمان قیدی دار الحرب (دشمن ملک) میں دشمن کے قبضہ میں ہوتے ہیں اگر اسلامی ملک میں معاہدہ کرنے والوں یا پناہ لینے والوں کے ہاتھ کاٹے گئے تو دشمن بھی (مسلمانوں کے ساتھ) یہی سلوک روا رکھیں گے۔ لہٰذا بہ تقاضائے مصلحت عمومی اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا موقوف ہو جائے گی نیز اس لیے بھی کہ شریعت اسلامیہ (کے احکام) ان پر عائد نہیں ہوتے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی معاہد (غیر مسلم حلیف) یا مستامن (پناہ گیر) کسی مسلمان یا ذمی (اسلامی ملک کا غیر مسلم فرد) یا معاہد کا مال چوری کرے تو معاہدہ کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اگر معاہدہ میں یہ تھا کہ چوری کرنے کی پاداش میں

Marfat.com

اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی تو اس کی پابندی کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس پر یہ معاہدہ عائد نہیں ہوتا۔ نیز شافعیہ کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک زیادہ زور اسی پر ہے کہ ان کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

ذمی کا مال چوری ہونے کا بیان

ائمہء فقہ کہتے ہیں کہ بقول مشہور اس مسلمان کا ہاتھ کاٹا جائے گا جو کسی ذمی (غیر مسلم رعیت) کا مال چرالے۔ کیونکہ مسلمان اس کے مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسا کہ مسلمان ذمی کا قتل کردے تو اسے قتل نہیں کیا جاتا۔ البتہ اگر ذمی کسی مسلمان یا ذمی کا مال بمقدار نصاب چوری کر لے تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی کیونکہ اس پر بھی اسلامی احکام کی پابندی لازم ہے۔ خواہ وہ اسلامی حکومت کے فیصلہ کو پسند کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ دین اسلام نے ہم (سب مسلمانوں کو) یہی حکم دیا ہے۔

ائمہء فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی محتاج شخص کسی مسلمان یا ذمی (غیر مسلم رعایا) کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے لیکن یہ حکم ایام قحط و مصیبت اور عام گرانی کی صورت میں ہے۔ یہ عذر سزائے قطع سے مانع ہے۔

کوئی بچہ (نابالغ) یا جنون زدہ شخص محفوظ جگہ سے اور بمقدار نصاب چوری کرے یا کسی کو چوری کرنے پر مجبور کیا گیا ہو تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ یہ مرفوع القلم ہیں (جن پر احکام شرعیہ عائد نہیں ہوتے) اسی طرح حربی (دشمن) کو بھی یہ سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ اسلامی احکام کا پابند نہیں ہے یہی حکم ایسے عجمی (غیر عرب) کے لیے بھی ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ یہ فعل (ممنوع) ہے۔

آلات لہو ولعب کی چوری کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ حسب ذیل اشیاء کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے:

سونے چاندی کی بنی ہوئی صلیب یا مورتی (بت) شطرنج گو اس کے مہرے سونے کے ہوں۔ نرد اور پانسے کے کھیل کا سامان جبکہ ان کی مالیت نصاب سرقہ کے برابر ہو۔ گانے بجانے اور کھیل تماشے کے سامان بشرطیکہ انھیں لہو ولعب اور ناچ وغیرہ امور ممنوعہ میں استعمال کیا جاتا ہو، نیز قمار بازی اور پاسہ اندازی کا سامان وغیرہ۔ کیونکہ جو شخص ان اشیاء مذکورہ کو اٹھا کر لے جاتا ہے وہ اپنے اس فعل کی یہ توجیہ کر سکتا ہے کہ وہ ان اشیاء کو (چرانے کے لیے نہیں) بلکہ توڑنے پھوڑنے (تلف کرنے) کے لیے لایا ہے تاکہ ممنوعات کا خاتمہ کرے اور برے اشغال کے خلاف جنگ کرے۔ اور مسلمانوں کو روا ہے کہ وہ ایسی اشیا کو توڑنے کے لیے اٹھائیں تاکہ کار خیر کی ترغیب اور بری باتوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ پس اس طرح جرم کی نوعیت مشتبہ ہو جاتی ہے جو نفاذ حد سے مانع ہے۔ تاہم چوری کرنے والے کو مسروقہ مال کی قیمت کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ یہی حکم سونے چاندی کے برتنوں کا ہے جن کے استعمال کی ممانعت اور توڑنے کا حکم ہے۔

ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر صلیب عیسائیوں کے عبادت خانے سے چرائی جائے تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ مکان حرز نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں آنے کی عام اجازت ہے۔ لیکن اگر یہ کسی شخص کے ہاتھ (یعنی ذاتی حرز) میں ہو تو بلا شبہ وہاں سے چرانے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی۔ کیونکہ یہ مال مملوکہ کی چوری ہے اور پورے طور پر حرز (حفاظت) میں ہے۔ اس صورت میں اس واردات میں شبہ نہیں ہے جو سزائے قطع سے مانع ہو۔

Marfat.com

خطرناک ہے۔ پس اگر پہلے ہی اسے ہاتھ سے محروم نہ کر دیا جائے اور یہ سخت سزا اسے نہ دی جائے تو اس کی شرارت زیادہ اور اس کا خطرہ سخت ہو جائے گا۔ واقعات شاہد ہیں کہ چوروں نے مال حاصل کرنے کی خاطر کتنی ہی جانوں کو ہلاک اور کتنوں کی آبروریزی کی۔

سرقہ کے علاوہ (اسی طرح کے) دوسرے جرائم کا بیان

سارق (یا چور) کے علاوہ اور جرائم کرنے والے بھی ہیں۔ مثلاً خائن اور غاصب وغیرہ۔ ایسے اشخاص مالک مال کے روبرو ارتکاب جرم کرتے ہیں۔ وہ دھوکے یا فریب سے کام لیتے ہیں یا پھر آنکھوں

حنابلہ اور شافعیہ کی ایک رائے تو یہ ہے کہ آلات طرب (ناچ رنگ کا سامان) مثلاً طنبورہ، ساز، سارنگی اور کمانچہ وغیرہ کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے نیز مورتی کی چوری میں بھی گو وہ سونے چاندی کی ہو یہ سزا نہیں ہے اور یہی شطرنج کے مہروں اور قمار بازی یا پانسہ اندازی کے آلات کی چوری کا ہے کیونکہ کو حکمت پر مبنی اسلامی شریعت نے ایسی چیزوں کو ناکارہ اور تلف کر دینے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ بری باتوں اور اس کے اسباب کے خلاف جنگ کی جائے۔ اور ایسے کام جو گناہوں سے بچائیں، کار خیر میں بھی داخل ہیں۔ لہٰذا ان اشیاء کی چوری کے جرم ہونے میں ایسا شبہ ہے جو سزا کے نفاذ سے مانع ہے، جیسے شراب کو لا کر لنڈھا دینا (اس ارادے سے چوری کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی)۔

شافعیہ کی اس بارے میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اگر ایسی اشیاء کو توڑنے پھوڑنے کے بعد بھی اس کی مالیت نصاب سرقہ کو پورا کرے تو سزائے قطع واجب ہے کیونکہ یہ بھی جائے حرز سے بمقدار نصاب مال کا چرانا ہے۔ یہی حال کتب خانہ سے کتابوں کی چوری کا ہے ان کتابوں سے استفادہ تو حلال ہے لیکن اگر اس کی قیمت جلد اور کاغذ کی مالیت (علٰحدہ کرنے کے بعد) نصاب سرقہ کے مساوی ہو تو سزائے قطع دی جائے گی۔ اسی طرح چرایا ہوا ناپاک تیل گندا ہو جانے کے بعد بھی مالیت نصاب سرقہ کے برابر ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں شافعیہ کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ (چوری کرنے والا) مسلمان ہو اور مال مسروقہ کی ماہیت بدل دینے کا ارادہ نہ رکھتا ہو (بلکہ اسی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہو)۔ لیکن اگر اس کا ارادہ اس شے کو خراب کر دینے کا ہے اور بری بات کی مخالفت ہی پیش نظر ہے تو قطعاً اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ شریعت نے ایسا کرنا روا قرار دیا ہے۔ اگر اس قسم کی (ممنوعہ) اشیاء کا مالک کوئی مسلمان ہے تو اس کے چرانے والے کو سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اس سے دور رہیں۔ اگر یہ چیزیں کسی ذمی کی ہیں اور ان کی قیمت نصاب سرقہ کے برابر ہے تو قطعی طور پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

اگر کسی شخص نے، زیر حفاظت رکھے ہوئے ظرف شراب یا طنبورہ وغیرہ کو توڑ پھوڑ دیا اور پھر اسے چوری کر کے لے آیا۔ اگر اس سامان کی مالیت نصاب کے برابر ہو جائے تو سزائے قطع واجب ہوگی۔ کیونکہ اس سے بلاشبہ چوری کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے اور وہ مال قیمتی اور زیر حفاظت تھا۔

Marfat.com

کے سامنے زبردستی دوسرے کا مال چھین لیتے ہیں۔ان میں سے ہر ایک کی شرارت کا سد باب کیا جا سکتا ہے اور قبل اس کے کہ ان کا وار چلے انہیں نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔ اسی لیے شریعت نے ایسے لوگوں کی سرزنش کا معاملہ حاکم (اسلام) پر چھوڑ دیا ہے کہ بحسب تقاضائے ماحول و بغرض قیام امن جو سزا مناسب سمجھے دے۔ علاوہ اس کے ان حالات کے پیش آنے کے اسباب مختلف ہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی معمولی بات ہو یا کوئی اہم معاملہ ہو، لہٰذا ضروری تھا کہ سزا کی نوعیت کا تعین حاکم پر چھوڑ دیا جاتا کہ وہی اس کی مناسب سزا تجویز کرے جرم سرقہ اس سے مختلف جرم ہے۔ اس کا ارتکاب نگاہوں سے چھپ کر ہوتا ہے اور اس کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ یکساں ہوتا ہے اور اس کا خطرہ لوگوں کو ہر وقت اور ہر حال میں لاحق رہتا ہے۔

احکام متعلقہ مال کی خلاف ورزی کا بیان

شرعی احکام متعلقہ مال کی خلاف ورزیاں بھی خیانت (بددیانتی) اور غصب (ناجائز قبض) کی مانند ہیں۔ چنانچہ ان کے لیے بھی ایک مقررہ اور لازمی سزا کا تجویز کیا جانا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کے جرائم کے نتائج بہت مختلف ہوتے ہیں۔ (۱)

مثلاً ایک شخص اپنے مال کو جائز یا بے فائدہ کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرتا ہے یہاں تک کہ سارا مال خرچ ہو جاتا ہے۔ اس شخص کا یہ عمل شریعت اسلامیہ کے نقطہ نظر سے ممنوع ہے لیکن اس کی مضرتیں مختلف قسم کی ہیں۔ چنانچہ اگر اس نے یہ اخراجات اچھے اور سیدھے ماحول میں کیے کہ کوئی دوسرا شخص

مختلس (دھوکے سے مال ہتھیا لینے والے) کا بیان

۱۔ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر عاریۃً (مانگے کی) لی ہوئی چیز سے لینے والا انکاری ہو جائے اور اس کی مالیت نصاب سرقہ کے برابر ہو تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہو گی کیونکہ کسی شے کا عاریۃً دینا لینے والے کو اس کا محافظ بنانا ہے۔ ساتھ ہی دینے والے نے (اپنی چیز مانگے کو دے کر) لینے والے کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنا دیا ہے تو اب اس کے دینے سے انکار کرنا، گویا محفوظ جگہ سے چرا لینا ہے اور اس لیے بھی کہ حدیث میں عاریۃً لی ہوئی چیز کو قابل تاوان قرار دیا گیا۔ نیز روایت ہے "ان امراۃ کانت تستعیر المتاع وتجحدہ. فامر النبی ﷺ بقطعھا" (یعنی ایک عورت کا وتیرہ یہ تھا کہ چیز مانگ کر (عاریۃً) لے جاتی اور پھر (دینے کے وقت) مکر جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم دیا)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز عاریۃً (مانگے کے طور پر) لی اور جب مالک نے مطالبہ کیا تو انکاری ہو گیا اور واپس نہ کیا اور اس کی مالیت نصاب سرقہ کے برابر یا زیادہ ہے اور ثابت ہو گیا کہ وہ مال اس شخص کے ذمہ واجب الادا ہے تو اب ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عاریت دینے والے نے یہ کوتاہی کی کہ

Marfat.com

پہلے یہ اطمینان نہ کرلیا کہ یہ شخص حسب الطلب واپس دینے سے انکار نہ کرے گا۔ پھر جبکہ اسے ابتداً معتبر سمجھ لیا تو اب کہ اس سے محض خیانت سرزد ہوئی اس کا ہاتھ کاٹنا مروت کے منافی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس شے کا حرز (تحفظ) ناقص تھا۔ وہ شے خائن کے پاس اور اس کے زیر حرز تھی، پورے طور پر مالک کے زیر حفاظت نہ تھی۔ کیونکہ اس شخص (خائن) کے پاس ہونا اگرچہ مالک ہی کی حفاظت میں ہونا ہے اور وہ شے عاریۃً اس کی حفاظت میں دی گئی تو گویا چور کو اس شے تک پہنچنے کی اجازت تھی (لہٰذا پورے طور پر وہ زیر حفاظت نہ رہی) اور حدیث مذکور جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور جسے تینوں ائمہ نے خائن مرد اور عورت پر سزائے قطع واجب ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ اس کی بابت حنفیہ کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں ہاتھ کٹنے کا حکم کے جو ذکر ہے وہ چوری کی پاداش میں ہے نہ کہ مانگے کی چیز لے کر مکر جانے یا خیانت کی پاداش میں۔ بات یہ ہے کہ وہ عوت جو عاریۃً لی ہوئی چیز سے مکر جانے میں مشہور تھی، اسی کو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم حضور ﷺ نے دیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت اسامہ ابن زیدؓ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضور ﷺ سے اس کے حق میں سفارش کی۔ آگے چل کر اس حدیث میں راوی کہتے ہیں کہ اس پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "**انما اهلک من کان قبلکم بانهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه، واذا سرق فیهم الضعیف قطعوه**" (یعنی تم سے پہلے لوگوں پر جو ہلاکت آئی وہ اس لیے تھی کہ اگر ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس سے درگزر کردیتے تھے اور کوئی معمولی شخص کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے)۔ یہ گفتگو بایں تقدیر ہے کہ اس واقعہ کا پیش آنا ایک ہی بار اور ایک ہی عورت کے متعلق ہو اس بارے میں ایک اور حدیث ہے۔ ان دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ امت اسلامیہ نے دوسری حدیث کو صحیح مانا ہے اور اسی پر عمل ہے۔ تاہم اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اس عورت نے چوری نہیں کی تھی تو حدیث جابر کو مقدم مانا جائے گا اور عاریۃً لی ہوئی چیز سے انکاری ہو جانے پر سزائے قطع کے حکم کو منسوخ تصور کیا جائے گا اسی طرح اگر یہ خیال کیا جائے کہ ایسے دو واقعات پیش آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو تو (صرف) عاریۃً لی ہوئی شے سے مکر جانے کے الزام میں اور دوسری کو (عاریت سے قطع نظر فرما کر) چوری کی پاداش میں سزائے قطع دی۔ تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عاریتی شے میں بددیانتی پر سزائے قطع منسوخ ہوگئی جیسا کہ بتایا گیا اور حدیث کی چار کتابوں میں حضرت جابرؓ سے یہ حدیث مروی ہے "**لیس علی خائن، ولا منتهب، ولا مختلس قطع**" (یعنی خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور عاریۃً لی ہوئی شے سے مکر جانے والے (یا فریبی) کو سزائے قطع نہیں ہے۔ اس حدیث کو پانچ محدثین نے رویت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ "**لاقطع علی مختلس ولا منتهب ولا خائن**" "قطع ہے کہ دھوکے باز، چھین لینے اور خیانت کرنے والے پر۔

امانت دار کا مال امانت سے انکاری ہو جانے کا بیان

حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر امانت دار مال امانت سے انکاری ہو جائے اور اس پر یہ الزام ثابت ہو جائے اور مال امانت نصاب سرقہ کے برابر یا زیادہ ہو تو اسے کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مال امانت کسی کو سپرد کرنے والے سے (پہلے ہی) یہ کوتاہی ہوئی کہ اس نے اپنا مال ایسے شخص کے پاس رکھا جس کی بابت یہ اطمینان نہیں تھا

Marfat.com

کہ وہ مال کو بحفاظت رکھے گا اور صحیح سالم واپس کر دے گا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کتاب وسنت دونوں کی رو سے ہاتھ کاٹنے کی سزا چوری کرنے والے کے لیے ہے اور یہ چوری نہیں ہے۔

حنابلہ، اسحاق، زفر اور خارجی کہتے ہیں کہ مال عاریت میں بددیانتی کرنے پر حد سرقہ واجب ہے اور ایسے شخص کا ہاتھ کاٹا جائے، کیونکہ ان کے نزدیک سرقہ واجب القطع ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ مال مسروقہ زیر حفاظت رہا ہو چنانچہ امانت دار کا مال امانت سے انکاری ہو جانا بھی سرقہ ہے۔ کیونکہ ایسے شخص اور چور کا مداوا ممکن نہیں ہے بخلاف مال (واجب الاداء) سے مکر جانے اور لوٹنے والے کے (کہ ان کا مداوا ممکن ہے) جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اصحاب بالا اپنے مسلک کے ثبوت میں یہ روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے "کانت مخزومية تستعير المتاع وتجحده، فامر النبی ﷺ بقطع يدها" بروایت احمد ونسائی وابوداؤد۔ (یعنی قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت عاریۃً سامان لے کر آتی اور پھر مکر جاتی تھی۔ نبی ﷺ نے اسے سزائے قطع دی)۔

جمہور ملت نے (اس حدیث کی بابت) یہ کہا کہ انکار عاریت کا ذکر اگرچہ حضرت عائشہ، جابر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کے واسطے سے حدیث میں آیا ہے، لیکن صحیحین وغیرہ کتب میں اس عورت کے چوری کرنے کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے گھر سے ایک قطیفہ (تھیلی) چرائی تھی۔ ابن ماجہ اور حاکم نے اس کا اخراج فرمایا ہے اور اس کو صحیح بتایا ہے۔ اور حبیب ابن ابی ثابت کے مرسل میں ہے کہ اس عورت نے کوئی زیور چرایا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں کا تطابق بایں طور ممکن ہے کہ وہ زیور اس قطیفہ میں رہا ہو۔ بہر حال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عورت نے چوری کا ارتکاب کیا اور یہ جو مذکور ہے کہ وہ عاریۃً لیتی تھی اور مکر جاتی تھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا اسی وجہ سے ملی تھی۔ ممکن ہے اس بات کا ذکر حدیث میں اس عورت کی نشاندہی (یا تعین) کے لیے ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے مکرنے کو سرقہ کے برابر قرار دیا ہو۔ یہ اس طبقہ کی دلیل ہے جو کہتا ہے کہ سرقہ کا لفظ مال امانت سے انکاری ہونے پر صادق آتا ہے۔

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا عاریۃً لی ہوئی شے سے مکر جانے کی پاداش میں تھی جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اس عورت کا قصہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ "فامر النبی ﷺ بقطع يدها" (یعنی تب آنحضرت ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا) اور بعض روایات میں جو یہ ذکر ہے کہ اس عورت نے چوری کی تھی تو وہ اسکے منافی نہیں ہے۔ پس حقیقت یہی ہے کہ مال امانت سے مکر جانے والا واجب القطع ہے۔ اور وہ دلائل جن کی رو سے سرقہ کے واجب الحد قرار دینے کے لیے جائے محفوظ سے چوری کرنا ضروری بتایا گیا ہے۔ اس حکم عام سے یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو (ایک دوسرے سے) عاریۃً سامان لینے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ اب اگر عاریۃً دینے والا یہ جان لے کہ لینے والا مکر جائے گا تو اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عاریۃً کسی کو کچھ دینے کا رواج قطعاً بند ہو جائے گا، حالانکہ یہ امر منشاء شرع کے خلاف ہے۔

Marfat.com

غداری کرنے یا لوٹنے والے اور امانت میں خیانت کرنے والے کا بیان

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ لوٹ کر لے جانے والا کھلا جرم کرتا ہے (لہٰذا وہ چوری نہیں ہے) اور خیانت (یا بددیانتی) کرنے والا وہ مال لیتا ہے جو صحیح معنوں میں حفاظت میں نہیں تھا (لہٰذا وہ بھی چوری نہیں ہے) اور غداری کرنے والا 'چور' نہیں کہلاتا۔ اہل عرب اس فعل کے ارتکاب کو سرقہ کے علاوہ کچھ اور کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ قرآن وحدیث میں یہ تصریح ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا صرف سرقہ کرنے والے کو دی جائے گی۔ دوسرے جرائم کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا پس ان میں سے کسی فعل کے مرتکب کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔

خائن وہ ہے جو در پردہ مال ہضم کرتا اور مالک مال کی خیر خواہی کا اظہار کرتا ہے اور 'منتہب' وہ ہے جو زبردستی اور قوت سے کسی کا مال لوٹ لے۔ اور مختلس وہ ہے جو چالاکی سے غبن کرتا ہے۔ اور نہایہ (شرح ہدایہ) میں بتایا گیا ہے کہ 'مختلس' وہ ہے جو غیر کے مال کو دھاندلی سے ہضم کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "لیس علی المختلس ، ولا عاہی الخائن قطع" (یعنی غبن کرنے والے اور خیانت کرنے والے کو سزائے قطع نہیں ہے)۔

حنابلہ اور امام زفر کہتے ہیں کہ غبن کرنے والے، لوٹنے والے اور بددیانتی کرنے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دینا واجب ہے۔ کیونکہ (ان کے نزدیک) مجرم کا مال حرز میں سے چوری کرنا لازم نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ بھی ایک قسم کا سرقہ ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ اس زمانے میں کروڑوں کا غبن ہوتا ہے لہٰذا ایسے اشخاص واجب الحد ہیں (حال میں) یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی ہے کہ ملازمین میں سے ایک شخص نے ایک سال میں بیس لاک پونڈ کا غبن کیا۔ پس لازم ہے کہ ایسے اشخاص کو اس طرح بے بس کردیا جائے کہ ملک کا مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔

مال مسروقہ کے تبدیل ہوجانے کا بیان

ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص نے کوئی چیز جوں کی توں چرائی اس کی پاداش میں اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا ملی اور وہ شے مسروقہ اسی طرح مالک کو واپس کردی گئی اس کے بعد اس شے کو تبدیل کر کے کچھ اور شے بنالی گئی۔ مثلاً مال مسروقہ جس کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا پہلے سوت تھا اور اب اس سے کپڑا بن لیا گیا۔ یا وہ مال روئی تھا اور اب اس کو کات کر سوت بنالیا گیا۔ اس کے بعد وہ چور پھر آیا اور دوسری بار چرا کر لے گیا تو اسے سزائے قطع ملے گی کیونکہ اب وہ مال تبدیل ہوگیا۔ (یعنی یہ دوسرا مال ہوگیا) یہی وجہ ہے کہ غاصب ایسی شے کا مالک ہوجاتا ہے جس کی ہیئت تبدیل کردی جائے۔ اس کی بعینہٖ واپسی واجب نہیں ہوتی بلکہ تاوان دینا ہوتا ہے۔ پس چونکہ اصل مال مسروقہ تبدیل ہوجاتا ہے اس لیے یہ شبہ نہیں رہ جاتا کہ دونوں مرتبہ چوریوں کا مال مسروقہ ایک ہی تھا اور اس کی سزا بھی ایک ہی بار ہونی چاہیے (دوسری بار سزائے قطع نہ ہونی چاہیے)

ایسی اشیاء جن کو مال تصور نہیں کیا جاتا

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے شراب یا سور یا کتے کی گو وہ حفاظت کے لیے رکھا گیا ہو یا جانور کی غیر مدبوغ کھال کی چوری کی تو اس پر سزائے قطع نہیں ہے۔ کیونکہ ان اشیاء کو مال قرار نہیں دیا گیا۔ البتہ اگر ظرف شراب کی

Marfat.com

مالیت نصاب سرقہ کے برابر ہوتو ہاتھ کاٹا جائے گا۔اسی طرح اگر چوری کرنے میں غیر مکلف شخص مثلاً بچہ، جنون زدہ یا وہ شخص جو کسی حلال شے کے کھانے سے نشہ میں (بے خود) ہو گیا ہو شریک سارق ہو تو غیر مکلف کو سزائے قطع نہ ہو گی۔ نیز اگر مال کے مالک کا باپ چوری میں چور کے شریک ہو جائے تو چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس چوری میں ایسا شخص شریک کار ہے جس کا ارتکاب سرقہ کرنا سخت مشتبہ ہے۔

اگر کسی نے ذبح کی ہوئی قربانی سے چوری کی گو بمقدار نصاب ہو تو اسے قطع ید کی سزا نہ ہو گی کیونکہ قربانی میں ذبح کیا ہوا جانور مالک کی ملکیت سے خارج ہو کر اللہ کا مال ہو جاتا ہے۔ یہی حکم 'ہدیٰ' کا ہے (یعنی اس جانور کا جو قربانی کے لیے بدوران حج بھیجا جائے) لیکن اگر ذبح ہونے سے پہلے قربانی کے جانور کی چوری ہو جائے تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور قربانی کا وہ گوشت یا کھال جو کسی محتاج کو صدقہ کے طور پر دیں اور پھر اس کی ملکیت میں سے بقدر مالیت نصاب چوری کی جائے تو چور کو سزائے قطع دی جائے گی۔ اگر کسی مال مسروقہ پر چوری سے پہلے سارق کا حق بوجہ وراثت یا خریداری کے ثابت ہو جائے یا اس شے کی مقدار بوجہ کھالینے کے یا کسی اور طرح مقدار نصاب سے کم ہو جائے تو اس کے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مال مسروقہ پر سارق کے دعویٰ ملکیت کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جائے حفاظت سے، بقدر نصاب مال کی چوری کرے اور وہ شہادت سے ثابت ہو جائے اور پھر سارق دعویٰ کرے کہ وہ اس مال کا مالک ہے تو بہر حال اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور اس کا دعویٰ ملکیت تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ چوری کے جرم کے مرتکب پر جو الزام ہے وہ قوی ہے اور اس جیسے ملزم کا جھوٹ بولنا بہت قرین قیاس ہے کیونکہ وہ ہاتھ پاؤں کے کاٹے جانے (کی سزا) سے رستگاری چاہتا ہے اور اس کا ایمان بھی کمزور ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور ایک روایت کے بموجب حنابلہ بھی یہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایسے سارق کا نام سارق فقیہ (یعنی علم فقہ جاننے والا چور) رکھا ہے کیونکہ اس شخص کا یہ کہنا کہ اس مال کا میں مالک ہوں ممکن ہے کہ سچ ہو اور اس سے (جرم میں) شبہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ گویا اس کے قول کی شہادت مہیا نہ ہو۔

حنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کے بموجب تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر وہ شخص چوری میں بدنام نہیں ہے تو اس کی بات مان لی جائے اور سزائے قطع نہ دی جائے۔ لیکن اگر وہ بدنام چور ہے تو ہاتھ کاٹا جائے۔ یہی قول قابل ترجیح ہے تاکہ لوگ اس طرح دعویٰ ملکیت کرنے کو سزا سے بچنے کا ذریعہ نہ بنالیں۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر چوری کرنے والا مال کو چرا کر نگل لے۔ اور وہ مال ایسا ہو جو نگلنے سے خراب نہیں ہوتا جیسے جواہرات۔ اور اس کی مالیت مقدار نصاب کے برابر ہو تو پیٹ کے باہر آجانے پر اس چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن اگر وہ ایسی چیز ہے جو نگلنے کے بعد تلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً گوشت یا انگور وغیرہ تو گو اس کی مالیت مقدار نصاب کے برابر ہے تو اسے سزائے قطع نہ ہو گی، البتہ تاوان ادا کرنا ہو گا۔

اگر کسی شخص نے زیر حفاظت شے کو آگ لگا کر یا توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا تو وہ بھی ادائے تاوان کا ذمہ دار ہو گا۔

Marfat.com

لیکن اگر وہ اس چیز کو صحیح سالم جائے حفاظت سے لے کر باہر چلا آیا اور تب اسے تلف کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے جانور کو گھاس وغیرہ دکھا کر جائے حفاظت سے اپنے پاس بلا لیا اور چرا کر لے گیا تو ہاتھ کاٹنے کا سزاوار ہے کیونکہ وہ جانور اسی کی ترکیب سے باہر آیا۔

مال غنیمت یا بیت المال سے چوری کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے کیونکہ اس مال میں اس کا بھی حصہ ہے اور یہی بات اور اس کی یہی علت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ اس روایت کو عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" میں بیان کیا ہے ثوری رحمہ اللہ نے سماک بن حرب سے، انہوں نے ابوعبیدہ بن ابرص سے، یعنی زید بن دثار سے نقل فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ امام علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو پیش کیا گیا جس نے مال غنیمت میں سے جو ہنوز تقسیم نہ ہوا تھا ایک 'خود' چرا لیا آپ نے اس کو سزائے قطع نہیں دی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیت المال (خزانہ سرکاری) یا مال غنیمت میں سے چوری کی تو دیکھنا چاہیے، اگر وہ مال مسروقہ مخصوص تھا رشتہ داروں محتاجوں اور مجاہدین کے لیے، جن میں وہ شخص بھی شامل ہے یا شامل ہونے والے کی جڑ یا شاخ میں (یعنی باپ دادا یا بیٹے پوتوں میں) سے ہے تو اسے سزائے قطع نہیں دی جائے گی کیونکہ مال مسروقہ میں سے اس کا بھی حصہ ہے۔ ہاں اگر وہ مال ایسے اشخاص کا مخصوص حق ہے جن میں وہ شامل نہیں ہے تو سزائے قطع دی جائے گی کیونکہ اس کے جرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اگر وہ مال ایسا ہے جو کسی کے لیے مخصوص نہیں ہے تب بھی سزائے قطع نہ ہو گی۔

صحیح ترین قول یہ ہے کہ اگر مال مسروقہ میں، سارق کا حق ہے مثلاً یہ کہ وہ مال مسلمان محتاج کی بہبود کے لیے ہو (تب تو حتمی طور پر) اور اگر مالدار کے لیے ہو تب بھی بقول صحیح، یا یہ کہ وہ مال صدقہ کے لیے ہو اور وہ شخص محتاج ہو یا کسی مخالف کا قرض دار یا غازی (برسر جنگ) ہو تو (ان تمام صورتوں میں اس مال کی چوری کرنے پر) اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ اس مال مسروقہ میں (کچھ نہ کچھ) اس کا حق ہے۔ اگر کسی طرح کا حق نہ ہو تو ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ (جرم میں) کوئی شبہ نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بیت المال سے بمقدار نصاب چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، کیونکہ یہ چوری مال محفوظ میں سے ہوئی اور اس مال میں اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہی حکم فراہم شدہ مال غنیمت کا ہے، جبکہ لشکریوں کی تعداد زیادہ ہو، یا کم ہو لیکن سارق نے اپنے حق سے زیادہ مقدار مال کی چوری کی۔ (اس بارے میں) ایک قول یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کی چوری مطلقاً مستوجب سزائے قطع ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بیت المال کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ عوام کا مال ہے جس میں اس کا حق بھی شامل ہے۔

Marfat.com

خیمے کی چوری کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بستی کے اندر خیمہ نصب ہو تو وہ اس سامان کی مانند ہے جو بازار میں سامنے رکھا ہو۔لیکن اگر وہ خیمہ میدان میں ہو اور اس کی طنابوں کو باندھا نہ گیا ہو بلکہ اس کے دامن لٹک رہے ہوں تو وہ خیمہ اور اس کا سامان ایسا ہے جیسے میدان میں پڑی ہوئی شے۔لیکن طنابیں بندھی ہوئی ہوں گو خیمہ کے دامن (پلو) لٹک رہے ہوں تو وہ خیمہ اس سامان کے لیے جو اس میں ہے جائے حفاظت متصور ہوگا۔بشرطیکہ اس کا محافظ قوی ہو اور اس کے اندر یا اس کے قریب موجود ہو لیکن اگر محافظ اس کے اندر یا اس کے قریب نہ ہو یا ناتواں ہو اور مدد کرنے والے دور ہوں تو اس کو 'حرز' (حفاظت) تصور نہیں کیا جائے گا پس اگر خیمہ کا سامان چرایا جائے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جو خیمہ بدوران سفر نصب کر لیا جائے یا قیام گاہ میں لگا لیا جائے اس میں کنبہ کے لوگ رہتے ہوں یا نہ رہتے ہوں تب بھی وہ خیمہ اس سامان کے لیے اور خود مالک کے لیے بھی جائے حفاظت ہے۔اگر اس خیمہ کے اندر سے کوئی سامان چرایا جائے یا خود خیمہ ہی کو کوئی شخص چرا لے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔بشرطیکہ مال مسروقہ کی مالیت نصاب سرقہ کے برابر ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خیمہ نصب ہو اور اس میں سے کوئی سامان چرا لیا جائے تو (چوری کرنے والے کا) ہاتھ کاٹا جائے گا۔لیکن خود خیمہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ خیمہ کا محافظ نہیں تھا ہاں خیمہ کے سامان کا محافظ ضرور ہے۔

کعبہ مکرمہ سے چوری کرنے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کعبہ کے اندر سے کوئی چیز چرا لی اور یہ چوری اس وقت کی گئی جبکہ اس میں داخل ہونے کی عام اجازت تھی تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں کعبہ ان اشیاء کے لیے حرز (جائے حفاظت) متصور نہ ہوگا۔ہاں اگر مال مسروقہ کو مطاف (طواف کرنے کی جگہ) سے باہر لے گیا تو سزائے قطع ہوگی۔اور جو کچھ بھی کعبہ پر یا مقام محمود پر لٹکایا جائے اس کی چوری پر سزائے قطع ہے۔اسی طرح شیشہ کا چرانا ہے جو ستونوں پر منڈھا ہوتا ہے تا کہ اس کی جز محفوظ رہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کعبہ کا غلاف جو اس کے اوپر سی دیا گیا ہو۔کسی نے چرایا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ غلاف محفوظ تصور کیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بمقدار نصاب سرقہ غلاف کعبہ میں سے یا کعبہ کے اندر سے کچھ چرایا تو وہ سزائے قطع کا مستوجب ہے۔کیونکہ اس نے اللہ کے گھر کی توہین کی ہے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ایمان کمزور ہے۔گویا وہ شخص کعبہ شریف کے احترام اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے منسوب ہونے کی عظمت سے ناواقف ہے۔پس ضروری ہے کہ اس کے ساتھ سختی کی جائے اور چوری کرنے کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس نے کعبہ کے غلاف میں سے کچھ چرایا۔گو اس کی مالیت نصاب سرقہ کے برابر ہو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے کیونکہ مال مسروقہ کا کوئی شخص مالک نہیں ہے۔اور اس لیے بھی کہ بسا اوقات اسے (چوری کے لیے نہیں بلکہ) تبرک کے طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ایسے لوگ کعبہ کے غلاف میں سے کچھ چرائیں جن کا ایمان قوی ہے اور اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

قابل احترام گھر اور کعبہ کی اللہ تعالیٰ سے نسبت ہونے کی عظمت کو جانتے ہیں تو انہیں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے۔ جیسا کہ حدیث میں حرم کے اندر چوری کرنے والوں کو سخت سزا دینے کا ذکر ہے۔ لیکن ادنیٰ قسم کے عوام جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور نہیں جانتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے ہیں اور اس کی عظمت کا خیال نہیں کر سکتے وہ معذور ہیں یہ لوگ غلاف کعبہ میں سے کچھ چوری کر لیں تو ان کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

مسجد میں چوری کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے دروازے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گیا کیونکہ مسجد جائے حفاظت نہیں ہے۔ وہ صبح وشام ہر وقت آنے والوں کے لیے کھلی رہتی ہے اور اس کا کوئی محافظ موجود نہیں ہوتا۔ نیز مسجد کے سامان مثلاً چٹائیاں، قندیلیں، جالیاں، چوکے اور پردے کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے کیونکہ یہ اشیاء کسی کے تحت حرز (حفاظت میں) نہیں ہیں اور جب حفاظت نہ ہو تو چوری مستوجب سزا نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد کا دروازہ اور مسجد کے اندر جو کچھ بھی ہے مثلاً فرش، چٹائی، قندیلیں ان سب کی محافظ خود مسجد ہے۔ خواہ وہ مسجد میں کہیں پر بھی رکھی ہوں۔ اگر وہاں سے چرائے ہوئے مال کی مالیت نصاب سرقہ کی مقدار پورا کرتی ہو تو اس کے چرانے والے کو سزائے قطع دی جائے گی۔ اور اس سزا کے لیے یہ شرط بھی نہیں ہے کہ وہ چیز مسجد سے باہر لے جائی جائے بلکہ اگر چوری کرنے والا (مسجد کی) کسی چیز کو اس کی جگہ سے پورے طور پر اکھاڑ دے یا اس کی سلوں اور چھت کو توڑ پھوڑ دے تب بھی (مستوجب حد ہے)۔

اگر مسجد کے فرش جو صرف دن میں بچھائے جاتے ہیں۔ رات کو پڑے رہنے دیئے گئے اور کسی نے چرا لیا تو چرانے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان مسجد کا دروازہ، درخت، باڑ، چار دیواری چھت یا سجاوٹ کی قندیلیں چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ دروازہ حفاظت کے لیے اور درخت وغیرہ عمارت (کے کام) کے لیے ہوتے ہیں اور قندیلوں وغیرہ پر کسی کے مالک ہونے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا، مسجد کی چٹائی اور دوسرے تمام فرش جو استعمال میں آتے ہیں ان کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ ان فانوسوں کی چوری میں جن میں روشنی کے لیے چراغ جلائے جاتے ہیں کیونکہ یہ اشیاء تمام مسلمانوں کے فائدے کے لیے ہیں اور اس میں چرانے والے کا بھی حق ہے۔ جیسے بیت المال کا مال، مسجد کے سنگین چوکوں کا بھی وہی حکم ہے جو چٹائیوں کا ہے۔ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔ البتہ سجاوٹ کے فرش اور بیش بہا قالین کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی طرح منبر کی چادر کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر کوئی ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم فرد) مسجد سے کچھ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ ان اشیاء میں اس کے حقدار ہونے کا مطلق شبہ نہیں ہے۔

جیب کترے یا کیسہ بر کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے رقم کی تھیلی یا ہمیانی یا جیب سے۔ جس سے مراد کیسہ یا پاکٹ ہے جہاں رقم کو باندھ کر رکھا ہو، رقم نکال لی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن اگر جیب کے اندر ہاتھ ڈال کر نکالا تو ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ پہلی

Marfat.com

صورت میں بندش (پوٹلی)، اصل جائے حفاظت سے باہر تھی وہاں سے نکال لینا جائے حفاظت میں مداخلت نہیں ہے۔ لیکن دوسری صورت میں بندش (جائے حفاظت کے) اندر تھی اور یہاں سے نکالنا 'حرز' سے باہر لانا ہے۔ اور اگر گرہ (یا پوٹلی) کھل گئی اور کسی نے رقم لے لی تو اگر وہ پوٹلی باہر تھی تو ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن اگر وہ گرہ یا پوٹلی (کیسہ پاکٹ) میں تھی تو سزائے قطع نہ ہوگی کیونکہ وہ رقم باہر سے اس نے لی ہے (حرز سے نہیں لی)۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں مجرم کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اگر کسی نے پوٹلی کے اندر سے رقم نہیں نکالی اور پوٹلی کو جائے حرز (یا محفوظ جگہ) نہ مانا جائے تب بھی اس رقم کا محافظ اس کے مالک کو سمجھا جائے گا (یعنی مالک اس کا حرز ہے) چنانچہ اگر کسی شے کا مالک خود اس کا محافظ ہے اور اس کو اپنے برابر رکھ کر سو گیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی جاگتا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو۔ پس جبکہ مال مالک کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے تو بدرجہ اولیٰ وہ اس کا محافظ ہے اور اس شے کے چرانے والے کو سزائے قطع ہوگی۔

حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں (پاکٹ) کے سوا کسی اور کو حرز (جائے حفاظت) تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مالک نے صرف پوٹلی یا جیب پر بھروسہ کیا ہے۔ خود کو محافظ نہیں ٹھہرایا۔ پس وہ جیب صندوق کی مانند ہے۔ یہاں تک یہ بات ٹھیک ہے کیونکہ چور نے کیس یا جیب ہی کو کھول کر مال لیا ہے۔ (لہٰذا واجب القطع ہے) لیکن چلنے پھرنے کی حالت میں اولین مقصد قطع مسافت ہوتا ہے مال کی حفاظت پیش نظر نہیں ہوتی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مالک مال اپنے مال کی حفاظت سے بے فکر ہو جانا چاہتا ہے تاکہ اس کا دل مال کی نگہداشت کے فکر سے فارغ ہو جائے۔ اس کی طبیعت مال کی طرف سے بوجھل ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے اطمینان خاطر کے لیے مال کو گرہ میں باندھ لیتا ہے اور اپنی بندش پر اعتماد کر لیتا ہے اور ایسے مسائل میں اسی بات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے چنانچہ اگر آہستہ خرام اونٹ پر لدے ہوئے 'گون' سے کسی نے چوری کی تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی کیونکہ مال کے مالک نے گونوں (یا بوریوں) پر (مال کے محفوظ رہنے کا) بھروسہ کیا (یعنی اسے حرز بنایا) اور چور نے اس میں مداخلت کی لیکن اگر کوئی شخص گون ہی کو لے گیا جس میں مال تھا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ ایسے مسائل میں گونوں کو حرز خیال کیا جاتا ہے یعنی مال کو چوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس میں بند کر کے رکھا جاتا ہے جیسے تھیلی یا جیب کہ اگر اس کے اندر سے چوری کی جائے تو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے گندم یا زیتون کے ظرف میں سوراخ کر کے بمقدار نصاب چوری کی تو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی کیونکہ حرز کے اندر سے چوری ہوئی ہے نیز اگر کسی نے لدے ہوئے سامان کو کاٹ کر اس میں سے بمقدار نصاب لے لیا تو مستوجب سزائے قطع ہے۔ بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ جیب کتروں اور گٹھ کتروں کی بہت کثرت ہے۔

(واضح ہو کہ ان مسائل کے بارے میں) علماء کو لغزش ہوئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ نہ کسی جائے حفاظت میں مداخلت کرتا ہے اور نہ جائے حرز سے مال چراتا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گرہ، جیب یا برتن میں سے کاٹ کر مال نکال لیتے ہیں۔

قطار میں سے جانور کی چوری کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قطار (لائن) میں سے کسی جانور کو چرا لیا۔ یعنی کوئی شخص اگر اونٹوں کی قطار میں

Marfat.com

سے جو ایک ہی راہ پر جا رہے ہوں۔ ایک اونٹ چرا لے۔ یا ان پر لدے ہوئے سامان میں سے کوئی بوجھ اتار کرلے جائے تو اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ اس مال کو مطلوبہ حرز (حفاظت) حاصل نہیں ہے۔ یہاں اس شبہ کا امکان ہے کہ (اہل قطار) کے پیش نظر مال کا تحفظ نہ ہو۔ یہ بات اس لیے کہی جاتی ہے کہ (ایسے حالات میں) ساربان، سوار اور پیش رو سب کے مدنظر سامان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہے کہ مسافت طے کی جائے۔ سامان کی حفاظت کے لیے یہ کچھ (قطار بندی وغیرہ) نہیں ہے۔ تا کہ آنکہ بوجھ کے ساتھ ساتھ بغرض حفاظت کوئی مسلح آدمی ان کے عقب میں نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں البتہ اگر کوئی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اونٹوں یا خچروں کی قطار میں ایک دوسرے کے پیچھے رسی (نکیل یا لگام) بندھی ہوتی ہے اور وہ ایک ڈگر پر چلتے ہیں جس سے ایک قطار (لائن) بن جاتی ہے اور ایک پیش رو انہیں اپنے پیچھے لے کر۔ چلتا ہے۔ اور ان کی حفاظت کے لیے یہ شرط ہوتی ہے کہ پیش رو جو آگے آگے سوار ہو کر چلتا ہے گھڑی گھڑی مڑ مڑ کر دیکھتا رہے۔ تا کہ ان سب پر نظر رہے۔ پس قطار کو اس شخص کے زیر تحفظ شمار کیا جاتا ہے۔ پس جو شخص اس قطار لیجانے والا ہے جہاں تک اس کی نظر پڑتی ہے وہ سب قطار اس کی زیر حفاظت متصور ہوگی بدیں معنے کہ وہ پیچھے والوں کو ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ اب اگر قطار کا کچھ حصہ کسی پہاڑی یا عمارت کے حائل ہو جانے کے باعث نظر سے اوجھل ہو جائے تو صرف اسی قدر حصہ خارج از تحفظ ہوگا۔ پھر اگر قطار میں پیش رو یا اخیر والے (یعنی ہانکنے والے) کے علاوہ کوئی اور شخص بھی (درمیان میں) سوار ہو جائے تو یہ شخص آگے والے (پیش رو) کیلئے ہانکنے والا اور پیچھے والے کیلئے رہنمائی کرنے والے کی مانند ہے۔ اور ایسا ہو سکتا ہے کہ جب (قطار) عمومی راستے یا بازار میں سے گزر رہی ہو تو قطار کی دیکھ بھال میں اس کی نظر چلنے پھرنے والوں پر نہ پڑے۔ اس بارے میں یہ بھی شرط ہے کہ آگے والے کی آواز پیچھے والے تک پہنچ سکے یہ یہی وجہ ہے کہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ قطار کے جانوروں کی تعداد نو (۹) سے زیادہ نہ ہو۔ اگر اس طرح کی قطار میں چوری ہو جائے تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لیکن اگر اونٹ (یا جانور) قطار کے اندر نہ ہوں اور منتشر طور پر چل رہے ہوں تو بقول صحیح انہیں تحت حرز تصور نہیں کیا جائے گا۔

قرابت داروں کی چوری کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے باپ، دادا کے ہاں چوری کی تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ دستور عام کے مطابق مالی امور میں اس شخص کے ساتھ فراخدلی برتی جاتی ہے اور ایسی حرز (جائے حفاظت مال) تک رسائی کی اجازت ہوتی ہے حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی بجائے تصور کیا جاتا ہے کیونکہ والدین اپنی اولاد کے بارے میں فیاض اور ان پر مہربان ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرعاً ایک کی گواہی (دوسرے کے حق میں) ممنوع ہے۔ رہا باپ کا بیٹے کے مال کا چرانا، سو اس کی بابت رسول اللہ ﷺ نے کسی کی اولاد کو یہ ارشاد فرمایا کہ "انت ومالک لابیک" (یعنی تم خود اور تمہارا مال، تمہارے باپ کا ہے)۔

ان کے علاوہ باقی ذوی الارحام (نسلی رشتہ دار) مثلاً بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ، سو ان کو گھر میں بھی اگر داخلہ کی اجازت کے پیش نظر انہیں بھی اس بارے میں اولاد کے اندر شامل کیا گیا ہے کیونکہ شریعت نے ان کے

Marfat.com

ساتھ رشتہ ازدواج کے حرام ہونے اور حسن سلوک کے فرض ہونے میں ان کو اولاد کے برابر رکھا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے "قال اللہ عزوجل : انا اللہ وانا الرحمن، خلقت الرحم، وشققت لھا اسماً من اسمی، فمن وصلھا وصلتہ، ومن قطعھا قطعتہ" (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں معبود ہوں اور میں رحمٰن ہوں میں نے ہی رحم بنایا ہے اور اپنے ناموں میں سے ایک نام اس کو مشتق کیا ہے۔ پس جو شخص رحم (یا رشتہ) کو جوڑ کر رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ ہوں اور جو اسے چھوڑتا ہے میں بھی اسے چھوڑ دیتا ہوں)۔ بناء بریں فقہاء نے بھی ان رشتہ داروں کو چوری میں سزائے قطع نہ دینے اور ان کا نفقہ واجب ہونے کے بارے میں اولاد کے زمرہ میں رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ایک دوسرے کے سامنے ہونے کی (یعنی پردہ نہ کرنے کی) اجازت ہے۔ چنانچہ ان سے رشتہ (نکاح) کا حرام ہونا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا فرض ہونا ثابت ہے۔ اور ظاہری و باطنی سامان زینت (سنگھار) وغیرہ مثلاً بازو کے بازو بند اور سینے کے ہار اور پنڈلی کے جھانجھر وغیرہ پر نظر کرنے کی اجازت ہے۔ اس لیے کہ اگر ان کے چھپانے کا حکم ہوتا تو دشواری ہو جاتی کیونکہ (بناء بر قرابت) ان کے پاس کثرت سے آنا جانا ہوتا ہے اور برابر ان سے کام پڑتا رہتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے بیگانہ نہیں ہوتے۔ پس ضروری ہے کہ ان قابل احترام رشتہ داروں سے ملاپ رکھا جائے اور ان سے قطع تعلق کر لینا حرام ہے۔ جہاں ایسا تعلق نہ ہوگا سزائے قطع واجب ہوگی۔ پس سزائے قطع کو ترک کر کے تعلق کا برقرار رکھنا واجب ہے۔

واضح ہو کہ (وابستگی، قرابت کے باعث) شرائط حفاظت میں نقص رہ جاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم، او بیوت آبائکم، او بیوت امھاتکم، او بیوت اخوانکم، او بیوت اخواتکم، بیوت اعمامکم، او بیوت اخوالکم، او بیوت خالاتکم، او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم، (یعنی اس میں کوئی الزام نہیں کہ تم اپنے گھر سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھر سے یا اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھر سے یا اپنی بہنوں کے گھر سے یا اپنے چچاؤں کے گھر سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھر سے یا اپنے ماموؤں کے گھر سے یا اپنی خالاؤں کے گھر سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے پاس ہیں یا اپنے دوستوں سے لے کر) اللہ تعالیٰ نے چچاؤں اور پھوپھیوں کے گھر سے کھانے کو ممنوعات سے خارج کر کے، ان کے گھروں میں داخلے کی مطلق اجازت دیدی ہے اگرچہ محفوظ ہوں۔ پس غیر مشروط طور پر گھروں میں داخل ہو کر ان کی چیزوں کو استعمال کرنے کی اجازت دینا سزائے قطع سے مانع ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر قریبی رشتہ داروں کے گھر سے کسی غیر شخص کا مال چرالیا تو سزائے قطع نہ ہوگی لیکن اگر اجنبی کے گھر سے قرابت دار کا مال چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ ایک صورت میں شرط حفاظت پوری نہیں ہے اور دوسری میں ہے۔

اگر کسی نے دودھ شریک ماں باپ یا دودھ شریک بھائیوں کے گھر سے مال چرایا تو سزائے قطع ہوگی، کیونکہ دودھ کے رشتے بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں لہٰذا تہمت سے بچنے کے لیے بلا اجازت ان کے گھروں میں داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے بخلاف نسلی قرابت داروں کے کہ وہ مشہور ہوتے ہیں اور سب لوگ ان سے واقف ہوتے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر باپ دادا اپنے بیٹے، پوتوں کے ہاں چوری کریں تو ان میں سے کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے

Marfat.com

لیکن اگر شاخ کے رشتہ دار جڑ کے رشتہ داروں کے ہاں (یعنی بیٹے پوتے باپ دادا کے ہاں) چوری کریں تو ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اولاد کو والدین کے مال میں حق نہیں ہے۔ چنانچہ اگر اولاد ماں یا باپ کی مملوکہ جاریہ (لونڈی) سے ملوث ہو جائے تو اس پر حد زنا نافذ ہوگی اور اگر اسے قتل کر دے تو سزائے قتل پائے گا۔ باقی دوسرے نسلی قرابت داروں کے مال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مال کو مسروقہ قرار دیئے جانے کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ (اثبات جرم میں) کوئی شبہ نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ "ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم" (یعنی جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں پر حد لاگو کرنے سے باز رہو) اب یہ شبہ خواہ مال مسروقہ کے مالک ہونے کا ہو مثلاً کوئی شخص مشترکہ ملکیت کے مال کی چوری کر لے۔ یا پھر اس شبہ میں ہو کہ وہ مال خود اس کا یا اس کے باپ دادا یا بیٹے پوتے کا ہے اور اسے چرا کر لے آئے۔ یا جہاں سے مال چرایا ہے وہاں سے چوری کے مال کو مسروقہ قرار دینے میں شبہ ہو مثلاً اولاد اپنے باپ دادا کے مال کو چرا کر یا باپ دادا میں سے کوئی اپنی اولاد کا مال چرا لائے پس چوری کرنے والے کی جڑ (یعنی باپ دادا) کے مال سے چوری کرے یا اس کی شاخ (بیٹا، پوتا) چوری کرے تو اس کی سزا میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ نسلی اعتبار سے وہ ایک ہی ہیں اگرچہ ان کے مذہب میں اختلاف ہو اور اس لیے بھی کہ وہ باہم ایک دوسرے کی حاجت روائی کے متوقع ہوتے ہیں۔ بخلاف دوسرے قریبی رشتہ داروں کے خواہ وہ نسبی رشتہ دار ہوں یا اور کوئی ہوں ان میں سے کسی کے ہاں بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے انہیں دور کے رشتہ داروں میں شمار کیا ہے۔ پس ان کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ والدین کتنے ہی اونچی پیڑھی کے ہوں، اولاد کے مال کی چوری میں ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح ان کی اولاد اگر ان کا مال چرائے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اول الذکر کا سبب یہ ہے کہ یہ عام بات ہے کہ اولاد (کی خطا) پر باپ کا رحم غالب ہوتا ہے یہاں تک کہ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو جس نے اس کا مال چرایا ہو ہاتھ کاٹنے کی سزا دلانے کی کوشش کرے۔ اس سے باپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا حالانکہ بیشتر حدود (شرعی سزائیں) صرف اس لیے ہوتی ہے کہ اللہ کے بندوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ ثانی الذکر صورت میں یہ حکم اس لیے ہے کہ باپ جو اپنی اولاد اور اس کے تمام اموال کا مالک ہوتا ہے اس کے پورے حقوق ادا ہو سکیں۔ اللہ کے حق کے بعد والدین کا حق ہے "واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً" (یعنی لوگو اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ جانو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ) باقی اور سلبی قرابت داروں کا مال کوئی چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

شوہر یا بیوی کے مال کی چوری کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر میاں بیوی میں سے کسی نے دوسرے کا مال چرایا تو ان میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ چوری کسی کے ذاتی مکان سے کی ہو یا اسی گھر میں چوری کی ہو جس میں دونوں اکٹھے رہتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ میاں بیوی باہم ایک ہی شخصیت ہیں۔ اور ان کے باہمی مفاد مشترک ہیں اور ان دونوں کو آنے جانے کی اجازت ہے۔ اس لئے حرز (حفاظت) کی جو شرط ہے اس میں خلل ہو گیا۔ اور یہ جرم اس لیے بھی واجب القطع نہیں ہے کہ دونوں دستور کے مطابق اور عملی طور پر مالی معاملات میں ایک دوسرے کے لیے فراخ دل ہوتے ہیں۔ چنانچہ بیوی جبکہ اپنے وجود کو خاوند کے

Marfat.com

حوالے کر دیتی ہے جو مال سے زیادہ قابل قدر ہے تو مال کے بارے میں اس سے بھی زیادہ روادار ہوگی۔ پھر اس لیے بھی کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور کوئی دوسرا شخص انہیں محروم نہیں کرتا جیسے کہ ماں باپ ہوتے ہیں۔ اور موطا امام مالکؒ میں حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ حضرت ممدوح کے سامنے ایک غلام کو پیش کیا گیا جس نے اپنے آقا کی بیوی کا آئینہ چرایا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص پر جرم (سرقہ) عائد نہیں ہوتا کیونکہ چرانے والا تمہارا ہی خادم ہے جس نے تمہاری چیز چرائی ہے۔ پس جبکہ خاوند کے خادم کو سزائے قطع نہیں دی جا سکتی تو بیوی بہر حال اس کی زیادہ مستحق ہے (کہ اسے سزا نہ دی جائے)۔ پھر یہ بھی ہے کہ زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے بارے میں تسلیم نہیں کی جاتی کیونکہ دونوں کے مفاد مشترک ہیں بناء بریں ایک کے مال کے عوض دوسرے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اگر دونوں (میاں بیوی) میں سے ایک نے دوسرے کا مال چرایا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی۔ اور بغیر عدت گزارے ان میں مکمل علیحدگی ہوگئی تب بھی سزائے قطع نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے غیر عورت کا مال چرایا اور پھر اس سے شادی کر لی تب بھی سزائے قطع نہ ہوگی خواہ یہ شادی سزائے قطع کا (عدالتی) فیصلہ ہونے کے بعد ہوئی ہو یا فیصلہ سے پہلے ہوئی ہو۔ حضرت ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہو گیا تھا (اور تب شادی کی) تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر کسی نے قطعی طلاق یافتہ یا خلع شدہ بیوی کا مال بدوران عدت چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر مطلقہ بیوی نے بھی عدت کے دوران خاوند کا مال چرالیا تب بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔

شافعیہ کے اقوال میں سے قابل ترجیح قول اور مالکیہ وحنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق ان کا کہنا یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی جب دوسرے کا مال چرائے تو سزائے قطع نہ ہوگی کیونکہ انہیں وہاں آنے جانے کی اجازت تھی لہٰذا وہ جائے محفوظ نہیں ہے۔

شافعیہ کے ایک اور قول اور حنابلہ کی ایک دوسری روایت کی رو سے وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ زوجین (میاں بیوی) میں سے ایک دوسرے کا مال چوری کرے تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ دونوں باہم ایک ہی ہیں اور اس لئے بھی کہ ان میں باہم رشتہ مہر و محبت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ" (یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (یا دلائل) میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم ہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کیے تا ہم تم ان سے سکون پاؤ۔ اسی نے تمہارے درمیان مہر و محبت کو پیدا کر دیا ہے)۔

شافعیہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ صرف خاوند کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی (بیوی کو نہیں) کیونکہ بیوی کو (خاوند کے مال میں سے) خوراک اور لباس کا حق حاصل ہے۔ پس چونکہ یہ شبہ ہے کہ مال مسروقہ میں کچھ بیوی کا بھی حق ہے (جس نے چوری کی ہے) لہٰذا اسے سزائے قطع نہیں دی جائے گی۔ خاوند کے مال میں تو بیوی شریک ہے لیکن خاوند کا کوئی حق بیوی کے مال میں نہیں ہے۔ تاہم شافعیہ کے نزدیک اس مسلک کو ترجیح حاصل ہے کہ میاں بیوی میں سے جو بھی دوسرے کا مال چرائے اسے سزائے قطع دی جائے بشرطیکہ وہ مال حرز میں (زیر حفاظت) ہو۔

Marfat.com

سزائے قطع کا دعوٰی کرنے کا بیان

حنفیہ، حنابلہ اور اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا موقوف ہے۔ مالک مال کے مطالبہ (دعوٰی) پر کیونکہ سزائے قطع میں زیادہ تر حق العباد پیش نظر ہے۔ پس اس میں جرم سرقہ قرار دینے کے لئے مالک کا دعوٰی کرنا شرط لازم ہے۔ اس میں مدعی وہ ہے جس کا مال چرایا گیا۔

مالکیہ اور حنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کے بموجب ان کا کہنا ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا مال مسروقہ کے مالک کے مطالبہ پر منحصر نہیں ہے، بلکہ مالک کے مطالبہ (یا دعوٰی) کے بغیر ہی سزائے مذکور عائد کردی جائے گی۔ کیونکہ نفاذ حد میں خالق کا حق غالب ہے۔ مخلوق کا حق غالب نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ (سزائے سرقہ والی) آیت عام ہے (مشروط نہیں ہے) جیسا کہ زنا کی صورت میں ہوتا ہے۔

جرم سرقہ میں شریک ہونے کا بیان

ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر چوری میں ایک جماعت شریک ہو اور ان میں سے ہر فرد کو مال مسروقہ میں سے بمقدار نصاب حصہ ملے تو ان میں سے ہر ایک پر سزائے قطع لاگو ہوگی اور ان سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے کیونکہ ہر ایک نے جرم سرقہ کا ارتکاب کیا ہے اور ذہنی طور پر ہر ایک نے جائے حفاظت میں مداخلت کا قصد کیا اور عملی طور پر بھی بدیں لحاظ وہ شریک جرم کہ انہوں نے مال مسروقہ کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ پس چوری کا مال سب پر عائد ہوگا اور شرعاً سب کو اس جرم کا مرتکب تصور کیا جائے گا۔ لیکن اس صورت میں جبکہ سب کو مال سرقہ میں سے بقدر نصاب حصہ ملا ہو۔ لیکن اگر ہر ایک کے حصے میں نصاب سے کم مال آیا تو اس صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے: حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ سزائے قطع ارتکاب جرم کی پاداش میں دی جاتی ہے۔ پس ہر ایک کے متعلق دیکھا جائے گا کہ یہ جرم پورے طور پر ان سے سرزد ہوا ہو۔ لیکن یہاں کسی پر بھی بقدر نصاب مال چرانا ثابت نہیں ہے اور ثبوت جرم کی تمام شرطیں پوری نہیں ہوئی۔ ہاتھ کاٹنے کی سزا نصاب سرقہ کے برابر مال کی چوری کرنے پر لاگو ہوتی ہے۔ اس سے کم مقدار مال کی چوری پر نہیں ہوتی کیونکہ ہاتھ کی قدر و قیمت ایک مقام رکھتی ہے نیز اس مقدار مال کی چوری میں جس پر ایک شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم شریعت نے دیا ہے بہت سے آدمیوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ انسانی عضو کی اس عظمت کے مقابلہ میں دنیا اور متاع دنیا بے حقیقت ہیں۔ غرض اس صورت میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کسی کو نہیں دی جائے گی۔ حدیث میں آیا ہے "اقطعوا فی ربع دینار ولا تقطعوا فیما ھوا دنیٰ من ذلک" (یعنی ایک چوتھائی دینار کے سرقہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دو اس سے کم مالیت کے سرقہ میں یہ سزا نہ دو)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مال مسروقہ ایسا ہے کہ جس کی چوری کرنے میں دوسروں کی اعانت درکار ہو تب تو تمام شرکائے سرقہ کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ لیکن اگر وہ مال ایسا ہے کہ ایک ہی شخص تنہا اس کو چرا سکتا ہے تو اس بارے میں مالکیہ کے دو اقوال ہیں: ایک یہ کہ جرم سرقہ کے تمام شرکاء پر حد لاگو ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ اگر ہر ایک چور نے اس میں سے کچھ نہ کچھ لیا ہے تو ان میں سے کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا تا آنکہ (ان میں سے کسی کے) مال مسروقہ کی مالیت نصاب سرقہ کے برابر نہ ہو۔ ایک کے چرائے ہوئے مال کو دوسرے کے چرائے ہوئے مال کے ساتھ ملا کر نہ دیکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لا تزر وازرۃ وزر اخری" (یعنی کوئی شخص دوسرے کا بار گناہ نہیں اٹھائے گا) غرض نصاب سے کم مال کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

Marfat.com

حنابلہ کہتے ہیں کہ تمام (شرکائے سرقہ) واجب القطع ہیں خواہ مال مسروقہ اتنا ثقیل ہو کہ اس کے چرانے میں دوسرے شخص کی اعانت درکار رہتی ہے یا ایسا نہ ہو اور خواہ مال مسروقہ کو حرز (جائے حفاظت) سے نکالنے میں سب شریک رہے ہوں یا الگ الگ اشخاص نے منفرداً نکالا ہو اور تمام مال مسروقہ کی مجموعی مالیت نصاب سرقہ کے برابر ہوگئی ہو یہ حکم مال کی اہمیت اور حقوق العباد کی سختی کے ساتھ نگہداشت کے پیش نظر ہے اور اس لئے بھی کہ سزائے سرقہ کا انحصار مال مسروقہ کی اس مقدار پر ہے جس کی چوری پر (پرائے) مال کے تحفظ اور اس کے حرام ہونے کے پیش نظر سزائے قطع واجب ہو جاتی ہے تاکہ ایسے افراد کی چیرہ دستی کا سدباب کیا جاسکے جو عوام کا مال لوٹنے پر اکٹھے ہوئے ہیں۔

چوروں کے ایک گروہ کا گھر میں داخل ہونا

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر چوروں کی ایک جماعت اندر آجائے اور سب کسی ایک فرد (یا چند افراد) کو مال مسروقہ اٹھانے پر لگائیں اور باقی اشخاص کچھ نہ اٹھائیں اور نہ اٹھانے میں مدد کریں۔ پھر وہ مال باہم تقسیم کریں اور ہر ایک کے حصہ میں مال بقدر نصاب آجائے تو ان سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے کیونکہ مال کا جائے حفاظت سے نکالنا اگرچہ (سب کا فعل نہ تھا) کسی ایک کا فعل تھا لیکن درحقیقت سب ہی چوری کرنے میں شریک تھے کیونکہ ان سب نے اس شخص کی (چوری کرنے میں) اعانت کی اور وہ سب مال اٹھانے والے کو جرأت دلانے میں شریک تھے۔ درحقیقت چور بالعموم ایسا ہی کرتے ہیں اس طرح جس نے مال وہاں سے نہیں اٹھایا ہوتا اسے بچاؤ کا موقع مل جاتا ہے۔ اب اگر اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوئی تو حد (سزائے شرعی) سرے سے ختم ہو جائے گی اور اگر سزا سے نہ بچا تب بھی (گو فائدہ نہ ہو) نقصان بھی نہ ہوا' لہٰذا واجب ہے کہ (اس جرم میں) جو بھی شریک ہے اس کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے' اگرچہ اس نے خود مال نہ نکالا ہو اور نہ مال کے اٹھانے میں مدد کی ہو۔ اس مسئلہ میں (مستوجب سزا ہونے کے لئے) یہ شرط جو لگائی گئی ہے کہ چوروں کی تمام جماعت اندر داخل ہوگئی ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ سب سرقہ میں شریک ہوئے اور سب نے چوری کرنے کی ٹھانی لیکن مکان (یعنی حرز) کے اندر صرف ایک یا چند آدمی داخل ہوئے جنہوں نے مال نکالا' باقی اشخاص (باہر ہی رہے) داخل مکان نہ ہوئے تو اس صورت میں صرف انہیں ہاتھ کاٹنے کی سزا ملے گی جو گھر کے اندر گئے اور مال لے کر باہر آئے' بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ اندر جانے والا ان میں سے ہے۔ اگر یہ معلوم نہ ہو تو انہیں تنبیہاً سزا دینا اور قید کر دینا واجب ہے' یہاں تک کہ ان کی توبہ کا یقین ہو جائے۔ اور وہ جو گھر میں داخل نہیں ہوا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس کا حرز (جائے حفاظت) میں مداخلت کر کے مال اٹھانے والے کی اعانت کرنا ثابت نہیں ہے۔ پس ان کا شریک جرم ہونا تسلیم نہ کیا جائے گا۔ جائے حفاظت کی مداخلت پورے طور پر اسی حالت میں ہوگی جبکہ چور گھر کے اندر داخل ہو جائے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ یہ مسائل اس صورت میں عائد ہوں گے جبکہ گھر کے اندر سے سامان اٹھانے والا ایسا شخص ہو کہ اگر وہ (بلا اشتراک غیرے) تنہا اس فعل کا ارتکاب کرتا تو مستوجب سزائے قطع ہوتا۔ یعنی وہ عاقل و بالغ ہو اور اجنبی ہو (یعنی مالک مکان کا) رشتہ دار نہ ہو۔ پس مال کو اٹھانے والا کوئی بچہ یا جنون زدہ یا مالک خانہ کا قرابت دار ہو تو ان اشخاص میں سے کسی کو سزائے قطع نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ (باہر والا) جس نے مال کو نہیں اٹھایا وہ مال اٹھانے والے کا تابع (یعنی ثانوی حیثیت کا مالک) ہے۔ پس جبکہ اصل مجرم واجب القطع نہ ہوا تو اس کا تابع بھی واجب القطع نہ ہوگا۔

Marfat.com

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر چوروں کی ایک جماعت نے چوری کرنے کی ٹھانی اور مال کے حرز (جائے حفاظت) میں داخل ہوئے اور ان میں سے کسی فرد نے مال نکالا تو صرف اسی کو جس نے حرز سے مال نکالا ہے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی بشرطیکہ (نکال کر لانے والوں میں سے) ہر ایک کے حصہ کا مال مقدار نصاب کو پورا کرتا ہو یعنی تین درہم یا زیادہ کی مالیت کا مال ہو۔ غرض وہ شخص جو اندر گیا لیکن اس نے نہ مال کو نکالا اور نہ اسے ہاتھ لگایا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ چوری کا فعل اس سے سرزد نہیں ہوا اور جرم سرقہ (قرار دیئے جانے) کی شرائط پوری نہیں ہوئیں۔ اسی طرح اگر مال مسروقہ ہر ایک کے حصے میں بمقدار نصاب نہیں آیا تو ان میں سے کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ نصاب سرقہ سے کم مال کی چوری میں سزائے قطع نہیں ہے۔

اگر دو مکلف اشخاص (جن پر دینی احکام عائد ہوتے ہیں) بمقدار دو نصاب کے یا اس سے زیادہ نکال کر لے آئے تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے بمقدار نصاب چوری کی ہے۔ اگر وہ مال دو نصابوں سے کم ہے تو ان میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

دروازہ توڑنے یا نقب زنی کا بیان

حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر چور نے کسی گھر میں نقب لگائی اور اس میں داخل ہو کر وہاں سے مال اٹھایا اور اس مال کو ایک اور شخص کے حوالے کر دیا جو نقب کے قریب یا گھر کے دروازے پر تھا تو ان دونوں میں سے کسی کو بھی سزائے قطع نہ ملے گی کیونکہ مال مسروقہ اندر سے چرانے والے کے باہر لانے سے پہلے معتبر (غیر سارق) کے ہاتھ آ گیا تو اب اسے سرقہ قرار دینا مشتبہ ہو گیا اور چوری کی تکمیل دونوں میں سے کسی نے نہیں کی ہے۔

ابو یوسف رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اندر والے نے اپنا ہاتھ نقب سے باہر نکال لیا تھا تو اندر والا سزائے قطع کا مستوجب ہو گا اور اگر باہر والے نے اپنا ہاتھ اندر ڈال کر مال مسروقہ کو پکڑ لیا تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے لیکن اگر دونوں میں سے ہر ایک نے (بلا اعانت دیگر) یہ کام کیا تو ان میں سے کسی کو سزائے قطع نہ ہو گی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باہر کے آدمی نے نقب کا سوراخ دیکھا اور اس میں ہاتھ ڈال کر اندر والے چور کے جمع کیے مال کو اٹھا لیا تو ان میں سے کوئی بھی مستوجب قطع نہ ہو گا۔ اگر کسی نے مکان کی ایک منزل میں نقب لگائی اور وہاں سے مال اٹھا کر راستے میں پھینک دیا اور پھر باہر آ کر اسے اٹھا لیا تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' لیکن صحیح یہی ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

اگر گھر کے اندر کوئی نہر بہہ رہی ہے اور چور نے مال چرا کر نہر میں بہا دیا اور پھر باہر آ کر (نہر سے) وہ مال نکال کر لے گیا۔ اس صورت میں دیکھا جائے گا اگر وہ مال پانی کے بہاؤ سے خود باہر آ گیا ہے تب تو اس شخص کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس مال کو اس شخص نے نہیں نکالا۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی کیونکہ وہ مال اسی کی وجہ سے باہر آیا اور اسی کے فعل سے پانی اس مال کو بہا کر لایا' چونکہ اسی نے اس مال کو پانی میں ڈالا تھا لہٰذا اس مال کے باہر آ جانے کا موجب اسی کو قرار دیا جائے گا اور اس کا یہ عمل اس امر کا ایک بہانہ ہے کہ وہ مالک خانہ کے اس الزام سے خود کو بچانا چاہتا ہے کہ اس نے مال کو اٹھایا ہے۔ غرض اس کا یہ بہانہ سزائے قطع سے اسے بچا نہیں سکتا

Marfat.com

اگر کسی نے گھر میں نقب لگا کر مال چرایا پھر اسے راہ میں پھینک دیا جسے کسی اور شخص نے اٹھالیا تو دونوں میں سے کسی کو سزائے قطع نہ ہوگی

اگر کسی شخص نے گھر کے اندر مال مسروقہ کو گدھے پر لادا اور اسے ہنکا دیا اور گدھا مال لے کر باہر آ گیا پھر اس شخص نے گدھے کو پکڑ کر سامان لے لیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی کیونکہ گدھے کو وہاں سے نکالنے کا الزام اس شخص پر عائد ہوتا ہے۔

اگر کسی نے مال مسروقہ کتے کی گردن میں باندھ دیا اور اسے باہر نکال دیا اور پھر باہر آ کر کتے سے لے لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن اگر وہ کتا اس کے دھتکارے بغیر خود ہی باہر آ گیا تھا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ جانور تو جدھر چاہے جا سکتا ہے۔ اور جب تک اس پر مال لاد کر یا ہنکا کر اسے اپنے قابو میں نہ رکھا جائے اس فعل کو اس شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

اگر کسی شخص نے نقب لگائی اور سوراخ میں ہاتھ ڈال کر وہاں سے مال نکال لیا اور گھر کے اندر نہیں گیا تو سزائے قطع کا مستوجب نہ ہوگا کیونکہ مکمل طور پر سرقہ کا الزام عائد ہونے کے لئے جائے حفاظت میں مداخلت کی شرط کا پورا ہونا ضروری ہے تاکہ سرقہ کا جرم عائد ہونے میں جو شبہ ہے وہ نہ رہے۔ جرم مشتبہ ہو جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے اور ناقص ثبوت جرم کو ساقط کر دیتا ہے' اور ثبوت ناقص ہو تو جرم کالعدم ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے گھر میں نقب لگائی اور اس کے اندر داخل ہو گیا اور پھر وہاں سے بقدر نصاب مال مسروقہ باہر والے شخص کے حوالے کر دیا۔ بایں طور کہ اس شخص نے اپنا ہاتھ حرز (جائے حفاظت) میں ڈالا اور مال اندر والے سے لے لیا۔ لیکن اندر والا باہر نہیں آیا تو اس صورت میں صرف باہر والے کو سزائے قطع ہوگی کیونکہ حرز سے نکال کر لانے والا یہی شخص ہے۔ اندر والا مال کو باہر نہیں لایا لہٰذا وہ واجب القطع نہیں ہے۔ اگر اندر والے نے ہاتھ کو باہر نکال کر دوسرے شخص کو مال پکڑایا اور اس باہر والے نے حرز میں مداخلت نہیں کی اور نہ اس نے مال وہاں سے نکالا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگر اندر والے نے باہر والے کو سوراخ نقب کے درمیان میں مال سرقہ پکڑایا یا اندر والے نے مال مسروقہ کو رسی وغیرہ میں باندھ دیا اور باہر والے نے اسے باہر کھینچ لیا تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

اگر کسی شخص نے جائے حفاظت ہی میں مال مسروقہ کو دوسرے شخص کی پیٹھ پر رکھ دیا اور وہ اسے لے کر باہر آ گیا تو اب اگر مال مسروقہ کا بار اٹھانے کی صلاحیت اس میں اندر والے کی معاونت کے بغیر نہیں تھی تو ان دونوں کو سزائے قطع ہوگی لیکن اگر اٹھا کر لانے والے میں ہی یہ صلاحیت تھی اندر والے میں بالکل نہ تھی تو صرف اس کو سزائے قطع دی جائے گی جو مال لے کر باہر آیا کیونکہ (حرز سے) باہر مال لے کر آنے والا وہی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے مکان میں نقب لگا کر چوری کی اور کوئی دوسرا شخص وہاں سے مال لے کر باہر آیا' گو اسی وقت ایسا ہوا ہو تو ان دونوں میں سے کسی کو سزائے قطع نہ ہوگی' کیونکہ جس نے نقب لگائی تھی اس نے چوری نہیں کی' اور وہاں سے باہر لانے والے نے حرز (جائے حفاظت) سے مال نہیں اٹھایا۔ تاہم اول الذکر کو دیوار پھوڑنے کا معاوضہ دینا ہوگا اور ثانی الذکر کو مال مسروقہ کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ مکان کے اندر کوئی شخص موجود نہ ہو لیکن اگر مکان کے اندر کوئی محافظ نقب کے قریب موجود ہو اور وہ مال کی دیکھ بھال کر رہا ہو تو اس مال کو تحت تحفظ قرار دیا جائے گا اور باہر لانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن اگر محافظ سویا ہوا ہو تو بقول صحیح ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

Marfat.com

جیسے (اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ) کوئی شخص سو رہا ہو اور دروازہ کھلا ہوا ہو۔ اس کو جرم قرار دینے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مال مسروقہ کو باہر لانے والا صاحب شعور ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے نقب لگائی اور کسی بے شعور بچے یا دیوانے کو مال نکال کر لانے کے لئے کہا اور وہ مال نکال کر لے آیا تو مال کا منگوانے والا واجب القطع ہے۔ لیکن اگر کسی صاحب شعور کو کہا یا (سکھائے ہوئے) بندر کو کہا تو سزائے قطع نہ ہوگی کیونکہ یہ چیزیں اس کا آلہ کار نہیں ہیں (کہ اس سے بچے کی طرح کام نکالا جا سکے)۔

اگر دو شخصوں نے مل کر دیوار میں سیندھ لگائی پھر ان میں سے ایک نے مقدار نصاب کے برابر یا زیادہ مال نکال لیا یا پھر ان دونوں میں سے ایک نے مال مسروقہ کو نقب کے پاس رکھ دیا اور دوسرے نے جو اس کے ساتھ سیندھ لگانے میں شریک تھا اٹھا لیا اور بمقدار نصاب یا زیادہ مال نکال لیا تو دونوں صورتوں میں اس شخص کا ہاتھ کاٹا جائے گا جس نے مال کو نکالا' کیونکہ چوری اسی نے کی (یعنی چوری کرنے کی تعریف اسی پر صادق آتی ہے)۔

اگر اندر والے چور نے مال کو سوراخ نقب کے بیچ میں رکھ دیا اور باہر والے شریک کار نے اسے اٹھا لیا یا اس شخص نے کسی اور شخص کو نقب کے دہانے سے پکڑا دیا اور مال مسروقہ دو نصابوں کے برابر یا اس سے زیادہ تھا تو بقیاس غالب ان کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے' کیونکہ دونوں میں سے کوئی بھی کامل حرز یعنی دیوار خانہ سے باہر نہیں آیا۔ ایسے چور کو ''ظریف'' (دزد دانا یا ہوشیار چور) کہتے ہیں۔ اس بارے میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں' کیونکہ نقب زنی اور مال اٹھانے میں دونوں شریک کار تھے اور اس لئے بھی کہ مبادا یہ ترکیب حد (سزائے شرعی) سے بچنے کا ذریعہ بن جائے۔ اگر اندر والے چور نے باہر والے کے لئے مال مسروقہ کو رسی سے باندھا اور باہر والے نے اسے کھینچ لیا تو باہر والے کو سزائے قطع ملے گی اندر والے کو سزا نہ ہوگی البتہ مالک کا جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان بھرنا پڑے گا۔

نابینا شخص کا ہاتھ اس مال کے چرانے کی پاداش میں کاٹا جائے گا جس کی نشان دہی کسی لنجے نے کی ہو اور اگر کوئی نابینا ایک لنجے کو اٹھا کر جائے حفاظت میں لے گیا تاکہ وہ اسے مال کا پتہ بتائے اور وہ نابینا اس مال کو اٹھائے اور لنجے کو ساتھ لے کر باہر آ جائے تب بھی اس نابینا کا ہاتھ کاٹا جائے گا' کیونکہ اصل چور در اصل وہی نابینا ہے اور وہ لنجا جسے کوئی نابینا اٹھا کر لے گیا اور لنجے نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ نابینا کو سزائے قطع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے مال نہیں اٹھایا۔

واضح ہو کہ دروازہ کھولنا' قفل وغیرہ کو توڑنا اور یا دیوار کو پھاند کر جانا ایسا ہی ہے جیسے نقب لگانا جس کا ذکر کیا گیا۔

اگر کسی نے مال کو حفاظت کی جگہ سے اٹھا کر باہر پھینک دیا یا بہتے پانی یا ٹھہرے ہوئے پانی میں ڈال دیا' یا تیز ہوا میں اڑا دیا اور اس طرح وہ مال باہر آ گیا۔ ان تمام صورتوں میں اس شخص کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ ان تمام حالتوں میں مال کو باہر لانے کا الزام اسی پر عائد ہوگا۔ خواہ وہ مال نقب کی راہ سے پھینکا یا دروازے سے یا دیوار کے اوپر سے اور خواہ پھینکنے کے بعد اس کے ہاتھ لگا یا نہیں لگا بلکہ تلف ہو گیا مثلاً آگ میں جل جائے یا ضائع ہو گیا ہو یا ضائع نہ ہوا۔

اگر کسی چور نے رات کو نقب لگائی اور چوری نہیں کی لیکن دوسری رات کو اس شے کے دوبارہ جائے حرز میں رکھے جانے سے پہلے پھر آیا اور چرا کر لے گیا تو بقول صحیح اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے کسی نے اول

Marfat.com

شب نقب لگائی اور پچھلی شب کو آ کر چوری کی' یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

کم عمر آزاد (غیر مملوک) لڑکوں کو چرانے کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک آزاد فرد کو' چرالیا اور وہ کم عمر (لڑکا) ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ (چوری مال کی ہوتی ہے اور) آزاد لڑکے کو (یعنی جو غلام نہیں ہے) مال قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دار قطنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتی برجل یسرق الصبیان' ثم یخرج بھم فیبیعھم فی ارض اخری' فامر بہ فقطعت یدہ" (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا جو بچوں کو چرا کر لے جاتا تھا۔ پھر کسی اور جگہ لے جا کر انہیں بیچ دیتا تھا آپ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے' اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کا تعلق مملوک (غلاموں) سے ہے' جن کی بابت یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص جائے حفاظت سے ایسے شخص کو' چرالے جائے جو کم عمر یا گونگا یا جنون زدہ ہونے کے باعث بے شعور تھا اسے بھی مال' چرانے والے کی طرح سزائے قطع دی جائے گی ایسے اشخاص کا حرز (جائے حفاظت) گھر وغیرہ کا ملحقہ علاقہ ہے۔

اگر نا سمجھ لڑکے' دیوانے' گونگے یا اندھے شخص کو ایسی جگہ سے' چرایا جسے محل ضیاع نہیں کہا جاسکتا' جبکہ گلے میں ہار ہے یا اس کے سوا اس کے پاس مال ہے جو اس زینت اور لباس سے اس کے شایان شان معلوم ہوتا ہے اور اس کی مالیت نصاب کے برابر ہے۔ تو' چرانے والے کو بقول صحیح سزائے قطع نہیں دی جائے گی' کیونکہ آزاد شخص ان اشیاء کا مالک ہوتا ہے جو اس کے ہاتھ (قبضہ) میں ہو (یعنی یہ اشیاء مالک کے پاس ہیں تو چوری نہ ہوئی) چنانچہ اگر کسی تنہا شخص کو پایا جس کے پاس زیور ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اونٹ چرایا اور اس کا مالک اس پر سوار ہے (تو وہ چوری نہ ہوگی)۔

اس بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے چرایا ہی اس شے کے لئے ہے جو ان کے پاس ہے۔

اگر ایک شخص کو ایسی جگہ سے چرایا جو محل ضیاع میں ہے مثلاً ویران جگہ یا صحرا تو بالاتفاق اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔ اور اگر اس شخص کے پاس جسے چرایا گیا ہے غیر معمولی طور پر مال ہے اور اس کے مناسب حال جائے حفاظت سے چرایا گیا تو متفقہ طور پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا' اور اگر ایسی جگہ سے لے گیا جہاں صرف بچے کی حفاظت ہے اوروں کی نہیں ہے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے' یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ہار اس بچے کا ہو اگر کسی اور کا ہے اور اس جگہ سے چرایا ہے' جہاں اس کے مناسب حال تحفظ تھا تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ قطعاً نہیں کاٹا جائے گا۔

اگر کوئی بچہ جائے حفاظت سے باہر آ گیا اور کسی نے اس کے گلے کا ہار چرالیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی کیونکہ وہ ہار (مال) حرز (مقام حفاظت) سے چوری نہیں ہوا۔ اگر کسی نے آزاد بچے کے گلے کا ہار اتار لیا یا کتے کے گلے کا پٹہ مع کتے کے چرالیا در آنحالیکہ وہ جائے حرز میں تھے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے آزاد اور نا سمجھ بچے پر سے اس کا زیور اور کپڑا یا جو کچھ اس کے پاس مثلاً جیب میں یا

Marfat.com

گلے میں تھالے لیا۔ درآنحالیکہ اس کا کوئی نگران حال نہ تھا اور بچہ اپنے کنبہ والوں کے گھر میں نہ تھا تو ایسے شخص کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ ناسمجھ بچہ اپنی چیزوں کا محافظ قرار نہیں دیا جا سکتا جو وہ پہنے ہوئے ہے یہی حکم دیوانہ کا ہے اگرچہ وہ بڑا ہو۔ لیکن اگر کسی نے آزاد ناسمجھ بچے کو جو نہ چل پھر سکتا ہو اور نہ کلام کر سکتا چرا لیا تو وہ شخص واجب القطع ہے' کیونکہ ایسا بچہ قابل احترام مال کی مانند ہے' یہ حکم اس لئے ہے کہ اگر بچہ ناسمجھ ہو تو اسے اٹھانے والے کا مقصد خود بچے ہی کو چرانا ہے' بچے کی چیزوں کا چرانا اس کے مدنظر نہیں ہے۔ اکثر اوقات بچے کے اوپر کچھ نہیں ہوتا ورنہ اس کے زیور اور کپڑے کو لے لیتا اور بچے کو چھوڑ جاتا' پس ایسے شخص پر (جو معصوم بچوں کو اٹھالے جائے) حد سرقہ لاگو کرنا واجب ہے' کیونکہ بچہ مال سے زیادہ بڑی شے ہے اور بدیں سبب بھی کہ دارقطنی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کو لایا گیا جو بچوں کو چرا کر لے جاتا اور کسی دوسرے مقام پر بیچ دیا کرتا تھا' حضور کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا (یہ روایت اوپر نقل ہو چکی ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ آزاد بچے کو چرانے والا واجب القطع نہیں ہے' اگرچہ اس نے بمقدار نصاب زیور پہن رکھا ہو' زیور سے مراد سونے چاندی یا جواہرات کا زیور ہے جو پہننے کے کام آتا ہے' یہ حکم اس لئے ہے کہ آزاد (غیر مملوک) بچہ مال' نہیں ہوتا۔ رہا وہ مال جو اس کے جسم پر ہوتا ہے جو بچے کے تابع ہے (یعنی بچے سے الگ کوئی مستقل شے نہ ہے) چونکہ ہاتھ کاٹنے کی سزا صرف مال کی چوری میں ہوتی ہے لہٰذا بچے کی چوری میں (جو مال نہیں ہے) ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' یہ دوسری بات ہے کہ یہ گناہ اور اس کی سزا اللہ کے نزدیک مال کی چوری سے زیادہ سخت ہے چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ثلاثته ان حصمهم يوم القيامته: رجل اعطى به ثم غدر' ورجل باع حرا فاكل ثمنه' ورجل استاجر اجيراً فاستوفىٰ منه عمله' ولم يوفه اجره" (یعنی تین اشخاص ایسے ہیں جن کا میں قیامت کے روز دشمن ہوں گا: وہ شخص جس کے ساتھ عنایت کی جائے اور وہ غداری کرے اور وہ شخص جو آزاد آدمی کو فروخت کرے اس کے دام کھائے اور وہ شخص جو کسی سے اجرت پر اپنا پورا کام کرالے لیکن اس کی پوری اجرت نہ دے) تاہم ہاتھ کاٹنے کی دنیوی سزا اس پر عائد نہیں ہوتی' کیونکہ اس جرم میں یہ شبہ پیدا کرنے کی گنجائش ہے کہ بچے کو اٹھانے والا یہ بہانہ کر سکتا ہے کہ اس نے بچے کو بہلانے کے لئے یا دودھ پلانے والی کے پاس لے جانے کے لئے اٹھایا تھا' یہاں بچے سے مراد معصوم کم عمر بچہ ہے جو نہ چل پھر سکتا ہو نہ بات کر سکتا ہو اگر بچہ چل پھر سکتا اور کلام کر سکتا ہے اور باشعور ہے تو بالاجماع اسے سزائے قطع نہ ہوگی کیونکہ وہ خود اپنے نفس کا مالک ہے' (یعنی چرایا نہیں گیا) پس اسے فریب یا اغوا سے اٹھایا جا سکتا ہے اور مکروفریب کی پاداش میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا (کیونکہ اسے چوری قرار نہیں دیا جا سکتا) ابو یوسف سے مروی ہے کہ آزاد ناسمجھ بچے کو چرانے کی پاداش میں ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب ہے' واللہ اعلم۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی غلام (مملوک) اونٹ پر سو گیا اور ایک شخص اس اونٹ کے گلے میں رسہ ڈال کر اسے قافلہ سے نکال لایا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے لیکن اگر آزاد شخص اونٹ پر سوار سو جائے اور اسی طرح کوئی نکال کر لے جائے تو بقول صحیح اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی' کیونکہ اونٹ مالک کے قبضہ میں ہے (لہٰذا یہ چوری نہیں ہے)۔

Marfat.com

مہمان کے چوری کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مہمان اپنے میزبان کے گھر سے مقدار نصاب سے زیادہ مال چرالے تو وہ واجب القطع نہ ہوگا کیونکہ جہاں سے اس نے چوری کی وہ مہمان کے لئے حرز (ممنوعہ جگہ) نہیں تھی' اسے اندر آنے کی اجازت تھی اور جب کسی کو گھر میں آنے کی اجازت ہو تو وہ شخص اہل خانہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے' لہٰذا اس کا یہ فعل خیانت (بد دیانتی تو ہے چوری نہیں ہے' یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی شخص گھر کے ایک کمرے سے جہاں اسے جانے کی اجازت ہے کوئی چیز چرالے (تو مستوجب قطع نہ ہوگا)۔ اگر چہ وہ کمرہ مقفل ہو یا مقفل صندوق میں سے چوری کرلے کیونکہ ایک مکان کے تمام کمرے (بحیثیت مجموعی) ایک ہی حرز (جائے حفاظت) ہیں' پس اگر چرانے والا ایک کمرے کا مال نکال کر دوسرے کمرے میں لے گیا تو مستوجب سزائے قطع نہیں ہے' تا آنکہ مال مسروقہ کو مکان سے باہر نہ لے جائے' اور در آنحالیکہ تمام مکان ایک حرز ہے تو اگر اس میں آنے کی اجازت دی جائے تو مکان کے تمام کمروں کو حرز قرار دیئے جانے میں نقص پیدا ہو جائے گا اور وہاں سے چوری کرنا جرم کو مشتبہ بنا دیتا ہے' لہٰذا مہمان (جسے حرز میں آنے کی اجازت دی گئی ہے) اگر چوری کرے تو مستوجب سزائے قطع نہ ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مہمان اپنے میزبان کے گھر سے یا پڑوسی اپنے پڑوسی کی دکان یا غسل کرنے والا حمام سے چوری کرلے' ہر چند کہ چوری کی نیت سے اندر گیا ہو واجب القطع نہیں ہے' کیونکہ وہ مال غیر محرز (یا غیر محفوظ) جگہ سے اٹھایا گیا۔ فقہانے (جرم سرقہ کو) واجب القطع قرار دینے کے لئے ان چند امور کو شرط قرار دیا ہے:

اول یہ کہ مال مسروقہ کی مالیت ایک چوتھائی دینار ہو دوسرے یہ کہ وہ مال دوسرے شخص کا ہو' تیسرے یہ کہ اس فعل کے جرم سرقہ ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو چوتھے یہ کہ مال مسروقہ جائے حفاظت سے اٹھایا گیا ہو' بایں طور کہ اس کا کوئی محافظ موجود ہو' یا وہ جگہ (غیر اشخاص کے لئے) ممنوع ہو' ان میں سے اگر کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو وہ جرم مستوجب قطع نہ رہے گا۔ مسئلہ مذکورہ کی ایک شرط یعنی مال کا حرز (جائے حفاظت) میں ہونا پوری نہیں ہوتی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مہمان' مقدار نصاب سے زیادہ مال کی چوری (میزبان کے ہاں سے) کرلے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بشرطیکہ اسے گھر کے اندر آنے کی اجازت دی گئی ہو' مہمان گھر میں مالک خانہ کی اجازت سے داخل ہوا تو اسے خیانت کرنے والا تو کہہ سکتے ہیں' چوری کرنے والا نہیں کہہ سکتے' نیز ایسے شخص کو بھی سزائے قطع نہیں ہے جس نے ایسے مکان سے چوری کی جہاں داخلہ کی عام اجازت ہو مثلاً حاکم' عادل یا قاضی کا گھر جہاں اذن عام ہو اور لوگ مالک خانہ کی اجازت کے بغیر اندر داخل ہو سکتے ہوں' پس اگر چور مال مسروقہ کو لے کر دروازے سے باہر چلا جائے تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی کیونکہ اس شخص نے امانت میں جو کچھ اس کے سپرد کیا گیا اس میں خیانت کی ہے (چوری نہیں کی) البتہ اگر ایسی چیز چرائی جسے بچایا گیا تھا مثلاً ذخیرہ یا خزانہ جو عموماً مکان کے اندرونی حصہ میں ہوتا ہے اگر (چوری کرنے والا) جائے محفوظ سے نکال کر دروازے تک لایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا' اگر کوئی شخص مال کو دھوکہ سے نکال کر لایا تو اسے سزا قطع نہ ہوگی۔ عام دستور کے مطابق یا حقیقی معنوں میں اسے داخل ہونے کی اجازت تھی اور اندر آنے کی اجازت اس جگہ کے محفوظ ہونے میں خلل انداز ہوگی لہٰذا وہاں سے چرالینا پورے طور پر چوری نہیں ہے۔

Marfat.com

تاجروں کی دکان' عمومی عمارات اور مشترکہ مقامات سے چوری کرنے کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے چور کو سزائے قطع نہیں ہے جو تاجروں کی دکان اور فروخت گاہوں سے مال چرائے' کیونکہ ان کے مالکوں نے لوگوں کو خرید وفروخت کے لئے اندر آنے کی اجازت دے رکھی ہے اور اس طرح اس کے 'حرز' (جائے حفاظت) ہونے میں خلل ہے لہٰذا اگر کوئی شخص دن میں وہاں سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ دکاندار دن کو بازار میں اپنی دکان کھولتا ہے اور اندر آنے والوں کی پذیرائی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کے مال دیکھیں اور خریدیں' بلکہ جس قدر زیادہ وہاں سے آمد ورفت ہوتا اتنا ہی وہ زیادہ خوش ہوتا ہے کیونکہ اس میں اسے فائدہ اور اس کی تجارت کو فروغ ہوتا ہے' اب اگر وہاں سے کسی نے چوری کی تو وہ واجب القطع نہ ہوگا کیونکہ دستور کے مطابق یا حقیقی معنوں میں وہاں پر آنے جانے کی عام اجازت ہے جس کے باعث شرط تحفظ میں خلل ہوجاتا ہے' ہاں اگر رات کے وقت وہاں سے کوئی چرائے تو سزائے قطع ملے گی' کیونکہ وہ جگہ تحفظ مال ہی کے لئے بنائی گئی ہے' البتہ دن کے وقت عام اجازت داخلہ کے باعث اس کا تحفظ ناقص رہ جاتا ہے۔ یہ نقص رات کو (جبکہ عام اجازت نہیں رہتی) دور ہوجاتا ہے) اور وہ جگہ مکمل طور پر حرز ہوجاتی ہے) لہٰذا وہ شخص جو رات کو وہاں پر چوری کرے وہ واجب القطع ہوگا' خواہ کوئی چوکیدار موجود نہ ہو' بشرطیکہ مال مسروقہ نصاب سرقہ کے برابر ہوجائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو گھر میں یا دکان میں' یا تجارت کے ٹھڑے میں داخل ہونے کی اجازت ہو اگر چوری کرلے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ جہاں دستور کے مطابق یا حقیقی معنوں میں داخل ہونے کی عام اجازت ہو۔ اس کا تحفظ مشتبہ ہوجاتا ہے۔ تمام اشخاص کو ان مقامات میں دن کے وقت اپنے کاروبار اور خرید وفروخت کے لئے بلا روک ٹوک اور بغیر پوچھے اندر آنے کی عام اجازت ہوتی ہے۔ لہٰذا جو مال اس میں ہوتا ہے وہ غیر محفوظ ہوجاتا ہے اگرچہ وہ مال عمارت کے اندرونی حصہ میں ہو اور مالک وہاں پر موجود ہو' بہرحال عام داخلہ کی اجازت 'حرز' (حفاظت) میں شبہ کا موجب ہوتی ہے۔

دھوبیوں کی دکان کے دروازوں پر جو کپڑے گاہکوں کی نمائش اور جاذب نگاہ ہونے کے لئے رکھے جاتے ہیں اور عطر فروش کا مال جو دکانوں کے دروازے پر سجایا جاتا ہے اور کھانا پکانے کی سربند دیگیں جو باورچی کی دکانوں کے دروازوں پر بغرض حفاظت باڑ لگا کر گڑی ہوئی ہوتی ہیں' کیونکہ انہیں اندر لیجانا مشکل ہوتا ہے اور دکان کا دروازہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سب چیزیں دن کے وقت بھی جبکہ لوگوں کو اندر آنے کی اجازت ہو زیر حفاظت متصور ہوں گی۔ اور سبزی فروش کی دکان جو بند ہو گو اس کا کوئی محافظ موجود نہ ہو' امن کے دنوں میں اس کی اشیاء رات کے وقت بھی زیر حفاظت مانی جائیں گی' بخلاف اس صورت کے جبکہ دکان رات کو کھلی ہوئی ہو اور اس کا کوئی محافظ نہ ہو یا بند ہو لیکن فتنہ کا زمانہ ہو (تو اسے غیر محفوظ مانا جائے گا) اور بزاز (پارچہ فروش) کی دکان رات کے وقت زیر حفاظت متصور ہوگی کیونکہ رات کو اس میں آنے کی عام اجازت نہیں ہوتی۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ مکان کے اور اس کے کمروں کے دروازے اور کنڈی' زنجیر اور چٹخنی' اپنی ساخت کے لحاظ سے سامان حفاظت ہیں۔ گو دروازے کھلے ہوں اور مکان یا دکان میں کوئی شخص نہ ہو' اسی طرح مکان اور دکان کی

Marfat.com

چھت، سلیں اور اینٹیں عمارت کے لئے حرز (سامان حفاظت) ہیں، اور فروخت کرنے والے اپنی چیزوں کو اکٹھا کر کے اس طرح باندھ دیں کہ ان میں سے کسی چیز کو اٹھانا ممکن نہ ہو جب تک حفاظت کے لئے لگائی ہوتی گرہوں کو کھولا یا ٹانکوں کو ادھیڑا نہ جائے، تو وہ مال زیر حرز متصور ہوگا، بخلاف اس صورت کے جبکہ حفاظت کے لئے گرہ یا ٹانکے نہ لگائے گئے ہوں، تو ایسی صورت میں (شرط حرز کو پورا کرنے کے لئے) دروازے کا بند ہونا ضروری ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں کیا جاتا ہے۔

اگر تاجر نے رات کے وقت دکان میں کوئی روشن دان یا سوراخ چھوڑ دیا اور کسی نے ہاتھ ڈال کر وہاں سے چوری کر لی اور بمقدار نصاب کچھ اٹھا لیا تو سزائے قطع واجب نہ ہوگی، کیونکہ چرانے والے نے شرط حرز کو نہیں توڑا، اسی طرح اس صورت میں بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی جبکہ کسی چور نے دکان میں نقب لگا کر چھوڑ دیا ہو اور کوئی راہ گیر آیا اور اس نے نقب کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر مقدار نصاب سے زیادہ مال اٹھا لیا تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ حرز میں مداخلت نہیں کی گئی۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر چور نے ایام قحط اور سخت گراں سالی میں اشیاء خوردنی کی چوری کی جبکہ (جائز طریقے سے وہ) حاصل کرنے کے قابل نہیں تھا تو مستوجب قطع نہ ہوگا او انسانی ہمدردی کے پیش نظر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جیسا کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عام الرماد (کی قحط سالی) میں ہوا تھا۔

کشتی میں سے چوری کرنے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ کشتی میں سے چوری کرنے کی حسب ذیل سولہ صورتیں ہیں:

منجملہ ان کے خالی کشتی یا کشتی سے ملحقہ اشیاء کی چوری کرنے کی آٹھ صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا: مال مسروقہ کشتی سے نکال لیا ہو یا نہ نکالا ہو، چرانے والا کشتی کے سواروں میں سے ہو یا نہ ہو، مال کا مالک موجود ہو یا نہ ہو، مال کشتی کا ہو یا کشتی کی ملحقہ اشیاء کا، یہ آٹھ صورتیں ہوئیں۔ کشتی خالی نہ ہو تو چوری کرنے کی ان پانچ صورتوں میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، چوری مالک کی موجودگی میں ہوئی ہو۔ مال مسروقہ (کشتی سے) باہر نکالا ہو یا نہ نکالا ہو، چرانے والا کوئی باہر کا شخص ہو یا کشتی کے سواروں میں سے کوئی ہو۔ پانچویں صورت میں یہ ہے کہ باہر کے آدمی نے مالک مال کی غیر موجودگی میں چوری کی ہو۔ بقیہ ان تین صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا: کشتی کی ملحقہ شے میں سے مالک کی غیر موجودگی میں چوری کی ہو۔ اور یہ کہ کشتی کے سواروں میں سے کسی نے چرایا ہو، خواہ مال باہر لے گیا ہو یا نہ لے گیا ہو، یا کسی اجنبی نے چرایا ہو اور وہاں سے نکال کر نہ لے گیا ہو۔

مقروض کے مال کی چوری کرنے کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ وہ چور واجب القطع نہیں جس نے بمقدار نصاب اس مال کی چوری کی ہو جس میں وہ شریک ہے، بایں طور کہ دو (کاروبار کے) شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کی جائے حفاظت سے مشترکہ ملکیت کا مال چرایا، کیونکہ اس مال میں چرانے والے کا بھی حق ہے۔ لہٰذا اس فعل کے چوری قرار دیئے جانے میں شبہ ہو گیا، جو سزا کے منافی ہے لہٰذا اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔

اگر ایک شخص کے کچھ درہم دوسرے شخص پر قرض ہیں اور اسی قدر مال اس نے چوری کر لیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی

Marfat.com

سزا نہ ہوگی کیونکہ (ممکن ہے) اس کی یہ حرکت اپنا حق واجب پورا کرنے کی غرض سے ہو۔ قطع نظر اس کے کہ وہ قرضہ فوری واجب الادا ہو یا معیادی ہو۔ یہ حکم استحساناً (یعنی قیاسی مصلحت) کی بناء پر ہے کیونکہ معیادی قرضہ میں صرف مطالبہء ادائیگی میں تاخیر مدنظر ہوتی ہے۔ گو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جائے' کیونکہ چرانے والے کو میعاد قرض پوری ہونے سے پہلے رقم قرضہ کا ہتھیا لینا روا نہیں ہے تاہم قرض خواہ کا ثابت شدہ حق مطالبہ میں تاخیر کی گنجائش کے باوجود ارتکاب سرقہ کے جرم کو مشتبہ بنا دیتا ہے۔

اگر چوری کرنے والے نے اپنے حق سے زیادہ مال چوری کر لیا تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ چوری کرنے والا بہر حال مال مسروقہ میں بمقدار حق شریک ہے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ مقروض جس کی چوری کی گئی (ادائے قرض میں) ٹال مٹول کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔

اگر کسی شخص نے جنس مال مقروضہ کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی' مثلاً قرض خواہ کو درہم یا دینار لینے ہیں لیکن چوری سامان خانہ کی کر لی تو ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ چوری کرنے والے کا کوئی حق اس سامان میں نہ تھا۔ لیکن اگر درہم لینے تھے اور دینار کی چوری کی یا اس کے برعکس کیا تو کہا جاتا ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا' کیونکہ یہ شے حق واجب الوصول کا بدل نہیں ہے۔ بلکہ یہ معاملہ بیع ہے اور یہ باہمی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کے لینے کا حق اسے نہیں ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی بایں لحاظ کہ دونوں ثمن (قیمت) بننے کی صلاحیت میں ایک ہی جیسے ہیں۔ اسی طرح اگر قرض خواہ جسے مقروض سے درہم لینے ہیں کوئی زیور چرا لے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اگر کسی نے اپنے باپ یا اپنے بالغ بیٹے کے مقروض کا مال چرایا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ چرانے والے کو اس مال کے لینے کا حق نہیں بلکہ دوسرے شخص کو ہے۔ البتہ اگر اپنے صغیر سن بچے کے مقروض کا مال چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اسے اپنے صغیر سن بچے کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے وصولی قرض کا حق ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مقروض (ادائیگی' قرض میں) ٹال مٹول کرنے والا ہے تو اس کا مال چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن اگر مقروض ٹال مٹول کرنے والا نہیں ہے تو اس کا مال چرانے والے کو سزائے قطع ہوگی۔ تاہم اگر اپنا قرض وصول کرنے کے لئے چوری کرلے تو سزائے قطع نہ ہوگی کیونکہ اس طرح وصولیء قرض کی اجازت ہے۔ اور ایسے شخص کو قرض میں دی ہوئی چیز کی ہم جنس چیز کے علاوہ دوسری چیز اٹھا لینے کا حق ہے۔

واپس کیے ہوئے مال مسروقہ کو چرانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے چوری کی اور (سزائے سرقہ پانے کے بعد) وہ مال مسروقہ بشرط دستیابی مالک کو واپس کر دیا گیا اور پھر اسی مال کو بعینہٖ چرا لیا' تو اب اسے سزائے قطع (دوبارہ) نہ ہوگی کیونکہ چوری کرنے والے کو جب سزائے قطع مل جائے تو اس کے حق میں مال مسروقہ کا تحفظ ختم ہو جاتا ہے اور اگر مال مسروقہ مالک کو واپس کر دیا جائے تو وہ تحفظ (واقعتہً) مالک کے حق میں پھر آ جاتا ہے تاہم (چوری کے حق میں) یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ وہ مال تحفظ سے باہر ہے۔ بایں لحاظ کہ وہ مال' جس کا مالک وہی ہے اس کا تحفظ چوری کرنے والے کو سزائے قطع کے مل جانے پر باقی نہیں رہا۔ پس جبکہ وہ تمام امور جن سے تحفظ کا ساقط ہو جانا بوجہ سزائے قطع سارق کے واجب ہوتا ہے موجود ہو تو مالک کے تحت تحفظ آنے

Marfat.com

اور سقوط تحفظ (بحق مالک) دور ہو جانے کے باوجود (بحق سارق) اس کے دور ہونے میں شبہ باقی رہتا ہے اور جب (بوجہ فقدان شرط) ثبوت جرم میں شبہ ہو جائے تو حد (سزائے شرعی) ساقط ہو جائے گی بخلاف اس صورت کے جبکہ اس مال کو (سزا یافتہ سارق کے علاوہ) کوئی اور شخص چرائے۔

پھر یہ بھی ہے کہ ہاتھ کاٹے جانے کی سزا پانے کے بعد شاذ و نادر ہی کوئی شخص دوبارہ جرم سرقہ کی جرأت کرے گا۔ ایسی ان ہونی بات پر انسداد جرم کے لئے دینوی سزا شریعت میں نہیں ہے کیونکہ (سزا کی) اصل غرض جرم کی روک تھام ہوتی ہے جو (سزائے قطع کی صورت میں) پہلے ہی موجود ہے۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہیں ہے۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کوئی مال چرایا اور اس کی پاداش میں ہاتھ کاٹا گیا اور دوبارہ پھر بعینہ اسی مال کو چرایا (و دستیاب ہونے کے بعد مالک کو لوٹا دیا گیا تھا) تو اسے دوبارہ سزائے قطع ہوگی۔ چنانچہ دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بطریق واقدی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا سرق السارق فاقطعوا یدہ ثم ان عاد فاقطعوا رجله الیسری" (یعنی اگر کوئی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اگر مڑ کر پھر کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دو)۔ پھر یہ بھی ہے کہ دوسری بار چوری کرنا اسی طرح مستوجب قطع ہے جیسا کہ پہلی بار تھا بلکہ بدیں سبب کہ جرم سے باز رکھنے والی سزا مل چکی ہے اور پھر بھی وہی جرم کیا تو یہ اس سے بھی بڑا گناہ ہوا لہٰذا اسے سزائے قطع دی جائے گی۔ اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اور ہے جیسے کوئی مالک مال اپنا مال چوری کرنے والے کے ہاتھ فروخت کر دے اور پھر اس سے خرید لے اور چرانے والا پھر اسی مال کو چرا لے تو بالاتفاق چوری کرنے والے کو سزائے قطع ہوگی اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ نیز اس حکم کا یہ سبب بھی ہے کہ مال مسروقہ جب مالک کو واپس کر دیا گیا تو تاوان کے مسائل کی رو سے وہ مال سارق کے لئے ایک دوسری شے کی مانند ہے کہ سارق اس مال کو غصب کر لے (یعنی چھین لے یا ناجائز قبضہ کر لے) یا اسے ضائع کر دے تو اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ یہی صورت (اس مال مسروقہ کی) سزائے قطع کے وجوب کی ہوگی۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ مال جس طرح پہلے بمقدار نصاب جائے حفاظت سے چوری ہوا تھا اسی طرح دوبارہ بھی ہوا ہے۔

سزا کے ساتھ ادائیگی قرض کا بیان

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جب سارق کا اپنے مقروض کے ہاں چوری کرنے کا جرم ثابت ہو جائے تو سزائے قطع کے بعد مال مسروقہ کا ادا کرنا واجب نہیں رہتا۔ چنانچہ اگر سارق مال مسروقہ کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر تلف کر دے تو اس کا تاوان واجب نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ اگر تاوان ہو تو سزائے قطع نہ ہوگی اور سزائے قطع ہو جائے تو تاوان نہ ہوگا۔ تاہم اگر سارق کو سزائے قطع مل جائے اور مال مسروقہ دستیاب ہو تو وہ مال اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے گا کیونکہ اس کا حق ملکیت باقی ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے' لیکن جس کی چوری ہوئی ہے اس کو اختیار ہے اگر وہ تاوان (مال مسروقہ کا) وصول کر لے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگر سزائے قطع دلوائے تو (سارق کے ذمہ) تاوان واجب الادا نہ ہوگا۔
چنانچہ نسائی میں ایک حدیث مسور بن ابراہیم عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یغرم السارق اذا اقیم علیه الحد" (یعنی اگر مقروض کے ہاں چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو پھر وہ قرض ادا نہ

Marfat.com

کرے گا)۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر چوری کرنے والا مال مسروقہ کو تلف کردے تو اس کا تاوان واجب الادا نہ ہوگا۔ نہ سزائے قطع سے پہلے نہ بعد میں' ہاتھ کاٹنے کی سزا جو جرم سرقہ کی پاداش میں اسے ملی ہے وہ کافی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہاتھ کاٹنے کی یہ سزا جرم سرقہ کی پاداش میں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایک حق کی تلافی دو حقوں سے کرنا اصول کے خلاف ہے (یعنی سارق مستوجب سزائے قطع ہے تو مستوجب ادائے قرض نہ ہوگا۔ سزا پائے یا تاوان دے) چونکہ سزائے قطع مطالبہء قرض کے عوض میں ہوتی ہے اس لئے اگر سارق دوبارہ چوری کرے تو ہاتھ صرف ایک بار ہی کاٹا جائے گا۔ دوہری سزائے قطع نہ ہوگی کیونکہ سزا کا موجب ایک ہی شے یعنی چوری ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ تاوان واجب ہو جائے تو سزائے قطع کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ مجرم ادائے تاوان کے بعد اسی وقت سے اس مال کا مالک متصور ہوتا ہے جب اسے ہتھیایا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ اس کا قبضہ اپنی ہی مملوکہ شے پر ہے اور اپنی ہی مملوکہ شے کے عوض سزائے قطع نہیں ہو سکتی۔ پس درآنحالیکہ سزائے قطع مل چکی ہے جس سے بچانے والی شے تاوان کی ادائیگی تھی اور وہ عمل میں نہیں آئی تو اب ادائیگیء تاوان سے وہ بچ جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر (اپنے مقروض کا مال) چوری کرنے والے کو تاوان کا ادا کرنا آسان ہے تو سزائے قطع بھی ہوگی اور ادائے تاوان بھی۔ ہاں اگر دشوار ہو جیسا کہ اس کے ارتکاب جرم کے لئے فاقہ کشی اور تنگدستی کا عذر ہو سکتا ہے تو تاوان واجب نہ ہوگا صرف سزائے قطع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کے مقدور سے زیادہ ذمہ داری عائد نہیں کرتا۔

شافعیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ چوری کرنے والے پر بہر حال سزائے قطع و ادائیگی' تاوان دونوں امور لازم ہیں۔ صاحب مقدور ہو یا نہ ہو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "علی الید ما اخذت حتی تؤدیہ" (یعنی لینے والے نے جو کچھ لیا ہے وہ اس کے ذمہ رہے گا تا آنکہ ادا نہ کردے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" (یعنی تم ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے لے کر مت کھاؤ) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یحل مال امریء مسلم الا بطیبتہ من نفسہ" (یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی مرضی کے بغیر کام میں لانا حلال نہیں ہے)۔ پھر یہ بھی ہے کہ چوری کرنے پر اللہ کی سزا بھی عائد ہوتی ہے اور انسان کا حق بھی لہٰذا اسے دونوں تقاضے پورے کرنے ہیں۔

یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ مال مسروقہ اگر بعینہٖ دستیاب ہو جائے تو اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ پس اگر دستیاب نہ ہو تو اس کا تاوان دوسرے تمام واجب الادا مالی معاملات کی طرح سارق کے ذمہ ہوگا۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ مجرم نے دوسرے شخص کے مملوکہ مال کو ناجائز طور پر تلف کیا۔ لہٰذا وہ مال مغصوبہ کے تاوان کا ذمہ دار ہے۔ غرض دونوں حقوق (حق اللہ اور حق العباد) کے پورا کئے جانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے عائد ہونے کے دو مختلف اسباب ہیں۔ ایک سبب اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ یہ جرم خصوصیت کے ساتھ امر ممنوع کا ارتکاب ہے اور دوسرا انسان کا حق (چھیننا) ہے۔ پس نافرمانی' حق تعالیٰ میں تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور بندے کا حق پورا کرنے کے لئے تاوان ادا کرے گا۔ اس مسئلہ کی صورت ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص کسی کے مملوکہ شکار (کے جانور) کو حرم کے اندر ہلاک کردے۔ اس صورت میں اللہ کے حق (کا تقاضا پورا کرنے کے لئے) اس جانور کا عوض لایا جائے اور بندے کا حق ادا کرنے کے لئے تاوان دینا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ذمی (غیر مسلم رعایا) کی شراب پی جائے تو حکم الٰہی کی تکمیل کیلئے اسے سزائے تازیانہ دی جائے گی اور ذمی کا حق پورا کرنے کے لئے اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی اور آنحضرت صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم سے لٹکی ہوئی (شاخ میں لگی ہوئی) کھجوروں کی (چوری کی) بابت دریافت کیا گیا تو حضور نے فرمایا "من اصاب بغیه من ذی حاجته غیر متخذ خبنة' فلاشیء علیه' ومن خرج بشیء منه فعلیه الغرامته والعقوبته" (یعنی اگر کوئی حاجت مند پھلوں تک پہنچ کر کچھ لے لے لیکن دامن میں نہ بھرلے تو اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ البتہ اگر ان پھلوں کو لے کر چلا جائے تو ادائیگی تاوان کا ذمہ دار اور مستوجب سزا ہوگا)۔

گھر کے اندر (اجنبی شخص کے) داخل ہونے کا بیان

حنفیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دیکھا کہ اس کے گھر میں کوئی داخل ہوگیا ہے پھر اسے قتل کر دیا اور کہنے لگا کہ چور ہے جو میرا مال چرانے کے لئے گھر میں داخل ہوا۔ اگر اسے قتل نہ کر دیتا تو اس سے مال مسروقہ کا واپس لینا میرے بس میں نہ ہوتا۔ اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر مقتول مشہور فسادی اور چور ہے۔ تب تو اس کا خون بہا واجب الادا نہ ہوگا۔ البتہ تاوان ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر وہ شخص چور اور فسادی مشہور نہ تھا تو قاتل کو خون بہا دینا ہوگا اور اس کا دعویٰ بغیر شہادت کے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قاتل پر قصاص واجب ہے بجز اس کے کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہی پیش کرے۔ (نفاذ سزا کے لئے) مقتول کی حالت یا اس کے کردار کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح برائی کا سدباب کیا جاسکے ورنہ ضعیف الایمان اشخاص کو اتلاف جان کیلئے سزا سے بچنے کا ایک ذریعہ ہاتھ آجائے گا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو کچھ کام کے بہانے یا ضیافت کی غرض سے اپنے گھر میں بلاتا ہے اور دل میں کینہ رکھنے کے باعث اس کے ساتھ ظلم و جبر کرتا ہے اور پھر اس کے خلاف الزام لگا دیتا ہے کہ وہ شخص گھر میں چوری کرنے کی غرض سے آیا تھا اس لئے اسے قتل کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی مسلمان کو قتل کر دینا سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے پس ضروری ہے کہ ایسے تمام اسباب کا سدباب کر دیا جائے جو کسی کی جان لینے کا سبب ہوں۔

سزائے قطع پر عمل درآمد ہونے سے پہلے سارق کا مال مسروقہ پر ملکیت حاصل ہوجانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر حاکم نے کسی شخص کے خلاف جرم سرقہ کی پاداش میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد مال مسروقہ کے مالک نے وہ مال سارق کو عطا کر دیا اور اس کے حوالے کر دیا' یا اس کے ہاتھ فروخت کر دیا' یا وہ مال ورثہ میں یا کسی اور طرح سے سارق کی ملکیت میں آگیا تو اب اسے سزائے قطع نہ ہوگی' اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ نفاذ حدود کے بارے میں کوئی فیصلہ اس وقت لاگو ہوتا ہے جبکہ سزا پر عمل درآمد ہوجائے۔ سزا پر عمل درآمد ہونے سے پہلے (جرم کی) وہی صورت حال ہوگی جو فیصلہ سے پہلے تھی۔ چنانچہ اگر ہاتھ کاٹے جانے سے پہلے چوری کرنے والا مال مسروقہ کا مالک ہوجائے تو اس کی سزائے قطع منسوخ ہوجائے گی' اس پر سب کا اتفاق ہے۔ یہی حکم فیصلہ، سزا پر عمل درآمد ہونے سے پہلے بھی عائد ہوگا۔ پھر یہ بھی ہے کہ قولی فیصلہ کی غرض مستحق کا حق بتا دینا ہے۔ اس معاملہ میں اللہ عزوجل کو ہی حق ہے (کہ وہ سزا دے) اور یہ حق غالب ہے اس کے لئے (حاکم کے) قولی فیصلہ کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اسے لفظاً صادر کرنے کی حاجت نہیں ہے اور جب تک اس فیصلہ پر عملدرآمد نہ ہو اس کا وجوب ساقط نہیں ہوتا (یعنی بدستور واجب رہتا ہے) لیکن اس وجوب کے لئے دعوے کا برقرار رہنا شرط ہے اور دعوے کا قائم رہنا جس طرح فیصلہ کے وقت ضروری

Marfat.com

ہے اسی طرح فیصلہ پر عمل درآمد کے وقت بھی ضروری ہے۔ اب درآنحالیکہ مال مسروقہ سارق کو ہبہ یا بیچ کر دیا گیا تو دعویٰ باقی نہ رہا۔

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں (بہرحال) ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب ہوگی کیونکہ سرقہ کا ارتکاب کرنے کے بعد بہرصورت یہ جرم سارق پر عائد ہو جاتا ہے اور جب یہ حاکم کے نزدیک پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اور وہ ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر کر دے تو اس سرقہ کے جرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ البتہ اگر بعد میں ثابت ہو کہ وہ شخص پہلے سے اس مال (مسروقہ) کا مالک تھا تو یہ ملکیت تسلیم کر لی جائے گی جبکہ چرانے کے وقت رہی ہو۔ یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ پس اس جرم میں کوئی شبہ نہ رہا اور ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھر وہ حدیث جو صفوان سے مروی ہے اس طرح صحت ملکیت کو تسلیم کئے جانے کے منافی ہے۔ انہوں نے (ایک سارق کے بارے میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہؐ (سرقہ کا الزام تو) اس شخص پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ میں نے اپنی چادر (مسروقہ) اسے صدقہ میں دے دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فھل قبل ان تاتینی بہ؟" بروایت ابوداؤد و ابن ماجہ (یعنی کیا میرے پاس لانے سے پہلے) نسائی کی روایت میں یہ الفاظ مزید آئے ہیں۔ فقطعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سزائے قطع دی)۔ بخلاف اس کے اگر وہ چوری حاکم کا فیصلہ ہونے کے بعد قرار پائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص پہلے ہی اس مال کا مالک تھا لہٰذا سزائے قطع نہ ہوگی۔

سزا ملنے سے پہلے مال مسروقہ کی مالیت کم ہو جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ بخیال غالب اگر سزائے قطع کا حکم ہونے کے بعد تعمیل سے پہلے مال مسروقہ کی قیمت دس درہم (نصاب سرقہ) سے کم ہو جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ نصاب سرقہ کے پورا ہونے کی شرط کا پایا جانا صدور حکم اور اس پر عمل درآمد ہونے کے وقت بھی ضروری ہے کیونکہ حکم پر عمل درآمد حکم کا ایک حصہ ہے اور اگر مالیت کم ہو جائے تو یہ شرط باقی نہیں رہتی۔ بخلاف اس کے اگر سزا ملنے سے پہلے مال مسروقہ کم ہو جائے (تو یہ حکم عائد نہ ہوگا) کیونکہ جس قدر مال ضائع ہوا ہے سارق اس کے تاوان کا ذمہ دار ہے۔ پس ہاتھ کاٹنے کے وقت گویا پورا نصاب مال مسروقہ موجود ہے جس کے منجملہ کچھ تو فرض (واجب الوصول) کی صورت میں ہے اور کچھ اپنی اصلی حالت میں۔ تاہم مال مسروقہ کا نرخ کم ہو جانے کی صورت میں یہ حکم عائد نہ ہوگا کیونکہ سارق اس کی مالیت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ نرخ کی کمی مانگ کم ہو جانے کے باعث ہوتی ہے اور یہ مانگ ایسی شے ہے جس کا ذمہ دار کسی کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ پس جبکہ مال مسروقہ (بمقدار نصاب) نہ حقیقی معنوں میں باقی ہے اور نہ اعتباری معنوں میں لہٰذا ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔ حدیث میں تو ہے "اقطعوا فی ربع دینار ولا تقطعوا فیما ھو ادنیٰ من ذلک" یعنی مال مسروقہ کی مالیت چوتھائی دینار ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے، اس سے کم میں نہ دی جائے)۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مال مسروقہ کی مالیت حکم قطع صادر ہونے کے بعد نصاب کی مقدار سے کم ہو جائے تب بھی سزائے قطع واجب ہے جیسا کہ اصل مال کے کم ہو جانے کی صورت میں ہوتا ہے۔ یعنی اگر اصل مال مسروقہ سزا پر عمل درآمد کے وقت گھٹ گیا اور اس کی مالیت دس درہم سے کم رہ گئی تو بالاتفاق سزائے قطع ہوگی۔ اسی طرح

Marfat.com

اگر اس مال کی قیمت سزا پر عمل درآمد کے وقت کم ہو جائے تو سزائے قطع (بدستور) واجب رہے گی؛ واللہ اعلم۔

دین سے بیگانہ اشخاص کے اعتراضوں کا بیان

واضح ہو کہ سزائے سرقہ کے بارے میں کچھ بے دینوں نے شکوک ظاہر کئے ہیں اور احکام قرآن پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر چوری کی یہ سزا نافذ ہو جائے تو نصف معاشرہ کی صورت بگڑ کر رہ جائے گی اور بنی نوع انسان کی ایک بڑی تعداد ناکارہ ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ ایسے اشخاص کی ایک بڑی تعداد ہے جن کے اعضاء جرم سرقہ کی سزا میں کاٹ دیئے گئے ہیں۔ اس اعتراض کا آسان جواب یہ ہے کہ ان اشخاص سے کہا جائے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفائے راشدین میں جو امن و عافیت کا عالم تھا اس کو دیکھو۔ وہ کیسی خوش بختی تھی جبکہ احکام شرعیہ کا نفاذ بڑی پابندی کے ساتھ کچھ نظر انداز کئے بغیر کیا جاتا تھا' پھر اس کیفیت کو ہمارے موجودہ معاشرے سے موازنہ کرو کہ ہر جگہ مال کی فراوانی اور تہذیب و تمدن کا چرچا ہے لیکن امن و عافیت مفقود ہے اور لوگ اپنے مال و جان کی طرف سے غیر مطمئن ہیں۔ ہر جگہ خرابی ہی خرابی ہے اور فرد' جماعت اور حکام پوشیدہ اور کھلم کھلا چوری کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ لٹیرے رات کو اور دن دہاڑے بھی لوگوں پر حملہ کرتے ہیں۔ یہی حال اقامت گاہوں' موٹروں اور گاڑیوں میں بھی ہے اور یہ سب نتیجہ ہے تعزیرات اسلامی کے نافذ نہ کرنے اور شریعت غرّا کے احکام کو پس پشت ڈال دینے کا۔ غرض سرقہ کی سزائے شرعی ہی موجودہ عہد کی بے راہروی کا واحد علاج ہے۔

بعض اشخاص نے احکام شریعت (کی حکمت) سے ناواقف ہونے کی بناء پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ کو ضرر پہنچایا جائے تو اس کی دیت (رقم قصاص) خالص سونے کے پانچ سو (۵۰۰) دینار رکھی گئی ہے تو صرف تین درہم کے عوض جو نہایت معمولی سی رقم ہے (چور کا) ہاتھ کیوں کاٹ دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر ابو العلاء المعری جب بغداد میں آیا تو ایک چوتھائی دینار کی چوری میں ہاتھ کاٹے جانے کی جو سزا فقہاء نے رکھی ہے اس پر اس نے اعتراض کیا۔ چنانچہ اس کا یہ شعر اس کی جہالت اور کوتاہی عقل کا ثبوت ہے۔

يد بخمس مئين عسجد وديت
ما بالها قطعت في ربع دينار
تناقض ما لنا الا السكوت له
وان نعوذ بمولانا من النار

مفہوم شعر یہ ہے:

دیت میں ہاتھ کی قیمت ہے پانچ سو دینار
وہ سہ درم کے عوض کاٹ دیتے ہیں یکبار
بجز سکوت کے دم مار ہم نہیں سکتے
انا اعوذ بمولائی من عذاب النار

جب اس کے اس کلام کا چرچا ہوا اور فقہاء نے اسے طلب کیا تو وہ فرار ہو گیا اس کا جواب قاضی عبدالوہاب مالکی نے یہ دیا کہ "ہاتھ جب تک امین ہے (یعنی لوگ اس کے شر سے محفوظ ہیں) قابل قدر ہے اور جب خیانت کرے (یعنی

Marfat.com

موجب تعدی ہو) تو بے قدر ہے" (یعنی قابل قطع ہے) بعض اصحاب نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حکم شریعت عظمیٰ کی خوبیوں میں سے اور کامل حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ جرم کے لحاظ سے تو یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کی دیت پانچ سو (۵۰۰) دینار سرخ رکھی جائے تاکہ انسان کی بزرگی اس کے رتبہ عظیم اور اس کے احترام کے پیش نظر کوئی شخص اسے ضرر پہنچانے کی جرات نہ کرے۔ اور جرم سرقہ کے پیش نظر یہی مناسب تھا کہ ایک چوتھائی دینار کی چوری ہی پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تاکہ کوئی شخص پرایا مال چرانے کی جرأت نہ کرے۔ پس اہل عقل وفہم کے نزدیک یہ حکم عین حکمت پر مبنی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم" (یعنی یہ سزا اس شخص کے اپنے کرتوت کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے اسے سخت سرزنش کا حکم ہے اس کی ہستی عظیم ہے اور وہ حکمت والا ہے) یعنی سزا کا یہ حکم پرایا مال چرانے کی مذموم حرکت کی پاداش میں ہے۔ مناسب یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے اپنے اس کام میں مدد لی ہے اسے کاٹ دیا جائے۔ اور "نکالاً من اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل مذموم کی عبرتناک سزا کا حکم دیا ہے جس کی طرف صرف بدسرشت اشخاص ہی مائل ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو اپنے نفس کے تابع بنالیا ہے اور یہ بھولے ہوئے ہیں کہ دین کا محافظ اللہ ہے۔ انہوں نے دنیا کے عوض اپنی آخرت کو فروخت کر دیا ہے اور بے دھڑک اور بے تامل اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا اور ناحق پرایا مال کھانے کی جرأت کی۔ لہٰذا (اللہ تعالیٰ کی) حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ احکام شرعیہ (کے نفاذ) میں ایسے اشخاص کے کردار کو پیش نظر رکھا جائے تاکہ انسان ہلاک ہونے سے بچے اور ارتکاب جرائم سے باز آجائے۔ "واللّٰہ عزیز" کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کو برائی کا انتقام لینے کی پوری قدرت حاصل ہے۔ اس سے کوئی جیت نہیں سکتا۔ بلکہ وہی جبر و تعدی کرنے والوں کو نیچا دکھاتا ہے۔ اور "حکیم" سے مراد یہ ہے کہ اس کے تمام احکام اور حد بندیاں اس کے بتائے ہوئے طریق کار اور پیمانہ حکمت پر مبنی ہیں۔ وہ اپنے بندوں پر جو حکم شرعی نازل فرماتا ہے اس میں ان کی بہتری ہوتی ہے۔ ان کے مال و جان کا تحفظ ہوتا ہے اور زندگی میں خوش بختی کا سبب بنتا ہے اور معاشرہ فسادیوں اور تلف کاروں سے پاک ہوجاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ تمام خلق خدا اس سے فائدہ اٹھائے اور سب سے مقدم حکمت عملی اس کے بارے میں یہ ہے کہ مال کا مالک صرف وہی شخص ہے جو شریعت کی رو سے مالک ہوا ہو۔ اس کے ساتھ طمع وابستہ ہوتی ہے اور لوگ اس کے حصول کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ کم لوگ ایسے ہیں جو انسانیت اور دیانت کے پیش نظر اس سے الگ رہتے ہیں۔ زیادہ تر اسے محفوظ مقام اور نگہداشت ہی کے ذریعہ لوگوں سے بچایا جاسکتا ہے اور جب مالک اسے بچا کر رکھتا ہے تو دونوں باتیں (دیانت اور نگہداشت) انسانی حد امکان تک پوری ہوجاتی ہیں۔ اب اگر ان دونوں کے خلاف کیا جائے (یعنی دیانت اور حفاظت کے خیال کو بالائے طاق رکھ دیا جائے) تو جرم واضح اور سخت سزا کا مستوجب ہوگا اور اگر دونوں میں سے ایک امر یعنی ملکیت میں مداخلت کی جائے تو تاوان و تادیب واجب ہے۔ تاکہ ایسے ظالموں کو اس حرکت سے باز رکھا جائے جنہیں اللہ اور آخرت کا خوف نہیں ہے۔ پس چوری کرنے اور خیانت کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہو جو نہایت قیمتی ہاتھ کو نہایت معمولی شے کے لئے ضائع کرتا ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت (سرقہ) میں چوری کرنے والے مرد کا ذکر چوری کرنے والی عورت پر مقدم فرمایا ہے۔ (اس کے برعکس) زنا والی آیت میں پہلے بدکار عورت کا ذکر ہے اور پھر بدکار مرد کا کیونکہ مال کی محبت مردوں کے دلوں میں عورتوں کے دلوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا سزائے سرقہ کے بیان میں پہلے مرد کا ذکر آیا اور

Marfat.com

چونکہ عورتوں میں لذات نفس سے بہراندوزی کی خواہش مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے سزائے بدکاری کے بیان میں عورت کا ذکر پہلے فرمایا' واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے چوری کرنے کی سزا جو ہاتھ کاٹنا فرمایا وہ اس لئے ہے کہ وہ مال مسروقہ کو ہاتھ سے اٹھاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بدکاری کی سزا عضو مخصوص کا کاٹ دینا نہیں ہے۔ حالانکہ بدکاری کا ذریعہ وہی ہے اس میں تین باتیں پیش نظر تھیں' ایک تو یہ کہ چوری کرنے والے کے پاس ایک اور ہاتھ اسی طرح کا ہے۔ اگر ایک سے محروم ہوگیا تو اس کے عوض دوسرا ہاتھ موجود ہے جس سے وہ اپنا کام چلا سکتا ہے۔ لیکن بدکاری کرنے والے کے پاس عضو مخصوص کا بدل کوئی دوسرا عضو ایسا نہیں ہے اب اگر اسے کاٹ دیا جائے کہ آئندہ گناہ سے باز رہے تو (عبث ہے کیونکہ کوئی) اور دوسرا عضو ایسا نہیں ہے جس سے یہ کام لیا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ نفاذ حد جہاں خود سزا پانے والے کے لئے موجب تنبیہ ہے وہاں دوسروں کے لئے بھی (عبرت کا سبب) ہے۔ ظاہر ہے کہ جب لوگ چوری کی پاداش میں کسی کا ہاتھ کٹا ہوا دیکھیں گے تو عبرت پکڑیں گے لیکن بدکاری کی پاداش میں اگر عضو مخصوص کاٹ دیا جائے تو بوجہ ستر ہونے کے کوئی شخص اسے دیکھ کر عبرت نہیں پکڑ سکتا۔ تیسرے یہ کہ عضو مخصوص کے کاٹنے سے سلسلۂ نسل منقطع ہو جاتا ہے۔ ہاتھ کاٹنے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے پھر اس آیت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے "الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض یعذب من یشاء و یغفر لمن یشاء واللہ علی کل شیء قدیر" (یعنی کیا یہ تمہیں معلوم نہیں؟ کہ وہ اللہ ہی ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے' جسے چاہے عذاب میں ڈال دے اور جسے چاہے معاف کردے اسے ہر شے پر قدرت حاصل ہے)۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں کو بھی خطاب فرمایا گیا ہے' کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین کوئی قرابت داری نہیں ہے جس کی رو رعایت ضروری ہو۔ پس ہر وہ شخص جو مستوجب حد ہوگا اس پر حد شرعی نافذ ہوگی۔ جس کا حق اللہ تعالیٰ کو ہے کہ جس طرح چاہے حکم دے اور جو چاہے کرے' کیونکہ وہی ملک کا مالک ہے اپنے فیصلہ پر جو مبنی بر عدل ہوتا ہے جسے چاہے عذاب دے اور اپنے لطف و کرم سے جسے چاہے معاف کردے کہ اسے ہر امر کا اختیار ہے' واللہ اعلم۔

سارق کی توبہ کا بیان

ہر چہار ائمہ فقہ اس امر پر متفق ہیں کہ اگر چوری کرنے والا نیک نیتی سے توبہ کرلے اور اس کی نیک نیتی کا ثبوت واضح ہو۔ وہ اس بات پر نادم ہو جو اس سے سرزد ہوئی اور یہ پختہ عزم کرلے کہ آئندہ سرقہ کا مرتکب نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔ چنانچہ سرقہ کے بارے میں جو آیت ہے اس کے آگے ہی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فمن تاب من بعد ظلمه و اصلح فان الله یتوب علیه ان الله غفور رحیم

(یعنی جو شخص اس ارتکاب جرم کے بعد توبہ کرلے اور نیکی اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا' بلا شبہ اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے اور رحم کرنے والا ہے)۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے گناہ سے درگزر فرمائے گا اور اس کی خطا کو معاف کردے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا "التوبة تجب ما قبلها" (یعنی توبہ سرزد شدہ گناہ کو کاٹ دیتی ہے)۔ نیز حضور نے فرمایا "التائب من الذنب کمن لاذنب له" (یعنی گناہ سے توبہ کرلینے والا ایسا ہے

Marfat.com

جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا)۔ اور جسے دنیا میں حد (سزائے شرعی) ملی ہو تو یہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ ہے اور قیامت کے دن اس پر عذاب نہ ہوگا۔ بشرطیکہ وہ شخص سزائے شرعی بھگتنے پر آمادہ ہو اور اسے قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کر لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللّٰہ اعدل ان یثنی علی عبده العقوبة فی الاخرة" (یعنی اللہ تعالیٰ کا انصاف اس سے بالاتر ہے کہ آخرت میں اپنے بندے پر دوبارہ عذاب کرے) تاہم توبہ کر لینے سے سزائے قطع ساقط نہ ہوگی اور نہ تقاضائے عدل کے خلاف کیا جائے گا۔ خواہ ثابت شدہ سرقہ کے بعد توبہ کرنے اور فیصلہ ہونے کے درمیان طویل مدت گزر گئی ہو۔ کیونکہ جب معاملہ حاکم کے روبرو پیش ہو جائے تو پھر سزائے قطع کا حکم ساقط ہونے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت سے ثابت ہے جو صفوان بن امیہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی ایک خمیصہ (غالباً چادر) پر سو رہا تھا جس کی قیمت تیس درہم تھی۔ ایک شخص آیا اور مجھے جل دے کر وہ خمیصہ لے گیا اس کے بعد وہ اس شخص کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لائے آپ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضور نے صرف تیس درہم کی خاطر اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ میں نے تو اس شخص کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا اور اس کی قیمت ادھار کر لی ہے آپ نے فرمایا "فهلا کان هذا قبل ان تاتی به؟" (یعنی اس شخص کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟) غرض معاملہ اگر حاکم کے سامنے نہیں لایا گیا تو معاف کرنے سفارش کرنے اور وہ مال سارق کو بخش دینے سے سزائے قطع ٹل جاتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ چوری کرنے والا بدقماش مشہور نہ ہو۔ بصورت دیگر اس کے بارے میں کوئی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ تا آنکہ جرائم کے ارتکاب سے باز نہ آ جائے۔ توبہ کے (موثر ہونے) کی شرط یہ ہے کہ نیک نیتی اور پختہ عزم کے ساتھ نیز تمام دنیوی اغراض سے قطع نظر کر کے توبہ کی ہو یہاں تک کہ اہل جرم سفارش پر بھروسہ کرنا چھوڑ کر ارتکاب سرقہ سے باز رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فمن تاب من بعد ظلمه واصلح" (یعنی جو شخص ظلم کرنے (یعنی ارتکاب جرم) کے بعد بھی توبہ کر لے اور نیک بن جائے) تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔ پھر وہ جانے اور اس کا خدا اور پرایا مال جو اس نے چرایا وہ اس مال کے مالکوں کو واپس کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ جمہور علماء کا ارشاد ہے۔

واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسے واقعات پیش آئے اور مرتکبین جرم نے خلوص دل سے توبہ کی چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک سارق کو پیش کیا گیا جس نے چادر چرائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ اس (جیسے نیک نفس انسان) نے چوری کی ہو۔ لیکن اس شخص نے خود کہا کہ یا رسول اللہ ہاں: میں نے یہ (جرم) کیا ہے حضور نے فرمایا کہ "اذهبوا به فاقطعوه ثم احسموه ثم ائتونی به" (یعنی اسے لے جاؤ۔ اس کا ہاتھ کاٹو پھر اس کو داغ دو اس کے بعد میرے پاس لاؤ) لہٰذا اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور اسے خدمت اقدس میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا تب الی اللہ ' (یعنی اللہ کے حضور توبہ کر) اس نے کہا کہ میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا "تاب الله علیک" (یعنی اللہ تیری توبہ قبول فرمائے) صحیح ابن ماجہ میں ابولہیعہ کی یہ حدیث مروی ہے جنہوں نے یزید بن ابو حبیب سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ثعلبہ انصاری سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے عمر بن سمرۃ بن حبیب بن عبدشمس سے روایت کی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے فلاں قبیلے کا ایک اونٹ چرایا ہے حضور مجھے (اس گناہ سے) پاک فرما دیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے (تحقیق حال کے لئے) وہاں آدمی کو بھیجا۔ اہل قبیلہ نے بتایا کہ واقعی ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے۔ پس حضور نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ "الحمد للّٰہ الذی طھرنی منک' اردت ان تدخلی (جسدی النار)" (یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کی بدولت مجھے گناہ سے پاک کیا' میں نے تو سمجھا تھا کہ آپ مجھے یعنی میرے جسم کو آگ میں جھونک دیں گے)۔ یہ ہے 'توبہ نصوح' (یعنی خالص توبہ) ابن جریر کہتے ہیں کہ ابو کریب نے اس حدیث کو بیان کیا انہوں نے موسیٰ بن داؤد سے' انہوں نے ابن لہیعہ سے' انہوں نے یحییٰ ابن عبداللہ سے' انہوں نے ابو عبدالرحمٰن حبلی سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے' وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے کوئی زیور چرالیا۔ وہ لوگ جن کی چوری ہوئی تھی آئے اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ اس عورت نے ہماری چوری کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا "اقطعوا یدھا الیمنی" (یعنی اس عورت کا دایاں ہاتھ کاٹ دو) پھر وہ عورت آئی اور کہا کیا اس گناہ کی توبہ ہو سکتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انت الیوم من خطیئتک کیوم ولدتک امک" (یعنی آج تیری خطا کی حیثیت ایسی ہے جیسے اس روز تھی جس دن تیری ماں نے تجھے جنا) راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی "فمن تاب من بعد ظلمه و اصلح فان الله یتوب علیه' ان الله غفور رحیم" (یعنی جرم کرنے کے بعد جس نے توبہ کر لی اور نکوکار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔

امام احمد نے اس روایت کو زیادہ مبسوط طریقہ سے بیان فرمایا ہے: وہ کہتے ہیں کہ ابن لہیعہ نے حدیث بیان کی کہ یحییٰ بن عبداللہ نے عبدالرحمٰن حبلی سے' انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چوری کی۔ جن کی چوری کی تھی وہ اسے لے کر آئے اور کہنے لگے' یارسول اللہ اس عورت نے ہماری چوری کی ہے۔ اس عورت کے ہم قوم اشخاص نے کہا کہ ہم اس کا فدیہ ادا کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا "اقطعوا یدھا" (یعنی اس کا ہاتھ کاٹ دو) ان لوگوں نے پھر کہا ہم پانچ سو (۵۰۰) دینار فدیہ دیتے ہیں لیکن حضور نے پھر فرمایا "اقطعوا یدھا" (یعنی اس کا ہاتھ کاٹ دو) چنانچہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد اس عورت نے کہا یارسول اللہ کیا اس گناہ سے توبہ کرنے کی میرے لئے گنجائش ہے۔ فرمایا "نعم انت الیوم من خطیئتک کیوم ولدتک امک" (یعنی ہاں آج تیری خطا کی حیثیت ایسی ہے جیسے اس روز تھی جبکہ تیری ماں نے تجھے پیدا کیا یہ وہی وقت تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی "فمن تاب من بعد ظلمه و اصلح فان الله یتوب علیه' ان الله غفور رحیم" (یعنی جس شخص نے گناہ کے بعد توبہ کر لی اور نیکی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے)۔ یہ عورت جس نے چوری کی تھی وہ قبیلہ بنی مخزوم کی تھی اور یہ حدیث صحیحین سے ثابت ہے جیسا کہ باب کے آغاز میں آچکا ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس نے توبہ کر لی اور پھر اس توبہ کو خوب نبھایا پھر اس کی شادی ہو گئی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ میرے پاس آتی رہتی تھی اور میں اس کے مسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی تھی۔ اس کا نام سچی توبہ ہے یعنی توبہ نصوح ہے جو اسے اپنے کیے پر شرمندہ کرتا رہتا ہے اور حکم الٰہی سے سرتابی جو اس سے سرزد ہوتی ہے اس پر متاسف رہتا اور گناہ سے بچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

قذف کی حد (یعنی سزائے شرعی) کی تعریف

''حد'' اصطلاح شریعت میں اس سزا کو کہتے ہیں جو حق اللہ کے طور پر مقرر کی گئی ہو (یعنی خدا کی مقرر کردہ سزائے گناہ) جیسے بدکاری کی سزا یا پھر 'حد' وہ سزا ہے جو انسان کی حق تلفی (یا ایذا دہی) کی پاداش میں دی جائے۔ جیسے تہمت لگانے کی سزا۔ شریعت کی مقرر کردہ ان سزاؤں کو 'حد' یا 'قدر' (مقررہ سزا) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سزاؤں کی ایک حد یا مقدار مقرر فرمادی ہے۔ جس سے تجاوز کرنے کی اجازت کسی کو نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه'' (یعنی جس نے اللہ کی قائم کردہ حد بندیوں سے تجاوز کیا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ نام 'حد' اس لئے رکھا گیا کہ لفظ 'حد' کے لغوی معنے روکنے کے ہیں اور یہ حدود (سزائیں) کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے روکتی ہیں۔ تہمت لگانے پر سزا کے واجب ہونے اور کفر کا الزام لگانے پر نہ ہونے میں یہ راز ہے کہ جس پر کفر کا الزام ہو وہ توبہ کر سکتا ہے کہ کلمہء شہادتین پڑھ کر اس الزام سے بری ہو جائے بخلاف اس کے جس پر تہمت برے کام کی لگائی جائے وہ خود چاہے تو اس الزام سے بری نہیں ہو سکتا۔ اور لفظ 'رمی' کے معنے کسی شخص پر پتھر یا تیر وغیرہ کا پھینکنا ہے تاکہ دوسرے کو تکلیف یا ضرر پہنچے۔ یہ لفظ ''الزام تراشی'' کے معنوں میں 'استعارہ' ہے۔ کسی پر عیب تھوپنا بہر حال اس کے لئے موجب اذیت و مضرت ہے۔ پس انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات ایسی ہی ہے جیسے ہاتھ سے چلایا ہوا تیر' بلکہ:

جراحات السهام لها التئام ولا يلتام ماجرح اللسان

یعنی

سناں کا زخم ممکن ہے کہ بھر جائے
زباں کا زخم بھرتا ہی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے (تہمت لگانے کو) 'رمی' سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ حد قذف کی متعلقہ آیتوں میں یہ لفظ تین بار آیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے ''والذین یرمون المحصنات'' (یعنی جو لوگ پاکدامن عورتوں پر اتہام کا تیر چلاتے ہیں)۔ اور فرمایا ''والذین یرمون ازواجھم'' (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت کے تیر کا نشانہ بناتے ہیں) نیز ارشاد ہے ''والذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات'' (یعنی جو لوگ پاک دامن سیدھی سادی اور باایمان عورتوں پر تہمت کا تیر پھینکتے ہیں) یہ (نہج بیان) قرآن کریم کی بلاغت (پر دال) ہے۔ چنانچہ دیکھئے لفظ جب بولنے والے کے منہ سے نکل جاتا ہے تو پھر انسان کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اور جب زبان چلتی ہے تو اپنے نشانہ پر پہنچ کر ضرر و اذیت پہنچائے بغیر نہیں رہتی۔ گویا وہ ایک تیر ہے جو چلایا گیا اور جس نے چلایا پھر اس کے ہاتھ نہیں آتا پس لازم ہے کہ جو شخص یہ تیر چلانا چاہے چلانے سے پہلے اس کی پیش بندی کر لے تاکہ بعد میں شرمندہ ہونا نہ پڑے، جبکہ شرمندہ ہونے سے کچھ فائدہ نہ ہو۔

Marfat.com

سزائے قذف کے قانون شرعی ہونے کی مصلحت

اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کے آغاز میں جرم زنا کا بیان فرمایا ہے جو اتنا بڑا گناہ اور مذموم فعل ہے کہ عظیم گناہوں اور بدافعالیوں میں بھی اتنی خرابی نہیں ہے۔ اس کا تعلق ناموس انسانی سے ہے۔ اس کا الزام لگنے سے گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں اور آبرو خاک میں مل جاتی ہے اور شرع شریف کے مقاصد میں یہ امر ہے کہ انسانوں کی عزت اور اہل شرف کی آبرو بچائی جائے اور انسانی عظمت وعزت نفس کا تحفظ کیا جائے لہٰذا حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ ایسے قوانین شرعیہ کی تشکیل ہو جو ان سرکش طبائع کو قابو میں رکھے جو عداوت اور حسد کی بناء پر عظمت وشرف انسانی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ حالانکہ انسان کے نزدیک تمام عزیز ترین اشیاء میں سب سے زیادہ عزیز یہی ہے۔ وہ لوگ اپنے ان کرتوتوں کو معمولی بات خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اذ تلقونه بالسنتكم وتقولون بافواهكم ماليس لكم به علم' و تحسبونه هيناً وهو عندالله عظيم" (النور ۱۵) (یعنی تم وہی الزامات اپنی زبانوں پر لاتے اور بے سمجھے بوجھے منہ سے کہتے ہو اور اسے معمولی بات خیال کرتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک بڑی (بری) بات ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے سزائے قذف کے جو احکام نافذ فرمائے ہیں وہ اس گناہ سے باز رکھنے اور روکنے کے لئے ہیں۔ یہ احکام انسانی شرف کے محافظ اور اسی کی عظمت وعزت کی ضمانت ہیں تاکہ طبائع انسانی اس مذموم گناہ کے ارتکاب سے باز رہیں۔ تمام مسلمان دوسروں کے ساتھ حسن ظن سے کام لیں۔ بدگمانی کرنے میں جلدی نہ کریں۔ بدزبانی سے بچیں۔ ادب کا پاس کریں اور بغیر علم کے عظیم تہمتیں تراشنے سے پرہیز کریں۔ ضرررسانی کے اعتبار سے جو تہمتیں نمایاں ہیں ان کو بتادیا گیا ہے تاکہ پرفریب اور غلط اتہامات پریشانی اور طعن وتشنیع کا موجب نہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اقسام جرائم میں سے کوئی جرم بجز جرم زبان کے ایسا نہیں ہے جس کے عظیم خطرے سے انسان غافل ہو اور جس کی طرف انسانی طبیعت بڑی آسانی سے مائل ہوتی ہو اور عجیب طرح کی گفتگو سے لذت اندوز ہوتا ہو۔ اور یہ خیال کرتا ہو کہ جس کے بارے میں یہ گفتگو ہو رہی ہے اس کو ان باتوں سے کوئی قابل ذکر نقصان نہ ہوگا۔ لوگوں کو ایسی باتیں کہنے سننے کی عادت ہو جاتی ہے۔ ان امور کے باعث انسان سہل انگار ہو جاتا ہے اور اس کو معمولی بات تصور کرنے لگتا ہے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے تہمت لگانے کی سزا کو بڑی اہمیت دی ہے۔ چوری کی سزا کے بارے میں ایک آیت زنا کی حد کے بارے میں دو آیتیں نازل ہوئیں' ڈاکوں کی حد بارے ایک آیت اور حد قذف میں دو آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد تہمت کی ایک اور قسم 'لعان' کا پورا ذکر ہے جس کے متعلق پانچ آیتیں ہیں۔ اس کے پیچھے حدیث افک کا ذکر آیا اور اس کے بارے نو آیات اتاریں، ان تمام کے بعد چار آیات اتاریں۔ جن میں بے گناہ' نادان مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا ہے اور (بے قصور لوگوں کی بابت یہاں تک) فرمایا کہ "اولئك مبرؤن مما يقولون لهم مغفرة و رزق كريم" (یعنی یہ لوگ ان باتوں سے پاک ہیں جو ان پر تھوپی جاتی ہیں ان کے لئے مغفرت اور اچھا رزق ہے) غرض اللہ تعالیٰ نے قذف کی سزا' اس کے متعلقہ احکامات' اس کی اقسام اس کے عذاب اور اس کے اقدام کی خرابیوں کا ذکر فرمایا ہے اس بارے میں بیس (۲۰) آیتیں سورہ نور میں آئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ضمن میں بہتان لگانے کے مجرموں کی متعدد سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے ایک یہ کہ

Marfat.com

اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں۔ دوسرے یہ کہ تاحین حیات ان کی گواہی تسلیم نہ کی جائے۔ تیسری یہ کہ انہیں فاسقوں‘ مجرموں اور گناہ کبیرہ کے مرتکبوں میں شمار کیا جائے۔ چوتھے یہ کہ وہ عنداللہ کاذب اور دروغ گو ہیں۔ پانچویں یہ کہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ان پر لعنت ہے۔ چھٹے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے قیامت کے روز سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ساتویں یہ کہ خود ان کے اعضائے جسم ان کے خلاف کھلم کھلا گواہی دیں گے جو ان کی ذلت و رسوائی کا موجب ہوگا۔ آٹھویں یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت کی پوری پوری سزا دے گا اور ان کے اعمال کے مطابق آتش جہنم کے طرح طرح کے عذابوں سے جن کے وہ سزاوار ہیں دوچار کرے گا۔ اور تمام ملت اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بہتان لگانا تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ بہتان تراشی کی یہ سزا‘ کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں ارشاد ہے ”والذین یرمون المحصنات اللہ ثم لم یاتوا باربعة شهدآء فاجلدوهم ثمانین جلدة‘ ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا‘ واولئک هم الفاسقون“ (یعنی جو لوگ بے قصور عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور اس کے لئے چار گواہ پیش نہیں کر سکتے انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی تسلیم نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاذا لم یاتوا بالشهدآء فاولئک عند الله هم الکاذبون“ (بہتان لگانے والے اگر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو اللہ کے نزدیک وہ دروغ گو یعنی جھوٹا الزام لگانے والے ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان مرد یا مسلمان عورت پر تہمت لگائی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکا تو اسے دروغ گو (یعنی جھوٹی تہمت لگانے والے) کی سزا ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ان الذین یرمون المحصنات الغافلات‘ المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرة ولهم عذاب عظیم‘ یوم تشهد علیهم السنتهم وایدهم وارجلهم بما کانوا یعملون‘ یومئذ یوفیهم الله دینهم الحق‘ ویعلمون ان الله هو الحق المبین“ (النور: ۲۳۔۲۵) (یعنی جو لوگ بے گناہ‘ بے خبر ایمان دار عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت اور سخت عذاب ہے۔ اور اس روز ان کی زبان‘ ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف ان باتوں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں اور اس روز اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی ٹھیک ٹھیک جزا دے گا اور تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی امر حق بیان کرنے والا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں گناہ قذف کی قباحت اور اس کی شدت بیان فرمائی ہے اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو اس میں مبتلا ہیں۔ اس کے عظیم خطرے سے آگاہ فرمایا۔ اس کا ارتکاب کرنے والے کی سزا اور اس کے برے انجام کو جتایا ہے اور اس کے بارے میں سخت وعید کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس سے بری وعید کیا ہوگی کہ وہ دنیا میں انسانوں اور فرشتوں کا ملعون اور قیامت میں اللہ کی رحمت اور اس کی خوشنودی سے دور اور عذاب سخت کا مستحق ہو۔ اس کے اپنے اعضاء کا اس کے خلاف گواہی دینا اسکے رسوا کن گناہ کا ثبوت ہوگا یہ اس کے خلاف آخری فیصلہ ہے۔ گناہ سے چھٹکارے (یا بریت) کا دروازہ اس پر بند ہو جائے گا۔ بعض اصحاب نے اس کے خلاف اس کے اعضاء کی گواہی کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ دنیا میں بہتان لگانے والے سے اس سے ثبوت دعویٰ میں چار گواہوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ قیامت میں اس کے اعضاء و جوارح جسم کے پانچ گواہ اس کی کذب بیانی کا ثبوت ہوں گے یعنی اس کی زبان‘ اس کے دو ہاتھ‘ اس کے دو پاؤں (اس کے خلاف گواہی دے کر اس کے لئے) موجب‘ ذلت و رسوائی ہوں گے۔ اسی طرح جیسا کہ اس نے بے گناہ اور بے خبر ایمان دار عورتوں کو کیا اور اس امر کے ثبوت کو کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پوری اور ٹھیک سزا دے گا۔ آیت کا اخیر حصہ کافی ہے کہ لوگوں پر جھوٹا

Marfat.com

طوفان باندھنے والا۔ گو سر دست نہ جانے لیکن اس وقت جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے اور اس کی وعید (تنبیہ) سچی ہے اور یہ کہ اس کا ارشاد حق اور واضح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشته فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ واللّٰہ یعلم وانتم لاتعلمون" (یعنی جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کے درمیان گناہ کی اشاعت ہو ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے تم نہیں جانتے)۔ اس آیت میں عذاب دنیا کی جو وعید آئی ہے اس میں حد قذف (سزائے بہتان) اور بہت سے دوسرے پیش آنے والے مسائل شامل ہیں۔ مثلاً دنیوی مصائب اور ذلتوں کا سامنا کرنا اور (بہتان طراز کے خلاف) عزت و آبرو پر حرف لانے والی جھوٹی سچی زبان درازیاں اور پردہ فاشیاں اور مخفی معائب کی تشہیر غرض مجلسوں میں لوگوں کی زبان پر اس کے کردار کی مذمت ہوگی۔ غرض جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے اس (کے کردار) کی بھی چھان پھٹک ہوتی ہے جو دوسروں کا پردہ فاش کرتا ہے اس کو بھی رسوائی کا سامنا ہوتا ہے۔ جو مسلمانوں کی عیب جوئی کرتا ہے خود اسکا بھانڈا بھی پھوٹتا ہے۔ اور جب خدا ہی کسی کی پردہ دری کرے تو وہ رسوا ہو کر ہی رہتا ہے خواہ اپنے گھر کے اندر گھس کر بیٹھ رہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ انسان جیسا کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ جیسا فعل ہوگا ویسی ہی اس کی جزا ہوگی۔ جو حسرت (بیجا توقعات) بوئے گا ندامت (ناکامی) کاٹے گا۔ رہا عاقبت کا عذاب سو وہ نہایت سخت اور دائمی ہے۔

یہ تو ان لوگوں کا حشر ہوگا جو بے شرمی کی باتوں کو پھیلانا اور اس کو شہرت دینا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنے دل سے باتیں گھڑتے اور اس کا چرچا کرتے ہیں۔

سنت کی رو سے قذف (بہتان) کی سزا اس حدیث سے ثابت ہے۔ جسے امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: یا رسول اللّٰہ وما ھن؟ قال: الشرک باللّٰہ، والسحر، وقتل النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق، واکل الربا، واکل مال الیتیم، والتوالی یوم الزحف، وقذف المحصنات، الغافلات، المومنات" (یعنی سات باتوں سے بچو جو معرض ہلاکت ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ کونسی باتیں ہیں؟ فرمایا: اللہ کا شریک ٹھہرانا، جادو، قتل ناحق، سودخوری، مال یتیم کھانا اور چڑھائی کے دن بھاگ نکلنا اور بے گناہ، سادہ لوح، مومن عورتوں پر بہتان لگانا)۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" من قذف مملوکه یقام علیه الحد یوم القیامة، الا ان یکون کما قال" (یعنی جو شخص اپنے مملوک (لونڈی، غلام) پر جھوٹی تہمت لگائے تو قیامت کے روز اس پر حد جاری کی جائے گی بجز اس صورت کے جب کہ امر واقعہ ویسا ہی ہو جیسا کہ اس نے بیان کیا) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر آقا اپنے مملوک (لونڈی یا غلام) پر جھوٹی تہمت لگائے تو گو وہ شخص آیت قذف کے تحت آتا ہے لیکن اس بناء پر اسے سزائے قذف نہیں دی جائے گی کہ مملوک کو آزاد ہونے کا تحفظ حاصل نہیں ہوتا رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح عمل فرمایا ہے۔

(حد قذف کے بارے میں) یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب میری بریت (کی آیت) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور اس کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد " ان الذین جاء وابالافک" سے لے کر اٹھارہ آیتوں کے آخر تک نازل شدہ آیات تلاوت فرمائیں " فلما نزل امر

Marfat.com

بر جلین، و امراۃ فضربوا الحد '' (یعنی پھر منبر سے اتر کر دو مردوں اور ایک عورت کو سزائے قذف کا حکم دیا) احمد اور محدثین اربعہ نے اس حدیث کا اخراج فرمایا ہے اور امام بخاری نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور وہ دو مرد جنہیں سزا کا حکم ہوا 'حسان' اور 'مسطح' تھے اور عورت حمنہ بنت جحش تھی۔ یہ حدیث سزائے قذف کی دلیل ہے۔

قذف (الزام) کے مباح ہونے کی صورت

علمائے فقہ کہتے ہیں کہ 'قذف' کی چند قسمیں ہیں۔ الزام دینا ممنوع بھی ہے، مباح بھی اور واجب بھی۔ اگر کوئی شخص بچے (کا باپ ہونے) سے انکار کرنا نہیں چاہتا تو (عورت پر) الزام لگانا واجب تو نہیں ہے۔ لیکن مباح بھی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دیکھنا ہوگا اگر خاوند نے اپنی آنکھوں سے عورت کو بدکاری کرتے دیکھا ہے یا عورت خود اس کا اقرار کرتی ہے اور وہ شخص سچے دل سے اس پر یقین کرتا ہے۔ یا پھر اس شخص نے ایسے شخص سے سنا ہے جس کی بات پر اسے وثوق ہے۔ یا پھر اس نے (معتبر آدمی سے) نہیں سنا لیکن لوگوں سے معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے فلاں عورت سے بدکاری کی اور خاوند نے اسے اپنے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا یا اس عورت کو اس شخص کے پاس ایک کمرے میں دیکھا تو ان تمام صورتوں میں عورت پر الزام رکھنا روا ہے، کیونکہ ان واقعات سے الزام کو تقویت پہنچتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ اگر بیوی توبہ کرلے تو اسے رکھ چھوڑے اور اس کا پردہ ڈھکے، اگر غیر معتبر آدمی سے ایسی بات سنی ہے یا لوگوں سے معلوم ہوا لیکن اس شخص کو اس عورت کے ساتھ تخلیہ میں یا عورت کو اس شخص کے پاس نہیں دیکھا تو اس پر الزام لگانا حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ بیوی کے کردار کی نگرانی اور جستجو میں لگا رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کا سچ یا جھوٹ ثابت ہو جائے۔ اور وہ شخص دیوث نہ بنے اور اہل خانہ کو بدکاری میں مبتلا نہ رکھے۔

اس صورت میں جب کہ (ایک عورت کے ہاں) اولاد ہو جائے اور اس کا خاوند اس بچے کا باپ ہونے سے انکار کرے تو اب غور کرنا ہوگا۔ اگر یہ یقین ہو کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے بدیں جہت کہ خاوند نے بیوی کے ساتھ مباشرت ہی نہیں کی یا مباشرت کی ہے لیکن مباشرت کے بعد چھ ماہ سے کم عرصہ میں یا چار سال کے بعد ولادت ہوئی تو بیوی پر الزام لگانا واجب ہوگا و 'لعان' کر کے اس اولاد سے انکار کرلے گا۔ کیونکہ غیر کا نسب اپنے اوپر جوڑ لینا بھی ایسا ہی ممنوع ہے جیسے اپنے نسب سے انکار کرنا۔ نبی ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا'' ایما امراۃ دخلت علی قوم من لیس منھم فلیست من اللہ، ولم یدخلھا اللہ جنۃ '' (یعنی جو عورت اپنی اولاد کا رشتہ ایسے سے جوڑے جس سے وہ اولاد نہیں ہے تو وہ عورت اللہ والی نہیں ہے اور اللہ اسے جنت میں داخل نہ کرے گا)۔ پس جب کہ عورت (اپنی اولاد کا) رشتہ ایسے شخص سے نہیں جوڑ سکتی جس سے فی الواقع نہیں ہے تو مرد بھی یہ نہیں کر سکتا (کہ اپنی اولاد کو کسی اور کا بتائے)۔ لیکن اگر یہ احتمال ہو کہ وہ اولاد اسی کی ہو بایں طور کہ مباشرت کے بعد چھ ماہ سے زیادہ اور چار سال سے کم عرصہ میں پیدائش ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں غور و تامل سے کام لینا ہوگا۔ اگر اس شخص نے ایک مدت حیض تک عورت کے (حمل سے) پاک ہونے کا انتظار نہیں کیا، یا انتظار کیا اور اس انتظار کے بعد چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ پیدا ہو گیا تو نہ عورت پر الزام لگانا حلال ہے اور نہ اس اولاد سے انکار کرنا حلال ہے۔ اگرچہ بدکاری کی تہمت لگائی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے'' ایما رجل جحد ولدہ وھو ینظر الیہ، احتجب اللہ منہ یوم القیامۃ، وفضحہ علی رؤس الاولین والآخرین '' (یعنی تم میں سے جو شخص اپنی اولاد سے انکار کرے درآنحالیکہ اس کا متوقع رہا ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے دیدار سے محروم رکھے گا اور اگلوں پچھلوں کے سامنے اس کی رسوائی ہوگی)۔

Marfat.com

اس سے متاثر نہیں ہوتا تو اس کا نقصان صرف اس کی ذات تک محدود رہے گا۔ لیکن اگر ایسا ماحول ہے کہ دوسرے بھی اسے دیکھ کر ایسا ہی کرنے لگیں گے اور اس کی فضول خرچی کی یہ عادت دوسرں کو بھی خراب کرے گی تو اسے اس برائی کا سربراہ قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا واجب ہے کہ حاکم پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اس کی قرار واقعی سزا تجویز کرے۔ بعض ائمہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی نے جائز کاموں میں فضول خرچی کی ہے۔ تو اس پر تشدد واجب نہیں ہے، لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے کہ فضول خرچی بجائے خود مستوجب سرزنش ہے اور یہ سرزنش بھی ایک قسم کی سزا ہے جس سے اس امر کی تشہیر ہوتی ہے کہ یہ فلاں شخص اپنے مال کو ٹھیک طریقہ سے صرف میں نہیں لاتا لہٰذا مالی معاملات میں اس پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ یہ ایک دائمی سرزنش ہے جسے عاقل پسند نہیں کرتا۔ لیکن ممنوعہ خواہشات نفسانی میں فضول خرچی کرنے پر قدغن بالاتفاق واجب ہے۔

اسلامی احکام سرقہ کے بارے میں بعض بے دینوں کے اعتراض کا بیان

(حد سرقہ کے بارے میں) یہ سوال مشہور ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا اعضائے انسان میں سے ایک عضو کو ضائع کر دینا ہے' لیکن اس سزا کو جرم کی نوعیت سے مناسبت نہیں ہے' جرم ہلکی نوعیت کا ہے کہ کم سے کم مال سرقہ کی مالیت صرف دس درہم ہے' اس جرم کی یہ سزا سخت ہے' یہ اعتراض جرم کی شدت اور اس کے نقصان دہ نتائج سے ناواقفیت کی بناء پر کیا جاتا ہے' اگر یہ جرم معاشرہ میں راہ پائے گا تو لوگوں کی جان مال اور آبرو سخت خطرہ میں پڑ جائے گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے' اس کی وجہ سے زندگی تلخ اور اجیرن ہو کر رہ جائے گی' چوری کرنے والا ایک درندہ جانور کی مانند ہے کہ جو کوئی اس کے سامنے آتا ہے۔ وہ بھنبھوڑ کھاتا ہے۔ پس لازم ہے کہ اس جرم کا مقابلہ انتہائی سختی سے کیا جائے' تاکہ معاشرہ کو اس کے برے نتائج سے قطعی طور پر بچایا جا سکے' اب جو شخص اس سزا کو سخت خیال کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جرم نہایت قبیح ہے اور معاشرہ پر اس کا نہایت برا اور خوفناک اثر پڑتا ہے' پھر سزائیں جو رکھی گئی ہیں وہ اسی لئے ہوتی ہیں کہ اخلاق کو تباہ کرنے والی برائیوں کو دور کیا جا سکے' اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ برائیوں کو نرمی اور ملائمت سے دور نہیں کیا جا سکتا، پس اگر ایسے اشخاص کو مثالی سزا نہ دی جائے تو ان برائیوں کو کبھی دور نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے محرکات جرائم کے سد باب کا بیان

اب یہاں چند ایسی باتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو عملی طور پر جرائم کی محرکات میں سے ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

کوکین اور بھنگ کا استعمال' اس کے لئے شروع میں حکومت نے ہلکی سزائیں رکھیں' لیکن ضعیف الایمان اور شر پسند افراد میں اس کا ارتکاب بڑھتا گیا اور اس کی بیخ کنی نہ ہو سکی۔ بعد میں اس کے خلاف سخت قانون نافذ ہوئے اور شر پسند اشخاص نے اس کے نتائج کو محسوس کیا تو ان مضرت رساں اشیاء کے استعمال سے باز آ گئے۔ شریعت اسلامیہ ایسے قوانین کی تائید کرتی ہے اور پسند کرتی ہے۔ چنانچہ حاکم کو اس امر کا حق دیا ہے کہ ان جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق سزائیں نافذ کرے۔ خواہ وہ جرم صرف مرتکب کی ذات تک محدود رہے یا معاشرہ پر اثر انداز ہو۔

بداعمالوں کے حق میں بھی شریعت اسلامیہ باعث رحمت ہے

واضح ہو کہ ایک ایسا وقت تھا جبکہ بلاد مقدسہ میں سلسلہ امن وامان باقی نہ رہا اور سخت پریشان حالی کا سامنا تھا۔ پھر جب وہاں احکام الٰہی نافذ ہوئے اور بعض چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے تو جلد ہی جرائم کم ہو گئے اور ان کی جگہ امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔

مذکورہ سابقہ سزاؤں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ گو بظاہر یہ سزا سخت نظر آتی ہے لیکن درحقیقت یہ بھی سارقین بداعمال کے حق میں رحمت ہے کہ یہ سزا انہیں مجرمانہ حرکات کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے اور حد سے تجاوز نہیں کرنے دیتی' اور لوگ اس جرم کے ارتکاب سے باز آ جاتے ہیں جو معاشرہ کے حق میں سخت ضرر رساں ہے۔

جرم سرقہ کے مستوجب قطع ہونے کے لئے مقدار مال متعین کرنے کی حکمت

کہا جا سکتا ہے کہ جرم سرقہ کی اہمیت کے پیش نظر تو یہ جرم اس امر کا متقاضی ہے کہ ایک درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ دس درہم کی چوری میں سزائے قطع رکھنے کے اندر کیا مصلحت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے مدنظر یہ امر ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا اس قدر مال کی چوری پر ہونی چاہیے جس کی فی الجملہ کوئی حیثیت ہو۔ یعنی اس قدر مال ہو جس سے مالک کو ضرر پہنچے۔ دس درہم میں ایک معمولی حیثیت کا گھرانہ دو دن بسر اوقات کر سکتا ہے۔ پس اگر اس قدر مال چرایا جائے تو یہ مالک کے لئے ضرر رساں ہے لہٰذا اس سے کم چوری پر سزائے قطع نہ ہو گی کیونکہ بالعموم اس کے کم مقدار مال بے حقیقت ہے۔ تاہم اگرچہ مجرم اس (قلیل مقدار مال) کی چوری کرنے پر سزائے قطع سے بچ جائے تب بھی'

Marfat.com

سزائے قید یا سزائے ضرب سے نہیں بچے گا تا کہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔

اسی طرح وہ صورت ہے جبکہ ایک شخص بارادہء سرقہ گھر میں نقب لگائے یا دیوار پھاند کر آجائے اور کسی وجہ سے چوری نہ کر سکے تب بھی وہ مستوجب سزا ہوگا تا کہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے۔

اگر کسی شخص نے جرم سرقہ کا اقدام کیا لیکن ثبوت جرم سرقہ کی وہ شرطیں پوری نہ ہوئیں جن کی تفصیل فقہاء نے بتادی ہے' تب بھی ایسے اشخاص سزاوار سرزنش ہیں تا کہ پھر ایسی حرکت نہ کریں۔

امید ہے کہ اس بیان سے ان اصحاب کی تشفی ہو جائے گی جو چوری کی اس سزا کو سخت خیال کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا یہ سزا خود چوری کرنے والوں کے لئے اور پورے معاشرے کے حق میں موجب رحمت ہے۔

Marfat.com

"باب"

قذف (بہتان) کی سزا کا بیان

تہمت لگانے (یا بہتان تراشی) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم (قرآن) میں اس طرح فرمایا ہے "والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً و اولئک هم الفاسقون (النور: ۴)" (یعنی جو لوگ بے گناہ عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں اور اپنے بیان کی تصدیق میں چار گواہ پیش نہیں کر سکتے تو انہیں اسی (۸۰) درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو یہ لوگ گنہگار ہیں)۔

قذف سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص واضح الفاظ میں کسی پر بدکاری کا الزام لگائے اور یہی کہے کہ تو نے زنا کیا۔ یا پھر ایسی بات کہے جس کا مطلب یہی نکلتا ہو مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص کو اس کے باپ کے سوا کسی اور سے منسوب کرے اب جو شخص ایسی حرکت کا مرتکب ہو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں درآنحالیکہ وہ شخص ایسے چار گواہ نہ پیش کر سکے جو یہ شہادت دیں کہ انہوں نے فلاں شخص کو جس پر یہ تہمت لگائی گئی ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ جو اس پر حلال نہیں ہے، بدکاری کی (۱)

قذف کی شرعی تعریف

۱۔ لغت کی رو سے قذف کے معنے تیر چلانے یا پتھر پھینکنے کے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں کسی بے گناہ پر بدکاری کا صریحاً الزام لگانا یا ایسی بات کہنا جس کا مطلب یہی ہو قذف ہے۔ کسی بے گناہ پر بدکاری کی تہمت لگانے کو قذف (یعنی تیر یا پتھر پھینکنا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس فعل بد (زنا) کی تہمت کسی پر لگانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص غصہ میں آ کر پتھر کھینچ مارے اور یہ خیال نہ کرے کہ یہ پتھر کس کس پر جا کر پڑے گا۔ ایک بے گناہ عورت، اس کا باپ، ماں، بہن، بھائی خاوند اور اس کا کنبہ اور اس کے رشتہ دار سب ان کی اس غلط اندازی کا نشانہ بن جاتے ہیں اور وہ ہنستا اور خوش ہوتا ہے۔ اور اس ضرر سے جوان سب کو پہنچا بالکل آنکھیں بند کر لیتا ہے ایسے شخص کو مفتری کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جھوٹا الزام تراشتا ہے اور افترا سے کام لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باقتضائے حال عورتوں کے اچھے خصائل کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً محصنات وہ عورتیں ہیں جو (ابتلائے گناہ سے) محفوظ ہوں یعنی ان کے خاوندوں کو ایک مستحکم حصن (قلعہ) تصور کیا گیا ہے۔ اور "غافلات" (بے خبر) فرمانے سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذہن ناپسندیدہ خصائل کے تصور ہی سے خالی ہوتا ہے اس کی طرف توجہ کرنے کا

Marfat.com

بہتان تراش اور جس پر بہتان لگایا گیا ہو وہ مرد ہو یا عورت دونوں کا حکم یکساں ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا ذکر جس پر تہمت لگائی گئی ہو خصوصیت کے ساتھ پہلے محصنات (بے گناہ عورتوں) کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ کیونکہ عورت کی بدکاری کا ضرر اس کی اپنی ذات سے گزر کر اس کے کنبہ تک پہنچتا ہے۔ تہمت کا برا اثر عورت پر سخت شرمناک ہوتا ہے۔ مرد پر اتنا نہیں ہوتا۔ تہمت لگانے والوں میں مرد کے ذکر کو خصوصیت کے ساتھ مقدم فرمایا گیا ہے۔ "والذین یرمون" (یعنی وہ مرد جو تہمت لگاتے ہیں) اس لئے کہ عام طور پر عورتوں پر شرم غالب ہوتی ہے لہٰذا وہ مردوں پر زنا کا الزام نہیں لگاتیں اور حدیث سے واضح ہے کہ تہمت کے متعلقہ احکام کے بارے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ان شرائط کو بیان کیا گیا ہے جو حد قذف لاگو ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً عاقل ہونا اور آزاد ہونا وغیرہ جن کا ذکر کتب فقہ میں آیا ہے۔

تو ذکر کیا؟ اور مومنات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو قرآن حکیم اور اس کے احکام پر ایمان رکھتی ہیں اور اس کی مقرر کردہ پابندیوں پر کاربند ہیں۔

واضح ہو کہ احصان (محفوظ یا بے گناہ) کا لفظ شادی شدہ عورت کے لیے یا غیر شادی شدہ پاک دامن عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" والتی احصنت فرجھا" (یعنی وہ عورت جس نے اپنی شرمگاہ کو بچایا)۔ غرض اس لفظ کا مفہوم شرمگاہ کو محفوظ رکھنا ہے۔ اگر عورت شادی شدہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاوند کے سوا تمام مردوں سے بچ کر (الگ) رہتی ہے اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اپنی حرمت کو تمام اشخاص سے بچاتی ہے۔

ائمہ فقہ رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد، بالغ، عاقل، مسلمان اور بااختیار شخص کسی آزاد، عاقل،، بالغ، مسلمان اور بے گناہ مرد پر جسے اس سے پہلے سزائے زنا نہیں ملی یا کسی آزاد، بالغہ، عاقلہ، مسلمان اور پاکدامن قابل مباشرت عورت پر جس کے ساتھ لعان نہیں ہوا اور زنا کی پاداش میں حد نہیں ماری گئی، تہمت لگائے اور وہ تہمت صراحۃً یا کنایۃً ہو اور دارالحرب میں نہ ہو اور جسے تہمت لگائی گئی وہ خود حد قذف کا مطالبہ کرے تو اس شخص کو سو درے لگائے جائیں گے بشرطیکہ وہ اپنے قول کے ثبوت میں چار معتبر گواہ نہ پیش کر سکے۔

واضح ہو کہ فقہاء نے مسلمان ہونے کو پاکباز ہونے کی شرط قرار دیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے" من اشرک باللہ فلیس بمحصن" (یعنی مشرک کو پاکباز قرار نہیں دیا جا سکتا)۔ اسی طرح عاقل و بالغ ہونا بھی محصن کو ضروری ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے" رفع القلم عن ثلاث" (یعنی تین اشخاص مرفوع القلم ہیں جن سے مراد بے عقل، نابالغ اور مجنون ہیں)۔ اس کے لیے آزاد ہونا بھی شرط ہے کیونکہ غلام یوں بھی کم حیثیت ہوتا ہے زنا کے الزام سے اس کی حیثیت میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئے گی۔ پھر (حد قذف کا مستوجب ہونے کے لیے) یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جس پر

Marfat.com

الزام لگایا گیا ہے وہ بے گناہ ہو کیونکہ حدٗ کا سزاوار وہ ہوتا ہے جو جھوٹی تہمت لگائے۔ اگر فی الواقع وہ شخص گنہگار ہے جس پر تہمت لگائی گئی تو تہمت لگانے والا الزام تراشی میں سچا ہے۔ (اور تہمت جھوٹی نہیں ہے) یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس شخص پر زنا کی تہمت لگائی جائے جس نے بیوی کے شبہ میں (غیر عورت سے) مباشرت کر لی یا نکاح فاسد ہوا ہو اور مباشرت کر لے۔ کیونکہ ان صورتوں میں ارتکاب گناہ کا شبہ بھی ہے اور فعل حلال کا بھی پس جبکہ ان میں سے ایک شبہ کی بناء پر مباشرت کرنے والے کی سزائے زنا ساقط ہو جاتی ہے تو دوسرے شبہ کی بناء پر اسی طرح سزائے قذف بھی ساقط ہو جائے گی۔ پھر اس میں اختیار کو بھی دخل ہے۔ کیونکہ اگر کسی کو اس گناہ کے ارتکاب پر مجبور کیا جائے تو اس پر حدٗ واجب نہ ہوگی۔ بلکہ سزا سے بری کر دیا جائے گا پھر فقہاء نے نکوکاری کی یہ شرط بھی رکھی ہے کہ اس سے پہلے اسے کبھی زنا کی سزا نہ ملی ہو۔ بلکہ اس کی صفت بے گناہی ظاہر ہو چنانچہ اگر کسی نے عنفوان شباب میں ایک بار بدکاری کا ارتکاب کیا ہو اور پھر توبہ کر کے اپنی حالت سدھار لی ہو اور عمر رسیدہ ہونے تک خوش کردار رہا ہو تو ایسے شخص پر بھی تہمت لگانے والے کو سزائے قذف نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی کافر یا غلام نے بدکاری کی پھر مسلمان یا آزاد ہو گیا اور اپنی اصلاح کر لی پھر اس پر کسی نے تہمت لگائی تو تہمت لگانے والے کو سزائے قذف نہ دی جائے گی۔ بخلاف اس کے اگر کسی نے نابالغی کے عالم میں یا دیوانگی میں بدکاری کی اور پھر اسے افاقہ ہو گیا تو اس پر بہتان لگانے والا مستوجب حد ہوگا، کیونکہ نابالغ شخص یا جنون زدہ کا فعل جرم زنا نہیں ہے (لہٰذا وہ بے گناہ ہے اور بے گناہ پر تہمت لگانا جرم مستوجب سزا ہے)۔

اگر کسی نامرد یا مجبوب الذکر پر (جو قوت یا آلات مردمی سے محروم ہو) یا رتقاء (وہ مریض عورت جو نااہل مجامعت ہو) یا صغیر سن عورت پر جو اس قابل نہ ہو تہمت لگائی تو اس پر حد واجب نہ ہوگی۔

اگر کسی بے گناہ شخص پر تہمت لگائی اور قبل اس کے کہ تہمت لگانے والے کو سزائے قذف دی جاتی اس شخص نے فی الواقع بدکاری کا ارتکاب کر لیا تب بھی تہمت لگانے والے پر حد لاگو نہ ہوگی۔ کیونکہ بعد میں اس شخص کا ارتکاب زنا کر لینا اس کے ماضی کے کردار کو مشتبہ بنا دیتا ہے۔ یہ حکم اس بناء پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کرم فرمانے والا ہے اپنے بندہ کے پہلے گناہ پر اس کی پردہ دری نہیں کرنا چاہتا ہے۔ اس گناہ کو ظاہر کرنے سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ شخص پہلے بھی اس گناہ میں مبتلا تھا۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے خلافت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گناہ زنا کا ارتکاب کیا۔ اس شخص نے کہا کہ بخدا میں نے اس کے علاوہ کبھی یہ گناہ نہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے، اللہ تعالیٰ پہلی بار کے گناہ میں کسی کو رسوا نہیں کرتا۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ تہمت جو مستوجب حد ہے یہ ہے کہ ایک شخص زنا یا اغلام کا الزام کسی پر لگائے یا گناہ کا الزام نہیں بلکہ صراحۃً اس کے نسب کا انکار کرے، درآنحالیکہ اس کی ماں آزاد اور مسلمان ہو۔ اور اس طرح بہتان لگانا واجب الحد اس لیے ہے کہ یہ الزام موجب عار ہے۔ اس سے کمینگی، پردہ دری، رسوائی، بے عزتی اور بے غیرتی ہوتی ہے جو بدترین حیوانات کی فطرت اور ہر گونہ ہلاکت کا موجب ہے۔ جس پر تہمت لگائی جائے اگر وہ عورت ہے تو یہ الزام اس کی قوم کے لیے ہتک آمیز ہوگا اور اس کا نتیجہ خونریزی ہوگا اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ خون خرابہ کے بغیر عار کا یہ داغ دھویا جا سکے۔ اور اگر مرد پر تہمت لگائی گئی تو اس سے ثابت ہوگا کہ نہ تو اس کی نگاہوں میں عزت کی کوئی حقیقت ہے اور نہ شرم و حیا

Marfat.com

کا پاس ہے نہ اس کا خون جوش مارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ غیرت مند انسان کبھی یہ فعل بد نہیں کرتا۔ اور یہ ایسی بے شرمی کی بات ہے کہ جس کا اثر بیٹوں پوتوں تک پہنچتا ہے اور سالہا سال تک باقی رہتا ہے۔ اور تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت شریفہ میں لفظ 'رمی' سے مراد خاص معصیت زنا کی تہمت ہے۔ کسی اور گناہ کا الزام مراد نہیں ہے یہاں (تہمت زنا مراد لینے کے) چند قرینے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک قرینہ یہ ہے کہ یہ آیت زنا کی متعلقہ آیت کے بعد آئی ہے۔ اور یہ کہ لفظ 'محصنات' سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں جو اس حقیقت پر دال ہے کہ اس سے مراد تہمت ہے اور ان پر تہمت لگانے کا مقصد ان کی پاک دامنی کی مخالفت ہے۔ ایک اور قرینہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ثم لم یاتوا باربعة شهداء" (یعنی اگر الزام لگانے والے چار گواہ نہ پیش کر سکیں) یعنی اپنے الزام کے ثبوت میں جو انھوں نے لگایا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ گواہوں کی یہ تعداد (یعنی چار) ماسوا زنا کے شرط نہیں ہے۔ اور ایک قرینہ یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ بجز ثبوت زنا کے کسی اور جرم کی تہمت لگانے پر درہ زنی واجب نہیں ہے۔ ان تمام قرائن سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آیت میں لفظ 'رمی' سے مراد صرف زنا کی تہمت ہے کسی اور برائی کا الزام نہیں ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب تک مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) وہ خود سزائے تہمت کا مطالبہ نہ کرے تہمت لگانے والے کو سزا نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ اس الزام سے اس کی بے عزتی جو ہوئی ہے اس کے دفعیہ کا اسے حق ہے۔ اب اگر وہ اسے معاف کر کے درگزر کر دے اور سزا کا مطالبہ نہ کرے تو حد لاگو نہ ہوگی۔

الفاظ تہمت کا بیان

جن الفاظ میں تہمت لگائی جاتی ہے ان کی تین قسمیں ہیں: تہمت صریح (کھلے الفاظ میں تہمت لگانا) تہمت کنائی (غیر واضح پر تہمت لگانا) تہمت تعریض (بطریق طعنہ تہمت لگانا) بالفاظ صریح تہمت کی مثال یہ ہے کہ وہ کہے کہ "اے زنا کرنے والی" یا یوں کہے کہ "تو نے زنا کیا ہے" یا "تیری اگلی یا پچھلی شرمگاہ نے زنا کیا" لیکن اگر کہا کہ تیرے جسم نے بدکاری کی تو اس کے دو مفہوم ہیں ایک مفہوم کی رو سے یہ 'کنایہ' ہے (صراحت نہیں ہے) جیسے کوئی یوں کہے کہ 'تیرے ہاتھ نے زنا کیا' کیونکہ بدفعلی کا تعلق دراصل شرمگاہ سے ہوتا ہے (اس کی بجائے ہاتھ کا لفظ استعمال کرنا کنایہ ہے) اور یہ حرکت بدن سے نہیں ہوتی بلکہ بدن اس فعل کا معاون ہوتا ہے دوسرا مفہوم جو زیادہ درست ہے یہ ہے کہ اس طرح کہنے کو تہمت صریح تصور کیا جائے کیونکہ یہ فعل پورا بدن انجام دیتا ہے شرمگاہ صرف آلہ کار ہے۔

کنایۃً الزام لگانے کی مثالیں یہ ہیں کہ کوئی کہے اے فاسقہ یا فاجرہ یا خبیثہ، یا کنچی یا حرام کی بچی یا یوں کہا کہ میری بیوی (غیر مرد کو) ہاتھ لگانے سے منع نہیں کرتی، یا اس کے برعکس کہا (کہ وہ غیر مرد کو ہاتھ لگاتی ہے) ان باتوں میں سے کوئی بات (قانوناً) بہتان نہیں ہے۔ لہٰذا اس طرح کہنے والے کو سزائے قذف نہ ہوگی۔ تا آنکہ اس شخص نے ان الفاظ سے الزام لگانے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ پس اگر وہ شخص کہے کہ میرا مقصد ان الفاظ سے الزام لگانا نہیں ہے لیکن 'مقذوف' (جس پر الزام لگایا گیا) اس شخص کے اس بیان کو جھٹلائے تو اس شخص کی توجیہ مان لی جائے گی بشرطیکہ وہ قسم کھا کر کہے۔ تاہم حاکم شرع پر لازم ہوگا کہ اسے کوئی مناسب سزا دے کیونکہ ایسی باتیں کہہ کر اس نے مقذوف کو دکھ دیا اور عیب لگایا ہے لیکن حد (سزائے شرعی) محض قیاس کی بناء پر عائد نہیں ہوتی۔

Marfat.com

رہا (تہمت کے لیے) الفاظ تعریض (یعنی طعنہ) کا استعمال کرنا سو اس کے بارے میں فقہاء رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کی اور شافعیہ کی بھی ایک رائے تعریض (طعنہ) کے بارے میں یہ ہے کہ تعریض (طعنہ) کے طور پر جو کچھ کہا جائے، اگر چہ اس سے مراد تہمت لگانا ہو۔ سزائے حد واجب نہ ہوگی۔ مثلاً (طعنہ کے طور پر) یوں کہنا کہ "اے حلال زادے میں نے کبھی بدکاری نہیں کی، میرے خاندان کو سب جانتے ہیں، میری ماں بدکار عورت نہ تھی، میں تیری اصلیت کھول کر رکھ دوں گا، میری شرمگاہ پاک ہے۔" (یہ الفاظ مستوجب حد نہیں ہیں) کیونکہ ان الفاظ میں تہمت کا احتمال ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ لہٰذا حد نہ لگانا واجب ہے کیونکہ بنیادی طور پر انسان معصیت سے بری متصور ہوتا ہے اور شبہ کی بناء پر کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم ایسی بات کہنے والے کی سرزنش واجب ہے (کنایہ یا طعنہ کے طور پر) تہمت لگانے سے انسان کو زیادہ اذیت نہیں ہوتی کیونکہ ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ان الفاظ سے مراد کوئی اور شخص ہے، میں نہیں ہوں اور جب اظہار مقصد کے لیے (حقیقت کو چھوڑ کر) استعارہ سے کام لیا جائے تو اس میں شائبہ شک موجود ہوتا ہے اور شبہ کی حالت میں ملزم سزا سے بری ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تعریض (طعنہ) بہر حال مستوجب حد ہے۔ خواہ تہمت لگانے کا ارادہ ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ طعنہ کسی نہ کسی کا روادہ رکھ کر ہوتا ہے۔ تو ہم اس سے نشانہ بننے والے کا حق وصول کریں گے۔ اگر چہ اس شخص کی اصلیت معلوم نہ ہو۔ تا کہ قاذف (الزام تراش) کو اس خصلت بد سے پاک کیا جائے اور اس کی بدسرشتی کو دور کیا جا سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طعنہ دینے والے پر حد لاگو فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ عہد خلافت عمرؓ میں دو اشخاص گالم گلوچ کر رہے تھے، ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے کہا "واللہ میں نے تو نہ زنا کیا اور نہ میری ماں بدکار تھی" (یہ اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ تو ہے) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا، ایک شخص نے کہا کہ اس نے اپنے باپ کی اور ماں کی تعریف کی ہے اور دوسرں نے کہا کہ اس کے ماں باپ میں اس کے سوا اور بھی خوبیاں تھیں (ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟) تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اسی (۸۰) درے لگائے جانے کی سزا دی۔ اور (طعنہ زن) اس لیے بھی مستوجب سزا ہے کہ بالعموم کنایہ نص صریح (کلام واضح) کا قائم مقام ہوتا ہے اگر چہ کنایہ میں لفظ کا استعمال معنی غیر موضوع لہ (یعنی بنیادی معنی کے علاوہ کسی اور معنے) میں ہوتا ہے۔ اور تعریض معززین اہل دنیا کا خاص شیوا ہے جنہیں لوگوں میں اپنی عزت کا بڑا ارمان ہوتا ہے۔

شافعیہ کا قول ایک دوسری روایت کے بموجب اور حنابلہ کا قول ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ اگر تعریض کا مقصد تہمت لگانا تھا اور اس نے یہی مقصد بتایا ہے تو حد قذف لاگو ہوگی، لیکن اگر یہ ارادہ نہ تھا تو لاگو نہ ہوگی۔ اور اس بارے میں اس شخص کی بات کو قسم کھا لینے پر تسلیم کر لیا جائے گا۔

حنابلہ کا قول دوسری روایت کے مطابق یہ ہے کہ اس صورت میں بہر حال سزائے قذف واجب ہوگی۔ اس نے ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو خاص کر غصہ اور اشتعال کی حالت میں کیونکہ اس حال میں یہ امر قرین قیاس ہو جاتا ہے کہ وہ شخص مقذوف کی توہین اور اس کی رسوائی کے درپے ہے۔

Marfat.com

بہتان لگانے والے کی گواہی کے نا قابلِ تسلیم ہونے کا بیان

ائمہ فقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص جرم قذف کی سزا پا چکا ہو اس کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی، کیونکہ شریعت نے بے گناہ مرد یا بے گناہ عورت پر الزام تھوپنے والے کو تین باتوں کا سزاوار قرار دیا ہے: اسی کوڑوں کی سزا، ہمیشہ کے لیے اس کی گواہی کا نا قابل قبول ہونا اور اس کو فاسق قرار دینا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" فاجلد وھم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لھم شھادة ابداً، واولئک ھم الفاسقون" (یعنی ایسے لوگوں کو اسی (۸۰) درے لگاؤ۔ ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہ لوگ گنہگار ہیں)۔ درہ زنی کا حکم تنبیہ کے لیے اور اس ضرر کی پاداش میں ہے جو اس نے دوسروں کو پہنچائی۔ گواہی کا تسلیم نہ کرنا زبان کی سزا ہے جیسے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، اس سے غرض یہ ہے کہ وہ زبان جو اس گناہ عظیم (الزام تراشی) کا ارتکاب کرتی ہے اسے بیکار بنا دیا جائے اور اس کے تاثر کو ضائع کر دیا جائے تاکہ دوسروں پر اثر انداز نہ ہو اور لوگوں میں چرچا نہ ہو، پس اگر چہ زبان باقی ہے تب بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ رہا اس کا فاسق یا گناہگار قرار دیا جانا۔ تو یہ عبرت کیلئے ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کو سزائے قذف اور بے اعتبار ہو جانے کا جو سامنا کرنا پڑا ہے اس سے قاذف کے فاسق ہونے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت سے باہر جانے کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا، یہ تمام سزائیں اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ الزام تراشی کتنی بری بات ہے اور کیسی ہلاکت آفریں حرکت ہے او جب یہ بدکاری کا الزام لگانے اور بہتان تراشی کے لیے ہو تو اس گناہ عظیم اور قابل مذمت جرم کے ارتکاب کا الزام لگانے والے کا کیا حشر ہو گا؟ غرض یہ حکم اور اس کے متعلقہ دلائل مذکورہ اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ گناہ سخت قابل مذمت اور نہایت بری حرکت ہے اور شریعت نے اس کی روک تھام اور اس سے نفرت دلانے کی طرف کیسی توجہ فرمائی ہے تاکہ معاشرہ کو اس کے ضرر سے محفوظ رکھا جائے۔

واضح ہو کہ اگر کوئی کافر (غیر مسلم) جرم قذف کا سزا یاب ہو تو ذمیوں (یعنی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) کے خلاف اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور اسے رد کر دیا جائے گا تاکہ سزائے قذف کی تکمیل ہو جائے۔

مقذوف کی ماں کا غیر مسلم یا لونڈی ہونا

مالکیہ کہتے ہیں کہ تہمت لگانے والے پر حدلاگو ہو گی، خواہ مقذوف کی ماں آزاد عورت ہو یا (مملوکہ) لونڈی اور مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ کیونکہ (حد قذف کی) آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس طرح اگر آزاد مسلمان 'مقذوف' کا باپ غلام ہو یا کافر ہو اس صورت میں بھی مسلک ترجیحی کے مطابق قاذف مستوجب حد ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) کی ماں لونڈی یا کتابیہ ہو تو تہمت لگانے والے پر حدلاگو کرنا واجب نہیں ہے لیکن اگر مسلمان آزاد مقذوف کا باپ غلام ہو یا غیر مسلم ہو یا تہمت لگانے والا نعوذ باللہ کافر ہو تو اسے سزائے حد ہو گی۔

سزائے قذف پر عملدرآمد ہونے سے پہلے قاذف کی گواہی کا بیان

شافعیہ اور لیث بن سعد کہتے ہیں کہ سزائے قذف کا حکم ہونے کے بعد لیکن سزا پر عمل درآمد ہونے سے پہلے کوئی

Marfat.com

شخص گواہی دے تو وہ باطل ہوگی۔ (فیصلہ ہونے کے بعد سے ہی) اس پر فاسق ہونے کا اطلاق ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہتان لگانے والے پر، درآنحالیکہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے، چار باتیں عائد فرمائی ہیں۔ تین باتیں حرف عطف 'واؤ' کے ساتھ آئی ہیں۔ ان میں ترتیب کا لحاظ نہیں ہے لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ان امور کو (قذف کے مرتکب پر) اسی ترتیب سے عائد کیا جائے لہٰذا ایسے شخص کی گواہی کا ناقابل تسلیم ہونا سزا یابی پر منحصر خیال کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ لازم ہے کہ قاذف کو سزائے قذف ملی ہو یا ہنوز نہ ملی ہو اس کی شہادت کو رد کر دیا جائے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کو سزائے قذف کا حکم ہو جائے تو جب تک اس حکم پر عمل درآمد نہ ہو اس کی گواہی تسلیم کی جائے گی اور اس شخص پر فاسق ہونے کا اطلاق اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ اسے سزائے قذف نہ مل جائے کیونکہ اگر اسے فاسق کا نام دے دیا جائے تو اس کی گواہی جائز نہ ہوگی۔ اس لیے کہ فسق کا نام اس شخص کی گواہی کو باطل کر دے گا جو فسق سے موسوم ہو۔

اور یہ اس بناء پر کہ ظاہر آیت کا تقاضا ہے کہ حد ان دو چیزوں کے مجموعے پر لاگو ہو ایک تہمت لگانا اور دوسرے شہادت قائم کرنے سے عاجز ہو جانا، لہٰذا اگرچہ حکم ہم صرف تہمت لگانے پر موقوف کریں تو یہ اس کے مذکورہ دو امور پر موقوف ہونے میں قادح ہے اور اس کی گواہی کو تسلیم کرنا آیت کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ درہ زنی کا حکم موقوف ہے دو باتوں پر۔ لہٰذا ضروری ہے کہ محض ایک بات کے پورا ہونے پر حکم کی تکمیل نہ ہو۔

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آزاد انسان اگر اپنے غلام پر تہمت لگائے تو اسے حد قذف نہ ماری جائے گی، کیونکہ وہ شخص اس غلام کا مالک ہے اور خود اپنے مملوک پر تہمت لگانے سے مستوجب سزا نہ ہوگا۔

آزاد شخص پر غلام کے تہمت لگانے کا بیان

ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر غلام حر (آزاد شخص) پر تہمت لگائے تو اسے آزاد شخص کی سزا کا نصف یعنی چالیس دروں کی سزا ہوگی۔ خواہ تہمت لگانے والا مرد ہو یا عورت۔ یہ حکم اس روایت کی بناء پر ہے جسے ثوری نے جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا 'یجلد العبد فی القذف اربعین'' (یعنی غلام کے لیے سزائے قذف چالیس درے ہے) اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:'' ادرکت ابابکر وعمر وعثمان، ومن بعد هم من الخلفاء وکلهم یضربون المملوک فی القذف اربعین'' (یعنی میں نے حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے خلفاء کا عہد دیکھا ہے یہ سب اصحاب غلاموں کو تہمت لگانے کی سزا چالیس درے دیتے تھے)۔ یہ سزا اس لیے بھی ہے کہ تمام سزائیں جو آزاد کے لیے مقرر ہیں غلاموں کی سزا ان سے نصف ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' فاذا احصن فان اتین بفاحشة فعلیهن نصف ما علی المحصنات من العذاب'' (یعنی شادی کے بعد اگر لونڈیاں بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا آزاد زیر تحفظ عورتوں کی سزا سے نصف ہوگی)۔ اس عبارت سے واضح ہے کہ لونڈی کو بدکاری کی سزا آزاد عورت کی سزا سے نصف ملے گی۔ فقہاء نے لونڈیوں پر قیاس کرتے ہوئے غلام کے لیے بھی زنا کی سزا نصف قرار دی ہے۔ پھر زنا کی سزا آدھی قرار پانے پر قیاس کرتے ہوئے تہمت کی سزا بھی ان کے لیے نصف قرار دی گئی۔ حاصل کلام اندریں باب یہ ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے عام حکم کو اس قیاس کی بناء پر خاص کر دیا گیا ہے۔ اور اس حکم کے لاگو ہونے میں اس وقت کا اعتبار ہوگا جب تہمت لگائی گئی۔ اگرچہ تہمت لگانے کے بعد اور سزا ملنے سے پہلے وہ شخص آزاد ہو جائے، کیونکہ اس شخص نے جس وقت تہمت لگائی اس وقت غلام (مملوک) تھا۔

کسی ملکی کو فارسی کہنے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عرب والے کو اے نبطی اے رومی یا اے بربری کہہ کر خطاب کیا اہل فارس کو اے رومی کہا یا رومی کو اے فارسی کہہ کر پکارا درآنحالیکہ اس کے آباء واجداد وہاں کے نہیں ہیں تو ایسا شخص مستوجب حد ہے۔ کیونکہ یہ بھی تہمت اور اس کے لیے موجب عار ہے اس طرح کہنا اس کی نسل کو مطعون کرنا ہے۔ لہٰذا یہ حکم ہر طرح کی اذیت کا سدباب کرتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا (بھی طعنہ) ہے کہ میں پاک رحم والا ہوں (یعنی تو نہیں ہے)۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے سے حد قذف واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس طرح کی باتوں کو شاذونادر ہی کوئی شخص تہمت زنا خیال کرتا ہوگا۔ ایسی نادر الوجود صورتوں میں عام حکم نہیں دیا جاتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان الفاظ سے اخلاق وعادات کی مشابہت مراد ہو سکتی ہے۔

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے گدھے، اونٹ یا بیل کے ساتھ بدکاری کی تو اس پر حد قذف لاگو نہ ہوگی۔ کیونکہ زنا مرد اور عورت کے باہمی اعضائے جنسی کے عمل کا نام ہے اور یہ بات خارج از عقل ہے۔ اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ تو نے اونٹنی یا گائے سے یا کپڑے یا درہم کے ساتھ زنا کیا اور گواہ نہ پیش کر سکا تو مستوجب حد ہوگا۔ کیونکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اس کی بیوی نے بدکاری کی اور اس کے معاوضہ یا اجرت میں یہ کچھ لیا۔

اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص بدکار ہے یا مخنث ہے تو اس پر حد واجب نہ ہوگی۔ اگر یوں کہا کہ "تو نے صغرسنی میں بدکاری کی یا فلاں شخص نے تیرے ساتھ ناروا مجامعت کی تب بھی حد قذف نہ ہوگی کیونکہ یہ الفاظ (تہمت کے باب میں) واضح نہیں ہیں کیونکہ نکاح فاسد میں بھی ناجائز مجامعت ہوتی ہے۔ نیز یوں کہنے سے بھی حد عائد نہ ہوگی کہ "فلاں شخص کی بہتان تراشی کا بیان ہے (لہٰذا اس طرح کہنے والا ملزم نہیں ہے) اگر ایک شخص نے کسی کو "اے زانی! کہہ کر خطاب کیا اور اس نے کہا کہ میں نہیں بلکہ تو زانی ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے پر سزائے قذف کا دعویٰ کریں اور ان کا دعویٰ حاکم شرع کے روبرو تسلیم کر لیا جائے تو دونوں مستوجب حد ہوں گے اور ان پر حق اللہ یعنی حد واجب ہو جائے گی۔ اور ان میں سے کسی کے لیے ممکن نہ رہے گا کہ اس حد کو ساقط کر سکے۔ لہٰذا دونوں کو سزا ملے گی۔ بخلاف اس کے اگر کسی کو "اے خبیث" کہہ کر خطاب کیا اور اس نے بھی انتقاماً کہا کہ میں نہیں بلکہ تو خبیث ہے تو کوئی مستوجب حد نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں سزا کا مطالبہ بندہ کا حق ہے اور ایک پر جو سزا عائد ہوتی ہے وہی دوسرے پر ہوتی ہے لہٰذا دونوں کی سزائیں ساقط ہو جائیں گی۔ اگر ایک شخص نے کسی مسلمان کو کہا "اے فاسق اے کافر اے چور، اے مخنث، اے قاتل، اے بدکار یا اے بے نمازی وغیرہ عیوب میں سے کوئی عیب بجز عیب زنا کے لگا کر پکارا تو ان تمام الفاظ میں سے کسی کی بناء پر حد قذف لاگو نہ ہوگی۔ البتہ حاکم تنبیہ کے طور پر اس سے باز رکھنے کے لیے جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے" مثلاً سزائے ضرب یا قید یا برطرفی وغیرہ۔ کیونکہ ان الفاظ سے کسی کی بے عزتی یا توہین ایسی نہیں ہوتی جو زنا کے الزام یا صحت نسب کے انکار سے ہوتی ہے۔

Marfat.com

جرم تہمت کے اقرار کرنے کا بیان

ائمہء فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص تہمت لگانے کا اقرار کرلے اور اس کی بات مان لی جائے تو اس پر حد لاگو ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ سزا پانے سے پہلے اپنے اقرار سے پھر جائے تو اس کا رجوع تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے اسے حق ہے کہ اس کے رجوع کرنے کو جھٹلائے بخلاف اس صورت کے جبکہ معاملہ حق اللہ کا ہو۔ کیونکہ اسے جھٹلانے والا کوئی نہیں ہے لہٰذا اس کا رجوع کرنا تسلیم کیا جائے گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا رجوع کرنا تسلیم نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس نے دوسرے کی بے عزتی کی اور اسے عیب لگایا اور اس کی شہرت کو داغ لگایا اور اب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کے حق (مطالبہء سزا) سے اسے محروم کردے اور لوگوں میں اس کی اپنی توقیر بڑھے اور بے عزتی سے بچ جائے۔

ثبوت الزام کے لیے شہادت پیش کرنے کا بیان

علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر تہمت لگانے والا چار عاقل اور معتبر مردوں کی گواہی پیش کردے کہ جو الزام لگایا گیا ہے وہ درست ہے تو قاذف پر حد لاگو نہ ہوگی اور اسے قاذف (تہمت لگانے والا) قرار نہیں دیا جائے گا اور زنا (کا الزام جو لگایا گیا ہے وہ) ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ قاذف کی بات سچ مانی گئی اور بدکاری کرنے والی کو سزائے تازیانہ دی جائے گی۔ بشرطیکہ اس کے خلاف جو شہادت گزری ہے وہ مکمل ہو اور شہادت کی وہ تمام شرطیں پوری ہوتی ہوں جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور جن کی بناء پر شہادت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

الزام زنا کی گواہی کا بیان

ائمہء فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا کا الزام ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے چار گواہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" والاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعة منکم "(یعنی تمہاری عورتوں میں سے کسی عورت سے بے حیائی کا کام سرزد ہو تو اس کے خلاف اپنے آدمیوں میں سے چار اشخاص کی گواہی لو) نیز ارشاد باری ہے"والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شھدآء "(یعنی جو لوگ شادی شدہ عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ پیش کر سکیں) پھر ارشاد ہے" ولولا جاؤا علیه باربعة شھدآء "(یعنی الزام لگانے والے چار گواہ کیوں نہ لائے؟) اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا"یا رسول اللہ ارایت ان وجدت مع امراتی رجلاً امھله حتی آتی باربعة شھدآء؟ قال نعم "(یعنی اے رسول اللہ کیا آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر میں اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھوں تو اسے چھوڑ دوں یہاں تک کہ اس کے لیے چار گواہ پیدا کروں؟ فرمایا ہاں) واضح ہو کہ اس (گناہ کو ثابت کرنے) کے لیے چار گواہوں کی شرط اس لیے ہے۔ کہ اس کو جاننے سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ پس چار گواہوں کی قید اس بارے میں احتیاط کی غرض سے ہے اور اس لیے بھی کہ انسانی عزت وشرف پر اس (الزام) کا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا اس کو ثابت کرنے کے لیے باحتیاط اور چھان بین سے کام لینا ضروری ہے، بخلاف اور عیوب کے۔ پس جب گواہ قاضی (حاکم شرع) کے سامنے شہادت دے تو لازم ہے کہ وہ جرم بدکاری کرنے

Marfat.com

والے مرد اور عورت کا نام لے اور بتائے کہ اس نے خود اس شخص کو عورت کے ساتھ دیکھا اور وہ یہ جانتا تھا کہ وہ عورت اجنبی ہے نیز یہ بھی لازم ہے کہ وہ گواہی دے کہ اس نے خود دیکھا ہے کہ اس شخص کا عضو مخصوص عورت کے اندام نہانی میں سرمہ دانی میں سلائی کی طرح داخل ہوا۔ اگر گواہوں نے بغیر اس تفصیل کے صرف یہ کہا کہ فلاں شخص نے بدکاری کی تو الزام ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ بسا اوقات ران سے ران ملنے کو بھی 'زنا' خیال کر لیا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر کسی شخص پر تہمت لگائی گئی اور اس شخص نے اس جرم کا اقرار کر لیا اور یہ کہا کہ میں نے بدفعلی کا ارتکاب کیا ہے تو وہ مستوجب حد ہو جائے گا اور یہ سوال اس سے نہیں کیا جائے گا پس اگر کوئی شخص خود ارتکاب زنا کا اقرار کر لے تو آیا اس سے (مزید تفصیل) پوچھی جائے گی۔ اس میں دو باتیں ہیں ایک یہ کہ "ہاں" جس طرح گواہوں سے پوچھا جاتا ہے اس سے بھی سوال کیا جائے گا دوسرے یہ کہ (اقرار کے بعد) مزید پوچھ کچھ نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ تہمت لگانے کا اقرار کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ چاروں گواہ یکجائی طور پر شہادت دیں یا متفرق طور پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ہر صورت چاروں گواہوں کا یکساں بیان مطلوب ہے خواہ وہ سب اکٹھے شہادت دیں یا متفرق طور دیں اور ایسا بیان جس میں سب مشترک ہوں اس میں امتیاز کو دخل نہیں ہے۔ پس اگر گواہ متفرق طور پر بیان دیں تو حکم پر عمل ہو جائے گا اور (گواہی کی) ذمہ داری پوری ہو جائے گی اور بدیں جہت کہ ہر ایک کا اجتماعی طور پر شہادت دینے سے حکم ثابت ہوتا ہے، اگر متفرق طور پر شہادت دیں تو دوسرے احکام کی طرح یہ بھی ثابت ہو جائے گا۔ بلکہ اس معاملہ میں متفرق طور پور شہادت کا گزرنا اور بھی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر جدا جدا شہادتیں گزریں گی تو اس پر اعتراض بعید از قیاس ہو جائے گا کہ ایک گواہ کی بات سن کر دوسرے نے گواہی دی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر گواہوں کی شہادت حاکم کے نزدیک مشتبہ ہو تو ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا جائے تا کہ اگر گواہی میں کوئی خلا ہو تو اس کا پتہ چل جائے۔ اسی لئے تمام گواہوں کو ایک ہی حالت میں اکٹھی شہادت دینا واجب نہیں ہے۔ بلکہ جب تمام گواہ حاکم کے سامنے جمع ہو جائیں اور یکے بعد دیگرے پیش ہو کر گواہی دیں تو اسے تسلیم کیا جائے گا اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام گواہ کمرہ عدالت کے دروازے پر جمع ہو جائیں اور ایک ایک کر کے (گواہی دینے کے لیے) انہیں اندر طلب کیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر تمام گواہ متفرق طور پر گواہی دیں تو ان کی گواہی تسلیم نہ کی جائے اور ان پر حد قذف عائد ہو گی۔ کیونکہ جب ایک گواہ نے گواہی دی اور (ہنوز باقی تین گواہ نہیں آئے) تو یہ تہمت لگانا ہوا چونکہ چار گواہ پیش نہیں ہوئے لہٰذا وہ گواہ مستوجب حد ہو گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "**والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة**" (یعنی جنہوں نے بے گناہ عورتوں پر تہمت لگائی اور اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کیے انہیں اسی (۸۰) درے مارو) یہاں پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں قذف کو شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے (یعنی قاذف کو شاہد کہا گیا ہے) لیکن (اگر قابل تسلیم شہادت کو تہمت نہ تصور کیا جائے تو) اس حالت میں سرے سے حد قذف ہی ساقط ہو جائے گی کیونکہ تہمت لگانے والے (تہمت کی بجائے) لفظ شہادت کے استعمال کرنے سے عاجز نہیں ہیں پس وہ اس کو وسیلہ بنا کر بے خبر بے گناہوں پر تہمت لگانے کے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

Marfat.com

گواہوں کی تعداد، چار سے کم ہونے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ (اگر صحت الزام کے) گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو الزام لگانے والوں کی بات کو تہمت قرار دیا جائے گا اور انہیں سزائے قذف دی جائے گی۔ اور ہر ایک کو اسی (۸۰) دروں کی سزا ہوگی جیسا کہ آیت شریف میں آیا ہے" والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهدآء فاجلدوهم ثمانین جلدة" (یعنی جو لوگ بے گناہ عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ پیش نہ کرسکیں انہیں اسی (۸۰) درے لگاؤ)۔

حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے اقوال کے منجملہ یہ بھی ہے کہ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو انہیں تہمت لگانے والے تصور نہیں کیا جائے گا اور ان پر حد قذف نافذ نہ ہوگی کیونکہ وہ لوگ بطور گواہ پیش ہوئے ہیں، تہمت لگانے والے نہیں ہیں۔ لہٰذا ان پر کوئی جرم عائد نہ ہوگا اور شہادت پر زنا کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔

شافعیہ کا ایک دوسرا قول یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر حاکم کی عدالت میں کسی شخص کے خلاف چار گواہوں سے کم نے زنا کی شہادت دی تو قوی تر مسلک کی رو سے ان پر حد قذف لاگو ہوگی۔ اس لیے کہ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تین شخصوں کو سزائے قذف دی جنہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف بدکاری کی شہادت دی۔ اس کا ذکر بخاری نے اپنی صحیح میں کیا ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے اس حکم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی پھر یہ حکم اس لیے بھی ہے کہ مبادا شہادت سے لوگوں کو دوسروں کی آبروریزی کا موقع مل جائے اور ان پر حد بھی عائد نہ ہو پس یہ حکم ان ذرائع کا سد باب کرنے کی غرض سے ہے۔

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ شہادت حاکم شرع کی عدالت میں ہو۔ اگر کوئی اس قسم کا بیان کسی اور جگہ دے تو یقیناً اسے قاذف (تہمت تراش) قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ اس تہمت کو شہادت (گواہی) سے تعبیر کیا جائے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے بیان کا مقصد بہتان لگانے اور اس کا چرچا کرنے کے سوا نہیں ہے۔

گواہوں کے فاسق ہونے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر تہمت لگانے والا اپنے دعوے کے ثبوت میں مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی) کے خلاف چار گواہ ایسے پیش کردے جو فاسق ہوں تو سزائے قذف ساقط ہو جائے گی اور گواہوں پر بھی یہ حد عائد نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ثم لم یاتوا باربعة شهدآء" (یعنی تہمت لگانے والے چار گواہ نہ پیش کرسکیں تو......) لیکن اس صورت میں چار گواہ تو پیش کر دیئے گئے لہٰذا اس آیت کی رو سے حد واجب نہ رہی۔ اور اس لیے بھی کہ گواہی فاسق کی بھی ہو سکتی ہے امور ثبوت زنا کی گواہی کی شرائط پائی گئیں مثلاً حاکم شرع کے سامنے ان کا حاضر ہونا۔ تاہم حاکم ان کی گواہی اس لیے قبول نہیں کرتا کہ ان پر گنہگار ہونے کا الزام ہے۔ پس جبکہ گواہوں کی اس خامی کی بناء پر مقذوف کو حد سے بری کیا جاتا ہے تو اسی بناء پر گواہوں کو بھی حد سے بری رکھا جائے گا۔

شافعیہ کے اقوال کے منجملہ ایک یہ ہے کہ (ایسے) گواہوں پر حد لاگو ہوگی کیونکہ ان کی شہادت کے تسلیم کیے جانے کی شرطیں ان میں نہیں پائی جاتیں لہٰذا ان کو گواہوں کے زمرہ سے خارج قرار دیا جائے گا، تہمت لگانے والے متصور ہوں گے۔ شافعیہ کے ایک دوسرے قول کے مطابق ان پر حد قذف نافذ نہ ہوگی جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ (مرد کے) ایک بار یا بقول ضعیف عورت کے دوبار اقرار کرنے اور دو مرد گواہوں کی

Marfat.com

شہادت ہو جانے سے حد قذف واجب ہو جائے گی نیز اس پر بھی علماء متفق ہیں کہ اگر بات پرانی ہو جائے یا تہمت لگانے والا اپنے بیان سے رجوع کرے تو حد قذف باطل نہ ہوگی کیونکہ یہ حق العبد کا معاملہ ہے۔ وہ (مقذوف) اس رجوع کو رد کر سکتا ہے۔

تہمت لگانے میں مبالغہ سے نام لینے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے (بخطاب مرد) کہا یا زانیہ بتائے تانیث (یعنی اے زنا کرنے والی) تو اس شخص کو قاذف (تہمت لگانے والا) قرار نہ دیا جائے گا اور اس پر حد لاگو نہ ہوگی کیونکہ اس الزام کا اطلاق اس پر ناممکن ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسے کو (زنا کار) کہا جائے جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو یا عورت رتقاء (یعنی ناقابل مجامعت) ہو، اس پر حد لاگو نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر گونگے شخص پر تہمت لگائی گئی تو وہ شخص مستوجب حد نہ ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ اگر وہ بول سکتا تو الزام کی تصدیق کر دیتا (اور الزام نہ رہتا) اول الذکر دونوں صورتوں میں تہمت لگانے والے کا جھوٹ یقینی طور پر ثابت ہے۔ لہٰذا عیب جو لگایا گیا وہ از خود جاتا رہا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ یوں کہا کہ تو فلاں شخص سے زیادہ زنا کار ہے یا یہ کہا کہ تمام زانیوں میں سب سے زیادہ زانی ہے۔ یا زانیوں میں سب سے بڑا زانی ہے کیونکہ اس طرح کے صیغہ مبالغہ کا استعمال واقفیت میں فوقیت ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ "انت اعلم به" (یعنی تو اس بات سے زیادہ واقف ہے) پس اس میں تہمت مشتبہ ہے لہٰذا حد لاگو نہ ہوگی۔ لیکن اگر عورت سے (بصیغہ مذکر) کہا کہ اے زانی تو وہ مستوجب حد ہوگا کیونکہ کلام میں ترجیح کا طریقہ رائج ہے (یعنی امور مشترکہ میں بالعموم مذکر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مرد کو یا زانیہ کہہ کر خطاب کیا جائے تو وہ مستوجب حد ہوگا کیونکہ یہ لفظ تہمت میں مبالغہ کے لیے ہے لفظ زانیہ میں جو 'ة' آئی ہے وہ (تانیث کے لئے نہیں بلکہ) مبالغہ کے لیے ہے جیسے علامة اور نسابة میں ہے (جس کے معنے ہیں بہت زیادہ علم رکھنے والا اور بہت زیادہ نسب کو جاننے والا)۔

اگر کسی شخص نے عضو بریدہ مرد پر یا زن رتقاء پر (جو مباشرت کے قابل نہیں رہتی) (یا خنثیٰ مشکل پر (جس کی جنس متعین نہ کی جا سکے) تہمت زنا لگائی تو وہ شخص مستوجب حد نہ ہوگا۔ البتہ اگر پیچھے کی راہ سے بدفعلی کا الزام لگایا تو اسے تہمت قرار دیا جائے گا اور سزائے قذف ہوگی کیونکہ اس کا عیب لگانا زنا کے عیب کی مانند ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر عضو بریدہ پر یا نامرد پر یا ایسی عورت پر جس کے اندام نہانی پر ہڈی ہو (یعنی رتقاء کی مریضہ جس کے ساتھ مجامعت ممکن نہیں ہے) زنا کا الزام لگایا تو حد عائد نہ ہوگی۔ لیکن اگر اغلام کا الزام لگایا تو وہ مجرم قذف اور مستوجب حد ہوگا، یہی حکم نامرد یا خنثیٰ مشکل کے ساتھ بدفعلی کے الزام کا ہے۔ کیونکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ حد قذف لاگو ہونے کے لیے مقذوف میں مندرجہ سابقہ متفق علیہ شرائط کے علاوہ ان چار باتوں کا پایا جانا بھی ہے۔

۱۔ مرتکب کا بالغ ہونا ۲۔ عورت کا قابل مجامعت ہونا اور اس کا حال معلوم ہونا جس کے ساتھ ارتکاب گناہ ہوا ۳۔ مقذوف کا عاقل اور بے گناہ ہونا ۴۔ آلۂ ارتکاب کا ہونا۔ اگر (مقذوف) کہے کہ میں عفیف الفرج (یعنی پاک دامن) ہوں تو قاذف پر حد واجب ہوگی۔ اگر اس نے اندام نہانی کا ذکر نہیں کیا تو (قاذف) مستوجب حد نہ ہوگا بلکہ تعزیر کی

Marfat.com

جائے گی۔ کیونکہ عفیف ہونے (یعنی بچنے) کا تعلق اندام نہانی کے علاوہ اور اشیاء مثلاً ظرف طعام سے بھی ہو سکتا ہے۔

اگر (بخطاب زن) کہا اے محبہ (پیار کرنے والی) یا اے بدکار یا اے زنا کار یا اے چھوکری (لونچی) جو بالعموم بدکاری کے مفہوم پر مشتمل ہیں تو ایسا شخص مستوجب حد ہوگا۔ اگر کہا اے علق بکسر عین۔ (یعنی سونی یا بیش بہا) یا کہا اے مخنث (ہیجڑا) تب بھی مستوجب حد ہوگا، کیونکہ ان الفاظ سے مراد بدفعلی کرانے والا ہے پس اگر مقذوف بدکاری کے قابل ہے اور تہمت لگانے والے پر حد کا مطالبہ کرتا ہے تو اس پر حد لاگو ہوگی۔

بار بار اتہام لگانے کا بیان

ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی پر متعدد بار تہمت لگائی۔ خواہ ایک ہی جگہ یا مختلف جگہوں پر اور ایک طرح کے الفاظ یا مختلف الفاظ میں اور ایک شخص پر یا متعدد اشخاص پر تو بار بار تہمت لگانے والے کو بار بار سزائے قذف نہیں دی جائے گی۔ بلکہ ایک ہی بار حد لاگو ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک شخص پر دو تہمتیں لگائیں تب بھی ایک ہی بار حد واجب ہوگی۔ البتہ اگر سزائے قذف پانے کے بعد دوبارہ کسی پر تہمت لگائی تو حد بھی دوبارہ لاگو ہوگی اگرچہ صریح الفاظ میں نہ لگائی ہو، بایں طور کہ سزائے قذف بھگتنے کے بعد اس نے کہا کہ میں نے بخدا جھوٹ نہیں کہا تھا، یا یہ کہا کہ میں نے (فلاں کے بارے میں) جو کچھ کہا تھا میں اس میں یقینی طور سچا ہوں۔ یا ایسی ہی باتیں کہیں ہوں جن سے جرم زنا کا الزام مفہوم ہوتا ہو کیونکہ یہ حد اول کے بعد نئی حد سمجھی جائے گی۔ غرض اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے ایک بار تہمت قذف میں سزا پانے کے بعد پھر تہمت لگائی تو دوسری بار مستوجب حد ہوگا اور اگر تیسری بار تہمت لگائی تو تیسری بار پھر حد لاگو ہوگی اور اسی طرح آئندہ بھی۔

کسی جماعت پر تہمت لگانے کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک گروہ پر تہمت لگائی، خواہ ایک جگہ یا مختلف جگہوں پر۔ ایک ہی جیسے الفاظ میں یا مختلف الفاظ میں۔ اجتماعی طور پر یا متفرق طور پر تو ایک بار ہی حد قذف ملے گی۔ لہٰذا (جماعت میں سے) کسی ایک پر تہمت لگانے کی پاداش میں جو سزائے قذف ملے گی وہ تہمت کے جتنے الزامات تھے سب کی سزا متصور ہوگی اور بعد میں جرم قذف کا جو الزام عائد کیا گیا اس کی علیحدہ سزا نہ ہوگی بلکہ بعد میں عائد شدہ الزامات کی سزا بھی اس میں شامل ہوگی۔ فقہاء نے اس کی دلیل قرآن سے یہ پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "والذین یرمون المحصنات" (یعنی جو لوگ بے گناہ عورتوں پر الزام لگاتے ہیں......) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی بے گناہ عورتوں پر الزام لگائے اس پر حد واجب ہوگی۔ اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ پاک دامن (یا بے گناہ) عورتوں کی جماعت پر الزام لگانے والے کو اسی (۸۰) دروں سے زیادہ کی سزا نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص بے گناہ عورتوں کی جماعت پر تہمت لگانے والے کو ایک حد قذف سے زیادہ کا سزاوار قرار دے تو یہ آیت شریفہ کے خلاف ہوگا۔

سنت کی رو سے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں "ان هلال بن امیه قذف امراته عند النبی ﷺ، بشریک بن سمحاء، فقال النبی ﷺ اما البینة او حد فی ظهرک" (یعنی ہلال بن امیہ نے رسول ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سمحاء کے ساتھ ملوث ہونے

Marfat.com

کی تہمت لگائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یا تو اس کے گواہ پیش کرو یا پیٹھ پر درے کھاؤ) یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک حد جاری فرمانے کا حکم دیا حالانکہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی اور شریک بن سحماء دونوں پر تہمت لگائی تھی۔ اس کے بعد لعان والی آیت نازل ہوئی جس میں بیوی پر تہمت لگانے کی صورت میں حد کی بجائے لعان کا حکم ہے۔ اور اس کے لیے دلیل قیاس یہ ہے کہ جرائم مستوجب حد میں اگر متعدد بار ارتکاب جرم کیا جائے تو ایک بار 'حد' کافی ہے جیسے کہ جو کئی بار زنا کرے یا کئی بار شراب پیے یا کئی بار چوری کرے اور ابھی اس پر حد نہ قائم کی ہو تو ایک حد ہی کافی ہے۔ اور تمام سزاؤں کے نفاذ کی متفقہ طور پر ایک غرض ہے کہ معاشرہ کو خرابی سے محفوظ رکھا جائے سو وہ غرض اس طرح حاصل ہو جاتی ہے۔ پس اگر کسی پر ایک بار یہ جرم عائد ہوا اور اسے درہ زنی کی سزا دی گئی تو یہ تہمت کے ان تمام جرائم قذف کی پاداش میں ہوگی جو اس ارتکاب جرم سے قبل اس سے سرزد ہوئے۔

اگر کسی نے لوگوں سے کہا کہ ایک کے سوا تم سب زنا کار ہو تو وہ شخص مستوجب حد قذف ہوگا کیونکہ اس سزا کا موجب اتہام ہے اور جنہیں تہمت لگائی گئی ان میں سے ہر ایک کو سزائے قذف کے مطالبہ کا حق ہے۔

شافعیہ کی ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ہر ایک جرم کی پاداش میں جداگانہ حد نافذ ہوگی کیونکہ ہر الزام کا جداگانہ مقذوف ہے (جس پر تہمت لگائی گئی ہے)۔ آیت شریفہ میں لفظ "والذین" بصیغہ جمع (یعنی جو لوگ) آیا ہے۔ اسی طرح "والمحصنات" (بے گناہ عورتیں) بھی بصیغہ جمع آیا ہے اور جب جمع کے مقابلہ میں جمع آئے تو ہر فرد کے مقابلہ میں فرد تصور کیا جاتا ہے لہٰذا آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ تم میں سے جس نے محصنات میں سے کسی فرد واحد پر تہمت لگائی وہ مستوجب حد ہے۔ اسی طرح انہوں نے اللہ کے ارشاد سے بھی اخذ مدعا فرمایا ہے "والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهدآء فاجلدوهم ثمانین جلدة" (یعنی جو لوگ بے گناہ عورتوں پر الزام لگاتے ہیں اور چار گواہ پیش نہیں کر سکتے انہیں اسی (۸۰) کوڑے مارو) اس سے ثابت ہوا کہ سزائے تازیانہ نتیجہ ہے بے گناہ پر الزام لگانے کا بایں طور کہ جب بھی کسی پر یہ صفت منطبق ہوگی اس پر سزائے درہ واجب ہو جائے گا پھر دوسری بار کی تہمت پہلی سزائے قذف کا موجب نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سزا پہلی بار تہمت لگانے کی پاداش میں واجب ہوئی تھی۔ اور واجب کو پھر واجب کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا دوسری بار تہمت لگانے کی پاداش میں دوسری بار حد واجب ہوگی۔ اور قاعدہ کی رو سے تہمت کی سزا انسان کا حق ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حد قذف نافذ العمل نہیں ہوتی جب تک کہ مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی) مطالبہ نہ کرے۔ اور آدمی کے حق میں مداخلت نہیں کی جا سکتی۔ بخلاف اس کے زنا کی پاداش میں حد کا مطالبہ اللہ کا حق ہے (یعنی بدکار اللہ کا مجرم ہے کوئی شخص مطالبہ نہ کرے تب بھی بدکار مستوجب حد ہوگا)۔

یہ تمام بحث اس صورت میں ہے جبکہ کسی شخص نے ایک جماعت پر تہمت لگائی اور ہر ایک کے لیے جداگانہ الفاظ استعمال کیے ہوں۔ اگر ایک ہی عبارت میں تہمت لگائی مثلاً یوں کہا کہ "تم لوگ زانی ہو" یا "تم سب نے زنا کیا" تو اس بارے میں دو اقوال ہیں ان میں صحیح ترین قول جو جدید ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک تہمت پر مکمل سزائے قذف ہوگی کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں اور ان میں دخل اندازی جائز نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اس نے ہر ایک کو تہمت کا نشانہ بنایا ہے، جیسا کہ بالفاظ مختلف تہمت لگانے میں ہوتا ہے اور قول قدیم یہ ہے کہ سب پر تہمت لگانے کی پاداش میں ایک ہی بار سزائے قذف ہوگی۔ کیونکہ سب کے لیے ایک ہی عبارت میں تہمت لگائی گئی ہے۔ اول الذکر کے صحیح ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ مفہوم

Marfat.com

آیت کے زیادہ موافق ہے اسی بناء پر اگر ایک شخص نے کسی کو کہا کہ "اے زنا کاروں کی اولاد" تو یہ اس کے باپ اور ماں دونوں پر تہمت ہے اور دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس شخص پر دو سزائیں تہمت لگانے کی عائد ہوں گی۔

حنابلہ کی روایتوں میں سب سے قوی یہ ہے کہ اگر سب پر ایک لفظ میں تہمت لگائی گئی تو ایک ہی سزائے قذف سے سب کی سزا پوری ہو جائے گی اگر مختلف عبارتوں میں تہمت لگائی گئی تو ہر ایک کے عوض جداگانہ سزا ہوگی۔

حنابلہ کی ایک دوسری روایت کے بموجب ان کا کہنا ہے کہ اگر مقذوف اشخاص (جن پر تہمت لگائی گئی ہو) الگ الگ سزائے قذف کا مطالبہ کریں تو ہر ایک کی سزا بھی جدا جدا ہوگی اور اگر مقذوفوں کا مطالبہ نہ ہو تو سب کے عوض ایک ہی سزائے قذف واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو تہمت کی سزا مل رہی ہو اور سزا کے دوران اس مجرم نے پھر تہمت لگانے کا ارتکاب کیا خواہ اسی شخص کو لگائی ہو (جس کی پاداش میں سزا پا رہا ہے) یا کسی اور کو لگائی ہو تو اس وقت تک جو سزا ملی ہے وہ رائیگاں جائے گی اور اب دونوں جرموں کی سزا از سر نو یکے بعد دیگرے دی جائے گی۔ ہاں اگر وہ سزا جو جاری تھی وہ نصف سے کم رہ گئی ہو اور پندرہ ضربیں باقی ہوں تو پہلی سزا کو مکمل تصور کر لیا جائے گا اور دوسری بار جرم تہمت کی سزا شروع کی جائے گی۔ اور اس کو مکمل کیا جائے گا۔ پس مالکیہ کے نزدیک یہ صورت تداخل سزا کی ہے (یعنی ایک جرم کی سزا میں دوسرے جرم کی سزا شامل ہو جائے گی)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سزاؤں میں تداخل ہوتا ہے (یعنی دو جرم قذف کی سزا اکٹھی دی جائے) چنانچہ اگر (ایسا ہو کہ) قاذف کو ہنوز اناسی (۷۹) ضربیں لگائی گئی تھیں کہ اس نے دوبارہ جرم قذف کا ارتکاب کر لیا تو اب صرف ایک ضرب اور لگا کر اسی (۸۰) دروں کی حد پوری کی جائے گی۔ یعنی دوسرے جرم قذف کی سزا پہلے جرم قذف کی سزا کے ساتھ شامل ہو جائے گی کیونکہ پہلی سزا کو ایک ضرب جو باقی تھی لگا کر حد کی مقدار پوری کر دی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ نے ایک شخص کی بابت سنا کر اس نے کسی کو ابن الزانیین (یعنی زنا کار ماں باپ کی اولاد) کہا۔ انہوں نے اس شخص کو "مسجد میں" ایک ہی ساتھ دوہری سزائے قذف دی۔ جب امام ابوحنیفہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شہر کے قاضی کو کیا ہو گیا کہ اس نے ایک مسئلہ کے نفاذ میں پانچ غلطیاں کیں: ایک یہ کہ مقذوف کو (جسے تہمت لگائی گئی) طلب نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ دعویٰ کرتا تو ایک ہی حد واجب ہوتی۔ تیسرے یہ کہ اگر ابولیلیٰ کے نزدیک دوہری سزا واجب تھی تو لازم تھا کہ دونوں سزاؤں کے درمیان ایک دن کی مہلت دیتے تا کہ مجرم پر ضربات کی تکلیف ہلکی ہو جاتی۔ چوتھے یہ کہ انہوں نے مسجد کے اندر یہ سزا دی۔ پانچویں یہ کہ تصدیق کرنا تھا کہ اس شخص کے ماں باپ زندہ ہیں یا نہیں؟ اگر زندہ ہوتے تو ان ہی کو دعویٰ کا حق ہے۔ وہ زندہ نہ ہوں تو دعویٰ کا حق بیٹے کو تھا۔

اگر کسی غلام نے ایک آزاد شخص پر تہمت لگائی اور اس کے بعد وہ غلام آزاد ہو گیا اور آزاد ہونے کے بعد پھر جرم تہمت کا ارتکاب کیا تو بحیثیت مجموعی اسی (۸۰) دروں کی سزا ہوگی اور اگر پہلے جرم کی پاداش میں اسے چالیس ضرب تازیانہ کی سزا مل گئی اور اس کے بعد پھر اس نے الزام لگایا تو اسی (۸۰) درے پورے کیے جائیں گے کیونکہ پہلی چالیس ضربوں میں دونوں جرائم کی سزا ایک ساتھ متصور ہوں گی اور چالیس ضربیں باقی تھیں۔ اگر دوسرے جرم قذف کی سزا پانے

Marfat.com

سے پہلے ارتکاب جرم قذف کیا تو مجموعی طور پر اسی (۸۰) دروں کی سزا ہوگی اور از سر نو اسی (۸۰) دروں کی سزا نہ ہوگی کیونکہ باقی تمام سزا آزاد شخص کے جرم کی سزا تھی۔ اور یہ جائز ہے کہ بحیثیت آزاد شخص کے جو سزا ملی ہے وہ اس میں شامل ہوگی اور یہ اس لئے ہے کہ تہمت لگانے کی سزاؤں میں تداخل ہوسکتا ہے (یعنی دو سزائیں ایکساتھ دی جاسکتی ہیں)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی) اور مقذوف بہ (جس بات کی تہمت لگائی) یعنی زنا (ایک ہی واقعہ سے متعلق نہیں بلکہ) مختلف واقعات ہیں تو سزائیں بھی ایک ساتھ نہ ہوں گی۔ کیونکہ سزائے قذف زیادہ تر حق العبد پورا کرنے کے لئے ہوتی ہے پس اگر ایک جماعت پر مختلف الفاظ میں تہمت لگائی (یعنی الزام کی نوعیت مختلف تھی) اور ہر شخص پر جدا جدا گناہوں کے الزام لگائے تو ہر تہمت پر سزائے قذف واجب ہوگی۔

نابالغ (لڑکے) یا جنون زدہ کا اپنی بیوی پر تہمت لگانا

اگر کسی لڑکے (نابالغ) یا جنون زدہ نے اپنی بیوی پر یا کسی اور عورت پر اتہام لگایا تو اس پر نہ حد عائد ہوگی اور نہ لعان ہوگا نہ تو اس حالت میں اور نہ بعد میں بالغ ہونے پر' کیونکہ ایسے اشخاص غیر مکلف (احکام شریعت کی بجا آوری سے مستثنیٰ) ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رفع القلم عن ثلاث" (یعنی تین اشخاص پابندی احکام سے مستثنیٰ ہیں)۔ ان تین میں سے دو یہ ہیں تاہم اگر ان میں شعور ہے تو انہیں تعزیر ہوگی۔ اگر لڑکے کے بالغ ہونے (یا مجنون کے افاقہ پانے) تک بھی (سرزنش) کا موقع نہ ملا تو یہ سزا بھی ساقط ہو جائے گی۔

گونگے کا کسی کو تہمت لگانا

حنفیہ کہتے ہیں کہ گونگے کی نہ تہمت درست ہے اور نہ اس کا لعان کرنا صحیح ہے۔ پس اسے مستوجب سزا قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا اشارہ ناقابل فہم ہوتا ہے اور اس (کے سمجھنے) میں شک وشبہ کی گنجائش ہوتی ہے اور جب (جرم میں) شبہ ہو جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی گونگے کا اشارہ قابل فہم ہو یا اس کی تحریر سمجھی جاسکے اور وہ کسی بے گناہ مرد یا عورت پر' اشارہ یا تحریر سے الزام لگائے تو 'مستوجب حد' ہوگا اور اس کا لعان کرنا بھی درست ہوگا۔ یہی قول آیت کریمہ کے ظاہری مفہوم کے مطابق ہے' کیونکہ اگر کسی نے تحریر یا اشارے کے ذریعے تہمت لگائی اور وہ سمجھی جاسکی تو گویا بے گناہ پر تہمت لگا کر اس کی بے عزتی کا موجب ہوا۔ لہٰذا اس کے فعل کو علانیہ ارتکاب جرم قرار دیا جائے گا نیز اس کی تہمت اور لعان کو بھی دوسرے احکام کی طرح اس پر عائد کیا جائے گا۔

کافر (غیر مسلم) کے بہتان لگانے کا بیان

جملہ ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ "والذین یرمون المحصنات" میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ عام ہے اور کافر اس کے تحت آتے ہیں کیونکہ اسم موصول (والذین) یعنی "جو لوگ" میں کافر (غیر مسلم) شامل ہیں اور انہیں اس حکم کے تحت لانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی عیسائی یا یہودی کسی مسلمان پر تہمت لگائے تو اسے بھی مسلمان کی طرح اسی (۸۰) درے لگائے جائیں گے۔

Marfat.com

اگر کوئی حربی (دشمن قوم کا فرد) اسلامی ملک میں پناہ گیر ہو اور وہ کسی مسلمان پر تہمت لگائے تو وہ بھی مستوجب حد ہوگا' کیونکہ یہ حق العباد کا معاملہ ہے اور حق العباد کا ادا کرنا لازم ہے اور چونکہ اس حربی کو یہ توقع ہے کہ اسے ایذا نہیں دی جائے گی لہٰذا لازم ہوگا کہ وہ بھی کسی کو ایذا نہ دے۔

کسی مجوسی کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس پر تہمت لگائی جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی مجوسی (آتش پرست) پر جس نے اپنی ماں' بہن یا بیٹی کو بیوی بنالیا اور پھر مسلمان ہو گیا اور ان کا نکاح ٹوٹ گیا۔ اب اگر کسی مسلمان نے اس پر الزام لگایا تو اس مسلمان پر حد قذف لاگو ہوگی کیونکہ مجوسی کا ایسا نکاح کر لینا ان کے نزدیک صحیح تھا۔

شافعیہ' مالکیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی مجوسی پر اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد الزام لگائے تو اسے سزائے قذف نہ ہوگی کیونکہ اس کے نزدیک ان کے اس طرح کے نکاح صحیح نہیں ہیں لہٰذا مجوسی بے گناہ متصور نہ ہوگا (اور جو گناہ گار ہو اس پر تہمت لگانے والا مستوجب حد نہیں ہوتا)۔

مقذوف کے وفات پا جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ سزائے قذف (کے مطالبہ) کا حق ورثہ میں نہیں ملتا بلکہ اگر سزائے قذف پانے سے پہلے مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) وفات پا جائے تو مطالبہ ختم ہو جاتا ہے اور اگر کسی قدر سزا مل چکی ہو اور مقذوف وفات پا جائے تو باقی سزا ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ سزائے قذف حق اللہ (یعنی مطالبہ ءحق) ہے اور کتاب وسنت سے کوئی ثبوت اس کا نہیں ملتا کہ مقذوف کے وارث یا وصی (یعنی جسے وصیت کی گئی ہو) از روئے شرع قاذف پر نفاذ حد قذف کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ اگر سزائے قذف کے مطالبہ کا حق ورثہ میں ملتا تو خاوند یا بیوی کو اس کا حق پہنچتا (یعنی خاوند کو اپنی وفات یافتہ بیوی کی طرف سے اور بیوی کو اپنے وفات یافتہ خاوند کی طرف سے مطالبہ ءحد قذف کا حق ملتا) نیز یہ بھی ہے کہ یہ حق ایسا ہے جو مال یا جائداد جیسا نہیں ہے۔ پس اس میں وراثت نہیں چلے گی جیسے وکالت اور مضاربت (شراکت) میں نہیں چلتی نہ اس کے عوض مال کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں تہمت لگانے والے سے قسم نہیں لی جاتی اور مملوک ہونے کی صورت میں مطالبہ نصف نہیں رہ جاتا۔ (یعنی وراثت کی خصوصیات اس میں نہیں پائی جاتیں)۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مطالبہ ءسزائے قذف کا حق وارثوں کو پہنچتا ہے چنانچہ اگر تہمت کی پوری سزا ابھی نہ ملی ہو اور مقذوف وفات پا جائے تو باقی سزائے قذف پوری کی جائے گی نیز مقذوف کے وارث کو سزائے قذف کے معاف کر دینے کا حق ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مجرم کسی تعزیر کا سزاوار ہو تو اس کے مطالبہ کا حق بھی وارث کو حاصل ہوتا ہے نیز اگر مورث کی وفات کے بعد اس پر تہمت لگائی جائے تو وارث کو مطالبہ ءحد کا حق ہے۔ کیونکہ سزائے قذف حقوق العباد میں سے ہے کہ اس کے معاف کر دینے سے سزا ساقط ہو جاتی ہے اور اگر مقذوف اس کا مطالبہ نہ کرے تو پوری سزا نہیں دی جاتی اور اگر مدعی (الزام سے) انکار کرے تو اسے قسم کھانی پڑتی ہے اور جہاں کہیں بھی انسان کو حق حاصل ہوتا ہے وہ حق (وفات کے بعد) اس کے وارثوں کو حاصل ہو جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ومن ترک حقاً

Marfat.com

فللورثته" (یعنی جب کوئی شخص اپنا حق چھوڑ جائے تو وہ حق اس کے وارثوں کو ملے گا) اور اگر کوئی واقعہ دیر کا ہو تو اس کی گواہی باطل نہیں ہوتی بلکہ جسے ذمہ دار بنایا جاتا ہے اس پر واجب الادا ہوتی ہے اور اقرار کے بعد اس سے پھرنا درست نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اصحاب شافعیہ کے نزدیک وارثوں کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت جو شافعیہ کے نزدیک صحیح ترین ہے یہ ہے کہ تمام ہی ورثا کو (مطالبہ سزا) کا حق ہو جیسا کہ مال کی وراثت میں ہوتا ہے۔ اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ حق نسلی ورثہ کو حاصل ہو۔ اس صورت میں زوجین اس زمرہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ میاں یا بیوی کا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا ممکن ہے اور ایک فریق دوسرے فریق کو بدل سکتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وفات کے بعد رشتہ ازدواج منقطع ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ حد نافذ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نسلی عیب کو (جو لگایا گیا ہے) دور کیا جائے اور یہ عیب میاں بیوی میں سے ایک پر لگنے سے دوسرے کو نہیں لگتا۔ کیونکہ ان میں باہم دور کی قرابت داری ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ حق (مطالبہ سزائے قذف) صرف مرد قرابت داروں کو پہنچتا ہو عورتوں کو نہیں کیونکہ ان میں باہم ایک کو دوسرے سے تقویت حاصل ہوتی ہے اور ان کا باہمی ربط و تعلق مقذوف کے ساتھ زیادہ اور مستحکم ہوتا ہے۔ لیکن اس قول پر دوسرے اقوال کو ترجیح حاصل ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مقذوف کو حق ہے کہ وہ تہمت لگانے والے پر نفاذ حد کا مطالبہ کرے۔ اگر چہ وہ جانتا ہو کہ الزام درست ہے کیونکہ الزام لگانے والے نے اس کی نیک نامی کو نقصان پہنچایا ہے اور قاذف کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مقذوف سے بریت الزام کی بابت حلف لے اور مقذوف کے ورثاء کو یہ حق ہے کہ ان کے مورث پر جو تہمت وفات سے پہلے لگائی گئی تھی قاذف کے خلاف سزائے قذف کا دعویٰ کرے۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ مرنے والے نے مطالبہ نفاذ حد کی وصیت کی ہو۔ اس حالت میں وارث نہ تو معافی دے سکتا ہے اور نہ معاملہ کو رفت وگزشت کر سکتا ہے بلکہ واجب ہے کہ حاکم سے نفاذ حد کا مطالبہ کرے اور یہ حق دور کے وارث مثلاً پوتے کو بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے مورث (بعید) کے حق مطالبہ سزا کا دعویٰ کرے۔ تاہم اس بارے میں بیٹے کا حق مقدم ہے۔ اس کے بعد پوتے پڑپوتے وغیرہ کا حق ہے۔ بشرطیکہ قریب ترین رشتہ دار خاموشی اختیار کرلیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں بھی دور کے رشتہ دار قاذف کی سزا کا مطالبہ کر سکتے ہیں گو قریبی رشتہ دار بھی خاموش نہ ہوں کیونکہ تہمت تو قریب بعید سب رشتہ داروں کی بدنامی کا موجب ہے۔ اس بارے میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن زوجین میں سے کسی ایک کو حق نہیں ہے کہ دوسرے فریق کے حق مطالبہ سزا کو استعمال کرے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی دوسرے کا ولی (سربراہ) نہیں ہوتا۔ اور ایک کی وفات کے بعد (اس کی بدنامی) دوسرے پر عائد نہیں ہوتی۔ بجز اس صورت کے جبکہ زوجین میں سے کسی نے دوسرے کو اپنی وفات سے پہلے وصیت کی ہو کہ جس نے اس پر تہمت لگائی ہے اس پر حد لگائی جانے کا مطالبہ کرے ایسی صورت میں اسے یہ حق ہو گا کہ قاذف کی سزا کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ وصیت کی بنا پر وہ فریق وفات پا جانے والے کا ولی متصور ہو گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو کہا "اے زنا کرنے والی کی اولاد" اور اس کی ماں بے گناہ ہے اور وفات پا چکی ہے اور اس ماں کا بیٹا اس شخص کے خلاف حد قذف کا دعویٰ کرے تو اس شخص کو سزائے قذف دی جائے گی۔

Marfat.com

کیونکہ اس نے ایک بے گناہ عورت پر اس کی وفات کے بعد تہمت لگائی لیکن یہ دعویٰ متوفیہ کی طرف سے جس پر تہمت لگائی گئی ہے' درست نہ ہوگا جب تک کہ یہ تہمت خود مدعی کے نسب میں خرابی کا سبب اور اس کے لئے موجب عار نہ ہوئی ہو۔ ایسے اشخاص اس عورت کے باپ دادا یا بیٹے پوتے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہی اشخاص مقذوف کی ذریت میں ہونے کے باعث بدنامی کا نشانہ بن سکتے ہیں اور اس تہمت میں یہ بھی شامل ہیں لہٰذا انہیں قاذف کی سزا کے مطالبہ کا حق ہے۔

وفات یافتہ پر تہمت لگانے کا بیان

اگر مقذوف بے گناہ ہو تو اس کے غیر مسلم بیٹے اور اس کے غلام (مملوک) کو بھی مطالبہء سزا کا حق ہے۔ کیونکہ (قاذف نے) ایک بے گناہ پر تہمت لگا کر اسے بدنام کیا' لہٰذا اس پر حد عائد ہوگی۔ اس کے لئے مقذوف کا بے گناہ ہونا شرط ہے تاکہ پورے طور پر تہمت کو جرم قرار دیا جا سکے۔

غلام کا آقا کے خلاف اور بیٹے کا باپ کے خلاف دعویٰ کرنے کا بیان

حنفیہ' شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا کے خلاف اپنی آزاد متوفیہ ماں پر تہمت لگانے پر مطالبہء سزا نہیں کر سکتا۔ (الزام کی صورت یہ ہے) کہ آقا اپنے غلام کو کہے کہ ''اے زانیہ کی اولاد'' جبکہ اس کی ماں وفات پا چکی ہو۔ اسی طرح بیٹے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کے خلاف جس نے اس کی آزاد مسلمان ماں پر اس کی وفات کے بعد الزام لگایا ہو سزائے قذف کا دعویٰ کرے۔ بایں طور کہ باپ نے بیٹے کو کہا ہو اے زانیہ کی اولاد' یہ حکم اس لئے ہے کہ باپ کو اس کے بیٹے کی خاطر سزا نہیں دی جا سکتی۔ بنا بریں بیٹے کا قصاص باپ سے نہیں لیا جائے گا اور نہ بیٹے (کے مال) کی چوری پر باپ کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' فلا تقل لهما اف '' (یعنی ماں باپ کو اف تک نہ کہو) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' لا يقاد الوالد بولده' ولا السيد بعبده '' (یعنی بیٹے کا قصاص باپ سے اور غلام کا آقا سے نہیں لیا جائے گا) اس پر اجماع ہے کہ آقا سے قصاص نہیں لیا جائے گا پس جبکہ جان کا قصاص نظر انداز کیا جاتا ہے تو عزت کے نقصان کو بدرجہء اولیٰ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ قصاص کا موجب امر یقینی ہے اور اس میں بندہ کا حق غالب ہے اور آقا کو غلام کا مجرم اس لئے نہیں ٹھہرایا جاتا کہ غلام کا حق عین آقا کا حق ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ کسی کو اپنی حق تلفی کی سزا دی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' لا يقاد الوالد بولده ولا السيد بعبده '' (یعنی باپ پر بیٹے کا اور آقا پر غلام کا قصاص نہیں ہے) پھر یہ بھی ہے کہ غلام آقا کا مال اور اس کی ملکیت ہے لہٰذا غلام کا کوئی مطالبہ آقا پر عائد نہیں ہوتا۔

مالکیہ کا مشہور مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے پر اتہام لگائے اور اسے کہے کہ' اے زانیہ کی اولاد' جبکہ اس کی آزاد' مسلمان اور بے گناہ ماں مر چکی ہے تو بیٹے کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے باپ پر تہمت لگانے کا جرم عائد کرے اور دوسروں کی طرح اسے قذف کی سزا دی جائے۔ کیونکہ یہ آیت شریفہ (اس بارے میں) مطلق ہے جس میں کوئی استثنیٰ نہیں ہے' والذين يرمون المحصنات ثم لم ياتوا باربعة شهدآء فاجلدو هم ثمانين جلدة '' (یعنی جو لوگ بے گناہ عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ پیش کر سکیں انہیں اسی (۸۰) درے لگاؤ) پس اس آیت میں ایک دوسرے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور نہ نزدیک یا دور کے رشتہ کا لحاظ رکھا گیا ہے پھر یہ بھی ہے کہ

Marfat.com

'حد' (سزائے شرعی) اللہ تعالیٰ کا حق ہے (یعنی اس کا مطالبہ اللہ کی طرف سے ہے) لہٰذا اولاد کی قرابت داری (باپ کو) سزا سے نہیں بچاسکتی تاہم مالکیہ کہتے ہیں کہ باپ کو سزائے قذف ہوجائے تو بیٹے کا اعتبار ختم ہوجائے گا کیونکہ وہ اپنے باپ کی سزایابی کا سبب بننے میں اس کا شریک ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فلا تقل لھما اف' و لا تنھر ھما' وقل لھما قولا کریما" (یعنی ماں باپ سے اظہار ناراضگی نہ کرو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ نرم مزاجی سے کام لو)۔

ائمہء فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی اولاد کو جو وفات یافتہ بیوی سے ہے 'زانیہ کی اولاد' کہا اور اس بیوی کی کوئی اور اولاد دوسرے خاوند سے ہے تو اس (سوتیلی اولاد) کو حق ہے کہ اپنے سوتیلے باپ کے خلاف سزائے قذف کا دعوے کرے۔ اس کا حق تو دراصل دونوں اولاد کو حاصل ہے لیکن ایک کو تو مطالبہء سزا کی ممانعت ہے لیکن دوسرے کو ممانعت نہیں ہے لہٰذا باپ کے عمل کے تقاضوں کو وہ پورا کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک جماعت مطالبہء سزا کا حق رکھتی ہو اور ان میں سے کوئی فرد معاف کردے تو دوسروں کو مطالبہ کا حق باقی رہے گا۔ بخلاف اس کے اگر دو اشخاص مطالبہء قصاص کا مطالبہ رکھتے ہوں اور ان میں سے ایک معاف کردے تو دوسرے کو نفاذ قصاص کا مطالبہ کرنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ میت کو صرف ایک قصاص کا حق ہوتا ہے اور وہی حق وارثوں کو ملتا ہے اگر ایک وارث معاف کرکے مطالبہء قصاص سے دست بردار ہوجائے تو پھر قصاص کا مطالبہ باقی نہیں رہتا کیونکہ قتل کے ایک جرم کا تجزیہ ممکن نہیں ہے اور 'حد' کا مطالبہ اللہ کا حق ہے (یعنی اگر وہ معاف نہ کرے تو معاملہ رفع دفع نہیں ہوسکتا۔

فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو کہے کہ 'اے زانی' اور دوسرا کہے 'نہیں بلکہ تو' تو یہ دونوں مستوجب حد قذف ہوں گے۔ کیونکہ اس جواب کے معنے یہ ہیں کہ 'میں زانی نہیں بلکہ تو زانی ہے' یہاں 'بلکہ' (حرف اضطراب) کلمہء عطف ہے جو غلطی کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (یعنی میرا زانی ہونا غلط ہے دراصل تو زانی ہے)۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا 'اے زانیہ' اور بیوی نے کہا میں نہیں تو زانی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دعوے کریں تو عورت کو صرف حد قذف لگائی جائے گی اور لعان نہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے پر تہمت لگائی ہے۔ خاوند بیوی پر تہمت لگائے تو لعان واجب ہوتا ہے اور بیوی کا خاوند پر تہمت لگانا مستوجب حد ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں دو سزائیں جمع ہوجائیں اور ایک پر عمل درآمد سے دوسری سزا ساقط ہوتی ہو تو واجب ہوجاتا ہے کہ ایک سزا پر عمل درآمد کو دوسری سزا ساقط ہوجانے کا بہانہ بنایا جائے اور چونکہ لعان بھی سزا کا قائم مقام ہے اس لئے اسے بھی حد ہی تصور کیا جائے گا۔ پس جب عورت کو سزائے قذف مل گئی تو لعان باطل ہوگیا کیونکہ عورت کو سزائے قذف مل چکی ہے نیز عورت چونکہ جرم تہمت کی سزایاب ہے لہٰذا جرم قذف کی سزایاب عورت اور اس کے خاوند کے درمیان 'لعان' نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ لعان ایک شہادت ہے اور قذف کا سزا یافتہ شہادت نہیں دے سکتا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر خاوند کے جواب میں' جس نے بیوی کو 'اے زانیہ' کہا بیوی یہ کہہ دے کہ "ہاں میں نے تیرے ساتھ زنا کیا" تو اب نہ حد قذف ہے نہ لعان' کیونکہ دونوں باتیں مشکوک ہوگئیں۔ یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ بیوی کے (اس طرح) کہنے کا مطلب یہ ہو کہ تو نے ہی نکاح سے پہلے میرے ساتھ بدکاری کی ہے تو یہ اس الزام کی تصدیق

Marfat.com

علاوہ اس کے اس آیت کریمہ میں (ان الفاظ سے) شرائط حد قذف کے منجملہ سب سے ضروری شرط کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ محصن (بے گناہ) ہو۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یہاں پر ''احصان'' (بے گناہ ہونے) کا مطلب یہ ہے کہ تہمت لگنے سے پہلے یا اس کے بعد مگر سزا ملنے سے پہلے اس نے جرم زنا کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ شخص فی الواقع گناہ زنا کا مرتکب ہوا ہے تو اسے 'محصن' قرار نہیں دیا جائے گا اور تہمت لگانے والا سزائے قذف سے بری ہو جائے گا۔

اگر کسی نے ایک عورت سے عقد فاسد (یعنی غلط طریقہ سے نکاح) کر کے۔ مثلاً بغیر گواہ کے عقد کیا (اور اس سے مباشرت کر لی) یا کوئی عورت سو رہی تھی اور یہ خیال کر کے کہ وہ اس کی بیوی ہے اس سے مباشرت کر لی حالانکہ وہ اس کی بیوی نہ تھی تو اس شبہ کی بناء پر وہ شخص حد زنا سے تو بری ہو گا لیکن کیا اس شخص کی اس حرکت سے اس کی صفت احصان (یعنی بے گناہ ہونے کی خوبی) جاتی رہے گی کہ اگر کوئی شخص اس پر بدکاری کی تہمت لگائے تو اسے اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا نہ دی جائے۔ یا صفت احصان باقی رہے گی کہ اس پر تہمت لگانے والا مستوجب حد ہو گا؟ اس بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں:

بعض اصحاب کی یہ رائے ہے کہ اگر اس میں بے احتیاطی سے کام لیا گیا ہے تو اس شخص کی صفت احصان (بے گناہی) جاتی رہے گی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ احصان، کی صفت نہیں جاتی جب تک کہ زنا مستوجب حد کا ارتکاب نہ ہو۔

یہاں تک سزائے قذف کا بیان تھا۔

تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی پر بہتان لگانا اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنا ہے

تمام مذاہب اور تمام عقلیں اس پر متفق ہیں کہ بہتان لگانا عزت پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ نظام عالم کا تقاضا یہ ہے کہ عزت کا تحفظ کیا جائے۔ بالخصوص اس لئے کہ یہ حرکت شر و فساد کا موجب ہے۔ بے گناہ

ہوئی جو خاوند نے اس پر لگایا لہٰذا لعان ساقط ہو گیا۔ اور بدیں جہت کہ عورت نے مرد پر زنا کا الزام لگایا اور اس کی تصدیق نہ ہو سکی تو حد قذف لازم ہوئی لعان واجب نہ ہوا اور اس امر کا بھی احتمال ہے کہ بیوی نے (اس طرح کہہ کر) خاوند کے ساتھ

Marfat.com

عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے سے لازمی طور پر خاندان میں بغض وعداوت پھوٹ پڑنے کا سبب ہوتا ہے اور دلوں میں کینہ وحسد جنم لیتے ہیں۔ جس کا انتقام قتل واتلاف جان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جس کا انجام بہت برا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس (جرم) کیلئے ایسی سزا تجویز کی جائے جو لوگوں کو اس کے شر سے بچائے اور اس کے لئے زبانیں مطلق العنان نہ ہو جائیں تا کہ اس شر وفساد سے نجات ہو جو اس (فعل بد) کے نتائج میں سے ہے۔

سزائے قذف کے بارے میں نادانوں کے اعتراض کا بیان

بعض اشخاص کا خیال ہے کہ درہ زنی کی یہ سزا سخت اور موجودہ معاشرہ کے مناسب حال نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ پہلے سمجھیں کہ یہ جرم کیا ہے پھر اس کے ارتکاب سے جو نقصان معاشرہ کو پہنچتا ہے اس کا موازنہ اس سزا سے کریں تو معلوم ہوگا کہ جرم قذف کی سزا کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایسے قول وفعل سے معاشرہ کو محفوظ رکھا جائے جو معاشرہ کے لئے مضرت رساں اور انفرادی واجتماعی طور پر ایذا دہ ہے۔ اگر لوگوں میں جرائم قذف کو پھیلنے دیا گیا تو کسی کی آبرو، جان اور مال کا تحفظ ممکن نہ رہے گا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ بنی نوع انسان جسے اللہ تعالیٰ نے عقل سے نوازا ہے درندہ جانور کی مانند ہو کر رہ جائے گا' جو قوی ہیں وہ کمزوروں پر جبر کرنے لگیں گے۔ اور یہ صورت حال فرد اور جماعت کے لئے تباہی وبربادی کا موجب ہے اور ضروری ہے کہ اس برائی کا سدباب کرنے والی کوئی ایسی تدبیر ہو جو بداخلاق مجرموں کو برائی سے باز رکھے اور انہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرنے دے جن میں حیات انسانی کی بقا ہے اور ایسے ذرائع کا اختیار کرنا ضروری ہے جو ان جرائم کی جڑ کاٹ دیں تا کہ نوع انسانی سے ان کا نام ونشان مٹ جائے غرض معاشرے کے لئے اور خود مجرموں کے لئے یہی بہتر ہے کہ ان جرائم سے روکنے کے لئے سخت سزا دی جائے اور مجرموں کے معاملہ میں ان سزاؤں کے نرم یا سخت ہونے کو اور مرد یا عورت ہونے سے قطع نظر کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جرم کرنے والے کی (خواہ کوئی ہو) ایک ہی حیثیت ہے اور اس کے نقصان دہ نتائج بھی یکساں ہیں لہٰذا کسی قانون پسند عاقل کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جو مجرم دوسروں کی عزت کو نقصان پہنچائے اور اپنی دروغ بیانی یا افترا پردازی سے اس میں رخنہ انداز ہو وہ ضرب تازیانہ کی سخت سزا کا مستحق نہیں ہے۔ اس کی بجائے انہیں تو یہ کہنا چاہیے کہ یہ جرائم چونکہ فرد اور جماعت پر بہت برا اثر ڈالتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں ایسی سزا دی جائے جو ان خرابیوں کا استحصال

Marfat.com

کردے۔ پس اس کے لئے جو سزا اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے وہ نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں انہیں لازم ہے کہ وہ اپنی زبانوں کو لوگوں پر بہتان لگانے کے گناہ سے پاک رکھیں۔

اگر انہیں دنیا والوں سے خوف نہیں ہے تو اللہ سے ڈریں جس نے ایسے اشخاص کو 'فاسق' قرار دیا ہے۔ باقی وہ تلف کار اشخاص جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پرواہ نہیں کرتے اور اللہ سے نہیں ڈرتے وہ چوپاؤں سے بدتر ہیں اور جب تک کہ انہیں سخت ایذا دہ سزا نہ دی جائے وہ باز آنے والے نہیں ہیں بصورت دیگر وہ لوگوں کو بے شمار نقصانات پہنچانے میں بڑھتے چلے جائیں گے۔ (۱)

قاذف کو معافی دینے کا بیان

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مقذوف کو (جسے تہمت لگائی گئی ہے) یہ اختیار ہے کہ وہ قاذف (تہمت لگانے والے) کو معاف کردے۔ اس کے معاف کردینے سے سزائے قذف ساقط ہوجائے گی۔ اس کی گنجائش ہے چنانچہ اگر کوئی کسی کی تہمت بدکاری کی جرأت کرے تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مقذوف کو راضی کرلے اور اس الزام کا اثر زائل کردے۔ اور اگر وہ معاف کردے تو یہ معافی درست ہوگی خواہ حاکم کے سامنے معاملہ پیش ہونے سے پہلے یہ معافی ہوجائے یا بعد میں ہو۔

مالکیہ کو بھی اس رائے سے اتفاق ہے (کہ معافی ہوسکتی ہے) بشرطیکہ حاکم کے سامنے معاملہ پیش ہونے سے پہلے معافی ہوئی ہو۔ لیکن حاکم کے سامنے معاملہ پیش ہونے کے بعد صرف اس صورت میں معافی درست ہوسکتی ہے جبکہ مقذوف اپنی بدنامی سے خائف ہو۔ لیکن اگر اس کی پاکبازی مشہور ہو اور اس تہمت کے مشہور ہونے سے اسے کوئی اذیت پہنچے تو معافی درست نہ ہوگی۔ بہرحال یہ کہنا قرین عقل ہے کہ

نکاح کے بعد مرتکب ہونے کا ذکر کیا ہو اور یہ کہا ہو کہ میں نے تیرے سوا اور کسی کو اپنے اوپر قادر ہونے نہیں دیا۔ اور بالعموم ایسی صورت میں عورت پر لعان عائد ہوتا ہے حد عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسے تہمت بھی کہہ سکتے ہیں اور نہیں بھی کہہ سکتے۔ ایک لحاظ سے حد واجب ہوتی ہے لعان واجب نہیں ہوتا اور ایک لحاظ سے لعان واجب ہوتا ہے حد واجب نہیں ہوتی اور فیصلہ دونوں میں سے ایک امر کے تعین پر موقوف ہے۔ غرض یہاں دونوں باتوں یعنی حد یا لعان کا احتمال رہا اور اس شبہ کے باعث دونوں میں سے کسی ایک بات کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

ا۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آزمائش کے ساتھ انعام اور ہر مصیبت کے ساتھ رحمت رکھی ہے۔ کسی کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ یہی حال سزاؤں کے نفاذ فرمانے کا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی بہتری ہے۔ دلوں میں نیکی پروان چڑھتی

Marfat.com

مقذوف معاف کرسکتا ہے کیونکہ تہمت کا تکلیف دہ اثر اسی کو پہنچتا ہے اور جب معاف کردے تو (گویا) تہمت کا تکلیف دہ اثر بھی جاتا رہا۔ اب اگر قاذف نے معافی ہو جانے کے بعد پھر تہمت لگائی تو اسے حد قذف نہ ہوگی۔ البتہ سزا دی جائے گی تاکہ آئندہ بدنام کرنے سے باز رہے۔

یہاں پر یہ کہنا ممکن ہے کہ حنفیہ کے سوا باقی تینوں اماموں کے نزدیک معاف کر دینے سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے۔ تاہم حنفیہ کہتے ہیں کہ مقذوف اگر حاکم کے سامنے دعویٰ نہ کرے تو حد قذف پر عمل درآمد نہ ہوگا۔ (۱)

ہے یہ سزائیں خرابی کے مواقع سے بچنے، زبان کو بدگوئی سے پاک رکھنے، لوگوں کی نیک نامی کو بٹہ لگانے، اللہ کی نافرمانی اور معصیت الٰہی سے بری رہنے کے لئے ہیں۔ ان شرعی سزاؤں کے مقرر کرنے کی غرض یہ ہے کہ معاشرہ کو ایسے شر و فساد سے پاک رکھا جائے جو لوگوں کی ہلاکت اور ان میں پھوٹ ڈالنے کا موجب ہوتے ہیں۔ جس معاشرہ میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اگر اس کا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرہ سے مقابلہ کریں تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق اور وسیع خلا محسوس کریں گے اس کا سبب یہی ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلافت راشدہ میں اور اس کے بعد بھی حدود شرعیہ کا نفاذ تھا۔

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ کی قوی ترین روایت یہ ہے کہ اگرچہ سزائے شرعی حکم ہے، تاہم حد قذف کا مطالبہ کرنا مقذوف کا حق ہے۔ بدیں جہت کہ اس بارے میں بندے کے حق کو فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ (بدنامی سے بچنے کے لئے سزا دلانے کی) ضرورت بندے کو ہے شریعت اس سے بے نیاز ہے۔ اور اس لئے بھی کہ بیشتر احکام شرعیہ حق العباد پر مبنی ہیں اور عقل اس کی شاہد ہے کہ سزائے قذف کے نفاذ سے خصوصیت کے ساتھ بندہ کو فائدہ پہنچتا ہے، جیسے قصاص میں ہوتا ہے۔ چنانچہ سزائے قذف پر عمل درآمد نہیں ہوتا جب تک کہ مقذوف اس کا مطالبہ نہ کرے۔ اور مقذوف کو یہ حق ہے کہ وہ تہمت لگانے والے کی سزا ساقط اور اس کے قصور کو معاف کر دے اور وہ سزا سے بری ہو جائے اور مطالبہ سزا کا یہ حق جو وارثوں کو پہنچتا ہے۔ وہ بھی اسی لئے کہ سزائے قذف کے بارے میں بندے کا حق شریعت کے حق پر مقدم اور فائق ہے اور اسی میں لوگوں کی عزت ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مقذوف کو یہ حق نہیں ہے کہ قاذف کی شرعی سزا کو ساقط اور اس کے گناہ کو معاف کر دے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ الزام تہمت سے اسے بری کر سکے۔ کیونکہ اس میں اللہ کے حکم کو فوقیت حاصل ہے اگرچہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں بندہ اور شرع دونوں کا حق ہے۔ یہ سزا مقذوف کی بدنامی کو دور کرنے کے لئے اور اس کے نفاذ میں خصوصیت کے ساتھ اسی کا فائدہ ہے۔ بدیں جہت یہ بندے کا حق ہے اور چونکہ مقصد اس کا 'زجر' ہے جس کی بنا پر اسے حد (سزائے شرعی) کہا جاتا ہے اور 'زجر' سے مراد معاشرہ میں در آنے والی خرابیوں کو دور کرنا اور ناپسندیدہ باتوں سے پاک کرنا ہے پس یہ شریعت کا حق غالب ہونے کی علامت ہے کیونکہ اس میں دوسروں سے قطع نظر کر کے کسی ایک شخص کا فائدہ پیش نظر نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ بندے کے حق کا والی (نگران حال) اس کا آقا ہوتا ہے۔ جو اس کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ اس کے برعکس نہیں ہوتا (کہ بندہ آقا کے حقوق کا تحفظ کرے) کیونکہ شریعت حقوق کی تکمیل بندہ کے اختیار میں نہیں

Marfat.com

ہے۔ سوااس کے کہ (اس کی تکمیل کے لئے) اسے نائب بنایا گیا ہے یہی وہ اصل ہے جس سے متعدد فروعی مسائل مختلفہ اخذ کئے گئے ہیں۔ مثلاً وراثت کا مسئلہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ حقوق شریعت سے نہیں ہے۔ پس ایک بندہ دوسرے بندہ کا حق ورثہ میں پاتا ہے بشرطیکہ اس حق کا تعلق مال سے ہو اور حد (سزائے شرعی) مال کی قسم میں سے نہیں ہے لہٰذا یہ حق (وارث کی) وفات کے بعد جاتا رہتا ہے۔ جب کہ کوئی سمعی دلیل اس کی نہ ہو کہ کسی وارث کو شرعی حق کے مطالبہ کا اختیار دیا گیا ہو یا مطالبہ حق کی وصیت کی گئی ہو۔ جو اس حق کے ثابت کرنے کی شرط رکھی گئی ہے اسی طرح 'معافی' کا مسئلہ ہے کہ اگر حاکم کے نزدیک قاذف کا تہمت لگانا اور مقذوف کا بے گناہ ہونا ثابت ہو جائے اور مقذوف تہمت لگانے والے کو معاف کردے تو یہ معافی درست نہ ہوگی اور قاذف کو سزائے قذف دی جائے گی۔ غرض حنفیہ کے نزدیک جرم قذف ثابت ہو جانے کے بعد حد ساقط نہ ہوگی بجز اس صورت کے کہ مقذوف کہے کہ اس شخص نے مجھ پر یہ تہمت لگائی ہی نہیں ہے یا یہ کہے کہ میرے گواہوں نے غلط بیانی کی ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ محض تہمت لگا دینے سے سزائے قذف واجب نہیں ہوتی۔ قصاص کی معافی کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ سزائے قصاص واجب ہو جانے کے بعد بھی (معاف کر دینے سے) ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ اس بارے میں بندے کے حق کو فوقیت حاصل ہے۔ اسی طرح کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس میں اعتیاض روا نہیں ہے (یعنی ایک جرم کی سزا کو دوسرے جرم کی سزا قرار دیا جائے) البتہ تداخل ہو سکتا ہے (یعنی دوہرے جرم کی سزا ایک ساتھ دی جا سکتی ہے) چنانچہ اگر ایک شخص نے متعدد بار کسی پر تہمت لگائی یا ایک جماعت پر اتہام لگایا تو سزائے قذف ایک ہی ہوگی بشرطیکہ دو بار تہمتوں کے درمیان حد قذف نہ مل چکی ہو۔ اگر ایک جماعت میں سے جن پر تہمت لگائی گئی ہے کسی فرد واحد نے استغاثہ کیا اور حد لگائی جانے لگی کہ دوسروں نے بھی دعویٰ کر دیا تو صرف وہی ایک حد پوری کی جائے گی۔

حنفیہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ اس سزا کی معافی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تو ایسا ہے کہ وہی شخص جو سزا کے عائد کرنے یعنی نفاذ حد کا ذمہ دار بنایا گیا ہے وہی الٹا معاف کر رہا ہے پھر یہ بھی ہے کہ معاف کرنا گویا الزام پر الزام سمیٹنا ہے۔ کیونکہ تہمت لگانے سے جو بے عزتی ہوئی ہے اس بے عزتی کو گوارا کر لینا بجائے خود بے عزتی ہے اور یہ دلیل سب سے زیادہ قوی ہے۔

عام مشائخ و اصحاب حنفیہ میں سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ سزائے قذف کے مطالبہ کا زیادہ حق بندہ کو حاصل ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سزائے قذف کے مطالبہ میں بندہ کا حق فائق ہے چنانچہ اگر مقذوف سزا کا مطالبہ نہ کرے تو سزا پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا اور اگر حاکم کے پاس نالش نہ کی جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن جب معاملہ حاکم کے پیش ہو جائے اور جرم ثابت ہو جائے تب کسی کو سزائے قذف کے ساقط کرنے کا اختیار نہیں رہتا' کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ 'جرم مستوجب حد' جب حاکم اسلام کے پیش ہو جائے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ نفاذ حد کا حکم دے دے اور اس کے ساقط کرنے کی کوئی سفارش قبول نہ کرے۔ سوا اس صورت کے جب کہ خود مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) دعویٰ سے دست بردار ہو جائے۔ بدیں خیال کہ اس بارے میں چہ میگوئیاں ہوں گی (اور وہ اس سے بچنا چاہتا ہے)۔ مالکیہ کے درمیان اسی قول کو شہرت حاصل ہے۔

مالکیہ کا کہنا ہے کہ سزائے قذف میں ''اعتیاض'' کی گنجائش نہیں ہے کہ ایک جرم کی سزا کو دوسرے جرم کی سزا قرار دیا جائے) البتہ سزاؤں میں تداخل ہوتا ہے (یعنی قذف کے متعدد جرائم کی سزا ایک ساتھ دی جاتی ہے)۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی پر ایک بار یا ایک سے زیادہ بار تہمت لگائی تو سزائے قذف ایک ہی ہوگی نیز اگر ایک ہی مجلس میں

Marfat.com

متعدد اشخاص پر الزام لگایا۔ یا متعدد مجالس میں ایک ہی طرح کا الزام لگایا۔ یا مختلف الفاظ میں اتہام لگائے تو ان سب کی پاداش میں حد قذف ایک ہی ہوگی۔ چنانچہ اگر جماعت میں سے کسی ایک فرد نے نالش کی اور حد قذف کے طور پر اسے سزائے ضرب ملی تو وہ تمام جرائم تہمت کی سزا متصور ہوگی۔ اگر بعد میں اور اشخاص (منجملہ جماعت) دعویٰ کریں تب بھی کئی بار تہمت لگانے کی سزا بار بار نہ ہوگی۔ خواہ متعدد اشخاص نے جن پر تہمت لگائی گئی ہے استغاثہ کیا ہو البتہ ایک جرم کی سزا پانے کے بعد اگر دوبارہ جرم قذف کا ارتکاب کیا تو سزا بھی دہرائی جائے گی اگر چہ اس کی تصریح نہ کی گئی ہو (کہ یہ وہی الزام ہے یا دوسرا)۔

کسی کو اس کے چچا یا ماموں سے منسوب کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کسی کا نسب اس کے چچا یا ماموں یا نانا سے جوڑے تو اسے قاذف (تہمت کا مجرم) نہیں کہیں گے۔ کیونکہ ان کو 'باپ' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی صورت یعنی چچا کو باپ کہنے کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (بخطاب یعقوب) میں ہے۔ "والٰه آبائک ابراھیم و اسمٰعیل و اسحاق" (یعنی تیرے باپ ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کا معبود) حالانکہ اسمٰعیل یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔ (یہاں انہیں آباء میں شمار کیا گیا) اور دوسری صورت (یعنی ماموں کو باپ کہنے) کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے "الخال والد من لا والد لہ" (یعنی جس کا باپ نہیں اس کا ماموں باپ ہے) تیسری صورت (باپ کہے جانے کی) تربیت (پرورش) ہے۔ چنانچہ کہا جاتا کہ اللہ کے ارشاد (بہ نقل قول نوح) "ان ابنی من اَھلِیْ" (یعنی میرا بیٹا میرے کنبہ کا ہے) میں جسے بیٹا کہا گیا ہے وہ دراصل ان کا نہیں بلکہ ان کی بیوی کا بیٹا تھا (جس کی پرورش انہوں نے کی تھی)۔

اگر ایک شخص نے کسی کو کہا "اے زانی" اور دوسرے نے کہا "میں نہیں بلکہ تو" تو دونوں کو سزائے قذف ملے گی۔ بشرطیکہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف نالش کریں۔ کیونکہ دونوں ہی جرم قذف کے مرتکب ہوئے اور درآنحالیکہ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف دعویٰ کیا اور حاکم کے نزدیک ان کے الزامات ثابت ہوگئے تو ان پر اللہ کا حق یعنی سزائے قذف عائد ہوگئی۔ اب ان میں سے کوئی بھی اس سزا کو ساقط نہیں کر سکتا۔ لہٰذا دونوں پر حد نافذ ہوگی۔ بخلاف اسکے اگر کہا "اے خبیث" اور دوسرے نے انتقاماً کہا "میں نہیں بلکہ تو (خبیث) ہے" تو دونوں میں سے کوئی بھی مستوجب تعزیر نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں نے (ایک دوسرے کی بدگوئی سے) اپنا حق کھو دیا۔

غیر مسلم یا غلام کی شہادت کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ خاوند جس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تھی اگر بیوی کے خلاف ارتکاب زنا کی گواہی دے تو وہ سزائے قذف کا مستوجب ہے کیونکہ قاضی 'قذف کا مجرم ہونے کے باعث' اس کی گواہی کو تسلیم نہیں کرے گا اسی طرح اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان سب کو سزائے قذف ملے گی کیونکہ وہ سب تہمت لگانے کے مجرم ہیں اسی طرح اگر چار عورتوں یا چار غلاموں یا چار کافر اشخاص نے یا چار ذمیوں یا چار پناہ گیروں نے گواہی دی تو چاروں مسالک کی رو سے ان سب کو سزائے قذف ہوگی۔ کیونکہ یہ اشخاص شہادت کے نااہل نہیں تھے اور ان کا مقصد بجز تہمت لگانے کے اور کچھ نہ تھا۔

ایک اور طریقہ سے بھی وہ مستوجب حد ہیں کہ عدم صلاحیت شہادت کے باعث گواہوں کی (مطلوبہ) تعداد

Marfat.com

میں کمی تصور کی جائے گی لہٰذا وہ سزا پائیں گے اس بارے میں اختلاف کی گنجائش اس صورت میں ہے جب کہ بظاہر ان میں گواہ بننے کی صلاحیت موجود ہو اور بعد میں کافر یا غلام ہو جائیں۔ ایسی صورت میں پہلے ہی ان کی حالت معلوم ہو گئی تو حاکم ان کی گواہی کو رد کر دے گا اور اس کی سماعت ہی نہ کرے گا اور ان کا قول قطعی طور پر بے گناہ پر تہمت متصور ہو گا۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔

شافعیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر چار گواہوں نے ارتکاب زنا کی گواہی دی اور ان کی گواہی کو ان کے فاسق ہونے کی بناء پر حاکم نے رد کر دیا۔ اگر چہ وہ قطعی طور پر شراب اور زنا کے مرتکب ہوئے ہوں تو وہ مستوجب حد نہ ہوں گے۔ اس بناء پر نہیں کہ ان میں شہادت دینے کی پوری شرائط نہیں ہیں یا ان کے نقائص کو جیسا کہ اوپر بتایا گیا تعداد میں کمی تصور کیا گیا۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ کیونکہ (گواہوں کی) تعداد میں کمی ہونا امر یقینی ہے اور ان کا فسق و فجور اجتہادی اور ظنی امر ہے جو موجب شبہ ہے اور شبہ کی حالت میں سزا نہیں دی جاتی۔

اگر چار گواہوں سے کم نے شہادت زنا دی اور انہیں سزائے قذف دے دی گئی اور پھر چار گواہ پورے ہو کر گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جیسے کوئی فاسق آدمی گواہی دے اور اس کی شہادت رد کر دی جائے اس کے بعد وہ توبہ کر لے اور پھر گواہی دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

اگر غلاموں نے گواہی دی اور انہیں سزائے قذف دی گئی پھر وہ غلام آزاد ہو گئے اور پھر دوبارہ گواہی دینے آئے تو ان کی گواہی تسلیم کی جائے گی کیونکہ ان پر اب کوئی تہمت نہ ہو گی۔

اگر پانچ اشخاص نے شہادت دی اور ان میں سے ایک گواہ اپنے بیان سے منحرف ہو گیا تو اسے اور دوسرے گواہوں کو سزا نہ ہو گی کیونکہ گواہوں کی مطلوبہ تعداد میں کمی نہیں ہوئی۔ البتہ اگر (پانچ میں سے) دو گواہ اپنے بیان سے پھر گئے تو وہ دونوں مستوجب حد ہوں گے کیونکہ وہی دونوں بدنام کرنے میں شریک حال تھے باقی گواہ نہیں تھے۔ کیونکہ گواہی کے وقت تعداد مطلوبہ پوری تھی اور ان میں کوئی کوتاہی نہ تھی نیز اگر ان میں سے ایک گواہ منحرف ہوا تو اس بناء پر اسے بھی سزا دی جائے گی دوسروں کو نہ ہو گی۔

بدنام کرنے کا بیان

فقہاء کا قول ہے کہ اگر ایک شخص نے حاکم کے حضور کسی پر تہمت لگائی۔ یا اپنی بیوی پر کسی متعین شخص سے ملوث ہونے کا الزام لگایا اور وہ شخص عدالت میں موجود نہیں ہے تو لازم ہے کہ حاکم اس شخص کے پاس جس پر تہمت لگائی گئی ہے آدمی بھیج کر اسے مطلع کر دے کہ فلاں شخص نے تم پر تہمت لگائی ہے اور اب تمہیں اس شخص پر حد قذف عائد کرنے کا حق ہے جیسے تمہارا کسی پر مال کا حق ہو اور اسے خبر نہ ہو۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ اس کی اطلاع اس شخص کو دے دی جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقف کار کو بھیجا کہ اس عورت کو بتا دے کہ فلاں شخص نے اس پر اپنے بیٹے سے ملوث ہونے کی تہمت لگائی ہے۔ لیکن اس شخص کے پاس کوئی گماشتہ نہیں بھیجا جو (الزام) زنا کی بابت تفتیش و تحقیق کرے۔

شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام (حاکم) کا یہ کام نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے تو وہ اس کی بابت پوچھ گچھ کے لیے کسی کو بھیجے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا تجسسوا" (یعنی کسی الزام کی جستجو میں نہ پڑو) اس

Marfat.com

کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم اس حالت میں ہے جب کہ تہمت لگانے والا نامعلوم ہو، مثلاً کوئی شخص کہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے بدکاری کی (لیکن کون کہتا ہے یہ معلوم نہیں۔)

بیوی پر کسی خاص شخص کے ساتھ ملوث ہونے کا الزام

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو 'لعان' واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ بیوی اس کا مطالبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں الزام زنا عام مفہوم میں آیا ہے ''والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللّٰہ انہ لمن الصادقین'' (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور اس کے ثبوت میں ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ہر ایک چار بار اللہ کا حلف اٹھا کر یہ بیان دے کہ وہ اپنے قول میں سچا ہے) اس آیت میں زنا کی بابت یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ اس طرح ہو اور اس طرح نہ ہو لیکن یہ شرط ہے کہ خاوند شہادت کا اہل ہو اور بیوی ایسی عورت ہو کہ اس پر تہمت لگانے والا مستوجب حد قرار دیا جا سکے نیز یہ کہ عورت لعان کا مطالبہ کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ محض الزام لگا دینے سے 'لعان' روا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ لعان پر عملدرآمد کے لئے ضروری ہے کہ الزام لگانے والا اس زنا کا چشم دید ہونا بیان کرے۔ وہ احادیث اس کا ثبوت ہیں جن میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ منجملہ ان کے سعد بن عبادہ والی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''أرایت لو ان رجلاً وجد رجلا مع امرأتہ'' (یعنی کیا تم نے دیکھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ ''فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: واللہ یا رسول اللہ لقد رائیت بعینی و سمعت باذنی فکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماجاء بہ واشتد علیہ فنزلت الآیتہ الکریمتہ: والذین یرمون ازواجھم'' (یعنی وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ بخدا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی یہ بات ناگوار ہوئی اور سختی سے پیش آئے۔ تب یہ آیت شریف نازل ہوئی کہ ''جو لوگ اپنی بیوی پر الزام لگائیں ---) پھر یہ بھی ہے کہ جب کسی بات کا دعویٰ کیا جائے تو لازم ہے کہ وہ دعویٰ بالکل واضح ہو جس طرح شہادت ہوتی ہے غرض علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور خود آنکھوں سے دیکھنے کا دعویٰ کرے تو ان پر 'لعان' کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اولاد سے انکار کرنے کا بیان

جو شخص اولاد کا قرار کرے پھر اس سے انکار کرے تو اس پر لعان واجب ہوگا کیونکہ اس کے اقرار سے اس کے ساتھ نسب قرار پا گیا اس کے بعد اگر اس اولاد سے انکار کرتا ہے تو یہ بیوی پر تہمت لگانا ہے لہٰذا لعان واجب ہوگا۔ اور اگر پہلے جس اولاد سے انکار کیا پھر اسی کو اپنی اولاد بتایا تو مستوجب حد ہوگا، کیونکہ اس نے خود اپنے بیان کی تکذیب کی اور اولاد کے انکار سے جو لعان اس پر واجب ہوا تھا وہ باطل ہو گیا۔ اس لئے کہ لعان شرعی سزا ہے جو بدیں سبب ناگزیر ہوئی کہ زوجین نے بیوی کے ارتکاب زنا کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب کی اور لعان کی بنیاد حد قذف (یعنی سزائے

Marfat.com

تہمت) پر ہے۔ کیونکہ خاوند نے بیوی پر بدکاری کا الزام لگایا پس جب کہ یہ بنیاد یعنی زوجین کا ایک دوسرے کی تکذیب (جس کی وجہ سے لعان کی نوبت آئی) نہ رہی تو اصل شے (یعنی الزام تہمت) بحال رہا اور حد قذف نافذ ہوگی اور وہ اولاد بہر حال اسی کی قرار پائے گی خواہ پہلے اقرار کیا ہو اور بعد میں انکار کیا ہو یا پہلے انکار کیا ہو اور بعد میں اقرار کیا ہو۔ کیونکہ پہلی بار کا اقرار بحال رہے گا اور بعد میں انکار کرنے سے اس کی نفی نہ ہوگی اور انکار کے ساتھ اقرار لینے سے بھی اولاد ثابت ہوگی۔

اگر خاوند اپنی بیوی سے پیدا ہونے والے بچے کی بابت کہے کہ یہ نہ تو میری اولاد ہے اور نہ تیری اولاد ہے تو اس پر نہ سزائے قذف ہوگی نہ لعان ہوگا۔ کیونکہ بیوی کا بچہ ہونے سے انکار کرنا' بیوی کے جننے سے انکار کرنا ہے اور اس جننے سے انکار کرنا' اس کو اپنی اولاد قرار دینے سے انکار کرنا ہے۔ اور اس کے جننے سے انکار کرنا تہمت نہیں ہے کیونکہ اس سے تو بدکاری کی نفی پائی جاتی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسی عورت سے جو اس کی مملوکہ نہیں ہے' ناجائز مباشرت کی اور اس پر کسی نے تہمت لگائی تو اسکو سزائے قذف نہ دی جائے گی کیونکہ تہمت (کے ثبوت) کے لئے مقذوف کا بے گناہ ہونا شرط ہے جو پوری نہیں ہوئی حالانکہ احصان کی شرط کا مطلب یہی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ قاذف نے جو الزام لگایا ہے وہ سچا ہے۔ پس چونکہ یہ تہمت (یعنی جھوٹا الزام) نہیں ہے لہذا وہ مستوجب حد نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو گالی دی تو اس کو جائز ہے کہ وہ بھی ایسی ہی گالی اسے دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جزاء سیئة سیئة بمثلها" (یعنی برائی کا بدلہ ایسی ہی برائی ہے) لیکن یہ اجازت نہیں ہے کہ (گالی کے جواب میں) دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ ایسی گالی جائز ہے جس میں جھوٹ یا الزام تراشی نہ ہو مثلاً یہ کہنا کہ اے ظالم اے احمق' اے گھامڑ' اے نادان: کیونکہ ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جن سے بالعموم کوئی شخص بھی خالی ہو۔ اگر کسی شخص نے اپنے مخالف کی گالی کا انتقام اسی طرح کی گالی سے لے لیا تو اب وہ مظلوم نہ رہا اور اول الذکر بری الذمہ ہوگیا۔

خاوند کا اپنی بیوی کے حمل سے انکار کرنے کا بیان

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خاوند بیوی کے حمل (کا باعث) ہونے سے انکار کرے اور یوں کہے کہ وہ بیوی سے بے تعلق رہا (یعنی استبراء کیا) اور بے تعلقی کے بعد اس سے مباشرت نہیں کی تو تمام (فقہا) کی رائے یہ ہے کہ وہ حمل جائز قرار دیا جائے اور (اس بارے میں) لعان کرایا جائے۔ اور اگر خاوند (بغیر کسی توجیہ) کے مطلقاً انکار کرے کہ یہ حمل میرا ہے ہی نہیں تو اس صورت میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔

مالکیہ میں یہ قول مشہور ہے کہ اس سے لعان واجب نہیں ہوتا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ قول بے معنی ہے کیونکہ عورت کبھی کبھی انجماد خون سے بوجھل ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

انکار حمل کرنے کے لئے وقت کی قید

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر بیوی کو حمل ہو اور بدوران حمل خاوند نے اس سے انکار نہیں کیا تو ولادت کے بعد انکار کرنا اور پھر لعان کرنا جائز نہیں ہے اس ثبوت میں یہ اصحاب حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت انس اور حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ان احادیث متواترہ کو پیش کرتے ہیں جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کو لعان کا حکم دیتے وقت فرمایا "ان جائت به علی صفته کذا فما ارا ہ الا قد صدق علیهما" (یعنی اگر عورت حاملہ ہو اور خاوند اس سے انکار کرے تو میری رائے میں اس کا کہنا درست ہوگا) اس سے عیاں ہے کہ 'لعان' کے وقت وہ عورت حاملہ تھی (یعنی وضع حمل کے بعد لعان درست نہیں ہے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند کو بیوی کے حمل کا علم ہوا' اور حاکم نے لعان کا موقع دیا اور اس نے لعان نہ کیا تو اب ولادت کے بعد اسے حق نہیں ہے کہ اس سے انکاری ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (خاوند) اولاد سے انکار نہیں کر سکتا جب تک کہ وضع حمل نہ ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ حمل کبھی تحلیل ہو جاتا ہے اور کبھی ناپید ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک کہ حمل کا یقین نہ ہو لعان کی صورت نہیں بنتی اور حمل کا یقین وضع حمل کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

لعان کے بعد عورت پر تہمت لگانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت پر جس کے اولاد ہے لیکن ان کا باپ معلوم نہیں ہے تہمت لگائی یا لعان کرنے والی عورت پر ناجائز اولاد (جننے) کی تہمت لگائی۔ خواہ اس اولاد کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد تو اس شخص پر حد قذف عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ زنا کی علامت یعنی اولاد کے باپ کا نا معلوم ہونا موجود ہے۔ اس لحاظ سے عورت کی بے گناہی جو حد قذف (کے نفاذ) کی شرط تھی پوری نہیں ہوئی) لیکن اگر لعان کرنے والی عورت کی اولاد کو یا ناجائز اولاد کو کسی نے تہمت لگائی تو اس پر حد عائد ہوگی جیسا کہ ہلال بن امیہ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان لا یدعی ولدها لاب ولا یرمی ولدها ومن رماها ورمی فعلیه الحد" (یعنی اس عورت کی اولاد کو کسی کی طرف منسوب نہ کرنا چاہیے اور نہ اولاد پر تہمت لگائی جائے اگر اس عورت پر ایسا الزام لگایا یا اس کی اولاد پر تو وہ مستوجب حد ہوگا)۔ اگر ایک شخص نے کسی عورت پر جس نے لعان کیا اور اس کے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا' تہمت لگائی تو اس پر حد عائد ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں نہ اس عورت کی بدکاری کا کوئی ثبوت ہے اور نہ اس کی کوئی علامت موجود ہے۔ اگر خاوند نے لعان کے بعد اس عورت کی اولاد کو اپنی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا اور (اس بناء پر کہ اس نے بیوی پر تہمت لگائی تھی) اسے سزائے قذف دی گئی یا ہنوز سزا نہیں ملی تھی کہ وفات پا گیا تو وہ بچہ اسی شخص کا قرار پائے گا۔ اس کے بعد اگر کسی نے اس عورت پر تہمت لگائی یا خود خاوند نے مرنے سے پہلے تہمت لگائی تو تہمت لگانے والا مستوجب حد ہوگا۔ لیکن وہ شخص مستوجب حد نہ ہوگا جس نے اپنے (خاوند) اعتراف کذب بیانی سے پہلے تہمت لگائی۔

اسی طرح اگر خاوند کی بابت یہ ثبوت مل جائے کہ اس نے اولاد کا پہلے اعتراف کیا اور پھر انکار کیا تو وہ اس اولاد کا باپ قرار دیا جائے گا اور اسے سزائے قذف دی جائے گی۔ اور اس کے بعد اگر کسی نے تہمت لگائی تو اسے سزائے قذف

Marfat.com

دی جائے گی۔ کیونکہ اب وہ عورت بدکار عورتوں کے زمرہ سے خارج ہوگئی ہے۔

شافعیہ کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ اگر لعان کرنے والی عورت پر کسی شخص نے وہی تہمت زنا لگائی جس کے لئے لعان کر چکی ہے تو اس شخص پر حد عائد نہ ہوگی۔ ان کی اس رائے پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر لعان ہو جانے کے بعد (یعنی الزام سے بریت کی قسم موکد بہ لعنت کھانے کے بعد) بھی خاوند بیوی پر تہمت لگاتا ہے تو وہ مستوجب حد نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ نص (وضاحت شرعی)، جو دو ہے کہ ایسے شخص پر حد قذف عائد ہوگی اور حق یہ ہے کہ لعان سے اس عورت کو بے گناہ قرار دیئے جانے کا حق زائل نہیں ہو جاتا۔ شافعیہ کا کہنا یہ ہے کہ لعان عورت کے حق میں سزائے زنا کا قائم مقام ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تہمت لگانے والے کو سزائے قذف نہ دی جائے۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ عورت کو مستوجب حد زنا قرار دیا جائے اور لعان کو حد زنا کی بجائے تصور کیا جائے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، کیونکہ زنا کا محض الزام لگا دینے سے کسی پر حد عائد نہیں ہوتی کہ الزام ثابت نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کی بے گناہی پر حرف آجائے۔ لعان تو زوجین میں سے کسی کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (الزام جرم کے لئے نہیں ہوتا)۔

نفاذ حد کا بیان

واضح ہو کہ سزائے قذف اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک کہ امام (حاکم وقت) یا اس کے نائب کی موجودگی میں نہ دی جائے۔ کیونکہ حاکم کے لئے اس کا مشاہدہ اور یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کس طرح سزا دی جارہی ہے۔

اگر کسی مجرم نے چوری یا بدکاری یا شراب نوشی کا ارتکاب متعدد بار کیا تو ایک طرح کے گناہوں کی سزا ایک بار ہی دی جائے گی، یعنی ان سزاؤں میں تداخل ہوگا۔ لیکن اگر کوئی بدکاری، چوری، تہمت اور شراب نوشی، مختلف جرائم کا مرتکب ہوا تو ان جرائم میں سے ہر ایک کی الگ الگ سزا ملے گی، کیونکہ اگر کسی ایک جرم کی سزا مل گئی تو بسا اوقات مجرم یہ خیال کرے گا کہ دوسرے جرائم کی سزا ہی نہیں ہے اور اس کے ارتکاب سے باز نہ آئے گا۔ اگر جرائم کی سزا الگ الگ ہو تو ایسا نہ ہوگا۔

مختلف جرائم کی سزاؤں میں ترتیب کا بیان

اگر کوئی شخص بدکاری، چوری، شراب نوشی، تہمت تراشی یا (جراحت رسانی) مثلاً آنکھ پھوڑ دینے کا مرتکب ہوا تو اس کے لئے پہلے آنکھ پھوڑنے کی سزا (یعنی قصاص چشم) ہے پھر جب اس کو آرام ہو جائے تب اسے سزائے قذف ملے گی کیونکہ یہ بندے کا حق ہے۔ اس کے بعد اگلی سزا کے لئے اسے قید میں رکھا جائے گا تاکہ اسے آرام ہو جائے کیونکہ اگر دو جرائم کی سزا (متصلاً) دی گئی تو بیشتر حالات میں مجرم ہلاک ہو جائے گا۔ لہٰذا جب اس سزا سے آرام ہو جائے تو امام کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو پہلے ہاتھ کاٹنے کی سزا دے یا پہلے زنا کی سزا دے کیونکہ ان دونوں جرائم کی حیثیت ایک سی ہے۔ اخیر میں شراب نوشی کی سزا دی جائے گی، کیونکہ یہ سزا سنت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے۔ پھر اگر مجرم شادی شدہ ہو تو حاکم پہلے آنکھ پھوڑنے کی سزا دے گا اس کے بعد سزائے قذف اور پھر سنگسار کرنے کی سزا دی جائیگی۔ باقی سزائیں ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ قتل کے بعد جان جاتی رہے گی اور نتیجۃً باقی سزا ختم ہو جائے گی۔

اگر کسی کو حاکم نے حد (یعنی شرعی سزائے ضرب) کا حکم دیا یا اسے کوئی سزا دی اور ضربات کی شدت سے اسے

Marfat.com

سزا کے بارے میں مجرم کی حالت کو ملحوظ رکھنے کا بیان

جن امور کو سزائے ضرب دینے کے وقت شرعاً پیش نظر رکھنا چاہیے' منجملہ ان امور کے مجرم کی حالت کو ملحوظ رکھنا اور اس کی قوت برداشت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر مجرم نحیف و ناتوان یا مریض ہے کہ سزائے ضرب کو نہیں جھیل سکتا' تو اسکی سزا میں اتنی تاخیر کرنا چاہیے کہ اس میں سزا برداشت کرنے کی قوت آجائے۔ اگر اس کی کمزوری فطری ہے کہ اس میں طاقت آنے کی امید نہیں ہے' تو چاہیے کہ جتنی ضربیں لگانی ہیں اتنی ہی تعداد میں لکڑی (کے تنکے یا شاخیں) یک جا کر کے ایک بار ضرب لگائی جائے۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔

مندرجہ بالا احکام سے عیاں ہے کہ دراصل سخت سزائیں ان ہٹے کٹے شریروں کے لئے ہیں جو لوگوں کو اذیت پہنچاتے ہیں بدیں جہت انکے ساتھ دشمنی واجب اور ان کی حرکتوں سے درگزر نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی شرارتیں خود ان کے لئے اور معاشرہ کے لئے بھی سخت نقصان دہ ہیں لہٰذا کسی حالت میں اور کسی موقع پر بھی ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہ کرنا چاہیے۔(۱)

موت آگئی تو اس کا خون معاف ہے۔ کیونکہ جلاد کو شریعت کے مطابق سزائے ضرب دینے کا حکم تھا اور وہ مجرم کی صحت و سلامتی کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس کی موت اللہ کے حکم سے اور حق اللہ کی حمایت میں واقع ہوئی پس گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک فرمایا' کسی کی چیرہ دستی کا نتیجہ نہیں لہٰذا اس کا ذمہ دار کوئی نہ ہوگا۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں کسی پر زنا کا الزام لگائے۔ تو اس تہمت تراشی کے بارے میں اس سے باز پرس ہوگی اور اس پر سختی کی جائے گی اور ہوش میں آنے کے بعد اسے سزائے قذف دی جائے گی بشرطیکہ مقذوف اس کا مطالبہ کرے۔

(۱) حنفیہ' شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ تمام شرعی سزاؤں میں جرم قذف کی سزا سب سے ہلکی رکھی گئی ہے کیونکہ الزام زنا جس کی بنا پر یہ سزا ہوتی ہے۔ وہ قطعی نہیں ہے یعنی ممکن ہے کہ الزام لگانے والا سچا ہو گو اسے ثابت نہ کرسکا ہو بخلاف حد زنا کے کہ اس کی بناء شاہدوں یا تہمت لگانے والے کی چشم دید گواہی ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ یہ سزا محض الزام لگا دینے اور سزا عائد کر دینے کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ سزا اس شخص کے حقیقۃً یا شہادت گزرنے کی بناء پر حکماً کاذب (دروغ بیانی کرنے والا) قرار دیئے جانے کی وجہ سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' فاذا لم یاتوا بالشھدآء فاولٰئک عند اللہ ھم الکاذبون" (یعنی الزام لگانے والے اگر گواہ نہ پیش کرسکیں تو اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں)۔ غرض اللہ تعالیٰ نے کسی کی طرف بدکاری کا الزام منسوب کرنے سے منع فرمایا ہے درانحالیکہ وہ ایسے گواہ نہ پیش کرسکے جو اس الزام کی شہادت دیں۔ کیونکہ الزام کا مدعا اسی صورت میں پورا ہوسکتا ہے۔ اگر وہ شخص گواہی پیش کرنے سے عاجز ہو تو وہ الزام

Marfat.com

بیہودہ گوئی اور بکواس کی طرح بے فائدہ ہے۔

سزا کے بارے میں فقہاء کا کہنا ہے کہ سزائے قذف کے وقت مجرم کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے البتہ فر (پوستین) ہو یا لباس میں کچھ (روئی وغیرہ) بھرا ہوا ہو اتروا دیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے سزا پانے والے کو تکلیف نہ ہوگی۔ اگر مجرم کے جسم پر استر والا لباس ہے جس میں روئی وغیرہ بھری ہوئی نہیں ہے تو اس لباس کو اتروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر کرتے کے اوپر کوئی لباس ہے تو ظاہر ہے کہ اسے اتروا دیا جائے گا۔ کیونکہ قمیص کے ساتھ مل کر وہ لباس بھرے ہوئے لباس کے برابر یا تقریباً ویسا ہی ہو جائے گا اور سزا کی وہ تکلیف نہ ہوگی جو آئندہ ارتکاب جرم سے اسے باز رکھے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تہمت کی سزا بھی دوسری سزاؤں کی طرح ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ درہ زنی کے وقت مجرم کے کپڑے اتروا دیئے جائیں اور بدن پر بجز اس لباس کے جو ستر عورت (یعنی جسم کا مخفی حصہ چھپائے رکھنے) کے لئے ہو اور کوئی لباس نہ ہونا چاہیے۔ سزائے قذف میں اسی (۸۰) درے مارے جائیں۔ اگر مجرم غلام ہو تو اسے صرف چالیس درے مارے جائیں۔

ان اصحاب کا کہنا ہے درہ زنی کے لئے چمڑے کا کوڑا استعمال کیا جائے لیکن یہ تندرست اور مضبوط انسان کے لئے ہے لیکن ناتوان جسم اور مریض انسان کو کوڑوں سے ضرب لگانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے مجرم ختم اور ہلاک ہو جائے گا اور یہ چاہیے کہ مجرم کے تمام جسم پر ضربات لگائی جائیں۔ کیونکہ ایک ہی حصہ جسم پر ضربات لگانا بسا اوقات ہلاکت کا موجب ہو جاتا ہے اور مجرم اس سزا کا حقدار نہیں ہے نیز چاہیے کہ ہلاکت آفرین ضربات لگانے سے پرہیز کیا جائے۔ چنانچہ گرہ دار نوک والے تازیانے سے نہ مارا جائے اور جسم کے مخفی نازک حصہ اور چہرہ پر ضرب نہ لگائی جائے کیونکہ انسانی حسن کا مرکز یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اذا ضرب احدکم فلیتق الوجه" (یعنی سزا دو تو چہرے کو بچا کر) اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلاد کو یہ حکم دیا تھا "ایاک ان تضرب الرائس و الفرج" (یعنی خبردار سر اور شرمگاہ پر ضرب نہ لگانا)۔

واضح ہو کہ سزا کے وقت مرد کو کھڑا رکھا جائے اور عورت کو ستر کے ساتھ بٹھا کر سزا دی جائے گی۔ سزا کے وقت اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں کیونکہ عورت پردہ کی شے ہے اور پردہ کی شے کا کھولنا حرام ہے۔ البتہ اگر بھرا ہوا (یا روئی دار) کپڑا یا فر (پوستین) ہو تو اتروا دیا جائے۔ تاکہ سزا کی اذیت جھیلے۔ اگر مجرم دبلا' کمزور یا ایسے مرض میں مبتلا ہو۔ جو ناقابل علاج ہے مثلاً سل یا جزام (کوڑھ) کا مرض ہے تو ایسے مجرم کو کھجور کی شاخ سے جس میں اسی (۸۰) ٹہنیاں ہوں ایک بار ضرب لگانا کافی ہے۔ سخت گرمی یا سخت سردی کے وقت بھی حد نہ ماری جائے۔ عورت کو ایام نفاس یا حمل کے دوران سزا نہ دی جائے تا آنکہ اس سے افاقہ ہو جائے۔

توبۂ نصوح کا بیان

اللہ تعالیٰ نے آیۂ کریمہ میں بے گناہ پر تہمت لگانے والوں کو بصیغۂ (اسم موصول) مذکر 'الـذین' سے ذکر فرمایا ہے اور جس پر تہمت لگائی جائے اسے بصیغہ مونث "المحصنات" سے ذکر فرمایا ہے حالانکہ تمام فقہاء کے نزدیک جرم قذف کے اعتبار سے قاذف و مقذوف دونوں کے لئے مذکر ہوں یا مونث یکساں حکم ہے یعنی کوئی (صنف مقال پر) تہمت زنا لگائے اور مجرم میں مستوجب حد ہونے کی شرطیں پائی جائیں تو حاکم پر واجب ہے کہ اسے سزائے قذف دے خواہ وہ

Marfat.com

مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں یہ نہج عبارت اختیار فرمائی اور وہ بصورت اول (یعنی تہمت لگانے والے کو بصیغہ مذکر ذکر فرمانا) بطور تغلیب کے ہے یعنی صیغہ مذکر کو صیغہ تانیث پر غالب رکھا ہے۔ کیونکہ کسی حکم شرعی میں جب مذکر ومونث دونوں شریک ہوں تو اس حکم کو بصیغہ مذکر بیان کیا جاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "و کانت من القانتین" (یعنی وہ عورت قانتوں یا طاعت کرنے والوں میں سے تھی)۔ کرنے والیوں میں نہیں کہا کیونکہ اس صیغہ مذکر کے مفہوم میں مونث بھی شامل ہیں) پھر یہ بھی ہے کہ اکثر صورتوں میں یا زیادہ تر خیال یہی ہے کہ تہمت تراشی زیادہ تر مرد ہی کرتے ہیں۔ عورتوں کی شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس بارے میں محتاط رہیں لہٰذا ایسی حرکت کا صدور ان سے بعید از قیاس ہے' بیشتر حالات میں مرد ہی تہمت لگایا کرتے ہیں۔

رہی دوسری صورت' یعنی مقذوف کے لئے صیغہ مونث کا استعمال' وہ اس لئے ہے کہ زیادہ تر عورتوں ہی پر اس فعل مذموم کا الزام لگایا جاتا ہے جو ان کے لئے باعث رنج والم ہوتا ہے اور تہمت لگانے والوں کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ اسے دکھ پہنچے' اگرچہ رسوائی میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اور الزام لگنے سے دونوں کی شرافت پر حرف آتا ہے۔ عزت جاتی رہتی ہے اور حرمت ضائع ہوتی ہے علاوہ اس کے لفظ 'المحصنات' میں جو 'الف اور ت کے ساتھ' جمع آئی ہے اس سے یہ قیاس کر لینا کہ یہ حکم عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہے' بے معنی ہے۔ بلکہ اس بارے میں عورتوں کو مردوں کی مانند قرار دینے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مردوں کے متعلقہ امور کو عورتوں کے متعلقہ امور پر قیاس کیا گیا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں صنفوں کے متعلقہ احکام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس آیت کا پس منظر (یا شان نزول) یہ واقعہ ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ ملوث ہونے کی تہمت لگائی اور اپنی بیوی کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کی تھی اور آپ نے فرمایا تھا "البینة او حد فی ظهر ک" (یعنی گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر درے لگیں گے)۔

واضح ہو کہ شریعت نے شادی شدہ مرد یا عورت پر تہمت لگانے والے کے بارے میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں کہ اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اس کی گواہی کو تسلیم نہ کیا جائے اور اسے فاسق قرار دیا جائے۔ اللہ جل شانہ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے "الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحیم" (یعنی ایسا فاسق اگر اس کے بعد توبہ کرے اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے)۔

توبہ یہ ہے کہ ایک شخص نافرمانی کے بعد طاعت الٰہی کی جانب مائل ہو جائے' اللہ کے حکم سے پھر جانے کے بعد فرماں برداری پر آمادہ ہو اور (راہ حق سے) روگردان ہونے کے بعد واپس آ جائے۔ یاد رہے کہ معصیت کا ارتکاب خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے دور ہونا۔ اس سے منہ موڑنا بلکہ فرار ہونا ہے۔

واضح ہو کہ توبہ صادق یا توبہ نصوح کی تکمیل تین باتوں سے ہوتی ہے۔ جن سے انسان کا قلب معصیت کی آلودگی اور گناہوں کی گندگی سے پاک ہو جاتا ہے ان تین امور میں اول تو یہ ہے کہ انسان جان لے کہ ارتکاب گناہ سے خود اس کی اپنی ذات کو کیا نقصان پہنچتا ہے۔ بارگاہ الٰہی اور مقام رضائے حق سے وہ کتنا دور ہو جاتا ہے۔ اس کا ارتکاب اپنے اوپر ظلم کرنا اور خواہش نفس سے مغلوب ہو جانا ہے جب تک قطعی اور یقینی طور پر اس بات کا یقین نہ ہو جائے اور دل مان نہ

Marfat.com

لے توبہ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو معلوم ہو کہ یہ کھانا جس کے کھانے کو جی چاہتا ہے اس میں زہر ہلاہل ہے۔ اور طبیب حاذق نے بتا دیا ہے کہ یہ غذا جان لیوا ہے' باوجود اس کے اگر وہ اس کے لالچ میں پھنس کر اسے کھالے تو اس کا نتیجہ ندامت وحسرت اور زوال قوت وطاقت کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس وقت اسے اپنے کیے پر اپنی ناکامی ونامرادی کا پچھتاوا نہ ہوگا؟ اور اس کھانے کی لذت ایک مصیبت بن کر اس پر نہ چھا جائے گی اور اس کی خوشی غم میں تبدیل نہ ہو جائے گی؟ اب اگر کوئی شخص اہل بصیرت ہے تو اسے اپنے فعل پر ندامت ہوگی اور توبہ کا یہ دوسرا مرحلہ ہے یعنی ندامت لیکن محض پچھتانے اور افسوس کرنے پر اکتفا کر لینا اور غور وفکر سے کام نہ لینا اہل بصیرت کا شیوہ نہیں بلکہ یہ ندامت ہی نہیں ہے اور اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اپنے کیے پر پچھتانے کا دعویٰ ہے تو تلافی مافات کے لیے ماضی' حال اور مستقبل کو دیکھنا ہوگا پس سردست تو لازم ہے کہ اس غذا سے متنفر ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لے کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کرے گا۔ پھر اس غذا کا برا اثر جو معدہ پر ہوا ہے اس کے دور کرنے کی فوری تدابیر عمل میں لائے یہاں تک کہ اس کی طبیعت زہر قاتل کے اثر سے بالکل صاف ہو جائے۔ گناہوں اور قصوروں سے توبہ کرنے کی اصل حقیقت یہی ہے اور صحیح معنوں میں نادم ہونے کا اندازہ ان تین باتوں سے ہو سکتا ہے۔

اول گناہ کا فوری طور پر ترک' دوسرے آئندہ کو اس سے باز رہنے کا پختہ عزم' تیسرے ماضی کی کوتاہیوں کے اثر سے نجات کی کوشش۔ اس میں یہ امر بھی شامل ہے کہ حقداروں کو ان کا حق ادا کر دیا جائے' یہی خالص توبہ ہے جس کا قبول ہو جانا یقینی ہے اور اللہ جل شانہ نے اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ توبہ کا پورا ہونا تین باتوں پر موقوف ہے' یعنی علم' طریقہ' اور عمل اس کا مطلب یہی ہے۔ اور عمل کا تعلق حال' استقبال اور ماضی کے معاملات سے ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ جو شخص (توبہ کر کے) ایک مدت تک اپنی حالت کو سدھارے رکھے تو اس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے اور اس میں سربراہی کی صلاحیت ہو جائے گی۔ پھر اس مدت کی مقدار پورا ایک سال قرار دی گئی ہے کہ اس دوران اس کے اوپر سے چاروں فصلیں (جاڑا' گرمی' بہار اور خزاں) گزر جائیں گی۔ جن میں بالعموم لوگوں کے حالات اور طبیعتوں میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ عنین (نامرد) کے (اصلاح حال) کی بھی اسی طرح ایک سال کی مدت رکھی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں "من بعد ذلک" (یعنی گناہ کرنے کے بعد) جو آیا ہے اس کا بھی یہی مطب ہے کہ توبہ گناہ کرنے کے بعد ہوتی ہے جبکہ گنہگار کے دل میں خوف پیدا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں کتنی خرابیاں ہیں اور یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔

قاذف کی توبہ قبول ہونے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص تہمت لگانے کے جرم میں سزا پا جائے' اس کی گواہی قبول نہ ہوگی' اگرچہ اس نے سچے دل اور نیک نیتی سے توبہ کر لی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا" (یعنی ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو) اور اس لیے بھی کہ قاذف کی گواہی قبول نہ کرنے ہی سے حد قذف پوری ہوگی کیونکہ جرم قذف شہادت کے تسلیم کیے جانے سے مانع ہے اور توبہ کے بعد بھی حیثیت قذف باقی رہی ہے یہ حکم بخلاف اس کے ہے جس کی گواہی تہمت کے

Marfat.com

علاوہ کسی اور گناہ کی بناء پر رد کی جائے' کیونکہ اگر کسی اور گناہ کی بناپر شہادت کے ماننے سے انکار کیا گیا تو وہ گناہ بوجہ توبہ کر لینے کے دور ہو گیا۔

اس خیال کی بنا (یا اصول) یہ ہے کہ جب جملات عاطفہ میں بیان کئے گئے حکم سے کوئی صورت مستثنیٰ کی جائے تو اس استثناء کا تعلق صرف اخیر کے جملہ سے ہوگا اس آیت میں عطف کے ساتھ تین جملے آئے ہیں: ''فاجلدوھم'' (یعنی تہمت لگانے والوں کو تازیانے مارو)۔ لا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا (اور کبھی ان کی گواہی کو تسلیم نہ کرو) اور ''اولٰئک ھم الفاسقون'' (اور یہ لوگ گنہگار ہیں)۔ چونکہ لا تقبلوا' کا لفظ حرف عطف کے بعد آیا ہے لہٰذا عدم قبول شہادت بھی قذف میں داخل ہے۔ کیونکہ اس سزا کو جرم سے مناسبت ہے اور اس کے ساتھ ''ہمیشہ'' کی قید لگی ہوئی ہے۔ اس جرم سے مناسبت یہ ہے کہ اگر قاذف کی شہادت کو نہ مانا جائے تو اس سے اس شخص کے دل کو اذیت پہنچے گی جس کا سبب بھی خود اس شخص کی زبان ہے جس طرح کہ اس کی زبان سے مقذوف کو اذیت پہنچی تھی اور اس کے ساتھ 'ابداً' کی جو قید ہے اس کے معنی سوا اس کے اور کچھ نہیں ہیں کہ ایسے شخص کی گواہی کبھی قبول نہ کی جائے ورنہ (بغیر قید ابداً کے) صرف یہ کہا جاتا ''لا تقبلوا لھم شھادۃ'' (یعنی اس کی شہادت کو تسلیم نہ کرو)۔ رہا جملہ ''واولٰئک ھم الفاسقون'' ایک مستقل جملہ ہے جس میں فاسقون کی شہادت تسلیم نہ کئے جانے کا سبب بتایا گیا ہے (یعنی گناہ) پھر اس حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جنہوں نے توبہ کر لی ہو بنابریں یہاں شہادت کو رد کر دینے کا سبب صرف گناہ بتایا گیا ہے جو توبہ کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ ایسی صورت میں عدم قبولیت توبہ کے لئے ہمیشہ کی قید بے معنی ہے۔

واضح ہو کہ یہاں جو استثناء ہے وہ استثناء منقطع ہے (یعنی امر مستثنیٰ امر مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہے) کیونکہ توبہ کرنے والا فاسقوں میں داخل نہیں ہے۔ پس گویا اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ گناہگار ہیں بجز ان کے جنہوں نے توبہ کر لی کیونکہ اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی ان کی معافی ہو جائے گی اور اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔ اب درآنحالیکہ گواہی کا رد ہونا حد قذف کی تکمیل ہے کیونکہ یہ سزا (یعنی رد شہادت) بھی مانع معصیت ہے اور برائی سے روکتی ہے لہٰذا یہ سزا بھی اصل سزائے حد کی طرح ہے۔ توبہ کرنے سے یہ سزا ساقط نہ ہو گی۔ پس جب حد کسی پر عائد ہو جائے تو اب وہ سزا ساقط نہیں ہو سکتی بلکہ حد کا نفاذ بالاجماع واجب ہے۔ خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے توبہ کی ہو۔ حنفیہ جو استدلال کرتے ہیں کہ استثناء کا تعلق صرف آخری جملہ سے ہے اس کی چند وجہیں ہیں:

ایک وجہ یہ ہے کہ یہ استثناء ان استثناؤں میں سے ہے جو آخری جملہ سے مخصوص ہے۔ اس باب میں یہی طریقہ رائج ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ جملوں کا مفہوم 'عمومیت' کو متقاضی ہے۔ جس میں اس استثناء سے خلل واقع ہوا۔ اس عمومیت کی بحالی کے لئے یہ کافی ہے کہ اس استثناء کو ایک ہی جملہ کے ساتھ وابستہ قرار دیا جائے۔ ورنہ استثناء کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پس اس کا تعلق ایک ہی جملہ سے قرار دیا جانا واجب ہے اور وہ آخری جملہ ہی ہو سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس استثناء کا تعلق سابقہ تینوں جملوں کے ساتھ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص توبہ کر لے تو اسے حد نہ لگائی جائے اور بالاجماع یہ خیال سب کے نزدیک باطل ہے۔ پس بہرحال اس استثناء کو آخری جملہ سے مخصوص کرنا واجب ہے۔

Marfat.com

احناف نے اپنے اس مسلک کی تائید میں چند روایات واحادیث شریفہ سے استدلال فرمایا ہے:

ایک روایت وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہلال بن امیہ کے واقعہ کے بارے میں مروی ہے' جنہوں نے اپنی بیوی پر شریک بن سحاء سے ملوث ہونے کا الزام لگایا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یجلد هلال' و تبطل شهادته فی المسلمین" (یعنی ہلال کو درے لگائے جائیں اور مسلمانوں میں ان کی شہادت کو تسلیم نہ کیا جائے) یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا ہے سزائے ضرب ملنے کے بعد اسکی گواہی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس کے لئے توبہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**المسلمون عدول بعضهم علی بعض الا محدود فی قذف**" (یعنی تمام مسلمان ایک دوسرے کے حق میں قابل اعتبار ہیں بجز ایسے شخص کے جو جرم قذف میں سزایاب ہو) یہاں پر بھی توبہ کا ذکر نہیں ہے۔

تیسرے وہ روایت ہے جو حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یجوز شهادة محدود فی الاسلام" (یعنی اس کی گواہی جائز نہیں ہے جس پر حد نافذ ہو چکی ہو۔

شافعیہ' مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جرم قذف کا سزایاب اگر توبہ کرلے اور وہ توبہ نیک نیتی سے ہو تو اس کی گواہی مانی جائے گی اور توبہ سے مراد یہ ہے کہ قاذف نے جو تہمت لگائی ہے اسے وہ خود جھٹلائے۔ رہا یہ سوال کہ آیا اس کے لئے عمل کی اصلاح کا بھی لحاظ کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ہاں یہ بھی دیکھنا ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الا الذین تابوا" (یعنی بجز ان کے جنہوں نے بعد میں توبہ کرلی اور اصلاح حال کرلیا) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا لحاظ ضروری نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابوبکر کو کہا تھا "تب اقبل شهادتک" (یعنی توبہ کرلے میں تیری گواہی مان لوں گا)۔

اصحاب بالا نے اپنے اس مسلک کے بارے میں کہ جرم قذف کے سزایاب کی گواہی قبول ہو سکتی ہے چند دلیلیں پیش فرمائیں ہیں:

ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" (یعنی گناہ سے توبہ کرلینے والا ایسا ہے جیسے اس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں) پس جب کہ اس کی گواہی مانی جاتی ہے جس نے گناہ نہیں کیا تو توبہ کرلینے والے کی گواہی کا تسلیم کرنا بھی واجب ہوا۔

دوسرے یہ کہ اگر کوئی کافر تہمت لگانے والا ہے اور پھر اس نے اپنے گناہ سے توبہ کرلی اور اسلام میں داخل ہو گیا تو بالاتفاق اس کی گواہی تسلیم کی جاتی ہے۔ تو اگر مسلمان قاذف تہمت لگانے کے گناہ سے توبہ کرلے تو اس کی گواہی بھی واجب التسلیم ہوگی' کیونکہ مسلمان کا جرم قذف کافر کے جرم قذف سے ہلکا ہی ہوگا۔ اب اگر اس پر یہ کہا جائے کہ مسلمان کو کافر کی بدگوئی سے کوئی رنج نہیں ہوتا' کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ تو ان کی عداوت مسلمہ ہے اور ان کے طعنے باطل ہیں۔ لہٰذا کافر کے تہمت لگانے سے مسلمان مقذوف کو رنج و بغض نہ ہوگا۔ پھر یہ بھی ہے کہ جو شخص کفر سے توبہ کرلے اس پر حد نافذ

Marfat.com

نہیں ہوتی لیکن جرم قذف سے توبہ کرنے والے کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر (مسلم اور غیر مسلم کے درمیان) فرق کو دور فرمادیا ہے: "انبئهم ان لهم ماللمسلمين وعليهم ماعلى المسلمين" (یعنی غیر مسلموں کو بتادو کہ ان کے حقوق وہی ہیں جو مسلمانوں کے اور ان پر بھی وہی پابندیاں ہیں جو مسلمانوں پر ہیں)

تیسرے یہ کہ تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص کفر، قتل، زنا، شراب نوشی اور چوری سے توبہ کرلے اس کی گواہی مانی جائے گی۔ یہی صورت مجرم قذف کی بھی ہے کیونکہ یہ گناہ تہمت ہر چند کہ کبیرہ ہے لیکن خود زنا سے بڑا گناہ نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قذف کے ایسے مجرم کی گواہی قبول کرتے ہیں جسے ہنوز سزائے قذف نہ ملی ہو۔ باوجود اس کے کہ حد کا نفاذ مقذوف کا حق ہے اور (چونکہ یہ بندے کا حق ہے) توبہ کرنے سے زائل نہیں ہوتا (پس جب کہ ایسے مجرم کی شہادت مانی جاتی ہے تو) اگر کوئی قاذف نفاذ حد کے بعد توبہ کرلے اور اپنی حالت سدھارلے اور فاسق ہونے کا دھبہ دور ہوجائے تو اس کی گواہی بدرجہ اولیٰ قابل قبول ہوگی۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الا الذين تابوا" (یعنی بجز ان کے جنھوں نے توبہ کرلی) یہ استثناء چند جملوں کے بعد آئی ہے۔ لہٰذا یہ استثناء ان تمام باتوں پر عائد ہوتی ہے جو سابقہ جملوں میں بتائی گئی ہیں۔ اس کے چند ثبوت ہیں۔

ایک تو یہ کہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ اس کا غلام آزاد اور اس کی بیوی کو طلاق ہے، انشاء اللہ (یعنی اگر اللہ نے چاہا) تو یہ شرط دونوں جملوں پر عائد ہوگی (یعنی اس شرط کے لگا دینے سے نہ غلام آزاد ہوگا اور نہ بیوی کو طلاق ہوگی) یہی صورت اس مسئلہ کی ہے۔

دوسرے یہ کہ ان جملوں کو حرف عطف (واو) سے ملایا گیا ہے جو جمع مطلق (یعنی مختلف باتوں کو ایک حکم میں جمع کرنے) کے لیے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً، و اولئك هم الفاسقون" (یعنی قاذفوں کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہ لوگ فاسق ہیں) ان تمام باتوں کو ایک ساتھ ہی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس میں ایک دوسرے کی تقدیم و تاخیر نہیں ہے۔ اب اگر اس حکم سے کسی کو مستثنیٰ کیا گیا تو اس استثناء کو ان تینوں باتوں میں سے کسی ایک پر مقدم نہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ ان باتوں میں سے کسی بات کو دوسری باتوں پر قطعاً فوقیت نہیں ہے۔ لہٰذا اس استثناء کو ان تمام کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس کی نظیر بقول ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم" (یعنی جب نماز کو آمادہ ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ) اس میں حرف 'فا' جو تعقیب (بعد کی بات) کے لیے ہوتا ہے وہ صرف چہروں کے لیے نہیں ہے بلکہ (ارادہ صلوٰۃ کے بعد) تمام ارکان وضو کے لیے ہے۔ کیونکہ حرف عطف 'واؤ' میں ترتیب مدنظر نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں پر (آیت 'الا الذين' میں) لفظ الا (یعنی لیکن) کسی ایک امر سے مستثنیٰ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ کیونکہ حروف واو (یعنی اور) کے ساتھ جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں ترتیب پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ سب کو ایک حکم میں جمع کرنا ہوتا ہے (لہٰذا یہاں بھی ان تینوں امور سے بحیثیت مجموعی مستثنیٰ کرنا پیش نظر ہے)۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "واولئك هم الفاسقون" (یعنی وہ لوگ فاسق ہیں) ولا تقبلوا لهم

Marfat.com

شھادۃ ابدا ‘‘(اور کبھی ان کی گواہی کو تسلیم نہ کرو) کے بعد آیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی گواہی کا رد کیا جانا ان کے فاسق ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ کوئی حکم کسی وصف کا ذکر کرنے کے بعد آئے تو وہ وصف اس حکم کا سبب ہوتا ہے خاص کر اس حالت میں جبکہ اس وصف کو اس جرم سے مناسبت ہو۔ پس یہاں بھی ایک شخص کے فاسق ہونے کی صورت میں مناسب یہی ہے کہ اس کی گواہی قبول نہ کی جائے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ شہادت کا سبب فاسق ہونے کے سوا نہیں اور یہ استثناء فسق کے جاتے رہنے کی دلیل ہے لہٰذا جب رد شہادت کا سبب جاتا رہا تو رد شہادت کا حکم بھی جاتا رہے گا۔

چوتھے یہ کہ اس قسم کی استثناء قرآن حکیم میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ’’ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ‘‘ سے ’’ الا الذین تابوا ‘‘ تک (یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے یہ تو دنیا کی رسوائی ہوئی اور آخرت میں انھیں دردناک عذاب کا سامنا ہو گا۔ لیکن اگر پکڑے جانے سے پہلے وہ توبہ کر لیں تو یاد رہے کہ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) اب اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ پہلی آیت کے شروع سے جو امور بیان کیے گئے ہیں یہ آیت ان سب سے استثناء کرتی ہے اور توبہ کا تعلق ان تمام باتوں سے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد ’’لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ ‘‘ سے ’’ فلم تجدوا ماء فتیمموا ‘‘ تک ملاحظہ ہو (یعنی نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ اس وقت جاؤ جبکہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اگر سفر میں نہ ہو اور ناپاکی کی حالت میں ہو تو غسل کیے بغیر نماز نہ پڑھو۔ ہاں اگر مریض ہو یا سفر میں ہو یا بیت الخلاء سے آئے ہو یا عورت کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی دستیاب نہیں ہے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو) اس آیت میں اس کے لیے تیمم کا حکم ہے جسے غسل کی حاجت ہو۔ ساتھ ہی اسے بھی تیمم واجب ہے جس پر وضو واجب ہے، واللہ اعلم۔

جرم قذف سے توبہ کرنے کا طریقہ

شافعیہ کہتے ہیں کہ تہمت لگانے کے گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاذف خود اپنے آپ کی تکذیب کرے، اصحاب شافعیہ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے ان میں سے بعض کا کہنا تو یہ ہے کہ وہ شخص (قاذف) کہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ تھا، آئندہ ایسی حرکت نہ کروں گا۔ ابو اسحٰق کہتے ہیں کہ اس شخص کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اس نے سچ ہی کہا ہو۔ اس صورت میں اس کی یہ بات دروغ گوئی ہو گی اور دروغ گوئی بذات خود ایک گناہ ہے، گناہ سے توبہ کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ایک اور گناہ کر لیا جائے۔ اس کی بجائے قاذف کو سب کے سامنے یہ کہنا چاہیئے کہ میں اپنی بات پر نادم ہوں اور اس بات سے پھرتا ہوں اور آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے: ’’فان اللہ غفور رحیم ‘‘ (یعنی اللہ مغفرت کرنے اور رحم کرنے والا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہونے کے باعث توبہ قبول فرمائے گا۔ اس سے ثابت ہے کہ عقلاً توبہ کا قبول کرنا واجب نہیں ہے۔

اگر قبولیت توبہ امر واجب ہوتا تو اللہ غفور رحیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر دعا کا قبول کرنا اس پر واجب ہو تو وہ ناچار اس ڈر سے دعا قبول کرے گا کہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے توبہ قبول نہ کی تو غلط کار تصور کیا جائے گا اور معبودیت کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

Marfat.com

دوسرا حصہ

قصاص کا بیان

قصاص یہ ہے کہ جرم کرنے والے کو اسی طرح اذیت دہ سزا دی جائے جو اذیت مجرم نے کسی کی جان یا جسم کے کسی حصہ کو دی ہے۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کو قتل کر دیا تو اس کی پاداش میں ویسی ہی سزا (یا قصاص) کا مستحق ہوگا یعنی اسے بھی قتل کیا جائے گا جیسے اس نے دوسرے شخص کو قتل کیا تھا۔(١)

١۔ واضح ہو کہ مؤلف کتاب ہذا شیخ الجزائری رحمہ اللہ علیہ نے قصاص کا ذکر حدود (سزائے شرعی) کے سلسلہ میں فرمایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے حدود کے باب میں شراب نوشی کی سزا، پھر چوری پھر تہمت تراشی پھر قصاص کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد دوسری سزاؤں کے طریقے بتائے اور حدود کا بیان ختم ہونے کے بعد ملک میں فساد پھیلانے اور سرکشی کرنے والوں اور باغیوں کا ذکر ہے۔ لیکن فقہائے سلف جنھوں نے ان سے پہلے تالیفات کی ہیں یہ روش اختیار نہیں کی۔ چنانچہ علمائے سلف صالحین جنھوں نے علوم فقہ کو اپنے اپنے مسلکوں کے مطابق جمع فرمایا ہے؟ قصاص' کا ذکر حدود کے زمرہ میں نہیں فرمایا، بلکہ اس کے لیے ایک خاص مستقل باب باندھا ہے جس کا نام 'کتاب الجنایات' اور 'کتاب الدیات' رکھا ہے اور حدود کے بیان کو شراب نوشی، بدکاری، سرقہ، اتہام اور ان کی شرعی سزاؤں تک محدود فرمایا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مسائل فقہ کی ترتیب کتاب موسومہ 'الاختیار شرح المختار' تالیف عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی میں ملاحظہ ہو۔ اس میں عنوان 'کتاب الحدود' کے تحت زنا، اتہام، شراب سرقہ اور رہزنی کی حدود (شرعی سزاؤں) کا ذکر ہے اور عنوان، کتاب السیر، کے تحت ارتداد، سرکشی اور بغاوت کا بیان ہے۔ اس کے بعد 'کتاب الجنایات، ہے جس کی متعدد فصلیں اور شعبے ہیں۔ اس کے بعد 'کتاب الدیات' ہے جس میں تاوان (یا جرمانے) کے اقسام اور جزئیات کا ذکر ہے۔ اس میں پہلے بتایا گیا ہے کہ جنایت (یا جرم) عبارت ہے ایسے افعال ممنوعہ سے جو ضرر رساں ہوں۔ ایسے افعال سے کبھی تو خود مرتکب کو ضرر پہنچتا ہے اور کبھی دوسروں کو چنانچہ کہا جاتا ہے کہ" جنی علی نفسه " (یعنی اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور 'جنی علی غیرہ' (یعنی دوسرے کو ضرر پہنچایا)۔ دوسرے کو ضرر یا تو جان کا ہوتا ہے یا جسم کے کسی حصہ کا یا آبرو یا مال کا ضرر ہوتا ہے۔ جان کے ضرر کو قتل کرنا یا سولی دینا یا آگ میں جلانا کہا جاتا ہے اور کسی عضو کے ضرر پہنچانے کو کاٹنا، توڑنا یا زخمی کرنا کہتے ہیں۔ اس باب میں ان ہی دونوں قسم کے جرائم کی تفصیل اور ان سزاؤں کا ذکر ہے۔ بے عزتی کرنے کے جرم کی دو قسمیں ہیں، ایک قذف (اتہام) جس پر 'حد' (سزائے شرعی) واجب ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل آچکی ہے اور دوسری قسم غیبت (پیٹھ پیچھے برا کہنا) ہے کہ یہ بھی گناہ ہے اور اس کی سزا کا تعلق آخرت سے ہے۔ مالی ضرر رسانی کو بے ایمانی، بددیانتی یا چوری کہتے ہیں، اس کی تفصیل اور سزا سرقہ کے بیان میں آچکی ہے۔

جاننا چاہیے کہ قصاص یعنی (سزائے مثلی) ایک شرعی حکم ہے جو کتاب وسنت (یعنی قرآن وحدیث) اور اجماع امت (یعنی مسلمانوں کے متفقہ دستور العمل) سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں ارشاد باری ہے "یایها الذین امنوا کتب

Marfat.com

علیکم القصاص فی القتلیٰ، الحر بالحر و العبد بالعبد و الأنثی بالأنثی " (البقرۃ:۱۷۸) (یعنی اے مومنو تم پر (قانون) قصاص خون کا بدلہ خون فرض کیا گیا ہے، آزاد قاتل ہو تو اس کے عوض اس آزاد کو، غلام قاتل ہو تو اس کے عوض اس غلام کو، عورت قاتل ہو تو اس کے عوض اس عورت کو سزائے موت ہو گی) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ومن قتل مظلو ماً فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل، انہ کان منصورا " (بنی اسرآئیل:۳۳) (یعنی اگر کوئی مظلوم قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (مطالبہ قصاص کا) اختیار دیا ہے۔ لیکن اسے قتل کرنے میں زیادتی نہ کرنی چاہیے۔ ہاں وارث کی مدد کی جائے)۔ سنت سے اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے" من قتل قتلناہ " (یعنی جو قتل کا مرتکب ہو، ہم مسلمان اسے قتل کر دیں گے) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے" کتاب اللہ القصاص " (یعنی قصاص اللہ کا فرمان ہے) اس پر سب متفق ہیں اور عقل و دانائی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کو شرعی قانون بنایا جاتا۔

واضح ہو کہ انسانی طبائع اور شرارت پسند ہستیاں ظلم اور زبردستی پر مائل رہتی ہیں اور جرم کا انتقام اس جرم کی حیثیت سے زیادہ لینا چاہتی ہیں۔ بالخصوص بادیہ نشین اور بے علم اشخاص جو عقل و انصاف کے طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ عہد جاہلیت (قبل از اسلام) میں ان کے خصائل کا ذکر آتا ہے۔ اب اگر ایسے احکام شریعت نہ ہوتے جو مظالم سے باز رکھتے اور بلا افراط و تفریط (مساویانہ) قصاص کا حکم نہ ہوتا تو جاہل متعصب اور خود پسند طبائع کو قتل و غارت کے ارتکاب کی جرات اور بڑھ جاتی اور جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس کے انتقام میں دگنی اذیت دیتے۔ اس سے باہمی کدورت اور بھی بڑھ جاتی۔ اس کی خرابی ظاہر ہے لہٰذا بہ تقضائے حکمت شریعت (اسلامیہ) نے ایسی سزا مقرر فرمائی جو اقدام قتل سے روکے اور اس جرم کے بدلے جو سزا دی جائے وہ اس کے مناسب ہو اور اس میں زیادتی نہ ہو۔ شرع کے احکام اسی مصلحت پر مبنی ہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب " (یعنی اے دانشمندو اس حکم قصاص میں تمہاری زندگی ہے)۔

شافعیہ کی کتاب " مغنی المحتاج " میں یہ ابواب باندھے گئے ہیں کتاب البغاۃ، (باغیوں کا بیان) کتاب الردۃ، (مرتدوں کا بیان) کتاب الزنا، (بدفعلی کا بیان) کفارۃ حد القذف، (یعنی سزائے بہتان کا کفارہ) کتاب قطع السرقۃ، یعنی چوری کرنے کی سزائے قطع کا بیان باب قطع الطریق، (راہزنی کا بیان) کتاب الاشربۃ، (مشروبات کا بیان) فصل فی التعزیر، (تنبیہی سزائیں)۔ اس سے پہلے 'کتاب الجراح، (یعنی جراحت رسانی کا بیان) اور اس کی تفصیلات پھر کتاب الدیات، (تاوانوں) اور اس کی تفصیلات ہیں۔

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب موسومہ 'الام' ہے اس میں پہلے باغیوں اور مرتدوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد 'کتاب الحدود' (شرعی سزاؤں) اور (نسب سے) انکار کی تفصیل ہے۔ پھر چوری، زنا، شراب، رہزنی، مرتدوں اور مشروبات کے استعمال کا بیان ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب 'مختصر المزنی' کے حصہ 'کتاب الحدود' میں سزائے زنا اور سزائے قذف کا ذکر ہے اور 'کتاب السرقۃ' کے تحت راہزنوں اور مشروبات کا بیان اور مرتدوں سے جنگ کا ذکر ہے اس سے پہلے کتاب القتل اور کتاب القسامۃ ہے (یعنی ثبوت دعویٰ کے لیے مقتول کے ولی سے قسم لینے کا بیان)۔

Marfat.com

مالکیہ مسائل فقہ کی ترتیب۔ حاشیہ شیخ الصاوی علی شرح الصغیر میں باب فی احکام الجنایة علی النفس علی ما دونھا، (یعنی جانی اور غیر جانی جرائم کے متعلقہ احکام) کے بعد باب تعریف البغی، (یعنی بغاوت کی تعریف) پھر باب تعریف الردة، (یعنی ارتداد کی تعریف) پھر باب حدالزنا (یعنی بدکاری کی شرعی سزا کا بیان) اردو باب حد القذف، (یعنی بہتان لگانے کی شرعی سزا) پھر باب احکام السرقة، (یعنی سرقہ کے متعلقہ احکام) پھر باب ذکر باب الجراحة، (یعنی جراحت رسانی کا ذکر) پھر باب حد الشارب، (یعنی شراب نوشی کی شرعی سزا) کا بیان اور قصاص کا ذکر باب الحدود، (یعنی شرعی سزاؤں) میں نہیں کیا گیا ہے اور احکامات جنایات، (یا فوجداری جرائم) کے متعلقہ احکامات کا ذکر پہلے کیا گیا ہے کیونکہ ان کے ذکر کو سب زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی کی تالیف کتاب المیزان میں ترتیب مسائل یوں ہے کتاب الجنایات، (فوجداری جرائم) کتاب الدیات، (تاوان یا جرمانے) باب القسامة، (مقتول کے ولی کا حلف اٹھانا) باب کفارۃ القتل، (قتل کا کفارہ) کتاب حکم السحر والساحر، (جادو اور جادو کرنے والے کے متعلقہ مسائل) اور کتاب الحدود السبعة المترتبة علی الجنایات، (یعنی جرائم کی سات شرعی سزائیں) باب الردة، (دین اسلام سے پھر جانے کا بیان) باب حکم البغاة، (باغیوں کے متعلقہ احکامات) باب الزنا (بدکاری کا بیان) باب حد القذف، (بہتان کی سزا) باب السرقه، (چوری کا بیان) باب قطاع الطریق، (رہزنوں کا بیان) باب حد شرب المسکر، (نشہ آور یا مسکرات کے استعمال کی شرعی سزا) باب التعزیر، (دوسری سزاؤں کا بیان)۔

یہی کیفیت کتاب ''رحمة الامة فی اختلاف الائمة'' تالیف شیخ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی کی ہے۔ لیکن مرتب کتاب ہذا (جلد پنجم) یعنی علامہ شیخ علی حسن العریض کا کہنا ہے کہ انہوں نے (علامہ عبدالرحمٰن الجزیری) کی علمی امانت کی پاسداری کے پیش نظر اس کتاب کی ترتیب میں وہی روش اختیار کی ہے جو مؤلف (رحمہ اللہ علیہ) نے اختیار فرمائی تھی یعنی کتاب القصاص والجنایات (یعنی قصاص اور جرائم فوجداری کے بیان) کو باب الحدود (شرعی سزاؤں میں) رکھا ہے۔ تاکہ مصنف رحمہ اللہ کا منشاء پورا ہو۔ اگرچہ ان کی ترتیب ابواب کا طریقہ جملہ مؤلفین کتب علوم فقہ سے مختلف ہے۔

اس بارے میں مرتب کتاب نے اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے کہ: ''میں نے یہ وضاحت اس لیے کر دی ہے کہ قارئین کتاب کو اس طریق کار کا علم ہو جائے جو مصنف مرحوم نے ترتیب مضامین میں اختیار فرمایا اور اس لیے بھی کہ اس ترتیب اور ایک باب کا مضمون دوسرے باب میں داخل کرنے کو میری فروگزاشت پر محمول نہ کیا جائے۔ کیونکہ میں اسی ترتیب کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں جو کتب فقہ کے سابقہ مؤلفین نے اختیار فرمائی۔ یعنی قصاص کا بیان کتاب الحدود سے جدا رکھنا''۔

قصاص کی تعریف

قصاص کا لفظ 'قصّ الاثر'، (بمعنی پیروی روایت) سے ماخوذ ہے۔ یعنی فلاں شخص نے روایت (حدیث) کی پیروی کی۔ اسی سے ''القاصّ'' نکلا ہے (یعنی راوی یا ذاکر) نکلا ہے کیونکہ وہ (قاص) آثار واخبار کی پیروی کرتا ہے۔ اور (قص الشعر، کے معنے ہیں بال تراشنے کا نشان)، قاتل بھی قتل کا جو راستہ اختیار کرتا ہے وہ اس پر اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے اور اسے خود بھی اس راستے سے گزرنا ہوتا ہے (اسی معنے میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فارتدا علی آثارھما قصصا'' (یعنی حضرت موسیٰ اور ان کے خادم یوشع اپنے نشان قدم پر واپس لوٹے)۔

Marfat.com

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قص کے معنے قطع (کاٹنا) ہے چنانچہ محاورہ ہے "قصصت مابینهما" (یعنی دونوں کے باہمی تعلقات منقطع ہو گئے) اس سے لفظ 'قصاص' نکلا ہے کیونکہ قصاص کسی کو ویسی ہی جراحت رسانی ہے جیسی اس نے جراحت پہنچائی یا قتل کے عوض قتل کیا گیا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے "اقص الحاكم فلانا من فلان، و اباده به فامثل مثله، ای اقتص منه" (یعنی حاکم نے فلاں کا بدلہ فلاں سے دیا یعنی اس نے ہلاک کیا تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا یعنی اس سے قصاص لیا)۔

قصاص کا ثبوت

قصاص کا حکم کتاب وسنت (قرآن وحدیث)، رسول اللہ ﷺ کے عمل اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یا یها الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلٰی، الحر بالحر و العبد بالعبد ولأ نثی بالأنثی، فمن عفی له من اخیه شئ فاتباع بالعمروف واد آء الیه باحسان، ذلک تخفیف من ربکم ورحمة، فمن اعتدے بعد ذلک فله عذاب الیم. ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الا لباب لعلکم تتقون" (البقرۃ: ۱۷۸، ۱۷۹) (یعنی اے ایمان والو تم میں سے کوئی قتل کر دیا جائے تو اس کے برابر کا بدلہ تم پر فرض کیا گیا ہے۔ آزاد قاتل ہو تو اس آزاد کو، غلام قاتل ہو تو اس غلام کو، عورت قاتل ہو تو اس عورت کو ویسا ہی بدلہ دیا جائے، اگر مقتول کا وارث بھائی کچھ معافی دے دے تو دستور کے مطابق، حسن سلوک کے ساتھ اس کا خون بہا اس کے وارث کو دینا لازم ہے۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے یہ سہولت اور مہربانی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یاد رکھو کہ اس حکم قصاص میں تمہاری زندگی (جان کی حفاظت) ہے)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین و الأنف بالأ نف والأ ذن با لأذن والسن بالسن، والجروح قصاص، فمن تصدق به فهو کفارة له، ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون" (المائدہ: ۴۵) (یعنی ہم نے اس بارے میں جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح جراحتوں کے بدلے فرض کر دیے ہیں اب اگر کوئی اس بدلہ کی خیرات کر ڈالے تو وہی اس کے لیے کفارہ ہے۔ ہاں اگر اللہ کے نازل کردہ فرمان کے مطابق لوگ فیصلہ نہ کریں تو وہ ظالم ہیں)۔

واضح ہو کہ شرائع سابقہ میں جو سزائیں رکھی گئی تھیں انہیں کا حکم مسلمانوں پر بھی ہے بشرطیکہ شارع حکیم نے اس کی تنسیخ نہ فرمادی ہو اور اس کے منسوخ ہونے کا حکم نہ آیا ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لاتقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق، ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطانا فلایسرف فی القتل، انه کان منصوراً" (بنی اسرآءیل: ۳۳) یہاں پر 'اتینا لولیه' کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کے ولی کو مطالبہ قتل کا اختیار دیا گیا ہے، (معنی آیت یہ ہے کہ اس کو ناحق قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے۔ اگر کوئی ظلم سے قتل کیا گیا تو اس کے ولی کو ہم نے مقتول کے قتل کا اختیار ہے، لیکن قتل کرنے میں اس حد سے تجاوز نہ کرو۔ ہاں ولی کی مدد کرو کہ تکمیل قصاص میں کوتاہی نہ ہو)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "من قتل مؤمناً خطا فتحریر رقبة مؤمنة، ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا" (یعنی اگر ایک شخص نے کسی مسلمان کو غلطی سے ہلاک کر دیا تو اس پر لازم ہے کہ ایک مسلمان غلام (بردہ) کو

Marfat.com

آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت (خون بہا) ادا کرے۔ ہاں اگر وہ معاف کر دیں تو خیر) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نادانستہ قتل (یا قتل غیر عمد) کا حکم بتایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قصاص کا حکم اس صورت میں عائد اور واجب ہوگا، جبکہ قتل غلطی سے سرزد نہ ہوا ہو جسے قتل عمد کہتے ہیں اور جب یہ بات ہے کہ قتل کا ثبوت عمد (قصد) پر منحصر ہے تو اس سے تجاوز نہیں کیا جاسکتا (یعنی قتل غیر عمد کو قتل عمد نہیں قرار دیا جاسکتا) تا کہ نص (حکم صریح) پر من مانی زیادتی نہ ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" (یعنی مسلمانوں پر قتل کے بدلے قتل کا حکم لکھا جاچکا ہے) اس آیت میں کتب کا مطلب یہ ہے کہ تم پر فرض کیا گیا ہے اور قرار پایا ہے۔ جیسے "کتب علیکم الصیام" (یعنی تم پر روزہ فرض کیا گیا) اور فرمایا "کتب علیکم القتال" (یعنی تم پر جہاد فرض کیا گیا) نیز ارشاد ہے "ان الصلوٰة کانت علی المئومنین کتابا موقوتا" (یعنی مسلمانوں پر نماز پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ثابت شدہ فریضہ ہے۔

اس (لفظ کتب) کا مطلب یہاں پر یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ قرآنی آیت میں جو لکھا گیا وہی احکام ہیں جو لوح محفوظ میں درج ہیں اور جن کا فیصلہ ازل میں ہوگیا ہے۔ یعنی یہ کہ قاتل پر فرض ہے کہ اگر مقتول کا والی (قتل کے عوض) قتل کا مطالبہ کرے تو وہ اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دے اور حکم شرع کے مطابق قصاص کے لیے تیار ہو جائے نیز ولی پر فرض ہے کہ وہ انتقامی جذبہ کو محض قاتل تک محدود رکھے۔ کسی اور پر زیادتی نہ کرے جیسا کہ (قبل از اسلام) اہل عرب ایسی زیادتی کے مرتکب ہوتے تھے اور قاتل کے علاوہ دوسروں کو قتل کرایا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں اسی بات کا ذکر ہے۔ "ان من اعتی الناس علی اللّٰہ یوم القیامة، ثلاثة رجل قتل غیر قاتله، ورجل قتل فی الحرم، ورجل اخذ بذحول الجاهلیة" (یعنی قیامت کے روز تین اشخاص کو خدا کا سب سے زیادہ مخالف قرار دیا جائے گا: وہ شخص جو قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل کرے، وہ شخص جو حرم کے اندر قتل کا ارتکاب کرے اور وہ شخص جو عہد جاہلیت کی سی کینہ پروری اختیار کرے) اس حدیث میں لفظ 'ذحول' کے معنے بغض وعداوت کے ہیں۔

شعبی اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ عہد جاہلیت (قبل از اسلام) میں لوگ اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اگر کوئی قبیلہ معزز اور صاحب اقتدار ہوتا تھا اور اس کے کسی غلام کو دوسرے قبیلہ کا غلام قتل کر دیتا تھا تو اس قبیلہ والے مطالبہ کرتے تھے کہ اس (غلام) کے عوض آزاد شخص کو قتل کیا جائے۔ اگر ان کی کوئی عورت قتل ہو جاتی تو وہ کہتے تھے کہ اس کے عوض مرد کو قتل کیا جائے۔ اسی طرح اگر اس قبیلہ کے کسی ادنیٰ حیثیت کے آدمی کو قتل کر دیا جائے تو اس کے عوض (قاتل کے قبیلہ کے) معزز آدمی کو قتل کیے جانے کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ "القتل اوقی للقتل" (یعنی اسی طرح کے قتل میں قتل سے بچاؤ ہے) ایک روایت کی رو سے اس مقولہ میں لفظ اوقی، بہ واو و قاف، کی بجائے اتقی (باوقاف کے ساتھ) آیا ہے (جس کے معنے باقی یا محفوظ رہنے کے ہیں) ایک دوسری روایت میں اس کی بجائے "ابقی" آیا ہے جس کے معنے مانع ہونے یا باز رکھنے کے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی زیادتی سے منع فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے: "کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر و العبد بالعبد......ولکم فی القصاص حیاة"۔

Marfat.com

بخاری، نسائی اور دار قطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں قصاص کا حکم تو تھا، لیکن دیت (خون بہا) کا رواج نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے بارے میں فرمایا "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ، الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی، فمن عفی له من اخیه شیٔ" (یہاں پر) معافی دینے کی صورت یہ ہے کہ مقتول کے وارث قتل عمد کے عوض خون بہا قبول کر لیں۔ (اس کے آگے) "فاتباع بالمعروف واداء باحسان" کا مطلب یہ ہے کہ دستور العمل کی پیروی کی جائے اور خوش اسلوبی کے ساتھ خون بہا ادا کر دیا جائے اور "ذلک تخفیف من ربکم ورحمة" کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے کے احکامات میں نرمی کر دی گئی ہے" فمن اعتدیٰ بعد ذلک فله عذاب الیم" (یعنی خون بہا قبول کر لینے کے بعد قتل کرنا زیادتی ہے اور مستوجب عذاب سخت ہے۔ بخاری نے اس آیت کا شان نزول یہی بتایا ہے۔

بظاہر آیت شریفہ سے یہ حکم نکلتا ہے کہ جہاں کہیں قتل ثابت ہو جائے اس کا قصاص واجب ہے۔ یہاں قتل عمد اور قتل غیر عمد کی کوئی تخصیص نہیں ہے لیکن (قصاص کے لیے) قتل کے ساتھ عمداً کی قید اس حدیث مشہور کی بناء پر عائد کی گئی ہے جو ملت اسلامیہ کے نزدیک مسلمہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "العمد قود" (یعنی ارادہ قتل مستوجب قصاص ہے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمداً ارتکاب قتل کی صورت میں قصاص واجب ہوتا ہے۔ اگر حدیث کی رو سے آیت کے مفہوم میں عمداً کی قید نہ لگائی جائے تو قصاص کا حکم صرف قتل عمد کیلئے نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں لفظ عمداً جو حدیث میں آیا ہے وہ بے فائدہ ہو جائے گا پھر یہ بھی ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ پورے طور پر جرم وہی ہے جس کا ارتکاب بالارادہ کیا جائے اور اسی کی روک تھام کرنے میں حکمت ہیں۔ (یعنی بلا ارادہ جرم سرزد ہو جانے کی ممانعت فضول ہے) اور شریعت میں سد باب جرائم کے لیے جو سزائیں رکھی گئی ہیں اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔

سزائے قصاص کا ثبوت سنت سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے "من قتل قتلناه" (یعنی جو شخص قتل کرے گا اسے مسلمان قتل کر دیں گے) نیز فرمایا "کتاب اللہ القصاص" (یعنی قصاص فریضہ الٰہی ہے) اور ارشاد ہے "لا یحل دم امری مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله، الا باحدی الثلاث: الثیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارک لدینه المفارق للجماعة" (متفق علیہ) (یعنی کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو یہ اعتراف کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ تین صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: وہ جو زنا کرلے۔ جان کے بدلے کی جان اور وہ جو اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے، اور جماعت مسلمین سے خارج ہو جائے)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لایحل قتل مسلم الا باحدی ثلاث خصال: زان محصن فیرجم، ورجل قتل مسلماً متعمداً فیقتل، ورجل یخرج عن الا سلام، فیحارب الله ورسوله، فیقتل اویصلب، اوینفی من الارض" ابو دائود ونسائی۔ (یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے بجز ان تین بدکرداروں کے: شادی شدہ جو زنا کرے اسے سنگسار کیا جائے اور وہ جو بلا ارادہ کسی مسلمان کو قتل کردے اسے قتل کیا جائے، اور وہ شخص جو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اور خدا اور رسول سے برسر پیکار ہو، ایسے شخص کو قتل کیا جائے یا

Marfat.com

سولی دی جائے یا ملک بدر کر دیا جائے)۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے...... اس بارے میں اور بھی متعدد احادیث ہیں۔

حکم قصاص پر تمام امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا اور عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ قتل عمد کے بدلے مال واجب نہیں ہوگا اس لیے کہ (جرم اور سزا میں) مماثلت نہیں ہے۔ آدمی حقیر شے (مال) کا مالک ہوتا ہے اور حقیر شے انسان کی مملوکہ ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے متماثل نہیں ہیں۔ بخلاف قصاص کے کہ اس میں جرم اور سزا کی نوعیت یکساں ہوتی ہے اور قصاص میں، مثل (بدل) بننے کی صلاحیت ہے۔ اس حکم میں بڑی حکمت اور انسانی زندگی کے لیے بہتری ہے کہ (یہ سزا) دوسروں کو اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے وارثوں کا دکھ کم ہو جاتا اور تشفی ہوتی ہے۔

قتل خطاً میں خون بہا (یا ادائیگی مال) واجب ہو جاتا ہے یہ حکم اول تو اس لیے کہ انسان کے خون کو رائگاں ہونے سے بچالیا جائے۔ کیونکہ قتل خطا میں قصاص تو ہے نہیں اب اگر خون بہا بھی واجب نہ ہو تو وہ خون رائگاں گیا حالانکہ انسان کی ہستی قابل احترام ہے اور اس کا خون رائگاں نہ ہونا چاہیے علاوہ اس کے یہ حکم (دیت یا خون بہا کا) قرآن کریم سے ثابت ہے۔

واضح ہو کہ قصاص کے حکم میں خصوصیت کے ساتھ ولی کا خیال مدنظر رکھا گیا کہ یہ انتقام ہو جائے اور دلوں کو تشفی کا باعث ہو۔ اور اس کی غرض عہد جاہلیت کے اس دستور کو مٹانا ہے کہ اگر ایک شخص کا خون ہو جائے تو وہ لوگ (قاتل کے) سارے قبیلے کو ہلاک کر دیتے تھے۔ اس سے ان کی غرض یہ نہیں ہوتی تھی کہ ایک شخص کے قتل ہو جانے پر وہ بہت سا مال حاصل کر لیں کیونکہ اگر قاتل اور اس کے متعلقین اپنا تمام مملوکہ اثاثہ اور اتنا ہی مزید دیدیں تب بھی مقتول کے ورثاء اس پر راضی نہ ہوتے۔ غرض قتل عمد کے عوض اگر محض مال (خون بہا) واجب ہوتا تو حکم قصاص میں جو حکمت تھی وہ فوت ہو جاتی۔
پس یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اس حکم کی بنیاد قصاص (سزا مطابق جرم) پر ہے تو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو مثلاً یہ کہ ورثائے مقتول میں سے کوئی شخص موجود نہ ہو تو اس صورت میں تاوان کی تکمیل نہیں ہو سکتی یا یہ کہ محل قصاص (یعنی جس عضو کو سزا دیتا ہے) وہ عضو ناقص ہو جیسے ہاتھ کاٹنے والے کا اپنا ہاتھ پہلے ہی انگلیوں سے ناقص ہو۔

قصاص نافذ کرنے والے حاکم مجاز کا بیان

ائمہ فقہاء کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حکم قصاص کا نفاذ اس حاکم کے سوا کوئی نہیں کر سکتا جو نفاذ قصاص اور اجرائے حدود وغیرہ کا مجاز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم قصاص کے لیے تمام مسلمانوں کو اس طرح خطاب فرمایا ہے "یٰایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" (یعنی اے مسلمانو قتل کی صورت میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے) اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ نفاذ قصاص کے لیے تمام مسلمانوں کو جمع کیا جا سکے۔ لہٰذا مسلمانوں نے سب کی طرف سے ایک سلطان (یا حاکم با اقتدار) کو قصاص وغیرہ حدود شرعیہ کو نافذ کرنے کے لیے کھڑا کیا۔
بات یہ ہے کہ قصاص کا نفاذ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ قصاص وغیرہ کے نفاذ میں اس کی

Marfat.com

مقررہ حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور اگر قصاص کی بجائے دیت پر باہمی رضامندی ہو جائے یا معافی دے دی جائے تو روا ہے۔ غرض کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بطور خود یہ حق دوسرے سے وصول کرے، یہ حق بجز سلطان کے جسے اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار عطا فرمایا ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ انسانوں کو خود ہی اپنا یہ حق ایک دوسرے سے وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ کام صرف سلطان کا ہے یا اس کا ہے جسے سلطان نے اس کا مجاز بنایا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سلطان ہی کو یہ اقتدار بخشا ہے کہ وہ انسانوں کے باہمی حقوق رسانی ایک دوسرے سے کرائے۔

بادشاہ (یا صاحب اقتدار) خود بھی قصاص کا پابند ہوگا

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بادشاہ اگر اپنی رعایا میں سے کسی پر ناروا زیادتی کرے تو اسے خود اس کی تلافی کرنا ہوگی کیونکہ وہ بھی افراد رعایا میں سے ایک فرد ہے۔ درحقیقت وصی یا وکیل کی طرح عوام کے مفاد کی نگہداشت اس پر لازم ہے لیکن اس وجہ سے اس کو قصاص سے مستثنیٰ نہیں رکھا جا سکتا۔ جہاں تک احکام الٰہی کا تعلق ہے اس میں اور عامۃ الناس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" (یعنی قتل کا قصاص تم پر فرض ہے) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ امر ثابت ہے کہ ایک شخص نے ان سے شکایت کی فلاں حاکم نے ناحق اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہے آپ نے فرمایا کہ "لئن کنت صادقا لاقیدنک منه" (یعنی اگر تو سچا ہے تو میں اس سے تجھے تاوان دلاؤں گا) اور نسائی میں ابوسعید خدری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص ان پر جھپٹ پڑا حضور نے کھجور کی خشک شاخ سے جو ان کے ہاتھ میں تھی اسے ضرب لگائی، اس پر وہ شخص چلانے لگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تعال فاستقد" (یعنی ادھر آ میں اس کا تاوان تجھے ادا کردوں) اس شخص نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے معاف کر دیا اور ابوداؤد طیالسی نے ابوفراس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: الا من ظلمه امیره فلیرفع ذلک الی اقیده منه" (یعنی خبردار اگر کسی کے سردار نے کسی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیئے کہ اس کی شکایت مجھے کرے تاکہ میں اس کا تاوان اس سے دلاؤں) اس پر حضرت عمروؓ بن عاص کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ "یا امیر المئومنین لئن ادب رجلاً من اهل رعیته، لتقصنه منه؟ قال: کیف الا اقصه منه، وقد رایت رسول الله ﷺ یقص من نفسه" (یعنی اے امیر المومنین اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی رعایا میں سے کسی کی سرزنش کرے تو کیا آپ اس کا تاوان اس سے دلوائیں گے؟ فرمایا کیسے ممکن ہے کہ میں تاوان نہ دلواؤں؟ درآنحالیکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ خود تاوان ادا فرماتے تھے)۔ ابوداؤد اور سجستانی نے حضرت عمرؓ کی اس روایت کو بدیں الفاظ ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے ہمارے سامنے یہ تقریر فرمائی کہ "انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم، ولا لیاخذوا اموالکم فمن فعل ذلک به فلیرفعه الی اقصه منه" (یعنی میں نے اپنے اہل کاروں کو اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ تمہارے چہروں پر تھپڑ لگائیں اور نہ اس لیے کہ تمہارے مال پر قبضہ کریں، اگر کوئی ایسا کرتا تو چاہیے کہ میرے سامنے اس کی شکایت کی جائے، میں اس کا تاوان اسے دلواؤں گا)۔ انہوں نے اسی مضمون کی حدیث بیان کی۔

Marfat.com

شریعت اسلامیہ کے نزدیک انسانی خون کی اہمیت

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے انسانی خون (مایۂ حیات) محفوظ رکھنے کی طرف پوری توجہ مبذول فرمائی ہے اور ایسے مجرموں کو جو انسانی زندگی کے ساتھ ظلم روا رکھتے ہیں نہایت سخت تنبیہ کی ہے[1]

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام سزاؤں میں قتل نفس کی سزا سب سے بڑی سزا مقرر فرمائی ہے اور اسے اللہ کے بندوں پر سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے اور قیامت کے روز اس جرم کی باز پرس کو سب پر مقدم فرمایا ہے۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اول ما یقضی بین الناس یوم القیامة فی الدماء" (بخاری ومسلم) (یعنی قیامت کے دن خون کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا)، قتل کا جرم ہلاکت آفریں معصیتوں میں سب سے بڑی معصیت (یا گناہ کبیرہ) ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اجتنبوا السبع الموبقات: قیل یا رسول اللہ : وماھن؟ قال: الشرک باللہ، والسحر، وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق، واکل مال الیتیم، واکل الربا، والتولی یوم الزحف، وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات" (بخاری، مسلم، ابوداؤد ونسائی) (یعنی سات ہلاکت آفریں گناہوں سے بچو۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ وہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کا عمل، ناحق کسی کی جان لینا جس کا قتل حرام ہے، یتیم کا مال کھانا سود کھانا، اور لام بندی کے روز پیٹھ دکھا دینا اور بے گناہ بے خبر مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا)۔

شارع علیہ السلام نے یہ جتا دیا ہے کہ مسلمان ہمیشہ فارغ البال اور شادکام رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی مسلمان کو قتل کر دے تو وہ گھٹن اور کڑھن محسوس کرنے لگتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے عذاب کی خبر دی ہے جو اس کے علاوہ کسی اور ہم مذہب کو نہیں دی گئی۔ اس کی تنگی خاطر کا سبب خود اس کا دین ہے جس میں ناحق اور عمداً قتل کرنے والے کو عذاب الٰہی سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لن یزال المؤمن فی فسحة من دینه، مالم یصب دما حراماً" (یعنی مومن اپنے دین کی طرف سے فارغ البال اور شادکام رہتا ہے۔ جب تک کہ وہ خون ناحق کا ارتکاب نہ کرے)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان من ورطات الامور التی لا یخرج لمن اوقع نفسه فیھا، سفک الدم الحرام بغیر حله" بخاری (یعنی کسی شخص کا خون ناحق کرنا منجملہ ایسے امور سے ہے جن کے چکر میں پڑ کر انسان کبھی نہیں نکل سکتا)۔

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ میں کسی جاندار کو بے سبب مارنا بھی ممنوع ہے اور اس پر عذاب کی تنبیہ آئی ہے۔ انسان کے قتل کا اور پھر مسلمان کے قتل اور نیک انسان کے قتل کا تو ذکر ہی کیا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل مؤمن بغیر حق" ابن ماجہ (یعنی اللہ کے نزدیک دنیا بھر کا زوال ایک مسلمان کے قتل ناحق کی بہ نسبت زیادہ بے حقیقت ہے)۔

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ کعبہ کا

Marfat.com

طواف کر رہے تھے اور کہتے تھے "ما اطیبک وما اطیب ریحک، ما اعظمک وما اعظم حرمتک، والذی نفس محمد بیده لحرمة المؤمن عند اللّٰه اعظم من حرمتک، ماله ودمه "بروایت وبالفاظ ابن ماجہ (یعنی اے کعبہ تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو اچھی ہے۔ تو کتنا عظیم ہے اور تیری عزت کتنی بڑی ہے تاہم اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کی عزت تیری عزت سے بڑھ کر ہے۔ اور اس کا مال اور خون بھی)۔

حضرت ابوسعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لو ان اهل السماء واهل الارض اشتركوا في دم مؤمن لا كبهم اللّٰه في النار "بروایت ترمذی (یعنی اگر تمام اہل آسمان واہل زمین کسی مسلمان کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم واصل کر دے گا) شریعت نے تو اس شخص کو بھی مجرم قرار دیا ہے جس نے کسی مسلمان کے قتل میں مال یا ہتھیار سے (قاتل کی) اعانت کی یا ایک آدھ لفظ ہی سے اس کا ساتھ دیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "من اعان على قتل مؤمن بشطر كلمة، لقي اللّٰه مكتوباً بين عينيه آيس من رحمة اللّٰه "ابن ماجہ (یعنی جس شخص نے آدھی بات سے بھی کسی مسلمان کے قتل میں اعانت کی، اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک تحریر لگا دے گا کہ "یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے")۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جرم قتل کو شرک کے بعد دوسرے درجہ پر رکھا ہے، معاذ اللہ، اور قتل کو فرمایا ہے کہ شرک کے قریب قریب ہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ جرم کتنا بڑا اور کس قدر خوفناک ہے اور قیامت کے روز اس کی سزا کتنی سخت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "والذين لا يدعون مع اللّٰه الهاً آخر، ولا يقتلون النفس التي حرم اللّٰه الا بالحق، ولا يزنون، ومن يفعل ذلک يلق اثاما، يضعف له العذاب يوم القيامة، ويخلد فيه مهانا "(الفرقان: ۱۹) (یعنی وہ (اچھے) لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو اپنا معبود نہیں بنا لیتے، اور کسی کو ہلاک نہیں کرتے تاوقتیکہ وہ مستحق قتل نہ ہو۔ اور زنا نہیں کرتے۔ ایسی بات کرنے والا گنہگار ہے اور قیامت کے روز اس کے لیے عذاب سخت ہے جس میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا تقتلوا انفسكم ان اللّٰه كان بكم رحيما، ومن يفعل ذلک عدواناً وظلما فسوف نصليه نارا وكان ذلک على اللّٰه يسيرا" (النساء ۲۹، ۳۰) (یعنی لوگو تم اپنی (جیسی) جانوں کو ہلاک نہ کرو یہ حکم اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص جبر وظلم کے ساتھ ارتکاب قتل کرے گا تو اسے یقیناً جہنم میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ امر اللہ کے لیے آسان ہے) پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی جان کو جس کا ہلاک کرنا حرام ہے قتل کرنا ایسا ہی گناہ قرار دیا ہے جیسے کسی کا تمام انسانوں کو قتل کرنا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ایک دوسرے کی جانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر کسی کی جان ہلاک کرنے کو حرام تسلیم کر لیا جائے اور اس کا عقیدہ یہی ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون حرام جانا اور تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ اس طرح تمام ہی انسان اس (کے شر) سے بچ گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "من اجل ذلک كتبنا على بني اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس، اوفساد في الارض، فكانما قتل الناس جميعاً ومن احياها فكانما احيا الناس جميعاً "(یعنی اسی

Marfat.com

لیے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دے دیا کہ جس نے بغیر پاداش قتل کے یا ملک میں فساد پھیلانے والے کے، کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی)۔

حضرت قتادہ نے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد "من قتل نفساً بغیر نفس فکانما قتل الناس جمیعاً" کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارتکاب قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ واللہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے اور واللہ یہ کتنا بڑا کار ثواب ہے اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ "کانما قتل الناس جمیعاً" کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کے اعتبار سے ایک ارتکاب قتل تمام انسانوں کے قتل کے برابر ہے اور کانما زاحیا الناس جمیعا کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کے اعتبار سے (ایک قتل سے بچنا) تمام انسانوں کو زندگی بخشنے کے برابر ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اس کی زمین پر بسنے والے اللہ کے بندوں کو کچھ باتوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے کہیں اور کچھ باتیں ایسی ہیں جن کو حرام فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے **قل تعالوا اتل ماحرم ربکم علیکم الاتشر کو ابہ شیئاً، وبالوالدین احساناً، ولا تقتلوا اولاد کم من املاق، نحن نرزقکم وایاھم، ولا تقربوا الفواحش ماظھر منھاوما بطن، ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ذلکم وصا کم بہ لعلکم تعقلون** "(الانعام:۱۵۱) (یعنی لوگو آؤ میں تمہیں تمہارے رب کے وہ احکامات سناؤں جو اس نے تمہارے لیے نازل فرمائے ہیں۔ کہ اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو، افلاس کے مارے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، کیونکہ روزی تم کو اور انہیں بھی ہم دیتے ہیں، بے حیائی کی باتیں ظاہر ہوں یا در پردہ ان کے قریب بھی نہ پھٹکو، اور جس کی جان لینا اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کا قتل نہ کرو، بجز اس صورت کے جب کہ کوئی شخص قتل کا مستحق ہی ہو جائے۔ یہ نصیحتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں کر دی تا کہ تم سمجھ جاؤ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کو قتل کرنے سے نہایت سختی کے ساتھ بار بار منع فرمایا ہے جس کا قتل کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ نہایت اہم بات ہے اور جان بڑی قابل احترام شے ہے۔ ورنہ اس کی ممانعت دوسری ممنوعات کے ذکر میں پہلے ہی آ گئی ہے: جہاں قتل اولاد کی ممانعت فرمائی ہے پھر تمام جانوں کو ہلاک کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ظاہر و باطن ہر قسم کے گناہوں سے ممانعت میں جان کا ہلاک کرنا بھی داخل ہے۔ غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متواتر تین بار قتل نفس سے منع فرمایا۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جبکہ وہ اپنے گھر میں مقید تھے مروی ہے کہ انہوں نے اس وقت کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ حضور فرماتے تھے "**لایحل دم امری مسلم الا باحدی ثلاث: رجل کفر بعد اسلامہ، اوزنی بعد احصانہ، اوقتل نفساً بغیر نفس، فو اللہ مازنیت فی جاھلیة ولا اسلام، و لا تمنیت ان لی بدینی بدلاً منہ، بعد ان ھدانی اللہ، ولا قتلت نفسا فبم تقتلو ننی ؟**" بروایت امام احمد، ترمذی وابن ماجہ (یعنی تین حالتوں کے سوا کسی حال میں مسلمان کا قتل روا نہیں ہے۔ وہ شخص جو مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوا اور وہ جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری کی ہو یا وہ جس نے قتل کیا بغیر قتل عوض کے، اب میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے کبھی بدکاری نہیں کی نہ عہد جاہلیت میں اور نہ مسلمان ہونے کے بعد اور نہ میرے حاشیہ خیال میں آیا کہ مجھے اس دین کے بدلے کوئی اور دین چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دین کی ہدایت فرمادی ہے اور میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا تو آخر تم مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو؟)۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کے بارے میں واضح حکم نافذ فرمایا ہے اور اس گناہ عظیم کے مرتکب کو عذاب شدید کی سخت دھمکی دی ہے اور ایک سے زیادہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس جرم کو شرک کے قریب بتایا ہے۔ غرض اس کے حرام ہونے کی بابت بکثرت آیات واحادیث آئی ہیں۔ یہاں پر جس قدر اوپر ذکر آچکا وہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا، وغضب اللّٰہ علیہ، ولعنہ، واعد لہ عذابا عظیماً'' (النساء:۹۳)

(ترجمہ اوپر آچکا ہے) اس آیت کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ آدم نے حدیث بیان کی جنہیں شعبۃ اور مغیرہ بن النعمان نے بتایا کہ انہوں نے ابن جبیر سے سنا جو یہ کہہ رہے تھے کہ اس پر اہل کوفہ میں اختلاف ہوا تو میں وہاں سے روانہ ہو کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور اس بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت یعنی'' من یقتل مؤمناً متعمداً فجزائہ جھنم '' تا آخر...... (اس باب میں) آخری آیت ہے کسی اور آیت نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم اور نسائی نے مختلف طریقوں سے بروایت شعبہ بیان کیا ہے۔

فقہاء کہتے ہیں کہ مرتکبان قتل عمد کے متعلق کچھ احکام دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ آخرت سے، دنیا میں تو یہ ہے کہ مقتول کے وارثوں کو قاتلوں پر تسلط (یا اختیار) دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطانا'' (یعنی جس نے ظلم سے کسی کو قتل کیا اس مقتول کے وارثوں کو ہم نے قاتل پر اختیار دیا ہے) کہ چاہیں تو قاتل کو سزائے قتل دیں یا معاف کر دیں اور زیادہ سے زیادہ خون بہا تین گنا تک وصول کر لیں یعنی تیس راس حقہ (یعنی تیس (۳۰) چار سالہ اونٹ اور تیس جذعہ (قریب البلوغ اونٹ) اور چالیس خلفہ (شتر بچے)۔ رہا عاقبت کا معاملہ سو وہ آتش دوزخ کا عذاب، اس میں ہمیشہ پڑا رہنا، غضب الٰہی کا سزاوار ہونا اس کی رحمت سے محروم، اس کی لعنت کا مستحق اور دوگنے عذاب میں پڑنا ہے جیسا کہ آیت شریفہ کے مفہوم سے عیاں ہے۔

ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں اس جرم کی پاداش میں ہیں یہی حال ہر گناہ کا ہے جس کے لیے سزا مقرر ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی اعمال صالحہ آڑے آجاتے ہیں اور سزا کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں لیکن اگر قاتل بغیر توبہ کیے مر جائے اور اس کے اعمال بھی اچھے نہ ہوں اور اسے جہنم میں داخل کیا جائے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اسے توبہ کا حق نہ ہوگا۔ یعنی اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ جمہور علماء کے قول کے مطابق اگر وہ شخص عمل صالح سے بہرہ ورنہ ہو (ایک وقت) اس عذاب سے نجات پا جائے گا یعنی ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا، اور آیت میں جو خلود (یعنی ہمیشہ رہنے) کا ذکر ہے۔ اس سے مراد لمبے عرصہ تک پڑا رہنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ اس بارے میں آئی ہیں کہ ''انہ یخرج من النار من کان فی قلبہ ادنی مثقال ذرۃٍ من ایمان '' (یعنی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا اسے جہنم سے نکال لیا جائے گا) اور حدیث معاویہ میں ہے ''کل ذنب عسی اللّٰہ ان یغفرہ الا او الرجل یموت کافراً الرجل یقتل مئومناً متعمداً '' (یعنی ہر گناہ کی معافی متوقع ہے بجز اس کے کوئی شخص حالت کفر میں مرے یا مسلمان کو قصداً قتل کرے) اس حدیث میں لفظ 'عسی' متوقع ہونے کے معنے میں آیا ہے۔ پس جبکہ ان دونوں صورتوں میں توقع عفو کی نفی کی جائے گی تو تب بھی توقع عفو ایک صورت یعنی قتل میں کی جائے گی جیسا کہ دلائل بالا

Marfat.com

سے ثابت ہے۔ البتہ جو شخص کافر ہی مرا اس کے بارے میں نص (صراحت) موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل کفر کو معاف نہیں کرے گا، اور قیامت کے روز مقتول کا قاتل سے مطالبہ منجملہ حقوق انسانی کے ہے۔ یہ حق (قاتل کے) توبہ کر لینے سے ساقط نہ ہوگا اور لازمی طور پر وہ حق انہیں دیا جائے گا۔ جہاں تک مطالبہ حق کا تعلق ہے اس میں مقتول مسروق منصوب، مقذوف اور ہر گونہ طالبان حق میں باہم کوئی فرق نہیں ہے غرض اس پر سب کا اتفاق ہے کہ (مجرم کے) توبہ کر لینے سے کسی حقدار کا انسانی حق ساقط نہیں ہو جاتا۔ صحیح معنوں میں توبہ کر لینے پر بھی وہ حق واجب الادا رہیں گے۔ البتہ اگر کسی حق کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو قیامت کے روز اس کی ادائیگی کا مطالبہ ضرور ہوگا۔ لیکن اس مطالبہ میں مجازاۃ (یعنی یکسانیت معاوضہ) ضروری نہیں ہے بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ قاتل کے اعمال نیک یا ان میں سے کچھ عمل مقتول کو منتقل کر دیے جائیں اور اس طرح اس کے ثواب میں اضافہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے یا اپنے فضل سے اسے جنت کی نعمتیں اور محل عطا کرے اور اس کا درجہ بلند فرمائے یہاں تک کہ مقتول اپنے قاتل سے راضی ہو جائے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے جہنم میں ہمیشہ رہنے کی سزا کا مستوجب اس کو قرار دیا جائے جو اپنے قتل عمد کو معاذ اللہ (ارشاد باری کے برعکس) حلال بنالے۔ اس سے تو انسان مرتد ہو جاتا ہے۔

ایک اور قول کی رو سے آیت میں خلود کا جو ذکر ہے اس کی تاویل کی گئی ہے کہ قاتل کو دائمی عذاب ہوتا اگر اللہ تعالیٰ (فضل و رحم نہ فرماتا) بلکہ عدل سے کام لیتا، یا پھر اس کے معنے مجاز کے طور پر عرصہ دراز کے کیے جائیں اور اس سے مراد یہ ہو کہ قاتل بہت عرصہ تک جہنم میں پڑا رہے گا، واللہ اعلم۔

قاتل کی توبہ کا بیان

علمائے سلف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ جرم قتل کی توبہ نہیں ہے ان اصحاب میں عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، عبید بن عمیر، حسن بصری، قتادہ اور ضحاک بن مزاحم رضی اللہ عنہم ہیں یہ بات ابن ابو حاتم سے منقول ہے۔

ابن حمید اور ابن وکیع نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ انہیں جریر نے یحییٰ جابری سے اور انہوں نے سالم بن ابو جعد سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، اس وقت وہ بصارت سے محروم ہو گئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر انہیں آواز دی کہ اے عبداللہ بن عباس جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے اس کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا "جزاؤه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه، واعد له عذاباً عظيماً" (یعنی اس شخص کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار ہے) اس پر اس شخص نے کہا کہ اگر وہ توبہ کر لے نیک عمل اختیار کرے اور نیک راستے پر پڑ جائے تب؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ثكلته امه قاتل مؤمن متعمداً جاء يوم القيامة، اخذه بيمينه اوبشماله، فشجب اوداجه من قبل عرش الرحمٰن، يلزم قاتله بشماله، وبيده الاخرى رأسه يقول: يارب سل هذا فيم قتلني، وايم الذى نفسي بيده لقد انزلت هذه الآية فما نسختها من آية حتى قبض نبيكم ﷺ، وما نزل بعدها من برهان" (یعنی خدا اسے کھوئے، اس نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کیا وہ مسلمان اسے

Marfat.com

قیامت کے دن دائیں یا بائیں ہاتھ سے پکڑ کر لائے گا اور عرش الٰہی کے سامنے لائے گا پھر عرش الٰہی کے سامنے اپنے دردوغم کا اظہار کرے گا اور اپنے قاتل کو بائیں ہاتھ سے اور دائیں ہاتھ سے اس کے سر کو پکڑے ہوئے کہے گا اے پروردگار اس شخص سے دریافت فرما کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی اور آیت سے اس کی تنسیخ نہیں ہوئی یہاں تک کہ تمہارے نبی ﷺ نے وفات پائی، اور اس کے بعد کوئی اور توضیح اندریں باب نازل نہیں ہوئی)۔

اس بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ ان کے منجملہ وہ حدیث ہے جو امام احمد نے روایت کی ہے کہ ان سے صفر ابن عیسیٰ نے حدیث بیان کی کہ ان سے ثور بن یزید نے ان سے حدیث بیان کی، انہوں نے ابوعون سے اور انہوں نے ابوادریس سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے بتایا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ '' کل ذنب عسی اللّٰہ ان یغفرہ الا الرجل یموت کافراً، والرجل یقتل مؤمناً متعمداً '' (یعنی بہت ممکن ہے کہ تمام گناہوں (کے مرتکب) کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے بجز اس کے جو حالت کفر میں مرا ہو یا وہ شخص جس نے مسلمان کو قصداً قتل کیا ہو)۔

جمہور علمائے سلف وخلف اس طرف گئے ہیں کہ قاتل کی توبہ کا معاملہ اس کے اور خدائے بزرگ و برتر کے درمیان ہے۔ اگر اس نے توبہ کر لی، خشوع وخضوع سے کام لیا اور نیک عمل کیے تو اللہ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اس کی چیرہ دستی کا نیک بدلہ مقتول دے گا، اور قاتل کی یہ سیہ کاری مقتول کی خوشنودی کا باعث ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے '' والذین لا یدعون مع اللہ الھا آخر ...... الا من تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً '' (یعنی جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو حاجت روا نہیں جانتے اور ناحق قتل نہیں کرتے جو اللہ نے حرام فرمایا ہے تا آنکہ وہ مستحق قتل نہ ہو۔ نیز وہ بدکاری نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے وہ سخت گنہگار ہے اور قیامت کے روز اسے دگنا عذاب ہوگا اور اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ پڑا رہے گا۔ البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکی سے بدل دے گا۔ اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے) اس آیت میں ایک (ہونے والے واقعہ کی) خبر ہے جس کی تنسیخ جائز نہیں ہے۔ اسے مشرکین کے لیے گمان کرنا اور اس آیت کو مسلمانوں پر منطبق کرنا ظاہر الفاظ آیت کے منافی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا '' قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ '' (یعنی ہماری طرف سے کہہ دو کہ اے میرے ایسے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) اس آیت کا مفہوم عام ہے اور تمام گناہوں پر منطبق ہوتا ہے۔ جس میں کفر، شرک، شک، نفاق، قتل اور معصیت وغیرہ سب کا ذکر ہے یعنی ان میں سے کوئی سا بھی گناہ ہو اس کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے '' ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء '' (یعنی اللہ تعالیٰ گناہ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ جس گناہ کو بھی چاہے معاف کر دے گا) یہ آیت تمام گناہوں کے لیے عام بجز شرک باللہ کے جس کا ذکر اسی سورۃ میں اس آیت کے بعد آیا ہے، اس سے امید رحمت (مغفرت) کو تقویت حاصل ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

صحیحین (بخاری ومسلم) میں ایک حدیث آئی جس میں ایک اسرائیلی کا ذکر ہے جس نے ایک سو جانیں ہلاک

Marfat.com

کی تھیں۔اس نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ عالم نے کہا کہ تیرے اور توبہ کے درمیان کونسی شے حائل ہے؟ پھرانہوں نے اسے ہدایت کی کہ فلاں شہر میں چلا جائے اور وہاں اللہ کی عبادت کرے چنانچہ وہ ہجرت کر کے روانہ ہوا لیکن راستے ہی میں اس کی قضا آ گئی اور رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کر لی۔اس امت (ملت اسلامیہ) میں توبہ سے بہرہ ور ہونے کی صلاحیت بنی اسرائیل سے زیادہ ہے۔

قتل عمد کے کفارے کا بیان

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ بھی ایک روایت کے بموجب کہتے ہیں کہ قتل عمد کا کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ شریعت نے عمداً قتل کے مجرم کو قتل کیے جانے یا وارثان مقتول کے معاف کرنے پر خون بہا کی ادائیگی کے بارے میں سخت تاکید فرمائی ہے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے (اس میں کفارے کا ذکر نہیں ہے) لہٰذا اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔اور اس لیے بھی (کفارہ نہیں ہو سکتا) کہ قتل عمد ایک مستقل گناہ کبیرہ ہے اور کفارہ (تلافی گناہ) کا مطلب عبادت ہے لہٰذا اس کو گناہ کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔اور گناہ کبیرہ ایسی شے کا سبب نہیں بن سکتا جس کا مطلب عبادت ہو یہاں پر کفارہ کی یہی صورت ہے۔پس جرم قتل کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔اس مسئلہ کی بنیاد اس اصول فقہ پر ہے کہ کفارہ کو خالص گناہ کبیرہ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔پھر یہ بھی ہے کہ عمل کفارہ کی ایک مقدار مقرر ہے اور اسے شریعت نے یوں مقرر فرمایا ہے کہ ادنیٰ امور مثلاً خطا (بھول چوک) کے اثر کو دور کیا جائے، کفارہ یہ نہیں ہوتا کہ بڑے بڑے گناہوں کو جس کا ارتکاب عمداً کیا گیا ہو مٹایا جا سکے۔چنانچہ بہت سی معمولی باتیں (بھول چوک کی) ایسی ہیں جو قابل برداشت ہو سکتی ہیں لیکن بڑی بڑی باتیں (یا گناہ) ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔

صاحب عنایۃ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ حدیث واثلہ بن اسقع اس کے عدم عمدیت (پائیدار نہ ہونے) کی دلیل ہے۔کہ واثلہ بن اسقع نے بتایا کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب کو لے گئے جو ارتکاب قتل کر کے مستوجب عذاب جہنم ہو گئے تھے۔حضور نے فرمایا کہ ان کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو۔اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے اس شخص کے اعضاء کو آگ سے رہائی دے گا۔ظاہر ہے کہ نار جہنم قتل عمد ہی سے واجب ہوتی ہے۔ہر چند کہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کوئی شخص کسی ایسے عمل کے ارتکاب سے مستوجب نار ہوا جو قتل عمد کے مشابہ ہو مثلاً بڑے سے پتھر یا بڑی سی لاٹھی سے مارا ہو۔تاہم اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ "من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا" (یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا) جو اشارہ ہے وہ (عدم وجوب) کفارہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ حرف فا (بمعنی پس جو "فجزاؤہ جھنم" میں ہے) کا تقاضا یہ ہے کہ امر مذکورہ (سزائے مکمل نہ ہوگی) بلکہ سزا کا بعض حصہ، لہٰذا یہ تجویز درست نہ ہوگی، پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کی دنیوی سزا قصاص (خون کا بدلہ خون) مقرر فرمائی ہے "کتب علیکم القصاص فی القتلی" (یعنی اللہ تعالیٰ نے قصاص کو قتل کی دنیوی سزا مقرر فرمادیا ہے) اور آخرت کی سزا کے بارے میں ارشاد ہے "ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا" (یعنی جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا) اگر قتل عمد کے مرتکب پر کفارہ واجب قرار دیا جائے تو یہ نص (صراحت

Marfat.com

دراصل ہر مسلمان جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اس کی تنبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے "من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ، جھنم خالداً فیھا، وغضب اللہ علیہ ولعنہ، واعد لہ عذاباً عظیما" (یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا، ایسے شخص پر اللہ کا غضب ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب سخت تیار ہے)۔ اس آیت میں ایسے سخت عذاب کی خبر دی گئی ہے کہ اس حکم کے خلاف کرنے والا، اگر مسلمان ہے، تو اس کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

قتل ناحق کی سزا کا بیان:

ائمہ مجتہدین میں سے بعض کا کہنا ہے کہ جرم قتل کا مرتکب کافر کی طرح بغیر کسی فرق کے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ جیسا کہ اس سے ظاہر ہے" ومن قتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ، جھنم خالداً فیھا" (یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا) ائمہ کا یہ خیال (یعنی عذاب دائمی کا ہونا) درست ہو یا نہ ہو لیکن یہی بہت ہے کہ قاتل بہت طویل عرصہ کے لیے آتش دوزخ کے عذاب میں پڑا رہے، اور یہی سختی بہت ہے کہ اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اس پر ہو اور یہ کہ اس روز جبکہ ظالموں کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عذاب سخت تیار کر رکھا ہو اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جس کے اندر ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور اس آیت کو سنے گا تو انسان کا خون کرنے کی جرأت کرنے سے اس طرح بھاگے گا جیسے بکری بھیڑیے سے ڈر کر بھاگتی ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص

قرآنی) پر اضافہ ہوگا، جو درست نہیں ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ قتل عمد کا جرم کفارہ (تلافی مافات) سے بالاتر ہے، جیسے قصداً ترک صلوٰۃ کا گناہ ہے کہ اس پر بالاتفاق قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

شافعیہ اور حنابلہ بھی ایک دوسری روایت کے بموجب کہتے ہیں کہ قتل عمد میں کفارہ واجب ہے کیونکہ قصداً ارتکاب کرنے والے کا جرم قتل خطا (یا قتل غیر عمد) سے بہت زیادہ ہے لہٰذا اس کا کفارہ زیادہ مناسب ہے۔ بہ نسبت قتل خطا کے، چونکہ قتل خطا پر کفارہ بالاتفاق واجب ہے تو قتل عمد پر کفارہ کو واجب قرار دینا زیادہ اچھا ہے اسی بناء پر ان اصحاب نے (اس کفارہ کو) جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے کے کفارے کے ساتھ ملایا ہے جس کا واجب ہونا نص (حکم واضح) سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین" (یعنی تم نے دانستہ جھوٹی قسم کھائی اس پر تمہاری گرفت ہوگی، اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)۔ ان اصحاب نے اپنے مسلک کے ثبوت میں امام احمد کی وہ روایت پیش کی ہے جو واثلہ بن اسقع سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، لوگوں نے اس کی بابت بتایا کہ ان کا وہ ساتھی مستوجب عذاب ہو گیا یعنی جہنم کا

Marfat.com

اندھیرے (بے خبری) میں کسی کو قتل بھی کر دے اور دنیا میں جیتے جی قصاص سے بچ بھی رہے تب بھی یہ اس کے لیے براہی ہے۔ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ کیونکہ آخرت کا عذاب سخت اس کا منتظر ہے اور دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کا غضب اس کے لیے تیار ہے۔ البتہ اگر اس دنیا میں قاتل کے جیتے جی اس کا قصاص لے لیا جائے تو یقین ہے کہ یہ آخرت میں اس کے اس گناہ کا کفارہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کرم اس سے بالاتر ہے کہ ایک جرم کی سزا دو مرتبہ دی جائے، جبکہ فی الواقع اس کے اپنے کیے کے موافق اس کو اس جرم کی سزا مل چکی ہے جو اس نے کسی دوسرے کے ساتھ کیا۔ (۱)

سزائے قتل سے، آپ نے ارشاد فرمایا'' فلیعتق رقبةً یفدی الله بکل عضو منها عضواً منه من النار '' (یعنی اسے چاہیے کہ ایک بردہ آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے اس شخص کے اعضاء کو آتش دوزخ سے نجات دے گا) یہ حدیث اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قتل عمد کا کفارہ واجب ہے۔

۱۔ ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان کی جان کی قصداً ہلاک کرنے والے پر تین باتیں عائد ہوتی ہیں، اول گناہ عظیم جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤه جهنم خالداً فیها '' پھر اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور قیامت کے روز عذاب سخت کی تہدید، اس بارے میں کثرت سے حدیثیں آئی ہیں۔ اور اس پر ملت اسلامیہ کا اجماع ہے، دوسرے یہ کہ اس پر تاوان کا ادا کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' یایها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ '' (یعنی اے مسلمانو قتل کی صورت میں تم پر قصاص فرض ہے) لیکن اس کے لیے یہ قید لگا دی گئی ہے کہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ قتل دانستہ ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' العمد قوذ'' (یعنی قتل عمد مستوجب قصاص ہے)۔ تیسرے یہ کہ قاتل ورثہ سے محروم ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے'' لا میراث لقاتل '' (یعنی قاتل ورثہ کا حقدار نہیں ہے)۔

واضح ہو کہ علماء نے کسی قاتل کو قصاص کا سزاوار اور کسی کو مقتول اور کسی جرم کو جرم قتل قرار دیے جانے کی چند شرطیں رکھی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قتل کا مرتکب جس سے قصاص (خون کا بدلہ خون) لینا ہے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں عقل ہو لہذا قاتل اگر جنون زدہ ہے تو اس پر قصاص عائد نہ ہوگا اور یہ کہ قاتل بالغ ہو، پس نابالغ (بچے) پر قصاص نہیں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ اسے ارتکاب جرم کرنے (یا نہ کرنے) کا اختیار حاصل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اسے قتل پر مجبور کیا گیا ہو۔ اس صورت میں قصاص لازم نہ ہوگا اور یہ کہ اس نے بذات خود ارتکاب قتل کیا ہو اگر اس نے خود اقدام قتل نہیں کیا تو ایسے شخص پر ارتکاب قتل میں عملاً شامل نہیں ہے قصاص نہیں ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ قاتل مقتول کا باپ یا آقا نہ ہو، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مقتول قرار دیے جانے کی شرائط میں یہ ہے کہ مقتول ایسا شخص ہو جس کے عوض قاتل کا خون حق بجانب ہو، اور جن امور سے ایک شخص کی حیثیت مختلف ہو جاتی ہے وہ یہ ہیں مثلاً مسلمان ہونا یا کافر ہونا، آزاد ہونا یا غلام ہونا، مرد ہونا یا عورت ہونا، فرد واحد ہونا یا متعدد ہونا، پھر یہ بھی شرط ہے کہ اس کا خون کرنا ممنوع ہو۔

Marfat.com

قصاص کے معاف کرنے کا بیان

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ معاف کر دینے یا صلح کر لینے سے قصاص (خون کا بدلہ خون) ساقط ہو جاتا ہے بخلاف حد (سزائے شرعی) کے کہ وہ معاف کر دینے سے ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے (اسے اللہ ہی معاف کر سکتا ہے) لیکن یہ حنفیہ کی رائے ہے ان کے علاوہ دوسرے اہل مسالک کا کہنا ہے کہ معاف کرنے سے جو سزا ساقط نہیں ہوتی وہ 'حد زنا' ہے اور چوری کی سزا بھی حاکم کے سامنے معاملہ پیش ہو جانے کے بعد ساقط نہیں ہوتی لیکن حد قذف معاف کر دینے کے بعد مطلقاً ساقط ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان حالات کے پیش نظر جن کا ذکر سابقاً ہو چکا ہے کہ حد زنا عائد نہیں ہوتی جب تک کہ چار چشم دید گواہ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس فعل کا ارتکاب دیکھا ہو گواہی نہ دیں اور چونکہ ایسا ہونا دشوار ہے اور عملی طور پر اس کا ثبوت ممکن نہیں ہے لہٰذا اس سزا پر عمل درآمد صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ مجرم خود اس کا اقرار کرے۔ رہا شراب پینے کی سزا کا معاملہ سو اس کی بابت بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اس کا شمار حدود شرعیہ میں نہیں بلکہ یہ تعزیر ہے۔ بناء بریں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سزا جس کے نفاذ کا خیال کیا جا سکتا ہے اور جو معاف کر دینے سے ساقط نہیں ہوتی وہ صرف چوری کی سزا ہے بشرطیکہ معاملہ حاکم کے پیش ہوا ہو جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ (۱)

جرم کو قتل قرار دیئے جانے کی شرط یہ ہے کہ قاتل نے ارتکاب قتل عمداً کیا ہو مقتول بے گناہ ہو اور اس نے کوئی جرم مستوجب قتل نہ کیا ہو جب یہ تمام شرطیں پوری ہوں تب ہی قاتل پر قصاص عائد ہوگا، بجز اس صورت کے جبکہ قاتل کے ورثاء معاف کر دیں، یا صلح کر لیں۔ انہیں اس کا حق ہے تاہم اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ دراصل قصاص واجب ہے اور مقتول کا ولی خون بہا کا مطالبہ نہیں کر سکتا تا آنکہ قاتل راضی نہ ہو جیسا کہ قرآن و حدیث میں آیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ولی کو (خون کی بجائے) مال کے مطالبہ کا حق ہے، اس میں قاتل کی مرضی کو دخل نہیں ہے۔ کیونکہ خون کی بجائے مال کا تعین ہو گیا ہے تو خون بہا کا مطالبہ قاتل کی مرضی کے بغیر بھی جائز ہے۔

ایک اور قول کے بموجب، ان دونوں باتوں میں سے ایک پر بلاتعین ہونا واجب ہے جس کا تعین ولی کے اختیار میں ہے، کیونکہ بندوں کا حق شرعاً لازم قرار دیا گیا ہے اور جو کچھ لازم ہوا ہے اس میں حقدار کو اختیار ہے۔

۱۔ علماء کا اس باب میں اختلاف ہے کہ آیا قصاص سے مجرم کے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے یا نہیں بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر قاتل پر حد قصاص نافذ کر دی جائے، اور قاتل اس پر راضی ہو اور اس نے گناہ سے توبہ کر لی ہو تو یہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جائے گا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "الحدود کفارات لاھلھا" (یعنی شرعی سزائیں

Marfat.com

مجرموں کے گناہوں کا کفارہ ہیں) اس ارشاد میں عمومیت ہے اور اس میں کسی خاص عمل کی خصوصیت نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک جرم کی سزا دو مرتبہ دے۔ایک بار دنیا میں بطور قصاص کے اور دوسری بار آخرت میں عذاب جہنم کی صورت میں اور اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قصاص جرم گناہ کا کفارہ نہیں ہے، آخرت میں وہ شخص بے گناہ متصور نہ ہوگا، کیونکہ جسے ظلم سے (ناحق) قتل کیا گیا ہے اسے قصاص پر عملدرآمد کا فائدہ (مقتول کو نہیں بلکہ) صرف زندہ اشخاص کو پہنچتا ہے کہ قتل ناحق سے بچ جاتے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ولكم في القصاص حيٰوة'' (یعنی لوگو حکم قصاص پر عملدرآمد میں ہی تمہاری زندگی ہے)۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ'' يجي المقتول متعلقاً بقاتله يوم القيامة، آخذ راسه بيده الأ خرى، فيقول: يارب سل هذا فيم قتلني؟ قال فيقول: قتلته لتكون العزة لك، فيقول: فانها لي، قال: ويجي آخر متعلقاً بقاتله فيقول: رب سل هذا فيم قتلني؟ قال فيقول: قتلته لتكون العزة لفلان، قال: فانها ليست له، بئو باثمه، فيهوى في النار سبعين خريفاً'' (یعنی قیامت کے روز مقتول اپنے قاتل کو لٹکائے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر پکڑے ہوئے لائے گا اور کہے گا اے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا وہ شخص کہے گا کہ اس کو میں نے اس لیے قتل کیا کہ تیری عزت ہو، ارشاد ہوگا کہ بلاشبہ میں عزت کا حقدار ہوں، پھر ایک اور شخص اپنے قاتل کو لٹکائے ہوئے آئے گا۔اور کہے گا کہ یارب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ وہ شخص کہے گا کہ میں نے اسے اس لیے قتل کیا کہ فلاں شخص کی عزت ہو، ارشاد ہوگا کہ وہ عزت کا حقدار نہیں ہے تب وہ گنہگار قرار دیا جائے گا اور ستر سال کے لیے اسے آتش دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) اس مضمون کی بکثرت حدیثیں آئی ہیں اور وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ سزائیں گناہ کا کفارہ ہوجاتی ہیں، سو اس حدیث کا تعلق ایسے جرم کی سزا سے ہے جس کا تعلق حق اللہ سے ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قتل عمد سے یا تو قطعی طور پر، قصاص واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک مرتد دوسرے مرتد کو قتل کر دے، اس میں قطعی طور پر قاتل مرتد پر قصاص (خون کا بدلہ خون) عائد ہوگا، یا قتل عمد سے قطعی طور پر خون بہا واجب ہوگا، مثلاً باپ بیٹے کو قتل کر دے، یا مسلمان کسی ذمی (غیر مسلم رعایا) کو قتل کر دے تو اس میں قطعی طور پر خون بہا واجب ہوگا یا پھر قصاص اور خون بہا دونوں میں سے کسی ایک امر کا اختیار دیا جائے گا یعنی جائز ہوگا کہ مقتول کا ولی فدیہ لے کر قصاص کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائے اور (جو کچھ بھی وہ پسند کرے) اس میں مجرم کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ بیہقی نے مجاہد وغیرہ سے روایت کیا ہے'' كان في شرع موسىٰ عليه السلام تحتم القصاص جزماً، وفي شرع عيسىٰ عليه السلام الدية فقط، فخفف الله تعالىٰ عن هذه الامة وخيرها بين الامرين'' (یعنی حضرت موسیٰ کی شریعت میں قطعی طور پر قصاص امر ناگزیر تھا اور حضرت عیسیٰ کی شریعت میں صرف فدیہ (خون بہا) لازم تھا لیکن اس امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت دے دی ہے کہ دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی اجازت ہے) دونوں میں سے کسی ایک بات کو ناگزیر تشدد ہے۔ اور چونکہ سزا کا حکم مجرم کے خلاف ہوتا ہے لہٰذا اس پر عملدرآمد کے معاملہ میں اس کی مرضی کو دخل نہیں ہے۔ جیسے کسی کام کا معاملہ اوٹ لینے اور کسی کی ضمانت (دینے کے لیے فریق ثانی کی اجازت ضروری نہیں ہے)۔

Marfat.com

اگر مجرم (مستوجب القصاص) کے اعضاء میں سے کسی عضو کو معاف کر دیا جائے تو وہ شخص کلیۃً بری ہو جائے گا۔ جیسے عورت کے کچھ حصہ کو (مثلاً آدھی یا چوتھائی کو) طلاق دینے سے کلیۃً طلاق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر مطالبہ کے حقداروں میں سے کسی نے (قصاص) معاف کر دیا تو یہ معافی سب کی طرف سے متصور ہوگی اگرچہ دوسرے حقدار راضی نہ ہوں، اس صورت میں قصاص کا معاملہ دیت (خون بہا) کا معاملہ بن جائے گا، کیونکہ قصاص کے حصے نہیں ہو سکتے۔ اس میں خون کرنے سے باز رکھنے کے لیے سزا کے ساقط ہو جانے کا پہلو غالب ہے۔ اور قصاص کی نوعیت نامعلوم ہونے سے معافی پر کوئی اثر نہیں پڑتا چنانچہ اگر کسی غلام (مملوک) کا کوئی عضو کاٹ دیا گیا اور اس کے آقا نے (مجرم کو) معافی دے دی تو یہ معافی درست ہوگی اگرچہ اسے یہ معلوم نہ کہ کس عضو کے کاٹے جانے کا جرم اس نے معاف کیا ہے۔ کیونکہ (فی الجملہ) معاف کر دینا ایک امر مستحب (پسندیدہ) ہے۔ چنانچہ شریعت اسلامیہ نے اس کی ترغیب دی ہے اور ایسا کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فمن عفا واصلح فاجره على الله انه لايحب الظالمين" (الشوریٰ: ۴۰) (یعنی جو شخص خطا کار کو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اللہ اس کا اجر دے گا البتہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "من قتل له قتيل فاهله بين خير تين، ان احبوا قتلوا وان احبوا اخذوا الدية" (یعنی جسے کسی نے قتل کر دیا ہو تو اس کے ورثا کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے چاہے قاتل کو قتل کریں، چاہے خون بہا لے لیں) اور بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "ان النبي ﷺ كان مارفع اليه قصاص قط الا امر فيه بالعفو" (یعنی نبی ﷺ کے سامنے جب کبھی قصاص کا معاملہ پیش ہوتا تو حضور ہمیشہ معافی ہی کے لیے ارشاد فرماتے تھے) اور عدی بن ثابت سے مروی ہے کہ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں کسی نے ایک شخص کے منہ کو زخم لگائے اور اس کی دیت یا تاوان پیش کیا لیکن اس شخص نے لینے سے انکار کیا اور اس سے تگنی مقدار کا مطالبہ کیا اس پر ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد فرماتا سنا ہے کہ "من تصدق بدم، او دونه كان كفارة له من يوم ولد الى يوم تصدق" بروایت ابویعلی (یعنی جس نے قتل یا اس سے کم درجہ کے گناہ کو معاف کر دیا تو یہ عمل اس کی ان تمام خطاؤں کا کفارہ ہوگا جو اس سے یوم ولادت سے معافی دینے کے وقت تک سرزد ہوئیں)۔ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "مامن رجل يجرح فى جسده جراحة، فيتصدق بها الا كفر الله تبارك وتعالىٰ عنه مثل ماتصدق به" (یعنی جب بھی کسی شخص کو زخم پہنچتا ہے اور وہ شخص اس کو معاف کر دیتا ہے تو خدا تعالیٰ اس معافی کو اس شخص کے اس جیسے گناہ کا کفارہ بنا دیتا ہے۔) اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے اس کے سب راوی صحیح ہیں۔

اگر کوئی وارث (یا ولی) قصاص کے معاف کرنے کو نظر انداز کر دے اور خون بہا سے نہ انکار کرے نہ اقرار تو اس مسلک کی رو سے مجرم پر خون بہا واجب نہ ہوگا کیونکہ قتل کے ارتکاب سے خون بہا واجب نہیں ہوتا (بلکہ قصاص واجب ہوتا ہے) اور معافی اس بات کو ساقط کرنے کے لیے ہوتی ہے جو ہوئی ہو، جو بات ہوئی ہی نہیں اسے ثابت کرنے کے نہیں ہوتی۔

ایک اور قول (فقہاء کا) یہ ہے کہ دیت (تاوان یا خون بہا) کی ادائیگی قاتل کے مال سے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فمن عفى له من اخيه شى فاتباع بالمعروف" (یعنی کوئی شخص اپنے بھائی کو معاف کر دے

Marfat.com

تو اسے مال دلایا جائے) یہاں معروف سے مراد مال ہے اور مطلب یہ ہے کہ مال دے کر اس کے جرم کی تلافی کی جائے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص کی معافی دینے کے بعد تاوان واجب الادا ہو جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ دیت (تاوان یا خون بہا) قصاص کا بدل ہے جب کہ معاف کر کے اسے ساقط کر دیا گیا ہو یا کسی اور طرح سے وہ ساقط ہوا ہو مثلاً جرم کا وفات پا جانا۔ اس حالت میں شریعت نے ولی کو اختیار دیا ہے کہ وہ قصاص لے یا مال۔

واضح ہو کہ حنفیہ کا اور ایک دوسری روایت کے بموجب مالکیہ کا نیز حنابلہ کا بھی ایک دوسرا قول یہ ہے کہ قتل عمد کی سزا متعین ہے یعنی قصاص۔ ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ قاتل کی رضامندی کے بغیر دیت (خون بہا) وصول کر لے (اور قصاص ترک کر دے) جیسا کہ قرآن وحدیث میں آیا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مال میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ قتل عمد کے عوض واجب الادا ہو جائے (یا اس کا بدل بن سکے) کیونکہ ان میں (یعنی خون اور مال میں) کوئی مماثلت نہیں ہے۔ قصاص ہی کو جرم سے مناسبت ہے اور اس میں زیادہ بہتری ہے یعنی اس میں انسانی زندگی کو بچانے کی صلاحیت ہے کہ دوسروں کو اس فعل کے ارتکاب سے باز رکھے اور وارث مجبور ہو جائیں پس یہی سزا (خون کا بدلہ خون یا قصاص) متعین ہو گئی۔ شریعت نے حکم قصاص میں ایک اور طریقہ سے ولی کا خیال بھی مدنظر رکھا ہے کہ یہ انتقام ہے اور اس سے دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔

دراصل شریعت نے یہ حکم عہد جاہلیت (قبل از اسلام) کے اس دستور کی بیخ کنی کے لئے دیا ہے جس پر اس وقت لوگ عامل تھے کہ ایک شخص کے عمل کے عوض پورے قبیلے کا خاتمہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ فرد واحد کے قتل کئے جانے پر مال کثیر کے طالب ہوں بلکہ قاتل اور ان کے متعلقین تمام دنیا کا مال جو ان کے پاس ہو یا اور اشیاء جس پر مقتول کے ورثاء راضی ہوں پیش کر دیں تب بھی مقتول کے آدمی اس پر راضی نہ ہوتے تھے۔ غرض قتل عمد کے عوض مال کی ادائیگی واجب ہونے میں قصاص کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، پس جب کہ یہ امر مسلمہ ہے کہ قتل عمد کی پاداش میں قصاص کو بنیادی حیثیت حاصل ہے تو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے تا آنکہ یہ ضروری نہ ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ اگر مقتول کے ولیوں (وارثوں) میں سے کوئی قصاص کو معاف کر دے تو پورے طور پر حکم قصاص کی بجا آوری دشوار ہو جائے گی۔ یا یہ کہ (مجرم کے) جس عضو پر قصاص کا حکم نافذ ہوتا ہے وہ عضو ناقص ہو مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹنے والے مجرم کے اپنے ہاتھ کی انگلیاں کم ہوں۔ یا یہ کہ جس نے قتل کیا ہے وہ مقتول کا باپ یا اس کی ماں ہو۔ ان حالات میں قصاص پر عملدرآمد دشوار ہے ایسی حالت میں قصاص کو چھوڑ کر دیت (خون بہا یا تاوان) عائد ہوگا۔ تاکہ وہ خون رائگاں نہ جائے۔

شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر عورت معاف کر دے تو قاتل قصاص سے بری ہو جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خون کے معاملہ میں عورت کو کوئی دخل نہیں ہے (یعنی نہ معاف کر سکتی ہے نہ خون بہا لے سکتی ہے) ساتھ ہی ایک اور روایت کی رو سے ان کا کہنا ہے کہ انہیں بھی خون کے معاملہ میں مردوں کی طرح دخل ہے جب کہ صلبی رشتہ داروں میں کوئی مردان کے برابر نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حیثیت سے قصاص اور دیت کے معاملہ میں انہیں بھی دخل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عورتوں کو معاملات قصاص نمٹانے کا حق تین شرطوں پر منحصر ہے یعنی عورت (مقتول کی) وارث ہو اور کسی درجہ میں بھی کوئی جعلی رشتہ دار نہ ہو اور اس کی حیثیت ایسی ہو کہ اگر وہ مرد ہوتی تو عصبات (صلبی حصہ داروں میں) شمار ہوتی۔

حنفیہ اور مالکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ولی اگر معاف کر دے تو سزائے قصاص دیت (تاوان یا خون بہا)

Marfat.com

اسلامی احکام کی خوبیوں کا بیان

واضح ہو کہ بالعموم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قصاص کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا حکم یہ ہے کہ اگر قاتل کے جرم قتل کو معاف کر دیا جائے تو وہ سزائے قتل سے بری ہو جائے گا حالانکہ قتل قبیح ترین جرم ہے اور انسانی معاشرہ کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں ہے۔ یہ جرم تو اس کا متقاضی ہے کہ اس کی سزا حدود شرعیہ کی طرح کسی حالت میں بھی قابل درگزر نہ ہوتی تا کہ مجرم کو یقین ہو جائے کہ بہر حال (اس جرم کی پاداش میں) اسے قتل کیا جائے گا۔ تا کہ کبھی ایسے جرم کا اقدام نہ کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں شریعت کا حکم اسلامی احکام شرعیہ کی خوبیوں میں سے ہے

میں منتقل ہو جائے گی۔ اس کے لئے مجرم کی رضامندی (اجازت) ضروری نہیں ہے۔ لیکن ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ قصاص کو چھوڑ کر مال کا مطالبہ کرے تا آنکہ مجرم راضی نہ ہو اگر ولی قصاص معاف کر دے لیکن معافی کے لئے خون بہا وغیرہ کی شرط نہ لگائے تو وہ معافی بلا تاوان متصور ہو گی۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مقتول کے وارث کو قطعی اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت کا مطالبہ کرے یا بغیر معاوضہ مال کے معاف کر دے۔ غرض ولی کو قصاص چھوڑ کر دیت (خون بہا یا تاوان) لینے کا اختیار ہے۔ قاتل راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ دیت قصاص کا بدل ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیت جان کا معاوضہ ہے قصاص کا بدل نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو اس مرد (کی جان) کا خون بہا واجب الادا ہو گا اگر یہ تاوان قصاص کا بدل ہوتا تو عورت (کے قصاص سے بچنے کا معاوضہ واجب ہوتا)۔ علمائے شافعیہ میں سے 'المتولی' کا کہنا ہے کہ اگر قصاص معاف کر دیا جائے تو مقتول کا خون بہا واجب الادا ہو گا نہ کہ قاتل کا خون بہا (یعنی قصاص سے بچ جانے کا معاوضہ نہیں ہے) بعض اصحاب نے ان دونوں خیالات کی مطابقت اس طرح کی ہے کہ قصاص مقتول (یا مجروح) کی ذات کا بدل ہے اور بدل کا بدلہ بھی بدل ہی ہوتا ہے (یعنی قصاص جان کا بدلہ ہے تو وہ بھی جان کے برابر ہے) فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر ولی مال دیت کے علاوہ کسی اور طرح سے قصاص کو معاف کر دے یا کوئی اور شخص کسی شرط پر مصالحت کرا دے تو وہ امر یا جس شے پر مصالحت ہوئی ہے وہ عائد ہو جائے گی خواہ خون بہا (یا تاوان سے) زیادہ ہو بشرطیکہ مجرم یا صلح کرانے والا اسے تسلیم کر لے اس طرح قصاص مجرم کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر مجرم یا صلح کرانے والا قبول نہ کرے تو یہ فیصلہ عائد نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ معاوضہ کا معاملہ ہے جس میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔ جیسے کہ صلح کے معاوضہ میں ہوتا ہے اور بقول صحیح اگر قاتل خون بہا کی ادائیگی سے قاصر رہا تو قصاص ساقط نہ ہو گا۔ کیونکہ جس شرط پر ولی مقتول معافی کے لئے راضی تھا وہ پوری نہیں ہوئی۔

فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے نصف دیت کے عوض قصاص سے درگزر کیا تو قصاص لاگو ہو گا اور نہ (بقیہ) نصف دیت (دونوں امور ساقط ہو جائیں گے)۔

Marfat.com

اوراس میں بھی ایک نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام عزیز میں بیان فرمایا "ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون" (البقرۃ:۱۷۹) (یعنی اے دانش مندو: اس حکم قصاص میں تمہاری زندگی ہے کہ تم بچ جاؤ اب درآنحالیکہ حکم قصاص کا مقصد خون ریزی اور اتلاف جان سے بچنا ہے تاکہ لوگ امن وامان سے رہیں تو لازم ہے کہ شریعت اسلامیہ میں ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھا جائے جو جان کے تحفظ اور اس کی دفاع کے لئے لازم ہیں۔ چونکہ سزا اس بداخلاقی کا سدباب کرتی ہے جو انسان کو ارتکاب جرم پر آمادہ کرے اس لئے شریعت میں اپنی اور دوسرے کی جان کو مارنا ممنوع ہے۔ تاہم (احکام قصاص کی بجاآوری میں) ان امور کو پیش نظر رکھنا ضروری تھا جو اہل خاندان کے دلوں سے بغض وعداوت کو مٹادے تاکہ خون خرابے سے نجات ہو اور جانیں محفوظ رہیں۔

قاتل پر مقتول کے ورثاء کی بالادستی کا بیان

یہ امر ظاہر ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ قتل کے بعد مقتول کے وارثوں میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی آگ لگ جاتی ہے کہ جب تک قاتل کی طرف سے انہیں اطمینان نہ ہو جائے اور قاتل پر قابو نہ پالیں انہیں تسلی نہیں ہوتی۔ اس لئے شریعت نے مقتول کے وارثوں کے قاتل پر جو مستوجب قتل ہوتا ہے فوقیت دی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو مال وغیرہ کے عوض اسے معاف کر دیں یا چاہیں تو بغیر اس کے کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کریں (یعنی مثلہ) کریں یا تشدد روا رکھیں قصاص (خون کا بدلہ خون) لیں اسی طرح انہیں تسلی ہو سکتی اور کینہ دور ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد نہ تو کینہ توزی اختیار کریں گے اور نہ انتقام لینے میں زیادتی سے کام لیں گے کہ قاتل کے بے قصور اہل قبیلہ کو قتل کریں اور پھر نزاع پیدا ہو اور باہمی عداوت بڑھتی چلی جائے اور فریقین کے درمیان تشدد کا مقابلہ ٹھن جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے بے گناہ مارے جائیں گے اور بدترین نتائج سامنے آئیں گے۔

متعدد واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ قتل کے بیشتر جرائم ورثائے مقتول کی مرضی کو نظر انداز کر دینے کے باعث ہوتے ہیں۔ (ان کی رضا نہ لی جائے تو) وہ خود قاتل سے انتقام لینے کی کوشش کریں گے اور قاتل کے دوسرے بے قصور رشتہ داروں پر تہمت لگا کر اصل بات کو چھپائیں گے تاکہ موقع پا کر اپنے ہاتھ سے انہیں قتل کر دیں۔ اس طرح خاندان میں طوائف الملوکی پیدا ہو جائے گی اور قتل کی متعدد وارداتیں ظہور میں آنے لگیں گی اور دلوں سے قانون کا احترام جاتا رہے گا لیکن اگر قصاص کے بارے میں پہلے ہی وارث کی رائے لی جائے تو وہ اپنی بالادستی کے پیش نظر خود سوچے گا کہ وہ اپنی آتش کینہ کو کسی طرح فرو کر سکتا

Marfat.com

اور اپنی توہین کو دور کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ خود اپنے لئے راہ عمل تجویز کرے گا اب اگر وہ خود ہی معاف کر دے تو فبہا ورنہ قصاص لے گا اور فساد وہیں پر ختم ہو جائے گا۔ (۱)

ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "من قتل مظلوما" (یعنی جو مظلوم قتل کیا گیا) بغیر اس کے کہ وہ واجب القتل رہا ہو "فقد جعلنا لولیہ سلطانا" (تو ہم نے اس کے ولی یا وارث کو غلبہ عطا کیا ہے) یعنی قاتل کے خون کا حقدار بنا دیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (حقدار) والی کا مرد ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جسے ولی فرمایا ہے اس کا ذکر بعینہ مذکر آیا ہے۔ پس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت پر ولی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر ناگزیر ہوا کہ قصاص کے معاملہ میں عورت کو دخل نہ ہو۔ اس کے معاف کرنے سے نہ معافی ہوگی اور نہ وہ دیت (وغیرہ) کی وصولیابی کر سکتی ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ آیت میں لفظ 'ولی' سے مراد وارث ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض' (یعنی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے ورثاء ہیں) (التوبۃ: ۷۱) یہ عبارت متقاضی ہے کہ قصاص کے مطالبہ کا حق وارثوں کو حاصل ہو (قطع نظر اس کے کہ وہ مرد ہوں یا عورت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وعلی المقتتلین ان ینجزوا الاول فالاول وان کان امرائۃ (سلطانا) ای تسلیطا' ان شاء قتل' وان شاء عفا' وان شاء اخذ الدیۃ" (یعنی قتال کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ مقتول کے مقدم ترین رشتہ دار یا اس کے بعد کے مقدم ترین رشتہ دار کا حق پورا ادا کریں۔ خواہ وہ عورت ہو یعنی اسے اختیار ملنا چاہیے کہ چاہے تو قتل کر دے چاہے معاف کر دے اور چاہے تو دیت (تاوان) وصول کر لے)۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سلطان سے مراد حکم الٰہیٰ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سلطان سے حجت (ثبوت یا دلیل) مراد ہے۔

فقہاء کہتے ہیں کہ آیت 'ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا' (یعنی جو شخص ناحق قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو اختیار عطا کر دیا) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے 'لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق' (یعنی اللہ تعالیٰ نے قتل نفس کو حرام فرمایا ہے پس ناحق اسے قتل نہ کرو) آیت کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ ظالمانہ قتل کے علاوہ اور کوئی سبب قتل کے حلال ہونے کا نہیں ہے۔ لیکن احادیث متقاضی ہیں کہ دو اور امور کو موجبات قتل میں شامل کیا جائے۔ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنا اور شادی شدہ ہونے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کرنا۔ ایک اور آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قتل کا ایک چوتھا موجب بھی ہے یعنی رہزنی' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا (یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں اور زمین میں خرابی پھیلا رہے ہیں بلاشبہ ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا انہیں سولی دے دی جائے) اسی طرح ایک اور آیت میں سزائے موت کا پانچواں سبب آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ' ولا بالیوم الآخر" (یعنی ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے)۔ ان کے علاوہ کچھ اور امور ہیں جن کے موجب قتل ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ منجملہ ان کے نماز کا ترک کرنا' لواطت (اغلام) کا مرتکب ہونا اور جادو سے ہلاک کرنا ہے۔

Marfat.com

آیت "فلا یسرف فی القتل (یعنی قتل میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے) کا مطلب یہ ہے کہ جب وارث کو قصاص لینے یا دیت وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تو چاہیے کہ قتل کرنے میں پیش دستی نہ کریں بلکہ 'خون بہا' پر اکتفا کریں یا مائل بعفو ہوں تو قتل کے اقدام میں بے احتیاطی نہ ہوگی۔ آیت میں بھی خون بہا پر اکتفا کرنے کی ترغیب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وان تعفوا اقرب للتقوی" (یعنی اگر معاف کرو تو یہ تقوی کے بہت قریب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یقینی طور پر اسراف فی القتل سے بچنا ہے)۔

کہا جاتا ہے کہ (قاتل کے) قتل میں اسراف (یا زیادتی) یہ ہے کہ مقتول کا ولی قاتل کے علاوہ دوسروں کو بھی قتل کرے۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک معزز قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تھا تو مقتول کے قبیلہ میں سے اس کے ورثاء ادنیٰ درجہ کے قبیلے کے متعدد اشخاص کو قتل کر دیتے اور محض قاتل کے قتل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور صرف قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسراف قتل کا مطلب یہ ہے کہ (قاتل کو) محض قتل کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کا مثلہ کیا جائے یعنی اس کے اعضاء کاٹے جائیں یا اسے شکنجہ میں کسا جائے۔

بیشتر اصحاب نے "فلا یسرف" کو یا کے ساتھ ہی پڑھا ہے جس میں ضمیر کا مرجع قتل کا ظالم مرتکب ہے اور معنے یہ ہیں اس ظالم قاتل کو نہ چاہیے کہ قتل میں اسراف کرے اور اسراف یہ ہے کہ ظالمانہ (یا ناحق) اقدام قتل کرے۔

طبری کہتے ہیں کہ یہ (آیت) خطاب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد ائمہء اسلام کو کہ وہ قاتل کے سوا کسی اور کو قتل نہ کریں اور ارشاد باری "انه كان منصورا" (یعنی ولیء مقتول منصور، منصور ہوگا) کے تین مفہوم ہیں، ایک یہ کہ ظلم کی ابتداء کرنے والے (قاتل) کو جس نے ظالمانہ قتل کا ارتکاب کیا یہ گویا تنبیہ ہے کہ ایسا مت کر، وہ مقتول دنیا اور آخرت میں منصور (کامران) ہے دنیوی کامرانی تو یہ ہے کہ اس کے قاتل کو ہلاک کیا جائے گا اور آخرت کی کامرانی یہ ہے کہ اسے بہت ثواب ملے گا اور قاتل کو سخت عذاب ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ولی مقتول کو اس ظالم قاتل پر بالادستی حاصل ہوگی۔ پس چاہیے کہ وہ اس طرح سزائے قاتل پر اکتفا کرے اور اس سے زیادہ کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ جس شخص کو اللہ کے ہاں سے نصرت ملی ہے اس سے زیادہ طلبی حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ "وایم الله لیظهرن علیکم ابن ابی سفیان" (یعنی بخدا ابوسفیان کا بیٹا تم پر کامران ہوگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا" (یعنی جسے ظلم سے قتل کیا گیا اس کے ولی کو ہم نے کامرانی بخشی ہے) تیسرے یہ کہ یہ قاتل ظالم ہے اس سے پورا قصاص لینے پر اکتفا کرنا چاہیے اور زیادہ کا مطالبہ نہ کرے۔

اگر کہا جائے کہ کتنے ہی وارثان مقتول ایسے ہیں جو ناکام رہے اور انہیں ان کا حق نہیں ملا۔ اس کا جواب یہ ہے تقویت یا تو دلیل کے قوی ہونے سے حاصل ہوتی ہے یا پورا حق مل جانے سے یا تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں باتیں ہو جائیں۔ ان میں سے جو کچھ بھی ہو جائے وہی اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے اور مقتول کے ولی کو نصرت عطا فرمانا اسی اعتبار سے ہے۔

ضحاک کہتے ہیں کہ قتل کے بارے میں نازل ہونے والی یہ پہلی آیت ہے۔

واضح ہو کہ قصاص یا دیت جو مقتول کی جان یا جسم کے عوض لاگو ہوتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ اس نے قتل یا

Marfat.com

جرم قتل کے بارے میں سلطان (حکومت) کے اختیارات کا بیان

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اگر مطالبہ قصاص کے حقدار قتل کے مجرم کو معاف کر دیں تو ان کے بری ہو جانے سے ’امن کو خطرہ لاحق ہو جائے گا‘ کیونکہ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ مطالبۂ خون کا حقدار (ولی) اکثر حالات میں تو قصاص لینے ہی پر اصرار کرتا ہے۔ اگر بالفرض وہ معاف بھی کر دے اور حکومت کی رائے میں اس کے چھوڑ دینے سے امن عامہ کے غارت ہو جانے کا اندیشہ ہے تو حاکم کو حق ہے کہ مجرم کو جو سزا بھی چاہے دے اور یہ ضروری ہے کہ اس وقت تک اسے نگرانی میں رکھے کہ وہ زیادتی نہ کرنے پائے یہاں تک کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس کا رویہ درست ہو گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی خوبی اور جزرسی یہ ہے کہ اس نے قتل کی سزا میں قصاص رکھا ہے اور حاکم کو اختیار دیا ہے کہ اگر خون بہا کے حقدار معافی دیں تو وہ قبول کرے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ (۱)

جراحت رسانی کے لئے ایسی شے سے حملہ کیا ہو جس سے بالعموم قتل واقع ہو جاتا ہے۔ یا ایسی شے سے حملہ کیا جائے جو بالعموم جان لیوا نہیں ہوتی۔ یا کوئی ایسا اقدام کیا جائے جو موجب ہلاکت ہو اور مقتول قرار دیئے جانے کی شرط یہ ہے کہ وہ بے قصور ہو (مستوجب قتل نہ ہو) قاتل وہ قرار پائے گا جو مکلف ہو (جس پر احکام شرعیہ لاگو ہوتے ہوں)۔

ا۔ اگر قتل عمد کے مجرم کو معاف کر دیا جائے تو آیا سلطان (حکومت) کو اس پر کوئی اختیار رہتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

مالکیہ اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر مطالبہ خون کا حق رکھنے والا معاف کر دے‘ تب بھی سلطان (حکومت) کو اختیار رہتا ہے کہ وہ قاتل کو سو دروں کے ضرب کی سزا دے یا پورے ایک سال کی قید کرے۔ مدینے کے لوگ بھی (ان پر صلوۃ و سلام ہو) یہی کہتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ حاکم کے لئے ان باتوں میں سے کسی پر عمل کرنا واجب نہیں ہے بجز اس صورت کے جبکہ قاتل شر پسندی اور اذیت رسانی میں مشہور ہو۔ ایسی صورت میں امام (حاکم) کے لئے جائز ہے کہ اپنی رائے کے مطابق اس کی سرزنش کرے: اسے قید کر دے یا سزائے ضرب دے یا شہر بدر کر دے‘ اس بارے میں ان کی دلیل شریعت کے احکام ہیں۔

اگر قاتل دیوالیہ ہو جانے کے باعث مالی معاملات کا نااہل قرار دیا جائے تو اسے مطالبہ سے معاف نہیں کیا جاسکتا‘ جبکہ دونوں باتوں (یعنی قصاص یا خون بہا) میں سے کوئی ایک بات اس پر واجب کر دی گئی ہو‘ لیکن کوئی ایک سزا متعین نہ کی ہو۔ (معاف نہ ہونے کا) سبب یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ سلوک عطا ممنوع ہے۔ اگر سزا میں قصاص کی تعیین کی گئی ہو اور دیت معاف کی جائے تو زیادہ سے زیادہ مال واجب الادا ہو گا لیکن اگر مطلقاً معافی دے دی گئی تو تاوان بھی نہ رہے گا۔ اگر نااہل معاملہ (یا دیوالیہ) کو اس بناء پر معافی دی گئی کہ اس کے پاس بالکل مال نہیں ہے تو کوئی مال واجب

Marfat.com

نہ ہوگا کیونکہ قتل سے مال واجب نہیں ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ مفلس (نادار یا دیوالیہ) سے قصاص لینا اور یا درگزر کردینا (دونوں باتیں) درست ہیں اور مفلس کو جب تک نااہل معاملہ نہ قرار دیا جائے گا صاحب حیثیت تصور کیا جائے گا اور مجھ علیہ (یعنی جسے نااہل معاملہ قرار دیا جائے گا) مفلس ہے کیونکہ اس کا قول بے معنی ہوتا ہے' جیسے بچے (نابالغ) یا جنون زدہ کا قول' کہ ان کا معاف کردینا لغو ہے اور فضول خرچ انسان کو اگر فضول خرچی کی بناء پر نااہل معاملہ قرار دیا جائے تو مطالبہء قصاص یا اس سے درگزر کرنے کے بارے میں وہ خوش اطوار کی مانند متصور ہوگا کیونکہ اسے نااہل قرار پانے کی ذمہ داری خود اس پر عائد ہوتی ہے کسی اور پر عائد نہیں ہوتی لہٰذا (قاتل پر) دیت واجب نہ ہوگی بشرطیکہ وہ قصاص یا دیت کو معاف کردے۔

قاتل کے وفات پا جانے کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو عمداً قتل کردیا ہے حکم قصاص اس پر لاگو ہوگیا اور (قبل از قصاص) وہ شخص اپنی موت بغیر کسی کے تشدد کئے مرگیا تو اس کے بعد قصاص اور دیت کے مطالبہ کا حق رکھنے والوں کا یہ تمام حق جاتا رہے گا اور قاتل کے وارثوں کے ذمہ کچھ عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ جس پر مطالبہ عائد ہوتا تھا وہ فوت ہوگیا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قتل عمد کا مرتکب (سزائے جرم پانے سے پہلے) اگر مرجائے تو (ورثائے مقتول کا) حق مطالبہ ساقط نہ ہوگا بلکہ خون بہا قاتل کے ورثاء سے وصول کرکے مقتول کے ورثاء کو ادا کیا جائے گا جنہیں مطالبہ کرنے یا معاف کردینے کا حق ہے۔ کیونکہ ان اصحاب کے نزدیک دونوں باتوں (یعنی قصاص یا خون بہا) میں سے کسی ایک بات پر عمل درآمد واجب ہے۔ اب چونکہ (ان دونوں میں سے) قصاص لینا ممکن نہ رہا تو دیت (خون بہا) واجب رہا تاکہ خون جو ہوا ہے وہ رائگاں متصور نہ ہو۔ اسی طرح باپ اگر اپنے بیٹے کو یا آقا اپنے غلام کو قتل کردے اور قصاص لینا ممکن نہ ہو تو حکم قصاص دیت (تاوان یا خون بہا) کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

مطالبہءخون کے حقداروں میں معافی کے بارے میں اختلاف کا بیان

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی مسلمان کو جو واجب القتل نہیں ہے' عمداً قتل کردیا جائے اور قاتل مکلف اور ذی عقل ہے اور مقتول کا باپ یا دادا نہیں ہے اور مقتول کی اولاد نرینہ عاقل و بالغ موجود ہے اور اس نے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوکر قصاص کا مطالبہ کیا تو حاکم پر واجب ہے کہ بلا تاخیر فوری طور پر حکم نافذ فرمادے' ہاں اگر مجرمہ باردار عورت ہو تو اس حکم قصاص کے نفاذ میں وضع حمل ہونے اور بچے کو دودھ پلانے کی مدت تک تاخیر کی جائے۔

اگر اس مقتول کی اولاد قصاص کے مطالبہ سے گزرکر دیت (خون بہا) کا مطالبہ کرے تو قاتل کے مال سے اس کی ادائیگی واجب ہے۔ گو مجرم اس پر راضی نہ ہو' لیکن اگر مطالبہ کے حقداروں میں باہم اختلاف ہو کہ ان میں سے بعض تو قصاص کا مطالبہ کریں اور بعض مرتکب کو معاف کرنا چاہیں تو قصاص باطل ہوجائے گا اور قاتل کے مال سے دیت کی ادائیگی واجب ہوگی جو وصول کرکے ورثاء میں تقسیم کردی جائے گی۔ گو اس پر بعض ورثاء راضی نہ ہوں' کیونکہ (خون بہا) جو واجب ہے وہ تو تقسیم ہوسکتا ہے لیکن) قصاص ناقابل تقسیم ہے۔ لہٰذا اس کے ساقط ہوجانے کا پہلو غالب ہے' تاکہ خون کرنے سے بچا جاسکے' انسانی خون قابل احترام ہے' پھر یہ کہ حدود شبہ کی صورت میں ساقط ہوجاتی ہیں یہاں یہی صورت ہے کہ

Marfat.com

قاتل پر قصاص کے لاگو ہونے میں شبہ ہے (کیونکہ بعض ورثاء معاف کرنا چاہتے ہیں) لیکن اگر وارثوں میں مرد اور عورت ہوں اور وہ معاف کر دینے یا حد قصاص کے لاگو کرنے یا دیت کے وصول کرنے اختلاف رکھتے ہوں ایسی صورت میں ائمہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

مالکیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اگر حقدار ورثاء میں سے ایک مرد بھی معاف کر دے تو قصاص کا حکم ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ معاف کرنے والا درجہ اور حق میں دوسرے ورثاء کے برابر ہو مثلاً مقتول کے دو بیٹے یا دو چچا یا دو بھائی ہوں یا پھر معاف کرنے والا مقدم ہو مثلاً بیٹا مقدم ہے بھائی پر۔ اگر معاف کرنے والا درجے میں دوسروں سے نچلے درجہ میں ہو تو اس کے معاف کرنے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً مقتول کا بیٹا ہوتے ہوئے بھائی معاف کرے۔ اسی طرح وہ صورت ہے جب کہ معاف کرنے والے کا حق دوسرں کے برابر نہ ہو مثلاً ماں شریک بھائی اور باپ شریک بھائی ہیں تو مطالبہ کا حق اس مرد کو حاصل ہے جو صلبی قرابت دار ہو۔ اس بارے میں بیوی ماموں یا نانا کا دعویٰ نہیں ہو سکتا پس اس میں قریب ترین اس کے بعد قریب ترین وارث مقدم ہے۔ لہٰذا پوتے سے بیٹا مقدم ہے البتہ قریب ترین دادا اور بھائی قصاص لینے یا معاف کرنے میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن بھائی کی موجودگی میں اوپر کے دادا (یعنی پڑدادا یا سگڑ دادا) کو حق مطالبہ نہیں ہے لیکن اگر مطالبہ خون کا حق صرف عورتوں کو پہنچتا ہو بایں طور کہ درجہ میں ان کے مساوی (مقتول کا) کوئی صلبی رشتہ دار نہ ہو یا ہو مگر نچلے درجہ میں ہو تو مقتول کی بیٹی یا پوتی معاف کرنے یا نہ کرنے کا حق بہن سے زیادہ رکھتی ہے پس اگر گواہوں کی گواہی یا مجرم کے اقرار سے ثابت شدہ قتل پر (بیٹی یا پوتی) قصاص کا مطالبہ کرے یا معاف کر دے تو بہن کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے اگر چہ بہن ورثہ میں بیٹیوں کے برابر حق رکھتی ہے۔ اس کو دیت (خون بہا) میں سے بھی کچھ نہ ملے گا تاہم اگر قصاص کے بارے میں باہمی تصفیہ کی ضرورت پڑے تو ان کو یعنی بیٹی پوتی کو تصفیہ کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ قتل عمد کی صورت میں صرف مرد رشتہ دار تصفیہ کر سکتے ہیں' عورتوں کو یہ حق حاصل نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر مردوں نے مصلحت کی اور قتل کا فیصلہ کیا اور بیٹی معاف کر دے تو اس کی معافی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ قصاص کے بارے میں صرف مرد رشتہ دار کی بات مانی جائے گی۔ ہاں اگر مرد معاف کر دیں اور بیٹی خون کا بدلہ چاہتی ہے تو مردوں کے معاف کرنے کو اہمیت نہ دی جائے گی۔ اور بیٹی کے مطالبۂ خون کو تسلیم کیا جائے گا۔ غرض اگر تمام مرد (خون) چاہیں یا کوئی بیٹی اور مردوں میں سے کوئی مرد قصاص چاہتا ہو تو معافی نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی بیٹی، پوتی یا بہن قصاص معاف کر دے اور کوئی مرد قرابت دار نہ ہو یا ہو لیکن اسے بدیں جہت مداخلت کا حق نہ ہو کہ بیٹی کا درجہ اس سے اونچا ہے اور قتل گواہوں یا اقرار سے ثابت ہو ایسی صورت میں حاکم ہی کو عصبہ یعنی مرد قرابت دار) تصور کیا جائے گا جیسا کہ وارثوں سے بچے ہوئے ترکہ کو حاکم ہی وصول کر کے بیت المال (سرکاری خزانہ) میں داخل کرتا ہے۔ پس اس صورت میں بھی حاکم اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرے گا یعنی چاہے تو بیٹی کے معاف کرنے پر مجرم کو بری کر دے یا اس کی معافی کو رد کر دے۔

اگر (پسماندگان مقتول میں) مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی' جو عورتوں میں اونچے درجہ پر ہوں اور انہیں میراث کی پروا نہ ہو تو مجرم کو قصاص سے بری نہیں کیا جا سکتا تا آنکہ دونوں فریق (مرد و زن) معاف نہ کر دیں۔ اگر فریقین میں سے کوئی فریق یا کوئی فرد قصاص کا مطالبہ کرے تو وہ مان لیا جائے گا۔ مطالبہ خون کے حقداروں میں سے کوئی بھی جس کا درجہ

Marfat.com

دوسروں کے برابر ہے معاف کردے اور قتل قطعی طور پر گواہوں وغیرہ سے پایہء ثبوت کو پہنچ گیا ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور جب قصاص ساقط ہو جائے تو اس وارث کو جس نے معاف نہیں کیا تھا قتل عمد کے خون بہا سے اپنے حصہ کے مطالبہ کا حق ہے۔ اسی طرح اگر دعویداروں نے یکے بعد دیگرے معاف کیا تو معاف کرنے والے کا حق مطالبۂ خون اور مطالبۂ خون بہا ختم ہو جائے گا باقی خون بہا دعویدار کا حق اور مثلاً خاوند یا بیوی یا بھائی اور وہ جسے خون بہا میں سے اپنے حصہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے مثلاً بیٹا بیٹی کیونکہ یہ مال وہ ہے جو پہلے شخص کے قصاص معاف کرنے پر واجب الادا ہوا ہے۔ بخلاف اس کے اگر سب نے فوری طور پر بیک وقت قصاص کو معاف کر دیا تو کسی دعویدار کو کوئی حق نہ رہے گا اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے ایک ہی دعویدار ہو اور اس نے معاف کر دیا ہو۔ جیسا کہ خون کے وارثوں میں ہوتا ہے (کہ اگر ایک شخص معاف کر دے تو پھر کسی اور کو مطالبۂ خون کا حق نہیں رہتا) اسی طرح اگر کسی شخص کے دو بیٹوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس کے بعد ہی دوسرا بھائی جس نے قتل نہیں کیا تھا مر گیا اور قاتل کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں تو قاتل خود ہی اپنے قتل کے پورے خون بہا کا وارث ہوگا۔ اسی طرح قاتل خون بہا کے کچھ حصہ کا وارث ہوگا جب کہ قتل نہ کرنے والے (ورثاء) میں ایک سے زیادہ وارث ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شخص قاتل اور کسی اور وارث کو چھوڑ کر وفات پا جائے تو اس صورت میں قاتل (پورے خون بہا کی بجائے) صرف اپنے حصہ کا وارث ہوگا۔ غرض قصاص کے ساقط ہو جانے پر باقی ماندہ ورثاء کو خون بہا سے ان کا حصہ ملے گا یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ باقی ماندہ وارث خود معاف کرنے کا مجاز ہو۔ لیکن اگر مستقل وارث نے معافی دے دی تو اس کی طرف سے قصاص ساقط نہ ہوگا جو ایک حصہ کا وارث ہو تا آنکہ تمام ورثاء معاف نہ کر دیں۔ چنانچہ اگر حقیقی بھائی نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور مقتول نے قاتل کے علاوہ اپنے تین بھائیوں کی بیٹیاں چھوڑیں اور تین بھائیوں میں سے ایک وفات پا گیا تو قاتل (خود بھی) اپنے خون بہا کے ایک حصہ کا حقدار ہوگا اور قصاص اسی صورت میں معاف ہوگا جب کہ سب یا ان میں سے کوئی ایک معاف کر دے۔

تین امام اس بات پر متفق ہیں کہ قصاص کے ساقط کرنے اور خون بہا میں سے اپنا حق چھوڑ دینے یا اس کے مطالبہ اور وصول کرنے کے بارے میں (وارثوں میں سے) ہر ایک کی بات تسلیم کی جائے گی۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ (ہر وارث) موجود ہو یا نہ ہو۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ مرد ہو یا عورت ہو قتل عمد کے خلاف مطالبۂ خون کا حق رکھتا ہے کیونکہ قتل (خون) اور خون بہا دونوں یکساں (حیثیت کے) ہیں۔

مقتول کا مرنے سے پہلے اپنے خون کو معاف کر دینا

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی بالغ، عاقل اور بے گناہ نے ایک شخص سے کہا کہ اگر تو مجھے قتل کر دے تو میں اپنے خون کا دعویٰ چھوڑتا ہوں اور اس شخص نے اسے قتل کر دیا تو قاتل کے ذمہ سے قصاص ساقط نہ ہوگا۔ یا کسی نے اپنے زخمی کرنے والے سے، جب کہ وہ ابھی جائے واردات سے باہر نہیں گیا تھا، کہا کہ میں تجھے اپنے خون سے بری کرتا ہوں تو قصاص سے بری نہ ہوگا، کیونکہ اس نے حق واجب ہونے سے پہلے اس حق کو ساقط کر دیا (جو درست نہیں ہے) بخلاف اس کے اگر مجرم کے جائے واردات سے چلے جانے کے بعد یہ بات کہی یا یوں کہا کہ اگر میں مر جاؤں تو تیرے خلاف میں کوئی دعویٰ نہ کروں گا تو مجرم اس جرم سے بری ہو جائے گا اگرچہ مجرم کے جائے واردات سے جانے سے پہلے کہا ہو۔ لیکن یہ درگزر زخمی

Marfat.com

ہونے کے بعد ہی ہوسکتا ہے تاہم مقتول کے ولی کو قصاص کے مطالبہ یا بلا تاوان معاف کردینے کا حق ہے اور تاوان لے کر بھی معاف کرسکتا ہے بشرطیکہ مجرم راضی ہو۔ اگر وہ دیت کے ادا کرنے پر تیار نہ ہو تو ولی کو قصاص کا مطالبہ کرنے یا بلا معاوضہ درگزر کرنے کا حق ہے۔ اگر اسنے غیر مشروط معافی دے دی تو بلا معاوضہ معافی کا فیصلہ کردیا جائے گا۔ سوا اس صورت کے جب کہ حالات کے قرائن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ولی کا ارادہ خون بہا لے کر معاف کرنے کا ہے یا وہ کہے کہ " میں نے خون بہا وصول کرنے کے لئے معافی دی ہے" ولی کے حلف اٹھا لینے پر اس کی بات تسلیم کرلی جائے گی اور ولی کے حلف اٹھانے کے بعد اگر مجرم ادائے دیت سے باز رہے تو اسے قصاص کے مطالبہ کا حق ہے بصورت دیگر اسے خون بہا ادا کر کے ہی مطالبۂ ولی کے مطابق معافی حاصل ہوسکے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مکلف انسان (جس پر احکام شریعت عائد ہوتے ہوں خواہ سمجھدار ہو یا احمق ہو) کسی شخص سے مثلاً یہ کہے کہ " تو میرا یہ ہاتھ کاٹ دے" اور وہ شخص یہ کر گزرے تو اس کی یہ حرکت رائگاں ہے اس پر نہ قصاص ہے نہ خون بہا کیونکہ اس کی اجازت اس نے خود دی تھی اور اپنے حق سے دست بردار ہوگیا تھا۔

اگر اس زخم کا اثر جان لیوا ثابت ہوا اور وہ مرجائے یا اس نے پہلے ہی کسی سے کہا تھا کہ مجھے قتل کردو اور اس نے قتل کردیا تو بقول ظاہر وہ قتل رائگاں ہوگا (اور اس کی باز پرس نہ ہوگی) کیونکہ یہ کام زخمی ہونے والے کی خواہش کے مطابق کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں قاتل پر خون بہا واجب ہے۔ اس اختلاف کی بنا اس سوال پر ہے کہ آیا یہ خون بہا میت کی وفات کے آخری لمحہ میں پہلے اس میت کا حق ہوتا ہے پھر اس کا وارث اس دیت کو وصول کرتا ہے یا مقتول کے ختم ہوجانے پر براہ راست وارث کا حق ہوتا ہے؟ اگر پہلی بات کو تسلیم کیا جائے جو زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے تو دیت واجب ہی نہیں ہوگی کیونکہ یہ سرایت زخم کے دوران کی بات ہے اور یہ فعل وہ ہے جس کی اجازت مالک نے دے دی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دیت واجب ہوجاتی چنانچہ اگر عضو کٹ جائے تو نصف تاوان واجب ہوگا کیونکہ یہ امر سرایت زخم کے دوران واقع ہوا۔ اور اس صورت میں جبکہ مقتول نے پہلے ہی قتل کے لیے کہا (اور قتل ہوگیا) تو خون بہا واجب ہوگا لیکن قول سابق کے مطابق خون بہا تو ساقط ہوجاتا ہے لیکن صحیح ترین قول کے مطابق کفارہ واجب ہوگا کیونکہ یہ حق اللہ ہے اور چونکہ اس کی اجازت غیر موثر ہے لہٰذا یہ کفارہ بہرحال واجب ہوگا۔ اگر کسی نے ایک شخص سے یوں کہا کہ تو مجھے قتل کردے ورنہ تجھے جان سے ماردوں گا اور اس شخص نے قتل کردیا تو بقول غالب نہ اس کا قصاص ہے اور نہ دیت (خون بہا) ہے۔

اگر کسی نے ایک شخص کا کوئی عضو کاٹ دیا تو اس کا تاوان (کاٹنے والے پر) واجب ہوگیا پھر اگر اس شخص نے اور اس کے وارثوں نے تاوان سے دست برداری کرلی اور زخم نے زیادہ سرایت نہیں کیا کہ زخم مندمل ہوگیا تو قصاص یا جرمانہ کچھ عائد نہ ہوگا کیونکہ جو حق ثابت ہوا تھا وہ ساقط ہوگیا۔ لیکن اگر وہ زخم جان لیوا ثابت ہوا تو جان یا عضو بدن کا کوئی قصاص نہیں ہے کیونکہ یہ اس زخم کا نتیجہ تھا جو معاف کردیا گیا ہے لہٰذا قصاص امر مشتبہ ہوگیا (جس کی وجہ سے جرم کی سزا ساقط ہوجاتی ہے) پھر اگر وہ زخم دوسرے عضو پر سرایت کرجائے تو اس عضو کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا اگرچہ پہلا جرم (جراحت رسانی) معاف نہ کیا گیا ہو۔

واضح ہو کہ اگر مجروح نے مجرم کو معاف کرنے کے لیے وصیت کے الفاظ استعمال کیے مثلاً قصاص سے درگزر کرتے ہوئے اس نے کہا کہ " میں اس جرم کے تاوان کی وصیت مجرم کے حق میں کرتا ہوں" تو اس وصیت کا فائدہ قاتل کو

Marfat.com

ملے گا۔ اور اگر یہ الفاظ کہے کہ میں اس کو بری کرتا ہوں یا تاوان سے درگزر کرتا ہوں یا یہ کہا کہ میں نے اس کے جرم کو معاف کیا تو تاوان قطعاً ساقط ہو گیا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان ہر سہ گانہ الفاظ کو وصیت ہی قرار دیا جائے گا۔ اور اس کا نفاذ ایک تہائی ورثہ کے اندر ہو گا اور معاف کردہ عضو کے تاوان میں زیادتی واجب ہو گی جبکہ یہ زیادتی سرایت زخم کے تاوان کو پورا کرنے کے لئے ہو۔ خواہ مجروح نے اپنی معافی میں سرایت زخم کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ایک اور قول کے مطابق اگر مجروح نے اپنی معافی میں اس خرابی کا ذکر کر دیا ہے جو جرم کے ارتکاب سے پیدا ہوئی تو اب تاوان میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا اور زیادہ قوی خیال یہی ہے کہ اضافہ ساقط نہ ہو۔ کیونکہ کسی شے کے وجود میں آنے سے پہلے اسے ساقط کر دینا درست نہیں ہے۔ پس اگر قطع عضو کا قصاص اور جرمانہ معاف کر دیا لیکن اس کا زخم دوسرے عضو تک سرایت کر گیا مثلاً انگلی کاٹی اور وہ زخم ہتھیلی کے باقی حصہ میں سرایت کر گیا اور کٹے ہوئے عضو کا زخم بھر گیا تو مجرم صرف اس حصہ کے تاوان کا ذمہ دار ہو گا جو اصل زخم سے متاثر ہوا ہے کیونکہ اس نے صرف موجودہ جرم کے تاوان کو معاف کیا ہے اس کے علاوہ اور عضو کے نقصان کو معاف نہیں کیا۔ اگر کسی نے ایک شخص کے عضو کو جراحت پہنچائی اور اس کا زخم سرایت کر جانے کے باعث مجروح کی جان جاتی رہی مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹا اور اس کا زخم (جسم کے دوسرے حصوں میں) سرایت کرنے کے باعث وہ شخص مر گیا اور ولی نے اس کا خون معاف کر دیا تو اب مجرم کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ قتل کا مستوجب تھا جو معاف ہو چکا ہے ہاتھ کا کاٹنا تو محض ایک طریقہ قتل تھا یا اگر ولی نے قطع عضو کے جرم کو (جس کے باعث موت واقع ہوئی) معاف کر دیا تو اسے اصولی طور پر مجرم کی گردن مارنے کا حق ہے کیونکہ اسے دونوں باتوں (یعنی معافی دینے اور سزا دینے) کا حق ہے لیکن فائدہ باز رہنے میں ہے کیونکہ مجرم ہلاکت آفریں جراحت رسانی کے باعث مستوجب قتل ہے اور اس کو اس نے معاف کر دیا اگر ولی نے (جراحت رسانی کی پاداش میں) مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا اور بلا معاوضہ مجرم کا خون بخش دیا یا معاوضہ لے کر معاف کر دیا۔ لیکن یہ ہاتھ کا ٹنا ہلاکت آفریں ثابت ہوا تو ظاہر ہے کہ معاف کرنا بے سود رہا زخم کا سرایت کرنا ہی قصاص بن گیا کیونکہ وقوع قصاص کا ذریعہ (سرایت زخم) معافی سے پہلے لاحق ہوا اور اس کا نتیجہ (یعنی ہلاکت) مرتب ہو گیا تو یہ معافی بیکار ہو کر رہ گئی اور اگر ہاتھ کے زخم نے جسم میں سرایت نہیں کیا بلکہ جان بچ رہی تو معاف کرنا درست ہے اور اس معافی سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور معاف شدہ عضو رہ جائے گا کیونکہ محض ہاتھ کاٹ دینے سے پورا خون بہا وصول نہیں ہو جاتا اور ہاتھ کاٹنے سے ولی کو کچھ حاصل نہ ہو گا۔

اگر ولی نے تکمیل قصاص کے لیے کسی شخص کو اپنا وکیل بنایا اور بعد میں اس نے تو قصاص کو معاف کر دیا لیکن وکیل کو اس کی خبر نہ ہوئی اور اس نے قصاص لے لیا تو وکیل پر قصاص عائد نہ ہو گا کیونکہ وہ معذور تھا اور زیادہ قوی بات یہ ہے کہ اس پر خون بہا واجب ہو گا کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ اس کا قتل ناحق ہوا لہٰذا مؤکل پر نہیں بلکہ وکیل پر واجب ہے کہ مجرم کے وارثوں کو بھاری خون بہا ادا کرے اور صحیح قول اس باب میں یہ ہے کہ تاوان واجب الادا کا مطالبہ کسی اور سے نہیں کر سکتا۔ خواہ مؤکل کو معافی کی بابت وکیل کو مطلع کرنا ممکن رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ کیونکہ اس نے معافی دے کر نیکی کا کام کیا ہے۔

اگر کسی عورت پر قصاص واجب ہو اور قصاص کی معافی کے عوض اس سے شادی کر لی جائے تو یہ امر جائز ہے اور اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور اگر مباشرت سے پہلے اس عورت سے علیحدگی ہو گئی تو وہ عورت سے نصف خون بہا واپس لے سکے گا۔

Marfat.com

حنفیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر مقتول، قتل عمد کے مرتکب کو اپنا خون معاف کر دے تو یہ وارثوں کے حق میں جائز ہے اور قاتل کا قصاص ساقط ہو جائے گا اس کے بعد وارثوں کو کچھ بھی ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وارثوں کا جو حق ہوتا ہے وہ حق پہلے مقتول کا ہوتا ہے اور وارث اس کا قائم مقام اور نائب ہوتا ہے اور مقتول کو اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اسے اپنی وفات کے بعد اپنا قائم مقام بنا لے۔

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت ''فمن تصدق به فهو كفارة له ''یعنی جو شخص خون بہا صدقہ میں دے دیتا ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے)۔

یہ آیت اس مقتول کے بارے میں ہے کہ جو اپنے خون کا صدقہ کر دیتا ہے، اور یہ عمل اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ موت سے پہلے اپنے ہوش و حواس میں ہو اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ ''فهو كفارة له ''میں ضمیر لہ کا مرجع کیا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ یہ ضمیر قاتل کی طرف لوٹتی ہے کہ وہ تائب ہو جائے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ضمیر مقتول یا مجروح کی طرف پھرتی ہے کہ اگر اس نے قاتل کا خون یا جراحت رسانی کی صورت میں اپنے کسی عضو کا قصاص، قاتل یا جارح کو صدقہ کر دیا تو یہ صدقہ اس کے اپنے گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ ہو جائے گا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت ''فمن تصدق به'' کے بارے میں مروی ہے وہ کہتے ہیں'' فمن عفا عنه وتصدق عليه، فهو كفارة للمطلوب، واجر للطالب ''(یعنی جس نے مجرم کی خطا معاف کر دی اور قصاص کا صدقہ کر دیا تو یہ امر حق مطالبہ کی تلافی اور مطالبہ کرنے والے کے لیے موجب اجر ہے)۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ سے ارشاد باری ''فمن تصدق به فهو كفارة له '' کے بارے میں مروی ہے کہ یہ آیت مجروح کے حق میں ہے کہ (حق مطالبہ کا) صدقہ کر دینے سے صدقہ کی حیثیت کے مطابق مجرم کے گناہ دھل جاتے ہیں، شعبی نے ایک شخص سے جو مجلس میں حاضر تھا روایت کیا ہے کہ ارشاد باری ''فمن تصدق به فهو كفارة له '' کے بارے میں حضور نے فرمایا'' هو الذى تكسر سنه، او تقطع يده، او يقطع الشئ منه او يجرح فى بدنه فيعفو عن ذلك ''(یعنی اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا دانت توڑ دیا گیا ہو یا اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہو یا اس کا کوئی عضو جدا کر دیا ہو یا اسے زخم پہنچایا ہو اور اس نے معاف کر دیا ہو) نیز فرمایا ''فيحط عنه خطاياه، فان كان ربع الدية فربع خطاياه، وان كان الثلث، فثلث خطاياه، وان كانت الدية حطت عن خطاياه كذلك ''(یعنی اس طرح معاف کر دینے سے معاف کرنے والے کی خطاؤں کو معاف دیا جاتا ہے۔ پس اگر دیت کا چوتھائی حصہ معاف کیا تو ایک چوتھائی خطائیں اور اگر تیسرا حصہ معاف کیا ہے تو ایک تہائی خطائیں اور اگر پوری دیت بخش دی ہے تو ساری خطائیں مٹادی جائیں گی اور اسی طرح) اور امام احمد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حضرت وکیع نے بتایا کہ انہیں یونس بن ابو اسحٰق نے اور ان کو ابوالسفر نے بتایا کہ قریشیوں میں سے ایک شخص نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا۔ اس کے خلاف حضرت معاویہ کے سامنے دعویٰ پیش ہوا حضرت معاویہ نے فرمایا کہ ہم اس کا راضی نامہ کرائے دیتے ہیں لیکن اس انصاری نے دعوے پر اصرار کیا حضرت معاویہ نے فرمایا تم اپنے ساتھی سے معاملہ طے کر لو، وہاں پر حضرت ابوالدرداء بیٹھے ہوئے تھے ابودرداء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے انہوں نے فرمایا ہے'' ما من مسلم يصاب بشئ من جسده فيتصدق به الا رفعه الله به درجة، وحط به عنه خطيئته ''(یعنی کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ایک مسلمان کو جسمانی ایذا پہنچائی گئی اور اس نے بخش دیا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس مسلمان کا درجہ بلند اور اس کی

Marfat.com

خطاؤں کو معاف نہ کیا ہو) اس پر اس انصاری نے کہا میں نے اسے معاف کر دیا۔

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عہد معاویہ میں ایک شخص تھا جس کا منہ کسی نے توڑ دیا وہ اس کی دیت دینے لگا اس شخص نے تاوان لینے سے انکار کر دیا کہ میں تو اس کا قصاص لوں گا، اس شخص نے دگنا تاوان دینا چاہا لیکن اس نے انکار کیا اس نے تگنا پیش کیا پھر بھی اس نے انکار کیا اس وقت آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "من تصدق بدم فما دونه، هو كفارة له، من يوم ان ولد، الى يوم يموت" (یعنی جو شخص پوری دیت یا اس سے کم بھی معاف کر دے تو اس کے یوم پیدائش سے مرتے دم تک کے لیے کفارہ گناہ ہو جائے گا) اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایک شخص کا ہاتھ قطع کر دیا اور اس شخص نے اس جرم قطع کو تو معاف کر دیا لیکن اس کے بعد وہ شخص (اس تکلیف سے) مر گیا تو مجرم کے ذمہ اس کے مال سے دیت عائد ہوگی۔ ہاں اگر (مجروح نے) اس جرم قطع کے ساتھ اس سے پیدا ہونے والے نتائج (یعنی سرایت زخم یا موت) کو بھی معاف کر دیا تھا اور اس کے بعد وفات پا گیا تو وہ معافی خون کی معافی قرار پائے گی چنانچہ اگر (مجرم کی) یہ حرکت غلطی سے سرزد ہوئی تھی تو اس کے مال میں سے ایک تہائی مال سے دیت وصول کی جائے گی اور اگر قصداً مجرم نے ایسا کیا تھا تو اس کے پورے مال میں سے دیت وصول کی جائے گی کیونکہ اگر 'مجروح' نے کاٹنے، توڑنے یا جراحت رسانی کو معاف کر دیا ہے تو یہ معافی اس کے بعد اس سے پیدا ہونے والے نقصانات کو معاف کرنا نہیں ہے اگر ان میں سے کوئی بات سرزد ہوئی اور زخم کھانے کے بعد مجروح نے اسے معاف کر دیا ہے پھر اس زخم نے سرایت کیا اور موت واقع ہوگئی تو مجرم کے ذمہ اس کے اپنے مال میں سے تاوان واجب ہو گا۔ کیونکہ تاوان کے عائد کیے جانے کا سبب 'یعنی قابل قدر جان کا ناحق قتل ہونا' موجود ہے اور معافی میں صراحۃً اس قتل کے معاف کرنے کا ذکر نہیں ہے اس نے تو زخم رسانی کے جرم کو معاف کیا ہے جس کو قتل نہیں کہہ سکتے تاہم اس زخم کے سرایت کرنے پر یہ پتہ چلا کہ اس سے قتل واقع ہوا ہے محض زخم نہیں تھا پس مجروح کو اس جبر نقصان کا حق ہے اور اس حق کو اس نے معاف نہیں کیا، جو کچھ معاف کیا وہ اس حق سے درگزر کرنا نہیں ہے، پس اس معافی کو کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ولی (وارث) زخم کی ہلاکت آفریں سرایت کے بعد کہے کہ میں نے ہاتھ کاٹنے کے جرم کو معاف کر دیا تو اسے معافی قرار نہیں دیا جائے گا، اگر مجروح خود بھی کہے کہ میں نے تیرے اس قتل کرنے کو معاف کر دیا اور مراد اس سے جراحت رسانی کو معاف کرنا تھا تو اس کو معافی تصور نہیں کیا جائے گا (کیونکہ وقوع قتل سے پہلے قتل کا معاف کرنا بے معنی ہے) اسی طرح وہ صورت ہے جبکہ ہاتھ کاٹنے کو معاف کیا ہو اور ہاتھ کے زخم سے موت واقع ہوگئی ہو، چونکہ اس معافی کا کچھ اعتبار نہیں ہے ضمان (یا تاوان) واجب ہوگا۔

قاعدے کی رو سے یہ صورت حال قصاص کی متقاضی ہے، کیونکہ قتل عمد سے قصاص واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں اس کو اس لیے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس طرح کی معافی دی گئی ہے۔ اس سے مجرم کا ارتکاب قتل مشتبہ ہو جاتا ہے جس کے باعث سزا ساقط ہو جاتی ہے پس مجرم کے مال میں سے صرف تاوان واجب ہوگا۔

صاحبین کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس شخص نے ہاتھ کاٹنے کے جرم کو معاف کر دیا بعد

Marfat.com

میں اس زخم کے (جسم میں) سرایت کر جانے کے باعث اس کی موت واقع ہوگئی تو وہ ہاتھ کاٹنے کی معافی جان کی معافی متصور ہوگی اور ہاتھ کاٹنے والے کے ذمہ کچھ عائد نہ ہوگا کیونکہ جس زخم سے قتل ہوا اس زخم کے معاف کر دینے سے قتل کر دینے کی معافی ہوگئی کیونکہ عمل ایک امر عارضی ہوتا ہے وہ باقی نہیں رہتا لہٰذا عمل کی معافی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور کسی عمل کو معاف کرنا دراصل اس عمل کے نتیجہ کو درگزر کرنا ہے۔ اب اس عمل قطع کا نتیجہ یا تو محض (عضو کا) کٹنا ہے درآنحالیکہ وہ آگے نہ بڑھے اور یا پھر قتل ہے جبکہ وہ زخم (جسم میں) سرایت کر کے موت کا سبب بن جائے۔ پس اس فعل قطع کا معاف کرنا ان دونوں صورتوں کا معاف کرنا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ لفظ قطع (کے مفہوم) میں سرایت کرنے والا اور سرایت نہ کرنے والا دونوں قسم کی جراحت شامل ہے۔ چنانچہ اگر قطع عضو کی اجازت دی جائے تو یہ اجازت عضو کے کاٹنے اور کاٹنے کے بعد جو نتیجہ ہو اس کی بھی اجازت ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ دے پھر اس کے ہاتھ کاٹنے سے اس شخص کی جان جاتی رہی تو کاٹنے والے پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا اور یہ معافی نتیجہ عمل کے اخیر تک رہے گی لہٰذا اس اجازت کو اس انتہا کی ابتداء تصور کیا جائے گا اور یہ معافی ایسی ہی ہوگی جیسے جرم ہی کو (سرے سے) معاف کر دیا جائے۔ غرض معافی دونوں طرح کے جرموں کو معاف کرنا ہے خواہ وہ جرم محدود ہو یا ہلاکت آفریں ہو۔

امام صاحب کا کہنا ہے کہ یہ امر تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ سرایت کنندہ (ہلاک کنندہ) جراحت بھی جراحت کی ایک صورت ہے اور ہلاکت آفریں زخم بھی زخم ہی کی ایک کیفیت ہے بلکہ ہلاک کرنے والا کا زخم لگانا پہلے ہی سے قتل کرنا ہے کیونکہ قتل اس عمل کو کہتے ہیں جس سے جان جاتی رہے اور جب اس عمل سے جان جاتی رہے تو اسی عمل کو قتل کرنا سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر قطع عضو بحیثیت قطع کے قتل کا موجب نہیں ہوتا، لہٰذا (قطع کی) معافی میں قتل کی معافی شامل نہیں ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ جرم ہی کو معاف کر دیا جائے کیونکہ لفظ جرم اسم جنس ہے (یعنی جرم خواہ کسی قسم کا ہو اس میں شامل ہے) اور بخلاف اس صورت کے جبکہ "شج" یعنی (جراحت رسانی) کے ساتھ اس کے نتائج کو بھی معاف کر دیا جائے۔ کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ معاف کرنا، گہرے زخم اور نتیجہ قتل کی معافی کے بارے میں صریح ہیں۔ اب اگر غلطی سے عضو کٹ گیا اور اس کے نتیجہ میں جان جاتی رہی تو اسے قتل ہی کے زمرہ میں رکھا جائے گا، جبکہ معافی میں خالی قطع کو اور قطع کے ساتھ اس کے نتائج کو یا جراحت رسانی کو یا جرم ہی کو معاف کیا ہو پھر یہ بھی ہے کہ اگر قطع کو اور اس کے نتائج کو معاف کیا یا جرم ہی کو معاف کر دیا تو بالاتفاق یہ دیت سے درگزر کرنا ہے نیز صاحبین کے نزدیک ارتکاب قطع کو مطلقاً معاف کر دینا دیت سے درگزر کرنا ہے جبکہ یہ قطع غلطی سے واقع ہوا ہو۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ معافی صرف ہاتھ کاٹنے کی صورت میں ہو گی کسی اور صورت میں نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک اگر جراحت ہلاکت آفرین ہو تو اس کو معاف کر دینا، دیت سے درگزر کرنا ہے اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک محض جراحت معاف ہوتی ہے اور کوئی شے معاف نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر قطع ید غلطی سے واقع ہوئی تو اس کی دیت مجرم کے ایک تہائی مال میں سے واجب ہوگی ہاں اگر قصداً قطع کیا ہے تو مجرم کے تمام مال میں سے دیت واجب ہوگی۔

قتل عمد میں، مال کے عوض مصالحت کرنے کا بیان

ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء قاتل کے ساتھ مال کے عوض صلح کر لیں تو قصاص ساقط ہو

Marfat.com

جائے گا اور (اس کے عوض) مال واجب الاداء ہوگا۔ یہ مال مقررہ خون بہا سے کم ہو یا زیادہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" فمن عفی له من اخیه شیٔ فاتباع بالمعروف، واداء الیه باحسان " (یعنی جس کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے ورثاء) کچھ معاف کر دیں تو چاہیے کہ بھلائی کے ساتھ پیچھا کرے۔ (مال وصول کرے) اور (قاتل) بھی اچھے انداز سے اس کو ادا کرے)۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے بقول حضرت ابن عباسؓ، حسن، ضحاک اور مجاہد، یہ آیت مصالحت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حرف لام جو آیت کے لفظ لہ میں آیا ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہے۔ 'عفی' کا لفظ جب لام کے ساتھ آتا ہے۔ (جیسا کہ عفالہ میں ہے) تو اس سے بدل (معاوضہ) مراد ہوتا ہے۔ پس اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ "اگر قاتل سے جو مطالبہ ہے اس میں سے مقتول کا وارث بغرض مصالحت کوئی بات (یعنی خون) نیکی اور خوش کرداری کے خیال سے معاف کر دے تو...... پھر یہ بھی ہے کہ قصاص کا مطالبہ ایک حق ہے جو ورثائے مقتول کو پہنچتا ہے اس حق کو نظر انداز کر کے معاف کیا جا سکتا ہے اور اس کا معاوضہ بھی لیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں مقتول کے وارثوں کی طرف سے احسان ہوگا اور قاتل کی زندگی بچ جائے گی۔ یہ کام باہمی رضامندی ہی سے ہو سکتا ہے اس میں معاوضہ کا کم ہونا یا زیادہ ہونا یکساں ہے چونکہ مقدار معاوضہ کے بارے میں کوئی نص (صریح حکم) موجود نہیں ہے لہٰذا اس کا تصفیہ فریقین کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا۔ جیسا کہ 'خلع' وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اگر ادائیگی معاوضہ کے بارے میں فوری یا بتاخیر ادائیگی کا ذکر نہ ہو تو اسے فوری واجب الاداء قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ مال معاوضہ باہمی تصفیہ سے طے ہوا ہے اور معاملات میں فی الوقت ادائیگی بنیادی شے ہے جیسا کہ مہر اور کسی شے کی قیمت میں ہوتا ہے بخلاف دیت کے کہ وہ باہمی تصفیہ سے طے نہیں پاتا (بلکہ وہ جرم کی سزا ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ مجرم قتل عمد کی صورت میں وارث مقتول کے ساتھ اور جراحت رسانی کی صورت میں مجروح کے ساتھ (مال کے عوض) مصالحت کر لے خواہ (مال معاوضہ) مقدار کا تصفیہ دیت سے کم پر ہو یا زیادہ پر اور فوری ادائیگی کی شرط ہو یا بتاخیر ادائیگی۔ معاوضہ سونے چاندی کی شکل میں ہو یا مال اسباب کی شکل میں۔

خون کے وارثوں میں سے کسی فرد واحد کے معاف کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مطالبۂ خون کے حقداروں میں سے کوئی ایک فرد خون معاف کر دے یا مالی معاوضہ لے کر اپنے حق سے دست بردار ہو جائے تو دوسرے وارثوں کی طرف سے بھی قصاص ساقط ہو جائے گا اور انہیں ان کا حصہ دیت (خون بہا) سے ملے گا۔ دیت (کا مال) ایسی چیز ہے جس کے حصے کیے جا سکتے ہیں اور دیت بھی مال کے زمرہ میں آتی ہے اور اسی مقدار کے مطابق جو ورثاء کا حق ہے یہ ہر فرد کا احسان ہے۔ بخلاف قصاص کے۔ کہ اس کے حصے نہیں ہوتے۔ پس اگر (ورثاء خون میں سے) کسی کا حق مطالبہ ساقط ہو جائے تو سب کا حق ساقط ہو جائے گا۔

اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ جس طرح مطالبہ قصاص تمام ورثائے مقتول کا حق ہے اسی طرح دیت (خون بہا) بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں امور (یعنی خون اور خون بہا) دوسرے اموال (ورثہ) کی طرح بالاتفاق ورثہ کی اشیاء ہیں۔ لہٰذا واجب ہوا کہ اس میں جملہ ورثاء یہاں تک کہ میت کا خاوند اور یا اس کی بیوی بھی شامل ہیں۔ کیونکہ (دیت کا) حق پہلے میت کو حاصل ہوتا ہے اور پھر ورثاء کو منتقل ہوتا ہے اور میت کو یہ حق اس لیے ہوتا ہے کہ دیت کے عائد ہونے کا موجب وہ

Marfat.com

زخم ہے (جس سے موت واقع ہوئی) اور قصاص ہو یا دیت دونوں باتیں (محض وجود سبب) موت سے پہلے ہی ثابت ہو جاتی ہیں۔ مال کی بھی یہی کیفیت ہے چنانچہ اگر میت اپنے مال کے تیسرے حصے کی وصیت (کسی کے حق میں) کرے تو اس کا اطلاق دیت کے مال پر بھی ہوگا اور میت کا قرض بھی اس میں سے ادا کیا جائے گا اور امام علی رضی اللہ عنہ دیت کو بھی ان میں تقسیم فرماتے تھے جو میراث پاتے تھے۔ اس کے لیے یہی ایک نظیر کافی ہے۔ پس درآنحالیکہ یہ امر ثابت ہے تو تمام ہی ورثاء دیت وصول کر سکتے ہیں اور جہاں تک حق وراثت کا تعلق ہے رشتہ از دواج میت کی وفات کے بعد بھی عملاً باقی رہتا ہے یا اس لحاظ سے کہ موت کا سبب جراحت تھا (اور میت خون کا حقدار ہو گیا تھا) وہ حق مجروح کے وارثوں کو مل جاتا ہے۔ پھر اگر قصاص ساقط ہو جائے تو قصاص کا حق مال کے حق میں منتقل ہو کر بقیہ ورثاء کو ان کے حصوں کے مطابق ملے گا۔ کیونکہ حق قصاص (سب میں تقسیم ہونا) محال ہے یعنی وہ قاتل کو لوٹا دیا جائے گا اور جس نے معاف کر دیا اسے کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس نے اپنے قول وفعل سے اس حق کو ساقط کر دیا ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ قصاص اور خون بہا میں خاوند یا بیوی کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس معاملہ میں انھیں کوئی حق نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موت کے بعد میت کے وارث اس کے قائم مقام ہوتے ہیں اور یہ وراثت نسب کی بناء پر عائد ہوتی ہے سبب کی بناء پر نہیں ہوتی کیونکہ سبب موت کے بعد منقطع ہو جاتا ہے اور رشتہ از دواج بھی موت کے بعد منقطع ہو جاتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ مالکیہ کا کہنا ہے کہ قصاص اور دیت دونوں میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

شافعیہ کا قول ہے کہ قصاص پورا لینے میں عورتوں کا حق نہیں ان کا صرف معافی دینے میں حق ہے۔

قصاص سے موت واقع ہو جانے کا بیان

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر جرم سے متاثر ہونے والے نے مجرم سے قصاص لیا عضو کاٹنے کے بدلے میں اس نے بھی مجرم کا عضو کاٹ دیا اور اس زخم کے سرایت کر جانے کے باعث مجرم کی موت واقع ہو گئی تو قصاص لینے والے پر کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ اس کا جو حق تھا وہ پورا کر لیا یعنی قطع کے عوض قطع کیا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس میں مجرم کی سلامتی کی شرط لگائی جاتی ایسی کوئی شرط لگائی جاتی تو قصاص ہی کا سدباب ہو جاتا۔ سرایت زخم کا روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے اور اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے حاکم یا نشتر زن (اپریشن کرنے والا) یا پچھنے لگانے والا یا وہ شخص جسے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ولمن انتصر بعد ظلمه'' (یعنی وہ شخص قابل مؤاخذہ نہیں جو ظلم اٹھانے کے بعد قابو پا کر انتقام لے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر جراحت رسیدہ (مجروح کرنے والے) مجرم سے قصاص لے اور اس کا عضو بھی کاٹ دے پھر وہ زخم مجرم کے جسم میں سرایت کر جائے اور نتیجۃً وہ مر جائے تو اس کے ورثاء خون بہا کے مستحق ہوں گے جو مجروح کے ذمہ دار متعلقین ادا کریں۔ کیونکہ یہ خون ناحق ہوا ہے۔ وہ صرف قطع عضو کا مستوجب تھا اور یہ قتل ہے۔ اگر یہ موت (بدلہ لینے والے کے) ظالمانہ عمل سے واقع ہوئی تب تو یہ قتل ہے اور اس پر قصاص واجب ہے کہ اس نے بجائے عام طریق انتقام کے اس طرح کاٹا کہ اس کی زندگی جاتی رہی اور اس کو قتل ہی کا نام دیا جائے گا تاہم اس (کے قتل عمد ہونے) میں شبہ ہے لہٰذا قصاص (خون کا بدلہ خون) ساقط ہو جائے گا اور اس کے عوض مال (تاوان) واجب ہوگا۔ بخلاف حاکم شرع وغیرہ

Marfat.com

کے کہ وہ ان کے فرائض میں سے ہے۔ انھیں خود کو یہ اختیار ہوتا ہے یا بہ تعمیل حکم ایسا کرنا پڑتا ہے جیسے حاکم وقت یا حاکم مجاز۔ جیسا کہ دوسرے معاملات میں ہوتا ہے چنانچہ اگر قاضی (حاکم شرع) جس پر فیصلہ کرنے کی ذمہ داری ہے۔ فیصلہ کرے تو واجب ہے کہ وہ حکم دے اور اس کے حکم کے بموجب (مثلاً) چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور (اس زخم کی تاب نہ لا کر) وہ مر جائے تو حاکم پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا اور جب کسی حکم کی بجا آوری واجب ہو تو اس کے عملدر آمد میں سلامتی و تحفظ شرط نہیں لگائی جا سکتی جیسے سپاہی کو دشمن پر تیر (گولی) چلانے کا حکم دیا جائے۔

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں صرف بازیابی حق کا ذکر ہے۔ یہ عمل واجب یا لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں معاف کر دینے اور روا رکھنے کی گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" وان تعفوا اقرب للتقویٰ "(یعنی اگر معاف کر دو تو یہ امر پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے)۔ پس اگر کسی نے شکار پر تیر چلایا اور وہ کسی شخص کو لگ گیا تو بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

چھوٹے بچے کی وجہ سے قصاص میں تاخیر

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتول کے ورثاء میں کم عمر بھی ہوں اور بالغ بھی تو بالغوں کو حق ہے کہ قاتل سے خون کا بدلہ لیں اور اس بات کا انتظار نہ کریں کہ مقتول کا وارث بچہ عمر بلوغ کو پہنچ جائے۔ قصاص ایک ایسا حق ہے جس کے حصے نہیں کئے جا سکتے کیونکہ اس کے عائد ہونے کا سبب بھی حصوں میں منقسم نہیں ہے اور قرابت داری ہر فرد پر بطور کامل عائد ہوتی ہے۔ جیسے نکاح میں ولی کے لیے حق ولایت ثابت ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ کمسن (نابالغ) وارث اور بالغ وارث جو موجود نہ ہو کے درمیان، معافی کا احتمال ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے فرق ہے۔ چنانچہ مطالبہ قصاص کے وقت یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ غیر موجود وارث نے معاف ہی نہ کر دیا ہو۔ اس لیے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ موجودہ وارثوں کو اس کے معاف کرنے کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا پورا قصاص لینے کے حق میں اشتباہ رہے گا اور یہ جائز نہیں ہے اور قصاص پر عملدر آمد کے وقت کمسن وارث کے معاف کرنے کا خیال ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ معاف کرنے کا اہل نہیں ہے البتہ بالغ ہونے اور سن رشد کو پہنچنے کے بعد یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ معاف کر دے۔ لیکن مالی معاملات میں شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جائے تو قصاص کا دروازہ ہی بند ہو جائے اور ممکن ہے کہ مقتول کا ولی قاتل کے قتل میں پیش دستی کرے یا ورثائے مقتول میں سے کوئی جنون زدہ ہو تو قاضی (حاکم شرع) پر واجب ہے کہ قصاص پر عملدر آمد کرنے میں تاخیر نہ کرے اور دائمی جنون میں جس سے افاقہ نہیں ہوتا، مبتلا شخص (وارث) کی صحت یابی کا انتظار نہ کرے۔

شافعیہ اور حنابلہ۔ بروایت غالب۔ اور حنفیہ میں سے صاحبین کہتے ہیں کہ اگر مطالبہ خون کے حقداروں میں کمسن (نابالغ بچہ) اور بالغ شامل ہوں تو چاہیے کہ بالغ ورثاء قصاص پر عملدر آمد کے بارے میں جلدی نہ کریں، بلکہ نابالغوں کے بالغ ہو جانے کا انتظار کریں قاتل کو قید میں رکھیں اور ضمانت پر بھی اسے رہا نہ کریں۔ یہاں تک کہ کمسن وارث عمر بلوغ کو پہنچ جائیں اور اگر ان میں سے کوئی جنون زدہ ہے تو اسے افاقہ ہو جائے۔ اس وقت اختیار ہوگا کہ قصاص کا مطالبہ کریں یا خون بہا لیں یا مجرم کو معاف کر دیں یا پھر مال کا معاوضہ لے کر راضی نامہ کر لیں۔ یہ اس لیے ہے کہ حق قصاص ان سب میں مشترکہ ہے اور چونکہ قصاص کے حصے نہیں ہو سکتے اس لیے بعض ورثاء کا مطالبہ پورا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر ان کا حق پورا پورا دے دیا جائے تو نابالغ یا جنون زدہ وارثوں کی حق تلفی ہوگی۔ پس واجب ہے کہ قصاص لینے میں اس

Marfat.com

وقت تک تاخیر کر دی جائے کہ بچے بالغ ہو جائیں اور جنون زدہ کو جنون سے افاقہ ہو جائے یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مقتول کے دو وارثوں میں سے ایک موجود نہ ہو یا اسی طرح اس کے دو والی ہوں۔ تاہم یہ چاہیے کہ سب متعلقین ایک شخص کو وصولئ حق کے لیے بالاتفاق چن لیں ورنہ پھر قرعہ اندازی سے طے کر لیں۔

اس بارے میں اختلاف اس حالت میں ہوگا جب کہ مقتول کے آباء واجداد میں سے کوئی نہ ہو۔ اگر ہوں تو بالاتفاق انھیں اپنا حق پورا کرنے کا اختیار ہے اور کمسن بچوں کے بالغ ہونے کا انتظار نہ کریں۔ کیونکہ باپ کو حق ولایت پہلے ہی حاصل ہے۔

اگر وارثوں میں سے کسی نے پیش دستی کی اور مجرم کو قتل کر دیا تو قوی بات یہ ہے کہ اس پر قصاص نہ ہوگا اور اس کے ترکہ میں سے باقی حقداروں کو خون بہا کا حصہ ملے گا اور کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ اس سے وصول کیا جائے جس نے پورا قصاص لے لیا ہے۔

اگر مجرم کو معافی ملنے کے بعد کسی اور شخص نے اسے قتل کرنے کی جرأت کی تو اس پر قصاص عائد ہوگا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نہ ہوگا۔

صغیر سن بیٹے کے قتل کا قصاص لینے کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ولی نے (زیر کفالت) کمسن بچے یا بے عقل کو قتل کر دیا تو اس کے باپ کو جو مقتول کا دادا ہوگا اس بے عقل یا صغیر سن بچے کی طرف سے قصاص لینے کا حق ہے کیونکہ اسے نفسانی (یا جذباتی) طور پر ولی ہونے کا حق ہے بایں طور کہ شریعت میں قصاص کا حکم تشفی (تسلی) کے لیے ہے۔ چونکہ اولاد کو جو دکھ پہنچتا ہے وہ اپنی جان کا دکھ ہے لہٰذا وہ تسلی جو باپ کو حاصل ہوگی اسے بیٹے کو حاصل ہونے والی تشفی تصور کیا گیا ہے اور باپ کا قصاص لینے کے لیے ولی بننا ایسا ہی ہے جیسے نکاح کا ولی بننا۔ خواہ اس میں شریک ہو یا نہ ہو اور باپ کو مصالحت کا حق ہے کیونکہ وہی بے عقل یا صغیر سن بچے کے حق کا نگران ہے۔ باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ خون بہا کی مقدار کم کر کے تصفیہ کر لے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اگر اس مال کی مقدار جس پر صلح ہوئی ہے، دیت (خون بہا) کی مقدار سے کم ہو تو اسے پورا کرے۔ باپ کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ مالی معاوضہ کے بغیر قاتل کو معاف کر دے۔ کیونکہ اس میں حق تلفی ہے۔ اسی طرح اگر بے عقل یا صغیر سن بچے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اس کے باپ کو مطالبہ قصاص کا حق ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ نہ باپ کو حق ہے اور نہ دادا کو کہ وہ اپنے صغیر سن یا نادان بیٹے کا قصاص وصول کرے۔

اس امر پر سب کا اتفاق ہے باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے بالغ بیٹے کی طرف سے قصاص وصول کرے۔ (اگر بیٹا وصول قصاص کا حقدار ہے تو بیٹے ہی کو خود پورا قصاص وصول کرنے کا حق ہے۔

بیٹے کو قتل کرنے کا بیان

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کرنے کی پاداش میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' لا یقاد الوالد لولدہ'' (یعنی والد سے اس کے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے) یہ حدیث مشہور

Marfat.com

ہے جسے امت (ملت اسلامیہ) نے تسلیم کیا ہے۔ پس اس حدیث سے وہ آیت جس میں قاتل پر قصاص کے واجب ہونے کا عام حکم ہے خاص ہوگیا۔ اسی طرح جیسا کہ اس صورت میں جب کہ آقا اپنے یا اپنے بیٹے کے غلام کو قتل کر دے تو قصاص عائد نہ ہوگا۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اپنے بیٹے کے قتل کرنے پر خون بہا کے ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور کسی نے اس فیصلہ پر اعتراض نہیں کیا اور یہ بھی ہے کہ باپ، اپنے بیٹے کی زندگی کا ذریعہ ہے تو ناممکن ہے کہ بیٹا باپ کے ختم کرنے کا موجب بنے۔ بناء بریں یہ جائز نہیں ہے کہ بیٹے کے قصاص میں باپ کو قتل کیا جائے ہر چند کہ وہ دشمنوں کی صف میں (بیٹے سے) برسرپیکار رہو یا شادی شدہ ہونے کے باوجود مرتکب زنا ہو البتہ باپ پر خون بہا واجب ہوگا جو بیٹے کے ورثاء کو ملے گا اور باپ کے لیے حرام ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بیٹے (کے قتل) کا قصاص باپ سے نہیں لیا جائے گا بجز اس صورت کے جب کہ بیٹے کو لٹا کر ذبح کیا یا اسے قید میں بند رکھا یہاں تک کہ وہ مر گیا ایسی صورتوں میں کوئی عذر نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی شبہ کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے تلوار یا لاٹھی یا بھاری پتھر مار کر گرا دیا اور قتل کا ارادہ نہ تھا (اور وہ ہلاک ہوگیا) تو باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ دادا کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ (اس مسئلہ میں) ان اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ قصاص کا حکم عام ہے جو تمام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اس میں باپ وغیرہ کی کوئی تفریق نہیں۔ ان کے قیاس کی بناء یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص (نعوذ باللہ) اپنی بیٹی کے ساتھ آلودہ ہو جائے تو بالاتفاق اسے سنگسار کیا جائے گا (یعنی اولاد کا مجرم ہونے کی وجہ سے وہ کسی رعایت کا مستحق نہ ہوگا) پھر یہ بھی ہے کہ آیت میں قصاص کے متعلق عام حکم ہے (جس میں کوئی استثناء نہیں ہے) اس حکم عام کو خبر واحد کی بناء پر خاص نہیں بنایا جا سکتا غرض اگر قتل عمد ثابت ہو جائے تو مجرم مستوجب قصاص ہو جائے گا۔ ہاں اگر کوئی اپنے باپ کے خلاف قصاص کا وارث ہو تو باپ کے احترام کی بناء پر وہ حق ساقط ہو سکتا ہے۔

قتل عمد کے مشابہ قتل کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ قتل کی پانچ صورتیں ہیں: قتل عمد، قتل مشابہ بہ قتل عمد، قتل خطا، قتل مشابہ بہ قتل خطاء، غرض مندانہ قتل۔

قتل عمد یہ ہے کہ ہتھیار سے یا ہتھیار جیسی شے سے، مثلاً لوہا منڈھی لکڑی یا تیز چھچی، یا دھاردار پتھر مار کر یا آگ میں جلا کر ہلاک کیا جائے۔ مشابہ بہ قتل عمد یہ ہے کہ ہتھیار یا ہتھیار جیسی کسی شے سے نہیں بلکہ کسی اور طرح ضرب پہنچائی جائے۔ خواہ عام حالات میں اس سے بھی موت واقع ہو جاتی ہو مثلاً بھاری پتھر یا موٹا سا ڈنڈا یا دھوبی کی موگری سے یا اس سے موت نہ واقع ہوتی ہو مثلاً کوڑا یا چوب دستی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الا ان قتیل خطا العمد قتیل السوط، والعصا" بروایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (یعنی یاد رہے کہ کوڑے یا چوب دستی کی ضرب سے خطا ہلاک کرنا بھی قتل عمد ہے) اس روایت سے استدلال کی صورت یہ ہے آنحضرت ﷺ نے کوڑے یا سوٹی کی ضرب سے مقتول ہونے والے کو مطلقاً (یعنی کیسا ہی کوڑا یا سوٹی ہو) قتل عمد کے مقتول کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اب اس کو چھوٹی سی لکڑی کے ساتھ

Marfat.com

مخصوص کر دینا حکم مطلق کو باطل کر دینا ہے جو جائز نہیں ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ سوٹی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ وہ قتل کرنے کے لیے نہیں ہوتیں اور نہ بالعموم ان کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے استعمال میں پہل کرنے کی غرض قتل کر دینا ہو اور پہل کرنے میں اکثر قتل ہو جاتا ہو اور درآنحالیکہ اس لحاظ سے (چھوٹی اور بڑی) دونوں قسم کی لاٹھیاں برابر ہیں۔ اور چھوٹی سوٹی سے قتل کرنا بالاتفاق قتل شبہ عمد ہے تو بڑی لاٹھی سے قتل بھی اسی طرح مشابہ بہ قتل عمد ہے۔ غرض عمداً قتل کے تعین کا انحصار آلہ قتل پر ہے اور یہ صورت قتل عمد کے مشابہ متصور ہوگی (قتل عمد متصور نہ ہوگی)

شافعیہ اور حنابلہ نیز حنفیہ سے صاحبین کہتے ہیں کہ مشابہ بہ قتل عمد وہ قتل ہے جس میں ایسے آلے سے ضرب لگائی گئی ہو جس سے بالعموم موت واقع نہیں ہوتی۔ مثلاً چھوٹا سا عصا (چوب دستی) بشرطیکہ پے درپے ضربات نہ لگائی گئی ہوں اگر مسلسل اس سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے تو وہ قتل عمد قرار پائے گا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ بھی شبہ عمد ہے اور اس قسم کے قتل کو بھی شبہ قتل عمد کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں عمد کے مفہوم کو محدود کرنا یہ ہے کہ ایسا آلہ استعمال کیا جائے جس کے استعمال سے بالعموم موت واقع نہیں ہوتی۔ احیاناً موت واقع ہو جائے تو اسے قتل عمد قرار نہیں دیا جائے گا (مثلاً چھڑی (یا سوٹی) کہ یہ قتل کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوتی بلکہ سرزنش (یا سزا) کے لیے استعمال ہوتی ہے وغیرہ اب اگر اس کے لگنے سے کوئی مر جائے، تو خون بہا واجب الادا ہوگا، قصاص واجب نہ ہوگا، لیکن اگر کوئی ایسا آلہ استعمال کیا جائے جس سے بالعموم جان جاتی رہتی ہے مثلاً بڑا سا پتھر، موٹا سا لکڑ، دھوبی کی موگری وغیرہ۔ ان اشیاء سے ضرب لگانے کا مقصد قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ہتھوڑے یا تلوار سے مارنا لہٰذا اسے قتل مستوجب قصاص قرار دیا جائے گا۔ ان اصحاب کا کہنا ہے کہ وہ اس امر میں ابو حنیفہؒ سے اتفاق کرتے ہیں کہ لوہے کے چھڑ یا سریئے یا سلاخ سے قتل کرنا مستوجب قصاص ہے۔

واضح ہو کہ دونوں اقوال کے مطابق قتل عمد کے مشابہ جرم کا ارتکاب معصیت ہے کیونکہ بہر حال یہ قتل اس کے ہاتھ سے ہوا گو ارادہ محض چوٹ پہنچانے کا تھا، اس پر کفارہ دینا واجب ہے اور اس آلے کے پیش نظر جس سے قتل ہوا اس کو قتل خطا قرار دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے "ومن قتل مومناً خطأ فتحرير رقبة مؤمنة" (یعنی اگر کسی نے غلطی سے مسلمان کو قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا لازم ہے) اور بدیں جہت کہ یہ قتل خطا کے مشابہ عمل ہے تاوان کے ذمہ دار پر بھاری تاوان عائد ہوگا جس کی مقدار ایک سو (۱۰۰) شتر ہے جن میں سے چالیس اونٹنیاں گیابھن ہوں، تاوان کی ادائیگی تین سال کے اندر کی جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ ہے کہ انہوں نے ادائے خون بہا کے ذمہ دار کو ادائیگی کے لیے تین سال مدت مقرر فرمائی تھی جس سے تمام صحابہ نے بلا اختلاف احدے اتفاق فرمایا تھا۔ پس یہ فیصلہ گویا ایسا ہے جیسے آنحضرت ﷺ سے روایت ہو کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ انسان اپنی رائے سے نہیں کر سکتا۔ (ایسا کرنے سے ورثاء کی) محرومی کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ قتل کے خون بہا کا معاملہ ہے۔ اور اشتباہ کی صورت میں قصاص ساقط ہو جاتا ہے البتہ میراث سے محرومی نہیں ہوتی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الا ان قتيل الخطاشبه العمد، قتيل السوط، او العصاء فيه مائة من الابل منها اربعون في بطونها اولادها" (یعنی یاد رہے کہ غلطی کا قتل، قتل عمد کے مشابہ ہے۔ مثلاً کوڑا کھانے یا سوٹی کے زخم سے کوئی مر جائے تو اس کا خون بہا ایک سو شتر ہے جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے پیٹ میں بچے ہوں)۔

Marfat.com

امام احمد نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے اور باپ نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "قتل شبه العمد مغلظ، مثل قتل العمد، ولا يقتل صاحبه، وذلک ان ينزو الشيطان بين الناس فتكون دماء في غير ضغينة، ولا حمل سلاح" (یعنی وہ قتل جو قتل عمد کے مشابہ ہو اس کا خون بہا قتل عمد کے خون بہا کی طرح گرانقدر ہوتا ہے اس میں مجرم کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ بات یہ ہے کہ شیطان چھپ کر لوگوں میں در آتا ہے اور بغیر کسی عداوت کے اور بغیر اسلحہ بندی کے قتل ہو جاتا ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ڈنڈے یا چھوٹے پتھروں کے ساتھ مارنے سے بھی قتل عمد ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ قتل شبہ عمد (یعنی قتل عمد کے مشابہ جرم) کیا ہے ان اصحاب کے نزدیک قتل کی صرف دو قسمیں ہیں، قتل عمد اور قتل خطا: قتل خطا تو یہ ہے کہ حادثاتی طور پر (یعنی اتفاق سے) یا غیر مکلف انسان (جس پر احکام شرعیہ عائد نہیں ہوتے) کے ہاتھوں یا ارادۂ قتل کے بغیر (کسی حرکت سے) قتل واقع ہو جائے، یا ایسی شے کی ضرب سے جان جاتی رہے، جس سے بالعموم جان نہیں جاتی مثلاً کوڑا مارنا۔ (مگر اس سے قتل واقع ہو جائے تو) اس میں قصاص عائد نہ ہوگا البتہ خون بہا واجب ہو گا۔ اس کے علاوہ قتل کی اور صورتیں قتل عمد ہیں۔ کیونکہ جس طرح دوسرے امور میں عمد کو خطا سے کوئی نسبت نہیں ہے اسی طرح یہ عمل بھی ہے۔ اور قتل خطا کے مشابہ یہ جرم ہے کہ قتل کا ارادہ تو ہو لیکن طریق کار میں غلطی کرے، یا کسی کو (بہ ارادۂ قتل) تازیانہ سے مارے جس سے بالعموم قتل واقع نہیں ہوتا یا ہاتھ سے مکا (گھونسا) مارے یا زور سے تھپڑ مارے (اور قتل واقع ہو جائے) ان تمام صورتوں میں قصاص عائد ہوگا۔ تاہم اگر بانس کی لاٹھی سے عمداً مارا یا تازیانہ مارا جس سے بالعموم قتل واقع نہیں ہوتا یا کسی بھاری شے مثلاً پتھر وغیرہ سے مارا، یا گلا گھونٹا یا بھوکا پیاسا رکھے، یہاں تک کہ موت آجائے اور ارادہ مار ڈالنے ہی کا رہا ہو تو اس پر قصاص عائد ہوگا لیکن اگر محض سزا دینا پیش نظر تھا (اور موت واقع ہو گئی) تو خون بہا واجب ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں: قتل عمد، قتل خطا اور جرم مشابہ بقتل عمد، ان تینوں اقسام قتل میں سے صرف قتل عمد میں قصاص واجب ہوتا ہے۔ قتل عمد یہ ہے کہ ایک شخص قتل کرنے کے لیے ایسی چیز کو استعمال کرے جس سے بیشتر حالات میں قتل واقع ہو جاتا ہے۔ یعنی آلۂ قتل زخمی کرنے والا ہو یا بھاری (کچلنے والا) ہو۔

ان کا کہنا ہے کہ قتل کے متعلق احکام کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: واجب، حرام، مکروہ، مستحب اور مباح۔

اول قتل واجب اس صورت میں ہے جبکہ کوئی مسلمان مرتد (دین اسلام سے برگشتہ) ہو جائے اور توبہ نہ کرے یا کوئی حربی (جو مسلمانوں سے برسر پیکار) ہو اور اسلام نہ لائے یا جزیہ نہ دے۔

دوم قتل حرام کسی بے قصور کو (جو مستوجب قتل نہ ہو) ناحق قتل کرنا ہے

سوم قتل مکروہ یہ ہے کہ غازی (مجاہد) اپنے قرابت دار کافر کو قتل کر دے، درآنحالیکہ وہ شخص اللہ اور اس کے رسول کے حق میں بدزبانی نہ کرتا ہو۔

چوتھا قتل مستحب وہ ہے کہ مجاہد اپنے کافر قرابت دار کو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے حق میں بدزبانی کرتا ہو قتل کر دے۔

Marfat.com

پانچواں قتل مباح یہ ہے کہ امام (حاکم وقت) کسی قیدی کو جسے قتل کرنے کا وہ مجاز ہے قتل کر دے۔

رہا قتل خطا، سو وہ حلال ہے نہ حرام کیونکہ غلطی سے کسی کو قتل کرنے والے سے بھول چوک میں جو فعل سرزد ہو گیا اس میں اس شخص کو غیر مکلف (یعنی غیر ذمہ دار یا نا قابل باز پرس) قرار دیا جائے گا اور وہ فعل ایسا ہی ہے جیسے کسی دیوانے یا حیوان سے سرزد ہوا ہو پس اگر ایسے اشخاص سے بلا ارادہ کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا جس سے کوئی شخص مر گیا، یا کسی نے درخت (کے کسی جانور) پر نشانہ لگایا اور غلطی سے کوئی شخص نشانہ بن گیا تو یہ قتل خطا (یا قتل بے ارادہ) ہے۔ اور اگر ایسی شے سے نشانہ بنایا جس سے بالعموم قتل واقع نہیں ہوتا (اور قتل ہو گیا) تو یہ قتل مشابہ بہ قتل عمد ہے، اس میں کسی کو کوڑے یا لکڑی سے مارنا داخل ہے، اور اگر ایسی جگہ پر سوئی بھی چبھوئی جہاں چبھونے سے موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ قتل عمد ہوگا۔ ہاں ایسی جگہ چبھونا جہاں چبھونے سے ضرر نہیں ہوتا مثلاً سخت کھال میں (اور اچانا موت واقع ہو گئی) تو بہر حال اس پر کوئی جرم عائد نہ ہوگا۔

اگر کسی کو حبس میں رکھا اور اسے کھانے پینے اور ضروریات کچھ بھی مہیا نہ کی گئیں یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اب دیکھنا ہوگا کہ اگر مرنے والے کو اتنے عرصہ تک جس میں رکھا جس میں بغیر کھائے پیے موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ قتل عمد ہوگا، بصورت دیگر اگر وہ شخص پہلے سے بھوکا پیاسا نہیں تھا تو یہ قتل مشابہ بہ قتل عمد متصور ہوگا۔ اگر وہ شخص کچھ بھوکا پیاسا تھا اور حبس میں رکھنے والے کو اس کی یہ کیفیت معلوم تھی اور اس کے حبس میں رکھنے کی مدت اتنی تھی کہ اگر اس مدت کو اس کی سابقہ بھوک پیاس کی مدت سے ملا کر دیکھا جائے کہ اس قدر عرصہ بنتا ہے جس میں انسان مر جاتا ہے تو یہ بھی قتل عمد ہوگا۔ کیونکہ اس سے عیاں ہے کہ اسے بند رکھنے کا مقصد ہلاک کرنا تھا۔ اگر بھوک پیاس کی دونوں مدتیں (یعنی حبس سے پہلے اور حبس کے بعد کی) ملا کر اتنا عرصہ نہیں بنتا جس میں انسان مر جاتا ہے تو اس کی بابت وہ صورت تصور کی جائے گی جیسے حبس سے بیشتر اسے (بھوک پیاس) کچھ نہ تھی (لہٰذا یہ شبہ عمد کی مانند ہے) نیز اگر حبس میں رکھنے والے کو اس شخص کا حال معلوم نہ ہو (کہ یہ بھوکا پیاسا ہے یا نہیں) اور (حبس میں رکھنے سے) وہ مر جائے تو یہ بھی شبہ عمد (جرم مشابہ بقتل عمد) قرار دیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو حبس (بیجا) میں رکھ کر کھانے پینے کی چیزوں سے محروم رکھا، یہاں تک کہ وہ اس کی وجہ سے مر گیا۔ یا اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، تو ان تمام صورتوں میں اس شخص پر قصاص عائد ہوگا۔ بشرطیکہ جان سے مارنے کے لیے یہ کچھ کیا ہو۔ یا جانتا ہو کہ اس طرح وہ مر جائے گا۔

اگر ایک شخص نے کھانے پینے کی چیز میں کسی کو زہر دے دیا جس سے موت واقع ہو گئی تو اس شخص پر قصاص عائد ہوگا۔ چنانچہ یہ اصحاب بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس اس کی اپنی ضرورت سے زیادہ پانی تھا اور ایک مسافر کو نہ دیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ایسی حالت میں پانی کا نہ دینا امر حرام ہے اور اگر اس نے پینے کو پانی نہ دیا تو وہ پیاس سے مر جائے گا (اور فی الواقع وہ مر گیا) تو ایسے شخص کو اس کے بدلے قتل کر دیا جائے گا۔ اگرچہ اس نے اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا۔

بھاری چیز سے ہلاک کرنے، ڈبونے یا جلا دینے کا بیان

اگر ایک شخص نے کسی کو بھاری شے مثلاً پتھر وغیرہ سے مارا اور وہ پتھر ہلاک کرنے والی جگہ پر لگا یا نہ لگا ہو لیکن اس کی دہشت سے مر گیا بایں طور کہ چوٹ کھا کر یا زخمی ہو کر بے ہوش گر پڑا اور اسی حالت میں اٹھا کر لایا گیا اور مر گیا تو مارنے والے سے قصاص لیا جائے گا اس کے لیے مقتول کے وارثوں سے قسم لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ سمجھا جائے گا

Marfat.com

کہ گویا اسے مردہ حالت میں اٹھایا گیا ہے اور اگر ہلاک کرنے والی جگہ پر چوٹ نہیں لگی تھی اور چوٹ کھانے یا زخمی ہونے کے بعد اسے آرام ہو گیا تھا اور بعد میں موت واقع ہوئی تب بھی اس سے قصاص لیا جائے گا بشرطیکہ اس کے وارث قسم کھالیں (کہ اس کی موت کا سبب وہی تھا) اسی طرح اگر ایک شخص نے عداوت کی بناء پر یا بغیر عداوت کے کسی بے قصور کو جو تیرا کی سے واقف نہ ہو نہر میں دھکا دے دیا یا عداوت کی بناء پر تیرنا جاننے والے کو دھکا دیا اور وہ ڈوب گیا تو بہر دو صورت قصاص واجب ہوگا۔ اگر عداوت سے ایسا نہیں کیا بلکہ ہنسی مذاق میں ایسی حرکت کی تو خون بہا لازم ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مجرم کو اس شخص کی بابت معلوم ہو کہ وہ اچھی طرح تیرنا جانتا ہے یا اسے معلوم ہو کہ وہ تیرنا نہیں جانتا۔ اگر اسے یہ نہیں معلوم (کہ وہ تیرنا جانتا ہے یا نہیں جانتا) اور عداوۃً اس نے ایسی حرکت کی تو قصاص، اگر مذاق کے طور پر کیا تو خون بہا لازم ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کسی کو ہلاک کرنے کی تدبیر کی مثلاً گڑھا کھودا اور وہ نظر آرہا تھا تاہم وہ شخص جسے وہ ہلاک کرنا چاہتا تھا اس میں گر پڑا۔ یا کوئی شے پھسلواں اس کے پاس رکھ دی یا کوئی خونخوار کتا پیچھے لگا دیا اور وہ شخص کنوئیں (یا گڑھے) میں گر کر فوری طور پر یا بعد میں ہلاک ہو گیا تو ایسی تدبیر کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا اگر اس کارروائی میں اس شخص کے علاوہ جس کو ہلاک کرنا تھا کوئی اور شخص ہلاک ہو گیا۔ یا محض ایذا رسانی کے لیے (کسی کے خلاف) ایسی کوئی تدبیر کی تھی اور کوئی (بے تعلق شخص) اس میں گر کر ہلاک ہو گیا اور وہ بے قصور مستوجب قتل نہ تھا تو اس کا خون بہا اس شخص پر عائد ہوگا۔ لیکن اگر اس کنوئیں کے کھودنے کی غرض ضرر رسانی نہ تھی تو اس پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا اور وہ خون رائگاں جائے گا۔

اگر ایک شخص نے کسی بے قصور کو زہریلی شے دے دی یہ جانتے ہوئے کہ یہ زہر ہے اور اس نے بے خبری میں اسے کھالیا اور مر گیا تو قصاص واجب ہوگا۔ لیکن اگر کھانے والے کو یہ معلوم تھا کہ اس کھانے میں زہر ہے اور پھر بھی کھایا اور مر گیا تو یہ خودکشی میں شمار ہوگا اور اگر کھانے کو پیش کرنے والے کو کھانے میں زہر ہونا معلوم نہ تھا تو یہ قتل خطا ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی پر زندہ سانپ پھینکا اور اس سے وہ مر گیا۔ گو سانپ نے ڈسا نہ ہو بلکہ وہ شخص دہشت سے ہلاک ہو گیا ہو تو پھینکنے والے پر قصاص عائد ہوگا۔ لیکن اگر وہ سانپ مرا ہوا تھا تو خون بہا واجب ہوگا۔ اگر وہ سانپ کا بچہ ہو اور ڈسنے والا نہ ہو اور یہ حرکت اس نے بطور مذاق کی ہو تو خون بہا واجب ہوگا۔ ہاں عداوت سے ایسا کیا تو قصاص عائد ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کسی کی طرف ہتھیار، توپ، بندوق یا خنجر وغیرہ سے اشارہ کیا اور جس کی طرف اشارہ کیا وہ اسے دیکھ کر اشارہ کرنے والے سے بھاگ گیا کہ مبادا وہ اسے پکڑ لے کیونکہ اس شخص کے ساتھ اس کی عداوت ہے اور بغیر گرے ہوئے اس کی جان نکل گئی تو وارثوں کے قسم کھائے بغیر اس پر قصاص عائد ہوگا۔ اگرچہ اس شخص نے قاتلانہ حملہ نہ کیا ہو۔ اگر (ڈر سے) بھاگتے ہوئے وہ گر گیا اور گرنے سے ہلاک ہو گیا تو وارثوں کے قسم کھا لینے پر قصاص واجب ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی موت گرنے کے صدمہ سے ہوئی ہو اور (ہتھیار وغیرہ کا) اشارہ عداوت کی بناء پر نہیں تھا۔ اگر وہ شخص بھاگا نہیں بلکہ (محض ڈر سے) مر گیا تو یہ قتل خطا ہوگا اور خون بہا کے ذمہ دار پر پنج گنا خون بہا عائد ہوگا اور اگر بھاگنے والے اور اشارہ کرنے والے میں عداوت نہیں تھی تو یہ قتل خطا قرار پائے گا اور اس کے بموجب خون بہا واجب ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ (موت کا) موجب بننے سے بھی قصاص واجب ہو جاتا ہے چنانچہ اگر دو اشخاص کی

Marfat.com

شہادت پر قصاص میں کسی کو قتل کر دیا گیا اور بعد میں وہ دونوں اپنی شہادت سے مکر گئے اور کہنے لگے کہ ہم نے دانستہ جھوٹی گواہی دی اور ہم جانتے تھے کہ ہماری گواہی کی بناء پر اس شخص کو قتل کر دیا جائے گا یا ہماری گواہی پر اس کا عضو بدن کاٹ دیا جائے گا تو ان دونوں گواہوں پر قصاص عائد ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے ایسا سبب بنایا جس کے نتیجہ میں اکثر مجرم مستوجب قتل ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ فعل عملی جبر کے مشابہ ہے لیکن اگر (مقتول کا) ولی یہ اعتراف کرلے کہ اسے معلوم تھا کہ دونوں گواہ جھوٹ بول رہے ہیں تو ان پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس شخص کے قتل کا انحصار عملاً نہ شرعاً ان گواہوں پر نہیں تھا۔ البتہ گواہوں کا بیان اس کے لیے ایک قوی شرط ضرور ہے۔ پس ولی پر قصاص عائد ہوگا، لیکن اگر مقتول کے ولی نے یہ کہا کہ مجھے ان گواہوں کا جھوٹ بعد میں معلوم ہوا تو گواہوں پر قصاص عائد نہ ہوگا۔

اگر کسی شخص نے زہر ہلاہل ملے ہوئے کھانے کی ضیافت کی اور ایسے کھانے کو نا سمجھ بچے یا جنون زدہ شخص نے کھا لیا اور اس کے اثر سے موت واقع ہوگئی تو اس شخص پر حکم قصاص عائد ہوگا اور اگر اس شخص نے کسی عاقل و بالغ شخص کی ضیافت کی اور مہمان کو کھانے کے وقت یہ معلوم نہ تھا کہ اس میں زہر ہے تو مجرم پر خون بہا عائد ہوگا، قصاص عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ مہمان نے اسے اپنی مرضی سے کھایا۔ اس پر کسی نے اصرار نہیں کیا تھا۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قصاص واجب ہو جائے گا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس یہودی عورت کو قتل کا حکم دیا تھا جس نے مہم خیبر کے وقت بکرے کے گوشت میں زہر ڈال کر دیا تھا اور اس کے کھانے سے بشیرؓ بن وائل بن معرور وفات پا گئے تھے۔ لیکن اگر مہمان کو کھانے کے وقت اس بات کا (کہ کھانے میں زہر ہے) علم ہو گیا (اور پھر بھی اسے کھا لیا) تو ضیافت کرنے والے پر مطلق کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ (مہمان کا جان بوجھ کر زہر آلود کھانا) خودکشی ہے۔

واضح ہو کہ جرم سے متاثر ہونے والے پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ جرم کے اثر کا دفعیہ کرنے کے لیے اس کا علاج کرے۔ چنانچہ اگر کسی زخم خوردہ شخص نے مہلک زخم کھا کر اس کا علاج نہ کیا اور اسی حالت میں مر گیا تو قطعی طور پر مجرم مستوجب قصاص ہوگا کیونکہ علاج بھی ہو تو زخم کے اثر سے بچ جانا یقینی امر نہیں ہے اور جراحت بجائے خود موجب ہلاکت ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی کو پانی میں دھکا دے دیا اور پانی اتنا نہ تھا جس میں انسان ڈوب جائے۔ جیسے پچھلی سطح کا پانی اور وہ شخص اس میں گر کر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا تو یہ خون رائگاں جائے گا اور اگر پانی گہرا تھا جس سے نکلنا بغیر تیرے ہوئے ممکن نہ تھا۔ لیکن وہ شخص تیرنا نہ جانتا ہو یا اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں یا وہ اپاہج ہو تو یہ فعل قتل عمد قرار پائے گا۔ اگر وہ شخص مثلاً تیر کر باہر آسکتا تھا لیکن کسی رکاوٹ کے باعث ایسا نہ کر سکا مثلاً طغیانی یا لہر کا زور ہوا اور اس وجہ سے وہ مر جائے تو یہ جرم قتل عمد کے مشابہ متصور ہوگا اور خون بہا عائد ہوگا۔ ہاں اگر اس شخص کے لیے ممکن تھا کہ ڈوبنے سے بچ جاتا لیکن اس نے اس کی کوشش نہ کی تو بخیال غالب مجرم پر خون بہا عائد نہ ہوگا

اگر ایک شخص نے کسی کو ایسی آگ میں ڈال دیا جہاں سے بچ کر نکل آنا ممکن تھا لیکن وہ شخص اسی میں پڑا رہا اور جل کر مر گیا تو اس پر خون بہا واجب ہونے کے بارے میں دو باتیں ہیں: کہا جاتا ہے کہ آگ میں ڈالنے کے جرم میں اس

Marfat.com

شخص پر خون بہا واجب ہوگا۔ بخلاف پانی میں دھکا دینے کے کہ آگ تو اس میں پڑتے ہی انسان کو جلا دیتی اور ہلاک کرنے والا زخم ڈال دیتی ہے لیکن پانی میں ایسا نہیں ہوتا۔ اگر ایک شخص نے کنواں کھودا اور کسی کو اس میں دھکا دے دیا اور اس میں دھکا دینے سے بالعموم جان جاتی رہتی ہے۔ کسی کو بلندی سے نیچے پھینک دیا اور اس کا خاتمہ ہو گیا۔ تو قاتل پر قصاص ہے پہلی صورت (آگ میں جلانے والا) اور دوسری صورت (کنوئیں) میں دھکا دینے والا تیسری صورت (بلندی سے گرا کر) ہلاک کرنے والا۔

اگر ایک شخص نے کسی کو گہرے پانی میں جہاں سے بچ کر نکلنا ممکن نہیں مثلاً گہرے سمندر میں ڈال دیا اور مچھلی نے اسے نگل لیا تو بقول غالب اس پر قصاص عائد ہوگا۔ کیونکہ اس کی ہلاکت کا سبب وہی شخص تھا۔ اس میں ہلاک ہونے کی کیفیت کو نہیں دیکھا جائے گا اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کسی کو ہلاک کرنے والے کنوئیں میں ڈال دیا جائے جس میں برچھیاں گڑی ہوئی ہیں اور گرنے والے کو اس کا علم نہیں ہے۔

واضح ہو کہ بقول ان اصحاب کے اس مسئلہ میں اختلاف کی گنجائش اس حال میں ہے جب کہ مچھلی اپنا منہ کھول کر اس شخص کو نگل نہ لے (یعنی اس صورت میں ممکن ہے کہ اس کی موت کا سبب مچھلی کو قرار دیا جائے) بصورت دیگر (سمندر میں پھینکنے والے پر) قطعی طور پر قصاص عائد ہوگا اور ایسا ہی موقع وہ بھی ہے جب کہ دھکا دینے والے کو معلوم نہ ہو کہ اس میں (نگل لینے والی) مچھلی ہے۔ اگر اس کا علم ہو تو قطعی طور پر قصاص واجب ہوگا۔ اسی طرح جیسے کسی کو شیر کی کچھار میں یا تیز رفتار ریل گاڑی کے آگے ڈال دے۔

اگر ایک شخص نے کسی کو ایسے پانی میں ڈال دیا جو گہرا نہیں تھا لیکن وہاں پر کسی مچھلی (یا دریائی جانور) نے اسے لقمہ بنا لیا۔ جس کی موجودگی کا علم پھینکنے والے کو نہ تھا تو قطعی طور پر قصاص عائد نہ ہوگا، کیونکہ اس کا ارادہ ہلاک کرنے کا نہیں تھا اور اس ہلاک کرنے والے جانور کا علم اسے نہیں تھا۔ یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص نے کسی کو ہلکا سا دھکا دیا اور وہ اس چھری پر جو وہاں پڑی ہوئی تھی اور جس کا علم دھکا دینے والے کو نہ تھا لیکن وہ شخص اس سے زخمی ہو کر ہلاک ہو گیا۔ ان دونوں صورتوں میں یہ جرم مشابہ بہ قتل عمد ہوگا اور اس پر خون بہا عائد ہوگا۔

اگر کسی جنون زدہ نے ایک شخص کے خلاف ہتھیار سونت لیا اور اس شخص نے (اسے آمادۂ قتل پا کر) اس پاگل کو قتل کر دیا تو اس پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ قتل حفاظت خود اختیاری کی بناء پر ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی بچہ ایک شخص پر ہتھیار لے کر پل پڑے اور وہ شخص اس بچے کو ہلاک کر دے تو اس پر الزام عائد نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس بچے کی ہلاکت کا سبب خود بچے کا اپنا فعل قرار پائے گا اور یہ صورت ایسی ہے جیسے کسی کو اقدام قتل پر مجبور کیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی جانور کسی پر اچانک آ پڑے اور وہ اس جانور کو جان سے مار دے تو اس پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ رات کا وقت ہو یا دن کا اگر ایک عاقل و بالغ شخص کسی پر ہتھیار سے حملہ کرنا چاہے یا رات کے وقت لاٹھی اٹھا لے یا دن کے وقت بستی سے دور (سنسان) راستے میں لاٹھی تان لے اور جسے مارنا چاہتا تھا اس نے اس شخص کو عمداً قتل کر دیا تو اس پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "من شھر علی المسلمین سیفاً

Marfat.com

فقد أطل دمه ''(جس نے مسلمانوں پر تلوار سونت لی اس کا خون بلا قصاص ہوگا) اور اس لیے بھی کہ ایسے شخص کو باغی قرار دیا جائے گا اور اس کی زندگی غیر محفوظ گردانی جائے گی اور جب کسی سے جان بچانے کا یہی طریقہ رہ جائے تو اسے قتل کرنا جائز ہے تاکہ اپنی جان کو شر سے بچایا جاسکے۔ ایسی حالت میں شر کو دور کرنا روا یا واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہتھیار کی ضرب کو روکا نہ جاسکے تو اسے ہٹانے کے لیے قتل کر دینا ضروری ہے۔ اگر چھوٹی سی لاٹھی (اس کے ہاتھ میں) ہو تو گو اس کو روکا جاسکتا ہے لیکن رات کے وقت جب مدد نہ مل سکتی ہوتی تو مجبوراً اس سے بچاؤ قتل کرنے ہی سے ہوسکتا ہے یہی صورت دن کے وقت شہر سے دور ایسے راستے کی ہے جہاں کوئی مدد نہ مل سکتی ہو یا بیابان ہو کہ وہاں ایسی صورت میں اس شخص کو قتل کر دیا جائے تو خون معاف ہے اور قاتل پر کوئی الزام نہ ہوگا۔

اگر ایک پاگل نے کسی شخص پر ہتھیار سونت لیا یا مال محفوظ کو جو مالک کا حق تھا تلف کرنے لگا اور اس شخص نے اپنے ارادہ سے اسے قتل کر دیا تو اس شخص پر خون بہا عائد ہوگا جو اس کے مال سے واجب الادا ہوگا کیونکہ اس نے ایک بے قصور کو، جس کا قتل جائز نہ تھا، قتل کیا یا (قتل نہیں تو تاوان لینے کی شکل میں) وہ مال ضائع کیا جو مالک کا حق تھا۔ واضح ہو کہ کسی جانور کا عمل مستوجب قتل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہی حال دونوں کا ہے۔ اگرچہ ان کی جان کا تحفظ ان کا حق ہے کیونکہ انھیں صحیح معنوں میں اپنے افعال پر اختیار نہیں ہے۔ بناء بریں اگر ان سے یہ فعل سرزد ہو تو ان پر قصاص واجب نہ ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کہ بالغ عاقل انسان سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو کیونکہ صحیح معنوں میں اس کا یہ فعل بالارادہ متصور ہوگا۔ اگر ایسے شخص کو عمداً ہتھیار سے قتل کیا جائے۔ تب بھی قصاص واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں وہ قتل حفاظت خود اختیاری کی بناء پر روا متصور ہوگا البتہ دیت (خون بہا) واجب ہوگی تاکہ ایک بے قصور مسلمان کا خون رائگاں نہ جائے۔

اگر ایک شخص نے دوسرے شخص پر ہتھیار سونت لیا اور اس شخص نے پہلے تو اسے مارا اور بعد میں قتل کر دیا تو قاتل پر قصاص عائد ہوگا۔ کیونکہ جب اسے مارا اور وہ باز آ گیا تو باز آ جانے کے باعث جنگ ختم ہوگئی اور (حملہ آور کو) اپنی جان بچانے کا حق حاصل ہوگیا (اور اس کا قتل ناروا ہوگیا)۔

اگر ایک شخص کسی کے ہاں رات کو گھس آیا اور مال چوری کر کے اٹھایا صاحب خانہ نے اس کا پیچھا کیا اور اپنا مال اس سے واپس لینے کے لیے اس کو قتل کر دیا تو قاتل پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے'' قاتل دون مالک '' (یعنی مالک مال ایسی صورت میں قاتل قرار نہ دیا جائے گا) پھر یہ بھی ہے کہ اگر پہلے ہی اسے قتل کر دے تو بغرض تحفظ مال یہ عمل روا ہوگا اور اگر اپنا مال واپس لینے کے لیے بعد میں قتل کیا تب بھی یہی حکم ہے، لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ (مال مسروقہ کی) واپسی بدون قتل ممکن نہ ہو۔

اگر کسی شخص نے مسلمانوں کے راستے میں کنواں کھود دیا یا پتھر رکھ دیا کہ ادھر سے گزرنے والا ہلاک ہو جائے تو اس شخص کے ذمہ داروں پر خون بہا عائد ہوگا اگر اس کی اس حرکت سے کوئی مویشی ہلاک ہو جائے تو اس کے مال میں سے اس کا تاوان واجب الادا ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل اس کی زیادتی تھی اور اس کے نتیجہ میں جو نقصان ہوا اسے بھرنا پڑے گا۔ بجز اس صورت کے جبکہ ادائے تاوان کا ذمہ دار مال کے عوض جان دینا گوارا کرے۔ رہا جانور کے نقصان کا تاوان سو خاص طور پر

Marfat.com

اس کے مال سے واجب الادا ہوگا۔ یاد رہے کہ راستے پر مٹی کا ڈھیر کر دینا یا مٹی کھود لینا ایسا ہی جرم ہے جیسے پتھر یا لکڑ کا راستے پر رکھ دینا۔ اگر کسی نے راستے پر جھاڑو دی یا چھڑکاؤ کیا اور اس سے کسی (آنے جانے والے کو) تکلیف پہنچی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس شخص نے راستے میں لا کر کچھ نہیں ڈالا، اس کا تو ارادہ یہ تھا کہ راستے پر سے تکلیف دہ اشیاء کو ہٹا دے۔ ہاں اگر راہ میں کوڑا کرکٹ جمع کیا اور کوئی انسان اس میں الجھ کر رہ گیا تو اس شخص کو اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ راستہ میں کوڑا کرکٹ جمع کرنا ظلم ہے۔

اگر ایک شخص نے راہ میں پتھر رکھ دیا اور کسی نے اسے وہاں سے ہٹا دیا جس کے باعث ایک انسان کو تکلیف پہنچی تو جس نے ہٹایا اس پر تاوان عائد ہوگا۔ کیونکہ جس ارادہ سے وہ پتھر رکھا گیا تھا اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اگر راستے میں چو بچہ (یعنی گٹر یا سیک) کھودا گیا اور حکومت نے اس کا حکم دیا تھا یا پہلے سے لوگوں کو بتا دیا گیا تھا۔ تاہم اس سے کسی کو نقصان پہنچا تو اس نقصان کا تاوان اس شخص پر عائد نہ ہوگا، کیونکہ یہ زیادتی نہیں ہے اس لیے کہ یہ حکم جس نے دیا اسے عوام کے حقوق کی نگہداشت کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر چو بچہ کا کھودنا یا اس کے اوپر سے ڈھکنا ہٹا دینا بغیر حکم کے ہوا تو یہ ظلم ہے اور اس حالت میں جو نقصان ہوگا اس کا ڈنڈ بھرنا پڑے گا یا تو اس لیے کہ اس نے مداخلت بیجا کی یا اس لیے کہ حاکم کی رائے کی خلاف ورزی کی یا اس کا ایسا کرنا اس حال میں روا ہے جبکہ وہ کام بے ضرر تھا۔ یہی حکم ان تمام ناجائز تصرفات کا ہے جو شارع عام پر کیے جائیں۔

اگر کسی نے اپنی زمین میں کنواں کھودا تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، کیونکہ اس میں کسی پر زیادتی نہیں کی گئی، یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کسی نے اپنے گھر کے میدان میں کھودا، یہ فعل اس نے اپنے گھر کی مصلحت کے پیش نظر کیا اور وہ اس میدان (یا صحن) کا مالک ہے۔

اگر کسی نے راستے میں گڑھا کھودا اور اس میں کوئی شخص گر پڑا اور بھوک پیاس سے مر گیا تو گڑھا کھودنے والے پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت کا سبب اس کی اپنی حالت (بھوک پیاس کی شدت) ہے۔ اس گڑھے کو اس موت کا موجب قرار نہیں دیا جائے گا ہاں اس صورت میں تاوان واجب ہوگا جبکہ محض گرنے کے باعث وہ مر جائے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر بھوک سے مرا تب تو اس کا یہی حکم ہے، ہاں اگر گرنے کی تکلیف سے مرا تو کھودنے والے کو اس کا ذمہ دار گردانا جائے گا۔ کیونکہ وہ تکلیف (جس کے باعث وہ ہلاک ہوا) اس کا سبب گڑھے میں گرنے کے سوا نہیں ہے، ہاں بھوک ایسی شے ہے جو کنوئیں میں گرنے پر منحصر نہیں ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں ان تمام صورتوں میں گڑھا کھودنے والے ہی کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا کیونکہ گڑھے میں گر پڑنے کا باعث ہی اسے بھوکا (پیاسا) رہنا پڑا، اگر نہ گرتا تو خوراک اسے مل ہی جاتی۔

اگر کسی شخص نے اجرت پر مزدوروں کو کنواں کھونے کے لیے لگایا اور انہوں نے اس کے لیے ایسی جگہ پر کنواں کھودا جس کا وہ شخص مالک نہ تھا (اور اس میں گرنے کا واقعہ پیش آیا) تو تاوان کا ذمہ دار صرف وہ شخص ہوگا جس نے مزدور لگائے، اور اگر مزدوروں کو معلوم تھا (کہ یہ پرائی زمین ہے) تو مزدوروں پر تاوان عائد ہوگا۔ کیونکہ اس شخص کو ایسی بات کے لیے حکم دینے کا حق ہی نہیں ہے جس کا اسے اختیار نہ تھا۔ اور یہ بھی نہیں کہ اس میں دھوکا ہوا ہو۔ ان اصحاب کا یہ قول بھی ہے کہ اگر کسی بچے یا بالغ کو سمندر میں ڈال دیا تو اس پر قصاص (خون کا بدلہ خون عائد نہ ہوگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

Marfat.com

ہے "الا ان قتیل خطا العمد قتیل السوط والعصا" (یعنی یادرکھو کہ اگر کوئی کوڑا لگنے یا چوبدستی سے ہلاک ہوجائے تو وہ جرم خطائے عمد ہے) پس اس جرم میں اور غلطی سے قتل واقع ہوجانے میں صرف تاوان عائد ہوگا۔ اور اس لیے بھی کہ ایسا آلہ جو نہ قتل کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہو اور نہ اس کے لیے بنایا گیا ہو اسے بارادہ قتل استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا یہاں یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ ارادہ قتل نہ تھا۔ حالانکہ قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے (یعنی جس طرح قصداً قتل کیا اسی طرح قصداً پھانسی ملنی چاہیے) اور محاورہ میں بولتے ہیں "اقتص اثرہ" (یعنی فلاں شخص نے فلاں کی روش اختیار کی)۔

یہ اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو آگ میں جلا کر ماردیا تو اس سے ویسا ہی قصاص لیا جائے گا جو تلوار سے قتل کرنے کا ہے یہی حکم نوکدار لوہے یا لوہا لگی ہوئی لکڑی یا دھاردار پتھر سے قتل کرنے کا ہے کہ ان سب صورتوں سے تلوار سے قتل والا قصاص عائد ہوگا کیونکہ یہ قتل عمد ہے۔

پھر یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کسی نے خود اپنا سر پھوڑ لیا اور کسی نے زخمی کردیا اور اسے شیر نے پھاڑ کھایا اور یا سانپ نے ڈس لیا اور ان تمام باتوں سے موت آگئی تو اس اجنبی شخص پر ایک تہائی خون بہا عائد ہوگا: کیونکہ شیر اور سانپ کے معاملہ کی تو ایک ہی حیثیت ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں حیثیت سے رائگاں ہے۔ (یعنی نہ اس کی یہاں پرسش نہ وہاں پرسش) اور خود اپنے آپ کو زخمی کرنا دنیا میں رائیگاں ہے۔ (کہ اس پر کوئی کارروائی نہ ہوگی) البتہ یہ آخرت کا جرم ہے اور اس کا گناہ ہوگا۔ چنانچہ ایسے شخص کو ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غسل دیا جائے گا، اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن امام ابویوسف کے نزدیک غسل تو دیا جائے گا کہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ اس نے خود کو زخمی کرکے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور اس اجنبی شخص کا عمل دنیا اور آخرت دونوں جگہ قابل مؤاخذہ ہے، اس طرح (قتل کے اسباب میں) تین باتیں جمع ہوگئیں۔ لہٰذا تیسرا سبب پورے عمل کے ایک تہائی کا ذمہ دار ہوگا لہٰذا اس پر ایک تہائی خون بہا عائد ہوگا۔

زخم کے اثر سے موت واقع ہوجانے کا بیان

ائمہء فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو اراداتاً زخمی کردیا اور زخمی ہونے کے بعد وہ شخص مسلسل بیمار رہا یہاں تک کہ اس زخم کے اثر سے وہ مرگیا تو زخمی کرنے والے پر قصاص عائد ہوگا، کیونکہ اس کی موت کا سبب وہی تھا یعنی اس کے جسم کا خون مسلسل اور عمداً بہانا، پھر کوئی ایسی بات بھی پیش نہیں آئی جو اس جرم کو باطل کرتی ہو مثلاً معافی دینا یا ارتکاب جرم میں شبہ کا ہونا۔ جس سے جرم کی سزا سے درگزر کرنا واجب ہوجائے، لہٰذا بہرحال اس جرم کو اس شخص سے منسوب کیا جائے گا۔

اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب خون کے بدلے خون کا سوال ہو، کہ قتل عمد کی پاداش میں قصاص کا حکم نافذ کیا جائے تو آزاد کے بدلے آزاد کو، غلام کے بدلے غلام کو، عورت کے بدلے عورت کو، ذمی کے بدلے ذمی کو اور پناہ گیر کے بدلے پناہ گیر کو (سزائے قتل ہوگی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کتب علیکم القصاص فی القتلٰی، الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثی بالانثی" (یعنی لوگو تم پر قصاص یا خون کا بدلہ خون فرض ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت) اس آیت میں ہم نوع قاتل ومقتول کا ذکر ہے یہ نہیں بتایا گیا کہ ایک نوع کا شخص دوسری نوع کے شخص کو قتل کرے تو کیا حکم ہے، اس اجمال کو اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں دور فرمادیا ہے "وکتبنا علیھم فیھا ان

Marfat.com

النفس بالنفس ''(یعنی ہم نے اس میں یہ فرض کر دیا ہے کہ جان کے بدلے جان ہے) اس کی مزید تفصیل ان واقعات سے ہوتی ہے کہ: ایک یہودی کو ایک عورت کے قتل کرنے پر قتل کیا گیا، اس عورت نے غزوہ خیبر کے ایام میں، آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی کو کھانے میں زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔

کافر کو قتل کرنے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کم درجہ کا آدمی اونچے درجہ کے آدمی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا مثلاً کوئی ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم باشندہ) ایک مسلمان کو قتل کر دے یا ایک آزاد اہل کتاب کسی مسلمان کو قتل کر دے (تو اسے قتل کر دیا جائے گا) کیونکہ مسلمان ہونے کو آزاد ہونے پر برتری حاصل ہے لیکن اگر اعلیٰ رتبہ کا آدمی ادنیٰ رتبہ کے آدمی کو قتل کر دے تو قاتل کو سزائے قتل نہیں دی جائے گی۔ مثلاً کافر کو قتل کر دینے پر مسلمان کو سزائے قتل نہ ہوگی یا آزاد اہل کتاب کے قتل کرنے پر مسلمان غلام کو قتل نہیں کیا جائے گا، نیز عورت کو قتل کرنے پر مرد کو سزائے قتل نہ ہوگی، بشرطیکہ قاتل آزاد ہونے یا مسلمان ہونے کے باعث مقتول پر برتری نہ رکھتا ہو، اور مریض کو قتل کرنے پر تندرست کو سزائے قتل ہوگی ہر چند کہ مریض آمادہ بمرگ اور ہلاکت کے قریب ہو۔ اسی طرح ناقص الاعضاء جس کے اعضاء میں عیب ہو مثلاً لولا لنگڑا یا بہرا، اندھا اگر کوئی تندرست صحیح الاعضاء اسے قتل کر دے تو اسے سزائے قتل دی جائے گی۔ فقہاء نے اس مسلک کے ثبوت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ قیس بن عبادۃ الاشقر نے حضرت ممدوح سے عرض کیا ''ھل عھد الیہ رسول ﷺ عھداً لم یعھدہ الی الناس؟ قال لا الاما فی کتابی ھذا، واخرج کتاباً من قراب سیفہ، فاذا فیہ: المؤمنون تتکافأ دماؤ ھم، ویسعی بذمتھم اداناھم، وھم یدعلی من سوا ھم، ولا یقتل مؤمن بکافر، ولا ذوعھد فی عھدہ لواحدث حدثاً، او آوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ، والناس اجمعین ''بروایت ابوداؤ (یعنی قیس بن عباد اشقر نے حضرت ممدوح سے عرض کیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے انہیں کوئی ایسی بات کہی ہے جو لوگوں کو نہیں کہی فرمایا ''نہیں'' سوا اس کے جو میری اس تحریر میں ہے، آپ نے اپنی تلوار کی میان سے ایک تحریر نکالی جس میں یہ درج تھا کہ (مسلمانوں کے خون باہم مساوی ہیں، ادنیٰ رتبہ کا مسلمان بھی اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے، مسلمانوں کو دوسرے تمام انسانوں پر بالادستی حاصل ہے۔ چنانچہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور، نہ معاہد کو بدوران عہد، اگر کسی نے ایسی واردات کی یا واردات کرنے والے کو پناہ دی اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے) اور یہ بھی ہے کہ حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اس کے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''لا یقتل مؤمن بکافر'' (یعنی قتل کافر کے عوض مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا)۔

حضرت ابوحنیفہؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا ''ھل عند کم شیٔ من الوحی غیر القرآن؟ قال: لا، والذی فلق الحبۃ، وبرا النسمۃ، الا فھم یعطیہ اللہ تعالیٰ رجلاً فی القرآن الکریم، وما فی ھذہ الصحیفۃ، قلت وما فی ھذہ الصحیفۃ قال: العقل وفکاک الاسیر، وان لا یقتل مسلم بکافر ''(یعنی آیا آپ لوگوں کے پاس قرآن کے علاوہ بھی کوئی وحی ہے۔ فرمایا اس

Marfat.com

ذات کی قسم ہے جس نے بیج کو پھاڑا اور نسیم کو پیدا کیا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے سوا اس فہم قرآن کریم کے جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا فرمائی اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا خون بہا اور قیدی کی رہائی اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا) بروایت بخاری۔ اس کا اخراج ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے کیا۔

اس کے علاوہ ان اصحاب نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی مسلمان کو اس حربی کے قتل پر جس کی جان بخشی کی گئی ہو اور وہ مسلمانوں کی پناہ میں ہو۔

فقہاء کا کہنا ہے کہ ایک ذمی (کے قتل) کے بدلے مسلمان کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ بجز اس صورت کے جبکہ قاتل نے اسے لٹا کر ذبح کیا ہو یا اگر دھوکا دے کر مارا اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا ہو۔ ایسی صورت میں (سزا کے لیے) شرائط سابقہ ضروری نہ ہوں گی بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس میں راضی نامہ یا معافی نہیں ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ (قصاص کے لیے) قاتل اور مقتول کے درمیان مماثلت اور صفات میں مساوات شرط ہے۔ یعنی قاتل کو اسلام، امان، آزادی، بنائے نسل اور آقا (یعنی مالک یمین) کی حیثیت سے مقتول پر برتری حاصل نہ ہو۔ ایسی صورت میں جرم کی اہمیت کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ لہٰذا اگر مسلمان کسی ذمی یا اہل کتاب کو قتل کر دے تو اسے سزائے قتل نہ ہوگی گو قاتل شادی شدہ زانی ہونے کے باعث (مستوجب رجم ہو) یا قصداً تارک صلوٰۃ ہو۔ اور بخاری رحمہ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا' **لا یقتل مسلم بذمی** " (یعنی مسلمان کو ذمی (غیر مسلم رعایا) کے قتل پر سزائے موت نہیں دی جائے گی)۔

ابن منذر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کوئی ایسی روایت مروی نہیں ہے جو اس کے خلاف ہو، جان کے علاوہ کسی اور جرم کے عوض کافر کو مسلمان سے تاوان لینے کا حق نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ ابن عبدالبر کہتے ہیں تو جان لینے کا بدرجہ اولیٰ حق نہ ہوگا اور حدیث مذکورہ بالا متقاضی ہے کہ اس کے مفہوم میں جملہ اقسام کے کافر کو شامل کیا جائے۔ لہٰذا من مانے طور پر مخصوص قسم کے کافر (یعنی کافر حربی) مراد لینا جائز نہیں ہے۔ اس لیے بھی کہ اگر اس کا مفہوم وہی لیا جائے جو حنفی لیتے ہیں تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یوں کہنا پڑے گا' **لا یقتل المسلم اذا قتل کافراً حربیاً** " (یعنی اگر مسلمان برسرپیکار کافر کو قتل کرے تو اس مسلمان کو سزائے قتل نہ ہوگی) اب ظاہر ہے کہ ایسے کافر کو قتل کرنا عبادت ہے، یہ بات کب عقل میں آتی ہے کہ ایسے شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

ایک ذمی (غیر مسلم رعایا) کو کسی مسلمان کے قتل کرنے کے بدلے سزائے قتل دی جائے گی کیونکہ مسلمان کا رتبہ زیادہ ہے۔ اگر مختلف مذاہب کے ذمی ہوں تو ایک کے قتل پر دوسرے کو سزائے قتل ہوگی مثلاً کوئی یہودی عیسائی کو قتل کر دے۔ اگر کوئی ذمی اپنے جیسے ذمی کو قتل کر دے اور پھر مسلمان ہو جائے تو قصاص ساقط نہ ہوگا کیونکہ ارتکاب جرم کے وقت دونوں ایک جیسے تھے اور سزا کے لیے جرم کی اہمیت کا تعین وقت ارتکاب کے پیش نظر کیا جاتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ارتکاب جرم کے بعد مجرم کیسا ہو گیا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ مرد کو عورت یا مخنث کے قتل کرنے پر سزائے موت ہے یہی حکم اس کے برعکس ہونے کا ہے۔ اسی طرح جاہل کے بدلے عالم کو اور کمین کے بدلے شریف کو اور جوان کے بدلے بوڑھے کو یا اس کے برعکس ہو تو مجرم کو سزائے قتل ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے مراسلہ میں جو انہوں نے اہل یمن کو بھیجا تھا تحریر فرمایا' **ان الذکر یقتل**

Marfat.com

بالانثی" (یعنی مرد عورت کا قاتل ہو تو اسے سزائے قتل ہے) بروایت نسائی۔ نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "المؤمنون تتکافأ دماؤهم، ویسعی بذمتهم ادناهم، وهم ید علی من سواهم" (یعنی تمام مسلمانوں کے خون یکساں (محترم) ہیں۔ ادنیٰ درجہ کا مسلمان اپنے حق کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ البتہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے اشخاص پر مسلمانوں کو بالادستی حاصل ہے)۔

اگر ایک ذمی نے دوسرے ذمی کو زخمی کر دیا پھر زخمی کرنے والا مسلمان ہو گیا اس کے بعد وہ مجروح زخم کے اثر سے وفات پا گیا تو وہ قصاص (خون کا بدلہ خون) جو اس پر عائد ہوا ہے وہ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ جس وقت اس نے وہ زخم پہنچایا تھا جس کے اثر سے مجروح ہلاک ہوا اس وقت دونوں کی حیثیت یکساں تھی۔ اسی طرح اگر مقتول زخمی ہونے کے وقت یا زخم کھانے کے بعد مسلمان ہو گیا تو اس کے کافر ورثاء مطالبۂ قصاص کا حق نہیں رکھتے۔ البتہ اس کی جانب سے حاکم مطالبہ قصاص کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا وارث دعویٰ کرے۔ اگر وارث مطالبہ نہ کرے تو امام کو قصاص لینے کا حق نہیں ہے اور آزاد شخص کو کسی مملوک کے قتل پر سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ ملکیت میں آیا ہوا غلام، مکاتب (وہ غلام جسے ایک خاص رقم کے عوض پروانۂ آزادی کا وعدہ کیا گیا ہو) اور ام ولد (وہ لونڈی جس سے اولاد ہو گئی ہو، ان میں سے کوئی ایک اگر دوسرے کو قتل کر دے اور قتل کرنے یا جراحت رسانی کے بعد قاتل کو آزاد کر دیا جائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمان ہو جانا۔ یعنی سزائے قصاص ہرگز ساقط نہ ہوگی۔ مسلمان غلام کو یا آزاد شخص ذمی کو قتل کر دے تو قصاص کا سوال پیدا نہ ہوگا کیونکہ اسلام کو (کفر پر) برتری اور عزت حاصل ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو وہ مستوجب سزائے قتل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد ہے "الحر بالحر و العبد بالعبد و الأنثی بالانثی" (یعنی آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت) کا جو حکم ہے وہ عورت کے قتل پر مرد کو یا اس کے برعکس مرد کے قتل پر عورت کو قتل کا مستوجب قرار دینے کے منافی نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کیونکہ آیت میں جو خاص طور پر ہم نوع کے قتل کا ذکر ہے اس کا مقصد اس خیال کی تردید ہے کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کو (قصاص میں) قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یوں آئی ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں سے ایک دوسرے سے افضل ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، ان دونوں میں باہم کشت وخون ہوا افضل ہونے کا دعویٰ کرنے والے قبیلہ کا اصرار تھا کہ ہم میں سے جو عورتیں قتل ہوئی ہیں جب تک ان کے بدلے دوسرے قبیلے کے مردوں کو اور ہمارے غلاموں کے بدلے آزاد شخصوں کو قتل نہ کیا جائے ہم راضی نہ ہوں گے۔ لہٰذا ان کے مطالبہ کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں یکساں حیثیت کے باہم قتل کے متعلق احکام نازل ہوئے کہ آزاد شخص آزاد کو قتل کرے تو اس کا یہ حکم ہے کہ قاتل یا قاتلہ کو سزائے قتل دی جائے گی۔ اس آیت میں وہ مسائل نہیں بتائے گئے جس کا تعلق ایک نوع کے شخص کے دوسرے نوع کے شخص کو قتل کرنے سے ہے۔ پس یہ آیت اس خاص حکم کے بارے میں قطعی ہے۔ اس میں جو امر غیر واضح ہے اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں فرمائی ہے۔ "وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس" (یعنی ہم نے قرآن میں مسلمانوں کو جان کے بدلے جان کا حکم دیا ہے) اور مسلمان کا ذمی کے قتل کی پاداش میں قتل کرنا بھی جان کے بدلے جان لینا ہے۔ اس کی مزید وضاحت آنحضرت ﷺ نے اپنے طریق عمل سے فرما دی ہے کہ بقول مجاہد (حضور نے) ایک عورت قتل کرنے پر یہودی کو سزائے قتل دی۔

Marfat.com

حنفیہ کہتے ہیں کہ قصاص میں ایک ذمی (کی جان) بھی مسلمان (کی جان) کے برابر ہے۔ خون کا احترام دائمی ثابت شدہ امر ہے اور اسی طرح قابل احترام ہے جیسے مسلمان کا خون۔ پھر یہ کہ دونوں دارالاسلام (یعنی اسلامی حکومت) کے رہنے والے ہیں اور جس امر سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس مسلمان کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے جو کسی ذمی (غیر مسلم رعایا) کا مال چرائے۔ مال کی حرمت مالک مال کی حرمت کے ساتھ وابستہ ہے (یعنی مالک کی جان حرام ہے تو اس کا مال بھی حرام ہے)۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی یک چشم (کانا) یا لنجا ایسے شخص کو قتل کر دے جس کے اعضاء سالم ہیں تو مقتول کے وارث کو یہ حق نہیں ہے کہ قاتل کو قتل کر دے اور نصف خون بہا بھی وصول کرے اس بناء پر اس نے دو آنکھوں والے کو قتل کیا حالانکہ وہ خود کانا تھا یا دو ہاتھوں والے کو قتل کیا حالانکہ وہ خود لنجا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک جان دوسری جان کے مساوی رتبہ رکھتی ہے۔ اسی طرح (جان کے معاملہ میں) بچہ بوڑھا برابر ہیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو محمد بن الحسن نے ابراہیم رحمہما اللہ سے روایت کی ہے ''ان رجلاً من المسلمین قتل رجلاً من اھل الذمۃ، فرفع ذلک الی رسول اللہ ﷺ فقال : انا احق من وفی بذمتہ، ثم امر بہ فقتل'' (یعنی ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پیش ہوا، حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس کی ذمہ داری قبول کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں، چنانچہ آپ نے حکم دیا اور اس مسلمان کو قتل کر دیا گیا)۔ پھر یہ بھی ہے کہ قصاص کی بنیاد تحفظ حق میں یکرانیت پر ہے اور یہ حق طرفین کو ذمہ دار (پابند احکام) ہونے اور ہم وطن ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے۔ رہا وہ کفر جس سے خون روا ہو جاتا ہے، اس سے مراد ایسے کافر کا خون کرنا ہے جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر، ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ، ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب، حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون'' (التوبہ:۲۹) (یعنی ان اہل کتاب سے قتال کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ نہ اللہ ورسول کی حرام کردہ شے کو حرام جانتے ہیں اور نہ دین حق کے پیرو ہیں۔ تاوقتیکہ وہ بطور ایک ماتحت کے با اختیار خود جزیہ دیں)۔

پھر یہ ہے کہ ایک ذمی دوسرے ذمی کے قتل کرنے پر مستوجب قتل ہوتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ذمی کے کافر ہونے میں شبہ نہیں ہے کیونکہ اس میں شبہ ہوتو قصاص ہی (سرے سے) عائد نہ ہوتا۔ اور اس لیے بھی کہ ایک شخص کے مسلمان ہونے کو ایک ذمی سے آزاد ہونے پر فوقیت حاصل ہے اور اعلیٰ کو ادنیٰ کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ نیز مسلم کو مستامن (غیر مسلم پناہ گیر) کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا خون ہمیشہ کے لیے غیر محفوظ ہوتا ہے کیونکہ اس کا کفر اسے جنگ کے لیے اکساتا رہتا ہے اور وہ اپنے علاقہ (دارالحرب) میں واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی حربی شمار ہوگا۔

عورت کے قتل پر مرد کو، چھوٹے کے قتل پر بڑے کو، یک چشم، اپاہج عضو بریدہ یا جنون زدہ کے قتل پر تندرست کو مستوجب قتل قرار دیا جائے گا کیونکہ اس کے بارے میں جو آیات آئی ہیں ان کا حکم عام ہے اور وہ قصاص (خون کے بدلے خون) کو واجب قرار دیتی ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ اگر حق تحفظ سے قطع نظر کر کے ان میں فرق مراتب کا لحاظ کیا

Marfat.com

جائے تو (سرے سے) قصاص ہی ممنوع ہو جائے گا اور افراد معاشرہ میں باہم ایک دوسرے کو مٹانے اور قتل کرنے کا بازار گرم ہو جائے گا۔

غلام کے قتل پر آزاد کو سزائے قتل کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک آزاد شخص (یعنی جو غلام مملوک نہ ہو) کسی آزاد کو یا غلام کو قتل کر دے تو قاتل مستوجب قتل ہوگا کیونکہ قصاص کے بارے میں جو آیتیں آئی ہیں وہ عام (یعنی سب کے لیے) ہیں اور اس لیے بھی کہ قصاص میں مساوات تحفظ پیش نظر ہوتا ہے کہ فریقین مذہب کے اعتبار سے مساوی ہوں (یعنی دونوں کا مذہب ایک ہو یا ملک ایک ہو) اس میں آزاد اور غلام یکساں ہیں لہٰذا ان میں حکم قصاص نافذ ہوگا اور کسی کا کافر ہونا مانع قصاص نہیں ہے کیونکہ اگر فریقین غلام ہوں اور باہم صلح کر لیں تو قصاص عائد نہ ہوگا۔ اسی طرح فریقین اگر مستامن (پناہ گیر) ہوں تو ان میں بھی قصاص نافذ نہ ہوگا (حالانکہ وہ کافر ہیں مطلب یہ ہے کہ کفر مانع قصاص نہیں بلکہ صلح مانع قصاص ہے) اور آیت میں خاص طور پر جو مرد کا ذکر آیا ہے وہ دوسری (موجبات قتل) کی صورتوں کے منافی نہیں ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'و الانثــــی بـالانثی'' (یعنی عورت کے بدلے عورت) میں ہے (کہ یہاں خاص طور پر عورت کا ذکر ہے) اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ عورت مرد کو قتل کر دے تو اسے سزائے قتل نہ دی جائے یا اس کے برعکس مرد عورت کو قتل کر دے تو اسے سزائے قتل نہ ہوگی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ دراصل (آیت میں) مرد کے بدلے مرد یا عورت کے بدلے عورت کا جو ذکر ہے یہ محض اس کی تردید کے لئے ہے جو قاتل کے علاوہ کسی اور کے قتل کا مطالبہ کرے یا قصاص میں زیادتی کرے' مثلاً یہ کہ ایک شخص کے قتل پر دس اشخاص کو قتل کیا جائے۔

اگر کوئی آزاد (جو غلام نہیں ہے) کسی غلام کو قتل کر دے اور اس غلام کا 'آقا' (بطور قصاص) قتل کا مطالبہ کرے تو آزاد قاتل کو قتل کیا جائے گا اور آزاد کا خون بہا دے گا۔ غلام (مقتول) کی قیمت کا مطالبہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر چاہے تو اس کی جان بخشی کر سکتا ہے اور اس کے عوض غلام کی قیمت وصول کر لے۔ حضرت امام علیؓ اور حضرت حسنؓ سے یوں ہی منقول ہے۔

حنفیہ اپنے مسلک کے ثبوت میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں 'المسلمون تتکافاء د مائوھم ویسعی بذمتھم ادناھم وھم ید علی سواھم'' (یعنی تمام مسلمانوں کے خون مساوی ہیں۔ ادنیٰ مسلمان بھی اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کو ان کے علاوہ تمام اشخاص پر بالادستی حاصل ہے)۔

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'من قتل عبدہ قتلناہ' ومن جدع عبدہ جدعناہ'' (یعنی جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس شخص کو قتل کریں گے اور جو شخص غلام کی ناک کان وغیرہ کاٹے گا' ہم بھی اس شخص کے ناک کان وغیرہ کاٹیں گے)۔ اس حدیث کو احمد اور چار محدثین نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے بروایت حسن بصری اس کو حدیث حسن بتایا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آزاد شخص غلام کے قتل پر جان اور اعضاء کے قصاص کا مستوجب ہے۔ اس حدیث میں لفظ 'جدع' کے معنے ناک' کان' ہاتھ' یا لب کو کاٹ دینے کے ہیں۔ جیسا کہ 'قاموس' میں ہے۔

اس حدیث کے مفہوم کے پیش نظر یہ اصحاب کہتے ہیں کہ جب غلام کا قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آزاد کو قتل کرنا تو

Marfat.com

اس کا قصاص بھی وہی واجب ہوگا جو آزاد شخص کا ہوتا ہے۔ امام نخعی اور ایک گروہ کا قول ہے کہ غلام کے قتل پر آزاد کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ غلام خود قاتل کا ہو یا کسی اور کا۔ اس کا ثبوت وہ عمومیت ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں پائی جاتی ہے "کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس" (یعنی ہم نے مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے کہ جان کے بدلے جان ہے) لیکن یہ ایک قول ضعیف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ غلام کے قتل کرنے پر آزاد شخص کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الحر بالحر و العبد بالعبد (یعنی آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام مستوجب قصاص ہے) اس تقابل سے لازم آتا ہے کہ کسی آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ پھر یہ ہے کہ قصاص کی بنیاد فریقین کے مساوی (ہم رتبہ) ہونے پر ہے۔ یہ مساوات آقا اور غلام (یا مالک اور مملوک) کے درمیان نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ غلام کا عضو کاٹنے پر آزاد کا عضو نہیں کاٹا جاتا، بخلاف اس صورت کے جبکہ یہ معاملہ ایک غلام اور دوسرے غلام کے مابین پیش آئے۔ کیونکہ اس میں فریقین مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور اس صورت میں جبکہ غلام آزاد شخص کو قتل کرے یہ حکم نہیں ہے کیونکہ غلام ادنیٰ حیثیت رکھنے کے باعث اس سے مختلف ہے۔ اور یہ اصحاب ادنیٰ حیثیت کے شخص کو اعلیٰ حیثیت والے کے قتل پر سزائے قتل دیتے ہیں۔ صورت حال اس کے برعکس ہے یعنی اعلیٰ حیثیت کا شخص ادنیٰ کو قتل کرے تو قاتل کو سزائے قتل نہیں ہوتی۔

ابوثور کا کہنا ہے کہ درآنحالیکہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خون سے کم درجہ کے جرائم میں غلاموں میں آزادوں کے درمیان قصاص نہیں ہے تو قرین قیاس یہ ہے کہ جان کے معاملہ میں بدرجہ اولیٰ قصاص نہ ہو۔ اگر کوئی فقیہ ان دونوں کے درمیان فرق سمجھتا ہے تو وہ متضاد بات ہوگی۔

پھر اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے غلطی سے غلام کو قتل کر دیا تو اسے صرف غلام کی قیمت ادا کرنی ہوگی (یعنی دیت یا خون بہا نہیں ہے)۔ پس جس طرح قتل خطاء میں آزاد کو غلام کی مانند تصور نہیں کیا گیا اسی طرح قتل عمد میں بھی وہ اس کے مشابہ نہ ہوگا۔ پھر یہ بھی ہے کہ غلام کی حیثیت مال کی سی ہے۔ جس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور آقا جس طرح کی خدمت چاہے اس سے لے سکتا ہے۔ لہٰذا غلام اور آزاد میں نہ باہم مساوات ہو سکتی ہے نہ ہمسری ہوتی ہے ان اصحاب نے بخاری کی اس روایت سے بھی استدلال فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا یقتل مسلم بکافر" (یعنی کافر کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا)۔

عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیے جانے کا بیان

فقہائے اسلام اس قول پر متفق ہیں کہ مرد عورت کو بڑا چھوٹے کو، تندرست مریض کو قتل کر دے تو قاتل کو سزائے قتل ہوگی۔ کیونکہ حکم قصاص کی متعلقہ آیات کا مفہوم عام ہے (یعنی سب پر عائد ہوتا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو سزائے قتل کا حکم دیا تھا جس نے مدینہ میں ایک مسلمان عورت کو قتل کرنے کا اقرار کر لیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو عمداً قتل کر دے تو اسی طرح مستوجب قصاص ہوگا جس طرح عورت کسی مرد کے قتل پر ہوتی ہے۔ نیز حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے "المسلمون تتکافاء دمائوھم" (یعنی تمام مسلمانوں کا خون

Marfat.com

یکساں قابل احترام ہے) لہٰذا عورت مطالبہء قصاص کے حق میں مرد کے برابر ہے اور وہ اس حدیث کے تحت آتی ہے پھر یہ بھی ہے کہ اگر تحفظ جان کے حق کو نظر انداز کر کے انسانوں کے درمیان فرق مراتب کو تسلیم کر لیا جائے تو قصاص کا نفاذ سرے سے ناممکن ہو جائے گا اور اس سے خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اللہ کے بندے ایک دوسرے کو ختم کرنے لگیں گے جس سے فساد پھیلے گا۔ جو ٹھیک نہیں ہے۔ نیز مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو ایک مراسلہ میں لکھا تھا ''ان الرجل يقتل بالمراة'' (یعنی عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جائے)۔

قتل سے ادنیٰ جرائم میں مرد اور عورت کے درمیان نفاذ قصاص کا بیان

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قتل سے کم درجہ کے جرائم میں بھی مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص جائز ہے ان اصحاب نے اعضائے بدن کو جان پر قیاس کیا ہے کیونکہ اعضاء جان کے تابع ہیں۔ پس جس طرح مردوں اور عورتوں میں ایک دوسرے سے قصاص لینا متفقہ طور پر جائز ہے۔ اسی طرح ان کے اعضاء کا قصاص بھی روا ہے۔ کیونکہ اعضائے جسم جان سے وابستہ ہیں۔ بلکہ اعضاء کا قصاص زیادہ قرین قیاس اور مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''والعين بالعين و الا نف بالانف والا ذن بالا ذن والسن بالسن'' (یعنی قصاص میں آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہے)۔

حضرت علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ''تقتل النفس بالنفس، وتفقاء العين بالعين، ويقطع الانف بالانف، وتنزع السن بالسن، وتقتص الجراح بالجراح، فهذا يستوى فيه احرار المسلمين فيها بينهم و رجالهم نساؤهم، اذاكان عمداً فى النفس، ومادون النفس، ويستوى فيه العبيد رجالهم ونساؤهم، اذا كان عمداً فى النفس، ومادون النفس'' بروایت ابن جریر وابن ابی حاتم (یعنی قصاص میں جان کے بدلے جان کو قتل کیا جائے گا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑی جائے گی۔ ناک کے بدلے ناک کاٹ دی جائے گی اور دانت کے بدلے دانت اکھاڑے جائیں گے۔ اور زخم کے بدلے زخم سے بدلہ لیا جائے گا۔ اس حکم میں مرد اور عورت یکساں ہیں جب کہ عمداً قتل کیا ہو یا قتل سے کم درجے کا جرم ہو اس میں غلام مرد اور عورتیں بھی مساوی ہیں۔ جبکہ عمداً قتل کیا ہو۔ یا قتل سے کم درجہ کا جرم ہو) اس کے علاوہ حنابلہ نے مزید کہا ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے قصاص میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا البتہ اس کے ولی مقتولہ کے وارثوں کو نصف خون بہا ادا کریں کیونکہ عورت کا خون بہا مرد کے خون بہا سے نصف ہوتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ قتل سے کم درجہ جرائم میں مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ اسی طرح آزاد اور غلام کے درمیان اور باہم غلاموں کے درمیان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ (معاملۂ قصاص میں) اعضائے انسانی کو مال کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ پس چونکہ ان میں بوجہ ان کی صلاحیت کے باہم تفاوت ہے لہٰذا ان میں (بوجہ اختلاف قدر) باہم مماثلت نہ رہی اور ان کی اقدار کا یہ اختلاف شرعی اندازے کے مطابق قطعی ہے۔ شریعت نے آزاد شخص کے ایک ہاتھ کی قیمت قطعی اور یقینی طور پر پانچ سو دینار قرار دی ہے اور غلام کے ہاتھ کی قیمت اتنی نہیں ہوتی اور اگر اتنی ہو تب بھی وہ (قطعی اور یقینی نہیں بلکہ) تخمینے اور گمان کی بناء پر ہوگی۔ ایک آزاد شخص کے ہاتھ کی یقینی قدر قیمت کے برابر نہ ہوگی پس اگر یقینی طور پر ان کا

Marfat.com

باہمی فرق معلوم ہو تو اس کا لحاظ رکھنا ممکن ہوگا بخلاف اس فرق کے جو قوت گرفت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہیں ہے لہٰذا اس میں (قصاص کی) بنیادی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

اعضائے جسم کے قصاص میں اس طریق عمل کو اختیار کیا جائے گا جو مال کے متعلق ہے۔ کیونکہ اعضائے جسم کو بھی مال کی طرح جان کی حفاظت کے لئے بنایا گیا ہے۔ پس واجب ہے کہ ان اشخاص کے اعضاء میں مال جیسا فرق ہونے کے پیش نظر قصاص اعضاء کو قطعاً ممنوع قرار دیا جائے۔

اگرچہ آیت کریمہ بلاتفریق ہر شخص کے اعضاء کے حق میں عام ہے اور (ایک دوسرے کے) اعضاء میں فرق نہیں رکھا گیا تاہم اگر خبر واحد کی بناء پر اس حکم کو خاص حالات کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو یہ تخصیص جائز ہوگی چنانچہ عمران بن حصین کی اس روایت کی بناء پر اس عام حکم کو خاص کر دیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غریب طبقہ کے ایک غلام نے امیر طبقہ کے ایک غلام کا کان کاٹ دیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ آپ نے قصاص کا حکم نہیں دیا۔

ا۔ کہا جاتا ہے کہ قصاص کی آیت مذکورہ یعنی "یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد" (یعنی اے مسلمانو: تمہیں اس میں حکم دیا گیا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد سے اور غلام کے بدلے غلام سے قصاص لیا جائے گا) میں قصاص کا حکم ہے اور اس سے فریقین میں مماثلت کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں مراد وہی صورتیں ہیں جہاں فریقین میں یکسانیت ہو دوسری کا ذکر نہیں ہے۔

قتل کئے جانے پر مجبور کئے جانے کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو مجبور کر دیا کہ وہ فلاں شخص کو ناحق قتل کر دے اور اس نے مجبوراً اسے قتل کر دیا تو مکرِہ بالکسر (مجبور کرنے والے) پر حکم قصاص عائد ہوگا کیونکہ اس نے ان ذریعہ سے قتل کیا جو بالعموم ہلاک کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ قتل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص تیر چلا کر ہلاک کر دے۔ اسی طرح بخیال قوی مکرَہ بفتح الراء (جسے مجبور کیا گیا) پر بھی قصاص عائد ہوگا کیونکہ اس نے عمداً ظلم و تعدی کی بناء پر قتل کیا تاکہ اس کی اپنی جان بچ جائے۔ یہ عمل اس فعل سے مشابہ ہے جس کا ارتکاب کسی نے بھوک سے مجبور ہو کر کھانے کے لئے کیا ہو بلکہ یہ حرکت بدرجہ اولیٰ اس سے مشابہ ہے کیونکہ اس ناچار کو تو یہ یقین ہے کہ اگر نہ کھائے گا تو مر جائے گا بخلاف اس کے جسے قتل کرنے پر مجبور کیا جائے کہ (اور کوئی چارہ کار نہیں ہے) کہا جاتا ہے کہ مکرِہ بالکسر پر (جس نے مجبور کیا) قصاص عائد ہوگا اور مکرَہ بالفتح پر (جسے مجبور کیا گیا) قصاص عائد نہ ہوگا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رفع عن امتی الخطا و النسیان' و ما استکرھوا علیہ' (یعنی میری امت کی بھول چوک اور ایسے کام پر جس کے کرنے پر مجبور کیا گیا ہو پرسش نہ ہوگی) اور وہ اس لیے بھی کہ مجبور انسان مجبور کرنے والے کے ہاتھ میں آلہ کار کی مانند ہوتا ہے۔ اور وہ ایسا ہی ہے جیسے مارنے کے لئے اس شخص کو (بطور ہتھیار کے) استعمال کیا گیا ہو یا ایسا ہے جیسے کوئی اونچی جگہ سے کسی پر گر پڑے یا ہوا اسے ایک جگہ سے اٹھا کر کسی کے اوپر پھینک دے اور کوئی شخص اس کے گرنے سے ہلاک ہو جائے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجبور کرنے والے پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ بلکہ قصاص اس پر واجب ہوگا جسے مجبور کیا گیا ہو۔ کیونکہ قتل کا مرتکب وہی ہے اور ارتکاب سب باتوں پر مقدم ہے اور اس لئے بھی کہ وہ شخص ایک لحاظ سے اپنے فعل کا مختار

Marfat.com

ہے اور دوسرے لحاظ سے مجبور و مغلوب ہے اور مجبوری نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ اسے قتل کی یا اس کے کسی عضو کے کاٹے جانے یا ضرب شدید پہنچانے کی دھمکی نہ دی جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبر منجملہ دھمکیوں کے ایسی دھمکی کو کہا جائے گا۔ جس سے انسان (بیوی کو) طلاق دینے پر مجبور ہو جائے۔

اگر ایک شخص نے کسی کو کہا کہ فلاں شخص کو قتل کر دے ورنہ میں تیرے بیٹے کو قتل کر دوں گا اور فی الواقع وہ شخص اس کے بیٹے کو قتل کر سکتا ہو تو اسے مجبور نہیں کہا جائے گا۔ روبانی کا کہنا یہ ہے کہ میرے نزدیک حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مجبور کرنا ہے کیونکہ بسا اوقات ایک شخص اولاد کو اپنی جان کے برابر جانتا ہے۔ چنانچہ اولاد کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ گویا خود اس کی اپنی جان کو پہنچتی ہے بلکہ بعض ہستیاں ایسی ہیں کہ ان کے نزدیک بیٹا جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے اور یہ کھلی بات ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مجبور انسان کے لئے بھی یہ روا نہیں ہے کہ ایسے شخص کو قتل کرنے کا مرتکب ہو جس کا قتل بذاتہ حرام ہو۔ اگرچہ ایسے شخص پر قصاص عائد نہ ہوتا ہم اگر ایسی جان کو ہلاک کرنا حرام تھا تو قیامت کے روز گنہگار ہو گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مجبور ہو کر زنا کا مرتکب ہو۔ البتہ انسان کو مجبور ہو کر شراب پینا اور تہمت لگانا مباح ہے اور رمضان کے مہینے میں روزہ توڑ دینا بھی ایک قول کے مطابق روا ہے اسی طرح (مجبوری کی حالت میں) فرض نماز سے ہٹنا۔ یا دوسرے کے مال کو ضائع کرنا بھی روا ہے اور مجبور ہو کر مال کی ضمانت دینا بھی روا ہے۔ یہی حال اس صورت میں ہے جب کہ ایک شخص کو ایسی بات کہنے کے لئے مجبور کرے جو کفر ہو یا کافرانہ عمل اختیار کرنے کو کہے مثلاً بت کے سامنے سجدہ کرنا معاذ اللہ (تو یہ فعل روا ہو گا) بشرطیکہ دل کو ایمان پر اطمینان ہو اور کفر سے متنفر ہو۔

کہا جاتا ہے کہ (مجبوری کی حالت میں) اپنی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ان الفاظ کا ادا کر دینا جائز ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص (جسے مجبور کیا جائے) علماء میں سے ہو جس کی لوگ پیروی کرتے ہیں تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہے۔ خواہ کتنا ہی ڈرایا دھمکایا جائے۔ اگر اسے قتل بھی کر دیا گیا تو اس کی موت شہیدوں کی موت ہو گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من قتل دون دینہ فھو شھید" (یعنی جو شخص اپنے مذہب (اسلام) کے پیچھے قتل ہوا وہ شہید مرا) تا کہ وہ دوسروں کے لئے اصحاب اخدود (گھاٹیوں والے) کی طرح نمونہ بنے (جنہیں ایک بت پرست بادشاہ نے آگ میں جلا کر صرف اس لئے ہلاک کر دیا تھا کہ وہ ایمان پر قائم رہے اور اس کے کہنے پر بت کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ ان کا ذکر سورۂ بروج میں ہے)۔

واضح ہو کہ اگر مکرہ بالفتح (یعنی وہ شخص جسے مجبور کیا گیا ہو) یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ اتنا مجبور ہے کہ ارتکاب قتل اس کے لئے روا ہو گیا ہے (پھر بھی اس نے ارتکاب قتل کیا) تو اس پر قصاص عائد ہو جائے گا۔ لیکن اگر اسے یقین ہے (کہ اب ارتکاب قتل اس کے لئے روا ہے) تو نہ اس پر تاوان ہو گا اور نہ قصاص عائد ہو گا اسی طرح اس پر بھی قصاص عائد نہ ہو گا جسے یہ علم نہ ہو کہ قتل پر مجبور کیا جائے تب بھی قتال حرام ہے۔ کیونکہ جرم کی نوعیت میں شبہ ہو تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے اگر وہ خون معاف کر دیا جائے اور خون بہا کی ادائیگی قاتل پر واجب ہو تو یہ خون بہا ان دونوں پر (یعنی مجبور کرنے والے اور مجبور کئے گئے قاتل پر) بحیثیت مساوی واجب ہو گا جیسا کہ دو شرکائے کار میں ہوتا ہے اور جائز ہے کہ ولیٔ مقتول دونوں میں سے کسی ایک پر حکم قصاص نافذ کرے اور دوسرے سے نصف مقدار خون بہا وصول کرے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ

Marfat.com

وہ دونوں مقتول کے مساوی ہوں اگر مقتول ان میں سے صرف ایک کے مساوی ہو مثلاً مقتول ذمی یا غلام ہو اور ان دونوں (مکرہ یا مکرہ بالکسر و بالفتح) میں بھی ایک شخص ایسا ہی (یعنی غلام یا ذمی) ہو اور دوسرا مسلمان یا آزاد ہو تو قصاص اس پر عائد ہوگا جو مقتول جیسا ہو دوسرے پر نہ ہوگا البتہ (قصاص کی بجائے) نصف خون بہا عائد ہوگا یا (غلام کی صورت میں) اس غلام کی نصف قیمت خون کے وارثوں کا حق ہوگا۔ کیونکہ ارتکاب قتل کے جرم میں دونوں شریک ہیں اور شریک جو (رتبہ میں) مقتول کے مساوی نہ ہوگا اس پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ جیسے باپ شریک بھائی پر (مطالبہ عائد) نہیں ہوتا۔

اگر ایک عاقل بالغ شخص نے کسی بیوقوف کو یا اس کے برعکس کسی بیوقوف نے ایک عاقل بالغ شخص کو کسی کے قتل پر مجبور کیا اور اسے قتل کر دیا گیا تو بالغ شخص پر قصاص عائد ہوگا کیونکہ امر متقاضی قصاص سرزد ہوا اور دوسرے پر ظلم پایا گیا ایسا ہی اس حال میں ہے جب کہ لڑکے (نابالغ) کے ارادہ کو فعل عمد قرار دیا جائے۔ یہ صورت اس سے زیادہ قوی ہے۔ اگر اس فعل کو خطا قرار دیا جائے تو قاتل پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ وہ لڑکا خطا کرنے والے کا شریک کار تو ہے لیکن نابالغ بچے پر کسی حالت میں حکم قصاص عائد نہیں ہوتا کیونکہ وہ مکلف (جس پر احکام دین عائد ہوتے ہیں) نہیں ہے۔ تا آنکہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔

اگر ایک شخص کسی مکلف انسان کو (جس پر احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں) مجبور کرے کہ فلاں شے (یا ڈھانچ) پر جو نظر آ رہا ہے تیر چلائے اور مجبور کرنے والا جانتا ہو کہ وہ شے ایک انسان ہے لیکن تیر چلانے والا اسے کوئی شکار یا پتھر سمجھتا ہے۔ اسی دھوکے میں اس نے تیر چلایا اور وہ شخص ہلاک ہو گیا تو صحیح یہ ہے کہ اس کے قصاص کا ذمہ دار وہ ہوگا جس نے اس شخص کو تیر چلانے پر مجبور کیا۔ کیونکہ اس نے عمداً ہلاک کرنے کا وہ ذریعہ استعمال کیا جو عام طور پر کیا جاتا ہے۔

اگر کسی نے ایک شخص کو شکار پر تیر چلانے کے لئے مجبور کیا اور وہ تیر کسی انسان کو لگا یا اس نے کسی کو ہلاک کر دیا تو دونوں میں سے کسی پر سزائے قصاص نافذ نہ ہوگی اگر ایک شخص نے کسی کو درخت پر چڑھنے یا کنوئیں میں اترنے پر مجبور کیا اور وہ پھسل کر گر پڑا اور مر گیا تو یہ قتل شبہ عمد متصور ہوگا کیونکہ عام طور پر اس سے ہلاک کرنا پیش نظر نہیں ہوتا لیکن مجبور کرنے والے کے ذمہ دار شخص پر خون بہا عائد ہوگا۔ امام غزالی رحمہ اللہ اسے قتل عمد فرماتے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ محض ایک خطا ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی کو خود اپنی جان ہلاک کرنے پر مجبور کیا کہ اس سے کہا کہ خودکشی کر لے یا یہ زہر پی لے ورنہ تجھے قتل کر دوں گا اور اس نے مجبور ہو کر اپنی جان ہلاک کر لی تو بخیال غالب اس کہنے والے پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ یہ عمل درحقیقت جبر نہیں ہے کیونکہ جس بات پر مجبور کیا گیا اور جس کا ڈر دلایا گیا وہ دونوں ایک ہیں۔ پس گویا اسے اختیار دیا گیا۔ (یعنی اس نے اپنے اختیار سے خود کو ہلاک کیا)۔

کہا جاتا ہے کہ (ایسی صورت میں) قصاص واجب ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو دوسرے شخص کے قتل کرنے پر مجبور کیا جائے۔ تاہم جسے مجبور کیا گیا اگر وہ کم عمر ہونے کے باعث نادان ہے یا جنون زدہ ہے تو ایسی صورت میں مجبور کرنے والا قطعی طور پر مستوجب سزائے قصاص ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ مجھے قتل کر دے ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا اور اس نے قتل کر دیا تو اس بارے میں مسلک ثانیہ ہے کہ قاتل پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ قتل کی اجازت سے اس فعل کا جرم (قتل عمد) ہونا مشتبہ ہو گیا جس سے

Marfat.com

سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں قصاص واجب ہے کیونکہ قتل کی اجازت دینے سے قتل روا نہیں ہو جاتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو ماں کے ساتھ ملوث ہونے کی اجازت دی جائے۔ تاہم زیادہ قوی خیال یہی ہے کہ قصاص واجب نہ ہوگا۔

اگر بادشاہ (یا حکومت) نے کسی شخص کو ناحق، ظالمانہ طور پر قتل کرنے کا حکم دیا لیکن اس شخص کو بادشاہ کی نیت معلوم نہ تھی اور نہ اس کی غلطی سے آگاہ تھا تو قاتل پر تاوان یا خون بہا واجب ہوگا اور بادشاہ پر لازم ہوگا کہ وہ صرف کفارہ گناہ ادا کرے اور جسے حکم دیا گیا وہ ذمہ دار نہ ہوگا کیونکہ وہ شخص تو محض اس کا ایک آلہ کار تھا اور سرکاری حکم کی تعمیل لازم ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ بظاہر حکمران ناحق حکم نہیں دیا کرتے اور جو حکم دیں ان کا بجا لانا ضروری ہوتا ہے بشرطیکہ اس فعل کا گناہ ہونا معلوم نہ ہو۔ اگر (محکوم کو) یہ علم ہو کہ بادشاہ نے کس نیت سے یہ حکم دیا اور اس حکم میں اس نے غلطی کی ہے تو جسے حکم دیا گیا اس پر تاوان (یا قصاص) واجب ہوگا درآنحالیکہ اسے حکمران کی سخت گیری کا علم نہ ہو جس کی وجہ سے اسے مجبور ہونا پڑا۔ ایسی صورت میں (جب کہ سختی کا اندیشہ نہ ہو) حکم کی تعمیل لازم نہیں رہتی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (یعنی پروردگار کی نافرمانی ہوتی ہو تو کسی بھی مخلوق کا حکم نہ مانا جائے) پس یہ قتل ایسا متصور ہوگا جیسے بادشاہ کے حکم کے بغیر ہی اس نے ارتکاب کیا۔ اب اگر بادشاہ نے ظلم کیا ہے تو اس کا گناہ اس پر عائد ہوگا اور کوئی پاداش عائد نہ ہوگی۔ اگر اس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ بادشاہ کا ناجائز حکم بھی ماننا پڑے گا تو اس فعل کا تاوان حاکم پر واجب ہوگا اس شخص پر نہ ہوگا۔ اگر (حکم عدولی پر) بادشاہ کے جبر و ستم کا اندیشہ ہے تو (اس کا ارتکاب فعل) پر قصاص وغیرہ کی ذمہ داری ان دونوں پر عائد ہوگی جیسا کہ جبر کرنے والے اور مجبور انسان پر ہوتی ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنے غلام یا کسی اور شخص کے غلام کو جو سمجھ رکھتا ہو بیجا طور پر کہا کہ فلاں شخص کو قتل کر دے یا اسے نقصان جان پہنچائے اور اس غلام نے قتل کر دیا تو حکم دینے والا گنہگار ہوگا اور وہ غلام اگر بالغ ہے تو سزائے قصاص اس پر عائد ہوگی اور تاوان (یا خون بہا) اس کی گردن پر رہے گا۔ اگر محکوم نابالغ یا دیوانہ لیکن صاحب شعور ہے اور وہ حکم کو تسلیم کرنا ضروری نہیں سمجھتا تو (جرم کی) ذمہ داری دونوں (نابالغ یا دیوانہ) پر عائد ہوگی۔ حکم دینے والے پر نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص بے شعور ہے اور اس نے بغیر کسی کے اکسائے نقصان پہنچایا تو وہی اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا درآنحالیکہ وہ آزاد ہو اور اگر غلام ہے تو اس کی ذمہ داری اس کی گردن پر رہے گی۔

اگر ایک شخص نے کسی غلام کو جو باشعور ہے کسی کے قتل کرنے پر مجبور کیا اور اس نے ارتکاب قتل کر لیا تو اس کی گردن پر اس کا نصف خون بہا عائد ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایک شخص کو مجبور کرنے پر اقدام قتل کیا تو مجبور کرنے والے پر تو حکم قصاص اس لئے عائد ہوگا کہ اس نے اس شخص کو ذریعہ قتل بنایا اور جسے مجبور کیا گیا اس پر بھی عائد ہوگا کیونکہ وہ اقدام قتل میں اس کا شریک تھا اس کی مجبوری کا عذر تسلیم نہیں کیا جائے گا اور حکم دینے والا قتل میں شامل ہونے کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔ لہذا دونوں پر یکساں حکم قصاص عائد ہوگا۔ قتل پر مجبور کرنے والے کو قاتل قرار دیئے جانے کی یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ تمام امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو تب بھی یہ جائز نہیں ہے کہ کسی انسان کو قتل کر کے اسے کھائے اور اپنی جان بچا لے بلکہ اس پر واجب ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ مر جائے۔ لیکن اگر اس نے وہ جرم کیا تو گنہگار

Marfat.com

ہوگا۔ غرض قتل کے لئے کسی کو ذریعہ بنانے والا اور اس کے ساتھ شریک قتل بھی قتل کا مستوجب ہے۔ لہٰذا اگر کوئی آقا اپنے غلام کو کسی آزاد شخص کے قتل کرنے کا حکم دے اور وہ قتل کر دے تو اس آقا کو سزائے قتل ہوگی اور اس کے ساتھ غلام کو بھی بشرطیکہ وہ بالغ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی باپ اپنے کم عمر بیٹے کو کسی کے قتل کرنے کا حکم دے اور وہ یہ جرم کر بیٹھے تو باپ واجب القتل ہوگا اور بیٹا بھی اگر بالغ ہو تو وہ بھی واجب القتل ہوگا۔

اگر کوئی استاد خواہ وہ کوئی ہنر سکھاتا ہو یا علم پڑھاتا ہو یا قرآن کی تعلیم دیتا ہو اپنے شاگرد یا لڑکے کو کسی کے قتل کرنے کا حکم دے اور وہ شاگرد بالغ ہو تو استاد اور اس کے ساتھ شاگرد بھی واجب القتل ہوں گے۔ لیکن اگر اولاد یا شاگرد کم عمر اور بے سمجھ ہو تو اس کے قبیلہ پر خون بہا واجب ہوگا اور ساتھ ہی اس کے باپ یا استاد سے قصاص وصول کیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ جبر نہ کیا ہو (صرف حکم دیا ہو)۔

جو شخص ارتکاب قتل کرے اور کوئی بچہ اس میں شریک کار ہو تو اس شخص کو سزائے قتل ہوگی بچے کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ غیر مکلف ہے (یعنی بچے پر احکام عائد نہیں ہوتے) اور بچے کے کنبہ پر آدھا خون بہا عائد ہوگا' کیونکہ بچے کا عمد بھی خطا تصور کیا جائے گا۔ اگر دونوں نے اکٹھا قتل نہیں کیا لیکن ارادہ قتل دونوں نے کیا تو اس شخص کے مال سے خون بہا واجب ہوگا اور اس نابالغ کے کنبہ والوں پر نصف خون بہا عائد ہوگا اگر دونوں نے مل کر قتل کیا یا بالغ نے غلطی سے قتل کیا تو ہر ایک کے تاوان دار پر نصف خون بہا عائد ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مقتول کے ورثاء یہ دعویٰ نہ کریں کہ وہ موت ایک مکلف انسان سے سرزد ہوئی۔ بصورت دیگر ورثاء سے قسم لی جائے گی (کہ فی الواقع اس شخص کے فعل سے موت واقع ہوئی) اور مجرم کو سزائے قتل ہوگی اور بچے کے کنبہ والوں سے نصف خون بہا ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ قسامہ (یعنی قسم پر فیصلہ) کے بعد سزائے قصاص ہوتی ہے اور ایک ہی شخص کو دی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ کسی شخص کو ارتکاب جرم پر مجبور اس صورت میں سمجھا جائے گا جب کہ اس کے لئے انکار کرنا ممکن نہ رہے مثلاً جان سے مارے جانے یا کسی عضو کاٹے جانے یا اولاد کے قتل کئے جانے کا ڈر ہو۔ اگر ایسا کوئی اندیشہ نہ ہو تو صرف قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ مجبور کرنے والے سے نہیں لیا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے کسی نا کردہ بے گناہ کو زہر آلود کھانا یہ جانتے ہوئے کہ اس میں زہر ہے' پیش کیا اور اس نے بے خبری میں اسے کھا لیا جس سے موت واقع ہو گئی تو قصاص واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے ہلاک کرنے کا سامان مہیا کیا لیکن اگر اس شخص کو یہ معلوم تھا کہ اس کھانے میں زہر ہے اور پھر بھی اس نے کھا لیا تو اس کو خودکشی تصور کیا جائے گا۔ اور کھانا پیش کرنے والے پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ اگرچہ اسی نے ہلاکت کا یہ سامان مہیا کیا۔ اگر نہ کھانا پیش کرنے والے کو یہ علم ہو کہ اس میں زہر ہے اور نہ کھانے والے کو یہ معلوم ہو (اور اس کے کھانے سے جان جاتی رہی) تو اسے قتل خطا تصور کیا جائے گا اور اس صورت میں کھانا لانے والے کے ذمہ داروں پر خون بہا واجب ہوگا بشرطیکہ مقتول کے ورثاء قسم کھا لیں (کہ اس کی موت اس کھانے سے ہوئی ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو اس پر مجبور کیا کہ وہ فلاں شخص کو قتل کر دے ورنہ وہ اسے جان سے مار ڈالے گا یا کوئی عضو کاٹ دے گا۔ چنانچہ اس سے ڈر کر اس نے ارتکاب قتل کر لیا تو مجبور کرنے والے پر سزائے قتل عائد ہوگی اور جسے مجبور کیا اس پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ وہ محکوم اس حکم دینے والے کا زیر دست (یا

Marfat.com

مغلوب) ہو۔ایسی صورت میں اس مجبور انسان کو ایک بے بس تصور کیا جائے گا اور یہ فعل اس کا اختیاری عمل متصور نہ ہوگا اور اس کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص بلندی سے گر جائے یہ امر مسلمہ فقہاء ہے کہ مجبوری کی حالت میں متعدد احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں کیونکہ مجبور انسان جبر کرنے والے کے ہاتھ میں ایک آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے"رفع عن امتی الخطاء والنسیان' واما استکرھوا علیہ "(یعنی میری امت کی بھول چوک اور ایسی باتوں کو جن کے کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہو نظر انداز فرمایا گیا ہے) لیکن مجبور کرنے والا مستوجب سزا ہوگا کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں یا پورے ایک سال کے لئے قید کر دیا جائے یا پھر جو سزا حاکم مناسب سمجھے وہ دی جائے۔

اگر کوئی غلام جو معاملہ کا اہل نہیں ہوتا ایک آزاد نابالغ شخص کو کسی شخص کے قتل کرنے کو کہے اور وہ اسے قتل کر دے تو اس نابالغ کے کنبہ والوں پر خون بہا عائد ہوگا۔ کیونکہ فی الواقع قتل کرنے والا وہی ہے اس کا یہ قتل عمداً ہو یا سہواً یکساں ہے۔حکم دینے والے (غلام) پر کوئی الزام نہیں ہے۔

تادیب کے لئے مارنے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کی اصلاح کے لیے اسے مارا اور شرعی نقطہ نظر سے وہ مارنا جائز تھا' مثلاً بادشاہ (یا حکومت) نے کسی ایسے جرم کی پاداش میں جس پر حد (سزائے شرعی) واجب نہیں ہے سزا دی یا بارادہ ءسرزنش مارا۔یا شرعی جرم کی پاداش میں حد لگائی اور اس کے سبب وہ شخص مر گیا یا چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹا جس کا اثر جسم میں سرایت کرنے کے باعث اس کی موت واقع ہوگئی تو ان تمام صورتوں میں وہ خون معاف ہوگا اور حاکم پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا اور نہ بیت المال سے کچھ دینا ہوگا۔ کیونکہ جو کچھ اس نے کیا وہ شرع کے مطابق تھا اور ایک شرعی حکم کا نفاذ تھا' قتل کرنے کا ارادہ نہ تھا اور نہ انتقامی کارروائی تھی۔اسی طرح اگر باپ یا ماں نے اپنے بیٹے کو تنبیہا مارا پیٹا اور وہ مر گیا تو ان پر کوئی الزم عائد نہ ہوگا۔نیز اگر کسی استاد نے جو کوئی ہنر سکھاتا' تعلیم دیتا یا قرآن پڑھاتا ہو اپنے شاگرد کو تعلیم دینے اور علم سے استفادہ کرنے کے لئے مارا اور اتفاقاً وہ مر گیا تب بھی اس پر کوئی الزام نہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت نیک تھی' اور اگر خاوند نے بیوی کو سدھارنے برائی سے بچنے اور نیکی کے طریق پر گامزن رکھنے کے لئے مارا اور مارنے سے وہ مر گئی تو وہ مجرم قرار نہ دیا جائے گا۔کیونکہ شریعت اسلامیہ نے بیوی کو بطور امانت کے خاوند کے سپرد کیا ہے تاکہ وہ اس کی تربیت کرے شائستہ بنائے' پسندیدہ اخلاق سکھائے' اس کے لیے لباس اور خوراک مہیا کرے۔اب اگر وہ خاوند کی بات نہ مانے اور سرکشی کا اندیشہ ہو تو اسے مارنا روا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' والاتی تخافون نشوزھن فعظوھن' واھجروھن فی المضاجع' واضربوھن" (یعنی جن عورتوں سے تمہیں سرکشی (یا دشمنی) کا اندیشہ ہو (پہلے) انہیں سمجھاؤ اور انہیں انکے بستروں میں چھوڑ دو (یعنی ازدواجی فرائض سے دستکش رہو) اور پھر مارو)۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ نے ماں باپ کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اصلاح کے لئے اور انہیں اچھے کاموں کے کرنے اور بری باتوں سے باز رکھنے کے لئے مار پیٹ سے کام لیں۔اسی طرح خاوند کو بھی سرزنش کی اجازت ہے تاکہ وہ اس کی عزت کی حفاظت کرے۔اسی طرح تعلیم دینے والے کو اجازت ہے کہ وہ متعلم کو اس مقصد

Marfat.com

کے لئے سزا دے۔ اور قاضی (حاکم شرع) کو اجازت ہے کہ اگر کوئی مسلمان سرکشی کرے اور حکم کی خلاف ورزی کرے تو اسے سزائے ضرب دے اور اگر کوئی شخص اس سزا سے مرجائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا بشرطیکہ وہ سزا ایسی ہو جس سے عام طور پر موت واقع نہیں ہوا کرتی کیونکہ اس کا ارادہ قتل کرنے کا نہ تھا اور اس نے جو کچھ کیا وہ سزا پانے والے کی بہتری کے لئے تھا اور صاحب شریعت کے حکم کے مطابق تھا جو حکمت پر مبنی ہوتا ہے

ان اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے ایک مریض کو ایسی سزا دی جس سے بالعموم تندرست آدمی کی جان نہیں جاتی اور اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شخص مریض ہے تو اس پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ جو کچھ اس شخص نے کیا وہ اس کے خیال میں موجب ہلاکت فعل نہ تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس شخص پر حکم قصاص واجب ہوگا کیونکہ اس کی لاعلمی اُس ہلاک کرنے والی ضرب کو روا قرار نہیں دیتی۔ البتہ اگر اسے معلوم تھا کہ وہ شخص مریض ہے تو قطعی طور پر حکم قصاص عائد ہوگا۔ فقہاء میں سے کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس حالت میں مارنے سے عیاں ہے کہ اس کا ارادہ ہلاک کرنے ہی کا تھا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ امور کی بجا آوری کے لئے مجرم کی سلامتی کا تصور ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اگر باپ اپنے بیٹے کو یا استاد شاگرد کو اس کے باپ کے کہنے پر سزائے ضرب دے تو ہر چند کہ اسے معلوم ہو کہ وہ شخص مریض ہے اور اس سزا سے موت واقع ہو جائے تو باپ یا استاد پر واجب ہوگا کہ اپنے مال سے وہی خون بہا ادا کرے جو قتل عمد کی صورت میں واجب الادا ہوتا ہے اور اس میں سے باپ کو کوئی ورثہ نہیں ملے گا کیونکہ وہ اس کی میراث سے محروم قرار دیا جائے گا۔ (غالباً اس لئے کہ قاتل اپنے مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا)۔

مستوجب حد کا غیر مستوجب حد کے ساتھ قتل میں شریک ہونے کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر عاقل و بالغ مسلمان کسی بے خطا انسان جس کا خون دائمی طور پر حرام ہے کے قتل کرنے میں کسی لڑکے (نابالغ) کا شریک ہو تو اس بالغ شخص کو سزائے قتل ہوگی۔ اس لڑکے کو نہ ہوگی اور جبکہ دونوں ایک ساتھ قتل کرنے میں شریک کار رہے ہوں تو لڑکے کے صلبی رشتہ داروں پر نصف خون بہا عائد ہوگا کیونکہ اس کا قتل عمد بھی قتل خطا ہے' اگر دونوں نے ارتکاب قتل میں ایک دوسرے کے ساتھ سازش نہیں کی اور عمداً ارتکاب کیا' یا صرف بالغ نے کیا تو نصف خون بہا اس بالغ کے ذمہ ہوگا اور باقی نصف نابالغ کے کنبہ پر عائد ہوگا' یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ مقتول کے ورثاء کا یہ دعویٰ نہ ہو کہ صرف بالغ مکلف انسان کے ہاتھوں اس کی وفات ہوئی۔ بصورت دیگر ورثاء اس شخص کے خلاف قسم کھائیں گے (کہ فی الواقع اس شخص کے ہاتھوں موت واقع ہوئی) اور قصاص میں اس بالغ انسان کو قتل کیا جائے گا۔ اور نصف خون بہا لڑکے کے کنبہ والوں سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ جب قسامہ (یعنی حلف) کی بناء پر فیصلہ کیا جائے تو سزائے قتل ہوتی ہے اور صرف ایک کو سزا ہوتی ہے۔ اگر دونوں نے مل کر قتل کیا یا اس بالغ نے غلطی سے قتل کیا تو ہر ایک کے کنبہ پر نصف خون بہا عائد ہوگا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ قتل خطا میں شریک ہونے یا دیوانے سے مل کر قتل کرنے والے کو سزائے قتل نہ ہوگی بلکہ

Marfat.com

نصف خون بہا شریک قتل کے اپنے مال میں سے واجب ہوگا اور نصف خون بہا غلطی سے قتل کرنے والے یا جنون زدہ کے کنبہ پر عائد ہوگا۔ یہ اس صورت میں جبکہ قتل خطاء میں شریک ہونیوالے نے عمداً قتل کیا ہو بصورت دیگر یہ تاوان اس کے کنبہ پر عائد ہوگا۔

واضح ہو کہ اگر کوئی نابالغ عمداً قتل کرے یا غلطی سے قتل کرے تو اس کے پدری رشتہ دار پر نصف خون بہا عائد ہوگا کیونکہ شریعت نے بچے کے قتل عمد کو بھی قتل خطا قرار دیا ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی انسان کو ہلاک کرنے میں درندہ جانور کی عمداً مدد کی مثلاً کسی کو درندہ جانور نے زخمی کر دیا پھر اسی زخمی کو اس شخص نے مارا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ یا کسی نے خود اپنا سر اس طرح پھوڑا کہ بسا اوقات اس سے موت واقع ہو جاتی ہے پھر کسی اور شخص نے اسے برچھا مار کر ہلاک کر دیا۔ یا کوئی شخص کسی کے قتل کرنے میں ایک حربی (برسر جنگ) کے ساتھ شامل ہوگیا' گو اس کا اپنا ارادہ قتل کرنے کا نہ رہا ہو۔ ان تمام صورتوں میں ان اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ مکلف انسان اگر قتل کرنے میں غیر مکلف کے ساتھ شریک ہو جائے تو وہ مکلف سزائے قصاص کا مستوجب ہو جائے گا۔ کسی درندہ کا زخم پہنچانا نہ اس دنیا میں قابل باز پرس ہے اور نہ آخرت میں اور کسی کا خود اپنے آپ کو زخمی کر لینا بھی اس دنیا میں قابل باز پرس نہیں ہے گو آخرت میں باز پرس ہوگی اور وہ گنہگار متصور ہوگا۔ اور حربی (جو میدان میں برسر جنگ ہے) اس (کے عمل) کی پرسش نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں (لہٰذا شریک قتل ہونے والے ہی واجب القصاص ہوں گے)۔

کہا جاتا ہے کہ مذکورہ صورت حالات میں (شرکائے قتل پر) قصاص نہیں ہے بلکہ نصف خون بہا عائد ہوگا اور ایک سو ضرب تازیانہ اور پورے سال بھر کی سزائے قید ہوگی اور قصاص اس صورت میں ہوگا جبکہ 'قسامہ' (ورثاء کے قسم کھا لینے) پر فیصلہ ہو بغیر 'قسامہ' کے نصف خون بہا عائد ہوگا۔

اگر دو بالغ مکلف انسان آپس میں ٹکر لیں یا رسہ کشی کریں اور گر پڑیں خواہ سواری پر ہوں یا پیدل یا ایک سواری پر ہو اور دوسرا پیدل اور دونوں نے عمداً یہ تصادم کیا ہو اور دونوں مر جائیں تو کسی پر حکم قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ محل قصاص (جس سے قصاص لینا ہے) نہ رہا۔ ہاں اگر ان میں سے ایک کی موت واقع ہو جائے تو دونوں کے درمیان خون بہا عائد ہوگا۔ یا صورت حال معلوم نہ ہونے کے باعث دونوں کو اس فعل کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔ اس کو خطا پر محمول نہ کیا جائے گا۔ اس کے برعکس اگر دو کشتیوں میں تصادم ہوا اور اصل سبب معلوم نہ ہو (کہ کس کی زیادتی سے حادثہ ہوا) تو دونوں کشتی بانوں کا یہ عمل بلا ارادہ متصور ہوگا نہ اس میں قصاص ہوگا نہ تاوان ہوگا۔ کیونکہ دونوں کشتیوں کو ہوا لے جا رہی تھی اور یہ کشتی رانوں (ملاحوں) کا کام نہ تھا۔ دراصل دونوں ہی بے بس تھے۔ ان میں سے کسی کے بس میں نہ تھا کہ اپنی سواری یا کشتی کو موڑ سکے۔ پس کسی کو ذمہ دار قرار نہ دیا جائے گا۔ بلکہ فعل عبث تصور کیا جائے گا۔

اگر کوئی بینا شخص کسی نابینا کو اپنے پیچھے لے کر جا رہا ہو اور (ٹھوکر کھا کر) وہ بینا گر پڑے پھر اس کے اوپر نابینا اس طرح گرے کہ وہ بینا مر جائے تو اس نابینا کے رشتہ دار پر خون بہا واجب ہوگا۔

Marfat.com

اگر کسی شخص نے ایک ڈوبتے ہوئے انسان کو پکڑ کر نکالنا چاہا' لیکن (وہ ایسا شخص تھا جس کی بابت) اسے ڈر تھا کہ وہ نکل کر اسے مار ڈالے گا لہٰذا اس نے اسے پانی ہی میں چھوڑ دیا اور وہ مر گیا تو اس شخص پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی سواری پر جارہا تھا اور راستہ میں بیٹھے ہوئے کسی پر گر پڑا اور جس پر گرا وہ مر گیا تو اس کا خون بہا گرنے والے کے پدری رشتہ دار پر عائد ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی موت دو شخصوں کے ہاتھ واقع ہوئی جن میں سے ایک نے عمداً ہلاک کیا اور دوسرے نے غلطی سے ہلاک کیا۔ یا ان میں سے ایک شخص مکلف تھا (جس پر احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں) اور دوسرا غیر مکلف (جس پر احکام شرعیہ عائد نہیں ہوتے) مثلاً دونوں میں سے ایک بالغ ہو اور دوسرا بچہ (نابالغ) یا ایک عاقل ہو اور دوسرا پاگل لیکن اسے اپنے ہمسر کو قتل کرنے کی تمیز ہو تو اس عاقل مکلف کو سزائے قتل ہوگی اور اس پاگل کے رشتہ دار پر نصف خون بہا عائد ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک آزاد اور غلام نے مل کر کسی غلام کو عمداً قتل کر دیا تو غلام پر حکم قصاص عائد ہوگا اور آزاد پر اس کے اپنے مال سے نصف قیمت غلام عائد ہوگی' پس ان دونوں پر الگ الگ فرد جرم عائد ہوگی کہ گویا وہ جرم قتل میں شریک نہ تھے (بلکہ دونوں نے الگ الگ جرم قتل کیا) (اس مسلک کے بارے میں) ان اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ اس میں مصلحت عامہ کو مدنظر رکھا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل پر سختی کی جائے کیونکہ خون کرنا حرام ہے۔ پس گویا ان دونوں میں سے ہر ایک نے جدا جدا ارتکاب جرم کیا اور ہر ایک پر اس کے جرم کی سزا عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص بیٹے کے قتل میں باپ کا شریک ہو تو اس پر حکم قصاص عائد ہوگا اور اس کے باپ پر اگرچہ وہ نچلے درجہ میں ہو بھاری خون بہا کا نصف اس کے اپنے مال میں سے واجب ہوگا اور اس میں اس کا حصہ وراثت نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک حربی (دشمن کے سپاہی) کے ساتھ شامل ہو کر کسی مسلمان کو قتل کر دے یا مثلاً قصاص میں کسی کا عضو یا سزائے شرعی میں (ہاتھ وغیرہ) کاٹا گیا ہو اور کوئی شخص اس سزا یافتہ کو مزید زخم لگا کر ہلاک کر دے اور وہ شخص عضو کے کٹنے اور مزید زخم لگنے کے باعث مر جائے تو شرکت کرنے والا مستوجب قتل ہوگا۔ اگر کسی شخص نے خود کو بھاری زخم لگایا اور پھر کسی دوسرے شخص نے اسے مزید زخم پہنچایا اور ان زخموں کے باعث موت واقع ہوگئی تو یہ دوسرا شخص واجب القتل ہوگا۔ اسی طرح وہ شخص بھی مستوجب قتل ہے جس نے کسی پر حملہ کرنے والے کو ہٹا کر خود زخمی کیا اور دونوں کے زخم کھا کر وہ مر گیا یا کسی کو درندہ جانور یا سانپ نے اس طرح کاٹا بالعموم اس سے لوگ مر جاتے ہیں پھر ایک شخص نے اس کو مزید زخم پہنچایا اور وہ مر گیا تو یہ شخص واجب القتل ہوگا بشرطیکہ مرنے والا اس کا ہمسر ہو۔ نیز بقول ظاہر وہ غلام واجب القتل ہوگا جو کسی شخص کو اپنے غلام کے قتل کرنے میں یا اپنے بیٹے کے غلام کو قتل کرنے میں شریک ہو۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ دو اشخاص کے بالارادہ ارتکاب سے جرم کا تعین مخفی ہو جائے۔ اور ان میں سے دوسرے شخص پر اس کی مخصوص حیثیت کے پیش نظر قصاص کا عائد کرنا ممکن نہ ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اس حالت میں یہ جرم ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص بیٹے کے قتل میں باپ کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اگر ایک شخص نے کسی کو غلطی سے زخمی کیا اور زخمی کو سانپ نے ڈس لیا اور درندے نے بھی پھاڑ کھایا اور ان تینوں کی جراحت رسانی سے وہ مر گیا تو اس شخص پر ایک تہائی خون بہا واجب ہوگا۔ جیسے کسی شخص کو تین اشخاص نے مل کر ہلاک کیا ہو۔

Marfat.com

حنفیہ کہتے ہیں کہ کہ اگر کوئی شخص بیٹے کے قتل میں باپ کے ساتھ شامل ہو جائے تو اس شخص پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ اسی طرح اس شخص کے شریک قتل ہونے پر بھی قصاص عائد نہ ہوگا جو اپنے غلام کو قتل کرے۔ پھر اس پر بھی حکم قصاص عائد نہ ہوگا جو قتل خطا میں یا بچے (نابالغ) کے قتل میں یا پاگل کے ارتکاب قتل میں یا کسی بھی ایسے شخص کے ارتکاب قتل میں شامل ہو جس پر سزائے قصاص عائد نہیں ہوتی کیونکہ یہ قتل ایسا ہے جس کے دو سبب ہیں منجملہ ان کے ایک پر قصاص واجب نہیں ہے۔ اور قصاص کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا (کہ آدھا قصاص لیا جائے) کیونکہ خون کرنا بنیادی طور پر حرام ہے اور اس کے مرتکب پر جو قصاص کا حکم ہے وہ خاص حالات پر منحصر ہے کہ وہ فرد واحد پر عائد ہو اور خون کا بدلہ خون لیا جا سکے۔ اور چونکہ قصاص کو اجزاء میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا صورت بالا میں (جبکہ دو اشخاص قتل میں شریک ہوں اور ایک پر قصاص عائد نہ ہوتا ہو) قصاص کا نفاذ ممکن نہیں ہے اور حکم قصاص اس پر عائد نہ ہوگا۔ پھر جس پر قصاص واجب ہے اگر وہ ایک شخص ہے تو اس کے اپنے مال میں سے نصف خونبہا اس پر واجب ہوگا کیونکہ اس نے عمداً ارتکاب جرم کیا اور پورا قصاص لینا ممکن نہ تھا اور اس کا عاقلہ (یعنی پدری رشتہ دار) قتل عمد کے خون بہا کا ذمہ دار نہیں ہے۔ باقی رہا دوسرا نصف خون بہا سو وہ دوسرے فریق پر عائد ہوگا جبکہ وہ بچہ (نابالغ) یا دیوانہ قتل خطا کا مرتکب ہوا ہو۔ اس میں خون بہا محض قتل واقع ہونے کی بناء پر عائد ہوگا اس لئے کہ ایک بچہ یا جنون زدہ کا عمداً ارتکاب خطا شمار ہوتا ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر (فریق ثانی) باپ ہو تو اس کے ذاتی مال میں سے نصف خون بہا واجب ہوگا اور ورثہ سے محروم رہے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ جس پر قصاص واجب نہیں ہوتا شریک قتل ہونا محل شبہ ہے۔ جرم قتل کے حصے نہیں کیے جا سکتے اور شبہ کی صورت میں سزائیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ پس خون بہا واجب ہوگا۔

یہ اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنا سر پھوڑ لیا پھر اسے کسی اور شخص نے زخمی کیا' شیر نے حملہ کر دیا اور سانپ نے ڈس لیا اور نتیجۃً وہ مر گیا تو اس اجنبی شخص پر ایک تہائی خون بہا عائد ہوگا کیونکہ شیر اور سانپ کا فعل ایک ہی نوعیت کا ہے کہ دونوں کا عمل دنیا اور آخرت میں رائیگاں ہے (کہ اس پر کچھ نہیں کیا جا سکتا) اور وہ جس نے خود اپنا سر پھوڑا اس پر دنیا میں کچھ نہ ہوگا۔ البتہ آخرت میں باز پرس ہوگی' وہ گنہگار ہے اور اللہ کے نزدیک سزاوار عذاب ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایسے شخص (کی میت) کو غسل دیا جائے گا۔ لیکن نماز جنازہ واجب نہیں ہے' کیونکہ وہ خودکشی کرنے والا متصور ہوگا۔ شریعت نے اس کی موت کو یک قلم ناقابل باز پرس قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ مثلاً مرتد کی موت ہوتی ہے او' اس (قسم کے حادثہ) کو ایک مستقل قسم کا جرم قرار دیا ہے اور اس اجنبی شخص کی حرکت (جراحت رسانی) دنیا اور آخرت دونوں جگہ قابل باز پرس ہے۔ پس اس طرح تین قسم کی باتیں پیش آئی اور اس شخص کی جان تین طرح کے اقدامات سے تلف ہوئی۔ اب چونکہ ہلاک کرنے والوں میں سے ہر ایک پر اقدام قتل کی ایک تہائی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لہٰذا اس اجنبی پر اس کے ذاتی مال سے ایک تہائی خون بہا واجب الادا ہوگا اور باقیوں سے ساقط ہو جائے گا اور ان کا فعل رائیگاں متصور ہوگا۔

Marfat.com

ایک شخص کے قتل کی پاداش میں متعدد اشخاص کو سزائے قتل کا بیان

شافعیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو اگر متعدد اشخاص نے قتل کیا ہو تو ان سب کو سزائے قتل ہوگی' خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو یا کم۔ وہ سب ارتکاب قتل میں شریک رہے ہوں یا جماعت کے بعض اشخاص نے قتل کیا ہو' دھار والے آلے سے قتل کیا ہو یا کسی اور طرح سے۔ مثلاً کسی کو پہاڑ کی بلندی سے گرا دیں یا گہرے سمندر میں ڈال دیں' یا کوئی دیوار اس پر ڈھا دیں۔ قطع نظر اس کے کہ اس شخص کو کتنے' کیسے اور کس قدر بھاری زخم آئے۔ کیونکہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت روایت ہے کہ انہوں نے ایک فرد کے عوض پانچ آدمیوں کو یا بقول ضعیف سات آدمیوں کو قتل کیا جنہوں نے ایک شخص کو دھوکے سے مارا کہ اسے ایسی جگہ رکھا کہ کوئی اسے نہ دیکھ سکے۔ اس بارے میں حضرت ممدوح کا یہ قول مشہور ہے" لو تمالاء علیه اهل صنعاء لقتلتهم جمیعا" (یعنی اگر تمام اہل صنعاء قتل کی سازش میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا) پھر ان کے اس عمل پر اس وقت کے کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا اور اس عمل پر اجماع ہو گیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر ایک جماعت کے قتل پر ایک شخص واجب القتل ہوتا ہے تو ایک شخص کے قتل پر تمام جماعت (شرکائے قتل) کو واجب القتل ہونا چاہیے۔ جیسا کہ تہمت وغیرہ کی پاداش میں (سب پر) حد نافذ ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ حکم قصاص (خون کا بدلہ خون) کی غرض خون ریزی کے سد باب کے لئے ہے۔ اب اگر قتل میں تمام شریک ہونے والوں پر قصاص عائد نہ ہو تو ہر شخص جو کسی کو قتل کرنا چاہے کسی کے قتل میں دوسروں کو شریک کار بنالے گا اور اس طرح قتل کرنے کا بہانہ اس کے ہاتھ آ جائے گا' کیونکہ اس پر قصاص تو عائد ہی نہ ہوگا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ ولیٔ مقتول کو یہ حق ہے کہ ان میں سے کسی کے حصہ کا خون بہا معاف کر دے نیز چاہے تو ان سب کو خون بہا کی ادائیگی سے معاف کر دے۔ پھر یہ ہے کہ جس جس نے اسے زخم پہنچایا واجب الادا خون بہا ان سب پر بحصہ مساوی عائد ہوگا' کیونکہ مختلف زخموں کے اثرات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ممکن ہے کہ ایک شخص کے لگائے ہوئے زخم کی اذیت متعدد زخموں سے زیادہ ہوں اور اگر مثلاً ان سب نے تازیانے مار مار کر قتل کر دیا اور ان میں سے فرداً فرداً ہر ایک نے مارا تو ان سب کو قاتل تصور نہیں کیا جائے گا۔ پس قصاص کے عائد ہونے کی متعدد صورتیں ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ تمام شرکائے قتل کو مستوجب قصاص قرار دیا جائے گا تاکہ کوئی صورت قتل کے روا ہونے یا ناحق خون کرنے کی نہ نکل سکے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جملہ (شرکائے قتل) میں سے کسی پر قصاص عائد نہ ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا فعل (قتل عمد نہیں بلکہ) مشابہ بہ عمد ہیں لہٰذا خون بہا عائد ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے اور یہی سب میں درست معلوم ہوتی ہے کہ جملہ شرکائے قتل پر قصاص عائد ہو بشرطیکہ وہ سب ضربات لگانے کا اقرار کریں اور ان میں ہر ایک کی ضرب کو جان کے ہلاک کرنے میں دخل ہو۔ بخلاف اس صورت کے، جبکہ وہ سب ایک ساتھ پل پڑیں اور یکے بعد دیگرے چوٹ نہ لگائیں، ایسی صورت میں سب پر خون بہا عائد ہوگا۔ چوٹ سے مراد یہ ہے کہ اسے ہلاک کرنے میں دخل ہو۔ ہلکی خراش کو یہاں ضرب قرار نہیں دیا جائے گا۔ مقتول کے

Marfat.com

وارث کو حق ہے کہ وہ ہر ایک سے پورا پورا قصاص لے' کیونکہ جان کے حصے نہیں ہو سکتے اگر اسے خون کے کچھ حصے کا حقدار مانا جائے تو سزائے قتل نہ ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ کچھ حصے کی دلیل یہ ہے کہ اگر خون بہا کا معاملہ ہو تو حصہ کی صورت میں اسے کچھ نہیں ملے گا اور دیت (خون بہا) کا پورا ہونا سب کی شمولیت کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا (حصوں سے) پورا کیا جائے گا۔ اور امام صاحب نے (جواز حصہ کی بابت) اس امر پر قیاس کرنا کہ مرد عورت کو قتل کر دے تو نصف خون بہا واجب ہوتا ہے' غلط فرمایا ہے کیونکہ اس صورت میں (واجب خون بہا کو نصف نہیں کیا گیا بلکہ) نصف خون بہا کو (پورا خون بہا) قرار دے کر واجب کیا گیا ہے۔ عورت کا خون بہا (عام خون بہا کا) نصف ہی پورا خون بہا ہے۔

اگر کسی شخص کا زخم اچھا ہو جائے اور موت واقع نہ ہو تو اس زخم کے مطابق قصاص عائد ہوگا' جان کا قصاص عائد نہ ہوگا' کیونکہ یہ واردات اس حالت میں قتل قرار دی جاتی ہے جبکہ وہ زخم جسم میں سرایت کر کے ہلاکت لاتا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو (چند اشخاص کی) جماعت قتل کر دے تو ان سب کو سزائے قتل نہ ہوگی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سزائے قتل میں مساوات کی شرط رکھی ہے اور فرد واحد جماعت کے مساوی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''و کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس'' (یعنی ہم نے انہیں تورات میں یہ حکم دیا ہے کہ جان کے بدلے جان لی جائے) نیز ارشاد ہے ''الحر بالحر و العبد بالعبد'' (یعنی آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام پر قصاص عائد ہوگا) پس ان (شرکائے قتل) پر حسب تعداد خون بہا عائد ہوگا یا صرف ایک کو قتل کیا جائے گا اور باقی خون بہا دیں گے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک جان کے بدلے تمام جماعت (شرکائے قتل) کو سزائے قتل دی جائے گی۔ ہاں اگر چند اشخاص نے مل کر ایک عضو کو کاٹا ہے تو صرف ایک شخص کا وہ عضو کاٹا جائے گا۔ کیونکہ (قصاص میں) جو قتل کا حکم ہے اس کا مقصد قتل کو مٹانا ہے۔ اگر ایک شخص کے قتل کرنے پر (شرکائے قتل) کی تمام جماعت کو قتل نہ کیا جائے تو جرم قتل میں زیادتی ہو جائے گی کہ لوگ ایک ایک ساتھ مل کر دوسروں کو قتل کرنے لگیں گے' خواہ ایک جماعت اس کے ساتھ شامل ہو یا ایک شخص ہو۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ مقام 'صنعاء' کی ایک عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا اور اپنا ایک بیٹا جو کسی اور بیوی سے تھا اس کا نام 'اصیل' تھا اس کے کمرے میں یعنی (اس کے پاس) چھوڑ گیا۔ اس عورت نے خاوند کے جانے کے بعد ایک اور شخص سے آشنائی کر لی اور اس شخص سے عورت نے کہا کہ یہ لڑکا ہماری رسوائی کا باعث ہے' اسے قتل کر دو اس شخص نے انکار کیا عورت بھی اس سے کھنچ گئی۔ تب وہ شخص پھر عورت کے کہنے میں آ گیا آخر اس شخص نے ایک اور شخص کو ملایا۔ اور اس عورت نے اپنے نوکر کو ساتھ لگایا اور سب نے مل کر اس لڑکے کو قتل کر دیا پھر اس کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک چمڑے کے تھیلے میں رکھا اور ایک غیر آباد جگہ پر لے جا کر اندھے کنوئیں میں جس میں پانی نہ تھا ڈال دیا' عورت کے ایک راز داں نے یہ قصہ بیان کر دیا' اس عورت کا آشنا پکڑا گیا اور اس نے اقرار جرم کر لیا اور باقی شرکائے قتل نے بھی اقرار کر لیا ان حالات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو ان دنوں یمن کے حاکم (گورنر) تھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کے قتل کرنے کا حکم نامہ ارسال کیا اور فرمایا ''و اللہ لو ان اھل صنعاء

Marfat.com

اشتراکوا فی قتلہ لقتلتھم اجمعین' '(یعنی بخدا اگر صنعاء کے تمام باشندے اس قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیتا) اس واقعہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں ایک شخص کے قتل میں شریک ہونے والی تمام جماعت کو سزائے قتل ہوگی۔ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اس سے متفق ہیں۔ کسی نے اس رائے سے اختلاف نہیں کیا۔ پس اس حکم پر تمام امت کا اجماع ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ غلبہ کی بناء پر قتل کرنا موجب فساد عظیم ہے اور اس خرابی کی صورت میں بدکرداروں کی تنبیہ لازم ہوتی ہے لہٰذا جبری قتل کے خلاف سخت تدارک ہے' چنانچہ قتل عمد کی بیخ کنی کے لئے قصاص کا حکم ہے تاکہ بدکردار باز آجائیں۔ پس تحفظ جان کے لئے یہ حکم ضروری ہے۔

صاحب 'نہایہ' فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحسان (مصلحت عمومی) کی بناء پر ہے وگرنہ قاعدہ کی رو سے ان پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ قصاص (مبادلہ کی سزا) میں یکسانیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اگر سزا میں زیادتی کی جائے تو مجرم پر ظلم ہے اور کمی کی جائے تو مظلوم کی حق تلفی ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ ایک اور دس میں مساوات نہیں ہے اور یہ امر بدیہی ہے جسے عقل تسلیم کرتی ہے۔ پس جبکہ دس میں سے ایک فرد ہی فرد واحد کے مساوی ہوسکتا ہے تو دس ایک کے مساوی کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی قاعدہ کی تائید کرتا ہے ''کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس' '(یعنی ہم نے تورات میں جان کے بدلے جان کا حکم دیا ہے) اور یہ ارشاد کئی جانوں کے مقابلہ میں ایک جان کو ہم پلہ رکھنے کی نفی کرتا ہے۔ لیکن اس قاعدہ کو ایک روایت کی بنا پر نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ صنعاء کے سات باشندوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو قصاص میں قتل کا حکم دیا اور پھر فرمایا ''لو تمالاء علیہ اھل صنعاء لقتلتھم بہ'' (یعنی اگر تمام اہل صنعاء اس قتل میں شریک ہوتے تو اس کے بدلے میں ان سب کو قتل کر دیتا)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تین یا زیادہ کی جماعت کو ایک شخص کے قتل کے عوض سزائے قتل ہوگی بشرطیکہ ان سب نے اسے مارنے کا ارادہ کیا ہو اور سب نے مل کر اسے ضرب لگائی ہو اور ان میں سے ہر ایک کی ضربات میں پہچان نہ ہوتی ہو (کہ کون سی ضرب کس نے لگائی) اب خواہ موت ان سب کے مارنے سے واقع ہوئی ہو یا بعض کے مارنے سے اگر یہ معلوم ہو کہ کس نے کہاں کہاں ضرب لگائی اور اگر کسی کی ضرب نازک (جان لیوا) جگہ پر لگی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کس کی ضربات سے موت واقع ہوئی تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور ان سب کے مالوں سے خون بہا واجب الادا ہوگا بشرطیکہ ان سب نے مل کر قتل کی سازش نہ کی ہو۔ اسی طرح اگر سب کی ضربات یکساں تھیں تو سب کو سزائے قتل ہوگی' اگر ضربات میں امتیاز کیا جاسکے۔ اور ان میں سے کسی کی ضربات کو جان لینے میں سب سے زیادہ دخل ہو تو جس کی ضرب سب سے زیادہ شدید تھی تو اسی شخص کو (سزا میں) بمقابلہ دوسروں کے مقدم رکھا جائے گا بشرطیکہ اس ضرب کا لگانے والا معلوم ہو اگرچہ سب نے قتل کرنے اور مارنے کا ارادہ کیا ہو اور سب موجود ہوں اور ایک کے سوا سب شریک قتل نہ ہوں بایں طور کہ اگر وہ ارتکاب نہ کرتا تو کوئی دوسرا اسے نہ چھوڑتا۔ اب خواہ یہ قتل ایسے آلہ قتل سے ہوا ہو جس سے بالعموم قتل ہوتے ہیں یا ایسے آلے سے ہوا جسے بالعموم قتل کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر سب نے اتفاق کر کے قتل کا ارتکاب کیا ہو تو سب کو سزائے قتل ہوگی اگرچہ کسی ایک کی

Marfat.com

چوٹ کاری لگی ہو یا وہ چوٹ کسی تازیانے وغیرہ کی ہو۔ اگر سب نے بالارادہ اسے مارا گو سب نے اتفاق نہ کیا ہو تب بھی تمام شرکاء واجب القتل ہوں گے۔ اگرچہ ان کی ضربات میں امتیاز نہ ہو سکے (کہ کس نے کون سی ضرب لگائی) یا امتیاز ہو سکتا ہو لیکن سب کی ضربات یکساں ہوں یا یکساں نہ ہوں لیکن یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کس کی ضرب سب سے زیادہ شدید تھی یا کس نے پہلے ضرب لگائی اور کسی اور کو سزا دی گئی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ایسے حالات میں مضروب مردہ پایا جائے یا اس کے نازک حصہ جسم پر چوٹ آئی ہو یا بیہوش ہو اور اسی بے شعوری کی حالت میں موت واقع ہو جائے۔ بصورت دیگر "قسامہ" واجب ہوگا (یعنی ورثائے مقتول قسم کھائیں گے کہ اس کی موت ان کی ضربات سے واقع ہوئی) (قسامہ کے بعد) صرف ایک شخص کو سزائے قتل ہوگی واللہ اعلم بالصواب۔

متعدد اشخاص کے قاتل کا بیان

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر فرد واحد نے آزاد مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر دیا تو اس پر خون بہا کے سوا اور کوئی سزا عائد نہ ہوگی اس کے بعد اس کے ذمہ کچھ نہ رہے گا۔ البتہ اگر مقتولوں کے ورثاء حاکم کے سامنے دعویٰ خون کریں تو ان سب کی طرف سے اس شخص کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور ورثا کو کچھ نہ ملے گا۔ اگر ان ورثاء میں سے کوئی ایک شخص دعویٰ کرے تب بھی اس قاتل کو سزائے قتل ہوگی اور دوسروں کا حق مطالبہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اب جس سے قصاص لینا ہے وہی نہ رہا۔ نیز اس لئے بھی کہ ورثائے مقتول میں سے ہر ایک کو بلحاظ احکام شرع (مقتول کی طرف سے) جو مماثلت مدنظر ہے وہ پوری ہو جائے۔ اب درآنحالیکہ (جرم قتل کے عوض) مجرم کو بنابر فیصلہ اول قتل کر دیا گیا تو مماثلت پوری ہوگئی۔ اگر مماثلت مدنظر نہ ہوتی تو قصاص (خون کا بدلہ خون) واجب ہی نہ ہوتا۔

پھر یہ بھی ہے کہ اس طرح ورثائے مقتول میں سے ہر ایک کی طرف سے گویا کاری (جان لیوا) زخم لگایا گیا لہٰذا سزائے قتل (جو ایک شخص کے مطالبہ پر ہوئی) وہ تمام ورثاء کی طرف سے سمجھی جائے گی کیونکہ "قتل" کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا (کہ سزائے قتل میں تھوڑا تھوڑا حصہ سب نے لے لیا) بہر حال یہ حکم قصاص ان اسباب کے نتیجہ میں ہوا جن کو جماعت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ نسبت حصہ رسدی ہوگی یا یک جائی۔ پہلی صورت صحیح نہیں ہے کیونکہ قصاص کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا لہٰذا دوسری صورت قرار پائے گی (یعنی سزائے قتل یک جائی متصور ہوگی) یہی وجہ ہے کہ اگر (مثلاً) ایک جماعت کسی کو قتل نہ کرنے کی قسم کھائے اور سب نے مل کر قتل کیا ہو تو (یہ نہیں کہا جائے گا کہ سب نے تھوڑا تھوڑا قتل کیا کیونکہ فعل قتل کے حصے نہیں ہو سکتے بلکہ) سب کو قاتل قرار دیا جائے گا اور سب قسم توڑنے والے متصور ہوں گے۔

پھر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "الآدمی بنیان الرب ملعون من هدم بنیان الرب" (یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی ایک تعمیر ہے۔ وہ شخص ملعون ہے جو اللہ کی تعمیر کو ڈھائے) یہ ارشاد باوجود اس کے کہ قتل کے منافی ہے شریعت نے قصاص کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قاتل کو قتل کئے جانے کے حکم سے لوگوں کی زندگی کے (کے تحفظ) کی غرض پوری ہوگئی۔ لہٰذا صرف اسی کو کافی سمجھا گیا اس کے علاوہ ورثاء کو اور کچھ نہ ملے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے مسلمانوں کی ایک جماعت کا ناحق خون کیا تو (مقتولوں میں سے) پہلے شخص

Marfat.com

کے قتل پر، قاتل کو سزائے قتل ہوگی اور باقی مقتولوں (کے ورثاء) کو اموال کی شکل میں خون بہا کا حق ہوگا۔ اگر تمام آدمیوں کا قتل ایک ہی وقت میں ہوا مثلاً وہ لوگ سو رہے تھے اور ان پر دیوار گرا دی جس سے بیک وقت سب ہلاک ہو گئے تو مقتولوں کے ورثاء میں قرعہ ڈالا جائے گا جس مقتول کے وارث کے نام قرعہ نکلے اس مقتول کے عوض قاتل کو سزائے قتل ہوگی اور باقی ورثائے مقتولین کو صرف خون بہا ملے گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان سب کے قتل کی پاداش میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور خون بہا کو ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ اب قصاص ممکن نہیں جیسے کسی ملزم کی وفات کے بعد (ہوتا ہے کہ) سزا ممکن نہیں۔ اگر قاتل کے ترکہ میں اتنی گنجائش ہے کہ (پورا خون بہا) مقتولوں کے ورثاء میں تقسیم کیا جاسکے تو فبہا ورنہ جو ترکہ بھی ہے وہ حصہ رسدی خون بہا کی طرح تقسیم کیا جائے گا۔ یہ حکم اس لئے کہ یہ معاملہ ایک شخص کے متعدد قتلوں کا ہے اور وہ شخص جس پر قتل نافذ ہوا ایک ہے لہٰذا اس میں مماثلت نہیں ہے بلکہ اسے فیصلہ سابقہ پر قیاس کیا گیا ہے۔ لیکن یہ شریعت میں مشہور ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ دین اسلام میں قصاص اور جرم میں یکسانیت کا لحاظ مدنظر رکھا گیا ہے تاکہ سزا کی زیادتی سے مجرم پر ظلم نہ ہو اور کسی سے اس شخص کی حق تلفی نہ ہو جس کا جرم کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر سزا جرم کے مطابق ہو تب ہی ظلم یا حق تلفی سے بچا جاسکتا ہے۔

اب اگر قصاص کے پہلے حقدار کے علاوہ کسی اور نے یا جسے قرعہ کی رو سے قصاص کا حقدار قرار دیا گیا اس کے سوا کسی اور نے قصاص لیا تو یہ گناہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسے شخص کو قتل کرنا ہے جسے قتل کا حکم نہیں تھا تاہم حاکم پر لازم ہے کہ اس عمل میں دوسرے کا حق ضائع کرنے پر اسے معذور سمجھے اور سزائے قتل کو قصاص قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اب (قصاص لینے کا) حق (قصاص یافتہ شخص کے ولی کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس کے لئے دلیل یہ ہے کہ اگر وارث اول (اپنا حق) معاف کر دے تو حق ولایت اس کے بعد کے دوسرے ولی کو منتقل ہو جاتا ہے باقی ورثاء کے لئے خون بہا واجب ہے کیونکہ مجبوراً انہیں قصاص لینا ناممکن ہے۔ اگر تمام (دعویداروں) نے (قاتل کو) مارا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو برا کیا یہ ان سب کی طرف سے خون کا بدلہ سمجھا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک خون بہا کا بقیہ حصہ اسے واپس کر دے گا۔ چنانچہ اگر مارنے والوں کی تعداد تین ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے حق کا ایک تہائی حصہ لے گا اور اس ولی کو دو تہائی حصہ ملے گا اگرچہ کسی اجنبی نے اسے قتل کر دیا ہو اور مقتول اول کے ولی نے خون بہا کا اپنا حق معاف کر دیا ہو۔

اگر مقتول کے تمام ورثاء قصاص اور خون بہا میں شریک ہونے کا مطالبہ کریں تو یہ مطالبہ منظور نہیں کیا جائے گا۔

اگر مقتول اول کا ولی یا مقتولوں میں سے کسی کا ولی، بچہ، جنون زدہ یا موجود نہ ہو تو قاتل کو قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ ولی بالغ ہو جائے، جنون سے افاقہ پا جائے یا سفر سے واپس آجائے (اس کے بعد قصاص، دیت یا معافی کا تصفیہ ہوگا)۔

اگر ایک شخص نے کسی کو ضرب شدید لگائی مثلاً پچیس کوڑے مارے اور اس کے بعد کسی دوسرے شخص نے سابقہ ضربات کی تکلیف پر دو تین کوڑے اور مارے اور وہ جانتا تھا کہ اسے پہلے مار پڑ چکی ہے (اور ان ضربات سے) اس کی موت واقع ہوگئی تو وہ دونوں مستوجب قصاص ہوں گے۔ کیونکہ دونوں کا ارادہ ہلاک کرنے کا تھا۔ ہاں اگر دوسرے شخص کو

Marfat.com

پہلی مار کا علم نہ تھا تو دونوں میں سے کسی پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ (ظاہر ہے) دوسرے شخص نے ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اور پہلا شریک ضرب (جو بلا ارادہ قتل تھی) متصور ہوگا۔ البتہ پہلے شخص پر قتل عمد کے خون بہا میں سے (اس کے اقدام کے مطابق) اس کے حصہ کا خون بہا عائد ہوگا اور دوسرے پر قتل شبہ عمد کے خون بہا کا حصہ اس کی ضربات کی نسبت سے عائد ہوگا۔ اگر وقوعہ کی نوعیت اس کے برعکس ہو (یعنی ایک شخص نے پہلے صرف دو کوڑے مارے اور دوسرے نے پچاس کوڑے مارے) تب بھی دونوں میں سے کسی پر قصاص (خون کا بدلہ خون) عائد نہ ہوگا' کیونکہ پہلے شخص کا اقدام شبہ عمد ہے اور دوسرا اس (شبہ عمد کے اقدام میں شریک ہے' لہٰذا پہلے شخص پر اس کی ضربات کے مطابق شبہ عمد کے قتل کا حصہ خون بہا عائد ہوگا اور دوسرے پر اس کی ضربات کے مطابق شبہ عمد کے خون بہا کا حصہ عائد ہوگا۔

اگر کسی نے ایک جماعت کو یکے بعد دیگرے قتل کیا یا ان کے اعضائے جسم کاٹے تو سزائے قتل یا سزائے قطع اس جرم کی پاداش میں ملے گی جو پہلے وقوع پذیر ہوا بشرطیکہ قصاص کے اولین حقدار نے اپنے حق کو معاف نہ کیا ہو۔ واضح ہو کہ قاتل آزاد ہو یا غلام دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ اگر قاتل غلام ہو تو تمام مقتولوں کی پاداش میں اسے قتل کیا جائے گا۔ اگر ایک کا قتل معاف کر دیا جائے تو دوسرے کے قتل کی پاداش میں یا پھر تیسرے قتل کے بدلے وغیرہ اور مقتول کا پہلا یا بعد کا ہونا موت کے واقع ہونے پر ہوگا ضرب لگانے کے اعتبار سے نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کئی اشخاص کو یکے بعد دیگرے قتل کیا اور تمام مقتولوں کے ورثاء نے حاضر ہو کر مطالبہ قصاص کیا تو اسے سزائے قتل پہلے مقتول کے قتل کی پاداش میں ہوگی۔ باقی ورثائے مقتول کے مطالبہ پر نہ ہوگی۔ اگر قاتل نے ان سب کو یکجائی طور پر ہلاک کیا اور یہ معلوم نہ ہوا کہ پہلے کس کو موت آئی اور مقتولوں کے وارثوں نے حاکم کے سامنے قصاص کا مطالبہ کیا تو ان سب کے قتل کی پاداش میں اس کو قتل کیا جائے گا اور خون بہا اس پر عائد نہ ہوگا۔

اگر مقتولوں کے ورثاء میں سے بعض نے قصاص کا مطالبہ کیا اور بعض نے دیت (خون بہا) کا تو قصاص کا مطالبہ کرنے والے کی طرف سے سزائے قتل ہوگی اگرچہ وہ دو سے زائد ہوں اور باقی ورثاء میں سے جنہوں نے خون بہا کا مطالبہ کیا انہیں خون بہا ملے گا۔

اگر تمام ورثاء نے خون بہا کا مطالبہ کیا تو ان میں سے ہر ایک کو پورا پورا خون بہا قاتل کے ذاتی مال سے دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ قتل عمد ہو۔ قاتل کے پدری رشتہ داروں پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ اگر (قاتل کے) ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ تمام ورثاء کو دیا جا سکے تو جو کچھ بھی ہے ہر ایک وارث کو بحصہ رسدی اس میں سے ملے گا جیسا کہ قرض خواہوں سے کیا جاتا ہے۔

دو آدمیوں کا مل کر ایک شخص کا ہاتھ کاٹنا

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر عمداً ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا ہے تو دونوں میں سے کسی پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ البتہ دیت (تاوان) واجب ہوگا۔ کیونکہ ان اصحاب کے نزدیک چند مجرموں کا مل کر قطع عضو کے جرم کا ارتکاب کرنا چند اشخاص کا مل کر کسی کو ہلاک کر دینے کے برابر نہیں ہے۔ پس اگر دو آدمیوں نے مل کر ایک آزاد مرد یا عورت کا یا غلام کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس پر قصاص (یعنی عضو کا بدلہ عضو) نہیں اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ہاتھ کا کچھ حصہ

Marfat.com

کاٹا) پورا ہاتھ نہیں کاٹا) قطع نظر اس کے کہ ایک ہی جگہ سے دونوں نے کاٹا ہو یا مختلف جگہوں سے اس لئے کہ وہ حصہ جو ایک نے کاٹا وہ دوسرے کا کاٹا ہوا نہیں ہے لہٰذا ایک ہاتھ کے کچھ حصہ کا کاٹنے والا پورا ہاتھ کاٹے جانے کی سزا کا مستوجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح (جرم اور سزا میں) مطابقت نہیں رہتی۔ عضو مقطوع کے کئی حصے ہو سکتے ہیں اور یہ ہو سکتا ہے اور عقل میں یہ بات آ سکتی ہے کہ ایک شخص کچھ حصہ عضو کو کاٹے اور کچھ چھوڑ دے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ جس نے ادھورا کام کیا ہے اسے پورے عمل کا مرتکب قرار دیا جائے۔ بخلاف جان ہلاک کرنے کے کہ جان کا اتلاف اجزا میں نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر اس کی تفصیل آ چکی ہے۔ غرض ایسے مجرموں پر نصفا نصف 'دیت' عائد ہوگی۔ کیونکہ ان پر ایک ہاتھ کی دیت عائد ہوگی۔ انہوں نے عمداً اس جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ چند اشخاص نے قتل نفس کے علاوہ کسی اور جرم (یعنی قطع عضو) کا ارتکاب کیا اور ان کی ضربات کا امتیاز کیا جاسکے کہ ان میں سے کس کس نے کہاں کہاں ضرب لگائی تو واجب ہے کہ ان میں سے ہر ایک زخم کی پیمائش کے مطابق (مجرموں سے) قصاص لیا جائے۔ اس میں عضو مقطوع کے نرم 'سخت یا چھوٹا بڑا ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

اگر چند مجرموں نے مل کر قطع عضو کے جرم کا ارتکاب کیا تو ہر ایک سے پورا قصاص لیا جائے گا۔ خواہ ان کی ضربات میں امتیاز ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو۔ یہ حکم بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ جان کے قتل میں ہوتا ہے کہ اگر چند اشخاص نے باہم مل کر ایک شخص کو قتل کیا تو اس ایک کے بدلے تمام مجرموں کو سزائے قتل ہوگی۔ لیکن اگر جراحت رسانوں نے جرم کا ارتکاب باہم مل کر نہیں کیا اور زخموں میں امتیاز نہ ہو سکے (کہ کون سا زخم کس نے لگایا) تو آیا ان تمام مجرموں کو تمام اعضائے مقطوع کا تاوان دینا ہوگا اور قصاص (یعنی عضو کے بدلے عضو) کا حکم نہ ہوگا یا تمام زخموں کا مجموعی قصاص ہر ایک سے لیا جائے گا۔ چنانچہ اگر (مثلاً) تین اشخاص نے جرم کیا۔ ایک نے آنکھ پھوڑی دوسرے نے ہاتھ جدا کیا اور تیسرے نے پاؤں کاٹ دیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ آنکھ کس نے پھوڑی اور ہاتھ یا پاؤں کس نے کاٹا؟ اور اس میں انہوں نے ایک دوسرے کی مدد نہ کی ہو اور ہر ایک سے منفرداً یہ جرائم وقوع پذیر نہ ہوئے ہوں تو ہر ایک سے پورا قصاص لیا جائے گا یعنی سب کی آنکھ پھوڑی جائے گی اور ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے بصورت دیگر زیادہ قوی مسلم وہی ہے جو پہلے بتایا گیا (کہ بقدر جراحت ہر ایک سے تاوان لیا جائے)۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عضو کاٹنے اور جراحت رسانی کے مجرم کا مستوجب قصاص ہونا ان ہی شرائط پر موقوف ہے جو قتل کے لئے ہیں۔ یعنی مجرم مکلف ہو (جس پر احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں) اور ذمہ دار ہو۔ مجروح کی بنیاد (یعنی باپ دادا وغیرہ) نہ ہو اور یہ کہ مجروح مجرم کا ہم پلہ ہو (یعنی ایسا نہ ہو کہ مثلاً مجروح غلام ہو اور مجرم آزاد ہو' تاہم جرم اور سزا میں مساوات شرط نہیں ہے جیسا کہ جان کے قصاص میں بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ غلام کے بدلے غلام کو' عورت کے بدلے مرد کو نیز اس کے برعکس (یعنی مرد کے بدلے عورت کو) مسلم کے بدلے ذمی (یعنی غیر مسلم رعایا) کو اور آزاد کے بدلے غلام کو سزائے قطع دی جائے گی اس کے برعکس (یعنی ذمی کے بدلے آزاد کو) سزائے قصاص نہ ہوگی نیز اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جرم کا ارتکاب عمداً اور عدواناً کیا گیا ہو۔ کیونکہ عمداً ارتکاب جرم نہ ہو یا غلطی سے جرم سرزد ہو گیا ہو یا شبہ عمد ہو (یعنی عمداً

Marfat.com

ارتکاب کے مشابہ فعل سرزد ہوا ہو) تو قصاص عائد نہ ہوگا۔ غلطی سے زخمی کر دینے کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی دیوار پر پتھر کھینچ کر مارے اور وہ پتھر کسی انسان پر جا پڑے اور اس کا سر زخمی ہو جائے۔ شبہ عمد کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے سر پر چپت مارے۔ یا چھوٹا سا پتھر جس سے بالعموم زخم نہیں ہوا کرتا لیکن اس پتھر سے گومڑا پڑ جائے یا کھوپڑی کھل جائے یا اس طرح کا کوئی عمل سرزد ہو جائے وغیرہ۔

ایک ہاتھ کے بدلے متعدد اشخاص کے ہاتھ بھی کاٹے جا سکتے ہیں۔ جب کہ چند اشخاص مل کر (کسی کا) ہاتھ کاٹ دیں۔ مثلاً وہ سب مل کر خنجر کسی کے ہاتھ پر رکھ دیں اور سب مل کر اسے اتنا دبائیں کہ ہاتھ کٹ جائے تو ان سب پر قصاص عائد ہوگا یعنی سب نے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو سب کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے جیسا کہ جان ہلاک کرنے پر ہوتا ہے۔

یہاں پر کہا جا سکتا ہے کہ دو شخص مل کر اگر چوری کرتے ہیں اور بحیثیت مجموعی مال مسروقہ مقدار سرقہ کے برابر ہو جائے (لیکن وہ مال دونوں میں تقسیم ہو کر مقدار سرقہ کے برابر نہیں ہوگا) تو ان دونوں کو سزائے قطع ید نہ ہوگی' اسی طرح اس صورت میں بھی کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چوری کی پاداش میں ہاتھ کاٹا جانا اللہ کا حق ادا کرنا ہے اور (اللہ بے نیاز ہے لہٰذا نفاذ حدود میں نرمی برتی جا سکتی ہے۔ بخلاف قصاص کے کہ وہ بندے کا حق ہے اور ایسی سزا ہے جو آئندہ کے لئے جرم کا سدباب کرنے اور انسانی جان کا احترام ملحوظ رکھنے کے لئے تجویز کی گئی ہے (لہٰذا حقدار کے سوا کسی اور کو معافی یا نرمی کا حق نہیں ہے)۔

اگر شرکائے جرم میں سے ہر ایک کے افعال کی تعیین ہو سکے۔ مثلاً ان میں سے ہر ایک نے (کسی کا عضو بدن) مختلف زاویوں سے کاٹا ہو یا دونوں نے مختلف دھار دار آلے استعمال کئے ہوں تو ان میں سے کسی پر بھی قصاص واجب نہ ہوگا' کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے (پورا ہاتھ نہیں کاٹا بلکہ) ہاتھ کا حصہ کاٹا' لہٰذا (مجرم کا) پورا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ ہر ایک پر نصف دیت عائد ہوگی۔

اگر چند اشخاص نے مل کر کسی کے عضو کا کچھ حصہ کاٹا یا مثلاً آری سے کاٹنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ ایک طرف سے ایک نے اور دوسری طرف سے دوسرے نے کھینچا تو جمہور علماء کا کہنا ہے کہ ان میں سے کسی پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ جرم اور سزا میں مماثلت دشوار ہوگی۔ محل قصاص (یعنی جس عضو پر قصاص عائد ہوتا ہے) پیچیدہ پٹھوں' رگوں اور شریانوں پر مشتمل ہے۔ ساتھ ہی اعضاء کی ساخت میں بھی اختلاف ہوتا ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک پر ان کے جرائم کے مطابق اس قدر مطالبہ عائد کیا جائے گا جس کا مجموعہ کی ہاتھ کی دیت (تاوان) کے برابر ہو جائے۔

ایک شخص کا دو شخصوں پر زیادتی کرنا

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دو شخصوں کے دائیں ہاتھ کاٹ دیئے اور دونوں نے دعویٰ قصاص کیا تو ان کو حق ہے کہ اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیں اور اس شخص سے نصف خون بہا وصول کر کے نصفا نصف باہم تقسیم کر لیں خواہ اس شخص نے دونوں کے ہاتھ ایک ہی وقت میں کاٹے ہوں یا یکے بعد دیگرے کاٹے ہوں، کیونکہ دونوں کیلئے حق مطالبہ کا موجب یکساں ہے۔ لہٰذا دونوں کے حق میں یکساں فیصلہ ہوگا۔ جس طرح کہ مال ترکہ میں دو قرض خواہوں کا حق ہوتا ہے اور

Marfat.com

قصاص نام ہے کسی فعل کے مالک ہونے کا۔ اگرچہ امر منافی قصاص موجود ہو۔ لہٰذا قصاص اس کے حق میں ہوگا جس نے پورا حق لیا اور جب محل قصاص (یعنی وہ عضو جس پر قصاص عائد ہوتا ہے) باقی نہ ہو تو دوسرے کے ثبوت حق کو مانع نہیں ہے۔ بخلاف رہن کے۔ پس یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک غلام نے دو شخصوں کے دائیں ہاتھ یکے بعد دیگرے کاٹ دیئے تو دونوں کو ایک ہی غلام پر حق ہے۔

اگر ان دونوں میں سے جن کے ہاتھ کاٹے گئے ایک نے دعویٰ کیا تو مجرم کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسرے شخص کو نصف تاوان کا حق ہوگا۔ کیونکہ موجود الوقت کو اپنا حق لینے کا اختیار ہے اور غیر موجود کا حق رد کیا جائے گا اور درآنحالیکہ پورا حق ادا ہو گیا تو مزید ادائے حق کا امکان نہ رہا۔ لہٰذا دوسرے شخص کا حق صرف خون بہا قرار پائے گا' کیونکہ ایک مستحق نے اپنا حق پورا لے لیا تو وہ ادا ہو گیا جب ایک مستحق کو پورا حق مل گیا تو دوسرے کا حق تاوان سے پورا کیا جائے گا (کیونکہ قصاص تو ممکن نہیں ہے)۔

اگر کسی نے ایک شخص کا دایاں ہاتھ اور دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو مجرم کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس صورت میں (جرم کو سزا کے ساتھ) مناسبت نہیں رہی کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک طرح کے نقصان اٹھائے اور ان دونوں نے مجرم کو اسی طرح کا نقصان پہنچا دیا۔ اس طرح ہر ایک کے حق کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس صورت میں نہ جنس منفعت کو نظر انداز کیا گیا ہے اور نہ حق سے زیادہ دیا گیا ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر دونوں نے ایک ساتھ قصاص کا مطالبہ کیا تو ان دونوں کے حق میں مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور تاوان نہ ہوگا اگر دونوں میں سے ایک نے قصاص کا اور دوسرے نے تاوان کا مطالبہ کیا تو قصاص کے مطالبہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسرا تاوان کا حق دار ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دو شخصوں پر زیادتی اور ان دونوں کے دائیں ہاتھ بیک وقت یا یکے بعد دیگرے کاٹ دے تو اس کا دایاں ہاتھ دونوں جرموں کی پاداش میں کاٹا جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ اب پورا پورا بدلہ لینا ممکن نہیں ہے اور سزا مطابق جرم نہیں دی جاسکتی۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دو اشخاص کے دائیں ہاتھ یکے بعد دیگرے کاٹ دیئے تو پہلے جرم کی پاداش میں مجرم کا ہاتھ کاٹا جانا واجب ہے اور دوسرے جرم کی پاداش میں تاوان واجب ہوگا۔ اگر ان دونوں کے ہاتھ ایک ساتھ ہی کاٹے گئے تو ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جس کے نام قرعہ نکلے اس کے ہاتھ کے عوض تو مجرم کا ہاتھ کاٹا جائے اور اس میں دوسرے کے حق کی ادائیگی متصور نہ ہوگی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے (ایک مال کو) رہن رکھنے کے بعد پھر رہن رکھنا اور (چونکہ دو جرموں کے مشترکہ ارتکاب قطع میں مجرم کا ایک ہاتھ کاٹنے سے دونوں کا حق ادا نہیں ہوسکتا لہٰذا قرعہ ڈال کر ایک کے حق کو فوقیت دی جائے گی اور دوسرے کے لئے مجرم پر تاوان واجب الادا ہوگا تاکہ مجرم پر جو اس کا حق ہے رائگاں نہ ہو۔ قتل عمد کی صورت میں بھی (جب کہ بیک وقت دو کو قتل کیا جائے) یہی ہوتا ہے اسی طرح جب مستحق اول کے تعین کا معاملہ مشتبہ ہو جائے۔ (کہ مطالبہ قصاص کا پہلا حق دار کون ہے) تو اسی طریق کار (قرعہ اندازی) کو اختیار کیا جائے گا۔

Marfat.com

اس حالت کا بیان جب کہ ایک شخص نے کسی کو پکڑ رکھا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک کو کسی نے جکڑ رکھا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا تو قاتل پر قصاص عائد ہوگا اور جس نے پکڑ رکھا تھا اس پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ ارتکاب قتل کرنے والا وہی شخص ہے اور پکڑ کر رکھنے والا قتل کرنے کے کام میں اس کا شریک نہیں تھا۔ البتہ وہ مستوجب سزا ہے اور حاکم وقت اسے عمر قید سزا دے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ 'اذا امسک الرجل الرجل وقتلہ الآخر' یقتل الذی قتل' ویُحبَس الذی امسک '' بروایت دار قطنی (یعنی اگر ایک شخص نے کسی کو پکڑ رکھا اور کسی دوسرے شخص نے اسے قتل کر دیا تو قتل کرنے پر حکم قصاص عائد ہوگا)۔ کیونکہ فعل قتل کا ارتکاب اسی نے کیا ہے اور جس نے پکڑ رکھا تھا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ حاکم جتنے عرصے کے لئے مناسب سمجھے اس کو سزائے قید دے۔ قید کی مدت کا کم یا زیادہ ہونا اس کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ اس سزا کا مقصد مجرم کی اصلاح ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ اسے تمام عمر قید میں رکھا جائے۔ اس کے بارے میں انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ مجرم (قتل کرنے والا) مکلف ہو۔ پس اگر کسی شخص نے ایک شخص کو پکڑ کر کسی پاگل کے حوالے کر دیا یا کسی درندے کے آگے ڈال دیا اور اس درندے نے اسے پھاڑ کھایا تو ان دونوں صورتوں میں پکڑنے والے پر حکم قصاص عائد ہوگا اور اگر ایک شخص نے کسی صغیر سن کو بدوران نشانہ بازی نشانہ پر رکھا۔ یعنی پہلے سے نشانہ پر رکھ کر دوسرے کا نشانہ نہیں بنایا اور وہ بچہ اس نشانہ باز کا نشانہ بن گیا تو جس نے اس بچے کو آگے رکھا تھا اس پر حکم قصاص عائد ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ شخص (پکڑنے والا) مرتکب قتل متصور ہوگا۔ یہ جرم ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کسی کو گڑھے میں پھینک دے غرض اس صورت میں نشانہ باز پر الزام عاید نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ایسا ہے جیسے کسی نے گڑھا کھودا ہو۔ بخلاف اس کے اگر کسی بچہ کو کسی کے نشانہ سے پہلے نشانہ پر لا کر رکھا۔ ایسی صورت میں نشانہ لگانے والا مستوجب قصاص ہوگا۔ کیونکہ اس نے بچے کو نشانہ بنا کر ارتکاب قتل کیا اور اس پر اسی طرح قصاص عائد ہوگا جیسے کسی کو کنوئیں میں دھکا دے کر مارا ہو۔ کنواں کھودنے والا نہیں پکڑا جائے گا۔ کنواں کھودنے کو ارتکاب قتل میں کوئی دخل نہیں ہے۔

امام علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ 'انہ قضی فی رجل قتل رجلاً متعمداً' وامسکہ آخر قال: یقتل القاتل' و یحبس الآخر فی السجن حتی یموت' (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی بابت فیصلہ دیا جس نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جسے کسی اور نے پکڑ رکھا تھا کہ جس نے قتل کیا اسے سزائے قتل اور دوسرے کو عمر قید سزا دی جائے) بروایت امام شافعی رحمہ اللہ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو قتل کرنے کے ارادے سے پکڑ رکھا اور ایک دوسرے نے اسے قتل کر دیا اور پکڑنے والے کی گرفت ایسی تھی کہ اگر وہ نہ پکڑتا تو قاتل اسے قتل نہ کر سکتا تو ان دونوں پر یکساں خون بہا عائد ہوگا۔ پکڑنے والے پر اس لئے کہ وہ سبب قتل بنا اور قاتل پر اس لئے کہ اس نے خود ارتکاب قتل کیا۔ مالکیہ نے پکڑنے والے پر خون بہا کے عائد ہونے کی تین قابل لحاظ شرطیں رکھی ہیں ایک تو یہ ہے کہ قتل کرانے کے لئے پکڑ رکھا ہو دوسرے یہ کہ وہ جانتا ہو کہ قاتل اسے قتل کرنا چاہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر وہ اسے پکڑ کر نہ رکھتا تو قاتل کا بس اس پر نہ چل سکتا۔ پس اگر کسی نے عام طور کی مار پیٹ کے لئے پکڑ لیا ہے یا اسے علم نہ ہو کہ قاتل کا ارادہ اسے قتل کرنے کا ہے یا یہ کہ اس کا قتل ہونا اس کے پکڑنے پر منحصر نہ تھا تو اس صورت میں صرف اس کو سزائے قتل ہوگی جس نے عملاً ارتکاب قتل کیا اور پکڑ کر رکھنے

Marfat.com

والے کو ایک سو دروں اور پورے ایک سال قید سزا ہوگی تاکہ اسے عبرت حاصل ہو۔

حنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک کی رو سے (مندرجہ بالا صورت میں) قتل کرنے والے کو بہرحال سزائے قتل ہوگی اور جس نے پکڑ رکھا تھا اسے عمر قید کی سزا ہوگی۔ دوسری روایت کی رو سے ان کا کہنا یہ ہے کہ ان دونوں کو غیر مشروط طور پر سزائے قتل ہوگی قاتل کو تو ارتکاب قتل کی بناء پر اور پکڑ کر رکھنے والے کو اس لئے کہ وہ قتل کا سبب بنا کہ اگر وہ پکڑ کر نہ رکھتا تو قتل نہ ہوتا۔

قتل خطا (یا قتل غیر عمد) میں دیت کی معافی کا بیان

مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ اور جمہور فقہائے دیار کا کہنا ہے کہ اگر مقتول اپنا خون بہا معاف کردے تو تاوان کے صرف تیسرے حصہ میں اس معافی کا نفاذ ہوگا، سوا اس صورت کے جبکہ ورثاء اس معاف کرنے کو جائز قرار دیں اس حالت میں قاتل کے ذمہ کا تاوان معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ ورثائے مقتول نے مال موروثہ کی وراثت میں سے اپنا حق معاف کر دیا ہے اور اس کی دلیل ان کے نزدیک یہ ہے کہ مقتول اپنا مال موت کے بعد وارثوں کو بخش دیتا ہے اور چونکہ دیت (تاوان) بھی مقتول کی جان جانے کے بعد ہی واجب ہوتا۔ اس لئے وہ (تاوان) وارثوں کو منتقل ہو جاتا ہے اور متوفی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ ورثہ کے بارے میں وصیت کرے۔ اس کی بنیاد وہ شرعی حکم ہے جو وصیت کے متعلق آیا ہے کہ اس حکم کے بموجب وصیت پر عمدرآمد ایک تہائی مال سے زیادہ میں نہیں ہوسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وصیت کے بارے میں استفسار کرنے والے ایک صحابی کو) فرمایا "الثلث، والثلث کثیر" (یعنی وصیت ترکہ صرف تیسرے حصہ تک کر سکتے ہو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے)، حسن، طاؤس اور فقہاء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ قتل خطا (قتل غیر عمد) کی صورت میں تاوان واجب کو معاف کر دینا جائز ہے، جس کے بعد قاتل کے ذمہ سے اس کی ادائیگی جاتی رہے گی۔ اس کی بابت ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر مقتول کے خون کو معاف کیا جاسکتا ہے تو مال (تاوان) معاف کیا جانا زیادہ قرین قیاس ہے، اس لئے بھی کہ تاوان کا حقدار پہلے مقتول ہوتا ہے اور بعد میں وہ وارثوں کو منتقل ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ورثائے (مقتول) میں بڑے اور چھوٹے ہیں اور بڑے معاف کر دیں تو چھوٹوں کو تاوان میں سے صرف ان کا حصہ ملے گا اور بڑے کی معافی چھوٹے پر اثر انداز نہ ہوگی۔ اگر (وارث) بچے کا کوئی ولی مثلاً باپ یا اس کا وصی ہے اور وہ بچہ بلا شرکت غیرے قصاص کا مستحق ہو تو ولی کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ مجرم کو سزائے قتل دینے یا دیت (تاوان) وصول کرنے میں سے کس بات میں (بچے کے لئے) بہتری ہے اگر دونوں ہی باتیں مصلحت کے اعتبار سے یکساں ہیں تو ولی کو اختیار ہوگا (کہ دونوں میں سے جس بات کو چاہے مطالبہ کرے) لیکن اس کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ مجرم کی سہولت کے لئے خون بہا کا کچھ حصہ وصول کرے، اگر کامل خون بہا میں سے کچھ حصے پر صلح کر لی تو وہ بچہ بڑا ہو کر قاتل سے بقیہ (خون بہا) کا مطالبہ کر سکتا ہے، اگر مجرم نادار ہو تو اب بھی وہ (تاوان سے) کم مقدار پر صلح کر سکتا ہے، اگر کسی نابالغ کو قتل کیا گیا تو اس کے ولی کو (اس کی پاداش کے بارے میں) دخل دینے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ اس کے پشتینی رشتہ دار کو فیصلہ کا حق ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی بچے کے غلام کو قتل کر دیا، یا اسے زخم پہنچایا تو نابالغ (مقتول) کے ولی کے لئے بہتر

Marfat.com

یہی ہے کہ رقم تاوان وصول کرے، قصاص (خون کا بدلہ خون) نہ لے، کیونکہ اس سے بچے کو کوئی فائدہ نہ ہوگا' لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس قاتل سے بچے کو اور کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو' اگر ایسا اندیشہ ہو تو سزائے قصاص ہی لازم ہوگی۔ اور (اس قسم کے مسائل میں) کوتاہ فہم انسان کا بھی یہی حکم ہے نیز اعضائے بدن کے قصاص کا بھی یہی حکم ہے۔

قصاص جان کے طریقہ کا بیان

مالکیہ کہتے ہیں کہ قاتل کو بھی اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح اس نے (مقتول کو) قتل کیا ہے، اگرچہ اس نے آگ میں جلا کر قتل کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" (یعنی اگر سزائے قصاص دینی ہو تو اسی طرح کی سزا دو جس طرح کی تمہیں اذیت دی گئی)۔ مفسروں کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس امر کا ثبوت ہے کہ سزائے قصاص کا اسی طرح دینا جائز ہے جس طرح جرم کیا گیا۔ چنانچہ اگر دھاردار آلے سے قتل ہوا تو مجرم کو بھی دھاردار آلے سے قتل کیا جائے، اگر اس نے پتھر سے مارا ہے، تو پتھر مار کر سزائے موت دی جائے، لیکن حد واجب سے تجاوز نہ کیا جائے، قصاص کے طور پر آگ میں جلانے کی اجازت اس مشہور حکم سے مستثنیٰ ہے جس میں آگ میں جلانے سے ممانعت آئی ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ ولیٔ مقتول کو حق ہے کہ وہ اسی طرح کی سزائے قتل کا مطالبہ کرے جس طرح مجرم نے قتل کیا ہو، یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ قتل کا جرم گواہوں کی گواہی سے یا مجرم کے اعتراف سے ثابت ہو، اگر قتل کا ثبوت 'قسامت' کے ذریعہ ہو (یعنی مقتول کے ورثاء قسم کھائیں کہ اس کی موت قاتل کے فعل سے واقع ہوئی ہے) تو مجرم کو تلوار سے قتل کیا جائے گا، اسی طرح اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسے شراب پلا کر ہلاک کیا گیا ہے تب بھی مجرم کو تلوار سے قتل کیا جائے، اگر مجرم اقرار کرے کہ اس نے اغلام کر کے مارا ہے تو اسے اس طرح سزائے قتل نہ دی جائے کہ ایک لکڑی مجرم کی مقعد میں ڈال کر ہلاک کر دیا جائے بلکہ اسے بھی اسی طرح تلوار سے قتل کیا جائے گا، اور اگر اس کی یہ بدفعلی (یعنی عمل غیر فطری) چار گواہی سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کی سزا حد رجم (پتھر مار کر ہلاک کرنا ہے) خواہ وہ غیر شادی شدہ ہو، اسی طرح اگر کسی نے جادو سے ہلاک کیا اور اس کا یہ جرم گواہوں کی گواہی یا اس کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو اسے تلوار سے قتل کیا جائے، یہ ضروری نہیں ہے کہ جادو سے ہلاک کرنے والے مجرم کو جادو سے ہلاک کیا جائے کیونکہ گناہ کے لیے حکم دینا بجائے خود ایک گناہ ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر مجرم اپنے اس عمل کا (جو اس نے ہلاک کرنے کے لیے کیا ہے) اقرار کرلے تو اسے کہا جائے گا کہ وہی عمل وہ اپنے اوپر کرے اگر وہ اس طرح مر جائے تو خیر، ورنہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے، اگر زہر دے کر ہلاک کیا تو مسلک غالب کی رو سے اسے تلوار سے قتل کیا جائے گا یہی صورت کھانا پینا بند کر کے مارنے یا حد سے زیادہ کھلا پلا کر مارنے کی ہے اور بقول راجح سوئی چبھو چبھو کر ہلاک کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ مجرم کو اسی طرح قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ تلوار ہی سے اسے قتل کیا جانا قرار پائے گا۔

ان اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کسی نے ڈبو کر ہلاک کیا تو اسے بھی ڈبو کر ہلاک کیا جائے۔ اگر گلا گھونٹ کر مارا

Marfat.com

ہے تو گلا گھونٹا جائے اگر پتھر مار کر ہلاک کیا ہے تو مجرم کو بھی پتھر مار کر ہلاک کیا جائے اور پتھر خطرناک حصہ جسم پر مارا جائے تا کہ جلد موت واقع ہو جائے اگر کسی نے لاٹھی سے مارا ہے تو اسے بھی لاٹھی مار کر ہی ہلاک کیا جائے۔

ان اصحاب کا قول یہ بھی ہے کہ قصاص کے حق دار کو تلوار ہی سے قتل کرنے کا اختیار ہے۔ اگر چہ مجرم نے تلوار کی بہ نسبت کم آزار آلہ سے مارا ہو۔ مطالبہ قصاص کے حق دار کو حق ہے کہ مجرم کے لیے اسی طرح سزائے قتل کا مطالبہ کرے۔ اگر وہ تلوار سے قتل کر دیئے جانے کا مطالبہ کرے تو اسے تسلیم کر لیا جائے، کیونکہ اس میں قاتل (مجرم) کے حق میں نرمی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق ان کا کہنا ہے کہ قاتل سے اسی طرح قصاص لیا جائے جس طرح اس نے دوسرے کو قتل کیا ہے اور سزائے قتل میں اسی طرح کا آلہ استعمال کیا جائے کہ جو مجرم نے ارتکاب قتل میں استعمال کیا۔ تا کہ حقیقی معنوں میں 'بدلہ' ہو جائے کہ مجرم بھی اسی اذیت سے دوچار ہو جو مقتول کو ہوئی۔ اگر اسی عمل سے مجرم مرجائے تو خیر ورنہ تلوار سے اس کی گردن کاٹ دی جائے۔ دراصل 'قصاص' (بدلہ) کی بنیاد لغت اور شرع کی رُو سے (جرم سے) یکسانیت پر ہے (یعنی جیسا جرم ہے ویسی ہی سزا بھی ہونی چاہیے) اور وہ مسلک جو بتایا گیا اس میں یہی بات ہے۔

کیونکہ اس میں (جرم وسزا) دونوں کے درمیان کیفیت اور مقصد عمل میں یکسانیت ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو پانی میں غرق کر کے ہلاک کیا تو اسے بھی غرق کر کے مارا جائے اور اگر پتھر مار کر ہلاک کیا تو مجرم کو بھی اسی طرح ہلاک کیا جائے۔ مگر اس میں اذیت زیادہ ہے۔ لہٰذا تلوار سے قتل کرنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔

، اگر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اور زخم کے سرایت کر جانے کے باعث وہ مر گیا تو اس مجرم کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے اور اتنے عرصہ تک توقف کیا جتنا عرصہ مقتول (زخم کھا کر) زندہ رہا۔ اس عرصہ میں اگر وہ مرجائے تو فبہا ورنہ تلوار سے اس کی گردن کاٹ دی جائے۔

اگر کسی کو ایسی شے کے استعمال سے ہلاک کیا جس کے استعمال کی شرعاً گنجائش نہیں ہے، مثلاً کسی کو جبراً اتنی شراب پلا دی کہ وہ اسے پی کر مر گیا۔ یا کسی کمسن بچے سے بدفعلی کی اور وہ ہلاک ہو گیا یا کسی صغیر سن بچی کے ساتھ بدکاری کر کے اسے ہلاک کر دیا تو ان تمام صورتوں میں تلوار سے قتل کر کے قصاص لیا جائے۔ کیونکہ یہ اعمال شرعاً ممنوع ہیں لہٰذا اس طرح کے اعمال سے قصاص لینا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بارے میں ان اصحاب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے" و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" (النحل: ۱۲۶) یعنی اگر تمہیں سزائے قصاص دینی ہے تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں اذیت دی گئی" فمن اعتدی علیه فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" (البقرہ ۱۹) (یعنی جس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی اسی طرح کی زیادتی تم اس کے ساتھ کرو جس طرح کی زیادتی اس نے تمہارے ساتھ کی) قرطبی کہتے ہیں کہ علماء کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیت بنیادی طور پر قصاص میں یکسانیت کے بارے میں ہے۔ پس جس آلہ سے قتل سرزد ہوا اسی جیسے آلے سے قتل کر کے بدلہ لینا چاہیے، جمہور علماء کا قول ہے۔ لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ (قاتل نے) ارتکاب قتل میں فعل گناہ کو ذریعہ نہ بنایا ہو مثلاً بدفعلی کرنا شراب پلا دینا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے" ان جارية وجد راسها قد رض بين حجرين،

Marfat.com

فسالوها: من صنع بک هذا؟فلان؟ فلان. حتی ذکروا یهودیاً، فاومات براسها، فاخذ الیهودی، فاقر، فامر رسول اللہ ﷺ ان ترض راسه بین حجرین. متفق علیه و اللفظ المسلم (یعنی ایک لونڈی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچلا گیا۔لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا؟ کسی کا نام لیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک یہودی کا نام آیا تب اس لڑکی نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا۔اس نے اقرار جرم کیا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا جائے)۔ یہ حدیث اس امر کا ثبوت ہے کہ قصاص کے لیے بھاری شے مثلاً آہنی شے کو استعمال کیا جائے گا اور یہ کہ عورت کا قتل کرنے کے عوض مرد کو قتل کیا جائے۔ نیز یہ کہ قاتل کو اسی جیسی شے سے قتل کیا جائے جس سے اس نے ارتکاب قتل کیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جزاء سیئة سیئة مثلها'' (یعنی برائی کی سزا اسی جیسی برائی ہے)۔ بیہقی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے اخراج فرمایا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''من غرض غوضنا به، ومن حرق حرقناه، ومن غرق غرقناه'' (یعنی جو ہمیں نشانہ بنائے ہم اسے نشانہ بنائیں گے ہمیں جلائے تو ہم بھی اسے جلائیں گے اور جو ہمیں ڈبوئیں اسے ڈبوئیں گے)۔اس حدیث میں لفظ غرض کے معنے ''تیر کا نشانہ بنانے کے ہیں'' پھر یہ بھی ہے کہ قصاص کا مقصد اطمینان دلانا ہے اور اس کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ (مجرم کو بھی) اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح اس نے کیا اور حدیث میں (بالعموم) ہاتھ ناک کاٹنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ ممانعت کسی اور وجہ سے واجب القتل ہونے کی صورت میں ہے مکافات (جیسے کو تیسا) کے تحت قتل کی صورت میں نہیں ہے۔

قصاص کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جرم سے مماثلت کا لحاظ رکھا جائے اور سزا کی کیفیت اور مقدار کا بھی خیال رہے (یعنی جرم سے زیادہ سزا نہ ہو) لہٰذا بھوکا رکھ کر مارنے کی پاداش میں اتنے ہی عرصہ تک مجرم کو قید میں بھوکا رکھا جائے جتنے عرصہ اس نے رکھا اور پانی یا آگ میں اسی طرح اور اتنے ہی عرصہ تک رکھا جائے جتنے عرصہ مجرم نے رکھا اور پانی میں ڈبونے کے لیے مجرم کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جائیں جب کہ وہ تیرنا جانتا ہو اسی طرح اس کا گلا بھی ویسا ہی گھونٹا جائے جیسا اس نے گھونٹا تھا اور بلندی سے اسی طرح گرایا جائے جیسے اس نے گرایا اور دیکھ لیا جائے کہ گرنے کی جگہ ویسی ہی سخت ہے اور بھاری شے مارتے وقت اس شے کا حجم اتنا ہی ہو اور اتنی ہی بار مارا جائے جیسا کہ مجرم نے کیا۔اگر پتھر۔آگ یا تعداد ضربات کا تعین دشوار ہو تو اپنے یقین سے کام لیں۔کہا جاتا ہے کہ ایسی صورت میں قصاص مثلی سے ہٹ کر تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ یہ ارادہ ہو کہ اگر مجرم کو موت نہ آئی تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

اگر مطالبۂ قصاص کا حقدار یہ کہے کہ اگر مجرم قصاص مثلی سے نہ مرے تو میں اسے معاف کرتا ہوں تو اس کا اختیار اسے نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ (قصاص نہ ہوگا بلکہ) محض ایذا دہی ہے۔

جادو کر کے مارنے والے کو تلوار سے قتل کیا جائے کیونکہ ہر قسم کا جادو حرام ہے اور اس کی کوئی صورت روا نہیں ہے جو (جرم سے) مشابہت رکھتی ہو اور نہ اس کا کوئی خاص طریق کار ہے اور حدیث میں آیا ہے ''حد الساحر ضربه بالسیف'' (یعنی جادو کرنے والے کی شرعی سزا تلوار سے قتل کرنا ہے)۔

Marfat.com

اگر کھانے میں زہر دے کر یا کسی آلہ زہر آلود سے قتل کیا تو اسی جیسی شے سے اس کا قصاص لیا جائے لیکن وہ زہر زخم کو پکانے والا اور اذیت دہ نہ ہو۔

اگر کسی نے سانپ سے ڈسوا کر کسی کو مارا اور وہ سانپ موجود ہو تو کسی اور سانپ سے مجرم کو نہ ڈسوایا جائے البتہ اگر وہ سانپ نہ ہو تو کسی اور سانپ کو اس پر ڈالا جائے کہ وہ اسے ڈس لے۔ اسی طرح اگر کسی کو شیر کی بھٹ (یا باڑے) میں ڈال دیا گیا اور اس نے اسے پھاڑ کھایا تو اس مجرم کو بھی شیر کے سامنے ڈالا جائے جیسا کہ اس نے کیا تھا۔

اگر زنا کے گواہوں کی شہادت پر کسی کو سزائے سنگساری دی گئی اور بعد میں وہ گواہ اپنے بیان سے پھر گئے تو انہیں بھی سنگسار کیا جائے اسی طرح اگر درّہ زنی کی سزا کے بعد گواہ پھر جائیں تو انہیں بھی قصاص میں درّے لگائے جائیں۔

اگر کسی کو قصاص میں اتنے عرصہ تک بھوکا رکھا گیا جتنے عرصہ مجرم نے بھوکا رکھ کر مارا تھا اور اس عرصہ میں اسے موت نہ آئی تو قید کی مدت اتنی بڑھا دی جائے کہ وہ بھوک سے مر جائے، تاکہ جرم قتل کی یہ سزا اسی طرح کی ہو جائے جس طرح مجرم نے مارا تھا، اس میں جو اذیت اور تکلیف زیادہ ہوئی اس کی پروا نہ کی جائے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مجرم کی گردن ایک وار میں نہ کٹے اور جب تک دوسرا وار نہ کیا جائے گردن جدا نہ ہو، کیونکہ قصاص کو جرم کے ساتھ مماثلت تو ہو گئی صرف جان کا نکلنا باقی تھا تو اس کا نکالنا سہل ترین طریقہ سے واجب ہے۔

مطالبہ قصاص کے حقدار اولیائے مقتول کو یہ حق ہے کہ وہ قصاص مثلی سے ہٹ کر مجرم کو تلوار سے قتل کیے جانے کا مطالبہ کریں گو مجرم اس پر راضی نہ ہو، کیونکہ (قصاص مثلی کی بہ نسبت) اس میں زیادہ رحم اور سہولت ہے۔ بلکہ اختلاف سے بچنے کے لیے تو یہی بہتر ہے (کہ تلوار سے قتل کر کے قصاص لیا جائے) البتہ اگر ولی قصاص کے اس طریقہ سے ہٹ کر جانوروں کی طرح ذبح کیے جانے کا مطالبہ کریں تو وہ روا نہ ہوگا، کیونکہ یہ امر احترام (انسانیت) کے منافی ہے۔ اگر قاتل نے تلوار سے قتل کیا اور مقتول کا ولی یہ چاہے کہ مجرم کو تلوار کے علاوہ کسی اور طرح سے مارا جائے تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔

اگر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اس کا زخم وجود میں سرایت کر گیا اور اسے موت آ گئی تو مقتول کے ولی کو حق ہے کہ وہ مجرم کی گردن زنی کا مطالبہ کرے، کیونکہ مجرم کے لیے یہ آسان ہے کہ پہلے ہاتھ پھر گردن کاٹی جائے۔ ولی کو حق ہے کہ وہ (بنا بر مماثلت) پہلے ہاتھ کاٹنے اور پھر اسی وقت گردن کاٹنے کا مطالبہ کرے۔ اگر مجرم درخواست کرے کہ مجھے بھی اتنے عرصہ تک جینے دیا جائے جتنے عرصہ تک اس کے ارتکاب قطع کے بعد مقتول زندہ رہا تو اس کی یہ درخواست نہیں مانی جائے گی، کیونکہ حکم قصاص فوری طور پر عائد ہو چکا ہے، ہاں اگر ولی چاہے تو یہ ہو سکتا ہے یعنی ہاتھ کاٹنے کے بعد زخم کے سرایت کرنے تک توقف کیا جائے تاہم مجرم کو یہ حق نہیں ہے کہ مقتول کے ولی سے (فوری طور) قتل کرنے یا معاف کر دینے کی درخواست کرے، یہ اختیار صرف مطالبہ قصاص کے حق دار کو ہے، کیونکہ یہ اسی کا معاملہ ہے۔

اگر کھال میں چیرہ لگ جانے یا کسی عضو کے ٹوٹ جانے سے یا اسی طرح کے کسی اور عمل سے جس کا قصاص نہیں ہے کسی کی موت واقع ہو جائے، تو ولی مقتول کو صرف تلوار سے مجرم کے قتل کیے جانے کے مطالبہ کا حق ہے (کسی اور طرح سے قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ ایسی صورتوں میں مماثلت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ تکلیف

Marfat.com

دور ہو جائے تو اس تکلیف کا قصاص نہیں ہے۔ لہٰذا موت واقع ہو جانے کی صورت میں صرف تلوار سے قتل کر دینا واجب ہے۔

اگر مقتول کا ولی یہ مطالبہ کرے کہ مجرم کی کھال میں اسی طرح چیرہ دیا جائے اگر اس سے وہ نہ مرے تو قتل کر دیا جائے تو یہ مطالبہ اس کا حق ہے، لیکن اگر وہ یہ کہے کہ اس طرح چیرہ دینے سے نہ مرا تو میں اس کا خون معاف کر دوں گا تو اس کو روا قرار نہیں دیا جائے گا۔

اگر کسی شخص کا عضو اتنا کاٹ دیا جس کی دیت (تاوان) نصف ہوتی ہے اور اس شخص نے اپنے زخم کا قصاص لے لیا، بعد میں وہ شخص عضو بریدہ سرایت زخم سے مر گیا تو اس عضو بریدہ کے ولی کو کاٹنے والے کے خون کے مطالبہ کا حق ہے اور نصف تاوان معاف کرنا ہوگا، اور حق تاوان جو اس نے وصول کر لیا وہ دوسرے نصف کے عوض رہا۔

اگر مجرم (ارتکاب جرم کے بعد) اپنی موت مر جائے یا ولیٔ مقتول کے علاوہ کوئی اور شخص اسے قتل کر دے تو اس کے ترکہ میں سے نصف خون بہا واجب الادا ہوگا۔

اگر کسی کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے اور اس دست بریدہ شخص نے کاٹنے والے سے قصاص لے لیا (یعنی اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیئے گئے) اس کے بعد وہ دست بریدہ شخص ہاتھوں کا زخم سرایت کرنے کے باعث مر گیا تو اس کے ولی کو اپنے مورث کی جان کے عوض اس کی گردن کاٹنے کا حق ہے، لیکن اگر اس نے جان کا قصاص معاف کر دیا تو اب اسے کوئی حق نہ رہے گا کیونکہ اس نے پوری دیت وصول کر لی ہے۔

اگر کوئی مجرم قصاص میں کاٹے گئے عضو کے زخم سے مر گیا تو اس کی جان رائگاں متصور ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئک ماعليهم من سبيل " (یعنی مظلوم اگر ظلم سہنے کے بعد ظالم پر زبردستی کر لے تو اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی) اور بیہقی نے حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے " من مات فی حد، او قصاص فلا دية له والحق قتله " (یعنی جو شخص سزائے شرعی یا قصاص میں مر جائے اس کا کوئی تاوان نہیں اس کا قتل برحق ہے) کیونکہ وہ مستوجب قطع تھا، لہٰذا اس کا جو اثر جسم میں سرایت کر گیا اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے چور کا ہاتھ حد کے طور پر (یعنی بطور سزائے شرعی) کاٹ دیا جائے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ حاکم وقت یا اس کا کوئی نائب قصاص کے حقداروں میں سے کسی کو اجازت دے سکتا ہے کہ وہ خود قصاص (خون کا بدلہ) لے بشرطیکہ ولی اس کا مطالبہ کرے تاکہ اسے پورے طور پر تشفی ہو جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر ایک حالت میں ولی کا خود قصاص لینا جائز نہیں ہے البتہ صرف گردن مار سکتا ہے، خواہ قاتل نے تلوار سے قتل کیا ہو یا کسی اور شے سے، اس مسلک کے بارے میں ان کی دلیل وہ روایت ہے جو بزار اور ابن عدی نے حدیث بکرہ رضی اللہ عنہ سے اخراج فرمائی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ " لاقود الا بالسيف " (یعنی تلوار کے سوا اور کوئی طریقہ قصاص نہیں ہے)۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ صاحب شریعت نے مثلہ کرنے (ناک کان کاٹنے) سے منع فرمایا ہے، نیز آنحضرت ﷺ کے ارشاد میں کہ " اذا قتلتم فاحسنوا القتلة " (یعنی قتل کرنا ہو تو سلیقہ سے قتل کرو) واضح طور پر

Marfat.com

کسی اور طرح سے قتل کرنا منع فرمایا گیا ہے اس حکم میں تلوار کے علاوہ دوسرے آلات مثلاً توپ، بندوق داخل ہیں پھر یہ ہے کہ اماموں نے جو مسلک اختیار فرمایا ہے اس میں حق سزا کے استعمال میں زیادتی ہے جس سے جرم وسزا کی مماثلت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ پس اس سے احتراز واجب ہے، جیسا کہ ہڈی توڑنے اور پیٹ پھاڑنے میں ہوتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ ڈبونے، گلا گھونٹنے اور جلانے کے جو ذرائع ہیں وہ ذرائع قتل نہیں ہیں اور نہ قتل کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں کیونکہ ان کا استعمال دشوار ہے لہٰذا اس میں قتل عمد نہ ہونے کے شبہے کی گنجائش ہے اور اس لیے بھی کہ قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے اسی مفہوم کے پیش نظر یوں کہا جاتا ہے کہ " اقتص اثرہ " (یعنی فلاں نے فلاں کی پیروی کی)، (قتل کی) دونوں صورتوں میں کوئی مماثلت نہیں ہے، کیونکہ دوسری صورت میں خرابی نمایاں نہیں۔ اسی طرح (قصاص میں) جو تنبیہ کی مصلحت ہے وہ دونوں صورتوں میں یکساں نہیں ہے کیونکہ زیادہ تر تلوار ہی سے قتل کیا جاتا ہے، بھاری آلہ سے شاذ و نادر ہی قتل ہوتا ہے۔

شافعیہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد جو پیش کیا ہے کہ " من غرق غرقناہ، ومن حرق حرقناہ، ومن قتل عمداً قتلناہ " (یعنی جو غرق کرے گا ہم اسے غرق کریں گے اور جو جلائے گا ہم اسے جلائیں گے اور جو کسی بندے کو قتل کرے گا ہم اسے قتل کریں گے) یہ حدیث مرفوع نہیں ہے (یعنی اس کی سند حضورؐ تک نہیں پہنچتی اور شافعیہ کے مسلک سے یہ لازم آتا ہے کہ جلانے کی سزا جلانا ہے، حالانکہ یہ شرعاً ممنوع ہے چنانچہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا " لا تعذبوا احداً بعذاب اللہ " (کسی کو عذاب الٰہی جیسی سزا مت دو) یا پھر حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس کو سزا قرار دیا جائے (قصاص نہیں ہے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس محل کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ 'غرقناہ' (یعنی ہم اسے ڈبو دیں گے) حضور نے 'حرقوہ یا غرقوہ' (یعنی تم اسے جلا دو یا غرق کر دو) نہیں فرمایا، حنفیوں نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قصاص واجب ہے، لیکن پورا پورا بدلہ لینے میں اس پر عمل نہیں کیا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا " لا قود الا بالسیف " (یعنی تلوار کے سوا اور کسی طرح قصاص نہیں ہے) محدثین کے نزدیک یہ حدیث دوسری حدیث سے زیادہ قابل اعتماد ہے اور یہ حدیث بعد کی ہے لہٰذا اس کا حکم منسوخ ہو گیا۔

ارتکاب قتل کے بعد حرمین میں پناہ لینے کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ جان کا قصاص لینے کا حقدار فوری طور پر قصاص لے سکتا ہے ان کے مسلک کی رو سے اعضائے جسم کے قصاص کا بھی یہی حکم ہے، قصاص اتلاف کو واجب کرتا ہے، لہٰذا اس میں تعجیل کرنی چاہیے جیسے قابل تلف اشیاء کے ٹھکانے لگانے میں، اس کی تاخیر میں احتمال عفو کے لیے ہوتی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ حرم میں (یعنی جہاں اتلاف جان حرام ہے) قصاص لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حرم (کا علاقہ) سزائے قصاص کو مانع نہیں ہے۔ جیسے سانپ بچھو کا حرم میں مارا جانا، مجرم کا وہاں پناہ لینا یا نہ لینا یکساں ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن خطل تمیمی جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا اور اپنی دو گانے والی لونڈیوں کو یاد کرا دیا تھا جو گاتی پھرتی تھیں، جس سال مکہ فتح ہوا اور آنحضرت ﷺ اس میں داخل ہوئے تو وہ

Marfat.com

خائف ہوا اور خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے اس کے غلاف سے لگا رہتا، جب کہ آنحضرت ﷺ اس کا طواف کر رہے ہوتے اس (کے مرتد ہونے) کی بابت حضور کو مطلع کیا گیا تو آپ نے فرمایا" اقتلوہ فان الکعبۃ لا تعیذ عاصیاً، ولا تمنع من اقام حد واجب، فقتل "(یعنی اسے قتل کر دو کعبہ کسی گنہگار کو پناہ نہیں دے سکتا اور مستوجب سزا کو سزائے شرعی کے دیئے جانے سے مانع نہیں ہے، پس اسے قتل کر دیا گیا)۔ یہی حال حویرث ابن نقید کا ہوا کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ کی مذمت کر کے انہیں ایذا دیا کرتا تھا امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مکہ مکرمہ میں قتل کرا دیا تھا، اسی طرح مقیدس صبابہ کندی مرتد ہو گیا اور جب مکہ میں واپس آیا تو نبی ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کا خون بہا معاف کر دیا، چنانچہ اس کے چچا نمیلہ بن عبداللہ اللیثی کے بیٹے نے اسے جبکہ وہ غلاف کعبہ سے لگا ہوا تھا قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے کسی اور جگہ قتل کیا گیا تھا۔ پھر یہ بھی ہے کہ قصاص پر فوراً عملدرآمد ہونا چاہیے، اس میں تاخیر نہ ہو۔ غرض مجرم اگر کعبہ میں پناہ لے یا حرم میں یا کسی اور مسجد میں، یا کسی دوسرے شخص کی مملوکہ جگہ میں تو وہاں سے پہلے اس شخص کو باہر آنے دیا جائے، پھر قتل کیا جائے تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو اور دوسرے کی زمین کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا منع ہے۔ اس میں جو تاخیر ہو گی وہ اتنی بری نہیں، وہاں پر قتل کرنے میں مسجد حرام یا کسی اور مسجد کے ناپاک ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے لہٰذا وہاں سے باہر لانا چاہیے، اگر مجرم مسلمانوں کے مقبرہ میں پناہ لے اس کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ خون گرائے بغیر وہاں پر قتل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر مجرم حرم سے باہر نہ آئے اور وہیں پر قیام کر لے تو جائز ہے کہ وہیں پر قصاص لیا جائے اور قتل کر دیا جائے، کیونکہ انسانی خون کا احترام اس مقام کے احترام پر مقدم ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے علاقہ حرم کے باہر ارتکاب قتل کیا اور اس کے بعد حرم میں داخل ہو گیا تو اس کے جرم کی سزا میں تاخیر نہ کی جائے، بلکہ واجب یہ ہے کہ اسے وہاں سے نکالا جائے اور حرم سے باہر لا کر حد نافذ کی جائے۔ اگر مجرم حالت احرام میں ہو (یعنی حج کی ادائیگی کے دوران) تکمیل حج کا انتظار نہ کیا جائے، تاہم حرم کے اندر قصاص پر عملدرآمد جائز نہیں ہے تاکہ وہ جگہ خون سے ناپاک نہ ہو، خواہ جرم مستوجب قصاص کا ارتکاب حرم کے اندر کیا ہو یا باہر کیا ہو اور قصاص سے بچنے کے لیے وہاں پناہ لی ہو اور اللہ کے اس ارشاد میں کہ "من دخلہ کان آمنا "(یعنی جو حرم میں آ گیا وہ بچ گیا) اس دستور کا ذکر ہے جو عہد جاہلیت (زمانہ قبل از اسلام) میں تھا جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص قتل کرتا پھر اپنی گردن پر کمبل لپیٹ کر حرم میں داخل ہو جاتا اور وہاں مقتول کا بیٹا بھی دیکھتا تو مشتعل نہ ہوتا جب تک کہ مجرم وہاں سے باہر نہ آ جائے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابو سعید اشج نے ان سے یہ حدیث بیان کی انہیں ابو یحییٰ تیمی نے عطاء سے اور انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "من دخلہ کان آمنا" کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ "من عاذ بالبیت اعاذہ البیت، ولکن لا یؤوی، ولا یطعم، ولا یسقی، فاذا خرج اخذ بذنبہ" (یعنی جس نے اللہ کے گھر میں پناہ لی اسے اللہ کا گھر پناہ دے گا لیکن وہ اسے اپنا ٹھکانا نہ بنا سکے گا، اسے کھانا، پانی نہیں دیا جائے گا، جب وہ باہر آ جائے تو جرم کی پاداش میں اسے گرفتار کیا جائے)۔

Marfat.com

صحیحین (بخاری ومسلم) میں بالفاظ مسلم ابوشریح عدوی سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے جو مکہ کو وفود بھیجا کرتے تھے کہا کہ اے حاکم وقت اگر اجازت ہو تو میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بیان کروں جو فتح مکہ کے اگلے روز انہوں نے فرمایا تھا۔ اس ارشاد کو میرے کانوں نے سنا، میں نے اپنے دل میں رکھا اور جب حضورؐ یہ ارشاد فرما رہے تھے تو میری آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں، حضورؐ نے پہلے اللہ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا ''مکة حرمها اللّٰه، ولم يحرمها الناس، فلا يحل لامرئ يؤمن باللّٰه واليوم الأخر ان يسفك بها دماً، او يعضد بها شجراً، فان احد ترخص بقتال رسول اللّٰه ﷺ فيها، فقولوا له ان اللّٰه اذن لنبيه، ولم ياذن لكم، وانما اذن لى فيها ساعة من نهار، وقد عادت حرمتها اليوم، كحرمتها بالأمس، فليبلغ الشاهد الغائب'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت عطا فرمائی ہے لیکن لوگوں نے اس کا احترام نہ کیا، پس کسی شخص کو بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہے یہ حلال نہیں ہے کہ یہاں پر خونریزی کرے یا کسی درخت پر درانتی چلائے، اگر کوئی شخص اس بناء پر کہ خود رسول اللہ ﷺ نے وہاں قتال فرمایا اس جگہ قتال کی اجازت دے تو اسے کہہ دو کہ یہ اجازت صرف اس کے رسول کو ہوئی تھی تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے) دراصل اس کی اجازت مجھے دن میں گھڑی بھر کے لیے ملی تھی اور کل کی طرح آج پھر اس کی حرمت عائد ہو گئی ہے، پس جو لوگ موجود ہیں وہ انہیں بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں)۔ اس پر ابوشریح سے دریافت کیا گیا کہ یہ سنکر عمرو نے کیا کہا؟ انہوں نے بتایا کہ عمرو نے کہا کہ اے ابوشریح اس کی بابت مجھے تم سے زیادہ علم ہے، حقیقت یہ ہے کہ حرم کسی مجرم کو پناہ نہیں دیتا اور نہ اس واجب القتل کو پناہ دیتا ہے جو جان بچانے یا جزیہ سے گریز کرنے کے لیے یہاں آجائے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (روایت کا) یہ جملہ باعتبار مفہوم انشائیہ (یعنی شرطیہ) ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ قتل اور ظلم سے امان دیتی ہے۔ بجز اس صورت کے جبکہ کوئی شخص شرعی طور پر مستوجب سزا ہو، اس گناہ کی بابت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ''ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم'' (الحج:۲۵) (یعنی اگر کوئی شخص ظلم سے دین کے خلاف عمل کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب دیں گے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی انسان کو عمداً علاقہ حرم سے باہر قتل کیا پھر قصاص سے گریز کرنے کے لیے حرم میں آکر پناہ لی اور وہیں پر ٹھکانا بنا لیا یا کوئی شخص مرتد ہو جانے یا شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہونے یا مسلمانوں کی جماعت کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کے باعث واجب القتل ہو گیا اور پھر اس نے مکہ مکرمہ میں پناہ لی تو جب تک وہ حرم میں رہے اس کا قتل واجب نہیں ہے، کیونکہ حرم کے اندر قتل کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''من دخله كان آمنا'' (یعنی جو شخص ڈر کے مارے حرم مکہ میں آ گیا ہر بدسلوکی سے بچ گیا) پس جو شخص بھی بیت اللہ میں پناہ لے، اللہ کا گھر اسے پناہ دے گا اور صحیحین (بخاری ومسلم) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز ''ان هذا البلد حرم اللّٰه يوم خلق السموات والارض، فهو حرام بحرمة اللّٰه الى يوم القيامة، وانه لم يحل القتال فيه لأحد قبلى، ولم يحل لى الا فى ساعة من نهار، فهو حرام بحرمة اللّٰه الى يوم القيامة، ولا يعضد شوكه، ولا ينفر صيده، ولا يلتقط لقطته، الا من عرفها ولا يختلى خلاها، فقال العباس: يا رسول اللّٰه الاذخر،

Marfat.com

فانه لقینهم ولبیوتهم، فقال الا الاذخر ' (یعنی اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سے جبکہ اس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ممنوعہ علاقہ قرار دیا ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے محفوظ بنا دیا ہے نیز اس سے پہلے بھی یہاں خونریزی حلال نہ تھی اور میرے لیے بھی دن کے وقت گھڑی بھر کے سوا حلال نہیں ہوئی، غرض چونکہ اللہ تعالیٰ نے روز قیامت تک کے لیے اسے حرام فرمایا' لہٰذا کوئی شخص اس کے کانٹوں کی جھاڑیوں پر بھی درانتی نہ چلائے اور نہ اس کے شکار کو برانگیختہ کرے، نہ کوئی یہاں کسی کی گری پڑی چیز کو اٹھائے، سوا اس کے کہ وہ اس شیی رحمته الله علیه کو پہچانتا ہو اور وہاں کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے اس پر حضرت عباس نے عرض کیا سوا اذخر گھاس کے؟ یا رسول اللہ یہ تو برتن مانجھنے اور گھر صاف کرنے کے کام آتی ہے فرمایا" الا الا ذخر "یعنی ہاں اذخر کے سوا۔ مطلب یہ ہے کہ 'اذخر' کے سوا کسی اور گھاس کو نہ کاٹا جائے)۔

واضح ہو کہ قرآن حکیم کی متعدد آیتیں ایسی ہیں جنہیں حرم کے اندر آ جانے والے کو پناہ مل جانے کا ذکر ہے۔ منجملہ ان آیات کے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" واذ جعلنا البیت مثابة للناس وامنا " (یعنی ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے اکٹھے ہونے کی اور امن کی جگہ بنایا ہے) اور فرمایا" اذقال ابراهیم رب اجعل هذا بلداً آمنا " (البقرۃ ۱۲۵۔۱۲۶) (یعنی جب ابراہیم نے التجا کی کہ اے پروردگار اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے) اور فرمایا" الذی اطعمهم من جوع وآمنهم من خوف " (القریش:۴) (یعنی رب وہ ہے جس نے بھوک میں خوراک دی اور خوف سے نجات دی) بقول ظاہر اس آیت شریفہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص بھی اس میں آیا وہ مامون ہو گیا، لیکن اس آیت کا یہ مفہوم لینا ممکن نہیں ہے، کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حرم میں آ جانے والا ہر حال میں مامون نہیں رہتا۔ پس اس آیت سے حکم کا مفہوم لینا واجب ہے کہ جو حرم میں آ گیا وہ صاحب ایمان ہوا اور چھوٹے موٹے گناہوں (کے ضرر) سے بچ رہا، کیونکہ ان گناہوں کا ضرر قتل نفس کی بہ نسبت بہت ہلکا ہوتا ہے، البتہ اگر مجرم حرم کے اندر ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جو مستوجب قصاص ہو تو ایسی صورت میں حرم کے اندر اس کا قتل روا ہے کیونکہ اس نے حرم کی بے حرمتی کی ہے لہٰذا اس کے خون کا احترام بھی نہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر اس نے حرم سے باہر ارتکاب جرم کیا ہے پھر اس نے حرم کی پناہ لے لی ہے تو اس سے حرم میں بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ ہاں اسے تنگ کیا جائے کہ کھانے، پینے، بات چیت کرنے اور لین دین سے باز رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ خود ہی حرم سے باہر جائے اور تب حکم قصاص کی تکمیل کی جائے اور اسے قتل کر دیا جائے گا یا وہ خود ہی حرم کے اندر بھوک سے اور دوسری پابندیوں سے ہلاک ہو جائے گا (وہاں پر نہ قتل کرنے کا) یہ حکم بیت الحرام کے احترام کی بناء پر ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حرم میں پناہ لینے والے سے قطعاً پورا قصاص نہیں لیا جائے گا خواہ اس نے ارتکاب جرم حرم سے باہر کر کے وہاں پناہ لی ہو اور اس کی پناہ میں آ گیا ہو یا حرم کے اندر ہی ارتکاب جرم کیا ہو اور اس کی پناہ میں ہو، نیز وہ جرم خواہ جان (لینے) کا ہو یا عضو (کاٹنے) کا ایسے شخص کو حرم سے باہر آنے یا وہیں پر مر جانے کے لیے تنگ بھی نہ کیا جائے، ہاں اگر وہ حرم سے باہر آ جائے تو پاداش جرم میں اسے قتل کیا جائے گا، اور قصاص واجب پر عملدرآمد کیا جائے گا۔ بصورت دیگر وہ جس حال میں ہے اسی طرح اسے حرم میں رہنے دیا جائے، یہ حکم ان آیات کے پیش نظر ہے جو حرم میں داخل ہونے والے کو پناہ میں آ جانے کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حرم کی فضیلت اور اس کے تقدس کی تائید میں فرماتا ہے" من

Marfat.com

دخلہ کان آمنا'' (یعنی جو بھی اس کے اندر آ جائے وہ امن میں ہے)۔قرآن وحدیث میں علاقہ حرم کے احترام کی سخت تاکید آئی ہے کیونکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ہے، پس اس مقام کو ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسے کسی حاکم پر خدائے عزوجل اور حرم بیت اللہ کی ہیبت طاری ہو جائے، ایسی حالت میں نفاذ حدود (شرعی سزاؤں پر عملدرآمد) رہ جاتا ہے پس مجرم سے قصاص لینا اس وقت تک ملتوی رکھا جائے کہ مجرم حرم سے باہر آ جائے۔

ایسا قتلِ عمد جس میں قصاص عائد نہیں ہوتا

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان اگر مستامن (پناہ گیر مخالف اسلام) کو قتل کر دے تو اس پر قصاص عائد نہ ہوگا، کیونکہ مستامن کا خون ہمیشہ کے لیے ممنوع نہیں ہے۔اس کا کفر اسے مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کر سکتا ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ملک (دارالحرب) میں واپس جانے کا تہیہ کیے ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ایک حربی (برسر جنگ کی سی ہوتی ہے)۔

اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس کے باپ کو سزائے قتل نہ ہوگی۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے "لا یقادالوالد بولدہ" (یعنی باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا)۔یہ تو معلوم ہی ہے کہ باپ بیٹے کی زندگی کا ذریعہ ہے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کی موت کا سبب قرار دیا جائے، ماں بھی اسی حکم میں شامل ہے اور اس میں حقیقی دادا دادی اور نانا نانی بھی آتے ہیں خواہ (سلسلہ نسب میں) دور کے ہوں۔

غلام کے قتل کا قصاص بھی آقا سے نہیں لیا جائے گا، خواہ غلام مدبر ہو (یعنی ایسا غلام ہو جسے آقا نے کہہ دیا ہو کہ اس کی موت کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا) یا وہ غلام مکاتب ہو (یعنی وہ غلام جسے خاص رقم کی ادائیگی کی شرط پر آزادی کا پروانہ دیا گیا ہو) نیز بیٹے کے غلام کو قتل کرنے پر بھی قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ اپنے نفس کا قصاص خود اپنے اوپر عائد نہیں ہو سکتا، غلام کا بیٹا اپنے باپ کے قتل کرنے پر مستوجب قصاص نہ ہوگا۔

کوئی شخص اپنے ایسے غلام کو قتل کر دے جس کے نصف کا وہ مالک ہے تب بھی قصاص عائد نہ ہوگا، یہ نصف ملکیت خواہ ہبہ کرنے سے ملی ہو، یا ورثہ میں یا خریدنے سے ملی ہو، کیونکہ قصاص کے اجزاء نہیں ہوتے۔

اگر کسی شخص کے باپ نے ارتکاب قتل کیا اور قصاص قتل کا حق اس کے بیٹے کو ورثہ میں ملا، مثلاً ایک شخص اپنے بالغ بیٹے کی ماں کو قتل کر دے اور ماں کے قتل پر قصاص کا حق اس کے بیٹے کو ملا تو یہ حق باپ کے احترام کے پیش نظر ساقط ہو جائے گا (یعنی باپ سے ماں کے قتل کا بدلہ نہیں لے گا)۔

اگر رہن شدہ غلام جو رہن رکھنے والے کے پاس ہے، قتل کا ارتکاب کرے تو قصاص کا حق کسی کے لیے واجب نہ ہوگا، جب تک راہن اور مرتہن اکٹھے نہ ہوں کیونکہ مرتہن (رہن رکھنے والا) اس غلام کا مالک نہیں ہے، لہٰذا وہ اس کا ولی قرار نہ پائے گا، اگر راہن کو اس کا ولی قرار دیا جائے تو قرضہ پر سے مرتہن کا حق جاتا رہے گا، پس واجب ہوا کہ دونوں اکٹھے ہوں تاکہ مرتہن کا حق اس کی رضامندی سے ساقط ہو سکے۔

اگر کوئی غلام آقا کی وفات کے بعد نصف آزاد ہو جائے اور آقا نے اتنا ترکہ نہ چھوڑا ہو جو غلام کی نصف قیمت کو پورا کر سکے اور کوئی شخص اس غلام کو قتل کر دے تو قاتل پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ آقا اس کی وفات کے بعد پھر اس کا مالک

Marfat.com

نہیں ہو جاتا اور جس قدر وہ آزاد ہو چکا ہے اس کی آزادی بقیہ قیمت ادا نہ ہونے کے باعث منسوخ نہ ہوگی۔

اگر کسی شخص نے ایک بچے (نابالغ) کو یا ایک بالغ شخص کو دریا میں ڈبو دیا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر قصاص عائد نہ ہوگا، لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ اس شخص پر قصاص واجب ہوگا اور قصاص کی تکمیل صرف تلوار سے قتل کر کے ہوگی۔

اگر ایک شخص نے عمداً کسی پر تیر چلایا اور وہ تیر اسے لگ کر ایک اور شخص کو لگا اور دونوں مر گئے تو پہلے شخص کے قتل کی پاداش میں اس پر قصاص عائد ہوگا اور دوسرے مقتول کے عوض قاتل کے کنبہ پر خون بہا ہوگا، کیونکہ پہلا قتل عمد ہے اور دوسرا اتفاقی ہے لہٰذا اسے قتل خطا تصور کیا جائے گا اور یہ ایسا ہوگا جیسے کسی نے شکار پر تیر چلایا اور وہ تیر کسی شخص کو جا لگا، اور ارتکاب قتل سے متعدد اشخاص متاثر ہوں تو وہ قتل متعدد تصور کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے چور کو قتل کر دیا جو رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہوا اور اس کے مال یا اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا تو قصاص عائد نہ ہوگا۔

بچے (نابالغ) اور جنون زدہ قاتل پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں (یعنی ان پر احکام شرعیہ عائد نہیں ہوتے) تاہم خون بہا ان کے ذمہ دار رشتہ داروں پر ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان ایک دوسرے مسلمان کو غلطی سے مشرک سمجھ کر قتل کر دے تو قصاص عائد نہ ہوگا، جبکہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان صف بہ صف جنگ ہو رہی ہو اور اس شخص پر بھی قصاص نہیں ہے جو کسی باغی (ڈاکو) کو قتل کرے بشرطیکہ اس کی بابت یہ مشہور ہو کہ وہ ظالم ہے اور اس کی تلوار مسلمان راہگیروں پر چلتی رہتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ وجوب قصاص کی شرط یہ ہے کہ مقتول مسلمان ہو، حدیث مسلم میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ ''امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، فاذا قالوھا عصموا منی دماؤھم واموالھم، الا بحقھا'' (یعنی مجھے یہ حکم ہے کہ میں ان لوگوں سے جنگ کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں اگر وہ یہ کہیں تو ان کی جان و مال دونوں محفوظ ہیں، البتہ اگر ان میں بھی کوئی مستوجب قتل ہے تو وہ قتل کیا جائے گا) وجوب قصاص کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقتول کو جان کی امان حاصل رہی ہو، یہ امان یا تو اسے بطور ذمی ہونے کے حاصل ہو یا کسی معاہدہ کے تحت یا غیر مشروط طور پر، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ'' (التوبہ:۶) (یعنی مشرکوں میں سے اگر کوئی تمہاری پناہ چاہے تو اسے پناہ دو تا کہ وہ اللہ کا ارشاد سن سکے)۔

برسر جنگ شخص کو قتل کرنے پر قصاص عائد نہ ہوگا، اس کا خون معاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم'' (التوبہ:۵) (یعنی اب مشرک جہاں بھی ہاتھ آجائیں انہیں قتل کر دو) اسی طرح مرتد کے قتل پر بھی جو نعوذ باللہ اسلام سے پھر جائے قصاص نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے'' من بدل دینہ فاقتلوہ'' (یعنی تم میں سے جو اپنا مذہب بدل لے اسے قتل کر دو)۔

نابالغ (بچہ) اور جنون زدہ کے ذمہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا'' رفع القلم من ثلاث'' (یعنی تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں۔ ان پر جرم عائد نہیں ہوتا) ان میں سے مجنون پر

Marfat.com

قصاص اس صورت میں عائد نہ ہوگا جبکہ اس کا جنون ہمہ وقتی ہو اور کسی وقت اسے جنون سے افاقہ نہ ہوتا ہو لیکن اگر جنون دورے کے طور پر ہوتا ہے تو دیکھنا ہوگا کہ اگر اس نے ارتکاب قتل افاقہ کی حالت میں کیا ہے تو صاحب عقل تصور کیا جائے گا۔ جیسے وہ مجنون نہیں ہے اور اگر قتل بحالت جنون سرزد ہوا ہو تو اسے ہمہ وقتی پاگل کی طرح سمجھا جائے گا۔

رہا (نشہ میں) مدہوش انسان، گو غالب مسلک اس کے بارے میں یہی ہے کہ اس پر قصاص عائد ہوگا، بشرطیکہ وہ نشہ کا عادی ہو، کیونکہ وہ مکلف (بجا آوری احکام کا ذمہ دار) ہے۔ اور اس لیے بھی کہ مبادا اس کا نتیجہ یہ ہو کہ قصاص لینا ہی بند ہو جائے، کیونکہ جب ایک شخص قتل کرنے کا ارادہ کر سکتا ہے تو وہ نشہ سے (ارتکاب جرم میں) اتنا مجبور قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس سے قصاص نہ لیا جائے، اسی میں وہ صورت بھی شامل ہے کہ کوئی شخص ایسی دوا استعمال کرنے کا عادی ہو جس سے انسان عقل کھو بیٹھے کہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔

اگر قاتل کہے کہ جس وقت میں نے قتل کیا نابالغ یا جنون زدہ تھا، لیکن مقتول کا ولی اس کی تکذیب کرے تو قاتل کی بات تسلیم کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ حلف اٹھالے اور یہ ممکن بھی ہو کہ قتل کے وقت اسے نابالغ تصور کیا جا سکے یا اس پر جنون کی حالت طاری ہو سکتی ہو، کیونکہ اس بارے میں بنیادی بات یہ ہے کہ زندگی بچائی جا سکے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ یہ ممکن ہی نہ ہو کہ اس وقت قاتل کو بچہ تصور کیا جا سکے یا اس وقت جنون کا دورہ نہ ہوتا ہو، ایسی صورت میں قصاص لیا جائے گا۔

اگر قاتل کہے کہ میں اس وقت نابالغ ہوں اور اس کا نابالغ ہونا ممکن ہو تو اس پر قصاص عائد نہ ہوگا، اس حالت میں اسے اپنے نابالغ ہونے کے لیے حلف اٹھانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس سے حلف لینا (بجائے خود) اس کے بالغ ہونے کا ثبوت ہے (نابالغ سے حلف نہیں لیا جاتا) اگر اس کا بچہ ہونا ثابت ہو تو حلف بے سود ہے۔

اگر کسی حربی نے بدوران جنگ قتل کیا اس کے بعد مسلمان ہو جانے یا ذمی ہو جانے کے باعث (مسلمان کی) حفاظت میں آ گیا تو اب اس پر قصاص عائد نہ ہوگا، جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے بعد صحابہ کے متواتر طرز عمل سے ثابت ہے کہ مسلمان ہو جانے پر قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ اسلام تمام پچھلی باتوں پر غالب ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل 'وحشی' کو (مسلمان ہو جانے پر) معاف فرما دیا تھا۔

واضح ہو کہ مسلمان اگرچہ شادی شدہ زانی ہو کسی ذمی کے قتل کر دینے پر مستوجب قصاص نہ ہوگا، کیونکہ صحیح بخاری میں یہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الا لا یقتل مسلم بکافر" (یعنی خبردار کسی مسلمان کو کافر کے قتل پر قتل نہ کیا جائے) کیونکہ ان اصحاب نے قاتل قرار دیے جانے کے لئے اس مقتول کا بدل (یا ہم پلہ) ہونا شرط قرار دیا ہے بہ ایں جہت کہ مقتول کو قاتل پر بحیثیت مسلمان ہونے یا مامون (یعنی پناہ گیر) ہونے یا جزیہ دار (یعنی جزیہ دینے والا غیر مسلم) ہونے کے خاندان کی جڑ ہونے یا آقا ہونے کی حیثیت سے برتری حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی ذمی مرتد کو قتل کر دے تو قاتل پر قصاص نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آزاد شخص اس غلام کو قتل کر دے جو ہنوز پورے طور پر آزاد نہیں ہوا، تو قصاص عائد نہ ہوگا، اگر ایک آزاد مسلمان نے ایسے شخص کو قتل کیا جس کی بابت یہ علم نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے یا کافر یا یہ معلوم نہ ہو کہ مقتول آزاد ہے یا غلام تو جرم مشتبہ ہو جانے کی بناء پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ نیز اگر کسی نے اپنے غلام مکاتب کو

Marfat.com

(یعنی جسے ایک خاص رقم ادا کرنے کی شرط پر آزادی کا پروانہ دیا گیا ہو) قتل کر دیا تو مستوجب قصاص نہ ہوگا، اگر ایسا شخص جو جزوی طور پر آزاد ہے اپنے ہی جیسے کسی کو قتل کر دے تب بھی قصاص عائد نہ ہوگا گو قاتل مقتول سے زیادہ حصہ آزاد ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ آزاد حصہ کے عوض آزاد حصہ کا اور غلام حصہ کے عوض غلام حصہ کا قصاص متصور نہیں ہے بلکہ قصاص پورے شخص کا پورے شخص کے عوض ہوگا جو آزادی اور غلامی میں باہم شریک ہیں۔ نتیجۂ (یہ قصاص) آزاد حصہ کو غلام حصہ کے عوض قتل کرنا ہوگا جو ممنوع ہے۔

مسلمان غلام سے آزاد ذمی کے قتل کا قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ مسلمان کو ذمی کے قتل پر قتل نہیں کیا جا سکتا اور نہ آزاد کو غلام کے قتل پر قصاص ہوگا کیونکہ اسلام اور آزادی کا شرف وجود غلام کے مساوی نہیں ہے۔

اگر کسی ذمی نے غلام کو قتل کر دیا اور قتل کرنے کے بعد اس نے عہد ذمہ توڑ دیا (یعنی ذمی نہ رہا) بلکہ غلام بن گیا تب بھی اسے قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کا کفو (ہم پلہ) ہو گیا، کیونکہ اس کی جو حیثیت ارتکاب قتل کے وقت تھی اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اس وقت مقتول کی حیثیت اس کے برابر نہیں تھی۔

بیٹے کے قتل کر دینے پر باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، جیسا کہ حاکم اور بیہقی کی روایت کردہ اس حدیث میں آیا ہے جسے دونوں نے صحیح بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لا یقاد للابن من ابیہ'' (یعنی بیٹے کے قتل پر باپ سے قصاص نہ لیا جائے) علاوہ اس کے باپ کا احترام بھی اسی میں ہے۔ یہی حکم ماں، دادا، دادیوں اور نانا، نانیوں کا ہے، کیونکہ اس حکم کا تعلق اولاد ہونے کی بناء پر ہے اس حیثیت سے ان سب کا احترام یکساں ہوگا۔

بیٹے کو باپ سے بالواسطہ مطالبۂ حق قصاص بھی نہیں ہے، مثلاً کسی نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا اور اس بیوی سے کوئی لڑکا ہے، تو یہ لڑکا اپنی ماں کے خون کا وارث ہے یا باپ نے اپنے بیٹے کی بیوی (اپنی بہو) کو قتل کر دیا، یا باپ پر خون بہا عائد ہوا اور بیٹا بھی اس خون بہا کے کچھ حصہ کا وارث ہے، مثلاً کسی نے بیوی کے باپ (یعنی خسر) کو قتل کر دیا، اور بیوی وفات پا گئی لیکن اس بیوی سے اس کا بیٹا ہے جو اپنی ماں کے ورثہ میں نانا کے خون بہا کا حقدار ہے، (ان تمام صورتوں میں باپ پر قصاص یا خون بہا عائد نہ ہوگا) کیونکہ اگر ایک شخص (بلاواسطہ) اپنے بیٹے کے قتل پر مستوجب قصاص نہیں ہوتا تو ایسے جرم میں بدرجہ اولیٰ قصاص عائد نہ ہوگا جس کا حق بیٹے کو ورثہ میں (بالواسطہ) ملا ہو۔

اگر کوئی شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کو قتل کر دے تو اسے قتل کیا جائے اور محرموں میں سے اگر ایک دوسرے کو قتل کر دے تو محرم کو غیر محرم کی طرح قتل کیا جائے گا، اگر آزاد مسلمان کا بیٹا کافر باپ کو قتل کر دے تو بیٹا مستوجب قصاص نہ ہوگا۔

اگر مقتول کا نسب معلوم نہ ہو اور دو اشخاص اس کے قصاص کا حقدار ہونے کا دعویٰ کریں اور ہنوز مقتول کے نسب کا تعین نہ ہوا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا گیا تو سردست قصاص کا نفاذ روک دیا جائے گا، کیونکہ ان دونوں میں سے ایک تو بہر حال مقتول کا باپ ہے لیکن امر واقعہ ہنوز مشتبہ ہے، جیسے دو اشیاء میں شبہ ہو کہ کونسی پاک ہے کونسی ناپاک تو دونوں میں سے کسی کو استعمال نہ کیا جائے جب تک کہ خاطر خواہ تصفیہ نہ ہو جائے۔ اسی طرح اس معاملہ کو بھی قائف (قیافہ شناس) کے سپرد کیا جائے، اگر قیافہ شناس دوسرے شخص کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس دوسرے شخص کو

Marfat.com

قصاص لینے کا حق ہوگا، کیونکہ اس کا باپ ہونا ثابت ہوگیا، اور قاتل سے اس کا رشتہ منقطع ہوگا، اگر دوسرے شخص سے اس کا رشتہ ثابت نہ کیا جائے تو وہ قصاص نہ لے گا کیونکہ اس کا باپ ہونا ثابت نہیں ہے۔

اگر دونوں قتل میں شریک ہوں اور قیافہ شناس ان میں سے ایک کی طرف مقتول کو منسوب کرے تو دوسرے شخص سے جو (اس کا باپ نہیں بلکہ) اجنبی ہے قصاص لیا جائے کیونکہ وہ قتل کرنے میں باپ کا شریک کار تھا۔

اگر ایک مسلمان نے کسی مسلمان پر تیر چلایا جو (تیر کھانے کے بعد) نعوذ باللہ مرتد ہوگیا اور زخم کے سرایت کر جانے سے حالت ارتداد میں وفات پا گیا تو اس مسلمان پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ اگر اس وقت بھی وہ (تیر چلا کر) قتل کر دے تو قاتل پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بچے (نابالغ) اور جنون زدہ کے ذمہ سے جبکہ اس نے حالت جنون میں ارتکاب قتل کیا ہو قصاص ساقط ہو جائے گا، البتہ اگر جنون سے افاقہ کی حالت میں قتل کیا تو مستوجب قصاص ہوگا لیکن اگر حالت جنون میں ہو تو افاقہ پانے تک انتظار کیا جائے گا اگر افاقہ نہ ہو تو اس کے مال سے خون بہا وصول کیا جائے اور ایسے مدہوش انسان پر قصاص عائد نہ ہوگا جسے حلال شے کے استعمال سے نشہ لاحق ہوا ہو، ایسی حالت میں اسے مجنون تصور کیا جائے گا۔ لہٰذا اس کے کنبہ پر خون بہا واجب ہوگا جیسے قتل خطا میں ہوتا ہے، لیکن اگر نشہ حرام شے کے استعمال سے ہو تو اسے مکلف (یعنی ایسا شخص) تصور کیا جائے گا جس پر احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں۔

جنگ کرنے والے کا خون معاف ہے، لہٰذا اس کا قتل قصاص کے طور پر کیونکہ جان کو محفوظ رکھنے والی شے یا تو ایمان ہے یا امان (یعنی پناہ میں آجانا) آزاد مسلمان شخص کو غلام کے قتل پر اور آزاد شخص کو ذمی کے قتل پر اور مسلمان غلام کو آزاد ذمی کے قتل پر قصاص کا مستوجب قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اسلام کو ذمی شخص کی آزادی کے مقابلہ میں برتری حاصل ہے اور ادنیٰ کے قتل پر اعلیٰ کی جان نہیں لی جائے گی، ان اصحاب کے نزدیک قصاص کے لیے یہ شرط ہے کہ قاتل کو آزاد ہونے یا مسلمان ہونے کے باعث مقتول پر برتری حاصل نہ ہو۔

برسر جنگ (مخالف) اور مرتد کے قاتل پر قصاص نہیں ہے، کیونکہ ان اصحاب کے نزدیک ان کے محفوظ رہنے کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

Marfat.com

زخم لگنے کے بعد مجروح کی سماجی حیثیت بدل جانے کا بیان

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان نے، ذمی یا حربی (دشمن کے آدمی) کو یا مرتد کو یا ذاتی غلام کو زخمی کیا اور زخم خوردہ شخص کی سماجی حیثیت اس کی زندگی میں بدل گئی یعنی وہ مرتد یا حربی مسلمان ہو گیا یا (حربی کو) پناہ دے دی گئی اور غلام آزاد ہو گیا۔ اس کے بعد زخم کے سرایت کر جانے کے باعث مر گیا تو جراحت رساں پر نہ مالی تاوان عائد ہو گا اور نہ قصاص، کیونکہ وہ زخم ہی جو پہلے لگایا گیا نا قابل تاوان تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ارتکاب جرم کے وقت کا ہلکا تاوان عائد ہو گا اس سے مراد ایک آزاد مسلمان کی دیت ہے، کیونکہ وہ زخم جو ابتداءً نا قابل باز پرس ہو وہ حالت مجروح میں تبدیلی آ جانے سے قابل باز پرس نہیں ہو جاتا چنانچہ وہ زخم جو ابتداءً محض قابل تاوان ہوا گر اس سے موت واقع ہو جائے تو وہ موت رائگاں متصور ہو گی۔ البتہ اس جرم کا تاوان واجب ہو گا، اور اگر جرم جراحت کی نوعیت آغاز میں بھی اور انجام میں بھی قابل تاوان ہو تو وہ تاوان عائد ہو گا جو آخری حالت میں واجب ہوا اور قصاص کے لیے اس بات کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ عمل مستوجب قصاص کا انجام کیا ہوا؟ ایسی صورت میں اگر کسی مسلمان نے مرتد یا حربی پر یا ذاتی غلام پر تیر چلایا اور وہ حربی یا مرتد مسلمان ہو گیا یا حربی کو پناہ دے دی گئی یا وہ غلام آزاد ہو گیا اور اس کے بعد تیر کا اثر ہوا تو قطعاً قصاص عائد نہ ہو گا کیونکہ آغاز جرم سے نوعیت جرم یکساں نہیں رہی؛ اور مسلک یہ ہے کہ مسلمان پر تاوان کے لیے اس حالت کو ملحوظ رکھا جائے گا جو زخم لگنے کے وقت تھی، کیونکہ جرم سرزد ہونے کی حالت وہی تھی، اور تیر اندازی تو محض ذریعۂ اقدام جرم ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کنواں کھودا گیا اور اس وقت وہاں پر کوئی حربی یا مرتد شخص ہے، لیکن وہ مسلمان ہو گیا اور اس میں جا پڑا تو اب کنواں کھودنے والا اس جرم کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ ذریعۂ جرم (یعنی کنواں) اس وقت نا قابل باز پرس تھا، اور (اگر گرنے والا) اس کا غلام ہے تو ان دونوں (حربی یا مرتد) کے مقابلہ میں بدرجۂ اولیٰ حقدار تاوان ہے، کیونکہ وہ تحت تحفظ ہوتا ہے اور اس کا نقصان مستوجب کفارہ ہے۔

اس بارے میں صحیح ترین مسلک یہ ہے کہ ہلکا خون بہا لازم ہے جو اس کے ذمہ دار رشتہ داروں سے قابل وصول ہو گا، کیونکہ اسے جرم خطا کی دیت قرار دیا جائے گا، جیسے کسی نے شکار پر تیر چلایا اور وہ تیر کسی شخص کو جا لگا ہو۔ غرض کہا جاتا ہے کہ یہ وقوعہ شبہ عمد ہے (یعنی عمداً ارتکاب جرم کے مشابہ عمل ہے) اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قتل عمد ہے۔

اس کے برعکس اگر کسی حربی نے ایک مسلمان کو زخمی کر دیا اور زخمی کرنے والا مسلمان ہو گیا یا عہد ذمہ کر لیا (یعنی ذمی ہو گیا) اور وہ مجروح وفات پا گیا، تو بقول صحیح اس سے کوئی باز پرس نہ ہو گی، اور اگر وہ مجروح (جو مسلمان تھا) نعوذ باللہ مرتد ہو گیا اور اس زخم کے اثر سے مر گیا اور مرتد ہی مرا لیکن زخم لگانے والا مرتد نہیں ہے تو وہ خوں رائگاں (نا قابل باز پرس) متصور ہو گا اور نہ اس کا قصاص ہو گا نہ خون بہا نہ کفارہ خواہ زخمی کرنے والا حاکم وقت ہو یا کوئی اور ہو، کیونکہ اگر اس حالت میں (جبکہ وہ مرتد ہے) قتل کر دیا جائے تو اس پر کوئی جرم عائد نہ ہو گا اسی طرح زخم کے سرایت کر جانے پر بھی مواخذہ نہ ہو گا، لیکن اگر زخمی کرنے والا مرتد ہو تو بقول قوی اس پر حکم قصاص عائد ہو گا۔ تاہم زخم کرنے کی دیت واجب ہو گی، بشرطیکہ وہ زخم مستوجب قصاص ہو مثلاً زخم کھلا ہوا ہو یا عضو کاٹ دیا گیا ہو، کیونکہ اعضائے جسم کا قصاص جان کے قصاص

Marfat.com

سے جداگانہ شے ہے اور وہ زخم ایسا ہے جیسے وہ زخم جو جسم میں سرایت نہ کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ وہ زخم ہلاکت جان کی مانند ہے اور جان معاف ہو جاتی ہے اسی طرح قطع عضو کا جرم بھی قابل درگزر ہے، لیکن اگر کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹا اور پھر وہ مرتد ہو گیا اور اس مسلمان کا زخم بھر گیا تو جراحت رساں پر تاوان عائد ہوگا، اگر ادائے تاوان سے پہلے مر گیا تو اس مسلمان کا قرابت دار پورا تاوان وصول کرے گا، کیونکہ قصاص تشفی کے لیے ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر قرابت داری کی حیثیت سے اس میں کمی ہو تو اس کی تکمیل ہونے تک انتظار کیا جائے تاکہ پورا حق وصول کیا جاسکے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں حاکم وقت تاوان وصول کرے، کیونکہ مرتد کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ لہٰذا امام تاوان وصول کرے گا، جیسے اس شخص کا قصاص لیتا ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور پہلی صورت میں یہ جائز ہے کہ حقدار کچھ مال کے عوض تاوان معاف کر دے، امام (حاکم وقت) اس مال کو وصول کر کے بیت المال (سرکاری خزانہ) میں داخل کرے اگر مرتد کی جراحت رسانی کی پاداش میں کسی پر مالی تاوان عائد کیا جائے مثلاً غلطی سے ہاتھ کٹ گیا ہو تو تاوان کی وہ مقدار واجب ہوگی جو زخم کے تاوان اور خون بہا کی مقدار دونوں میں سے کمتر ہوگی، کیونکہ یہ مقدار یقینی طور پر عائد ہوتی ہے اگر تاوان واجب (نسبتۂ خون بہا سے) کم ہو مثلاً پیٹ پھاڑنے کا تاوان ہے جس سے زخم کھانے والے کی موت واقع ہو جائے تو اس کے مرتد ہو جانے پر اس مین اضافہ نہ ہوگا، اور اگر خون بہا کی مقدار زخم کے تاوان سے کم ہو مثلاً ایک شخص نے کسی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے اور اس کے بعد وہ زخمی مرتد ہو گیا اور پھر مر گیا (تو خون بہا کی مقدار ان چاروں اعضاء کے تاوان سے کم ہوگی) ان دونوں میں سے جس کی مقدار زیادہ ہے اتنا تاوان واجب نہ ہوگا، کیونکہ اگر وہ شخص (زخمی) مسلمان ہی مر جاتا (مرتد نہ ہوتا) تب بھی زیادہ مقدار والا تاوان عائد نہ ہوتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جراحت رسانی کا تاوان خواہ کتنا ہی زیادہ ہو وہی واجب الادا ہوگا خواہ اس کی مقدار خون بہا سے زیادہ ہو۔ پس دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹنے پر دوہرا تاوان واجب ہوگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ زخم رائیگاں متصور ہوگا لہٰذا اس کی کوئی باز پرس نہ ہوگی، کیونکہ یہی زخم اگر سرایت کر جائے تو وہ قتل ہے، اور اعضائے جسم جان کے تابع ہیں تو جبکہ یہ خون معاف ہے تو زخم بھی اسی طرح قابل مواخذہ نہیں ہے۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ مجروح زخم کھانے کے بعد مرتد ہوا ہو اور اگر وہ تیر چلنے کے بعد مگر زخم لگنے سے پہلے ہی مرتد ہوا تو بالاتفاق یہ جرم قابل مواخذہ ہے کیونکہ جس وقت ارتکاب مجرم ہوا وہ شخص مرتد ہو چکا تھا۔

اگر مجروح مرتد تھا پھر مسلمان ہو گیا لیکن اس زخم کے اثر سے مر گیا تو بقول صحیح جراحت رساں پر قطعاً کوئی قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ اب جرم کی نوعیت مشتبہ ہو گئی اور اشتباہ کی حالت میں مجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر مرتد مجروح (جو مسلمان ہو گیا) کی حالت ارتداد اتنی مختصر تھی کہ زخم جسم میں سرایت نہیں کر پایا تھا اور وہ مسلمان ہو گیا تو جراحت رساں پر قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے ارتداد سے توبہ کی اس وقت زخم کے سرایت کرنے کی کوئی علامت ظاہر نہ تھی۔ ہاں اگر اس مرتد نے مسلمان ہونے میں دیر کی تو مجرم پر قطعاً قصاص واجب نہ

Marfat.com

ہوگا، کیونکہ زخم اور موت دونوں باتیں مقتول کے تحفظ کی ذمہ داری کے دوران واقع ہوئیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نصف خون بہا عائد ہوگا، کیونکہ اس حالت میں (تاوان واجب کو) مجروح کے محفوظ اور غیر محفوظ ہونے کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

اگر کسی مسلمان نے ایک ذمی کو زخم پہنچایا اور وہ ذمی مسلمان ہو گیا یا کسی کے غلام کو زخمی کیا اور وہ غلام آزاد ہو گیا۔ پھر زخمی سرایت زخم کے باعث وفات پا گیا تو ان دونوں صورتوں میں زخمی کرنے والے پر قصاص عائد نہ ہوگا، کیونکہ اس نے ہم پلہ کو زخمی کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا جرم (کا مستوجب قصاص ہونا) مشتبہ ہو گیا۔ تاہم اس پر ایک مسلمان کا خون بہا عائد ہوگا۔ کیونکہ پہلے تو زیر تحفظ تھا اور بعد میں آزاد مسلمان ہو گیا اور اگر وہ غلام غیر مسلم ہو تو اس کا خون بہا ایک غیر مسلم آزاد شخص کے خون بہا کے برابر ہوگا۔ اب اگر زخم بھر گیا اور آرام ہو گیا اور اس کے بعد وفات پا گیا تو جراحت رساں (مسلم) پر جرمانہ عائد ہوگا اور غلام کے حق میں جو جرمانہ عائد ہوا ہے اس کا حقدار غلام کا مالک ہوگا اور آزاد شدہ غلام کا خون بہا اس کے مالک کا حق ہے بشرطیکہ زخم کے سرایت کرنے سے موت واقع ہوئی ہو اور اس جراحت کا کوئی تاوان مقرر نہ ہو۔ خواہ تاوان اس غلام کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم ہو، کیونکہ اس کا مالک اس جرم کی پاداش میں اسی قدر تاوان کا مستحق تھا جب کہ وہ جرم اس کی ملکیت کے دوران سرزد ہوا ہوتا اور بصورت موجودہ اس کا کوئی حق قرار نہیں دیا گیا بلکہ مجرم کو حق ہے کہ اس کی قیمت کا تعین کرے اور جب دیت موجود ہو اور رقم ادا کی جائے تو اس کے آقا کو اسے تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر غلام کی دیت (تاوان) غلام کی قیمت سے زیادہ ہو تو جس قدر زیادہ ہے وہ غلام کے ورثاء کو ملے گی کیونکہ یہ رقم اس کو آزاد ہونے کی حیثیت سے ملے گی۔ اگر جراحت کا کوئی مقررہ تاوان ہے مثلاً غلام کا ہاتھ کسی نے کاٹ دیا یا اس کی آنکھ پھوڑی اور پھر اسے آزاد کر دیا گیا (یعنی غلام نہ رہا لیکن) اس زخم کے سرایت کر جانے کے باعث اس کی وفات ہو گئی اور پورا تاوان واجب الادا ٹھہرا تو اس کے آقا کو واجب الادا خون بہا اور غلام کی نصف قیمت دونوں میں سے جس کی مقدار کم ہوگی اسی قدر حق ہوگا اور یہ اس عضو کا تاوان ہے جو اس شخص کی ملکیت کے دوران تلف ہوا۔ یہ اس حالت میں ہے جب کہ وہ زخم اچھا ہو گیا ہو۔ کیونکہ غلام (مملوک) ہونے کی حالت میں اس زخم کے اثر سے موت واقع نہیں ہوئی کہ اس میں اس کے آقا کا حق تسلیم کیا جائے۔ پس اگر تاوان غلام کی آدھی قیمت سے کم ہے تو اس کے سوا اور کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر اس کی نصف قیمت تاوان سے کم ہے تو یہی اس جرم کا تاوان قرار پائے گا جو اس غلام کے خلاف اس کے مملوک ہونے کے دوران سرزد ہوا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس صورت میں خون بہا اور غلام کی پوری قیمت میں سے جو مقدار میں کم ہے وہی واجب الادا ہوگا۔

اگر کسی شخص نے ایک غلام کا ہاتھ کاٹ دیا، اس کے بعد دو شخصوں نے اسے زخم پہنچایا مثلاً ایک شخص نے اس کا دوسرا ہاتھ کاٹ دیا اور دوسرے نے اس کا پاؤں کاٹ دیا اور وہ ان زخموں کے سرایت کر جانے سے وفات پا گیا تو پہلے شخص پر اگر وہ آزاد ہے قصاص عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ ارتکاب جرم کے وقت دونوں میں مطابقت نہ تھی۔ باقی دو شخصوں پر اس مسلک کی رو سے اعضاء کا قصاص قطع عضو کرنے اور جان کا قصاص (خون کا بدلہ خون) واجب ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان پر تیر چلایا گیا اور جس پر تیر چلایا گیا وہ شخص نعوذ باللہ مرتد ہو گیا اس کے بعد اسے

Marfat.com

تیر لگا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیر چلانے والے پر خون بہا واجب ہوگا، لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے مرتد ہو جانے کے باعث اس کی قدر جاتی رہی یہ وہی صورت ہے جس میں ضامن بری الذمہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب کوئی شے اپنی قدر سے گرا دی جائے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی۔ مثلاً کسی شخص کا غلام غصب کر لیا جائے اور وہ شخص اس کو آزاد کر دے تو اب وہ غصب کرنے والا ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔ اسی طرح تیر چلانے والے کو بھی جرم سے یا زخم کے حق تاوان سے بری قرار دیا جائے گا۔ یعنی (مطالبہ قصاص) حاصل ہونے کے سبب جس سے مراد تیر چلانا ہے تیر لگنے سے پہلے ہی جاتا رہا۔

ابوحنیفہؒ کا کہنا یہ ہے کہ (جرم کی) ذمہ داری مجرم پر اس کے اپنے عمل یعنی تیر چلانے سے عائد ہوئی۔ اس کے بعد اس سے کوئی اور فعل سرزد نہیں ہوا یہ صورت حال صورت سابقہ پر منطبق نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس بارے میں اس وقت کو ملحوظ رکھا جائے گا جب یہ فعل سرزد ہوا۔ جیسا غصب کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ غرض تیر چلانے والے (یا وار کرنے والے) کی حالت کا لحاظ رکھا جائے اور جس پر تیر چلایا گیا اس پر انحصار ہوگا (کہ اس کی حیثیت وار کے وقت کیا تھی؟) اس مسئلہ کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے مثلاً شکار پر تیر چلایا اور تیر چلانے کے بعد، نعوذ باللہ۔ وہ شخص مرتد ہو گیا تو (اس تیر سے کیا ہوا) شکار حرام نہ ہوگا کیونکہ اس کا فعل شرعی نقطۂ نظر سے موجب زکاۃ صید (یا بسم اللہ کہنا) ہے پوری ہوئی۔ اسی طرح اگر جرم غلطی سے سرزد ہوا اور مجرم تیر چلانے کے بعد لیکن زخم لگنے سے پہلے کافر ہو گیا تو اسے جرم خطا ہی تصور کیا جائے۔ اگر اس نے قصداً تیر چلایا تھا تو اس بناء پر کہ زخم کارگر ہونے کے وقت مجرم کا حال مشتبہ تھا قصاص ساقط ہو جائے گا اور اس کے مال سے خون بہا واجب الادا ہوگا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو (یعنی حالت کفر میں تیر چلایا اور معاً بعد مسلمان ہو گیا)۔ تو باتفاق جملہ فقہاء اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے حربی پر تیر چلایا اور وہ مسلمان ہو گیا (تب بھی قصاص عائد نہ ہوگا) کیونکہ محض تیر چلانے سے ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اس لیے کہ محل جرم مقدم (درست) نہیں تھا (یعنی جس پر تیر چلایا گیا وہ ایسا شخص نہ تھا کہ تیر چلانے والا مستوجب قصاص ہوتا) اور بعد میں اس کے متقوم ہو جانے کے باعث وار کرنے والے پر الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

اگر ایک شخص نے کسی کے غلام پر تیر چلایا اور اسی دم اس کے آقا نے غلام کو آزاد کر دیا اور بعد میں وہ تیر لگا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک تیر چلانے والے پر لازم ہے کہ غلام کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ اس شخص پر غلام کی دو قیمتوں یعنی زخم کھانے سے پہلے اور بعد کی قیمت میں جو فرق ہے اسی قدر تاوان عائد ہوگا۔ چنانچہ اگر تیر کھانے سے پہلے اس کی قیمت ایک ہزار (۱۰۰۰) درہم تھی اور تیر کھانے کے بعد آٹھ سو (۸۰۰) رہ گئی تو دو سو درہم (تاوان) واجب الادا ہوگا کیونکہ غلام کے آزاد ہو جانے پر زخم کے نتیجہ میں عائد ہونے والا حق مطالبہ ختم ہو جائے گا کیونکہ اب حقدار کے تعین میں اشتباہ لاحق ہوگا کہ مطالبہ کا حق کس کو ہے؟ جرم کے سرزد ہونے پر تو ابتداء میں اس کے تاوان کا حقدار آقا تھا اور زخم لگنے کے بعد جب آزاد ہو گیا تو اب غلام خود اس زخم کے تاوان کا حقدار ہے۔ پس اس کا آزاد کر دینا اس سے بری الذمہ ہو جانا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کسی کے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا یا اسے زخمی کر دیا۔ اس کے بعد مالک نے اسے آزاد کر دیا۔ پھر وہ زخم غلام کے جسم میں سرایت کر گیا (اور اس کی موت واقع ہو گئی) تو اب اس غلام کے آزاد کیے جانے کے بعد سرایت زخم کا کوئی واسطہ مالک سے نہیں رہے گا۔ آزاد کرنے کے بعد اب وہ کوئی مطالبہ تاوان یا

Marfat.com

قیمت کا نہیں کر سکتا۔ البتہ غلام کو جو نقصان پہنچا مجرم اس کا ذمہ دار ہے۔ غلام کے زخم سے قطع رابطہ کے بعد صرف تیر چلانے کا وہ جرم قابل مؤاخذہ رہ گیا جس وجہ سے زخم خوردہ غلام کی قیمت میں بہ نسبت زخم سے پہلے کی حالت کے کمی آ گئی لہٰذا جس قدر کمی ہے اسی قدر تاوان واجب ہوگا۔

صاحبین کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں اس فعل کو بلحاظ اس حالت کے جب کہ تیر چلایا گیا تھا قتل قرار دیا جائے گا۔ اس وقت وہ غلام مملوک تھا۔ لہٰذا مجرم پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ بخلاف عضو کاٹ دینے یا زخمی کر دینے کے کیونکہ یہ زخم (جان کو نہیں بلکہ) بدن کے بعض حصہ کو نقصان پہنچاتا ہے لہٰذا آقا کو اس کے تاوان کا حق ہے۔ پھر اس زخم کے سرایت کر جانے کی صورت میں جو کچھ عائد ہوگا وہ اس غلام کا حق ہے (کیونکہ وہ آزاد ہو چکا ہے) پس انجام کی صورت حال آغاز سے مختلف ہے۔ لیکن اگر تیر کاری نہ ہو تو اس سے کوئی شے تلف نہ ہوگی کیونکہ محل جرم (یعنی غلام) پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے البتہ اس کی پذیرائی میں کمی آ جائے گی۔ اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس (مجرم) کے آغاز و انجام میں کوئی فرق نہیں اور (موت واقع ہو جانے پر) غلام کی قیمت اس کے آقا کو ادا کی جائے گی۔ اگر کسی شخص کو سنگسار کیے جانے کا فیصلہ کیا گیا اور ایک شخص نے اس کو پتھر مارا تھا کہ (اس کے خلاف گواہی دینے والوں میں سے) ایک گواہ اپنے بیان سے پھر گیا (نتیجۃً وہ مجرم نہ رہا) اور تب اسے پتھر لگا تو اس پتھر مارنے والے پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس وقت کو ملحوظ رکھا جائے گا جب اس نے پتھر مارا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اس کا خون حلال تھا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایک مسلمان شخص پر تیر چلایا اور وہ شخص نعوذ باللہ معاً مرتد ہو گیا اور مرتد ہونے کے بعد تیر اسے لگا تو تیر انداز پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا، بلکہ وہ خون کالعدم متصور ہوگا۔ اس پر قصاص ہوگا نہ تاوان۔ کیونکہ اس سے جس کو نقصان پہنچا وہ محفوظ حیثیت میں نہ تھا لہٰذا جرم کالعدم ہوگا۔ اس طرح اگر زخم کھانے کے بعد بھی وہ مرتد ہو جائے اور پھر مر جائے تب بھی کوئی الزام جراحت کرنے والے پر عائد نہ ہوگا یہی حال اس شخص کا ہے جسے جرم پر یا مطالبہ حق میں ضرب لگائی گئی اور اسے جرم سے یا مطالبہ سے بری کر دیا گیا یا یہ ہوا کہ کسی خطا پر تیر کا نشانہ بنایا لیکن زخم نے خطا سے بری ہونے کے بعد اسے ہلاک کیا۔ اسی طرح کی وہ صورت ہے کہ کوئی شخص اپنے غصب شدہ مملوک غلام کو آزاد کر دے تو غاصب اس کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا کیونکہ ضرب لگانے یا تیر چلانے کو جرم قرار دینے کی شرط یہ ہے کہ ارتکاب فعل کے وقت مجروح کو بے خطا اور محفوظ مان لیا گیا ہو اور اس لیے بھی یہ جرم نہ رہا کہ مرتد ہو جانے کے باعث اس کی جان کا عہد تحفظ جاتا رہا پس وار کرنے والا اس کے نتائج سے بری الذمہ ہو گیا۔ جیسے کوئی شخص زخمی ہونے کے بعد موت سے پہلے اپنے مطالبہ سے مجرم کو بری کر دے۔ اس صورت میں وہ خون کالعدم ہو جائے گا اور مجرم پر کوئی مطالبہ عائد نہ ہوگا پھر یہ بھی ہے کہ سزائے جرم کا واجب نہ ہونا اس لیے نہیں ہے کہ مجرم کو مطالبہ حق سے بری کر دیا گیا بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ زخمی کے مرتد ہو جانے کے بعد زخم کو اس کے نتیجہ (یا موت) سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جیسے زخمی غلام کو آزاد کر دینے پر ہوتا ہے (کہ آزاد ہونے کے بعد اس زخم کا نتیجہ خواہ کچھ ہو مجرم بری الذمہ ہوگا) اسی طرح مجروح کے تحت تحفظ ہونے کا انحصار اس وقت پر ہے جب کہ اس پر تیر چلایا گیا۔ اگر ایسے شخص پر وار کیا گیا جس کی جان واجب الحفظ نہ تھی یا غلامی میں آ جانے یا کافر ہو جانے کے

Marfat.com

باعث وہ پورے طور پر محفوظ نہ تھا۔ لیکن زخم کے کاری ہونے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا یا غلام تھا آزاد کر دیا گیا تو مجرم مستوجب قصاص نہ ہوگا تاہم اگر کسی تحت تحفظ شخص کا مثلاً ہاتھ کاٹا گیا اور وہ دست بریدہ شخص مرتد ہو گیا اور اس زخم کے باعث حالت ارتداد میں مر گیا تو ہاتھ کاٹنے پر قصاص قطع کا مستوجب ہوگا۔ کیونکہ جرم سرزد ہونے کے وقت وہ تحت تحفظ تھا۔

دوہرے جرائم کے ارتکاب کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے غلطی سے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا اور ہنوز وہ زخم اچھا نہ ہوا تھا کہ اسے عمداً قتل کر دیا یا ایک بار تو عمداً عضو کاٹا اور پھر دوسری بار غلطی سے قتل کر دیا۔ یا یہ ہوا کہ کسی کا ہاتھ غلطی سے کاٹ دیا اور زخم اچھا ہو گیا اور پھر غلطی سے قتل کر دیا یا ایک بار عمداً ہاتھ کاٹا پھر ٹھیک ہو گیا اور دوسری بار پھر عمداً قتل کر دیا، تو ان دونوں جرائم کا مواخذہ ایک ساتھ کیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جرم اول کی تکمیل کے لیے دونوں کو یکجا کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ قتل بالعموم پے در پے ضربات سے واقع ہوتا ہے۔ اگر ہر جرم کو مستقل جرم قرار دیا جائے تو اس میں خرابی پیدا ہوگی۔ ہاں اگر جرائم ایسے ہیں کہ دونوں کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے تو ہر ایک کو بجائے خود ایک جرم قرار دیا جائے گا۔

واضح ہو کہ مندرجہ بالا صورتوں میں جرائم کا جمع کرنا مشکل ہے۔ ابتدائی دو جرائم میں تو اس لیے کہ دونوں افعال نوعیت اور نتائج کے اعتبار سے باہم مختلف ہیں۔ ایک جرم غلطی سے اور دوسرا عمداً سرزد ہوا۔ اسی طرح اخیر کے دو افعال کو بھی جمع کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ دونوں جرائم کے درمیان، مجروح کا اچھا ہو جانا حائل ہو گیا پس ان کو قطعاً جمع نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ پہلا جرم (زخم کے اچھا ہو جانے کے بعد) ختم ہو گیا اور اس کا اثر باقی نہ رہا اس کے بعد جو قتل ہوا وہ نیا جرم ہوا۔ لہٰذا ان دونوں جرائم کو دو جرم تسلیم کیا جائے گا۔ پس اگر دونوں جرم ایک ہی نوعیت کے ہوں کہ دونوں جرم غلطی سے سرزد ہو گئے ہوں اور ان کے درمیان مجروح کی صحت یابی حائل نہ ہو تو ان کا فیصلہ یکجائی طور پر کیا جائے گا کیونکہ ان میں جمع کرنا ممکن ہے۔ ان دونوں کی دیت (تاوان) ایک ہی کافی ہے اس لیے کہ دونوں کے جمع کرنے میں کوئی امر مانع مثلاً پہلے زخم کا آرام ہو جانا یا دوسرے زخم کی نوعیت کا پہلے سے مختلف ہونا موجود نہ ہو۔

اگر عمداً ارتکاب کے لحاظ سے دونوں جرائم یکساں ہوں بایں طور کہ مثلاً ہاتھ عمداً کاٹا اور ابھی وہ زخم اچھا نہ ہوا تھا کہ عمداً قتل بھی کر دیا تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں (مقتول کے) ولی کو اختیار ہے کہ وہ پہلے ہاتھ کاٹے اور پھر قتل کرے یا محض قتل پر اکتفا کرے۔

صاحبین کہتے ہیں کہ صرف قتل کیا جائے اور ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ دونوں افعال کی نوعیت یکساں ہونے اور صحت کی مداخلت نہ ہونے کے باعث ان کو جمع کرنا ممکن ہے۔

ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ ان دونوں جرائم کا یکجائی تصفیہ ممکن نہیں ہے۔ اس کا سبب یا تو وہ اختلاف ہے جو ان دونوں کے افعال کی نوعیت میں ہے۔ قصاص کا انحصار اس امر پر ہے کہ محل جرم اور سزا میں یکسانیت کا لحاظ رکھا جائے۔ یعنی قتل کے

Marfat.com

عوض قتل اور قطع کے عوض قطع ہو اور (جمع کرنے میں) یہ ممکن نہیں یا پھر اس لیے کہ فعل قطع کو جرم قرار دینا اس امر سے مانع ہے کہ اسے سرایت زخم سے تعبیر کیا جائے۔ چنانچہ اگر یہ افعال (یعنی قطع اور قتل) دو اشخاص سے سرزد ہوں تو کاٹنے والے پر قصاص عائد ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے زخم اچھا ہو گیا ہو۔ (اس کے بعد قتل دوسرا جرم ہوگا) بخلاف اس صورت کے جب کہ عضو کاٹا اور اس کے سرایت کر جانے سے (بغیر قتل کے) موت واقع ہو گئی۔ اس صورت میں فعل جرم ایک ہی ہو گا اور بخلاف اس صورت کے جب کہ دو خطائیں ہوں۔ اس صورت میں خون بہا واجب ہوگا جو جان کے عوض ہے اور اس میں (جرم و سزا میں) مساوات ملحوظ نہیں رہتی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر یہ بھی ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا تاوان اسی حالت میں عائد ہوگا، جب کہ فعل جرم کی تکمیل ہو اور وہ یہی ہے کہ جو عضو کاٹا گیا اس کے زخم کا جسم میں سرایت کرنا ممکن نہ ہو۔ ایسی حالت میں عضو کامل اور جزو عضو کا تاوان یکجائی عائد ہوگا یعنی وہ تاوان جو کاٹنے کے وقت عائد ہوا اور اس صورت میں (کہ دونوں جرائم کی سزا یکجائی طور پر دی جائے ہاتھ کے تاوان کی تکرار ہوگی) کیونکہ پورے عضو کے تاوان میں جزو عضو کا تاوان شامل ہے اور تاوان کا بار بار عائد کرنا شریعت کے خلاف ہے۔ لہٰذا ان دونوں جرائم کو اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ قصاص کے طور پر ہاتھ کاٹنے اور قتل کرنے کی سزا کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے کیونکہ قصاص کی بناء (جرم و سزا کی) مساوات ہے اور ان دونوں کو یکجا کر کے ہی یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے اس لیے کہ جرم عمد شدت اور سختی پر مبنی ہے۔ چنانچہ ایک شخص کے قتل کی پاداش میں دس اشخاص کو قتل کیا جا سکتا ہے اور جس طرح ارتکاب جرم ہوا سزا میں اس کا لحاظ رکھنا اس امر کا مقتضی ہے کہ سزا میں سختی کی جائے۔ لیکن جرم خطا بنیادی طور پر نرمی کا متقاضی ہے چنانچہ اگر قتل خطا متعدد اشخاص سے سرزد ہو تو ان سب کا خون بہا ایک ہی ہوگا۔ لہٰذا اس میں سختی سے کام لینا درست نہیں ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی کو سو کوڑے مارے جن کی منجملہ نوے (۹۰) کوڑوں کا زخم اچھا ہو گیا لیکن دس کوڑے کھا کر مر گیا تو اس کا خون بہا ایک ہی ہوگا۔ کیونکہ جو زخم اچھے ہو گئے انھیں مستوجب تاوان قرار نہیں دیا جائے گا اگرچہ مستوجب تعزیر قرار دیا جائیگا۔ غرض اس صورت میں قابل لحاظ دس کوڑے ہیں (جن سے موت واقع ہوئی) یہی حکم امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق ہر ایسے زخم کا ہے جو اچھا ہو جائے اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے لیکن امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی صورتوں میں انصاف پر مبنی (یعنی جیسا ضرر پہنچا اس کے مطابق) فیصلہ کیا جائے گا اور امام محمد کے نزدیک معالج کی اجرت واجب ہوگی۔ اگر کسی نے ایک شخص کو سو (۱۰۰) کوڑے مارے اور اسے زخمی کر دیا اور اس کا اثر باقی رہا تو اس اثر کے پیش نظر منصفانہ فیصلہ ہوگا اور اس کا تاوان اس ضرر کے مطابق تجویز کیا جائے گا جو مجروح کی زندگی پر اثر انداز ہوا ہو گویا کہ وہ زخم مندمل نہیں ہوا اور گو وہ زخم موجود نہ ہو لیکن اس کا اثر باقی ہے۔ ہاں اگر ابتدا ہی سے کوئی زخم نہیں ہوا تو بالاتفاق کوئی تاوان عائد نہ ہوگا اور اگر زخم ہوا لیکن مندمل ہو گیا اور اس کا اثر باقی نہ رہا تب بھی امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق یہی حکم ہے۔ کیونکہ اس سے ایک دکھن کے سوا اور کچھ نہیں ہوا اور اس پر کوئی سزا عائد نہیں ہوتی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو کوئی مارے اور اس سے (پٹنے والے کو) تکلیف (دکھ) پہنچے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایک شخص کا پہلے ہاتھ کاٹ دیا اور پھر اسے قتل کر دیا۔ ایسی صورت میں

Marfat.com

پہلے مجرم کا ہاتھ کاٹا جائے پھر اسے بطور حد (سزائے شرعی) کے قتل کر دیا جائے تاکہ (جرم وسزا میں) مماثلت رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم" (یعنی اگر تمھارے ساتھ کوئی چیرہ دستی کرے تو تم بھی اسی طرح کی سختی اس پر کرو)۔

اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور زخم سرایت کر جانے کے باعث وہ دست بریدہ شخص مر گیا۔ تو (اس جرم کی پاداش میں) پہلے مجرم کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اگر مجرم زخم کے سرایت کر جانے کے باعث مر جائے تو فبہا کہ قصاص کا مقصد پورا ہو گیا اگر نہ مرے تو اسے قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے تاکہ (جرم وسزا میں) مماثلت ہو۔ ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ مقتول کے ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس بات کا انتظار کرے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا پانے کے بعد مجرم مرتا ہے یا نہیں؟ اگر نہ مرے تو بعد میں اس کی گردن کاٹ سکتا ہے اور اسے یہ بھی جائز ہے کہ پہلے ہی اس کی گردن کاٹ دے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ نیز یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی انسان پر ایک ضرب لگائی اس کے بعد ایک اور شخص نے سو ضربیں لگائیں اور وہ شخص ایک سو ایک ضرب کھا کر مر گیا اور صورت حال یہ ہے کہ وہ ایک زخم جو پہلے شخص نے لگایا اور وہ سو (۱۰۰) زخم جو دوسرے نے لگائے ان دونوں میں سے اگر کوئی سا زخم بھی لگتا تو مجروح مر جاتا تو اس صورت میں ایک زخم لگانے والا اور سو زخم لگانے والا دونوں قطعی طور پر مستوجب قصاص ہیں خواہ دونوں شریک قتل رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ کیونکہ فی الواقع ایک زخم کاری لگانے والا متعدد وار کرنے والوں سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے ہر ایک کا اقدام ایسا ہے کہ اگر جدا جدا ہوتا تو مجروح کی وفات نہ ہوتی لیکن قتل میں دونوں کو دخل ہے تو اس کا فیصلہ تفصیل کا محتاج ہے۔ اگر دونوں قتل کرنا ہی چاہتے تھے تو دونوں کو سزائے قتل ہو گی اگر دونوں شریک قتل نہیں تھے تو انھیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ خون بہا واجب ہو گا کیونکہ ان کا یہ اقدام شبہ عمد (یعنی قتل عمد کے مشابہ عمل) ہے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک کا اقدام جراحت ایسا ہے کہ اس سے موت واقع ہو جاتی اور دوسرے کے اقدام سے موت نہ ہوتی تو ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ حکم ہے پہلا مجرم (جس کا وار ہلاک کرنے والا ہے) تو یقینی طور پر مستوجب قتل ہے اور دوسرا شخص بھی (جس کا زخم ہلاک کرنے والا نہیں ہے) قتل کیا جائے بشرطیکہ وہ بھی ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ قتل کرنا نہیں چاہتا تھا تو اسے سزائے قتل نہیں ملے گی۔ بلکہ اپنے حصہ کا خون بہا ادا کرنا ہو گا۔ اگر دونوں میں سے ایک کی ضرب خفیف ہے جسے قتل کرنے میں مطلقاً دخل نہیں ہے۔ مثلاً کپڑے کے پلو سے مارنا یا ہلکا سا تازیانہ لگانا تو اسے قصاص میں کوئی دخل نہیں ہے اور نہ تاوان واجب ہو گا۔ بلکہ وہ موت قدرتی موت متصور ہو گی۔ اگر دوسرے مجرم نے ایسا جرم کیا جو پہلے مجرم کے ظلم سے الگ تھلگ قسم کا ہے۔ مثلاً ایک نے ہاتھ یا پاؤں کاٹا اور دوسرے نے گردن کاٹ دی یا اس کے دو ٹکڑے کر دیئے تو پہلے شخص پر جراحت رسانی کی پاداش میں ہاتھ یا پاؤں کا قصاص عائد ہو گا۔ یا اسے تاوان دینا ہو گا اور دوسرا قاتل قرار پائے گا کیونکہ اس نے اپنے اقدام سے پہلے شخص کے جرم کو اپنے جرم سے بے تعلق کر دیا اور جان لے لی لہٰذا اس پر قصاص عائد ہو گا دوسرے پر نہ ہو گا۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر دو شخصوں سے یک جائی طور پر بیک وقت دو اقدامات سرزد ہوئے کہ وہ دونوں جان لیوا تھے، بایں طور کہ ان دونوں اشخاص میں سے ہر ایک کی منفرداً یہ کوشش تھی کہ فلاں شخص کی جان لے لے اور

Marfat.com

دونوں ہی قتل کرنے میں جلدی سے کام لے رہے تھے کہ گردن کاٹ دیں یا جسم کے دو ٹکڑے کر دیں یا جلدی کرنا نہ چاہتے ہوں مثلاً دو عضووں کا کاٹ دینا۔ اگر ان دونوں کے عمل سے موت واقع ہوگئی تو ان تمام مذکورہ صورتوں میں انہیں قاتل قرار دیا جائے گا اور دونوں مستوجب قصاص ہوں گے۔ اسی طرح اگر خون بہا واجب ہوا تو ان دونوں پر واجب ہوگا کیونکہ (وجوب قصاص یا دیت) کا سبب بننے میں دونوں شریک تھے، اگر یہ دونوں افعال ان سے ایک ساتھ بیک وقت سرزد نہیں ہوئے بلکہ یکے بعد دیگرے ہوئے ہوں مثلاً ایک شخص نے کسی کو حرکت مذبوحی میں ڈال دیا کہ نہ وہ دیکھ سکتا ہو نہ اپنی مرضی سے بول سکتا ہو نہ اپنے اختیار سے حرکت کر سکتا ہو اور ایک روز یا چند روز میں اس کی موت قطعی ہو، جسے حالت یاس کہتے ہیں اور جو (قاتل پر) قصاص کے واجب ہونے کی شرط ہے اور اس حال میں اسلام لانا یا مرتد ہونا صحیح نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی معاملہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا مال وجود الوقت ورثاء کو منتقل ہو جاتا ہے، بعد کے ورثاء کو نہیں ہوتا اور اس حالت میں کوئی قرابت دار وفات پا جائے تو وہ اس کا وارث نہیں ہوتا، بجز اس کے کہ وہ مسلسل زندہ رہے یعنی اگر اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے تو وہ زندہ رہے۔ اس حالت مذبوحی کو پہنچ جانے کے بعد اگر کسی اور شخص نے اس مظلوم کے ساتھ جرم کیا (یعنی اسے قتل کر دیا) تو ایسی صورت میں پہلا مجرم (جس نے اسے اس حال تک پہنچایا) قطعی طور پر قاتل ہے بشرطیکہ اس نے عمداً قتل کیا ہو اور اگر غلطی سے قتل ہوا تو خون بہا واجب ہوگا، کیونکہ اس نے اس بیچارے کو حالت مرگ تک پہنچا دیا۔ رہا دوسرا شخص سو اس کی سزا حاکم اپنی رائے کے مطابق مقرر کرے گا کیونکہ اس نے موت کی بے حرمتی کی، جیسے کوئی شخص کسی کے مرنے کے بعد اس کا عضو بدن کاٹ دے۔

اگر دوسرے شخص نے مجروح کے حالت مذبوحی (یا حالت یاس) پر پہنچنے سے پہلے ہی زخم لگانے کا جرم کیا، مثلاً ایک شخص نے کسی کو زخمی کیا یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا اس کے بعد دوسرا شخص آیا اور اس نے گردن کاٹ دی یا اس کے دو ٹکڑے کر دیئے یا جان نکال دی تو یہ دوسرا شخص بالاتفاق قاتل قرار پائے گا اور مستوجب قصاص ہوگا کیونکہ زخم گو سرایت کر کے ہلاک کرتا ہے لیکن اگر (زخم کے بعد) گردن کاٹ دی جائے یا جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تو اس موت کو اس زخم کے اثر سے بے تعلق تصور کیا جائے گا اور اس قتل کا ذمہ دار (پہلا زخم پہنچانے والے کو نہیں بلکہ) دوسرے شخص کو قرار دیا جائے گا قطع نظر اس کے کہ سابقہ زخم کے مندمل ہو جانے کی امید رہی ہو یا نہ رہی ہو یا دو ایک دن کے بعد اس کی ہلاکت متوقع ہو، کیونکہ اسے ایسی حالت میں بدستور زندہ تصور کیا جائے گا۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقت جب آ گیا اور وہ خطرہ موت کی حالت میں تھے تو انھوں نے عہد لیے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان وعدوں کو جو ان کی زندگی میں کیا گیا تھا اور ان وصیتوں کو جو انھوں نے کی تھیں پورا کیا (یعنی انھیں زندہ تصور کیا گیا)۔ پس مجرم اول سے جس نے عضو کاٹا قصاص قطع لیا جائے گا اور اس جرم کے عمداً ہونے یا بغیر عمد سرزد ہونے پر جو تاوان عائد ہوتا ہے وہ ہوگا۔ اگر دوسرے مجرم کا فعل ایسا ہو جس سے موت نہیں ہوتی۔ مثلاً پہلے شخص نے پہنچوں سے ہاتھ کاٹا اور دوسرے نے کہنی تک کاٹ دیا اور مجروح دونوں زخموں مجموعی طور پر سرایت کرنے سے مرگیا تو ان دونوں مجرموں کو قاتل تصور کیا جائے گا جن کے زخموں کے نتیجہ میں اس شخص کی موت واقع ہوئی اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ دوسرے شخص کے وار کرنے کے باعث پہلے زخم کے اثر سے موت بے تعلق ہے۔ کیونکہ یہ موت ان دونوں مجرموں کے ارتکاب جرم سے واقع

Marfat.com

ہوئی۔[1]

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے ایک مریض کو قتل کر دیا جو حالت نزع میں ہے یعنی اس کی زندگی ایسی ہے جیسے کسی مذبوح کی تب بھی وہ قاتل مستوجب قصاص ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی موت کو تاخیر میں ڈال دے اور وہ بدستور زندہ رہے۔ غرض (اس حالت میں بھی) موت امر غیر یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ موت کا وقت کون سا ہے؟

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر مریض سکرات موت کی حالت میں ہو اور موت کا تشنج ہونے لگے تب بھی اس کو مردہ نہیں کہا جائے گا۔ ہر چند کہ یہ گمان کیا جاتا ہو کہ وہ زندگی سے منقطع ہو چکا ہے۔ ان اصحاب نے اس حالت کو موت سے مختلف سمجھا ہے اسے قطعی طور پر موت قرار نہیں دیا۔ کیونکہ بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص مر گیا لیکن وہ پھر شفایاب ہو جاتا ہے بخلاف اس کے جسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہو یا اس کے زمرے میں ہو۔ پھر یہ بھی کہ اس حالت سے پہلے کوئی ایسا عمل جس پر قتل کا یا احکام قتل کا اطلاق ہوتا ہو (کہ زخم کو قتل تصور کر لیا جائے اور) دوسرے شخص کے عمل کو بے اثر مانا جائے۔

اگر ایک شخص نے کسی پر دو وار کیے ایک عمداً اور دوسرا غلطی سے سرزد ہو گیا۔ اور ان دونوں کے اثر سے وہ مجروح ہو گیا تو اس پر قصاص عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ (جن افعال سے موت واقع ہوئی) ان دونوں افعال کی نوعیت مختلف ہے ایک فعل عمداً تھا اور دوسرا غلطی سے سرزد ہوا یہ دونوں اقدامات مختلف نوعیت کے ہیں یا یہ صورت ہو کہ کسی نے دو زخم لگائے، ایک زخم تو اس حالت میں جبکہ وہ غیر مضمون (دائرہ تحفظ سے خارج) تھا اور دوسرا اس وقت جبکہ وہ مضمون (دائرہ تحفظ کے اندر) تھا مثلاً کسی شخص نے ایک حربی یا مرتد یا اپنے غلام کو یا حملہ آور کو زخمی کیا۔ اس کے بعد اس حربی کو پناہ دی گئی، مرتد مسلمان ہو گیا۔ زخمی غلام آزاد کر دیا گیا یا وہ حملہ آور حیوان سے انسان کی جون میں آ گیا اور اس کے بعد مجرم نے پھر زخم پہنچایا اور ان دونوں زخموں کی وجہ سے مجروح کی موت واقع ہو گئی تو ایسی صورت میں مجرم پر قصاص عائد نہ ہوگا یا یہ صورت ہو کہ کسی شخص کو بجا طور پر پاداش جراحت میں یا سرقہ کی سزا میں زخمی کیا۔ اس کے بعد دشمنی کی بناء پر پھر اسے زخمی کیا گیا یا کسی حربی کو زخمی کیا پھر وہ مسلمان ہو گیا اور دوسری بار (بربنائے عداوت) پھر زخمی کیا اور زخم کے سرایت کر جانے کے باعث وہ مر گیا تو ان حالات میں (زخمی کرنے والا) سزائے قتل کا مستوجب نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ پہلی صورت میں جبکہ دو زخموں میں سے ایک تو دانستہ پہنچایا گیا اور دوسرا غلطی سے سرزد ہوا تو قصاص واجب نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ محض اس وجہ سے کہ عمداً کسی فعل کا ارتکاب کیا، جان نہیں جایا کرتی لہٰذا عمداً زخم پہنچانے پر (اگر احیاناً موت واقع ہو جائے) بھاری خون بہا کا نصف عائد ہوگا جو مجرم کے اپنے مال سے ادا کیا جائے۔ اور اگر غلطی سے زخم پہنچ گیا تو مجرم کے ذمہ داروں پر نصف خون بہا ہلکا عائد ہوگا۔ باقی صورتوں میں جبکہ مجروح کو حالت تحفظ اور حالت غیر تحفظ میں دو زخم لگائے گئے تو وہ صورت غالب ہو گی جس میں قصاص خون واجب نہیں ہوتا۔ البتہ وہ زخم جو مستوجب قصاص (یا دیت) وغیرہ ہیں وہ ثابت ہوں۔ اگر دونوں زخموں میں سے کوئی زخم بے شعور نابالغ یا دائمی جنون زدہ نے اس شخص کے کہنے پر لگایا تب بھی قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ قاتل کے ذمہ داروں پر نصف خون بہا عائد ہوگا کیونکہ نابالغ بچے یا جنون زدہ کا عمداً ارتکاب جرم بھی نادانستہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جنون زدہ کی حیثیت ایک آلہ کار کی سی ہے۔ اسے

Marfat.com

مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر مجروح نے اپنے زخم کا علاج کسی زہریلی دوا سے کیا اور فوری طور پر موت واقع ہوگئی مثلاً دوائی زہریلی تھی اور مجروح نے اس کو پی لیا یا زخم پر لگایا تو زخمی کرنے والے پر اس خون کا قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ مجروح نے خود کو اپنے ہاتھوں ہلاک کیا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے اس کو زخمی کیا ہو اور پھر اس نے خود اپنے آپ کو ہلاک کرلیا ہو۔ البتہ اس نے زخم کا تاوان جراحت رساں پر عائد ہوگا خواہ مجروح اس علاج کے زہریلے ہونے سے واقف ہو یا نہ ہو۔

اگر وہ زہریلی دوائی ایسی تھی جو بالعموم ہلاک نہیں کرتی تو اس سے علاج کرنے سے موت کے واقع ہوجانے پر شبہ عمد یعنی (قتل عمد کے مشابہ جرم) قرار پائے گا۔ لہٰذا جارح پر جان کا قصاص عائد نہ ہوگا اور مجروح شبہ قتل عمد کے مرتکب کا شریک کار متصور ہوگا۔ تاہم مجرم (زخمی کرنے والے) پر بھاری خون بہا کا نصف عائد ہوگا اور اس زخم کے مطابق اس عضو کا قصاص عائد ہوگا۔

اگر وہ دوا ایسی ہے جو بالعموم ہلاک کرنے کی خاصیت رکھتی ہے اور مجروح کو اس بات کا علم ہو تو دونوں طرح سے وہ جارح نفس (اس کی جان پر ظلم کرنے والے) کا شریک کار ہے اور قوی ترین مسلک کی رو سے جارح پر قصاص عائد ہوگا بایں لحاظ کہ مجروح کے عمل کو قتل عمد کی حیثیت میں رکھا جائے گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ جرم خطا میں شریک ہے کیونکہ اس کا ارادہ علاج کا تھا لیکن علاج میں غلطی ہوگئی لہٰذا شریک کار پر کوئی قصاص عائد نہ ہوگا لیکن اگر مثلاً زہر سے اپنی جان ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تاکہ اذیت سے نجات ہو تب تو قطعی طور پر وہ اپنے قاتل کا شریک کار ہے۔ تو جارح پر نہ قصاص عائد ہوگا نہ خون بہا اور اگر مجروح کو اس دوا میں زہر ہونے کا علم نہ ہو تو یقینی طور پر قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ وہ ایسے جرم میں شریک ہے جو غلطی سے سرزد ہوا۔

اگر زخمی شخص اپنے زخم میں کسی زندہ انسان کے گوشت کو سیئے (اور موت واقع ہوجائے) اگرچہ بطور علاج کے ہو لیکن یہ جوڑ ایسا ہو جس سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ اس میں دو طریقوں سے قصاص عائد ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر کسی زخم کو کسی مردہ شخص کے گوشت سے سیا تو اس کا اثر نہ کچھ اس پر ہوگا اور نہ کھال پر جیسا کہ پہلی صورت میں خیال کیا گیا کیونکہ اس سے ہلاک کرنے والی اذیت نہیں ہوتی تو زخم پہنچانے والے پر قصاص یا مکمل خون بہا عائد ہوگا۔ اگر کسی اور شخص نے مجروح کی اجازت کے بغیر زخم کو سیا (اور موت واقع ہوئی) تو سینے والے اور زخمی کرنے والے دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔ اگرچہ زخم سینے والا حاکم ہو کیونکہ اس نے بھی جارح کے ساتھ مل کر ظلم کیا۔ اگر اس زخم کا پیوند کوئی طبیب بچے یا جنون زدہ (کے علاج) کی خاطر لگائے (اور مجروح کی موت واقع ہوجائے) تو اس پر قصاص عائد نہ ہوگا بلکہ اس کے قرابت دار پر پورا خون بہا کا نصف عائد ہوگا۔ اور بقیہ نصف خون بہا زخمی کرنے والے کے مال سے واجب الوصول ہوگا۔ اگر زخمی خود یا کوئی اور شخص میت کے گوشت میں پیوند کا ارادہ کرے اور کسی زندہ انسان کے گوشت میں پیوند لگ جائے تو یہ فعل غلطی سے جرم سرزد ہوجانے والے کے شریک کار ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح اگر کھال کو سینے کا مقصد ہو اور عمل گوشت میں اثر انداز ہوجائے اور ہڈی سے گوشت جدا ہوجائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے (زندہ کے) گوشت میں پیوند لگانا جس کا سابقاً ذکر ہوا اور ایسی دوا کے استعمال سے جو مضر نہ ہو کچھ نہ ہوگا اور نہ زخم کو دیکھا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر چند اشخاص انفرادی طور پر قتل سے کم درجہ کی جراحت رسانی کا ارتکاب کریں اور ہر ایک

Marfat.com

مجرم نے جہاں جہاں زخم لگایا ہے اس کا تعین کیا جا سکے اور ہر ایک نے جو اقدام کیا ہے وہ معلوم ہو تو ہر مجرم سے اس کے جرم کے مطابق قصاص (بدلہ) لیا جائے۔ اور اس میں مختلف اعضاء کے نرم یا سخت ہونے کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اور اگر چند اشخاص نے یک جائی طور پر ارتکاب جرم کیا تو ہر ایک مجرم سے بلا امتیاز جراحت یک جائی طور پر قصاص لیا جائے گا جیسا کہ سزائے قتل میں ہوتا ہے کہ چند اشخاص مل کر جب ایک شخص کو قتل کر دیں تو ان سب کو قتل کیا جائے گا اگر یہ صورت ہو کہ یک جائی طور پر تو ضربات نہ لگائی گئی ہوں لیکن زخموں میں امتیاز نہ کیا جا سکے کہ (کون سا زخم کس نے لگایا؟) تو آیا ان تمام مجرموں پر تمام زخموں کا تاوان عائد ہوگا اور قصاص نہیں لیا جائے گا؟ یا ہر ایک سے تمام زخموں کا قصاص لیا جائے گا مثلاً تین اشخاص میں سے ایک نے کسی کی آنکھ پھوڑ دی دوسرے نے ہاتھ کاٹ دیا اور تیسرے نے پاؤں کاٹا اور یہ معلوم نہیں کہ آنکھ کس نے پھوڑی ہاتھ کس نے کاٹا اور پاؤں کس نے کاٹ دیا۔ ان سب میں اشتراک عمل نہ تھا تو ان تینوں سے آنکھ ہاتھ اور پاؤں کا قصاص لیا جانا چاہیے لیکن یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کہاں تک درست ہے جبکہ ان جرائم کا ارتکاب ہر ایک نے نہیں کیا۔ لہٰذا سب سے قوی طریق کار وہی ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔

واضح ہو کہ جان کا بدلہ جان لینے میں اعضائے جسم (ہاتھ پاؤں) کے کاٹنے کی سزا بھی شامل ہے۔ مثلاً کسی نے (پہلے) ہاتھ (ایک حصۂ بدن) کاٹ دیا اور پھر قتل بھی کر دیا تو صرف سزائے قتل ہوگی لیکن سزائے قطع عضو اس میں اسی حالت میں شامل ہوگی جبکہ مجرم نے عمداً قتل کا ارادہ کیا ہو ورنہ عضو بدن کے کاٹنے کا تاوان عائد ہوگا اگر کسی شخص سے قطع عضو کا جرم غلطی سے سرزد ہوگیا اور پھر مجروح کو قتل کر دیا تو اس کی پاداش سزائے قصاص میں شامل نہ ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ کٹا ہوا عضو مقتول کا ہو اگر مقتول کے علاوہ کسی اور کا عضو بدن کاٹا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا ہاتھ کاٹا دوسرے کی آنکھ نکالی اور تیسرے کو عمداً قتل کیا تو ان اعضائے جسم کی سزا جان کے قتل میں شامل ہے لہٰذا مجرم کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کہ اس کے بعد قتل کیا جائے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے عضو مقتول کے کاٹنے کا جرم قتل کے جرم میں شامل اس حالت میں متصور ہوگا جبکہ مجرم نے مقتول کو مثلہ کرنے (یعنی اس کے ناک کان ہاتھ وغیرہ اعضاء کاٹنے) کا ارادہ نہ کیا ہو۔ لیکن اگر (قتل سے پہلے) مجرم کا ارادہ مقتول کو مثلہ کرنے کا رہا ہو تو پہلے مجرم سے قطع اعضاء کا قصاص لیا جائے اس کے بعد قتل کیا جائے۔ تاہم مقتول کے علاوہ کسی اور کے اعضاء کاٹنے کا جرم اس کے ارتکاب قتل کے جرم میں شامل متصور ہوگا۔ اگرچہ اس کا ارادہ مثلہ کرنے کا رہا ہو۔ اس بارے میں اہل مسلک کی قابل ترجیح رائے یہی ہے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ جس طرح اعضائے بدن کا قطع کرنا نفس کے جرم میں شامل ہے اسی طرح عمداً پورا ہاتھ کاٹنے کے جرم میں عمداً انگلیاں کاٹنے کا جرم شامل ہے (جو پہلے کاٹی گئیں) بشرطیکہ مثلہ کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اب خواہ مجرم نے اس شخص کا ہاتھ کاٹا ہو جس کی انگلیاں کاٹی ہیں یا کسی دوسرے شخص کی انگلیاں کاٹی ہوں۔

اگر کسی شخص کی انگلیاں قصداً کاٹ دیں پھر اس کی ہتھیلی بھی عمداً کاٹ دی تو مجرم کا ہاتھ پہنچوں سے کاٹ دیا جائے۔

اگر کسی نے ایک شخص کے پیر کی انگلیاں کاٹ دیں اور دوسرے شخص کا ہاتھ پہنچے سے اور تیسرے شخص کا ہاتھ کہنی

Marfat.com

سے کاٹ دیا۔ تو ان سب جرائم کی پاداش میں اس کا ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا جائے بشرطیکہ اس نے یہ حرکت مثلہ کرنے کے ارادہ سے نہ کی ہو۔ اگر مثلہ کرنے کی نیت سے اس نے یہ کام کئے تو یہ جرم سابقۃ الذکر دونوں مسائل کے زمرہ میں نہیں آتا لہٰذا پہلی صورت میں تو پہلے مجرم کی انگلیاں کاٹی جائیں اور اس کے بعد ہتھیلی کاٹی جائے اور دوسری صورت میں پہلے مجرم کی انگلیاں کاٹی جائیں پھر دوسرے جرم کی پاداش میں پہنچے تک ہاتھ کاٹا جائے اور پھر تیسرے جرم کی پاداش میں کہنی تک ہاتھ کاٹ دیا جائے تا کہ اس تکلیف کا مجرم کو احساس ہو جس میں اس نے دوسرے کو ڈالا اور اس لئے بھی کہ جرم و سزا میں یکسانیت ہو۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ قتل جان کے علاوہ دوسرے جرائم کی سزائے قصاص میں کسی وجہ سے تاخیر کی جاسکتی ہے' مثلاً سردی کی شدت یا گرمی کی حدت سے (سزایاب) مجرم کے مرجانے کا اندیشہ ہو کہ اگر وہ سزا سے مرجائے تو بغیر اس کے کہ جان کے معاوضہ میں ہو جان لینے کا الزام عائد ہوگا۔ اس خون کے علاوہ دوسرے جرائم قطع کا قصاص لینے میں اتنی تاخیر کی جائے کہ مجروح کا زخم اچھا ہو جائے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مجروح کو زخم کے سرایت کر جانے کے باعث موت آجائے۔ اس صورت میں مجروح کے ورثاء اگر حلف اٹھالیں کہ موت اسی زخم سے ہوئی ہے (جو مجرم نے لگایا تھا) تو مجرم واجب القتل ہو جائے گا۔ (صرف قصاص جراحت پر اکتفا نہ ہوگا)۔ اب اگر عضو مقطوع کا زخم اچھا ہو جائے اور کوئی عیب (اس زخم کی وجہ سے) نہ رہ گیا ہو تو مجرم پر نہ تاوان عائد ہوگا نہ اس کی تنبیہ ضروری ہے کیونکہ شرعاً ایسے زخم کی کوئی حیثیت نہیں ہے (اور وہ نظر انداز کر دینے کے قابل ہے) لیکن اگر زخم کو آرام ہو جائے لیکن مجروح عیب دار ہو جائے تو اس قسم کے زخموں کو جاننے والے دو انصاف پسندوں سے فیصلہ کرانا واجب ہے۔ چنانچہ اگر بالفرض وہ مجروح مملوک (غلام) ہے اور صحت مند حالت میں دس (۱۰) کا تھا اور عیب دار ہو کر نو (۹) کا رہ گیا تو دونوں قیمتوں میں دسویں حصہ کا تفاوت ہو گیا لہٰذا رقم جرمانہ میں سے دسواں حصہ کم کر دیا جائے گا اور اسی نسبت سے مجرم پر خون بہا عائد ہوگا مثلاً (ہزار میں سے) سو دینار کم۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسے حالات میں دو اصحاب سوچ سمجھ کر خود فیصلہ کر دیں کہ جس کے ساتھ جرم کیا گیا ہے اسے مجرم سے کس قدر تاوان لینے کا حق ہے؟

کیا مرد کے ہاتھ کاٹنے کے جرمانے کو عورت اپنا حق مہر قرار دے سکتی ہے؟

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک عورت نے کسی مرد کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس جرم کے تاوان کے عوض (یعنی اسے مہر قرار دے کر) اس عورت سے شادی کر لی تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو وہ زخم محض زخم رہے گا یا جسم میں سرایت کر جائے گا' پہلی صورت میں یہ معاملہ درست متصور ہوگا اور جرمانہ کی رقم مہر قرار پائے گی جس کی مقدار بالاتفاق پانچ ہزار درہم ہے۔ خواہ جرم قطع ید عمداً ہوا ہو یا غلطی سے سرزد ہو گیا ہو اور خواہ یہ شادی محض ہاتھ کاٹنے کے عوض ہوئی ہو یا اس کے علاوہ جراحت رسانی کے نتیجہ کو بھی مہر قرار دیا ہو اس لئے کہ اگر زخم اچھا ہو گیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس پر جرمانہ ہوگا' نہ کہ قصاص کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان قطع عضو کا قصاص نہیں ہوتا اور تاوان ہی مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر دوسری صورت ہو (یعنی زخم

Marfat.com

بدن میں سرایت کر جائے) اور وہ مرد مر جائے تو اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ ہاتھ کاٹنے کا جرم غلطی سے سرزد ہو گیا یا عمداً کیا گیا؟ پہلی (یعنی غلطی کی) صورت میں عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی اور جرمانہ اس کے ذمہ دار قرابتی ادا کریں گے اگر دوسری صورت (یعنی جرم عمد) ہے تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی اور خون بہا عورت کے مال سے واجب الادا ہوگا۔ امام موصوف کے نزدیک چونکہ ہاتھ کاٹنے کے جرم سے درگزر کرنا قطع جرم کے نتیجہ سے درگزر کرنا نہیں ہے لہٰذا ہاتھ کے عوض شادی کرنا قطع ید سے عائد ہونے والی شے کے عوض شادی کرنا نہیں ہے لہٰذا وہ مال عورت کا مہر ہو سکتا ہے' جو جرم قطع کی پاداش کے علاوہ ہو۔ پھر اگر قطع ید کا جرم عمداً ہو تو وہ شادی عضو بدن کے قصاص کے عوض ہوگی اور چونکہ یہ مال نہیں ہے لہٰذا اسے مہر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ سزائے قصاص ساقط ہو گئی ہو اب درآنحالیکہ قصاص نفاذ کے باوجود مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ساقط ہو جانے کے بعد بدرجہ اولیٰ مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔ اور قصاص کا ساقط ہونا' یا تو اس لئے ہے کہ عورت نے رشتہ ازدواج قبول کیا اور قصاص کے ساقط ہونے کی شرط ہی شادی کا قبول کرنا تھی۔ پس اگر عورت نے شادی قبول کر لی تو قصاص ساقط ہو گیا یا پھر اس لئے ہے کہ اس صورت میں مہر کی وصولیابی ممکن نہیں ہے' کیونکہ اگر قصاص کو مہر قرار دیا جائے تو گویا عورت خود معاوضہ خون کی وارث ٹھہری حالانکہ اسے خود کو اپنے آپ سے وصولیابی قصاص کا حق حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اور جبکہ قصاص یا قصاص کے بدل کو مہر بنانا درست نہ ہوا اور شادی کے لئے مہر کا ادا کرنا واجب ہے تو مہر مثل اس مرد پر عائد ہوگا اور عورت کو اپنے مال سے خون بہا ادا کرنا ہوگا کیونکہ یہ شادی اگرچہ معافی پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ معافی بصورت موجودہ جرم قطع کی ہے اور جبکہ زخم قطع بدن میں سرایت کر جائے (اور موت واقع ہو جائے) تو ظاہر ہے کہ یہ (ہاتھ کاٹنے کا جرم نہ رہا بلکہ) قتل نفس ہے اور اس کی معافی نہیں ہوتی بلکہ خون بہا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ خون بہا مجرمہ (عورت) کے مال سے واجب الادا ہوگا کیونکہ یہ قتل عمد ہے۔

اب درآنحالیکہ عورت مہر مثل کی حقدار ہے اور خود اس پر خون بہا عائد ہوتا ہے تو باہمی تصفیہ اس صورت میں ہو جائے گا جبکہ (خون بہا اور مہر دونوں کی) مقدار مساوی ہو اگر خون بہا کی مقدار (مہر سے) زیادہ ہو تو مرد کے ورثاء کو وہ زیادہ مقدار واپس کر دی جائے گی اور اگر مہر (خون بہا) سے زیادہ ہو تو مرد کے ورثاء اسی قدر عورت کو واپس کر دیں گے۔

اگر (مرد کا) ہاتھ (عورت کی) غلطی سے کٹ گیا تو یہ شادی جرم قطع کے جرمانہ کے عوض متصور ہوگی لیکن اگر ہاتھ کا زخم (جو غلطی سے ہوا) مرد کے جسم میں سرایت کر جائے (یعنی موت واقع ہو جائے) تو اب قطع ید کا جرمانہ مہر نہ رہے گا بلکہ مہر کی مقدار نامعلوم ہو جائے گی لہٰذا مہر مثل عائد ہو جائے گا۔ جیسے اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ کوئی شخص یہ کہہ کر جو کچھ میری مٹھی میں ہے اس کے عوض شادی کرتا ہوں عقد کر لے اور مٹھی میں کچھ نہ ہو۔ پس اس صورت میں (مہر اور تاوان) باہمی معاوضہ قرار نہیں پائیں گے کیونکہ قتل خطا میں خون بہا مجرم کے ذمہ دار قرابت داروں پر عائد ہوتا ہے اور مہر خود عورت کا حق ہوتا ہے (جو خاوند پر عائد ہوتا ہے)۔ پس اگر قطع عضو اور اس کے نتائج کے عوض (یعنی عورت کو اس کے تاوان سے بری کرنے کے عوض یا جرم سے درگزر کرنے کے عوض یعنی اسے مہر قرار دے کر) شادی کی۔ لیکن اس (ارتکاب جرم) کے باعث مرد کو موت آ گئی اور وہ ارتکاب عمداً تھا تو اس صورت میں عورت کو مہر مثل کا حق ہے' کیونکہ اب یہ شادی گویا قصاص (سے درگزر) کے عوض ہوئی اور قصاص مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا مرد پر مہر مثل واجب ہوگا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی

Marfat.com

شخص شراب یا سور کے عوض (یعنی اسے مہر ٹھہرا کر) شادی کرے۔ صورت مذکورہ میں عورت کے ذمہ مرد کا کوئی حق نہ رہے گا کیونکہ جب مرد نے قصاص کو مہر قرار دے دیا تو گویا وہ قصاص سے دست بردار ہو گیا اور قصاص سرے سے ساقط ہو گیا جیسے اس صورت میں ساقط ہو جاتا ہے جبکہ قصاص کا مطالبہ مال کی شکل میں کیا جائے تو اس میں بھی قصاص سرے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ جرم قتل غلطی سے سرزد ہوا ہے تو (مرد کے) ذمہ دار قرابتی کے مجموعی مال سے مہر مثل وصول کیا جائے گا کیونکہ گویا وہ مرد مرض الموت کا مریض ہے اور شادی کسی بنیادی مصلحت کی بناء پر کی گئی ہے اور مہر مثل میں زیادتی کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حق باہمی رضامندی سے عائد ہوتا ہے لہٰذا یہ وصیت ہے جو عورت کی طرف سے مرد کے رشتہ داروں پر عائد ہوتی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ عورت کے جرم کا تاوان اس مرد کے قرابت داروں سے وصول کیا جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مرد کو کسی عورت سے قصاص لینے کا حق ہو اور اس قصاص کے عوض (یعنی اسے مہر قرار دے کر) اس عورت سے شادی کر لے تو یہ نکاح اور وہ مہر درست ہوگا۔ نکاح کا درست ہونا تو ظاہر ہے کہ اس طرح نکاح کے تمام ارکان و شرائط (اجزائے داخلی و خارجی) پورے ہو جاتے ہیں رہا مہر سو وہ بھی پورا ہو گیا کیونکہ یہ معاوضہ مقرر ہو گیا۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مہر درست نہیں ہے۔ عورت کو مہر مثل ادا کرنا واجب ہے اور قصاص ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ اسے مہر قرار دینے سے قصاص معاف ہو جاتا ہے وہ عورت (مرد کی بجائے) خود قصاص کی مالک ہو جاتی ہے۔ اگر رخصتی (مباشرت) سے پہلے وہ مرد عورت سے علیحدگی اختیار کر لے تو وہ مرد عورت کے جرم کی پاداش کے نصف تاوان کا حقدار ہوگا۔ کیونکہ وہ تاوان عقد شادی کا بدل ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے قرآن حکیم کی ایک سورۃ کے تعلیم دینے کے عوض شادی کی اور مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو وہ عورت سے نصف سورۃ کے تعلیم دینے کی اجرت واپس لے سکتا ہے ایک اور قول جو کتاب "الام" میں مذکور ہے وہ شخص اس صورت میں عورت سے نصف مہر مثل وصول کرنے کا حقدار ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ عورت سے قصاص لینا واجب ہو۔ اگر جرم کے عوض مال واجب ہو جیسے کسی عورت سے جرم خطا سرزد ہوا اور اس جرم خطا کے جرمانہ کے عوض نکاح کیا تو نکاح درست ہوگا لیکن مہر درست نہ ہوگا کیونکہ تاوان کی مقدار متعین نہیں ہے۔

احکام متعلقہ نفاذ قصاص کا بیان

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص مستوجب قصاص ہے اس کا خون ایسے شخص پر حرام ہے جو مطالبہ قصاص کا حقدار نہیں ہے یعنی حقدار کے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں پر (اس کا خون حرام ہے) چنانچہ اگر غیر مستحق نے ایسے شخص پر زیادتی کر کے اس کو ہلاک کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز (قرآن) میں فرماتا ہے "ومن قتل مؤ مناً فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل" (بنی اسرائیل: ۳۳) (یعنی جس نے کسی کو ظلم سے قتل کیا تو اس مقتول کے وارث کو ہم نے قاتل پر بالادستی عطا فرمائی ہے لہٰذا چاہیے کہ قتل میں کوئی اپنے حد سے تجاوز نہ کرے) پس مجرم کو قتل کرنے کا اختیار مقتول کے ولی ہی کو ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کے علاوہ کسی کو قاتل

Marfat.com

پر غلبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ تاہم اس حکم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ مجرم کا قتل لازمی نہ ہوا ہو۔ پس اگر راہزنی کی پاداش میں قتل لازم ہو جائے تو صحیح یہ ہے کہ اس شخص کو بطور قصاص قتل کیا جائے۔ اب اگر قصاص کے مستحق نے اسے قتل کر دیا تو رہزن کے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اگر شادی شدہ مسلمان کو جو زانی ہے کوئی ذمی قتل کر دے تو ذمی مستوجب قتل ہوگا۔ کیونکہ اس ذمی کو مسلمان پر بالادستی حاصل نہیں ہے اور درآنحالیکہ ذمی (غیر مسلم رعایا) کو اس کی پاداش میں قتل کیا جاتا ہے تو مرتد معاہد (دشمن کا آدمی جس سے معاہدہ ہوا ہو) اور مستامن (پناہ گیر) اگر قتل کر دے تو وہ بدرجہ اولیٰ سزائے قتل کا مستوجب ہوگا۔ لیکن اگر اس زانی کو ایسا شادی شدہ مسلمان قتل کر دے جو زانی نہ ہو تو بقول صحیح اسے سزائے قتل نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اللہ کی مقررہ کردہ حد کو پورا کیا ہے اس بارے میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اس شخص پر (جس نے زانی کو قتل کیا) سزائے قصاص عائد ہوگی کیونکہ سزائے جرم کا مکمل عملدرآمد امام (حاکم) کا کام ہے۔ لہٰذا یہ فعل ایسا ہوگا جیسے کسی مستوجب قصاص کو ایسے شخص نے قتل کر دیا جسے حق قصاص حاصل نہیں ہے۔

اول الذکر صورت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ (مستوجب قتل کو) امام کے حکم سے پہلے ہی قتل کر دیا ہو یا حکم کے بعد کیا ہو اور خواہ جرم زنا شہادت سے ثابت ہوا یا (ہنوز) نہ ہوا ہو یا مجرم کو اقرار جرم سے مکر جانے سے پہلے ہی قتل کیا ہو یا بعد میں اگر شادی شدہ زانی کو اسی جیسے شخص نے قتل کر دیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

تارک صلوٰۃ اگر حاکم کے حکم دینے پر عمداً ترک صلوٰۃ کرتا ہے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو شادی شدہ زناکار کا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مکلف (احکام شرعیہ کے ذمہ دار) شخص نے کسی معصوم کو ہلاک کر دیا تو اس کے خون کے حقدار (ولی) کو اس شخص سے قصاص لینا واجب ہے۔ کسی اور کو واجب نہیں ہے' کیونکہ قاتل کا خون مالک قصاص کے علاوہ ہر شخص پر حرام ہے۔ چنانچہ اگر حقدار کے علاوہ کسی اور شخص نے معصوم کے قاتل کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا حق صرف ولی کو حاصل ہے تاہم ولی کو قصاص پر عملدرآمد کا حق حاصل نہیں ہے جب تک کہ امام وقت یا اس کا نائب اس کی اجازت نہ دے۔ اگر ولی حاکم کی اجازت کے بغیر قاتل سے خون کا قصاص لے لے تو اسے حاکم وقت کے اختیار میں مداخلت پر سزا دی جائے گی۔

علمائے مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر قاتل بالغ اور عاقل ہے تو قصاص واجب ہے اور معافی یا مصالحت کی صورت میں قصاص تو نہ لیا جائے گا۔ خواہ وہ مجرم مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام' مسلمان ہو یا غیر مسلم' تاہم سو کوڑوں کی سزا اور پورے ایک سال کی قید واجب ہے۔ البتہ جلاوطن نہیں کیا جائے گا اس امر میں اختلاف ہے کہ دونوں سزاؤں میں سے پہلے کون سی سزا دی جائے کہا گیا ہے کہ تازیانے کی سزا پہلے ہوگی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے قید کی سزا ہوگی۔

ان اصحاب نے غلام معصوم کے قتل کو اس حکم سے جدا نہیں رکھا۔ کیونکہ قتل میں سخت خرابی ہے۔

ان امور کا بیان جن سے جرم مستوجب قصاص ثابت ہوتا ہے

حنفیہ' شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قتل یا جراحت رسانی کا جرم' مجرم کے اقرار کرنے یا دو اشخاص کی شہادت سے

Marfat.com

ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ (آیت متعلقہ میں) فرماتا ہے "واستشهدوا شهيدين من رجالكم" (البقرہ: ۲۸۲) (یعنی ثبوت جرم کے لئے اپنوں میں سے دو مردوں کو گواہ بناؤ) نیز ارشاد ہے "واشهدوا ذوی عدل منكم" (الطلاق: ۲) (یعنی تم اپنوں میں سے دو معتبر اشخاص کی گواہی لو) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شاهداک او یمینه" (یعنی ثبوت مدعا کے لئے تمہارے لئے دو گواہ ہونے چاہییں یا مدعیٰ علیہ قسم کھائے)۔ اور حدود وقصاص کے سلسلے میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔ امام زہری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے دو خلیفوں کے حوالے سے یہی لکھا ہے۔

ان اصحاب نے ان (ذرائع اثبات جرم) میں قاضی کے علم' مدعا علیہ کے قسم سے اقرار کرنے اور مدعی کی قسم کو بھی شامل کیا ہے کہ ان سے بھی جرم ثابت ہوسکتا ہے اور قاتل' غلطی سے جراحت رسانی کرنے والے یا جرم مشابہ بہ عمد پر مال (تاوان) واجب ہونا موقوف ہے مجرم کے اقرار یا دو قابل اعتبار اشخاص کی شہادت یا قاضی کے علم یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت یا ایک مرد اور مدعی کے قسم کھانے پر۔ دو عورتوں کی شہادت اور مدعی کے قسم کھا لینے پر مال (یا تاوان) عائد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتن ممن ترضون من الشهداء" (البقرہ: ۲۸۲) (یعنی اگر دو مرد گواہ دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن پر تمہیں اطمینان ہو شہادت دیں) یاد رہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کو چشم دید گواہی سے مال (تاوان) تو عائد ہوسکتا ہے لیکن ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے نہ قصاص کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے نہ خون بہا عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ مردوں کی شہادت درکار ہے۔ چنانچہ اگر مطالبہ قصاص کا حقدار مال حاصل کرنے کے لئے مطالبہ قصاص سے دست بردار ہوجائے اور ایک مرد اور دو عورتیں اس (دست برداری) کی شہادت دے دیں یا ایک شخص گواہی دے اور (مدعی) قسم کھائے تو اس کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مال (یا خون بہا) واجب ہونے سے پہلے وجوب قصاص کا ثابت ہونا ضروری ہے اور اس صورت میں وجوب قصاص ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا لازم ہے کہ پہلے وجوب قصاص ثابت ہو (جس کے لئے دو مردوں کی گواہی لازم ہے) اس کے بعد معافی کی شہادت تسلیم کی جائے گی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں اس شہادت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہاں مالی معاملہ درپیش ہے' اختلاف اس حالت میں ہوگا جب کہ وہ شخص پہلے دعویٰ قصاص کرے اور پھر معافی کی شہادت پیش کردے۔

اگر ایک شخص کسی کے خلاف جرم عمد کے ارتکاب کا دعویٰ کرے اور اس کے لئے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت پیش کردے پھر مال کے عوض قصاص کو معاف کرنا چاہیے اور اس شہادت کی بناء پر (حاکم کے) حکم کا طالب ہو تو قطعاً اس کے حق میں فیصلہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ شہادت اسی وقت ناقابل قبول تھی۔ اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ جیسے اس صورت میں جب کہ ایک نابالغ یا غلام شخص گواہی دے اور بعد میں وہ نابالغ' بالغ ہوگیا یا وہ غلام آزاد ہوگیا (کیونکہ گواہی کے وقت اس کی شہادت ناقابل قبول تھی)۔

ان اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ایک مرد اور دو عورتیں کسی کا سر پھوٹنے کی بابت یہ شہادت دیں کہ سر کی ہڈی ٹوٹ گئی جو پہلے کھل گئی تھی تو اس گواہی کی بناء پر جرمانہ عائد نہ ہوگا' کیونکہ ہڈی کا ٹوٹ جانا اور اس کا دکھائی دینا دراصل ایک ہی جرم ہے جس پر قصاص عائد ہوتا ہے لہٰذا اس کے ثبوت کے لئے احتیاط سے کام لیا جائے گا اور یہ جرم پورے ثبوت

Marfat.com

یعنی دو مردوں کی شہادت کے بغیر ثابت نہ ہوگا۔

صحت شہادت کے لئے جرم کی صراحت واجب ہے۔ لہٰذا اگر گواہ نے یوں کہا کہ مجرم نے فلاں شخص پر تلوار کا وار کیا اور وہ زخمی ہوا اور مر گیا تو اس سے اس کا دعویٰ قتل ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس کی موت (زخم کھانے کے بعد) کسی اور سبب سے واقع ہوئی ہو پس ثبوت قتل کے لئے گواہ کو یہ کہنا چاہیے کہ فلاں شخص اس تلوار کے زخم سے مر گیا۔ یا یوں کہے کہ اسے تلوار کا وار کر کے اس نے قتل کر دیا۔ یا ایسی ہی کوئی اور بات مثلاً یہ کہنا کہ اس نے ضرب لگائی اور وہیں اس نے جان دے دی۔ تاکہ (الزام جرم میں) کوئی شبہ نہ رہے۔

اگر گواہ نے کہا کہ مجرم نے فلاں شخص کے سر پر ضرب لگائی جس سے وہ لہولہان ہو گیا یا مثلاً یہ کہا کہ سر پر چوٹ لگنے سے خون نہ نکلا تو اس سے قاتل کے فعل ضرب کا خون ریز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر کہا کہ (فلاں کے) خون نکل آیا تو قتل ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ خون بہنے کا کوئی اور سبب ہو۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ کھلے ہوئے زخم کی شہادت میں گواہ کا یہ کہنا شرط ہے کہ اس شخص نے فلاں کو اس طرح زخم پہنچایا کہ سر کی ہڈی نظر آنے لگی اس طرح کہنے کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

کہا جاتا ہے کہ (گواہ کا) یہ کہنا ہی کافی ہے کہ فلاں کا سر کھل گیا۔ گو اس میں ہڈی کے نمایاں ہونے کا ذکر نہ ہو۔ نیز گواہ پر واجب ہے کہ زخم کی جگہ اور اس کی پیمائش بتائے یا اشارہ کر کے اس کا حجم بیان کر دے۔ تاکہ (اسی طرح) قصاص لینا ممکن ہو۔

یہ تفصیل اس حالت میں ضروری ہے جب کہ سر کئی جگہ سے پھوٹا ہو۔ اگر ایک ہی جگہ سے سر پھوٹا ہے اور گواہ نے بتایا کہ فلاں کا سر کھل گیا تو اس سے قصاص عائد نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی چھوٹا سا زخم ہو اور مجرم (کے عمل کے علاوہ کسی اور طریقہ سے وہ زخم چوڑا ہو گیا ہو۔

ان اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ جادو کر کے ہلاک کرنے سے بھی قتل ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ جادوگر اس کا اقرار کرے۔ اگر وہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو جادو کر کے قتل کر دیا اور وہ بالعموم اس طرح قتل کا مرتکب ہوتا رہا ہے تو یہ قتل عمد متصور ہوگا اور اس پر سزائے قصاص عائد ہوگی۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ اس طرح شاذ و نادر ہی قتل ہوتا ہے تو یہ جرم شبہ عمد ہوگا اور اگر وہ کہے کہ میں نے اس کے نام میں غلطی کی ہے یعنی جادو سے کسی اور کو قتل کرنا چاہتا تھا' تو یہ جرم قتل خطا متصور ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں جادوگر کے مال سے خون بہا واجب ہوگا۔ اس کے قرابت داروں سے وصول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے اقرار جرم سے ان پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ البتہ قرابت دار اگر اس کی امداد کرنا چاہیں تو خون بہا ان پر عائد نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قتل یا جراحت رسانی کا قصاص مجرم کے اقرار کرنے یا دو معتبر گواہوں کی شہادت سے عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر وہ سزا جو مالی یا مال کی طرف منتقل ہونے والی نہ ہو اس کا ثبوت کافی نہیں ہے جب تک دو معتبر گواہوں کی شہادت نہ ہو ایسی صورتوں کی مثالیں (غلام کا) آزاد کرنا' قصاص کا معاف کرنا' شراب پینے کا الزام' تہمت' قتل اور جراحت رسانی وغیرہ ہیں۔

Marfat.com

حاکم کے روبرو شہادت کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ شاہد عادل (معتبر اور حق پسند) ہوں یعنی مسلمان۔ بالغ۔ عاقل ہوں بدکار نہ ہوں نااہل معاملہ نہ ہو۔ بدعتی اور مکار نہ ہو بامروت ہو اور ناشائستہ باتوں مثلاً کبوتر بازی یا شطرنج سے محترز ہو اور گانا وغیرہ سننے سے بچتا ہو۔ بدکلام نہ ہو اور صغیرہ گناہوں سے کنارہ کش ہو۔ اندھے کا قول اور بہرے کی عقل تسلیم کی جائے گی۔ ان گواہوں کے قابل قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ ذہین ہوں اور جو بیان دے رہے ہوں وہ ان کے یقین کے مطابق ہو۔ ان پر غلط بیانی کا الزام نہ ہو۔

اگر دونوں گواہ شہادت دینے کے بعد فیصلہ ہونے سے پہلے اپنے بیان سے پھر جائیں تو ان کی گواہی رد کر دی جائے گی اور اس پر فیصلہ نہ ہوگا اور وہ مستوجب سزا ہوں گے۔ اگر فیصلہ ہونے اور سزائے قتل پر عملدر آمد کے بعد بیان سے پھرے ہوں تو انکی گواہی کو باطل قرار نہ دیا جائے گا لیکن جس کے خلاف گواہی دی ہے اس کی دیت ادا کرنے کی ذمہ داری ان پر ڈالی جائے گی اور ان کے مال سے تاوان یا قصاص کے عوض خون بہا ان پر عائد ہوگا۔

اشہب کا کہنا ہے کہ اگر (شہادت کی بناء پر) فیصلہ ہونے کے بعد' گواہ اپنے بیان سے پھرے ہیں تو ان سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ بلاشبہ ان ہی کی وجہ سے ایک شخص کی جان گئی۔ پس انہیں قتل کر دیا جائے۔

اگر (شہادت پر) فیصلہ ہوا اور ہنوز' قتل' قطع یا مستوجب حد جرم کی سزا پر مکمل عمدر آمد نہ ہوا تھا کہ گواہوں کی غلط بیانی ثابت ہو گئی تو سابقہ فیصلہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔ اگر گواہوں کا جھوٹا ہونا حاکم کو بدوران شہادت پایہء ثبوت کو پہنچ گیا باوجود اس کے حاکم نے گواہوں کے جھوٹے بیان پر ہی فیصلہ دے دیا۔ خواہ فیصلہ قتل کا ہو یا قصاص کا یا خون بہا کا اور خود حاکم اس جرم میں شریک رہا ہو یا نہ رہا ہو بہر حال اس حاکم سے قصاص لیا جائے گا اور حاکم کو خود اپنے مال سے' قرابتی کے مال سے نہیں' خون بہا ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اگر گواہوں کا جھوٹ حاکم کو (ذاتی طور پر) معلوم نہ ہوا ہو۔ تو اس پر کوئی الزام نہ ہوگا اگر گواہوں کے بدخواہوں سے اسے علم ہوا ہو۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ 'قسامہ' (ورثائے مقتول کے حلفیہ بیان) جس پر 'قتل عمد' میں قصاص اور 'قتل خطاء' میں خون بہا واجب ہوتا ہے۔ آزاد مسلمان کو سزائے قتل ہوگی' خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ اور وہ قتل جراحت رسانی سے ہوا ہو یا مارنے سے یا زہر خورانی سے۔ یہ سزا ''لوث'' کی بناء پر ہوگی۔ 'لوث' سے مراد ایسی بات ہے جس سے یہ گمان غالب پیدا ہو کہ مجرم نے ارتکاب قتل کیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دو معتبر اشخاص یہ گواہی دیں کہ فلاں آزاد' مسلمان اور بالغ شخص نے (ان کے سامنے) کہا ہے کہ فلاں شخص نے مجھے قتل کیا ہے یا زخمی کیا یا مارا ہے اور اس کا نام بھی بتایا ہو۔ خواہ وہ مجرم' آزاد ہو یا غلام' بالغ ہو یا لڑکا' مرد ہو یا عورت' یا یوں کہا ہو کہ میرا خون فلاں شخص (کی گردن) پر ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس مسلمان نے یہ کہا ہو کہ فلاں شخص نے عمداً مجھے قتل کیا یا غلطی سے قتل کیا۔ عمداً قتل کی صورت میں قسامہ (وارث مقتول کے حلفیہ بیان) پر وہ شخص مجرم مستوجب قصاص ہوگا اور جرم خطا کی صورت میں اس پر تاوان لاگو ہوگا۔ اگر وہ شخص جس نے کہا کہ ''فلاں نے مجھے قتل کیا'' اپنے وقت کے عادل اور پاکباز ترین شخص کے نزدیک بدکار ہو تب بھی ورثائے مقتول کے قسم کھانے پر مجرم کو سزائے قتل ہوگی۔

Marfat.com

اگر بیٹا اپنے باپ کے خلاف دعویٰ کرے کہ اس کے باپ نے اسے ذبح کیا یا اس کا پیٹ پھاڑا ہے یا اس پر لوہے کے ہتھیار سے بہ ارادۂ قتل حملہ کیا ہے تو اس کے ورثاء سے قسم لی جائے گی اور اس کے باپ سے پورا خون بہا وصول کیا جائیگا۔

اگر مقتول نے (مرنے سے پہلے) صراحت کے ساتھ یہ نہیں بتایا کہ مجرم نے عمداً ارتکاب قتل کیا یا غلطی سے سرزد ہو گیا۔ تو اس کا ولی بتا سکتا ہے کہ وہ قتل عمد تھا یا قتل خطا تھا اور اپنے بیان پر حلف اٹھائے گا۔ اگر ورثاء یہ کہیں کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ قتل عمد تھا یا قتل خطا تھا تو 'قسامہ' بیکار ہوگا اور اگر ورثاء یہ نہ بتا سکیں کہ کس نے قتل کیا؟ یا ان کے بیان میں اختلاف ہو۔ کوئی کہے کہ ''عمداً قتل کیا'' اور کوئی کہے کہ ''یہ نہیں معلوم کہ قتل عمد تھا یا قتل خطا'' تو وہ خون کالعدم متصور ہوگا کیونکہ ورثائے مقتول اس پر متفق نہیں ہیں کہ وہ قتل عمداً تھا تا کہ قصاص کے حقدار ہوتے اور نہ اس پر اتفاق ہے کہ وہ قتل کس نے کیا تا کہ وہ قسامہ کر سکتے (یعنی قسم کھاتے) یا پھر (قسامہ سے ثبوت جرم اس طرح ہو سکتا ہے کہ) دو معتبر اشخاص چوٹ لگنے یا زخم کی آنکھوں دیکھی شہادت دیں کہ جرم غلطی سے سرزد ہوا یا عمداً ارتکاب ہوا جب کہ مضروب کی موت تاخیر سے ہوئی ہو اگر موت میں دیر نہ ہوئی ہو تو ورثائے مقتول قسامہ کے بغیر ہی خون یا خون بہا کے حقدار ہوں گے کیونکہ قتل کی چشم دید شہادت موجود ہے۔ غرض ورثائے مقتول مجرم کی لگائی ہوئی اس ضرب یا زخم کے بارے میں قسم کھائیں گے کہ وہ موت اسی ضرب سے واقع ہوئی اور اسی وجہ سے مقتول کی وفات ہوئی یا پھر چشم دید معتبر شہادت ہو کہ وہ ضرب یا جراحت عمداً تھی یا غلطی سے سرزد ہوئی خواہ موت تاخیر سے ہوئی ہو یا تاخیر سے نہ ہوئی ہو۔

(قسامہ میں) مقتول کے ورثاء پچاس بار قسم کھا کر کہیں گے کہ (فلاں شخص نے جو) زخمی کیا یا مارا تھا اسی سے موت واقع ہوئی ہے۔ یا پھر کوئی معتبر شخص گواہی دے کہ مقتول جو ایک آزاد مسلمان اور بالغ و عاقل تھا اس نے بتایا ہے کہ فلاں شخص نے مجھے عمداً یا غلطی سے مارا یا زخمی کیا۔ ایسی شہادت وقوعہ قتل کے لئے 'لوث' ہے (یعنی اس سے وقوعہ قتل کے ثبوت کا گمان غالب ہوتا ہے) اس پر مقتول کے ورثاء پچاس بار قسم کھائیں گے کہ اسے قتل کیا ہے یا کوئی معتبر گواہ اس بات کا ہو کہ اس نے مقتول کو خون میں لوٹتا دیکھا اور جس پر الزام قتل ہے وہ اس کے پاس تھا اور اقدام جرم کی نشانی اس کے ساتھ تھی مثلاً آلۂ قتل خون آلود اس کے ہاتھ تھا۔ یا (یوں بیان دے کہ) قاتل مقتول کے گھر سے نکلا اور اس وقت (قاتل کے سوا) کوئی اور اس گھر میں نہ تھا۔ ایسی صورت میں اس معتبر شخص کی یہ شہادت ارتکاب جرم کے ثبوت کو 'لوث' (باعث تقویت) ہے۔ لہٰذا ورثاء حلف اٹھالیں تو وہ مطالبہ قصاص یا خون بہا کے حقدار ہوں گے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتول کا کوئی وارث' خواہ فاسق ہو' یہ اقرار کرے کہ کسی وارث نے قصاص کو معاف کر دیا ہے خواہ اس کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ قصاص کے اجزاء نہیں کئے جا سکتے (کہ ایک حصہ قصاص کا معاف ہو جائے باقی کا حصہ بدستور رہے) پس اگر اس نے اپنا حق قصاص معاف کرنے کا اقرار کر لیا ہے تو دوسرے ورثاء کا حق بھی جاتا رہا بخلاف خون بہا کے کہ وہ (ایک کے معاف کرنے سے سب کا حق) ساقط نہیں ہوتا اگر معاف کرنے والے کی تعیین نہیں کی تو تمام وارثوں کے خون بہا (سے حصہ) ملے گا۔ اگر وہ قسم کھالے کہ اس نے معاف نہیں کیا تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔ اگر کسی وارث نے بلا معاوضہ یا مطلقاً معاف کرنے کا اقرار کیا تو خون بہا سے صرف اس کا حق

Marfat.com

ساقط ہو جائے گا اور باقی حقداروں کو ان کا حصہ ملے گا۔

واضح ہو کہ کسی وارث کے حق قصاص کی معافی ثابت کرنے کے لئے وارث کے اپنے حصے کی معافی کے لئے نہیں۔ دو معتبر گواہوں کی شہادت لازم ہے کیونکہ قصاص کا حق مال کا حق نہیں ہے (جو دلیل ناقص سے بھی ثابت ہو جاتا ہے) اور جو شے ناقص دلیل سے نہیں ہوتی اس کے ساقط ہونے کا فیصلہ بھی (ناقص دلیل سے) نہیں ہوتا چنانچہ خون بہا میں سے کسی کے حصے کی معافی کا ثبوت ناقص دلیل سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے یا ایک مرد کی شہادت اور قسم سے۔ اس سے مالی مطالبہ ثابت ہو جاتا ہے اور اس طرح مطالبہ ساقط بھی ہو جاتا ہے۔

معلوم ہو کہ شافعیہ نے ورثائے مقتول میں سے کسی کی معافی کے سلسلے میں جو اس کے لئے 'اقرار' (یعنی اعتراف) کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے 'شہادت' (یعنی گواہی) کی صورت خارج ہے۔ پس اگر وارثوں میں سے کوئی فاسق ہو اور یا قصاص کے معاف کرنے والے کا تعین نہ کرے تو وہ اقرار کی مانند ہے۔ لیکن اگر وارث معتبر آدمی ہو اور مجرم کے دعوئ معافی کے بعد ایک خاص معافی دینے والے کی بابت یہ شہادت دے کہ فلاں شخص نے قصاص اور خون بہا سب کچھ معاف کر دیا تو اس کی یہ گواہی صرف خون بہا کے حق میں قبول کر لی جائے گی اور اس کے لئے مجرم بتائید شاہد قسم کھا سکتا ہے کہ معاف کرنے والے سے (اپنا حق) خون بہا معاف کر دیا ہے لیکن کلیتہً خون بہا اور قصاص کی معافی کے لئے قسم نہیں کھا سکتا کیونکہ قصاص اقرار سے ساقط ہوا اور خون بہا میں سے صرف معاف کرنے والے کا حصہ ساقط ہوا۔ اگر شاہد نے صرف خون بہا کے معاف کرنے کی گواہی (کسی وارث کی بابت) دی تو گواہی دینے والے کا حق قصاص ساقط نہ ہوگا۔

اگر دونوں گواہ وقوعہ قتل کے بارے میں مختلف بیان دیں۔ مثلاً ایک نے کہا کہ قتل رات کو ہوا اور دوسرے نے کہا کہ دن میں ہوا یا وقوعہ کی جگہ میں اختلاف ہو کہ ایک نے کہا کہ اسے مسجد میں قتل کیا اور دوسرے نے بتایا کہ گھر میں قتل ہوا یا آلہ قتل میں اختلاف ہو ایک نے کہا کہ تلوار سے قتل ہوا دوسرے نے کہا کہ نیزہ مارا یا پھر قتل کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہو ایک نے کہا کہ گردن کاٹی اور دوسرے نے بتایا کہ دو ٹکڑے کر دیئے تو ان تمام صورتوں میں ان کی گواہی کالعدم ہو جائے گی اور اس میں کوئی 'لوث' (ثبوت قتل کا گمان) نہیں ہے کیونکہ ایک گواہ کے بیان کو دوسرے گواہ نے توڑ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ گواہیاں 'لوث' (وقوع جرم کے ثبوت کے لئے گمان غالب کا ذریعہ) ہیں۔ لہٰذا مقتول کے ولی کو قسم دلائی جائے گی اور خون بہا (مجرم پر) عائد ہو جائے گا' کیونکہ دونوں گواہ اصل معاملہ قتل کے بارے میں متفق ہیں۔ اختلاف کیفیت قتل میں ہے۔ جس میں غلطی یا بھول ہو سکتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ صورت سابقہ میں کسی ایک گواہ کی تائید میں ولی کی قسم پر کیوں نہ فیصلہ کیا جائے یا اس کا بدل لیا جائے جیسا کہ سرقہ میں ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قسامہ کا معاملہ یعنی ورثاء کے قسم کھا لینے پر قصاص کے حق میں فیصلہ دینا (اہم بات ہے۔ اس وجہ سے (قسامہ میں) متعدد بار قسم دلائی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا مسائل کا تعلق مجرم کے عمل کی بابت شہادت سے ہے۔ اگر اس کے اقرار جرم کے وقت یا جگہ کے بارے میں گواہوں کے درمیان اختلاف ہو تو اس سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ بہر حال وقوعہ قتل اور کیفیت قتل کے بارے میں

Marfat.com

کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف جب ہوتا کہ اس کے اقرار کے بارے میں ہو۔ ہاں: اگر دونوں گواہوں نے مجرم کے اقرار کرنے کی جگہ میں اختلاف کیا اور دونوں نے جو مقامات بتائے ان میں باہم اتنا فاصلہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک گواہ دوسرے گواہ کی بتائی ہوئی جگہ پر بیک وقت موجود نہیں ہوسکتا مثلاً ایک گواہ نے بتایا کہ مجرم نے مکہ میں قتل کرنے کا اقرار کیا اور دوسرے نے بیان کیا کہ مجرم نے اسی تاریخ کو مصر میں قتل کرنے کا اقرار کیا تو یہ شہادت لغو متصور ہوگی اور اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتول کے دو بیٹے ہیں ایک موجود ہے اور دوسرا غیر حاضر ہے۔ موجود الوقت بیٹے نے قتل کی شہادت پیش کردی اس کے بعد دوسرا بیٹا جو موجود نہ تھا آ گیا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسے لازم ہے کہ دوبارہ شہادت پیش کرے۔ کیونکہ موجود الوقت (ولی) کو پورا قصاص لینے کا حق ہے اور یہ بھی ہے کہ قصاص لینے کا حق بطور خلافت کے حاصل ہوتا ہے بطور وراثت کے نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ (مقتول کے) قصاص کا اختیار اس کی موت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور خود متوفی اس کا اہل نہیں ہوتا۔ بخلاف قرض (واجب الوصول) اور دیت کے کہ متوفی کو (وفات کے بعد بھی) مال کی ملکیت حاصل ہوتی ہے چنانچہ اگر مثلاً کسی شخص نے اپنے حین حیات جال بچھایا اور اس کی وفات کے بعد اس جال میں شکار پھنس گیا تو متوفی کو اس شکار کی ملکیت حاصل ہوگی اور جبکہ ملکیت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہو کہ پہلے ملکیت ثابت کی جائے تو حقداروں میں سے کوئی ایک باقی حقداروں کی طرف سے دعویدار نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا دوسرے (بیٹے) کے واپس آنے پر قتل کا گواہ پھر پیش کیا جائے تا کہ محروم الحق ہونے سے بچا جائے۔

صاحبین کہتے ہیں کہ غیر موجود الوقت بیٹے کے آجانے پر دوبارہ گواہی پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ مورث (مقتول) کو مکمل قصاص کا حق ہے۔ لہٰذا قصاص کا بھی وہی طریقہ ہے جو وراثت کا ہے جیسے قرض (واجب الوصول) میں ہوتا ہے۔ یہ صورت (قصاص) جان کا معاوضہ ہے لہٰذا جو شخص بھی اس معاوضہ کا حقدار ہے وہ اس کا مالک ہے جیسا کہ تاوان میں ہوتا ہے۔ پس قصاص جب مال کی صورت میں منتقل ہوگیا تو میت کو اس کی ملکیت حاصل ہوگی۔ چنانچہ اگر زخم کھانے کے بعد موت سے پہلے اس نے قصاص معاف کردیا ہو تو اس کی ملکیت جاتی رہتی ہے۔ لہٰذا وارثوں میں سے ایک شخص باقی ورثاء کی طرف سے دعویدار ہوسکتا ہے۔ پس دوسرا بیٹا واپس آنے کے بعد دوبارہ قتل کی گواہی پیش نہیں کرے گا۔ اگر وہ قتل غلطی سے سرزد ہوا اور (مقتول کا) غیر موجود الوقت بیٹا واپس آیا تو بالاتفاق دوبارہ ثبوت قتل پیش کرنا واجب نہ ہوگا۔ اگر قاتل ایسی گواہی پیش کردے کہ غیر موجود الوقت بیٹے نے قصاص کو معاف کردیا ہے تو قصاص خون کا موجودہ حقدار اس کا فریق مخالف ہوجائے گا اور قصاص ساقط ہوجائے گا کیونکہ مجرم نے موجود الوقت حقدار کے خلاف قصاص کا حق ساقط ہونے اور مال واجب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور چونکہ اس کا ثابت کرنا ممکن نہ تھا جب تک کہ اس بیٹے کا جو موجود نہیں ہے معاف کرنا پایہ ثبوت کو نہ پہنچے۔ پس موجود الوقت بیٹا غیر موجود بیٹے کا فریق متصور ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک غلام کے دو (آقا) ہوں اور اس غلام کو عمداً قتل کردیا جائے اور دونوں میں سے ایک مالک موجود نہ ہو تو اس کا بھی یہی حال ہوگا۔

اگر (مقتول کے) ورثاء کی تعداد تین ہو اور ان میں سے دو نے دعویٰ کیا کہ دوسرے نے اپنا حق معاف کردیا

Marfat.com

ہے تو ان دونوں کی گواہی باطل ہوگی اور تیسرے کو ان سے جدا تصور کیا جائے گا اور ان دونوں کو ان کی شہادت کی بناء پر ''مفت بری'' یعنی قصاص کو مال میں تبدیل کرنے کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ اگر (مجرم) قاتل ان دونوں کے بیان کو سچ ثابت کر دے تو ان تینوں کو خون بہا ملے گا۔ کیونکہ ایک کی تصدیق دونوں کے حق میں دو تہائی خون بہا کا اقرار ہے اور اس کا یہ اقرار درست ہوگا۔ لیکن یہ اس کا حق باطل کرنے کا دعویٰ ہے جس کے خلاف شہادت دی گئی ہے اور وہ شخص انکار کرتا ہے تو وہ دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اس کا حصہ (مجرم کے ذمہ) واجب الاداء رہے گا۔ لیکن اگر قاتل نے ان دونوں ورثاء کے بیان کی تکذیب کی تو ان دونوں کو کچھ نہیں ملے گا اور تیسرے وارث کو جو موجود نہیں ہے ایک تہائی تاوان ملے گا کیونکہ ان دونوں نے اپنے حق قصاص کے ساقط ہو جانے کا اقرار کر لیا وہ تسلیم کر لیا گیا اور اپنے حصے کے قصاص کو مال میں منتقل کرنے کا دعویٰ بلا دلیل تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جس کے بارے میں (معافی کی) شہادت دی ہے اس کا حق قصاص مالی مطالبہ (دیت) میں منتقل ہو جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں نے اس شخص کی بابت دعویٰ کیا ہے کہ اس نے معاف کر دیا حالانکہ وہ انکار کرتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے انہوں نے اس کے حق میں پہلے ہی دست برداری کا اقرار کر لیا۔ کیونکہ قصاص کا ساقط کرنا ان دونوں کی طرف سے منسوب ہے۔ اگر وہ جس کے خلاف انہوں نے گواہی دی (معافی قصاص کے بارے میں) ان دونوں کی تصدیق کرے تو مجرم اس ایک تہائی تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا کیونکہ اس نے اس کا اقرار کر لیا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں شخص نے کسی کو مارا اور وہ زخمی ہو کر بستر مرگ پر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا تو مجرم پر قصاص عائد ہوگا بشرطیکہ اس نے عمداً ارتکاب قتل کیا ہو کیونکہ جو امر گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو وہ چشم دید واقعہ کی مانند ہے۔ اور اس صورت میں بھی قصاص عائد ہوگا جبکہ شاہدوں نے یہ گواہی دی ہو کہ اس نے فلاں شخص پر زخم کرنے والے آلے سے عمداً وار کیا۔ قتل عمد کی شہادت کا سچا ہونا اسی طرح ثابت ہو سکتا ہے۔ ضرب سے موت واقع ہونے کی پہچان یہ ہے کہ چوٹ کھانے کے بعد مقتول بستر پر پڑا رہے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔

اگر قتل کے دونوں گواہوں کے بیانوں میں وقوعہ والے دن کے تعین میں اختلاف ہو کہ ایک گواہ کہے کہ قتل ہفتہ والے دن ہوا اور دوسرا کہے کہ وہ دن جمعرات کا تھا۔ یا وقوعہ والے شہر کے بارے میں اختلاف ہو کہ ایک گواہ کہے کہ مکہ میں قتل ہوا اور دوسرا کہے کہ یہ قتل کوفہ میں ہوا یا آلہ قتل میں اختلاف ہوا ایک کہے کہ تلوار سے قتل کیا اور دوسرا کہے کہ لاٹھی سے مارا تو یہ گواہی باطل ہوگی اور اس کی بناء پر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا کیونکہ قتل ایسا جرم نہیں ہے جس کا اعادہ کیا جا سکے یہ بار بار نہیں ہو سکتا۔ پس وہ قتل جو ایک وقت میں یا ایک جگہ پر واقع ہوا وہ اس قتل سے مختلف ہے جو دوسرے وقت میں یا دوسری جگہ پر واقع ہو۔ اسی طرح لاٹھی سے جو قتل ہوا وہ ہتھیار کا قتل نہیں ہے کیونکہ ثانی الذکر بالاتفاق عمد ہے اور اول الذکر شبہ عمد ہے۔ ان دونوں سے متعلقہ احکامات مختلف ہیں پھر اس طرح ہر قتل کی شہادت ایک ہوگی (یہ دو شہادتیں نہ سمجھی جائیں گی) اسی طرح اگر دو گواہوں میں سے ایک نے قتل مطلق کی شہادت دی (یعنی اس میں اوزار وغیرہ کی قید نہیں ہے) تو مجرم کے مال میں سے خون بہا واجب ہوگا۔ اور اگر لاٹھی سے قتل ہونا بتایا تو مجرم کے قرابت دار پر دیت واجب ہوگی لہٰذا یہ شہادت باطل ہو جائے گی کیونکہ (دونوں بیانوں میں سے ایک میں لاٹھی کی قید ہے اور دوسرے میں کوئی قید نہیں' مطلق قتل کا ذکر

Marfat.com

ہے) اور جو بیان مطلق ہے اور بیان مقید سے مختلف ہوتا ہے۔ بیان مطلق میں مجرم کے مال سے دیت واجب ہوتی ہے اور جس بیان میں لاٹھی کی قید ہے اس میں خون بہا عاقلہ (تاوان کے ذمہ دار قرابتی) پر عائد ہوتا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر دونوں نے شہادت دی کہ فلاں شخص کو قتل کیا گیا لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ کس شے سے قتل کیا گیا تو اس صورت میں استحساناً (بہتر سمجھ کر) خون بہا عائد ہوگا۔ اور قرین عقل یہ ہے کہ یہ گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ آلہ قتل کے مختلف ہونے سے جرم قتل کی نوعیت مختلف ہو جاتی ہے اور گواہوں کو اس کا علم نہ ہو تو گواہی باطل ہو جاتی ہے کیونکہ گواہوں کا یہ کہنا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس چیز سے قتل کیا گیا؟ یا تو سچ ہے یا جھوٹ ہے۔ اس کے بین بین کوئی امر نہیں ہوسکتا۔ دونوں صورتوں میں ایسی گواہیوں کو رد کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ اگر ان کی بات سچ مان لی جائے تو فیصلہ دشوار ہوگا' اس لئے کہ تلوار یا لاٹھی کے استعمال سے عائد ہونے والی سزائیں مختلف ہیں (ایک سے خون اور دوسرے سے دیت واجب ہوتی ہے) اور اگر وہ جھوٹے ہیں تب بھی یہی صورت ہے کہ فیصلہ دشوار ہے کیونکہ گواہ فاسق ٹھہرے (اور فاسق کی گواہی ناقابل تسلیم ہے)۔

اس میں استحسان (بہتری) کی صورت یہ ہے کہ گواہوں نے قتل مطلق کی گواہی تو دے ہی دی اور مطلق کو مجمل (غیر واضح) نہیں کہا جاسکتا' ایسی صورت میں یہ گواہی کم سے کم الزام یعنی دیت (تاوان) کا موجب ہوسکتی ہے پھر ایک خیال یہ بھی ہے کہ گواہوں کو یہ معلوم ہو کہ قتل تلوار سے ہوا لیکن انہوں نے یہ جو کہا کہ 'نہیں معلوم' یہ قاتل کے جرم پر پردہ ڈالنے اور اس کی زندگی کو بچانے میں بہتری سمجھ کر کہا اور اس کذب بیانی کو اللہ کے نزدیک قابل معافی تصور کیا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے "لیس کذاب من یصلح بین اثنین" (یعنی ایسے جھوٹ سے جس کی غرض دو آدمیوں کے درمیان آشتی پیدا کرنا ہو ایک شخص کو جھوٹا قرار نہیں دیا جائے گا) پس اس طرح ہر جھوٹ کی توجیہ کرنے والے کو فاسق نہیں کہا جاسکتا' اور ان کی گواہی قبول کر لی جائے گی' اس احتمال کی بناء پر گواہ کے بیان میں تضاد نہیں مانا جائے گا اور مجرم کے مال میں سے خون بہا واجب ہوگا' چونکہ اس ارتکاب میں اصل شے مجرم کا عمد (ارادہ) ہوتا ہے لہٰذا یہ دیت عاقلہ (مجرم کے صلبی قرابت دار) پر عائد نہ ہوگی۔

اگر دو اشخاص میں سے ہر ایک نے یہ اقرار کر لیا کہ اس نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے اور مقتول کا ولی کہے کہ تم دونوں نے مل کر قتل کیا ہے کہ تو ولی کو حق ہے کہ دونوں کو قتل کرے' اگر کچھ لوگوں نے ایک شخص کے بارے میں شہادت دی کہ اس نے فلاں شخص کو قتل کیا اور کچھ نے ایک اور شخص کے بارے میں شہادت دی کہ اس نے قتل کیا اور ولی مقتول کہے کہ تم دونوں نے قتل کیا تو یہ ساری شہادت باطل ہو جائے گی' ان میں فرق یہ ہے کہ اقرار اور شہادت میں سے ہر ایک سے مکمل قتل اور قصاص واجب ہوتا ہے' ان دونوں کی تکذیب کی گئی البتہ جن امور کا اقرار کیا گیا ہے اگر ان امور میں سے کسی کی تکذیب کی جائے تو اس سے باقی امور کا اقرار باطل نہیں ہوتا' لیکن گواہ جن امور کی گواہی دے اگر ان میں سے بعض باتوں کو جھٹلا دیا جائے تو وہ شہادت بالکل ہی باطل ہو جاتی ہے کیونکہ جھوٹ بولنے سے وہ شخص فاسق قرار پاتا ہے اور فاسق کی شہادت ناقابل قبول ہوتی ہے۔

Marfat.com

گواہوں کی شہادت کا بیان

ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی وارث اپنے مورث کے زخمی ہونے کی گواہی دے اور ہنوز وہ زخم اچھا نہ ہوا ہو تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ اگر اس کا مورث (اس زخم سے) مر جائے تو (وارث) گواہ اس کے جرمانہ کا حقدار ہوگا۔ لہٰذا وہ گواہی اس کے اپنے حق میں ہوگی اور شرعاً ایسی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ تاہم ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر وہ زخمی مقروض ہو اور اس کا ترکہ ادائیگی قرض کے لیے کافی ہو تو (وارث کی) شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ اس گواہی سے خود اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا' لیکن یہ خیال محتاج نظر ہے' کیونکہ مورث کے مقروض ہونے سے کوئی شخص وراثت سے محروم نہیں ہو جاتا اور بسا اوقات ترکہ سے قرضہ ادا ہی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مورث کے کسی مخفی مال کا اسے پتہ لگ جائے۔

امام رافعی کہتے ہیں کہ وارثوں کا گواہوں کے صالح ہونے کی گواہیاں دینا بھی ایسا ہی ہے جو جراحت رسانی کی گواہی کا ہے۔

وارث کی گواہی کا مطلب ایسے وارث کی گواہی ہے جو مورث کی جڑ یا شاخ (یعنی آباء واجداد اور اولاد و احفاد میں سے نہ ہوں)' کیونکہ ان کی گواہی تو سرے ہی سے نا قابل قبول ہے کیونکہ وہ مورث کے جزو ہوتے ہیں

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر وارث اپنے مورث کے حق میں' جو مرض الموت میں مبتلا ہو' کسی مال کا حقدار ہونے کی گواہی دے تو بقول صحیح اکثر علماء کے نزدیک وہ گواہی قابل قبول ہوگی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جراحت رسانی کی گواہی کی طرح اس گواہی کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا' لیکن دونوں میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ اگر گواہوں نے (مریض) مورث کے حق میں کسی مال کے حقدار ہونے کی گواہی دی تو اس کے ثابت ہونے سے سر دست گواہوں کو کچھ فائدہ نہیں ہے' کیونکہ اس کی گواہی سے تو اس شخص کا مالک مال ہونا ثابت ہوگا جس کے حق میں گواہی دی ہے اور وہ حقدار خود اس مال کو اپنے حسب منشاء اپنی خواہشات کے مطابق صرف میں لائے گا۔ اس کے برعکس اگر زخم کی گواہی دی تو اس کے ثابت ہو جانے پر اس کا تاوان (انجام کار) وارث گواہوں ہی کو مل جائے گا' کیونکہ تاوان واجب الوصول (مجروح کی) وفات سے پہلے واجب الادا نہیں ہوتا بلکہ وفات کے بعد وارثوں کو ملتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ فرق بھی بتایا گیا ہے کہ زخم (جس کی گواہی وارث نے دی) موت کا سبب ہے جس سے حق دیت (وارث کو) منتقل ہوتا ہے۔ پس اگر وارثوں نے زخم کے ثبوت میں شہادت دی تو گویا اس سبب کی گواہی دی جس سے ان کا حق ثابت ہوتا ہے' لہٰذا یہ صورت مال کی گواہی سے مختلف ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر عاقلہ (مجرم کے ذمہ دار قرابتی) قتل خطاء یا قتل عضو نادانستہ یا قتل مشابہ بہ عمد کے گواہوں کے فاسق (یعنی نا قابل اعتبار) ہونے کی گواہی دیں جس کے تاوان کے بوقت شہادت وہ ذمہ دار ہیں تو وہ تسلیم نہیں کی جائے گی' کیونکہ اس طرح وہ اپنے آپ کو تاوان سے بچانے کے لئے ہوگی' لیکن اگر وہ گواہی کے وقت اس تاوان کے ذمہ دار نہیں تھے تو اب دیکھنا ہوگا کہ اگر یہ رشتہ دار محتاج ہیں تو ان کا بیان رد کر دیا جائے گا یا اگر وہ دور کے رشتہ دار ہیں اور قریبی رشتہ داروں میں ایسے اشخاص ہیں جو واجبات ادا کر سکتے ہیں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی' ان میں فرق یہ ہے

Marfat.com

کہ مال آنی جانی چیز ہے اور صاحب مال اس سے محروم نہیں ہے لہٰذا اس میں احتمال تہمت کا ہے (کہ محتاج عاقلہ نے اپنا مال بچانے کیلئے گواہی کو نا قابل اعتبار بنانا چاہا) اور دور کے رشتہ دار کی موت ایسی ہے جیسے معاملات سے الگ تھلگ ہو لہٰذا ایسے معاملات سے تہمت نہیں لگتی بخلاف اس کے اگر (مقتول کے) رشتہ دار قتل عمد کے یا اقراری ملزم قتل کے گواہوں کے فاسق ہونے کی بابت شہادت دیں تو وہ شہادت قابل تسلیم ہوگی' کیونکہ اس میں تہمت کا الزام نہیں ہے۔

واضح ہو کہ ان اصحاب کا کہنا ہے کہ شہادت کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے کے بیان کو جھٹلایا نہ گیا ہو۔ پس اگر دو گواہوں نے دو اشخاص کے خلاف ایک شخص کو قتل کرنے کی گواہی دی اور جن کے خلاف گواہی دی گئی انہوں نے ان گواہوں کے خلاف یا کسی اور کے خلاف قتل میں پیش دستی کی شہادت دی تو ایسی حالت میں اگر ولی نے پہلے گواہوں کو تسلیم کر لیا تو اس کے بموجب فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ ان کی گواہی میں تہمت کا احتمال نہیں ہے۔ انکے خلاف دوسروں نے جو گواہی دی وہ کالعدم قرار پائے گی' کیونکہ وہ سابقہ گواہوں کے الزام قتل سے خود کو بچانا چاہتے ہیں' لہٰذا خود کو بچانے کی غرض سے جو شہادت ہو اس میں اس تہمت کا احتمال ہے' اگر ولیء (مقتول) نے بعد کے دو گواہوں کو سچا مانا یا سب کی گواہی کو جھٹلا دیا تو دونوں گواہیاں ان مسائل کی تینوں صورتوں میں باطل متصور ہوں گی' پہلی گواہی تو اس لئے کہ بعد کے گواہوں کی تصدیق سابقہ گواہوں کی تکذیب ہے اور پہلے گواہوں سے پچھلے گواہوں کی عداوت ہے' دوسری گواہی کی صورت میں بھی ایک فریق کی تصدیق دوسرے فریق کی تکذیب ہے' تیسری گواہی کا باطل ہونا ظاہر ہے کہ اس میں دونوں فریقوں کی تکذیب ہے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر وارثوں میں سے کوئی وارث۔ گو فاسق ہو۔۔ اگر کسی ایک وارث کی بابت مجرم کے معاف کر دینے کا اقرار کرے' خواہ اس معاف کرنے والے کی تعین کی ہو یا نہ کی ہو تو قصاص (کلیتہً) باطل ہو جائے گا کیونکہ قصاص ایسی شے نہیں ہے جس کے حصے کیے جا سکیں (یعنی کچھ حصہ قصاص کا معاف کیا جائے اور کچھ قصاص لے لیا جائے)۔ پس اگر کوئی اپنے حق کو ساقط کرنے کا اعلان کرے تو دوسروں کا حق قصاص طلبی ساقط ہو جائے گا۔ البتہ دیت بدستور باقی رہے گی اور ساقط نہ ہوگی' گو معاف کرنے والے کا تعین نہ کیا گیا ہو لہٰذا مال دیت (تاوان) تمام وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا' اگر معاف کرنے والے کی تعیین کی گئی لیکن وہ معافی سے انکار کر دے تب بھی دیت ساقط نہ ہوگی' اگر اس شخص نے معاف نہیں کیا تھا تو اس کے قسم کھا لینے پر اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی' اگر کسی نے بلا معاوضہ یا مطلقاً (غیر مشروط) دیت سے معافی دے دی تو صرف معاف کرنے والے کا حصہ ساقط ہو جائے گا باقی ورثاء کو دیت میں سے ان کا حصہ ملے گا۔

مقتول کا کوئی وارث اگر قصاص کو معاف کرے تو اس معافی کو ثابت کرنے کے لئے اپنے حصہ کی دیت معاف کرنے کے لئے۔۔ دو معتبر گواہوں کی شہادت درکار ہوگی' کیونکہ قصاص کا مطالبہ مالی مطالبہ نہیں ہے' یاد رہے کہ جو حکم ناقص دلیل کی بناء پر عائد نہیں ہوتا اس کے ساقط ہونے کا فیصلہ بھی ناقص دلیل کی بناء پر نہیں ہوتا' کسی وارث کا اس کے حصہ کی دیت کی معافی کا ثبوت ناقص دلیل سے یعنی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے' یا ایک شخص کی گواہی اور قسم کھا لینے سے بھی ہو جاتا' کیونکہ یہ مالی حق کا معاملہ ہے جو اس طرح ثابت ہو جاتا ہے' اور اسی طرح (ناقص گواہی) سے یہ مطالبہ ساقط

Marfat.com

اعضائے انسانی کو نقصان پہنچانے کا بیان

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ نے جرائم متعلقہ اعضائے بدن مثلاً ہاتھ' ناک' دانت وغیرہ کی سزا کے لئے بھی طریق قصاص رکھا ہے۔ یعنی مجرم کو اس کے جرم کے موافق اسی طرح کی سزا دی جائے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دونوں کے اعضاء ایک جیسے ہوں۔ چنانچہ تندرست آنکھ کے عوض اندھی آنکھ کو نہیں پھوڑا جائے گا اسی طرح بولنے والی زبان کے عوض گونگے کی زبان نہیں کاٹی جائے گی اور نہ لنجے ہاتھ کے عوض کام

بھی ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی وارث جو فاسق ہو کسی اور وارث کے بارے میں معافی قصاص کی شہادت دے یا گواہ نے معاف کرنے والے کی تعیین نہ کی ہو تو اسے اقرار معافی تصور کیا جائے گا' اگر گواہی دینے والا معتبر شخص ہو اور اس نے معاف کرنے والے کی تعیین کر دی' اور بتایا کہ فلاں شخص نے قصاص اور دیت سب کچھ معاف کر دیا تو مجرم کے دعوئی کرنے پر اس شخص کی گواہی کو (صرف) دیت سے معافی کے بارے میں قبول کیا جائے گا اور مجرم گواہ کے ساتھ قسم کھائے گا کہ معاف کرنے والے نے دیت کو معاف کر دیا ہے' دیت اور قصاص دونوں کو معاف نہیں کیا' قصاص اقرار معافی کے بعد ساقط ہو گیا اور دیت میں سے صرف معاف کرنے والے کا حصہ ساقط ہوا' اور اگر صرف دیت کے معاف کرنے کی گواہی دی ہے تو دیت ساقط ہو جائے گی گواہ کا حق قصاص ثابت نہ ہوگا۔

اگر ثبوت قصاص کے گواہ اپنے بیان سے پھر جائیں تو وہ ادائے دیت کے ضامن ہوں گے' لیکن ان پر قصاص عائد نہ ہوگا' کیونکہ ان کا شریک قتل ہونا ثابت نہیں ہے' اور (قتل کا) سبب بننے سے قصاص عائد نہیں ہوتا جیسے کنواں کھودنا (کہ اگر اس کنوئیں میں گر کر کوئی ہلاک ہو جائے' تو کنواں کھودنے والے کو قاتل تصور نہیں کیا جائے گا) بخلاف اس صورت کے جبکہ کسی کو جبراً ہلاکت میں ڈالا جائے' کیونکہ ایک بیچارہ انسان ہلاکت میں پڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے لہٰذا اس جبر کا اثر اس کی زندگی پر پڑتا ہے' یہی حال ولی کا ہے (اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا) اسے (معافی کا) اختیار ہے اور اختیار کو ذریعہ جرم نہیں بنایا جا سکتا' اور جب قصاص نہ ہو تو خون بہا واجب ہوتا ہے' کیونکہ قتل ناحق کی صورت میں دو باتوں میں سے ایک ضرور عائد ہوتی ہے (یعنی قصاص یا دیت)۔

اگر دو گواہ قصاص کے معاف کر دینے کی گواہی دیں اور پھر اس سے پھر جائیں تو ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی کیونکہ قصاص مالی معاملہ نہیں ہے۔

ان اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ثبوت 'شاخ' کے گواہ منحرف ہو جائیں تو (ادائے تاوان کے) ذمہ دار ہوں گے کیونکہ اتلاف کو ان ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ یہی وہ اشخاص ہیں جنہوں نے قاضی (حاکم شرع) کو فیصلہ قصاص پر آمادہ کیا اور اگر ثبوت 'اصل' کے گواہ منحرف ہو جائیں اور یہ کہیں کہ ہم نے ثبوت فرع کے حق میں گواہی نہیں دی تو وہ تاوان کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ (تاوان کے عائد ہونے کا) سبب بننے سے انکاری ہیں اور قاضی کا فیصلہ بحال رہے گا کیونکہ یہ اطلاع مشتبہ ہے۔

اگر لوگ کہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو گواہ بنانے میں غلطی کی تو ان پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا کیونکہ جو فیصلہ صادر

Marfat.com

کرنے والے ہاتھ کو کاٹا جائے گا۔ یہی طریق کار اور صورتوں میں بھی ہوگا جس کی تفصیل اپنی جگہ پر آرہی ہے۔ (۱)

ہوا ہے وہ ایسی دلیل کی بناء پر ہے جس نے اس فیصلہ کو بیکار بنادیا۔ یعنی فروع کی شہادت لہٰذا (اس نقصان کو) انہیں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

۱۔ چاروں ائمہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جس نے کسی زندہ انسان کو ضرر پہنچایا اس پر پورا تاوان عائد ہوگا' چنانچہ ناک کی نرم کھال جو ملائم ہوتی ہے اور وہاں ہڈی نہیں ہوتی جسے ناک کا بانسہ کہتے ہیں اس کے عوض پوری ناک کا تاوان عائد ہوگا' یہ حصہ چہرہ کی خوبصورتی کا باعث بھی ہے اور کارآمد بھی ہے۔ اس کے دو حصے ہوتے ہیں جن کو ناک کے نتھنے کہا جاتا ہے جن کے درمیان سخت کھال کا ایک پردہ حائل ہوتا ہے اور اس کے تاوان میں یہ پورا مجموعہ شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا (اسکے اتلاف پر) ایک تاوان سے زیادہ کا مطالبہ عائد نہ ہوگا کیونکہ (بحیثیت مجموعی) یہ ایک ہی عضو ہے اور زبان کاٹ دینے کے جرم پر تاوان عائد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس سے زبان کا مقصد یعنی گویائی جاتی رہتی ہے۔ خواہ وہ زبان ہکلے کی ہو جو ہکلا کر بولتا ہے یا گونگے کی ہو یا توتلے کی جس کا شین قاف درست نہیں ہوتا یا بچے کی زبان ہو جو بات نہیں کرسکتا۔ علاوہ اس کے زبان ایک حسین اور کارآمد شے ہے جس میں اظہار حال اور بیان مافی الضمیر کی قوت ہے اور انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس کے تین فائدے ہیں' گفتگو' ذائقہ' کھانے میں سہولت اور لقموں کو (منہ میں) پھرانا تاکہ اچھی طرح چبایا جاسکے۔ پس زبان کے تلف ہونے پر پوری دیت واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر زبان کو باقی رکھتے ہوئے قوت گویائی کو تلف کیا جائے تب بھی مکمل دیت عائد ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ ننھے بچے کی زبان کاٹنے کے جرم کا تاوان اس حالت میں عائد ہوگا جبکہ اس میں گویائی کی قوت ظاہر ہو۔ کہ وہ رونے کے لئے یا چھاتی سے دودھ چوسنے کے لئے زبان کو ہلاسکتا ہو' زبان کے صحیح ہونے کی یہ نمایاں علامات ہیں۔ اگر یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو حاکم کی اپنی رائے پر انحصار ہوگا کیونکہ زبان کا صحیح ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں ہے۔ بنیادی شے ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔ اگر کسی کی نصف زبان کاٹی جس سے ایک چوتھائی گویائی ختم ہوگئی یا اس کے برعکس (نصف زبان کاٹ دی اور چوتھائی گویائی جاتی رہی) تو اس مجرم پر نصف تاوان عائد ہوگا اور اگر زبان شل (بے حس) ہوگئی تو دوہرا تاوان عائد ہوگا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ نصف تاوان ہوگا۔

اگر کٹی ہوئی زبان ذائقہ نہ محسوس کرتی ہو یا گونگی ہو تو اس کا فیصلہ تقاضائے عدل کے مطابق کیا جائے گا۔ اگر تھوڑی سی زبان کاٹی جس کی وجہ سے بولا نہ جاسکے تو پوری دیت عائد ہوگی کیونکہ زبان کا مقصد فوت ہوگیا گو عضو برقرار رہے اور اگر بعض حروف کے ادا کرنے پر قادر ہو تو دیت کو تمام حروف ہجا کی تعداد پر تقسیم کردیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی اپنی زبان کے حروف ہجا پر تقسیم کیا جائے۔ غرض ادائے الفاظ سے جس قدر وہ معذور ہے اسی کے مطابق تاوان واجب ہوگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر بیشتر الفاظ ادا کرنے پر قادر ہے تو اس کا فیصلہ مبنی بر انصاف واجب ہے کیونکہ وہ افہام مدعا کرسکتا ہے' اگرچہ ناقص طور پر ہو۔ اگر زیادہ تر الفاظ ادا کرنے سے عاجز ہو تو پورا تاوان واجب ہوگا کیونکہ ظاہر ہے کہ

Marfat.com

اور یہی عین انصاف کا تقاضا ہے۔ اب اگر ایک شخص کسی کا عضو ظلم سے ضائع کر دیتا ہے تو اس کی پاداش سوا اس کے نہیں ہے کہ مجرم کا بھی وہی عضو تلف کر دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جزاء سیئۃ سیئۃ'' (الشوریٰ:۴۰) (یعنی مضرت رسانی کی سزا بھی ویسی ہی مضرت ہے) بالعموم کہا جاتا ہے کہ ایسی سزاؤں سے افراد قوم میں ناکارہ اشخاص کی تعداد زیادہ ہو جائے گی کہ مظلوم تو ناقص العضو کیا ہی گیا تھا۔ ظالم (مجرم) بھی اسی طرح ناقص العضو ہو کر رہ جائے گا جو قومی صلاحیت کا زیاں اور اس کے بہبود کا منافی ہے۔

پورے طور پر گفتگو کرنے کی غرض حاصل نہ رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں ایک شخص کی زبان تھوڑی سی کاٹ دی۔ آپ نے اس شخص کو ا۔ ب۔ ت۔ ث پڑھنے کو کہا۔ جب وہ ایک حرف پڑھتا تھا تو اس کے تاوان میں سے اسی قدر ساقط فرما دیتے تھے اور جو حرف اس سے ادا نہ ہوتا تھا۔ اس کے حساب سے اس پر تاوان واجب فرما دیتے تھے۔

واضح ہو کہ عربی زبان کے حروف اٹھارہ (۱۸) ہیں جن میں (۶) حروف حلق اور حروف لب جن کی تعداد چار ہے شامل نہیں ہیں۔

آلہ تناسل کے کاٹنے کے مجرم پر پورا تاوان عائد ہوگا اور حشفہ (سر ذکر) کاٹنے پر بھی پورا تاوان عائد ہوگا' خواہ آلہ تناسل صغیر سن بچے کا ہو یا عمر رسیدہ بڈھے کا یا خصی یا عنین کا (یعنی جس کا عضو مخصوص کاٹا گیا ہو یا قوت مردمی سے محروم ہو) کیونکہ اس بارے میں جو حدیث آئی ہے وہ مطلق (بلا استثناء کے) ہے۔ بیشتر فقہاء کے نزدیک خصی یا مخنث کے عضو مخصوص کے بارے میں حاکم خود فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔

اس بارے میں بنیادی حکم وہ ہے کہ جو سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فی النفس الدیۃ' وفی اللسان الدیۃ وفی المارن الدیۃ'' (یعنی تاوان جان کا ہے اور زبان اور نتھنوں کا)۔ اسی طرح اس مکتوب میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن حزم رضی اللہ عنہ کو ارسال فرمایا تھا۔ اسے ابو داؤد نے اپنے مراسیل میں ابو شہاب سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب موسومہ ابن حزم میں خود پڑھا ہے۔ یہ خط انہیں اس وقت بھیجا گیا تھا جب وہ نجران کی مہم پر گئے تھے۔ یہ مکتوب ابو بکر بن حزم کے پاس تھا (بروایت نسائی)۔ یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ خصی مرد کے آلہ تناسل میں جماع یا اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا نہ ہونا یا نامردی عضو مخصوص کا عیب نہیں ہے' کیونکہ شہوت (خواہش نفسانی) کی جگہ دل ہے اور مادۂ تولید انسان کی پشت میں ہوتا ہے۔ اس کی جگہ آلۂ تناسل نہیں ہے لہٰذا یہ عیوب عضو مخصوص کے نہیں ہیں اور حشفہ (سر ذکر) کا حکم وہی ہے جو آلہ تناسل کا ہے کیونکہ آلہ تناسل کا بقیہ حصہ حشفہ کے تابع ہے۔ جیسے ہتھیلی اور انگلیاں۔ عضو مخصوص کا سب سے بڑا فائدہ مباشرت کی لذت ہے۔ جس کا تعلق حشفہ (سر ذکر) سے ہے اور جماع کا انحصار اسی پر ہے۔ اگر اس کا کچھ حصہ کاٹا تو اس کے حصے کے مطابق تاوان واجب ہوگا کیونکہ پورا تاوان اسے پورا قطع کرنے پر عائد ہوتا ہے لہٰذا اگر کچھ حصہ کاٹا گیا تو تاوان کا بھی حصہ کیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ پورے عضو مخصوص کے ساتھ اس حصہ تاوان واجب ہوگا۔ کیونکہ تاوان کی

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ (درحقیقت) قصاص (یعنی جرم کے مطابق سزا) میں ہی ہلاکت زدہ افراد کی تعداد کم ہوگی' زیادہ نہ ہوگی' بلکہ حکم قصاص جرم کی سرے سے بیخ کنی کردے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون" (البقرۃ:۱۷۹) (یعنی اے ارباب عقل حکم قصاص میں ہی تمہاری زندگی ہے۔ کاش تم میں خوف خدا ہو) کیونکہ جب مجرم کو یقین ہوگا کہ اسے اپنے جرم کی ویسی ہی سزا ملے گی اور یہ معلوم ہوگا کہ اگر کسی شخص کے عضو بدن کے ساتھ ستم روا رکھا گیا تو اس کے بدن کا بھی وہی حصہ کاٹ دیا جائے گا تو ناگزیر ہے کہ وہ ارتکاب جرم سے بچے گا اور عداوتیں ختم ہو جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ کوئی کلفت زدہ رہے گا نہ ظلم کرنے والا اور نہ مظلوم۔ لیکن اگر کسی نے یہ خیال کرلیا کہ اس کے جرم کی سزا صرف کچھ عرصہ کی قید ہے تو بہت سے لوگوں کے ساتھ مل کر بار بار جرم کرنے پر

تکمیل کا مقصد یہی ہے۔ اگر آلہ تناسل سوکھ گیا ہو تو اس کے کاٹنے کا تاوان بمقتضائے عدل حاکم کے فیصلہ پر موقوف ہے اور مخنث کے آلہ تناسل کا تاوان مقررہ تاوان کا نصف ہوگا اور باقی نصف کا فیصلہ حاکم کرے گا۔

اعضائے بدن کے تاوان کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر وہ عضو اپنی پوری صلاحیت کار کھودے یا وہ خوبی جو اس کے مکمل ہونے کی حالت میں تھی وہ بالکل جاتی رہے تو پوری دیت عائد ہوگی کیونکہ اس طرح انسان کے پورے وجود کو ایک لحاظ سے ختم کر دیا گیا اور انسانی عظمت کے لحاظ سے یہ فعل ایسا ہے کہ گویا اسے قریب قریب تلف کر دیا گیا۔ پس اگر نفع کی نوعیت اور تکمیل ایک ہی عضو پر منحصر ہے تو اس کے تلف کرنے پر پوری دیت واجب ہوگی اور اگر وہ فائدہ دو عضووں پر منحصر ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے نصف تاوان ہوگا اور اگر اس کی منفعت کا انحصار چار اعضاء پر ہے تو ان میں سے ہر ایک کے تلف کرنے پر چوتھائی دیت لازم ہوگی اور اگر منفعت دس اعضائے بدن پر موقوف ہے تو ان میں سے ہر ایک کے عوض تاوان کا دسواں حصہ اور اگر دس سے زیادہ اعضاء پر منحصر ہے تو بیسواں حصہ واجب الادا ہوگا مثلاً انگلیوں میں سے انگوٹھے کے پور کو کاٹ دیا۔

واضح ہو کہ اگر انسان آلۂ تناسل کے کاٹے جانے سے متعدد فائدوں سے محروم ہو گیا مثلاً جماع کرنا' اولاد پیدا کرنا' پیشاب کا روکنا' خارج کرنا اور یا مادہ تولید کا اچھل کر نکلنا یا اس طرح سے جماع کرنا جو بالعموم استقرار حمل کا باعث ہوتا ہے وغیرہ یا عضو مخصوص کو اوپر سے چیر دیا اور وہ بیکار ہو کر رہ گیا تو پوری دیت واجب ہوگی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے عضو مخصوص پر ضرب لگائی اور اسے خشک (یابس) کر دیا یا چوٹ کے باعث جماع کے قابل نہ رہا مگر سکڑتا اور پھیلتا ہے تو اس کی سزا کا فیصلہ حاکم بتقاضائے انصاف خود کرے گا۔ کیونکہ ہنوز وہ عضو اور اس کا فائدہ باقی ہے۔ خرابی اور باتوں میں ہوئی ہے تاہم اگر اس حالت میں عضو مخصوص کاٹ دیا تو اس پر قصاص یا پورا تاوان عائد ہوگا۔

اگر عمداً یا خطاً ضرب لگانے سے کسی کی عقل جاتی رہے تو مجرم پر پورا تاوان عائد ہوگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا فیصلہ اسی طرح فرمایا ہے۔ یہی حکم قوت فہم سے محروم ہو جانے کی صورت میں ہے کیونکہ اسی سے انسان معاش زندگی اور آخرت (کا ثواب) حاصل کرتا ہے اور یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ماہرین کی رائے میں کچھ عرصہ کے بعد اس شخص کی

Marfat.com

دلیر ہو جائے گا۔ جس سے اپاہجوں اور مجرموں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ طویل مدت کی جیل میں رہنا مجرموں کی زندگی کے لئے سخت مصیبت ہے۔ وہاں پر رہ کر وہ جرائم پسند ہو جاتے ہیں جیسا کہ بہت سے قیدو بند کے عادی مجرموں کی حالت مشاہدہ میں آئی ہے۔

صحت مندی کے عود کر آنے کی توقع نہ ہو جیسا کہ عمرو بن حزم کی روایت میں آیا ہے۔

ابن المنذر کہتے ہیں کہ تمام حفاظ اہل علم اس سے متفق ہیں کیونکہ عقل جملہ قوائے باطنی اور اعضائے انسانی میں سب سے اشرف ہے اور یہی انسان اور جانور میں مابہ الامتیاز ہے جس کی پابندی انسان کو برائیوں میں پڑنے سے بچاتی ہے اور یہاں عقل سے مراد وہ فطری عقل ہے جو انسان کو مکلف (احکام شرعیہ کا ذمہ دار) بناتی ہے۔ اس سے مراد حاصل کردہ فراست نہیں ہے

جو حسن عمل کا ذریعہ ہے۔ (اتلاف عقل کے بارے میں) حاکم اپنی رائے سے فیصلہ دے گا۔ اگر (زوال عقل کے بعد) ایک خاص میعادو وقت میں (فائت العقل کے) اپنے اصل حال میں عود کر آنے کی توقع ہو تو اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے۔ اگر آرام ہو جائے تو تاوان عائد نہ ہو گا جیسے اس شخص کا دانت جس کا دانت ہنوز گرا نہ ہو۔ اگر کچھ کچھ عقل زائل ہوئی ہو تو دیت بھی اس کے مطابق بالاقساط واجب ہو گی۔ مثلاً بشرطیکہ (زوال عقل) وقتی طور پر ہو مثلاً کوئی شخص ایک دن بے عقلی کی حالت میں رہے اور پھر ایک دن افاقہ پا جائے۔ یا کسی اور طرح کا فتور عقل ہو مثلاً اس کے اقوال وافعال جہاں ٹھیک ٹھاک ہوں وہاں اس میں گڑبڑ بھی ہو جاتی ہو اور دونوں حالتوں کا فرق معلوم ہو سکے اگر اس کا علم نہ ہو سکے تو اس کا فیصلہ حاکم اپنی سمجھ کے مطابق کرے گا۔

اور اگر اس خاص عرصہ میں جس میں اس کو افاقہ پا جانا تھا وہ شخص وفات پا گیا تو مجرم پر پورا تاوان عائد ہو گا اور اس کے جرم کا قصاص عائد نہ ہو گا کیونکہ جرم سے متاثر ہونے والے حصہ جسم کے تعین کرنے میں اختلاف ہے کہتے ہیں کہ جرم سے دل متاثر ہوا۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق دماغ سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس جرم سے دل اور دماغ دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ بیشتر اصحاب اول الذکر رائے کے قائل ہیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقل کی جگہ دماغ ہے جسے دل تقویت دیتا ہے اور اسے عقل (رسی کا پھندا) اس لئے کہتے ہیں کہ عقل کی پابندی خراب باتوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہے۔

واضح ہو کہ جس مجرمانہ حرکت سے عقل زائل ہوئی ہے اگر وہ حرکت ایسی ہے جس کا کوئی جرمانہ نہیں ہے تو زوال عقل کے تاوان پر کچھ اور اضافہ نہیں کیا جائے گا مثلاً سر پر مارا یا تھپڑ لگایا (جس سے عقل زائل ہو گئی) تو اس حرکت کا جداگانہ جرمانہ عائد ہو گا۔ تاہم بقول صحیح اس کی سزا ہو گی۔ لیکن اگر وہ فطری عقل ایسی مجرمانہ حرکت سے زائل ہوئی جس کا جرمانہ مقرر ہے۔ مثلاً گہرا زخم (جس سے ہڈی نظر آنے لگے) یا وہ زخم ایسا ہو جس کا) تاوان مقرر نہیں بلکہ) فیصلہ حاکم کے اختیار میں ہے مثلاً سر پھوڑ دینا (یا شگاف ڈال دینا) تو جرمانہ اور زوال عقل کا تاوان یا حاکم کی عائد کردہ سزا اور تاوان عقل دونوں سزائیں عائد ہوں گی اور اس کی سزا کو (ازالہ عقل کے) تاوان میں شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس جرم نے ایسی منفعت سے محروم کیا ہے جس کا تعلق محل جرم سے نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سر پر زخم لگنے سے قوت بصارت یا

Marfat.com

جاننا چاہیے کہ اگر قطع اعضاء کے جرم کی پاداش میں مجرم کو بھی اسی طرح کی سزائے قطع دینا ممکن ہو تو یہ عین عدل وانصاف ہے کہ ویسی ہی سزا دی جائے جیسا اس نے ارتکاب جرم کیا ہے۔ اگر (جرم وسزا میں یکسانیت) ممکن نہ ہو تو حاکم کو اختیار ہے کہ مجرم کو ایسی سزا دے جو آئندہ ارتکاب جرم سے اسے باز رکھے اور چونکہ یہ مسلمہ ہے کہ قصاص (یعنی جرم کا بدلہ اسی طرح کی سزا) مظلوم کا حق ہے لہٰذا اسے اختیار ہے کہ اگر حاکم کے خیال میں اس کے معاف کردینے سے کسی خرابی کا اندیشہ ہو تو حاکم مجاز ہے کہ قیام امن کی خاطر جو طریقہ چاہے اختیار کرے۔

سماعت جاتی رہے۔ یا کسی نے عقل کو نقصان پہنچانے کے علاوہ کوئی اور مستقل جرم بھی کیا۔ پس اگر کسی شخص کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے اور اس (کے صدمے) سے عقل کھو بیٹھا تو اس پر تین تاوان عائد ہوں گے اور اگر کسی مجنون کے ولی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس مجنون کی عقل مجرم نے زائل کی ہے اور مجرم اس سے انکار کرے اور کہے کہ یہ شخص پاگل بنا ہوا ہے تو اس کے عام اطوار سے حقیقت حال کا پتہ لگایا جائے۔ اگر اس کی اپنی زندگی میں اس کے اقوال وافعال سنجیدگی سے عاری ہوں تو مجرم پر تاوان عائد ہوگا اور اس کے لئے قسم کھلانا ضروری نہیں ہے لیکن یہ اس حالت میں ہے جبکہ اس شخص کا جنون ہمہ وقتی ہو اگر جنون کی کیفیت وقتی ہوتی ہو تو افاقہ کی حالت میں اس سے قسم لی جائے گی اگر اس کی باتوں اور کاموں میں سنجیدگی ہو تو مجرم سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ یہ ممکن ہے۔ کہ اتفاق سے اس نے سنجیدگی کا اظہار کردیا ہو یا عادۃً سنجیدہ کام اس سے سرزد ہوا ہو۔ تاہم ایسے شخص کے اطوار سے (اس کی دماغی کیفیت کا پتہ لگانے کے لئے) کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے بلکہ گمان غالب کے طور پر اس کا سچ یا جھوٹ معلوم ہوسکتا ہے۔ اور فتور عقل کے دعوے کی سماعت اس صورت میں ضروری ہے جبکہ جرم کی نوعیت ایسی ہو جس سے زوال عقل کا احتمال ہوسکے بصورت دیگر مدعی کے دعوے کو قابل سماعت نہ سمجھا جائے گا۔ جیسے موت کا ایک ہلکے سے جھٹکے سے واقع ہوجانے کا دعویٰ۔

اگر ارتکاب جرم سے سماعت جاتی رہے تو پورا تاوان عائد ہوگا جیسا کہ بیہقی کی روایت میں آیا ہے۔ ابن منذر کا کہنا ہے کہ اس پر اجماع ہے کیونکہ قوت سماعت ایک اعلیٰ درجہ کی حس ہے اور بینائی کی مانند ہے بلکہ بیشتر فقہاء کے نزدیک سماعت کو بصارت پر برتری حاصل ہے کیونکہ اس میں ادراک فہم اور شش جہات کا احساس ہوتا ہے اور (قوت سمع) روشنی اور تاریکی دونوں حالت میں کارآمد ہے۔ آنکھ سے تو صرف اس شے کا ادراک ہوتا ہے جو سامنے آجائے۔ اس کے لئے روشنی اور عکس درکار ہے لیکن متکلمین (دینی فلسفی) بصارت کو سماعت پر فوقیت دیتے ہیں کیونکہ سماعت صرف آواز کا ادراک کرتی ہے لیکن آنکھ جسامت، رنگت اور شکل وصورت کا ادراک کرتی ہے لہٰذا یہ اس سے زیادہ قابل قدر ہے۔

واضح ہو کہ تاوان عائد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قوت سماعت کے زائل ہوجانے کا ثبوت ہوجائے۔ اگر ماہرین کے خیال میں قوت سماعت کے پھر عود کرآنے کا امکان ہے۔ اور اس کے لئے اتنی طویل مدت رکھی گئی ہے جس میں (مجروح کا) زندہ رہنا بعید از قیاس نہ ہو تو اتنے عرصہ تک انتظار کرنا چاہیے اور اگر یہ بعید از قیاس ہو اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہ ہو تو تاوان فوری طور پر واجب الادا ہوگا۔ اگر ماہرین کہیں کہ سماعت کی صلاحیت تو بجائے خود باقی ہے لیکن یہ

Marfat.com

سننے کا راستہ بند ہو گیا ہے تو حاکم خود اس کا تصفیہ کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ سماعت کی صلاحیت موجود ہونے کا پتہ لگانے کے جو طریقے ہیں انہیں بروئے کار لانا چاہیے اگر ان طریقوں سے معلوم نہ ہو سکے تو مدعی کے دعوے کو تسلیم کرنا اور اسے رد کر دینا دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔

قوت سماعت کے باقی ہونے کی آزمائش اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس شخص کو احیاناً (غفلت کی حالت میں) آواز دی جائے۔ اگر وہ (چونک کر) جواب دے دے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سن رہا ہے اور اس صورت میں تاوان عائد نہ ہوگا۔

جناب ناطقی نے قاضی ابو حازم کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک عورت ان کی عدالت میں بہری بن گئی۔ قاضی صاحب اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے کاروبار عدالت میں مصروف ہو گئے اور اچانک اس کی طرف مڑ کر کہا ''اپنا ستر تو ڈھک'' وہ چونک پڑی اور جلدی سے اپنے کپڑوں کو سمیٹنے لگی' جس سے اس کا مکر کھل گیا۔

اگر ایک کان کی سماعت جاتی رہے۔ تو نصف تاوان عائد ہوگا۔ اگر دونوں کانوں کا ظاہر حصہ کاٹ دیا جائے تو تاوان عائد ہوگا۔ کیونکہ کان (انسانی) چہرے کے جمال کا باعث ہیں۔ اگر دونوں کانوں کے ساتھ سماعت بھی جاتی رہے تو دگنا تاوان عائد ہوگا کیونکہ آلہ سماعت بریدہ عضو (کان سے جداگانہ شے) ہے' لہٰذا (اس کا تاوان الگ ہوگا) ایک کو دوسرے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

اگر مجروح (جس کے ساتھ جرم کیا گیا) یہ دعویٰ کرے کہ اس کے دونوں کانوں کی سماعت جاتی رہی ہے اور مجرم کے جھٹلانے پر وہ بے قرار ہو کر سب کے سامنے چیخنے چلانے لگے تو اسے جھوٹا خیال کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ حرکت اس کی بناوٹ کی دلیل ہے۔ ایسی صورت میں مجرم کو حلف اٹھانا پڑے گا کہ اس شخص کی سماعت باقی ہے۔ کیونکہ یہاں احتمال ہے کہ مجروح نے جو اضطراب کا اظہار کیا ہے وہ قوت سمع کے زائل ہوئے بغیر (محض زخمی ہونے پر) کیا ہو۔ اگر چیخ پکار کر کے اس نے اضطراب کا اظہار نہیں کیا تو اس کا دعویٰ درست مانا جائے گا اور مجرم پر تاوان لاگو ہوگا۔

اگر سماعت میں نقص ہو جائے اور یہ پتہ چل سکے کہ یہ نقصان کس قدر ہے تو اسی قدر تاوان کا حصہ کم لاگو ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر آواز ایک خاص فاصلہ سے سنی جا سکتی ہے اور وہ شخص اس کے نصف فاصلہ سے سن سکتا ہے تو گویا آدھی قوت سماعت کا نقصان ہوا۔ فاصلہ (سماعت) کے اندازہ لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص اس سے بات کرے اور پھر اس سے دور ہوتا جائے یہاں تک کہ وہ کہے کہ اب مجھے سنائی نہیں دیتا' تب وہ کسی قدر اپنی آواز اور اونچی کر دے یہاں تک کہ وہ کہے کہ اب میں سن رہا ہوں اور یہ سمجھا جائے کہ وہ سچا ہے پھر اسی طرح کا عمل دوسری طرف سے کیا جائے اگر دونوں طرف سے یکساں فاصلوں پر وہی کیفیت ہو تو اس کے بیان کی صداقت ظاہر ہو جائے گی اور اگر یہ معلوم ہو کہ مجرم کے ارتکاب جرم سے پہلے وہ کس قدر فاصلے سے سن سکتا تھا تو موجودہ قوت سماعت سے اس کا فرق دیکھا جائے اور اسی نسبت سے تاوان عائد کرنا واجب ہے' یعنی اگر فاصلہ کا فرق نصف ہے تو اس کا تاوان لاگو ہوگا۔ اگر اس طرح فاصلہ کے موازنہ سے (نقصان سماعت کا پتہ چلانا) ممکن نہ ہو تو حاکم خود ہی نقصان کا اندازہ لگا کر اپنی رائے کے مطابق فیصلہ دے گا۔

اگر مظلوم قسم کھا کر بتائے کہ اس کی سماعت میں کس قدر فرق آیا ہے تو اس بات کو تسلیم کیا جائے گا' کیونکہ اس

Marfat.com

کے قول کے علاوہ اور کسی طرح سے (نقصان سماعت کا) علم نہیں ہو سکتا۔

اگر صرف ایک کان میں سماعت کی خرابی ہوئی ہے۔ تو اس کان کو بالکل بند کر کے دیکھا جائے کہ دوسرا کان کتنے فاصلے سے سن سکتا ہے۔ پھر دوسرے کان کو اس طرح بند کر کے دیکھا جائے کہ دونوں میں کس قدر فرق ہے۔ اسی فرق کے مطابق تاوان کا حصہ واجب الوصول ہوگا۔ یعنی اگر سننے والے (صحت مند) کان اور دوسرے (متاثرہ) کان میں نصف مسافت کا فرق ہے تو ایک چوتھائی دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اس طرح وہ مجروح ایک چوتھائی قوت سماعت سے محروم ہوا اور اگر ایک تہائی مسافت کا تفاوت ہے تو دیت کا چھٹا حصہ لاگو ہوگا وغیرہ۔

اگر (نقصان سماعت کا اندازہ) اس طریقہ سے نہ لگایا جاسکے تو حاکم اس کا منصفانہ فیصلہ خود کرے گا۔

ہر آنکھ کی بصارت زائل ہونے پر' خواہ وہ آنکھ چھوٹی ہو یا بڑی۔ تیز نظر والی ہو یا کم نظر والی۔ صحت مند ہو یا مریض۔ چندھی ہو یا بھینگی۔ جوان کی آنکھ ہو یا بوڑھے کی یا بچے کی اگر بینائی موجود تھی' نصف تاوان واجب ہوگا اور دونوں آنکھ کے تلف ہونے پر پوری دیت عائد ہوگی۔ کیونکہ انسان کی بینائی اس کی زندگی کے منافع مقصودہ میں سے ہے (یعنی آنکھ کے بغیر زندگی بیکار ہے) چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے جرم جراحت رسانی کے عوض جس میں عقل' طاقت گفتگو۔ سننے اور دیکھنے کی صلاحیت جاتی رہی تھی چار گنا تاوان کا فیصلہ فرمایا تھا۔ پس اگر مجروح انسان اپنی بصارت کے زائل ہو جانے کا دعویٰ کرے اور مجرم اس سے انکار کرے تو اس کی بابت دو معتبر ماہروں سے صداقت دعویٰ کی بابت دریافت کیا جائے گا اور غلطی سے یا شبہ عمد کے طور پر ایسا حادثہ واقع ہونے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں سے دریافت کرنا کافی ہوگا۔ یہ اصحاب اس شخص کو سورج کی روشنی میں کھڑا کر کے اس کی آنکھ کا معائنہ کر کے معلوم کریں گے کہ آیا پوری بینائی جاتی رہی یا باقی ہے۔ بخلاف قوت سمع کہ اس کی بابت لوگوں سے دریافت نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یا پھر بینائی کے موجود ہونے کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے قریب کوئی بچھو یا دہکتا لوہا وغیرہ اچانک آنکھ کے سامنے لایا جائے اور پھر دیکھیں کہ اسے دیکھ کر وہ شخص بے چین ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ گھبرا جائے تو مجرم کی بات اس کے قسم کھا کر کہنے پر مان لی جائے گی۔ ورنہ پھر مجروح کا قول اس کے قسم کھانے پر تسلیم کیا جائے گا۔

اگر مجروح کی آنکھ کی روشنی میں کمی آجائے تو اس کا حکم وہی ہے جو سماعت میں کمی آجانے کا ہے یعنی اگر معلوم ہو جائے کہ بینائی میں کس قدر نقص آیا ہے کہ وہ شخص پہلے جتنے فاصلہ سے کسی شے کو دیکھ لیتا تھا اب اس کو اس فاصلہ سے زیادہ دور سے نہیں دیکھ سکتا تو اسی حساب سے اس پر تاوان کا ایک حصہ لاگو ہوگا۔ بصورت دیگر حاکم عادل اپنی رائے سے فیصلہ کرے گا۔

اگر مجروح کی کسی آنکھ سے کم دکھائی دینے لگے تو اس آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور ایک شخص کو ایسی جگہ پر کھڑا کیا جائے جہاں سے وہ (اپنی صحت مند آنکھ سے) اسے دیکھ سکتا ہو اور پھر کہا جائے کہ وہ شخص پیچھے ہٹتا چلا جائے یہاں تک کہ وہ کہے کہ اب مجھے وہ شخص دکھائی نہیں دیتا۔ اس طرح معلوم ہو گیا کہ وہ کس قدر سے دیکھ سکتا ہے اب صحت مند آنکھ پر پٹی باندھی جائے اور مریض کی آنکھ کو کھول دیا جائے اور اس شخص کو جسے کھڑا کیا گیا تھا قریب تر آنے کے لئے کہا جائے جب

Marfat.com

وہ اتنا قریب آجائے کہ وہ (مریض آنکھ سے) اسے دیکھ سکے تو دونوں فاصلوں کے لحاظ سے۔ تاوان کا حصہ مقرر کیا جائے کہ اگر وہ صحت مند آنکھ سے مثلاً دو سو گز کے فاصلہ سے اور مریض آنکھ سے ایک سو گز کے فاصلے سے دیکھ سکتا ہے تو (اس آنکھ کا) نصف تاوان واجب الادا ہوگا۔ البتہ اگر ماہرین یہ کہیں کہ دو سو گز کے فاصلہ سے کسی شے کو دیکھنے کیلئے اس بصارت کی دوگنی قوت درکار ہوتی ہے جو پہلے سو گز کے لئے درکار ہے' کیونکہ پہلا فاصلہ قریب کا ہے اور دوسرا دور کا تو اس بیمار آنکھ (کے نقصان کا) دو تہائی ہوگا۔ اگر بینائی کمزور ہوگئی تو نصف تاوان عائد ہوگا اگر آنکھ چندھی یا بھینگی ہوگئی یا رتوندھا پن آگیا یا نظر پتھرا گئی تو اس کی بابت حکومت اپنی رائے سے فیصلہ دے گی۔ اگر کسی کی آنکھ میں پھولا ہے لیکن بینائی میں نقص نہیں ہے تو اس آنکھ کے پھوڑنے پر نصف تاوان عائد ہوگا۔

ابن الصلاح سے ایک شخص کی بابت دریافت کیا گیا جس کی آنکھیں دکھتی تھیں کہ وہ ایک بدوی عورت کے پاس آیا جو علاج معالجہ کا دعویٰ کرتی تھی کہ اس کی آنکھ کا علاج کرے۔ اس عورت نے اس کی آنکھ میں ایسا سرمہ لگایا جس سے بینائی جاتی رہی اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ عورت ادائے تاوان کی ذمہ دار ہوگی؟ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ فی الواقع اس عورت کی دوا سے آنکھ جاتی رہی تو اس عورت کے عاقلہ (رشتہ داروں) پر تاوان عائد ہوگا۔ اگر اس کا کوئی صلبی رشتہ دار نہیں ہے تو بیت المال (سرکاری خزانہ) سے تاوان ادا کیا جائے اگر یہ ممکن نہ ہو تو عورت کے اپنے مال سے تاوان ادا کیا جائے۔ لیکن اگر اس دکھتی آنکھ والے نے خود ہی کہہ کر وہ دوا آنکھ میں ڈلوائی تو کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔ یہ وہی معاملہ ہے جو اس زمانہ میں بھی مریض اور طبیب کے درمیان پیش آتا رہتا ہے۔

اگر کسی نے ایک شخص کے سر پر ضرب لگا کر مجروح کے دونوں نرخروں سے سونگھنے کی قوت زائل کردی تو اس پر پورا تاوان عائد ہوگا۔ جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے جو عمرو بن حزم سے مروی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک کارآمد حس ہے۔ لہٰذا سماعت (زائل کرنے) کی طرح اس میں بھی پورا تاوان واجب ہوگا۔ اگر ایک نتھنے کی قوت شامہ زائل ہوئی ہے (دوسرا نتھنا کام کررہا ہے) تو نصف تاوان لاگو ہوگا۔ اگر سونگھنے کی قوت میں کمی آگئی ہے تو جس قدر کمی آئی ہے اس کی نسبت سے تاوان عائد ہوگا بشرطیکہ کمی کی مقدار کا تعین ممکن ہو اگر ممکن نہ ہو تو حکومت خود اس کا فیصلہ کردے۔

اگر مجرم مجروح کی قوت شامہ کے ضائع ہونے سے انکار کرے تو مجروح کی بے خبری میں تیز بو پھیلا کر اس کے سونگھنے کی قوت کا امتحان لیا جائے۔ اگر خوشبو سے بشاشت کا اور بدبو سے بیزاری کا اظہار کرے تو مجرم سے اس کے (دعویٰ کے ثبوت کی خاطر) قسم لی جائے۔ تاکہ اس شخص کا جھوٹا ہونا ثابت ہو ایسی صورت میں وہ تاوان کا حقدار نہ ہوگا اگر وہ شخص خوشبو سے بشاشت کا اور بدبو سے بیزاری کا اظہار نہ کرے تو اس سے قسم لی جائے تاکہ اس کے بیان کی صداقت ظاہر ہو۔ باوجود اس کے یہ بات اس کے سوا اور کسی سے نہیں معلوم ہوسکتی۔ قوت ذائقہ سے مراد زبان کی وہ صلاحیت ہے جس سے کھانے کا مزہ معلوم ہوتا ہے اگر اسے زائل کردیا جائے تو مجرم پر پورا تاوان عائد ہوگا کیونکہ (ذائقہ) بھی منجملہ حواس خمسہ کے ہے اور قوت شامہ کی مانند ہے۔ اس قوت ذائقہ کا مرکز متعین کرنے کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ حلق کا کوئی گوشہ ہے۔ یا زبان ہے؟ بیشتر اہل علم ثانی الذکر خیال کے حامی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہی مشہور ہے اور حکماء کا خیال بھی یہی ہے۔ تاہم وہ کہتے ہیں کہ یہ قوت (شامہ) زبان کے لوتھڑے پر پھیلے ہوئے اعصاب سے ابھرتی ہے اور لعاب دہن

Marfat.com

کے ساتھ مخلوط ہو کر غذا کو ان پٹھوں تک پہنچاتی ہے۔ اہل سنت کا کہنا ہے کہ یہ حس بھی مشیت الٰہی ہے۔ یعنی اس اختلاط مذکورہ کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ پس یہ حس بھی زبان میں ایسی ہی ہے جیسے بولنے کی قوت۔ لہٰذا اس کے تلف کرنے پر (زبان کے تاوانوں میں سے) ایک تاوان زبان عائد ہوگا۔ کیونکہ زبان کی قوت ذائقہ میں، مٹھاس، کھٹاس، تلخی، نمکینی اور خوشگواریت کا احساس شامل ہے لہٰذا زبان کے پورے تاوان کو ان تمام احساسات پر تقسیم کیا جائے اگر ان میں سے زبان کی کوئی حس زائل ہو جائے تو زبان کے پورے تاوان کا پانچواں حصہ لاگو ہوگا۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اگر ان میں کسی حس میں کمی ہو جائے اور اس کمی کی مقدار کا اندازہ لگایا جا سکے مثلاً ان پانچوں قسم کا ادراک تو زبان سے ہوتا ہو لیکن پورے طور پر نہ ہوتا ہو اس خرابی کے پیدا ہونے پر حکومت منصفانہ فیصلہ کرے گی۔ غرض قوت حس میں نقصان یا کمی کی مختلف حالتیں ہیں اگر اس خرابی کی مقدار متعین ہو سکے تو اسی کے مطابق تاوان کا حصہ مقرر کیا جائے۔

اگر مجرم اور مجروح ذائقہ کی قوت ادارک زائل ہونے کے بارے میں اختلاف کریں تو سخت کڑوی شے یا ایسی ہی سخت کھٹی شے سے جو بالعموم ناگوار ہو اس کا امتحان کیا جائے اگر مجروح شخص یہ بیان کرے کہ پورے طور پر اس نے محسوس نہیں کیا۔ تو اس کی قسم کھا لینے پر اس کا بیان تسلیم کر لیا جائے۔ اگر وہ اس (کے ذائقہ) سے تکلیف یا ناگوار ہونے کا احساس کرے تو مجرم کی قسم پر اس کی بات مانی جائے گی۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر چبانے کی قوت زائل ہو جائے مثلاً دانتوں کو نقصان پہنچا کر اسے سن (یا ناکارہ) بنا دیا جائے اور وہ چبانے یا چلنے کے قابل نہ رہے اور مسوڑھے کام نہ کریں تو تاوان واجب ہوگا۔ کیونکہ دانت کا عظیم فائدہ یہی ہے جس کے اتلاف پر دیت لازم ہے۔ دانت کا یہ فائدہ ایسا ہی ہے جیسے آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت اور ہاتھ میں پکڑنے کی قوت۔

ریڑھ کی ہڈی کو توڑ کر مادۂ تولید کے ختم کر دینے پر بھی تاوان واجب ہوگا کیونکہ اس سے مقصد تناسل فوت ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کسی جرم کے ارتکاب سے عورت کے پستان کا دودھ بند ہو جائے۔ اس جرم کا فیصلہ حکومت کا کام ہے۔ کیونکہ پستان کا دودھ تو یوں بھی (بغیر کسی کی زیادتی کے) بند ہو جاتا اور یا ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم کہتے ہیں کہ اس پر بھی پورا تاوان عائد ہوگا۔

فطرت انسانی میں مادہ منویہ کی صلاحیت کا ہونا مردانگی کے لیے ایک لازمی وصف ہے اور مادۂ تولید کا زائل ہو جانا انسان کی تہذیبی اور باطنی خوبیوں کی موت ہے۔ لہٰذا اس (کے اتلاف) پر تاوان واجب ہوگا۔

اسی طرح عورت کی صلاحیت حمل کے ضائع کر دینے پر جس سے نسل ختم ہو جاتی ہے تاوان واجب ہوگا اور چونکہ اس سے سلسلۂ تناسل منقطع ہو جاتا ہے اس لیے پوری دیت واجب الادا ہوگی۔

اور مرد کی حمل رکھوانے کی قوت زائل کرنے پر بھی تاوان واجب ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ مرد کی صلبی ہڈی توڑ دی جائے جس سے اس کا مادۂ منویہ فاسد اور ناقابل استقرار حمل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس حالت میں بھی دیت واجب ہوگی جبکہ ریڑھ کی ہڈی پر مجرمانہ زیادتی کی جائے کہ جماع کرنے کی صلاحیت جاتی رہے۔ گو مادہ منویہ اور آلۂ تناسل باقی ہو لیکن لذت مباشرت ختم ہو جائے۔ کیونکہ یہ صلاحیت بھی انسانی منافع مقصودہ میں سے ہے۔ اس کے بارے میں خلفائے

Marfat.com

راشدین کی روایت موجود ہے۔

اگر ریڑھ کی ختم ہڈی پر ایسی شدید ضرب لگائی کہ مرد کے عضو مخصوص کی قوت استادگی جاتی رہی تو دیت لاگو ہو گی۔ لیکن اس کے تاوان میں ریڑھ کی ہڈی کے نقصان کا تاوان شامل نہ ہوگا، اگرچہ یہ قوت اس میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر ریڑھ کی ہڈی شکستہ ہوئی اور عضو مخصوص کی قوت استادگی بھی جاتی رہی تو مجرم پر دو تاوان عائد ہوں گے کیونکہ یہ دونوں جرم ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اگر مجرمانہ حرکت سے کسی عورت کی شرمگاہ میں افضا کا عیب پیدا کر دیا تو پورا تاوان عائد ہوگا۔ خواہ یہ جرم عمد ہو یا شبہ عمد یا مجامعت میں بدعنوانی سے یا غلطی سے سرزد ہوا ہو یا کسی اور طرح سے ہوا ہو اور خواہ یہ حرکت خاوند سے سرزد ہوئی یا کسی غیر شخص سے، کیونکہ اس سے مباشرت کی غرض جاتی رہتی ہے یا اس میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے سلسلہ تناسل منقطع ہو جاتا ہے اور عورت بانجھ (یعنی ناقابل استقرار حمل) ہو جاتی ہے۔ اس عیب (افضا) کے بعد نطفہ اس جگہ قرار نہیں پکڑتا جہاں اس کی نشوونما ہو سکے کیونکہ اس عیب سے مادہ تولید پیشاب کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے۔ پس یہ جرم ایسا ہی ہے جیسے کسی مرد کا آلہ تناسل قطع کر دیا جائے۔

افضا ایک پردہ کا نام ہے جو عضو مخصوص کے شرمگاہ میں داخل ہونے اور رفع مادۂ اجابت کی راہوں میں ایک پردہ ہے جس سے جماع اور رفع حاجت کے راستے (جو الگ الگ ہیں) افضا کے پھٹ جانے سے ایک ہو جاتے ہیں۔ اس سے اندام نہانی کا مقصد کلیتہً فوت ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 'افضا' (بمعنی توسیع) سے یہ مراد ہے کہ جماع اور پیشاب کی راہوں میں جو پردہ ہے وہ پھٹ جائے اور دونوں راہیں ایک ہو جائیں۔ واضح ہو کہ آگے اور پیچھے کی دونوں راہوں کے درمیان ایک مضبوط پردہ ہے جو عضو مخصوص سے نہیں ہٹتا کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک ہڈی ہوتی ہے جسے وہ توڑ نہیں سکتا۔

مالکیہ کہتے کہ (عورت کا عیب) افضا میں مبتلا کرنے کے جرم کا فیصلہ حکومت کرے گی جس کا طریقہ یہ ہے کہ عقد ازدواج کے وقت عورت کے حق کو دیکھا جائے کہ اگر وہ عورت 'غیر مفضاۃ' ہے (یعنی اس میں افضا کا عیب نہیں ہے) تو اس کا حق مہر کس قدر ہے اور اگر اس میں یہ عیب ہے تو اس کا مہر کس قدر ہے؟ ان دونوں میں جو فرق حق مہر کا ہو اس قدر تاوان مجرم پر عائد ہوگا۔ اگر یہ حرکت خاوند سے سرزد ہوئی تو اس جرم کو جرم خطا سے تعبیر کیا جائے گا۔ کیونکہ شریعت نے بہر طور مجامعت کی اجازت دی ہے۔ اگر یہ عیب حق مہر کی ایک تہائی مقدار تک ہو تو مجرم کے عاقلہ پر واجب الادا ہوگا۔ بصورت دیگر مجرم کے اپنے مال سے تاوان وصول کیا جائے گا اور اس جرم 'افضا' کا تاوان مہر میں شمار نہ ہوگا بلکہ یہ مہر کے علاوہ حکماً خاوند پر لاگو ہوگا۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جب کہ کوئی اور شخص ناجائز طور پر کسی عورت کے ساتھ یہ جرم کرے۔ خاوند کا بکارت کو توڑنا یا کسی اور شخص کا اس میں مرتکب ہونا ایک جداگانہ مسئلہ ہے یعنی بکارت کے زائل کرنے پر مہر کے علاوہ اور کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ ازالہ بکارت کے بغیر مجامعت ممکن نہیں ہے۔ یہ امر جماع کے لوازمات میں سے ہے۔ 'افضا' کا ارتکاب اس سے مختلف امر ہے شرعاً اس کی ممانعت ہے تاہم اگر کسی نے بکارت کو انگلی ڈال کر توڑا تو حکومت اس حرکت کو معاوضہ مہر میں شامل نہیں کرے گی۔ خواہ یہ حرکت خاوند نے کی ہو یا کسی اور نے اگر کوئی شخص ایسی حرکت کرے

Marfat.com

تو حکومت اسے جرم قرار دے گی۔ اگر چہ اس نے مجامعت نہ کی ہو۔ لیکن اگر مجامعت کرلے اور اس کا مہر ادا کیا ہو تو یہ فعل مہر کے تحت آئے گا۔ اگر خاوند مجامعت سے پہلے انگلی سے بکارت توڑے اور اسے طلاق دے دے تو اس بکارت توڑنے کا جرمانہ اور نصف مہر عائد ہوگا۔ ہاں اگر اس حرکت کے بعد اس سے مباشرت بھی کرلی تو یہ فعل معاوضہ مہر میں شامل ہو جائے گا یعنی اگر اسے اپنی بیوی بنا کر رکھے تو اس پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔ تاہم انگلی سے بکارت کو توڑنا جرم ہے اور خاوند کو اس پر سرزنش کی جائے۔

یہ اصحاب (فقہاء) کہتے ہیں اگر کسی نے ایک شخص کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کی جس سے اس شخص کے بدن میں 'جذام' (کوڑھ) کا مرض پیدا ہوگیا۔ یہ مرض انسان کے عضو کو گلا دیتا ہے۔ یا ایسی حرکت ہو جس سے تبریص یعنی برص (پھل بہری) جیسا مرض لاحق ہو جائے یا وہ شخص سیاہ جثہ نہ ہو لیکن اس حرکت کے بعد اس کا بدن سیاہ ہو جائے۔ یا اس کے بدن پر سیاہ۔ سفید دھبے پڑ جائیں، ان تمام صورتوں میں مکمل تاوان واجب ہوگا، کیونکہ اس حرکت کے باعث وہ شخص صاحب جمال و کمال ہونے سے محروم ہو جائے گا۔ پس اگر جراحت رسانی کے ایک جرم سے کسی کا جسم سیاہ پڑ جائے یا اسے جذام لاحق ہو جائے تو مجرم پر دگنی دیت عائد ہوگی۔ کیونکہ یہ دونوں خرابیاں جدا جدا حیثیت رکھتی ہیں۔

کان کے دونوں اعضائے ظاہر کے کاٹ دینے کا بیان

دونوں کان کاٹ دیئے جانے پر دیت واجب ہوگی بشرطیکہ قوت سماعت بحال ہو۔ لیکن اس جرم کی منصفانہ سزا حکومت دے گی۔

ائمہ ثلاثہ (یعنی ابوحنیفہؒ کے سوا باقی فقہاء) کہتے ہیں کہ دونوں کان کاٹ دینے پر پوری دیت اور ایک کان کاٹنے پر نصف دیت لاگو ہوگی۔ کیونکہ اس سے چہرہ کی خوش نمائی فوت ہو جاتی ہے اور قوت سماعت پر سنساہٹ بڑھ جاتی ہے۔

کانے کی آنکھ پھوڑ دینے کا بیان

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کانے کی صحت مند آنکھ پھوڑ دی جائے یا اس کی بصارت زائل کر دی جائے تو پورا تاوان ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ضائع شدہ آنکھ کی بصارت بھی صحت مند آنکھ میں آجاتی ہے اور یہ بھی ہے کہ کانے کی ایک آنکھ اور ہر دو یکساں اعضاء میں سے ایک عضو کے درمیان فرق یہ ہے کہ ایک آنکھ بھی بینائی کے مقصد عظیم کو پورا کرنے میں رتبہ میں دو آنکھوں کے برابر ہوتی ہے اور یہ اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کانے کی آنکھ پھوڑ دی جائے تو نصف تاوان عائد ہوگا۔ جیسا کہ ایک ہاتھ یا ایک پاؤں اور دوسرے دوہرے اعضاء کے کاٹنے میں ہوتا ہے۔

سر، داڑھی اور ابرو کے بال کاٹ دینے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر داڑھی اور سر کے بال کو اس طرح اتار دیا جائے کہ آمیزہ بال نہ نکل سکیں تو ان میں سے ہر ایک پر تاوان واجب ہوگا۔ کیونکہ اس سے جو خوش نمائی ہوتی ہے وہ جاتی رہے گی۔ لیکن اگر انسان کے سر کے بال اس طرح

Marfat.com

مونڈ دیئے جائیں کہ وہ پھر نکلنے کے قابل نہ رہیں یا ڈاڑھی کو اسی طرح مونڈا جائے تو فوری طور پر تاوان کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ دوبارہ بال نکل آنے کا انتظار ایک سال تک کیا جائے اگر وہ شخص جس پر یہ زیادتی کی گئی ہے اس سے پہلے ہی وفات پا جائے اور بال بالکل نہ نکلے ہوں تو مجرم پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو بال نکل آتے تو اس صورت میں دیت کی بجائے حکومت کوئی فیصلہ کرے گی۔ اس میں مرد عورت یا چھوٹے بڑے سب کا یکساں حکم ہے۔ کیونکہ مرد کے لیے داڑھی کے بال کا اپنے وقت پر نکل آنا خوش نمائی کا موجب ہے اور اسے مونڈ دینے سے انسان کا جمال اور کمال فوت ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرشتے یہ ورد کرتے ہیں کہ "سبحان من زين الرجال باللحى، والنساء بالزوائب" (یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے اور عورتوں کو زلفوں سے آراستہ کیا) پس اس کے تلف کرنے پر تاوان واجب ہوگا۔ عورت کے سر کے بال کا بھی یہی حال ہے کہ بال اس کے سنگھار اور زینت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور مردوں کے لیے بھی زیب و زینت کا موجب ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کے سر کا بال مونڈ دیا جائے یا اس کے سر کے بال خود ہی جھڑ جائیں یا گنجا ہو جائے تو یہ اسے ناگوار ہوتا ہے اور اسے اپنا سر ڈھک کر رکھنا پڑتا ہے۔ لوگوں کے سامنے سر کو کھولنے سے شرماتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اس کے حسن و خوبی اور وجود میں نقص ہے بعض اہل عرب بال کی لڑیاں بنا کر لٹکا رکھتے ہیں۔ سینے اور پنڈلی کے بال اس سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان بالوں سے کوئی زیب و زینت نہیں ہوتی۔

مونچھوں کے بال مونڈنے کی سزا کا فیصلہ حکومت کرے گی، کیونکہ یہ بھی ڈاڑھی کی مانند اور اسی کا ایک حصہ ہے۔ لیکن غلام کی ڈاڑھی مونڈنے پر اس کی قیمت پوری کرنا ہوگی کیونکہ غلام کا مقصد تو محض اس سے خدمت لینا ہے زیب و زینت پیش نظر نہیں ہے۔ بخلاف آزاد شخص کی ڈاڑھی کے (کہ وہ موجب زیب و زینت ہے)۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ چگی ڈاڑھی والا جس کی ٹھوڑی پر محدودے چند بال ہوں۔ ان کو اگر مونڈ دیا جائے تو اس پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کا ہونا برا معلوم ہوتا ہے۔ خوش نمائی نہیں ہے۔ اگر بال زیادہ ہوں اور تمام چہرے اور ٹھوڑی پر ہوں گو وہ چھدرے ہوں تو ان کے مونڈ دینے پر سزا کا فیصلہ حکومت کرے گی۔ کیونکہ (گو اس سے پورے طور پر خوش نمائی نہیں ہے تاہم) کسی قدر جمال ہے۔ ہاں اگر بال گھنیرے ہوں تو ان کے ضائع کرنے پر پوری ڈاڑھی کے تاوان کی طرح پورا تاوان عائد ہوگا۔ کیونکہ اسے چگی ڈاڑھی نہیں کہا جائے گا بلکہ مردانہ جمال کا موجب ہے۔ واضح ہو کہ یہ (دیت) اس حالت میں ہے جب کہ بال اگنے کی سطح کو اس طرح خراب کر دیا جائے کہ وہاں دوبارہ بال نہ نکل سکیں۔ اگر دوبارہ بال نکل آئیں اور پہلے کی طرح تمام پھیل جائیں تو اس جرم پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ جرم کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ البتہ اس فعل ناجائز کے ارتکاب پر مجرم قابل تادیب ہے۔ اگر بال (دوبارہ سفید نکلیں اور معاملہ آزاد شخص کا ہے تو مجرم پر کچھ عائد نہ ہوگا کیونکہ سفید بال باعث زیادتی جمال ہے۔ لیکن اگر یہ کسی غلام کا معاملہ ہے تو اس جرم کا فیصلہ حکومت کرے گی۔ کیونکہ سفید ریش غلام کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور صاحبین بھی یہی کہتے ہیں لیکن اس لیے کہ اگر بے وقت (سفید بال) نکل آئیں تو یہ عیب ہے خوبی نہیں ہے۔ اس قسم کی زیادتی دانستہ ہو یا غلطی سے دونوں حالت میں یکساں جرم ہے۔ چنانچہ جس طرح غلطی سے سر اور ڈاڑھی کے بال مونڈ دینے سے تاوان واجب ہوتا ہے اسی طرح قصداً بھی یہ جرم کیا

Marfat.com

جائے تو تاوان واجب ہوگا۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ دونوں ابروؤں کے بال کاٹ دینے پر بھی دیت واجب ہوگی اور ایک ابرو پر نصف دیت ہوگی۔ (وجوب دیت کا سبب یہ ہے) کہ اس کے کاٹنے سے چہرہ کی خوش نمائی جاتی رہتی ہے۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر سر اور ڈاڑھی کے بال مونڈ دیئے گئے تو اس جرم کا منصفانہ فیصلہ حکومت کرے گی۔ کیونکہ یہ (بال) انسانی وجود کی فالتو شے ہے۔ چنانچہ لوگ خود اپنا سر منڈا دیتے ہیں اور بعض علاقوں میں کچھ اشخاص ڈاڑھی بھی منڈاتے ہیں، لہٰذا اس کی حیثیت سینے اور پنڈلی کے بال کی مانند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر غلام کے (چہرے پر) بال ہوں تو اس کی قیمت بالاتفاق کم ہو جاتی ہے۔ یہ اصحاب کہتے ہیں کہ ابرو کے بال کاٹنے پر حکومت مناسب فیصلہ کرے گی خواہ ایک ابرو کے بال ہوں یا زیادہ کے کیونکہ یہ باعث جمال ہیں۔ اب یہ بالوں کا زائل کرنا خواہ عمداً ہو یا غلطی سے۔ یہی حکم برنیوں کا ہے یعنی وہ بال جو پلکوں کے کنارے پر ہوتے ہیں ان کے ضائع کرنے کی سزا کا فیصلہ حکومت کرے گی۔ جب کہ وہ دوبارہ پیدا نہ ہوں۔ تاہم اگر دانستہ جرم کیا گیا ہے تو دوبارہ بال کے نکل آنے پر بھی سزا ہوگی۔ ہاں اگر غلطی سے وہ ضائع ہوئے ہیں تو کوئی تاوان نہ ہوگا۔

دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کی دیت کا بیان

چاروں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں ہاتھوں کے نقصان پر پوری دیت واجب ہوگی۔ اسی طرح دونوں پاؤں، دونوں لبوں یا دونوں فوطوں کے کاٹنے، جدا کر دینے یا کچل دینے پر بھی پورا تاوان لاگو ہوگا۔ اور ان سے کسی ایک کو تلف کیا جائے تو نصف تاوان عائد ہوگا۔ خصیوں کے ساتھ عضو مخصوص کاٹ دینے پر دوہرا تاوان ہوگا۔ حضرت سعید بن مسیب کی روایت کردہ حدیث میں یہی آیا ہے کیونکہ ان دوہرے اعضاء میں سے اگر دونوں کو تلف کر دیا جائے تو ان سے جو فائدہ ہے وہ کلیۃً مفقود ہو جاتا ہے اور دونوں کے ہونے میں جو خوشنمائی ہے وہ کامل طور پر جاتی رہتی ہے۔ لہٰذا دونوں کے اتلاف پر پوری دیت اور ایک کے ضائع کرنے پر نصف دیت لاگو ہوگی۔

عورت کی دونوں چھاتیوں کے کاٹنے پر پوری دیت عائد ہوگی کیونکہ اس سے اس کا تمام جمال ختم ہو جائے گا۔ یہ تاوان اس صورت میں عائد ہوگا جبکہ خواہ دودھ کا نکلنا بند ہو جائے یا بند نہ ہو اور خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی۔ بخلاف مرد کی چھاتی کے کہ اس کے (اتلاف کے) جرم کا عادلانہ فیصلہ حکومت کرے گی۔ کیونکہ اس سے نہ تو کوئی غرض فوت ہوتی ہے اور نہ جمال جاتا ہے اور بھٹنیوں (سرپستان) کے کاٹنے سے بھی مجرم پر پوری دیت عائد ہوگی بشرطیکہ اس سے دودھ کا اخراج ختم ہو جائے۔ اگر (بند نہ ہو) بلکہ دودھ خراب ہو جائے تو یہ بند ہو جانے کی مانند ہے۔ اس صورت میں جو تاوان عائد ہوگا وہ دودھ کے موقوف ہو جانے اور دودھ پلانے کا مقصد فوت ہو جانے کا تاوان متصور ہوگا۔ نیز کہا جاتا ہے کہ یہ تاوان دودھ کے بند ہو جانے کا ہے۔ سرپستان کے کاٹنے کا تاوان نہیں ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر (کسی ارتکاب جرم کے نتیجہ میں) دودھ کا نکلنا بند ہو جائے گو (سرپستان کو) کاٹا نہ گیا ہو تب بھی دیت عائد ہوگی۔ اگر جراحت رسانی سے دودھ بند نہ ہوا تو اس کی سزا کا منصفانہ فیصلہ حکومت کرے گی۔ اگر کمسن لڑکی کی بھٹنیاں کاٹ دی جائیں تو اس کے بعد ایام یاس (یعنی وہ وقت جبکہ چھاتیوں میں دودھ نہیں آتا) آجانے تک انتظار کیا جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے۔ ایام یاس

Marfat.com

کے آنے تک (اگر دودھ نہ اترے) تو مجرم پر پورا تاوان عائد ہوگا اگر بدوران انتظار دودھ اتر آئے تو دونوں بھٹنیوں کے بارے میں سزا کا فیصلہ حکومت کرے گی۔ اگر ایک بھٹنی کٹی ہے تو نصف تاوان عائد ہوگا۔

آنکھ کی پلک اور برنیوں کے متعلقہ جرائم کا بیان

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ دونوں آنکھوں کی ہر پلک کے کاٹنے والے مجرم پر ایک چوتھائی تاوان عائد ہوگا۔ پلک پوستین کا وہ پردہ ہے جو آنکھ کو ڈھکتا ہے۔ خواہ یہ پردہ (پلک) بالائی ہو یا زیریں۔ اگر مجرم نے چاروں پلکیں کاٹ دی ہیں تو پورا تاوان عائد ہوگا خواہ مظلوم نابینا ہو یا برنیاں (پلک کے بال) نہ ہوں کیونکہ پلکوں سے جمال بھی ہے اور وہ کارآمد بھی ہیں دوسرے اعضائے بدن کے مقابلہ میں اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی تعداد چار ہے۔ پلکوں کے تلف کرنے کے جرم کا جو فیصلہ ہوا اس میں برنیوں کا جرم بھی شامل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ صرف برنیوں کو کاٹا گیا ہو اور دوسری بار پیدا ہونے کے قابل نہ رہی ہوں۔ (اس صورت میں) دوسرے بالوں کے متعلقہ جرائم کی طرح اس جرم کا فیصلہ بھی حکومت کرے گی بشرطیکہ بال دوبارہ نکلنے کے قابل نہ رہیں کیونکہ ان بالوں کے کٹ جانے سے (چہرہ کی) زیب و زینت جاتی رہتی ہے یہ اصل مقصد (بینائی وغیرہ) کے فوت ہونے کی سزا نہیں ہے۔ بصورت دیگر مجرم پر تعزیر عائد ہوگی۔ اگر سوکھی ہوئی پلک کو کاٹا تو اس کا فیصلہ حکومت کرے گی۔ اگر پلک کے سکیڑنے یا (خشک کردینے) کا جرم کیا تو اس پر ایک چوتھائی دیت عائد ہوگی۔ ایک پلک کا کچھ حصہ تلف کرنے پر ایک چوتھائی تاوان کا اسی قدر حصہ عائد ہوگا۔ اگر ایک حصہ کاٹنے سے باقی حصہ بھی سکڑ جائے تب بھی پورا تاوان عائد نہ ہوگا۔ اگر جرم کے نتیجہ میں چاروں پلکیں اور دونوں آنکھیں تلف ہوگئیں تو دوہرا تاوان عائد ہوگا جیسا کہ عمرو بن حزم کی روایت میں آیا ہے بالخصوص اس لیے بھی کہ آنکھ (کی بینائی) کا فائدہ تمام اعضائے انسانی میں سب سے بڑا فائدہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں پلکوں کی جڑ عمداً یا غلطی سے کاٹ دی تو اس کا تاوان واجب الاداء ہوگا۔ ایک پلک کی جڑ کاٹ دی تو چوتھائی دیت عائد ہوگی پلک کی جڑ سے مراد مجازی طور پر برنیاں (پلک کے بال) ہیں۔

ان اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ پلک کی جڑ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر بال اگتے ہیں۔ یعنی دونوں آنکھوں کے کنارے اور ان کی نوکیں، آنکھوں کے پردوں کو جس میں بال ہوتے ہیں 'پلک' کہا جاتا ہے اور جبکہ چاروں (پلکوں) پر تعدی ہوئی ہو تو پورا تاوان عائد ہوتا ہے لہٰذا اگر ایک پر ہو تو چوتھائی تاوان ہوگا۔ اگر پلک کی جڑ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں بال پیدا ہوتے ہیں تب بھی اس کا یہی حکم ہے۔ اگر پلکوں کو ابروؤں سمیت کاٹ دیا تو اس کا ایک تاوان ہوگا کیونکہ وہ ایک ہی عضو ہے، جیسے اونٹنی کے کان کا تراشہ (یا کھال مع بال)۔

انگلی وغیرہ کاٹ دینے کا بیان

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں سے کوئی ایک انگلی اگر کوئی شخص غلطی سے کاٹ دے تو اس پر کامل دیت کا دسواں حصہ عائد ہوگا۔ انگلی خواہ انگوٹھا ہو یا چھنگلی، مرد کی ہو یا عورت کی یا چھوٹے کی ہو یا بڑے کی یا مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ (تاوان کا) اونٹ چار یا پانچ سال کا ہونا چاہیے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "فی کل اصبع عشر من الابل" (یعنی ہر انگلی کا تاوان دس اونٹ ہے) (ہاتھ کی) تمام انگلیوں کے تلف کرنے کا پورا تاوان ایک سو

Marfat.com

اونٹ ہے لہٰذا اس تاوان کو تمام انگلیوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ (تاوان کے بارے میں) تمام انگلیاں یکساں حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ حدیث کا مفہوم عام ہے، پھر یہ بھی ہے کہ کارآمد ہونے کے لحاظ سے تمام انگلیں یکساں ہیں۔ ان میں سے ایک کو دوسری پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ اسی طرح دائیں اور بائیں ہاتھ (کی انگلیوں) میں باہم کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی حال پیر کی انگلیوں کا ہے کہ اگر ساری انگلیوں کاٹ دی جائیں تو چلنے پھرنے کی تمام سہولت جاتی رہے گی۔ لہٰذا پورا تاوان عائد ہوگا اور چونکہ دونوں پیروں میں دس انگلیاں ہیں لہٰذا تاوان کو دس حصوں میں تقسیم کردیا جائے گا اور ہر انگلی کے نقصان پر تاوان کا دسواں حصہ عائد ہوگا اور یہ تاوان ہر انگلی کے تین پوروں کے عوض ہے۔ تین پوروں میں سے ہر پور کے عوض ایک تہائی تاوان عائد ہوگا۔ ہاں اگر انگلی میں دو پور ہوں تو ہر ایک پور کے عوض انگلی کا نصف تاوان ہوگا۔ دیت کی یہ تقسیم ایسی ہی ہے جیسے ہاتھ کی دیت کو انگلیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، لہٰذا انگلی کے ہر جوڑ کے عوض تین اونٹ اور ایک تہائی اونٹ (یعنی ۳/۱۰) تاوان ہوگا، ہاتھ کے انگوٹھے اور پیر کی انگلیوں کے علاوہ (کہ ان میں دو پوریں ہوتی ہیں) ان کے ہر پور کے عوض نصف تاوان یعنی پانچ اونٹ یا پچاس (۵۰) دینار تاوان واجب ہوگا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ ہر دانت کے عوض پانچ اونٹ تاوان واجب ہوگا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو ابوموسیٰ اشعری کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ ''وفی کل سن خمس من الابل'' (یعنی ہر دانت کا تاوان پانچ اونٹ ہے) دانت میں داڑھیں اور کچلیاں سب شامل ہیں کیونکہ حدیث لفظ 'سن' (دانت) مطلق آیا یہ لفظ اسم جنس ہے جس میں تمام بہتر بتیس (۳۲) دانت شامل ہیں، پس اگر ایک شخص کو کسی نے نادانستہ ضرب پہنچائی جس سے اس کے تمام دانت اکھڑ گئے تو اس پر ایک پوری اور تین خمس دیت (تاوان) عائد ہوگا جس کی مقدار سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) درہم ہوتی ہے۔

انسان کے بدن میں دانت کے علاوہ کوئی عضو ایسا نہیں ہے جس کے تلف ہونے پر پورے تاوان سے زیادہ تاوان واجب ہوتا ہے۔ اب اگر عمداً کسی نے جراحت پہنچائی ہے تو بشرط ممکن مجرم پر قصاص عائد ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ دانت جڑ سے اکھڑ گئے ہوں یا صرف مسوڑے کے اندر چھپا ہوا حصہ باقی رہا ہو۔ یا دانت سفید ہوں اور جرم کے نتیجہ میں ان پر سیاہی آگئی ہو کیونکہ ایسی حالت میں دانت کا حسن جاتا رہتا ہے۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جبکہ دانت سیاہ ہو کہ جھڑ جائیں یا سفید دانت سرخ ہو جائیں یا پیلے پڑ جائیں اور یہ سرخ یا پیلا ہو جانا سیاہ ہو جانے کی طرح دانت کی خرابی شمار ہوتا ہے۔

آزاد مسلمان عورت کے دانت توڑ دیئے جائیں تو مجرم پر ڈھائی بعیر (کم سے کم چار سال کا شتر) تاوان عائد ہوگا اور ذمی کے دانت اکھاڑ دینے کا تاوان ایک بعیر اور دو تہائی بعیر ہے اور مجوسی (آتش پرست) کے دانت کا تاوان ایک تہائی بعیر ہوگا اور غلام کے دانت توڑ دینے کا تاوان ایک بعیر کی قیمت کا بیسواں حصہ، علیٰ ہذا القیاس۔

اگر کسی عضو کو جراحت پہنچانے سے وہ عضو ناکارہ ہو جائے تو مجرم پر پورا تاوان عائد ہوگا۔ (ناکارہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ) مثلاً زخم کے باعث ہاتھ شل (بے حرکت) ہو جائے یا آنکھ کی بینائی جاتی رہے۔ یہ تاوان اس عضو کی ہیئت بگاڑنے کا نہیں ہے بلکہ اسے بیکار بنا دینے کا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی پہلے ہی لنجا ہے اس کا (بے مصرف) ہاتھ کاٹ دیا تو اس پر تاوان عائد نہ ہوگا بلکہ حکومت عادلانہ فیصلہ کرے گی۔ یہ اس لیے ہے کہ (مثلاً ہاتھ کا مقصود وہ فائدہ ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے ہی خاطر خواہ فائدہ نہ تھا تو محض جمال کے فوت ہو جانے پر وہ جرم پورے طور پر

Marfat.com

مستوجب تاوان متصور نہ ہوگا۔ ہاں اگر اپاہج کا ہاتھ پورے طور پر کار آمد ہو تو قصاص یا دیت کے واجب ہونے کے بارے میں اس ہاتھ کو سالم کی مانند تصور کیا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے ضرب لگا کر کسی کی پیٹھ توڑ دی اور اسے کبڑا کر دیا تو مجرم پر پورا تاوان عائد ہوگا کیونکہ اس سے مکمل خوبی (کارکردگی) یعنی سیدھا کھڑے ہو جانے کی صلاحیت جاتی رہی۔ ہاں اگر یہ کبڑا پن زائل ہو جائے تو (تاوان) کچھ عائد نہ ہوگا کیونکہ تکلیف کا زائل ہو جانا جرم کے آثار میں سے نہیں ہے۔

عورت کے شفرین (یعنی پلہ ہائے اندام نہانی) کو جو ہڈی کے اوپر ہوتے ہیں، کے عوض عورت کا پورا تاوان عائد ہوگا درآنحالیکہ زخم ہڈی تک کھل جائے۔ اگر ہڈی نمایاں نہ ہو تو حکومت اس جرم کا مناسب فیصلہ کرے گی۔ دونوں شفرین میں سے اگر ایک متاثر ہوا ہے تو نصف دیت عائد ہوگی کیونکہ یہ عضو کار آمد بھی ہے اور باعث جمال بھی، اس سے مباشرت میں لذت حاصل ہوتی ہے اور پیشاب اور ادرار کے خون کو روکتا ہے اور نسوانی خوبی کی تکمیل اسی سے ہوتی ہے۔

اگر کسی شخص کے عضو مخصوص (آلہ تناسل) کو جس کا حشفہ (سر ذکر) پہلے ہی کٹا ہوا ہو، کاٹا جائے تو اس کا تصفیہ حکومت کرے گی۔ لیکن حشفہ (سر ذکر) کاٹنے پر پوری دیت عائد ہوگی۔ اگر کچھ حصہ کٹا ہے تو اسی نسبت سے تاوان عائد ہوگا۔ یعنی (عضو مخصوص کے) تاوان کا تعین حشفہ کے نقصان سے کیا جائے گا باقی عضو کے نقصان سے نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر حشفہ کا ایک چوتھائی کٹا تو اس کا تاوان ایک چوتھائی ہوگا۔ اسی طرح ایک تہائی کے نقصان پر ایک تہائی اور نصف پر آدھا تاوان عائد ہوگا، وعلی ہذا القیاس۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ جرم متعدد ہوں تو تاوان بھی متعدد ہوں گے چنانچہ اگر کسی کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے جس کے صدمے سے اس کی عقل بھی زائل ہوگئی تو مجرم پر دو تاوان عائد ہوں گے، ہاتھوں کے تلف کرنے کا تاوان اور عقل کے ضائع کرنے کا تاوان، اور اگر اس کی آنکھ بھی جاتی رہی تو مجرم پر تین تاوان لاگو ہوں گے۔ ایک تاوان ہاتھوں کا دوسرا عقل کا اور تیسرا بینائی کا کیونکہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود کار آمد اعضاء ہیں اور فائدہ ان کا تھا وہ ختم ہوگیا۔ وعلی ہذا القیاس۔ چنانچہ روایت ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجرم پر چار گنا تاوان عائد کرنے کا فیصلہ فرمایا کیونکہ اس کی ایک ضرب سے مضروب کی عقل جاتی رہی، بولنا بند ہوگیا، سننے اور دیکھنے سے محروم ہوگیا، لیکن زندگی رہ گئی اور اس نے چاروں تاوان وصول کیے۔ یہ حکم اعضائے انسانی کے احترام کے پیش نظر ہے۔

یہ اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ جبڑے کی ہڈی توڑ دینے پر بھی دیت واجب ہے کیونکہ یہ کار آمد ہے اور باعث جمال بھی۔ لہٰذا مجرم پر دیت عائد ہوگی۔ اگر ایک ہی جبڑا ٹوٹا ہے تو نصف دیت ہوگی۔ جیسے کان کی دیت ہوتی ہے۔ جبڑوں سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جن میں دانت لگے ہوتے ہیں، نچلا جبڑا ٹھوڑی کی ہڈی سے اور اوپر کا جبڑا سر کی ہڈی سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

جبڑوں کے ضائع کر دینے پر تاوان عائد ہونے کے بارے میں بعض علماء کو تامل ہے کیونکہ اس کے متعلق کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ کی نہیں آئی اور یہاں دوسری ہڈیوں پر قیاس کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جبڑے اندرونی ہڈیوں کی مانند

Marfat.com

ہیں جیسے ہنسلی اور پسلی کی ہڈیاں۔ پھر یہ بھی ہے کہ کلائی، بازو، پنڈلی اور ران کی ہڈی تلف کرنے پر تاوان نہیں ہوتا۔ البتہ زخم کے اثر کو پیش نظر رکھتے ہوئے مناسب سزا کا تصفیہ کیا جائے گا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ (جبڑے کی) دونوں ہڈیاں دوسری تمام ہڈیوں پر فوقیت رکھتی ہیں کیونکہ یہ چہرے کی ہڈیاں ہیں لہٰذا اس پر تاوان واجب ہوگا اور بقول صحیح جبڑے کے تلف کرنے کے تاوان میں دانتوں کے اتلاف کا تاوان شامل نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی حیثیت مستقل اعضاء کی ہے ان کا بدل مقررہ ہے اور ان کے مخصوص نام ہیں۔ لہٰذا ایک کے تاوان میں دوسرے کا تاوان شامل نہ ہوگا۔ یہ دونوں ایسے ہیں جیسے دانت اور زبان۔

کہا جاتا ہے کہ جبڑے کے تاوان میں دانت کا جرمانہ شامل ہے۔ جیسے انگلیوں کی دیت میں ہتھیلی کا تصفیہ شامل ہے۔ لیکن اس خیال کی تردید کی گئی ہے کیونکہ لفظ 'ہاتھ' کے مفہوم میں ہتھیلی اور انگلی شامل ہیں لیکن لفظ 'جبڑا' کے مفہوم میں دانت داخل نہیں ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ 'جبڑا' وہ عضو ہے جو دانت سے پہلے معرض وجود میں آتا ہے۔ جیسا کہ بچہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ بخلاف ہتھیلی اور انگلی کے (کہ وہ سب ایک ساتھ پیدا ہوتے ہیں) اور ایک ہی عضو کی مانند ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ دونوں 'کولہے' جو ران اور پیٹھ کے جوڑ پر ابھرے ہوتے ہیں اگر ان کو غلطی سے زخم پہنچایا جائے تو پوری دیت عائد ہوگی کیونکہ ان میں خوبی بھی ہے اور سواری کرنے اور بیٹھنے میں کارآمد بھی ہے۔ اگر ان میں سے ایک کو تلف کیا جائے تو نصف دیت عائد ہوگی اور اگر کچھ حصہ اور اس کی مقدار کا تعین ہو سکے (کہ کس قدر تلف ہوا) تو اس کے موافق تاوان لاگو ہوگا اگر مقدار کا تعین نہ ہو سکے تو اس کا تصفیہ حکومت کرے۔ کولہا خواہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ اس کے بھاری ہونے اور ہیئت میں جو اختلاف ہوتا ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے گا۔ یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے مختلف اشخاص کے (ہم نوع) اعضاء میں پایا جاتا ہے۔ اس جرم میں دیت عائد ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ زخم ران کی ہڈی تک گہرا ہو اور بقول قوی اگر زخم مندمل بھی ہو جائے تو تاوان ساقط نہ ہوگا۔ اگر جرم کا ارتکاب عمداً ہوا ہے تو دونوں کولہے کٹے ہوں یا ایک بہرصورت دیت واجب ہوگی۔

مالکیہ کا قول، ایک روایت کے مطابق، اس بارے میں یہ ہے کہ عورت کا کولہا اگر غلطی سے کٹ جائے تو اس کی سزا کے بارے میں تصفیہ کیا جائے گا جیسے مرد کے کولہوں کے اتلاف میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر عمداً ارتکاب کیا ہے تو حکم قصاص عائد ہوگا۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر (مجرم نے کسی کے) بدن کی کھال اتاری تو جس عضو کی کھال اتاری ہے اس کی دیت مجرم پر عائد ہوگی۔ بشرطیکہ وہ کھال دوبارہ آجانے کی توقع نہ ہو کیونکہ کھال سے خوشنمائی بھی ہوتی ہے اور کارآمد بھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس (مظلوم) شخص کی زندگی بدستور باقی رہے کیونکہ دیت کا حکم اس حالت میں عائد ہوتا ہے جبکہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کھال کھینچنے کے بعد زندگی باقی رہی۔ اگر کھال کھینچنے سے نہیں بلکہ کسی اور طرح سے اس کی موت واقع ہو جائے مثلاً کھال کھینچی جانے کے بعد کسی اور شخص نے اس کی گردن کاٹ دی تو اس شخص پر قصاص عائد ہوگا۔ کیونکہ اس نے جان لے لی ہے اور کھال کھینچنے والے پر تاوان عائد ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی اور شخص نے

Marfat.com

اس پر دیوار گرادی یا اونٹ سے کچلوادیا یا کسی اور طرح سے ہلاک کیا تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ اگر مظلوم کھال اتارنے کے صدمے سے مرجائے یا مجرم خود اس کی گردن کاٹ دے تو اس صورت میں اگر قصاص کی معافی ہو جائے تو جان کے عوض خون بہا واجب ہو ورنہ مجرم پر سزائے قصاص عائد ہوگی۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کی 'ترقوۃ' (ہنسلی) توڑ دے تو اس کی سزا کا فیصلہ دوسری ہڈیوں کی طرح کیا جائے گا۔ 'ترقوۃ' بفتح التاء (یا ہنسلی) وہ ہڈی ہے جو مونڈھے اور حلقوم کے درمیانی گڑھے سے ملحق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس جرم کا تاوان ایک اونٹ ہے جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اس معاملہ میں) یہی فیصلہ فرمایا اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے اس سے اتفاق کیا۔ کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ اور پہلا خیال اس بناء پر ہے کہ اس جرم کی سزا میں ایک اونٹ کا تاوان حکومت کے فیصلہ سے ہوا ہے۔

واضح ہو کہ ہر شخص کی دو ہنسلیاں ہوتی ہیں ایک دائیں جانب اور دوسری بائیں جانب۔

ان ہی اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ اگر اس جرم کے ارتکاب سے مجروح شخص کے ہاتھوں کی گرفت جاتی رہے اور وہ شل ہو جائیں تب دیت عائد ہوگی کیونکہ اس (عضو) سے جو فائدہ تھا وہ جاتا رہا۔

اگر ریڑھ کی ہڈی کو ضرب پہنچی جس کے باعث دونوں پاؤں چلنے سے رہ گئے تو اسکا پورا تاوان ہوگا کیونکہ اس سے جو مقصد تھا (کہ پاؤں میں چلنے کی قوت رہے) وہ فوت ہو گیا اگر ہاتھ، پاؤں یا انگلیوں سے محسوس کرنے اور پکڑنے کی قوت جاتی رہی تو مجرم مستوجب دیت ہوگا۔ تاہم دیت اس زخم کے مندمل ہونے تک وصول نہیں کی جائے گی۔ اب اگر پٹی باندھی گئی اور علاج کیا گیا اور گرفت کرنے، محسوس کرنے یا پیروں میں چلنے کی قدرت عود کر آئی تو دیت واجب نہ رہے گی۔ اگر زخم کے اچھا ہو جانے پر عیب رہ جائے تو اس کا فیصلہ حکومت کی رائے پر ہوگا۔ اور (ہاتھ پیر کی) قوت گرفت و رفتار میں جو نقص پیدا ہو گیا ہے اگر اس کا تصفیہ کیا جائے کہ اسکے کام اور جمال میں کس قدر کمی آئی ہے اور اس بارے میں اختلاف رائے ہو کہ خرابی کم ہوئی ہے یا زیادہ یا وہ شخص چلنے میں عصا کے سہارے کا محتاج ہو گیا ہے یا نہیں ہوا تو اگر اس نقص کا اندازہ لگایا جا سکے (کہ کس نسبت سے یہ نقص ہوا ہے) تب تو اسی مقدار نقص کے موافق تاوان کا حصہ واجب ہوگا۔ جیسا کہ سماعت، بصارت اور قوت گویائی وغیرہ کے اتلاف میں ہوتا ہے۔ اگر مجرمانہ طور پر کسی شخص نے دوسرے کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی اور پاؤں اور آلہ تناسل سلامت رہے لیکن وہ مجروح چلنے پھرنے اور مباشرت کے قابل نہ رہا یا قوت رفتار اور مادۂ تولید تلف ہو گیا تو دو تاوان عائد ہوں گے ایک تاوان دونوں پیروں کے ناکارہ کر دینے کا اور دوسرا مادۂ تولید کے ختم کر دینے کا کیونکہ ان دونوں کا اتلاف جدا جدا اسی طرح مستوجب تاوان ہے جس طرح اجتماعی طور پر ہوتا ہے، نیز ان دونوں اعضاء کے فوائد الگ الگ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں ایک ہی تاوان واجب ہوگا کیونکہ ریڑھ مادہ تولید کا مرکز ہے اور صلاحیت رفتار و قوت جماع یہیں سے حاصل ہوتی ہے۔ پس چونکہ قوتوں کی جڑ ایک ہی عضو ہے۔ لہٰذا (اس کا اتلاف) ایک ہی دیت کا

Marfat.com

متقاضی ہے۔ لیکن پہلی ہی بات کہ دونوں قوتوں کا مرکز ایک ہی ہے نا قابل تسلیم ہے اور اسی خیال کو ترجیح حاصل ہے۔
واضح ہو کہ سابقۃ الذکر رائے کے مطابق اگر ایسی چوٹ لگائی کہ دونوں پاؤں شل ہو گئے۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور مادۂ تولید ختم ہو گیا تو تین تاوان عائد ہو گے ایک پیروں کا دوسرا ریڑھ کا اور تیسرا مادۂ تولید کے ختم ہو جانے کا۔ پس اگر ضرب سے آلۂ تناسل بھی شل ہو گیا تو چار تاوان لاگو ہوں گے۔ تین تاوان وہ جن کا ذکر ہوا اور چوتھا آلۂ تناسل کے ناکارہ اور نا قابل جماع ہو جانے کا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ دونوں لب کاٹ دینے پر دیت واجب ہے اگر دونوں میں سے ایک لب کٹا تو آدھی دیت عائد ہو گی۔ جیسا کہ عمرو بن حزم کے مکتوب میں آیا ہے: ''وفی الشفتین دیۃ'' (یعنی دونوں لبوں کے اتلاف پر ایک تاوان ہے) اور اس لیے بھی کہ دونوں لبوں میں جمال بھی ہے اور سودمند بھی۔ لبوں ہی سے کلام کا امتیاز ہوتا ہے، تھوک اور غذا کو روکا جاتا ہے نیز لب کیڑے مکوڑے اور مٹی کو پیٹ میں چلے جانے سے روکتے ہیں۔ لبوں کو کاٹ دینا یا اسے شل (ناکارہ) بنا دینا یکساں جرم ہے۔

جان کے علاوہ دوسرے نقصانات کے قصاص کا بیان

چاروں امام رحمھم اللہ تعالیٰ اس امر پر متفق ہیں کہ اگر ایک شخص نے عمداً کسی کا ہاتھ پہنچوں سے کاٹ دیا تو اس کے ہاتھ کو بھی پہنچے سے کاٹا جائے اگرچہ مجرم کا ہاتھ کٹے ہوئے ہاتھ سے بڑا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''والجروح قصاص'' (المائدہ:۴۵) (یعنی جراحت رسانی کا بدلہ ایسی ہی جراحت رسانی ہے) واضح ہو کہ سزائے قصاص (جرم وسزا) کی یکسانیت پر مبنی ہے۔ جن جرائم کی سزا میں یکسانیت ممکن نہ ہو ان میں قصاص نہیں ہوتا۔ چونکہ جوڑ سے ہاتھ کاٹنے کے جرم کی سزا جوڑ سے ہاتھ کاٹنے میں مماثلت ممکن ہے۔ لہٰذا اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔ (جرم وسزا کی) یکسانیت میں عضو کے چھوٹے بڑے ہونے کا خیال نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہاتھ کے عضو کا جو فائدہ ہے وہ دونوں صورتوں (یعنی چھوٹا بڑا ہونے) میں مختلف نہیں ہو جاتا، یہی حکم پاؤں اور ناک کے دونوں نتھنوں اور دونوں کان کے نمایاں اعضاء کے کاٹنے کا ہے، کیونکہ ان اعضاء کے جرائم میں سزا کی یکسانیت کا ملحوظ رکھنا ممکن ہے پس اگر کسی نے پہلے (ہاتھ کی) انگلیاں کاٹ دیں اس کے بعد اسی نے یا کسی اور شخص نے ہتھیلی کو کاٹ دیا خواہ پہلا زخم آرام ہو جانے کے بعد کاٹا ہو یا آرام ہونے سے پہلے ہی کاٹ دیا خواہ پہلا زخم آرام ہونے سے پہلے ہی کاٹ دیا ہو تو اس جرم کی سزا کا تصفیہ حاکم خود کرے گا، یہی حکم اس حالت میں ہے جبکہ ہتھیلی کا بالائی حصہ کاٹ دیا ہو، اگر کسی نے عمداً دھار دار آلے سے آنکھ پر ضرب لگائی اور آنکھ نکال دی تو اس کا قصاص نہیں ہے، کیونکہ آنکھ نکالنے کے عمل کے ساتھ (سزا کی) یکسانیت دشوار ہے، لیکن اگر آنکھ بچ رہے اور بینائی جاتی رہے تو قصاص لازم ہے کیونکہ اس جرم (ازالۂ بینائی) کو اس کی سزا (ازالۂ بینائی) سے مماثلت ہے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے ایک آئینہ کو سخت گرم کیا جائے پھر مجرم کے چہرے پر روئی کو تر کر کے اور اس کی آنکھ کے سامنے اس (دہکتے) آئینے کو رکھا جائے تو آنکھ کی روشنی جاتی رہے گی، روایت ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اسی طرح کیا کرتے تھے، اس سے قطع نظر کہ وہ آنکھ چندھے، کانے، رتوندھے والے، یا شب کور کی ہو، کیونکہ ان سب کو آنکھ کا جو فائدہ ہے وہ حاصل ہے۔

Marfat.com

دانتوں کے بارے میں ان اصحاب کا کہنا ہے کہ دانت کے جرم (دندان شکنی) پر قصاص واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" السن بالسن " (المائدہ:۴۵) (یعنی دانت کا بدلہ دانت ہے)۔ اگرچہ مجرم کا اپنا دانت اس دانت سے بڑا ہو جو اس نے توڑا، کیونکہ دانت چھوٹا ہو یا بڑا، فائدہ کے لحاظ سے یکساں ہے، دانت کے علاوہ کسی اور ہڈی کے توڑنے پر قصاص نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد "لا قصاص فی العظم " (یعنی ہڈی کے توڑنے میں قصاص نہیں ہے) یہ دانت کے علاوہ دوسری ہڈیوں کے لئے ہے، کیونکہ دانت کے علاوہ دوسری ہڈیوں کے توڑنے کے جرم کی سزا اس جیسی ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس میں (سزا کا جرم سے) کم یا زیادہ ہونے کا احتمال ہے، بخلاف دانت کے کہ مجرم نے دانت کو جس قدر توڑا ہے اس کے دانت کو بھی ریتی سے اتنا ہی رگڑا جا سکتا ہے، (یہ کیفیت کسی اور ہڈی کی نہیں ہے) اور اگر دانت جڑ سے اکھاڑا گیا اور اس کی پاداش میں مجرم کا دانت جڑ سے اکھاڑ دیا گا تو (جرم وسزا میں) یکسانیت ہو جائے گی، ایک روایت میں آیا ہے" ان المربیع عمة انس بن مالک رضی اللہ عنہ کسرت ثنیة جاریة من الانصار بلطمة فامر النبی ﷺ بالقصاص " (یعنی حضرت انس بن مالک کی پھپھی نے ایک انصاریہ لڑکی کو ایسا طمانچہ مارا کہ اس کی کچلی توڑ دی اس پر آنحضرت ﷺ نے قصاص کا حکم دیا)۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ جان کے علاوہ کسی اور جرم میں شبہ عمد جیسا کوئی جرم نہیں ہے، دوسرے تمام جرائم یا تو غلطی سے ہوں گے یا عمداً ہوں گے یا عمداً کیے جائیں گے (تیسری کوئی صورت جرم نہیں ہے) اور شبہ عمد (یعنی وہ جرم جو عمداً ارتکاب کے مشابہ ہو) کا تعلق آلہ ارتکاب سے ہے، اور قتل ہی ایک ایسا جرم ہے کہ اس کی نوعیت آلہ ارتکاب کے مختلف ہونے کی بناء پر مختلف ہو جاتی ہے، بخلاف دوسرے اعضائے بدن کے جرائم کے کسی عضو کے تلف کرنے کا جرم آلہ ارتکاب کے مختلف ہونے کی بناء پر متعین نہیں ہوتا، لہٰذا اس جرم کی دو ہی قسمیں ہیں، کہ یا تو ارتکاب جرم عمداً ہو گا یا غلطی سے، اگر جرم قتل کے علاوہ کوئی اور جرم عمداً ارتکاب کے مشابہ ہو تو اسے بھی عمداً ارتکاب جرم تصور کیا جائے گا، اور جس جرم کا قصاص ممکن نہ ہو اسے جرم خطا قرار دیا جائے گا۔

ان اصحاب کا بھی کہنا ہے کہ اگر کسی نے ایک شخص کا ہاتھ نصف ساعد (کہنی سے مونڈھے تک کے حصہ) سے کاٹ دیا یا ایسا گہرا زخم لگایا (جس سے ہڈیاں نظر آنے لگیں) اور وہ زخم مندمل ہو گیا تو اس پر حکم قصاص عائد نہ ہوگا، ان صورتوں میں (جرم وسزا کے درمیان) یکسانیت کو ملحوظ رکھنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ پہلی صورت میں ہڈی توڑی گئی ہے اور (ہڈی کے جرائم میں) مقدار جرم کا تعین ممکن نہیں ہے، اسی طرح ایسے زخم کا مندمل ہو جانا بہت کم ہوتا ہے اور اکثر اوقات ایسا زخم موجب ہلاکت ہوتا ہے، اگر ہاتھ کو ذراع (یعنی کہنی سے انگلیوں تک کے حصہ) کے درمیان سے کاٹا یا بازو کے درمیان سے کاٹا تو کف دست کے قصاص کا مستوجب ہوگا، اور پہلی صورت میں مجرم کا ہاتھ " گٹے" سے کاٹا جائے گا کیونکہ یہ اس جگہ سے قریب تر ہے جہاں سے ہڈی توڑی گئی اور دوسری صورت میں مجرم کا ہاتھ کہنی سے کاٹا جائے کیونکہ یہ اس جگہ سے قریب تر ہے جہاں سے ہڈی کاٹی گئی، باقی صورتوں میں حکومت کو خود تصفیہ کرنا واجب ہے کہ تاوان کا کس قدر حصہ لاگو کیا

Marfat.com

جائے،ان دونوں صورتوں میں مجروح کو قصاص لینے یا اس کے عوض مال وصول کرنے کا حق ہے،اور (مجرم کا ہاتھ) پہنچوں سے کاٹ دینے کا مطالبہ ممکن ہے۔

لنجے کا سالم ہاتھ والے کے ہاتھ کاٹنے (اور اسی کے مثل جرائم) کا بیان

ائمہء فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر سالم ہاتھ کاٹنے والا مجرم لنجا ہو تو دست بریدہ شخص کو اختیار ہے کہ چاہے تو لنجے کے عیب دار ہاتھ کاٹ دے، اس کے بعد کوئی اور مطالبہ نہیں کر سکتا یا چاہے تو اس جرم کا پورا جرمانہ وصول کرے، قصاص لیا گیا تو وہ پورا قصاص نہ ہوگا (کیونکہ سالم ہاتھ کے بدلے لنجا ہاتھ کاٹا جائے گا) البتہ وہ اپنے حق سے زیادہ لے سکتا ہے یا پھر اس جرم کا پورا تاوان وصول کرلے جیسا کہ مثلی سزاؤں میں ہوتا ہے جبکہ جرم اتلاف کرنے کے بعد مجرم لوگوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔ پس اگر مجروح ناقص قصاص کو پورا قصاص تصور کرے تو گویا وہ اس پر راضی ہے لہٰذا اب اس کا اور کوئی حق باقی نہ رہے گا، جیسے کوئی شخص عمدہ شے (کا حقدار ہونے کے باوجود اس) کی بجائے گھٹیا شے لینے پر راضی ہو۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر ایک زخم خوردہ شخص نے کسی کا سر پھوڑ دیا اور اس زخم کا شگاف مجرم کے قرنین (یعنی پیشانی دونوں ابھری ہوئی ہڈیوں) کے درمیانی حصہ کے برابر پھیلا ہوا ہو تو مجروح کو اختیار ہے کہ وہ صرف اپنی جراحت کے موافق قصاص لے اور دائیں بائیں جدھر سے چاہے لے لے یا پھر اگر چاہے تو اس جرم کا تاوان وصول کر لے کیونکہ جرم جراحت رسانی مستوجب تاوان صرف اس لیے ہے کہ اس سے عیب پیدا ہو جاتا ہے اگر (حق سے) زیادہ قصاص لیا تو مجرم کے عیب میں زیادتی ہو جائے گی، اگر زخمی کرنے والے کے ماتھے کی ہڈیوں کے درمیانی حصہ سے قصاص لیا تو یہ اس جرم پر زیادتی ہوگی جو مجروح کے ساتھ کیا گیا اور پورا قصاص لینے میں مجرم کو اس قدر عیب لاحق ہوا، لہٰذا اسے اختیار ہے جیسے کہ لنجے ہاتھ کو تندرست ہاتھ کے عوض کاٹنے میں ہوتا ہے، اگر صورت حال اسکے برعکس ہو (یعنی تندرست آدمی زخم خوردہ کا سر پھوڑ دے) تب بھی مجروح کو اختیار ہے (کہ اپنے حق سے کم قصاص پر اکتفا کرے یا جرمانہ وصول کر لے) کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اپنا واجب حق قصاص پورا کر سکے، اس میں حق سے تجاوز ہوگا (کیونکہ وہ پہلے ہی زخم خوردہ تھا اس کے عوض تندرست کا سر پھوڑنا زیادتی ہے)، اسی طرح اگر مجرم نے سر کو لمبائی میں زخمی کیا ہو تو اس کا قصاص پیشانی سے لے کر گدی تک کے حصے سے لیا جا سکتا ہے، گدی اس میں شامل نہ ہو، اس بارے میں مجروح کو (قصاص کا) اختیار ہے کیونکہ (زخم سر کے) معنے میں اختلاف نہیں ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ زبان اور آلہ تناسل کا قصاص نہیں ہوتا کیونکہ ان میں قبض وبسط (یعنی سکڑنا اور پھیلنا) ہوتا ہے، لہٰذا (جرم وسزا میں) یکسانیت ممکن نہیں ہے بجز اس صورت کے جبکہ حشفہ (سر ذکر یا سپاری) کو کاٹا جائے اس صورت میں اس جگہ کا تعین ممکن ہے جہاں سے کاٹا گیا جیسا کہ اعضاء کے جوڑ میں ہوتا ہے اگر حشفہ (یا آلہ تناسل کی سپاری) کا کچھ حصہ کاٹا تو اس کا قصاص نہیں ہے۔ کیونکہ اس ٹکڑے کی مقدار نہیں معلوم ہو سکتی، بخلاف کان کے کہ وہ پورا بھی کاٹا جا سکتا ہے اور اس کا کچھ حصہ بھی کیونکہ وہ سکڑتا ہے نہ پھیلتا ہے، اور عضو کان کی ایک مستقل تعریف ہے (کہ کان کس عضو کو کہتے ہیں؟) لہٰذا اس (کے متعلقہ جرائم) میں سزا و جرم کے درمیان یکسانیت کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

ہونٹ کی بابت یہ ہے کہ اگر اسے پورا کاٹ دیا جائے تو قصاص واجب ہوگا، کیونکہ اس جرم کی سزا میں یکسانیت کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے، لیکن اگر اس کا کچھ حصہ کاٹا جائے تو اس کی سزا میں یکسانیت کا لحاظ دشوار ہے کیونکہ وہ حصہ سکڑتا اور پھیلتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ آلہ تناسل اگر جڑ سے قطع کیا جائے یا زبان، ناک کے نتھنوں، فوطوں یا اندام نہانی کے دونوں پلوں کو کاٹ دیا جائے تو قصاص واجب ہے بشرطیکہ حق سے بغیر تجاوز کے پورا پورا قصاص لینا ممکن ہو۔ اگر ہڈی کے قصاص کیلئے گوشت کو پھاڑنا پڑے تو وہ قصاص عائد نہ ہوگا۔ خواہ مجرم نے گوشت پھاڑے بغیر وہ جرم کیا ہو یا بغیر پھاڑے کیا ہو، اگر مقطوع العضو شخص جرم قطع کے نتیجے میں مرجائے تو پہلے مجرم کا حصہ بدن کاٹا جائے اور انتظار کیا جائے کہ مجرم اس زخم کے سرایت کر جانے کے باعث خود نہ مرجائے، اگر ایک خاص میعاد کے اندر وہ نہ مرے تو اس کا سر کاٹ دیا جائے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ دائیں ہاتھ، آنکھ، نتھنے، فوطے یا دائیں پلک یا دائیں کولہے کا قصاص بائیں جانب کے ان اعضاء سے نہیں لیا جائے گا اسی طرح بالائی پلک، بالائی دانت یا دائیں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے بالائی پوروے کا قصاص نچلے اعضاء مذکورہ سے نہیں لیا جائے گا، نیز بائیں جانب کے اعضائے بدن کا قصاص دائیں طرف کے اعضاء سے نہیں لیا جائے گا اور نہ نچلے اعضاء کا قصاص بائیں اعضاء سے لیا جائے گا، کیونکہ ان اعضا میں باہم یکسانیت اور مساوات نہیں ہوتی، ان کے محل وقوع مختلف ہونے کے باعث ان کی افادیت میں بھی اختلاف ہوتا ہے، اسی طرح صحیح سالم عضو کا قصاص شل اور مقابلۃً ناکارہ عضو سے نہیں لیا جائے گا، اگرچہ مجرم خود اس کے لیے تیار ہو، کیونکہ شل عضو بے فائدہ اور ناکارہ ہو جاتا ہے چنانچہ دیکھتی آنکھوں کا حلقہ تلف کرنے پر نابینا آنکھ کو قصاص میں نہیں نکالا جائے گا ناک اور کان اس حکم سے مستثنٰی ہیں لہٰذا ان میں سے سوکھے ہوئے عضو کے بدلے میں صحیح عضو کو قصاص میں تلف نہیں کیا جائے گا، کیونکہ (شل ہو جانے کے بعد بھی) ان کی افادیت یعنی آواز، ہوا اور جمال باقی رہتے ہیں۔ اگر کسی کا عضو تناسل مع فوطوں جڑ سے کاٹ دیا گیا تو ان کے ناکارہ ہو جانے کے باعث مجرم پر دو پورے تاوان عائد ہوں گے، قوی عضو کے اتلاف پر ضعیف عضو کو کاٹ دینا جائز ہے، اسی طرح صحیح آنکھ کے اتلاف پر دکھتی ہوئی آنکھ کاٹی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ سزا حق واجب سے کم پر اکتفا کرنا ہے، لیکن یہ اس صورت میں صحیح ہے جبکہ مجرم کی آنکھ کا خون بند ہو سکے اگر خون بند نہ ہوا تو یہ قصاص نہ ہوگا کیونکہ یہ عضو بدن کے عوض جان لینا ہے اور مجرم کی تباہی کا موجب ہے۔

ہڈی توڑنے پر حکم قصاص عائد نہ ہوگا، کیونکہ اس میں جرم کی حد متعین نہ ہونے کے باعث اسی جیسی سزا نہیں دی جا سکتی۔ ہڈی میں، پسلی پیٹھ، کلائی پنڈلی، ران اور بازو وغیرہ کی ہڈیاں شامل ہیں۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ ہر ایسے زخم پر جو گہرا ہو اور ہڈی تک کھل گیا ہو لیکن ہڈی نہ ٹوٹی ہو قصاص لاگو ہوگا اور اس کی حیثیت وہی ہے جو چہرے یا سر کی جراحت موضحہ کی ہے، اس سے مراد وہ زخم ہے جو اتنا گہرا ہو کہ ہڈی نظر آنے لگے، ایسے زخم کے حدود کا متعین کرنا آسان ہے اور مجرم کو اسی طرح زخمی کر کے قصاص لیا جا سکتا ہے۔ یہی حکم بازو اور پنڈلی کے گوشت کو کاٹنے اور ان کو زخمی کرنے کا ہے کہ ان تینوں جرائم میں قصاص عائد ہوگا جبکہ زخم ہڈی تک پہنچ جائے، ان جرائم میں

Marfat.com

قصاص اس لیے ہے کہ ان کا پورا پورا قصاص لیا جا سکتا ہے، اگر بدن کا زخم موضحہ (یعنی ہڈی تک پہنچا ہوا) نہ ہو اور چہرے یا سر کا زخم ہو تو اس کا جرمانہ شریعت نے پانچ اونٹ رکھا ہے ان کے علاوہ بدن کے دوسرے زخموں کا منصفانہ تصفیہ حکومت کرے گی جیسا کہ دوسرے زخموں میں ہوتا ہے۔

اندھی آنکھ، بہرے کان، گونگی زبان، اپاہج ہاتھ اور پاؤں، ناکارہ ٹانگ، مضمحل عضو تناسل، سوکھے ہوئے فوطوں کو زخمی کرنے کی سزا کا تصفیہ محض حکومت کا کام ہے۔

مجرم کے ناکارہ یا مقطوع ہاتھ کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہاتھ جسے مجرم نے کاٹا صحیح تھا اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل (ناکارہ) تھا اور حاکم نے دست بریدہ شخص کو اس امر کا اختیار دیا کہ وہ چاہے تو مجرم کے شل ہاتھ کو کاٹ دے اور جرمانہ سے دست بردار ہو جائے یا چاہے تو ہاتھ کا پورا تاوان وصول کر لے۔ اب قبل اس کے وہ مجروح اپنے اختیار کو کام میں لائے بدوران مدت اختیار مجرم کا مریض ہاتھ جھڑ گیا یا کسی نے مجرمانہ طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو ایسی صورت میں مجروح (مظلوم) کو جو (قصاص یا تاوان میں سے کسی امر کے) اختیار کرنے کا حق دیا گیا تھا وہ ختم ہو جائے گا اور مزید کچھ مطالبہ کا حق نہ رہے گا کیونکہ اس کا مقررہ حق قصاص اس کی اپنی مرضی سے وصولی مال کے حق میں منتقل ہوا اور جب محل قصاص فوت ہو گیا تو یہ حق (وصولی مال) بھی ساقط ہو گیا، بخلاف اس صورت کے جبکہ مجرم کا ہاتھ قصاص یا سزائے سرقہ میں کاٹا گیا ہو، تو اب صرف جرمانہ عائد ہوگا جو پوری دیت کا نصف ہوگا، اس طرح مستحق کا حق ادا ہوا اور تاوان کا مدعا پورا ہو گیا، لیکن اگر اپاہج مجرم کا علاج کیا گیا اور اس کا اپاہج پنا جاتا رہا اور ہنوز پورا جرمانہ وصول نہ ہوا تھا تو اب قصاص کے علاوہ اور کچھ واجب نہ ہوگا، کیونکہ ان اصحاب کے نزدیک اس کا مقررہ حق قصاص ہی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (اس صورت میں بھی) دونوں باتوں میں سے ایک واجب ہے، یعنی قصاص یا تاوان ہاں اگر محل قصاص کے فوت ہو جانے کے باعث ایک امر پر عمل محال ہو جائے جیسا کہ حالت زیر نظر میں ہے تو دوسری بات یعنی جرمانہ واجب ہو جائے گا۔

ایک مجرم کے متعدد جرمانوں کا سزاوار ہونے کا بیان

ائمہ اربعہ نے اس صورت حال کی تفصیل بتائی ہے جبکہ ایک شخص متعدد جراحت رسانی کا مرتکب ہونے کے باعث متعدد تاوانوں کا سزاوار ہو جائے، مثلاً اس نے کئی اعضاء کاٹ دیئے اور (مجروح کو) مختلف فائدوں سے محروم کر دیا ہو جن کی تعداد بہت ہے۔ بعض اصحاب نے ان کی تعداد بیس (۲۰) بلکہ اس سے زیادہ بتائی ہے، بعض کہتے ہیں کہ ان کی تعداد چودہ (۱۴) ہے، ان کے منجملہ عقل، سماعت بصارت، قوت شامہ، گویائی، آواز، ذائقہ، چبانا، مادہ تولید کا انزال، حمل رکھوانا اظہار مدعا کرنا، جماع کرنا، پکڑنا، چلنا، بال تراشنا یا کھال اتارنا وغیرہ ہیں۔ (ان فوائد سے محروم کر دینا جرم ہے) ان جرائم کے ساتھ اور جرائم بھی شامل ہیں جنہیں گہرے زخم اور عام جراحتیں، پیٹ پھاڑنا، تصفیہ طلب جرائم، ہڈیوں کا توڑنا

Marfat.com

اور دوسرے بے شمار جرائم ہیں، اور ایک شخص متعدد جرائم کا مرتکب ہو سکتا ہے چنانچہ اگر کسی نے ایک شخص کے کئی اعضاء تلف کر دیئے تو وہ متعدد تاوانوں کا سزاوار ہو گا مثلاً دونوں ہاتھ، دونوں پیر اور دونوں کان کاٹ دیئے تو ان سب کا قصاص ہو گا اسی طرح مختلف صلاحیتوں (کے اتلاف) پر متعدد تاوان عائد ہوں گے، مثلاً سماعت بصارت قوت شامہ قوت ذائقہ اور نسل پیدا کرنے کی صلاحیتیں ہیں کہ ہر ایک کا تاوان ہے، اب اگر ان جرائم کا ارتکاب کیا اور متاثر ہونے والا ان جرائم یا ان میں سے کسی ایک جرم کے اثر سے وفات پا جائے اور بعض زخم مندمل نہ ہوئے ہوں تو مجرم پر ایک تاوان عائد ہو گا اور تمام تاوان اسی کے اندر شامل ہو جائیں گے اور مذکورہ جرائم کا بدل ساقط ہو جائے گا، کیونکہ وہ تاوان جان ہو جائے گا، لیکن اگر مجروح شخص بعض جراحت کے سرایت کر جانے سے مر جائے اور دوسرے زخموں کو آرام ہو جائے تو جو زخم مندمل ہو گئے ان کے تاوان خون بہا میں قطعاً داخل نہ ہوں گے اور یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ مجرم کوئی ہلکا سا زخم لگائے جس کے جسم میں سرایت کر جانے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے بعد مجرم نے پیٹ پھاڑ دیا اور پیٹ کا زخم جسم میں سرایت کر گیا جس سے موت واقع ہو گئی اور وہ ہلکا زخم ہنوز مندمل نہ ہوا تھا تو اس زخم کا جرمانہ خون بہا میں شامل نہ ہو گا۔ تاہم وہ زخم جس کی دیت مقرر نہیں ہے (اس کا جرمانہ) خون بہا میں شامل متصور ہو گا، اسی طرح اگر مجرم نے زخم لگایا اور ہنوز وہ اچھا نہ ہوا تھا کہ مجروح کی گردن کاٹ دی تو اس پر، بقول صحیح، صرف خون بہا عائد ہو گا، کیونکہ یہ خون بہا دوسرے جرائم کا تاوان عائد ہونے سے پہلے لاگو ہوا لہٰذا اس جرم کا بدل سرایت زخم (کے بدل) کی طرح خون بہا میں داخل متصور ہو گا۔

کہا جاتا ہے کہ (خون بہا عائد ہونے سے پہلے کی) تمام قسم کی جراحت رسانیوں کا تاوان بھی (مجرم پر) عائد ہو گا، کیونکہ سرایت کرنے والا زخم مجروح کے قتل ہو جانے پر جرم قتل سے جداگانہ جرم متصور ہو گا، اور یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے مندمل ہو جانے والا زخم (جس کا تاوان خون بہا میں داخل نہیں ہوتا)، کیونکہ تاوان آدمی (کے تحفظ کی) ایک مقررہ ضمانت ہے جس کی پابندی مسلم ہے۔

اگر مجرمانہ فعل کی نوعیت مختلف ہو مثلاً کسی کی گردن عمداً کاٹی اور اس سے پہلے جو زخم پہنچائے گئے وہ نادانستہ یا مشابہ بہ عمد تھے یا اس کے برعکس گردن تو بغیر عمد کے کٹ گئی اور اس سے پہلے جو جرائم تھے وہ عمداً یا مشابہ بہ عمد تھے تو صحیح ترین مسلک کی رو سے اس کے خون بہا میں دوسرے جرائم کے تاوان شامل نہ ہوں گے بلکہ جراحت اعضاء کا تاوان (الگ) اور جان کے ہلاک کرنے کا خون بہا (الگ) عائد ہو گا، کیونکہ ان دونوں جرائم کی نوعیت اور محل جرائم (یعنی اعضائے متاثرہ) مختلف ہیں۔ پس اگر ایک شخص کی غلطی سے یا بطور شبہ عمد کے کسی کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹ گئے پھر اس شخص نے عمداً اس کی گردن کاٹ دی یا (اس کے برعکس) ان اعضاء کو تو عمداً کاٹا اور غلطی سے یا بطور شبہ عمد کے گردن کٹنے کا جرم سرزد ہو گیا، اور متاثر ہونے والے کے ولیوں نے جرائم کو خون بہا کے عوض معاف کر دیا تو پہلی صورت میں جرم خطا یا جرم شبہ عمد کا ایک تاوان اور عمداً ارتکاب جرم کا ایک تاوان عائد ہو گا اور دوسری صورت میں دو تاوان عمداً ارتکاب کے عائد ہوں گے اور ایک تاوان جرم خطا کا ہو گا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں صورتوں میں دیتیں ساقط ہو جائیں گی، اگر (جراحت رسانی کے) مجرم کے سوا گردن کسی اور شخص نے کاٹی تو ان سب کے تاوان متعدد ہوں گے، کیونکہ ایک انسان کا عمل دوسرے

Marfat.com

انسان کے عمل میں شامل نہیں ہوتا، لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک پر جو الزام عائد ہوگا اس کی سزا واجب ہوگی پس جس نے زخم پہنچانے کا جرم کیا وہ اس کا تاوان دے اور جس نے قتل کیا وہ خون بہا ادا کرے۔

ایسے جرائم کا بیان جن میں سزا کے لیے حکومت کی تجویز درکار ہے

ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ جہاں (قصاص کی بجائے) مال واجب ہو وہاں تاوان کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، اور نہ مقررہ تاوان کے ساتھ کوئی مناسبت ہے، جیسا کہ پسلی، سینہ، ران اور گٹے وغیرہ (کے جرائم) ہیں البتہ اگر (جرم مستوجب مال کے) تاوان کی نسبت معلوم المقدار جرم کے تاوان سے ہو سکے مجرم نے جو زخم لگایا وہ زخم موضحہ یا پیٹ پھاڑنے کے قریب قریب ہو تو اس کا تاوان محل جرم کے بڑے حصے کے برابر اور حکومت کی تجویز پر موقوف ہو گا۔ اور یہ تاوان کا ایک حصہ ہوگا جو بقول صحیح دیت نفس (خون بہا) کی نسبت سے عائد ہوگا، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ جراحت رسیدہ عضو کا تاوان اسی نسبت سے عائد ہوگا جس نسبت سے اس جیسے صفات والے غلام مملوک کی قیمت میں زخمی ہو جانے کے بعد کمی ہو جاتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کا ہاتھ زخمی کر دیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر مجروح اسی جیسی صفات رکھنے والا، غلام مملوک ہوتا تو مجروح ہوئے بغیر اس کی قیمت کیا ہوتی، اگر (مثلاً) اس کی قیمت ایک (۱۰۰) سو دینار بتائی جائے پھر دیکھا جائے کہ زخمی ہونے کے بعد اس کی کیا قیمت ہوگی اور یہ معلوم ہو کہ اب (زخمی ہو جانے کے بعد) اس کی قیمت نوے (۹۰) رہ گئی، تو یہ فرق دس دینار یعنی دسواں حصہ) ہوا۔ لہٰذا مجروح کے خون بہا کا دسواں حصہ جو دس (۱۰) اونٹ ہوتا ہے مجرم پر واجب الادا ہوگا درآنحالیکہ مجروح، آزاد، مرد اور مسلمان ہو، چونکہ ایک شخص کے پورے وجود کی کفالت کے لیے دیت کی مقدار مقرر کر دی ہے لہٰذا اس کے جزو بدن کی کفالت اس دیت کے متناسب جزو سے ہوگی جیسا کہ فروخت کے مال میں عیب کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس بارے میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ تاوان اس عضو کی نسبت سے لگایا جائے جسے زخمی کیا گیا، جان کے خون بہا کی نسبت سے نہ ہوگا لہٰذا صورت مذکورہ میں جراحت رسیدہ ہاتھ کے تاوان (مقررہ) کا دسواں حصہ عائد ہوگا، جو پانچ اونٹ ہوتا ہے، اگر ایک انگلی کا جرم ہے تو ایک اونٹ تاوان ہوگا اور اگر انگوٹھے کے علاوہ کسی انگلی کا ایک پورا ضائع ہوا تو ایک تہائی اونٹ تاوان ہوگا، دوسرے جرائم کے فیصلوں کو بھی اسی نظیر پر قیاس کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ سزائے جرم کی تجویز کا استدلال مجروح آزاد کو غلام قرار دینے کی بناء پر ہوگا۔ ائمہ فقہاء کا کہنا ہے کہ ایسے جرائم (کی سزا تجویز کرنے) میں جن کے تاوان کی مقدار مقرر نہیں ہے، آزاد کے حق میں غلام کو بنیاد قرار دیا جائے جیسا کہ شریعت نے ان جرائم میں بھی جن کے جرمانے کی مقدار (شرعاً) مقرر ہے آزاد کے حق میں غلام کو بنیاد قرار دیا گیا ہے (یعنی اس کے وجود اور اعضاء کی قیمت ہے)۔

(تاوان کے بارے میں) حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اونٹ کی شکل میں (مجوزہ) جرمانہ عائد کرے یا نقدی کی شکل میں، دونوں باتیں موقع و محل کے تقاضوں کے مطابق جائز ہیں کیونکہ پیش نظر مقصد (وجود انسانی کے حق) کفالت کو پورا کرنا

Marfat.com

اور مظلوم کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کرنا ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ان اعضاء کے متعلقہ جرائم کے تاوان کے بارے میں ہے جن کی مقدار (شرعاً) مقرر ہے پس ایسے اعضاء کے متعلقہ جرائم جن کا تاوان مقرر نہیں ہے مثلاً سینہ یا ران وغیرہ کے جرائم، سوان جرائم میں تاوان کی تجویز قطعی طور پر خون بہا کی نسبت سے کی جائے گی۔

ایک عورت کی ڈاڑھی کی جگہ کو تلف کرنے کے تاوان کا اندازہ بالغ غلام کی ڈاڑھی (کے اتلاف) سے، جو اس کا موجب جمال ہے، لگایا جائے گا، اسی طرح کا حکم مخنث کے بارے میں ہے۔

اگر کسی کا زائد دانت اکھاڑا یا زائد انگلی کاٹ دی اور اس سے کوئی نقص پیدا نہ ہوا تو اس کے تاوان کی مقدار کا اندازہ عضو زائد کی حیثیت سے لگایا جائے گا موجودہ اصلی انگلی کی حیثیت سے نہیں، اس کے لیے مجروح کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو (بحیثیت غلام کے) زائد انگلی کی موجودگی میں ہو پھر زائد عضو کے کٹ جانے کے بعد اس کی قیمت لگائی جائے گی، جس سے فرق واضح ہو جائے گا، کیونکہ عضو زائد سے وجاہت میں کمی اور اس سے ایک طرح کا جمال حاصل ہوتا ہے۔
اگر زائد انگلی کی پور کاٹی جائے تو اس کے تاوان (کے تعین) کو تناسب سے مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ اور اس کے تاوان کی تجویز اس انگلی کی پور کے ساتھ کی جائے گی اس کی مقدار کا تعین قاضی (حاکم شرع) اپنی رائے سے کرے گا، تناسب کا لحاظ ممکن نہیں ہے۔ اگر کسی ایسے عضو (کے نقصان) کی تجویز تاوان کرنا ہو جس کے تاوان کی مقدار (شرعاً) مقرر ہے مثلاً ہاتھ یا پاؤں (کا زخم ہے) اس کے لیے یہ شرط ہے کہ مجوزہ تاوان اس عضو کی (مقررہ) مقدار تاوان سے زیادہ نہ ہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ جس عضو کے جرم کا تاوان ادا کیا گیا اس عضو کی کفالت (یعنی بصورت جراحت اس کا قابل تاوان ہونا) بدستور باقی رہے لہٰذا انگلی کے پور کی جراحت یا ناخن کو انگلی سے جدا کر دینے یا انگلی کو درمیان سے چیر دینے کی سزائے تاوان جو تجویز کی جائے وہ (انگلی کی مقررہ تاوان سے) کم ہونی چاہیے نیز جراحت رسانی کا ایسا جرم جو زخم جائفہ یا اسی طرح کے جرم مثلاً پیٹ پھاڑنے وغیرہ سے کم ہو اس کی سزا جراحت جائفہ (یعنی ہڈی تک پہنچنے والے گہرے زخم) کے جرمانہ کے برابر نہ ہو، اگر اس کے برابر سزا تجویز کی جائے تو قاضی اپنی رائے سے اس میں کچھ کمی کر دے تاکہ مذکورہ بالا خرابی پیدا نہ ہو، یہ کافی نہیں ہے کہ مجوزہ تاوان اور مقررہ تاوان میں سے جس کی مقدار کم ہو اسی قدر فیصلہ کیا جائے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں، اگر ایسے عضو کے تاوان کا فیصلہ پیش نظر ہو جس کا تاوان مقرر نہیں ہے جیسے ران، بازو، پیٹھ یا ہتھیلی وغیرہ تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مجوزہ تاوان دیت نفس (یا خون بہا) کے برابر نہ ہو جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس کی مقدار اتنی نہیں ہو سکتی، کیونکہ (بہر حال) کُل جزو سے زیادہ ہوتا ہے۔ پس یہاں پر اس سے مراد یہ ہے کہ تاوان کی مجوزہ مقدار اس عضو کے جرمانہ کے برابر نہ ہو جس کے تاوان کی مقدار مقرر ہے۔ اگر مجوزہ تاوان کی مقدار زیادہ ہو اور وہ (یعنی مجوزہ تاوان والا) عضو مقررہ تاوان والے عضو کے تابع ہے جیسے ہتھیلی جو انگلیوں کے تابع ہے تو اس (مجوزہ تاوان کے صحیح ہونے) کی شرط یہ ہے کہ مجوزہ تاوان، مقرر شدہ تاوان سے زیادہ نہ ہو، ہاں اگر ہتھیلی کا مجوزہ تاوان صرف ایک انگلی کے تاوان کے برابر ہو جائے تو مضائقہ نہیں، کیونکہ ہتھیلی کی افادیت ہٹانے اور سمیٹنے کی صلاحیت میں ایک انگلی سے زیادہ ہے اسی طرح اپاہج ہاتھ (سے متعلق جرم) کا تاوان سالم ہاتھ کی دیت کے برابر نہ ہو جائے البتہ ایک انگلی کی دیت کے برابر ہو تو جائز ہے بلکہ

Marfat.com

اس سے زائد بھی ہو جائے تو مضائقہ نہیں، لیکن بازو کو ہتھیلی کے برابر نہیں رکھا جا سکتا کہ اس کے زخم کا تجویز کردہ تاوان انگلیوں کے تاوان کے برابر ہو جائے کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے ساتھ ہونے کے باعث ان کی تابع ہے بازو انگلیوں کے تابع نہیں ہے کیونکہ وہ انگلیوں سے دور واقع ہے۔ پس اگر ہاتھ کو گٹے سے کاٹ دیا تو اس کا تاوان وہی ہوگا جو انگلیاں چھانٹ دینے کا ہے۔ اگر ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا گیا تو ہاتھ کے تاوان کے ساتھ بازو کا تجویز شدہ نصف تاوان بھی عائد ہوگا۔

واضح ہو کہ جرم کی سزا تشخیص کرنے کے لیے مجروح کو مملوک (غلام) فرض کر لیا جائے گا لیکن تشخیص زخم کے مندمل ہونے کے بعد ہونی چاہیے۔ اس سے پہلے نہ کی جائے، کیونکہ زخم جسم میں سرایت کر کے موجب ہلاکت بھی ہو سکتا ہے، یا ایسے اعضاء کے تلف کرنے کا موجب ہو سکتا ہے، جس کے تاوان کی مقدار مقرر ہے۔ ایسی صورت میں وہی مقررہ تاوان عائد ہوگا مجوزہ (یا مشخصہ) تاوان عائد نہ ہوگا۔ اگر زخموں کے مندمل ہو جانے کے بعد عضو مجروح کی افادیت میں کوئی کمی نہ ہو، نہ جمال میں فرق آئے، اور نہ قیمت میں کمی ہو تو زخموں کے پہنچنے سے پہلے مندمل ہونے تک کے دوران کم سے کم جو نقص ہوا ہے اسی کے پیش نظر تاوان مقرر ہوگا اور اس پر عمل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ بے گناہ پر جرم عائد نہ ہو، اگر خون بہنے کے وقت جو نقص تھا اس کے علاوہ اور کوئی نقص ظاہر نہ ہو تو اس حالت میں مجروح کی قیمت لگائی جائے گی اور اس زخم کو خون نکالنے والا زخم تصور کیا جائے گا۔ (مطلب یہ ہے کہ زخمی حالت میں غلام کی قیمت غیر مجروح حالت کے مقابلہ میں جس قدر کم ہوگی وہی تاوان ہوگا) اگر زخم خفیف ہو اور مجروح کے زخم سے خون بہنے کا کوئی اثر نہ ہوا ہو تب بھی مجرم کو اس سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا جو تھپڑ مارنے یا ایسی ضرب لگانے کی صورت میں ہوتی ہے جس کا بعد میں کوئی اثر نہیں رہتا۔ یہ سزا اس لیے لازم کی گئی ہے کہ عناد کا سدّ باب ہو جائے اور حکومت پر اعتماد کیا جا سکے۔

کہا جاتا ہے کہ ایسی صورت میں قاضی اپنی رائے سے تاوان کی تشخیص کرے گا، تاکہ جرم بے باز پرس کے نہ رہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر تاوان نہیں بلکہ سزا واجب ہے جیسے کہ زد و کوب کرنے یا تھپڑ مارنے میں ہوتا ہے جبکہ اس کا نشان جسم پر نہ رہے، وہ زخم موضحہ (ہڈی تک کھل جانے والے زخم) کی مانند ہے، جس سے زخم کے ارد گرد عیب لاحق ہو جاتا ہے۔ اس کے تاوان کی تشخیص جداگانہ نہیں ہوتی اور وہ زخم جس کا تاوان مقرر نہیں ہے زخم دامیہ (جس میں صرف خون نکل آئے) کی مانند ہے اس سے جو عیب لاحق ہو اس کے (تاوان کی) تشخیص زخم کے ماہرین سے کرائی جائے کیونکہ حکومت اس کا پتہ لگانے سے قاصر ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ زخم سر کے سوا اور جگہ کے زخموں کا قصاص، اس عضو (مجرم) سے لیا جانا شرط ہے۔ چنانچہ دائیں طرف کے عضو کی جراحت کا قصاص مجرم کے بائیں عضو سے یا اس کے برعکس قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ اگر مثلاً کسی نے انگشت شہادت کاٹی تو اس کے بدلے مجرم کا انگوٹھا کاٹا جائے، نیز اگر مجروح کا (زخم خوردہ عضو) لمبا ہے اور مجرم کا وہ عضو چھوٹا ہے تو اس کی کمی ثانی الذکر کے کسی اور عضو سے پوری نہیں کی جائے گی۔

واضح ہو کہ اگر طبیب (یا ڈاکٹر) جو مقدار قصاص کی تشخیص میں شریک ہے، عمداً زخم کا حجم اصل زخم سے زیادہ بتائے تو جس قدر اس نے زیادہ بتایا اتنے حصہ کا قصاص اس سے لیا جائے، اگر زخم کا حجم عمداً اصل حجم سے کم بتایا، اور مجروح اس زخم

Marfat.com

سے مرجائے، تب تو طبیب سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، جبکہ عمداً قصاص لینے میں زیادتی نہ کی گئی ورنہ حکم سے زیادہ سزا دینے پر قصاص عائد ہوگا۔

اگر (محل جرم ومحل قصاص) یکساں نہ ہوں یا طبیب نے عمداً زیادتی نہ کی ہو بلکہ اس سے (حجم زخم کی تشخیص میں) غلطی ہوگئی ہو تو مجرم پر (قصاص نہیں بلکہ) دیت واجب ہوگی، پس اگر مثلاً مجرم نے چھنگلیا (چھوٹی انگلی) کاٹی اور مجرم کی چھنگلیا نہ ہو تو قصاص واجب نہ ہوگا کیونکہ محل قصاص وہی نہیں ہے بلکہ تاوان عائد ہوگا۔ اب اگر جرم عمداً کیا گیا ہے یا جرم ایسا ہے جس میں ایک تہائی سے کم دیت عائد ہوتی ہے تو اس کا تاوان مُجرم کے مال سے وصول کیا جائے گا، اور اگر جرم غلطی سے سرزد ہوگیا، لیکن اس کی دیت ایک تہائی سے زیادہ ہے تو وہ تاوان عاقلہ (تاوان کے ذمہ دار رشتہ دار) پر عائد ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے اندھے کی آنکھ کہ اگر کسی آنکھ والے نے جرم کیا اور اس آنکھ کو نکال دیا تو اندھی آنکھ کے عوض صحیح آنکھ نہیں نکالی جائے گی، کیونکہ دونوں میں یکسانیت نہیں ہے، ایسی صورت میں قصاص نہ ہوگا اور نہ نصف دیت عائد ہوگی بلکہ اس کی سزا کی تشخیص منصفانہ فیصلہ کی بناء پر ہوگی اور وہ اس لحاظ سے ہوگی کہ آنکھ اندھی ہوجانے پر ایک شخص کی قیمت میں کس قدر کمی آجاتی ہے لیکن اگر مجرم نابینا ہے اور اس نے ایک بینا شخص کی آنکھ پھوڑ دی تو قصاص عائد نہ ہوگا۔ سالم آنکھ کے عوض اندھی آنکھ نہیں نکالی جائے گی، بلکہ مجرم پر نصف دیت واجب ہوگی اگرچہ جرم عمداً کیا گیا ہو۔ اسی طرح وہ زبان جو بول نہیں سکتی بولتی زبان کے قصاص میں نہیں کاٹی جائے گی۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تب بھی قصاص نہ ہوگا، بلکہ بولتی زبان میں دیت عائد ہوگی اور گونگی زبان کی صورت میں سزا حکومت تجویز کرے گی جیسا کہ اندھی اور دیکھتی آنکھوں کے بارے میں بیان ہوا۔

چہرے پر تھپڑ مارنے کا قصاص نہیں ہے، درآنحالیکہ اس سے زخم نہ ہوا ہو اور نہ (چہرے کی) افادیت گئی ہو اور نہ عقل زائل ہوئی ہو اگر چہرے کے سوا کسی اور جگہ پر ہاتھ سے مارا جائے، مثلاً گدی سے دھکا دیا اور اس سے کوئی زخم نہیں ہوا اور نہ اس کی افادیت زائل ہوئی تو اس جرم پر قصاص عائد نہ ہوگا اور یہ تھپڑ مارنے کی مانند متصور ہوگا۔

ڈاڑھی یا شفر چشم کے بال کاٹ دینے پر قصاص نہیں ہے، شفر بضم شین وسکون فا پلک کو کہتے ہیں ابرو کے بال کاٹ دینے پر بھی قصاص نہیں ہے لیکن اگر یہ جرم عمداً کیا گیا تو اس پر سرزنش کی جائے گی، غلطی سے سرزد ہونے پر نہیں، اور ڈاڑھی، آنکھ اور پلکوں کے بال سے متعلقہ جرائم پر سزا کی تشخیص حکومت کرے گی بشرطیکہ وہ بال دوبارہ پہلے کی طرح پیدا نہ ہوجائیں، یہ حکم اول تو اس لئے ہے کہ پلکیں اور بھویں ایسے اعضاء نہیں ہیں جن سے کام لیا جاسکے اور نہ خلقی طور پر ان کی کوئی نمایاں افادیت ہے، تاہم اگر ان اعضاء کو ضرب پہنچانے سے زخم ہوجائے یا ان کی افادیت جاتی رہے تو اس پر قصاص واجب ہوجائے گا۔

عمداً کوڑے سے ضرب پہنچانے پر قصاص عائد ہوگا، گو اس سے کوئی زخم نہ ہوا ہو اور نہ اس کی افادیت جاتی رہی ہو، کیونکہ تازیانہ سے مارنا محض تادیب کے پیش نظر یا سزائے شرعی کے طور پر ہوتا ہے اور بالعموم اس سے جان کا ضرر نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اگر زخم (کے کسی حصہ پر) سخت خطرناک زخم پہنچایا جائے تو اس پر قصاص نہ ہوگا چنانچہ جراحت منقلہ (جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے ہٹ جائے) یا جراحت آمہ (چندیا کا وہ زخم جو دماغ کی ہڈی کے خول تک پہنچ جائے) میں تو قصاص قطعاً نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں زخم ہوتے ہی خطرناک ہیں، (اس کے لیے سخت خطرناک ہونے کی شرط ضروری نہیں ہے) پس سینے کی ہڈی یا ریڑھ کی ہڈی توڑنے پر قصاص نہیں ہے، اور فوطوں کے کچلنے پر قصاص نہ ہوگا بلکہ اس جرم کے مرتکب پر پوری دیت عائد ہوگی، لیکن زخم کے مندمل ہو جانے کے بعد، بخلاف اس صورت کے جبکہ ان دونوں کو کاٹ دیا جائے یا محض زخمی کیا جائے کہ اس میں مجرم سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ اس سے جان کا خطرہ نہیں ہے۔

اگر کسی کو ایسی جراحت پہنچائی جس پر قصاص عائد ہوتا ہے، مثلاً وہ زخم موضحہ ہے (یعنی گہرا ہے جو ہڈی تک پہنچ جائے) اور اس زخم کے باعث مجروح کی بینائی بھی جاتی رہی یا ہاتھ شل (ناکارہ) ہو گیا تو اس کا قصاص ہوگا اور مجرم کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا واجب ہوگا جیسا کہ اس نے جرم کیا، پس اگر مجرم کو بھی ویسا ہی زخم پہنچایا گیا جس سے مجروح کی بصارت وغیرہ جاتی رہی، یا مجرم کو اس سے بھی زیادہ نقصان پہنچ گیا بایں طور کہ قصاص میں جو موضحہ (گہرا زخم) لگایا گیا اس سے مجرم کی بصارت کے ساتھ قوت سماعت بھی جاتی رہی تو اس پر اس مجرم کو جس سے قصاص لیا گیا اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اس نے جو ظلم کیا تھا اس کی پاداش میں اسی طرح قصاص کا سزاوار تھا جیسا کہ اس نے کیا اور زیادہ نقصان جو ہوا وہ منجانب اللہ متصور ہوگا۔

اگر مجرم سے اسی طرح قصاص لیا گیا جیسا اس نے جرم کیا تھا' لیکن اس سے مزید نقصان ہوا یعنی مجرم کی بصارت وغیرہ پر کوئی اثر نہیں ہوا' اور مجرم کا وہ جرم عمداً تھا تو مجرم کا جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان مزید مجرم پر عائد ہوگا اگر وہ جرم غلطی سے سرزد ہوا تھا تو اس کے عاقلہ (ادائے قصاص کے ذمہ دار اشخاص) پر تاوان واجب ہوگا جیسے اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ کسی نے ایک شخص کے فوطے (یا بیضہ آلہ تناسل) پر اس طرح کی ضرب لگائی جس پر قصاص عائد نہیں ہوتا' یا چہرے پر مارا یا گدی سے دھکا دیا تو اس طرح کی چوٹ پر قصاص نہیں ہے' قصاص صرف جراحت رسانی پر ہوتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' والجروح قصاص '' (یعنی قصاص جراحت رسانی پر ہے) پس اگر اس طرح کی چوٹ سے (احیاناً) بصارت جاتی رہے تو مجرم کو اسی طرح کی ضرب نہیں پہنچائی جائے گی' بلکہ تاوان واجب ہوگا' ہاں اگر مجرم کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جیسا کہ اس نے جرم کیا تھا گو قصاص عائد نہیں ہوتا لیکن اس سے بصارت کا جانا ممکن ہے تو وہی عمل کیا جا سکتا ہے' مثلاً مجرم نے کوئی ایسی بات کی جس سے مظلوم کی بصارت باقی رہی تو مجرم کے ساتھ بھی وہی عمل کیا جائے گا' اگر ایک شخص نے کسی کا عضو بدن (مثلاً ہاتھ) کاٹ دیا اور اس کے بعد خود مجرم کا وہی عضو کسی اور شخص کے ساتھ عمداً جرم قطع کے ارتکاب کی پاداش میں کاٹ دیا گیا' یا کسی آسمانی حادثے سے اس کا وہی عضو کٹ گیا' یا چوری کی سزائے شرعی میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا یا اس کے کسی سابقہ جرم کی پاداش میں جو کسی اور کے ساتھ اس نے کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو اب نئے مظلوم کا کوئی مطالبہ اس مجرم پر نہ ہوگا نہ قصاص کا اور نہ تاوان کا' کیونکہ اسے حق مطالبہ اسی کے عضو جیسے عضو کے متعلق ہو سکتا تھا اور وہ عضو باقی نہیں ہے' اسی طرح اگر جرم قطع عضو کا مجرم مر جائے تو اس کے ورثا پر کوئی مطالبہ عائد نہ ہوگا' ہاں اگر مجرم کا وہ عضو (جو محل قصاص ہے) ارتکاب

Marfat.com

جرم سے پہلے ہی کٹا ہوا ہو تو (قصاص کی بجائے) دیت عائد ہوگی۔

اگر مجرم نے کسی کا کوئی عضو کاٹا اور اس کا اپنا وہی عضو اس کٹے ہوئے عضو سے زیادہ قوی ہے تو (کمزور عضو کے بدلے اس کے) قوی عضو کو قصاص میں کاٹنا جائز ہے چنانچہ اگر کسی نے ایک ایسے شخص کی آنکھ تلف کرنے کا جرم کیا جس کی بصارت قدرتی طور پر یا کبرسنی کے باعث کمزور ہو تو اس کے عوض مجرم کی تندرست آنکھ تلف کر دی جائے گی بشرطیکہ مظلوم کی بصارت نہایت ہی کمزور نہ رہی ہو اگر عضو محل جرم مقابلۃً نہایت ہی ضعیف ہو تو (قصاص کی بجائے) دیت واجب ہوگی۔

اگر ایسے شخص نے جس کی دونوں آنکھیں سالم ہیں کسی کانے کی آنکھ پھوڑ دی تو اس (کانے) کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنی تندرست آنکھ جیسی مجرم کی آنکھ تلف کر دے یا پورا تاوان یعنی اپنی آنکھ کا تاوان مجرم کے مال سے وصول کر لے۔ اگر ارتکاب جرم عمداً ہوا ہے اور مشہور مسلک یہی ہو تو قصاص ہی امر حتمی ہوگا (قصاص اور دیت کا جو اختیار دیا گیا وہ نہ رہے گا) مظلوم کو (تاوان یا قصاص کا) اختیار اس لئے دیا گیا ہے کہ مجرم اور مظلوم دونوں کی آنکھیں یکساں نہیں ہیں کیونکہ مظلوم کی آنکھ کی دیت ایک (۱۰۰۰) ہزار دینار ہے' بخلاف مجرم کی آنکھ کے کہ اس کی دیت پانچ (۵۰۰) سو دینار ہے' اگر قصاص میں آنکھ کو لازم قرار دیا جائے تو اعلیٰ کے بدلے قصاص میں ادنیٰ کا لینا ہوگا جو مجروح پر ظلم ہے' اس لئے اسے اختیار دینا واجب ہوا۔

اگر کسی کانے نے سالم آنکھوں والے کی ایسی آنکھ پھوڑ دی جو اس کی (سالم) آنکھ کی مانند تھی تو جائز ہے کہ (قصاص میں) اس کی سالم آنکھ کو پھوڑ دیا جائے' اس طرح اسے اندھا ہونا پڑے گا' یا اگر وہ قصاص سے دست بردار ہو جائے تو اپنی آنکھ کے عوض ایک (۱۰۰۰) ہزار دینار کی رقم وصول کر سکتا ہے' کیونکہ قصاص میں محل قصاص کا (محل جرم سے) یکساں ہونا مسلم ہے اور کانے کی دیت کی دوسری آنکھ کی دیت پوری دیت ہوگی کیونکہ کانا شخص اپنی ایک آنکھ سے وہی کام لیتا ہے جو صحیح آنکھوں والا اپنی دونوں آنکھوں سے لیتا ہے۔

اگر کسی کانے شخص نے صحیح آنکھ والے کی وہ آنکھ پھوڑ دی جو اس کی (سالم) آنکھ کی مانند نہ تھی یعنی وہ آنکھ پھوڑی جو اس کی اندھی آنکھ کی مانند تھی تو مجرم کے مال میں سے نصف دیت عائد ہوگی اور مظلوم کو مطالبۂ قصاص کا حق نہ ہوگا کیونکہ محل قصاص کو (محل جرم سے) مماثلت نہیں ہے۔

اگر کسی کانے نے ایک شخص کی دونوں سالم آنکھیں عمداً پھوڑ دیں' خواہ ایک ساتھ پھوڑی ہوں یا یکے بعد دیگرے پھوڑی ہوں اور بقول راجح خواہ وہ آنکھ جو اس کی آنکھ کی مانند ہے پہلے پھوڑی ہو یا بعد میں پھوڑی ہو تو مظلوم کو قصاص لینے کا حق ہے' بایں طور کہ مجرم (کانے) کی وہ آنکھ پھوڑ دی جائے گی جو مظلوم کی سالم آنکھ کی مانند ہے اور اسے بھی اندھا کر دیا جائے گا' علاوہ اس کے وہ مظلوم نصف تاوان مزید مجرم سے وصول کرے گا جو مجرم کی اس آنکھ کے بدلے میں ہوگا جو (بے بصارت ہونے کے باعث) مظلوم کی آنکھ جیسی نہیں ہے' (مظلوم) سالم آنکھوں والے کو بنا بر مماثلت یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ قصاص لے یا تاوان وصول کرے' کیونکہ اگر دونوں آنکھ کے تاوان وصول کرنے کا اختیار ہو تو ایک پورا اور ایک کا نصف تاوان لینا لازم نہ ہوگا' یہ صاحب شریعت علیہ السلام کے ارشاد کے خلاف ہے۔

Marfat.com

انگلیوں اور ہتھیلی کے تاوان کا بیان

شافعیہ، مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کی انگلیوں کے کاٹنے کا تاوان (پورے ہاتھ کا) نصف ہوگا' کیونکہ انگلیوں کے کاٹ دینے سے ہاتھ سے پکڑنے کی صلاحیت جاتی رہتی ہے' جو تاوان کے واجب ہونے کا سبب ہے' اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی کاٹ دی تب بھی نصف دیت (تاوان) عائد ہوگی' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" وفی الیدین الدیة وفی احداهما نصف الدیته" (یعنی دونوں ہاتھ کی دیت ایک پوری دیت ہے اور ایک ہاتھ کی دیت نصف ہوگی) پھر یہ بھی ہے کہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے کیونکہ انگلیوں ہی سے پکڑا جاتا ہے' اگر ایک ہاتھ کو نصف بازو سے کاٹ دیا تو انگلیوں اور ہتھیلی کا تو نصف تاوان ہوگا اور اس سے زیادہ جو نقصان ہوا ہے اس کے تاوان کا فیصلہ حکومت سے ہوگا کیونکہ شریعت نے ایک ہاتھ کا تاوان نصف مقرر فرمایا ہے اور ہاتھ نام ہے اس عضو کا جو مونڈھے تک ہے' پس شریعت کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا' اگر ہتھیلی کو جوڑ (گٹے) سے جدا کیا گیا اور اس میں صرف ایک انگلی تھی تو اس کا تاوان پوری دیت کا دسواں حصہ ہوگا اور اگر اس ہتھیلی میں دو انگلیاں ہوں تو پانچواں حصہ تاوان ہوگا اور محض ہتھیلی کاٹ دینے پر کچھ عائد نہ ہوگا' کیونکہ اصل شے انگلیاں ہیں اور ہتھیلی حقیقۃً اور شرعاً انگلیوں کے تابع ہے' کیونکہ قوت گرفت انگلیوں سے ہے' اگر کٹی ہوئی ہتھیلی کے ساتھ تین انگلیاں ہوں تو پوری انگلیوں کا تاوان عائد ہوگا' ہتھیلی کا بالاتفاق کوئی تاوان نہیں ہے کیونکہ بنیادی طور پر ہتھیلی کا وجود انگلیوں سے ہے اور انگلیوں کی بیشتر تعداد کو پوری تعداد قرار دیا جائے گا' ہتھیلی ان کے تابع ہوگی اگر انگلیوں کی بیشتر تعداد موجود ہے تو گویا تمام انگلیاں ثابت ہیں۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ انگلیاں گنتی میں تعداد سے زیادہ ہوں تو وجود انسان کے شرف کو پیش نظر رکھتے ہوئے زائد انگلی (کے تلف کرنے) کی سزا مناسب تجویز کی جائے گی' کیونکہ بہرحال وہ بھی ہاتھ کا ایک جزو ہے۔ گو اس کی افادیت کچھ نہ ہو اور نہ اس سے کوئی خوشنمائی ہوتی ہے' یہی حال فالتو دانت کا ہے کہ اس کے تلف کرنے کی مناسب سزا تجویز کی جائے گی۔

اگر مثلاً ہتھیلی کی انگلیاں ناقص ہوں تو ان کے اتلاف پر سالم انگلیوں کو نہیں کاٹا جائے گا' اگر ایک انگلی کاٹی اور اس کے اثر سے دوسری انگلی بھی گل گئی یا ساتھ کی انگلی یا ہتھیلی شل ہو کر رہ گئی تو اس گلی ہوئی انگلی یا شل ہو جانے والی انگلی کا قصاص نہ ہوگا' کیونکہ مجرم نے عمداً اسے ایسا نہیں کیا' البتہ اس کی دیت مجرم پر عائد ہوگی یا مجرم کے مال سے حکومت کا مجوزہ تاوان دلایا جائے گا۔

اگر پانچ انگلیوں میں سے ایک انگلی کے زخم پر حکم قصاص نافذ کر دیا گیا لیکن اس انگلی کا زخم دوسری انگلیوں میں سرایت کر گیا تو زخم کے سرایت کر جانے کو اس قصاص میں تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ مجرم پر ان چاروں انگلیوں کے عوض دیت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے عائد ہوں گے اور انگلیوں کی جڑ (گھائی) کے لئے (جداگانہ) تشخیص سزا نہ ہوگی بلکہ اس کا نقصان انگلیوں کی دیت میں شامل متصور ہوگا۔

اگر کسی نے ہاتھ پر ضرب لگائی اور وہ ہاتھ سوج گیا اور کچھ دنوں کے بعد گل کر گر گیا تو اس پر قصاص واجب ہوگا' اگر جرم کے نتیجہ میں انگلیوں کے ناخن پیلے یا کالے پڑ جائیں تو اس کا قصاص نہ ہوگا' کیونکہ یہ کیفیت ناخن کے امراض میں

Marfat.com

سے ہے اور بے ناخن کی انگلیاں ناخن والی انگلیوں کے عوض کاٹی جائیں گی کیونکہ وہ نسبتہً کم حیثیت کی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ہو تو یہ حکم نہ ہوگا (یعنی ناخن والی انگلیوں کو بے ناخن والی انگلیوں کے عوض نہیں کاٹا جائے گا) کیونکہ ناقص کے اتلاف پر کامل کو نہیں لیا جائے گا اگر مجرم کے ہاتھ کی ایک انگلی کم ہے اور اس نے کسی کا پورا ہاتھ کاٹ دیا ہے تو مجرم کا پورا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا (اور چونکہ اس میں ایک انگلی نہیں تھی) اس انگلی کے عوض جرمانہ ادا کرنا ہوگا' اگر ثابت ہاتھ والے شخص نے ناقص ہاتھ والے کا ہاتھ کاٹ دیا تو یہ دست بریدہ شخص چاہے تو اپنی چار انگلیوں کی دیت وصول کرے اور چاہے تو مجرم کی انگلیاں کاٹ دے' اگر بے انگلی کی ہتھیلی کاٹی جائے تو اس کا قصاص نہ ہوگا' ہاں اگر مجرم کا ہاتھ بھی دیسا ہی (بے انگلیوں کا) ہے تو قصاص ہو سکتا ہے' اگر بے انگلیوں والے انسان نے کامل انگلیوں والے کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس مجرم کی ہتھیلی کاٹ دی جائے گی اور انگلیوں کے نقصان کا تاوان بھی وصول کرے گا۔

اقسام جراحات کا بیان

چاروں ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لغت اور فقہ کی رو سے جراحتوں کی دس (۱۰) قسمیں ہیں:۔

پہلا قسم کا زخم' حارصہ' ہے یعنی وہ زخم جس سے جلد پھٹ جائے لیکن خون نہ بہے۔

دوسرا ''دامعہ'' وہ زخم جس میں خون نمایاں ہو لیکن بہے نہیں جیسے آنکھ کا آنسو۔

تیسرا ''دامیہ'' وہ زخم جس سے خون نکل آئے بایں طور کہ جلد پھٹے نہیں بلکہ رسنے لگے۔

چوتھا ''باضعہ'' زخم جس میں جلد کٹ پھٹ جائے۔

پانچواں ''متلاحمہ'' وہ چوٹ جو جلد میں دھس جائے لیکن ہڈی تک نہ پہنچے۔

چھٹا 'سمحاق' وہ زخم جو 'سمحاق' تک پہنچ جائے' یہ ایک باریک جھلی ہے جو گوشت اور استخوان سر کے درمیان ہوتی ہے' اسے 'ملطاۃ' بھی کہتے ہیں۔

ساتواں ''موضحہ'' وہ زخم جو اتنا گہرا ہو کہ ہڈی تک پہنچ جائے' یعنی ہڈی نظر آنے لگے۔

آٹھواں 'ہاشمہ' وہ زخم جو ہڈی کو توڑ کر چورا کر دے۔

نواں 'منقلہ'' وہ زخم جو ہڈی کو توڑ کر اپنی جگہ سے ہٹا دے۔

دسواں ''آمہ'' وہ زخم جو سر کی اس ہڈی تک پہنچ جائے جس میں بھیجا ہوتا ہے اور جسے 'ماموسۃ' کہتے ہیں۔

روایات احادیث کا مکمل مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جراحتوں کی قسمیں مذکورہ دس اقسام سے زیادہ نہیں ہیں' تاہم ان کے علاوہ ایک اور جراحت 'دامغہ' ہے اس سے وہ زخم مراد ہے جس سے بھیجا نکل پڑے' لیکن اس کے بعد بالعموم انسان زندہ نہیں رہ سکتا لیکن اس کو جراحت رسانی نہیں کہنا چاہیے بلکہ یہ قتل ہے' اور بقول صحیح حقیقت لغوی کے اعتبار سے (اس زخم کا) یہی مفہوم ہے۔

Marfat.com

زخم 'موضحہ' کی تفصیل

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر یہ زخم عمداً لگایا جائے تو قصاص واجب ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جراحت موضحہ پر قصاص کا حکم دیا ہے' اور یہ بھی ہے کہ (قصاص کے لئے) چھری کو ہڈی تک پہنچایا جا سکتا ہے اور اس طرح جرم اور سزا میں یکسانیت ہو جاتی ہے' قصاص کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ زخم دل پر اثر انداز ہو یا چوڑا ہو بلکہ زخم موضحہ کتنا ہی چھوٹا ہو خواہ ایک سوئی کے سوراخ کی مانند ہو مجرم پر قصاص لاگو ہوگا۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر غلطی سے زخم موضحہ ہو گیا تو پوری دیت کا بیسواں حصہ عائد ہوگا جو پانچ اونٹ ہوتا ہے اور یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے ثابت ہے جو انہوں نے حضرت عمرؓو بن حزم کو ایک مراسلہ میں تحریر فرمایا تھا اور عمرو بن شعیب کی حدیث سے بھی ثابت ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے اور باپ نے ان کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا 'فی الموضحۃ خمس'' (یعنی جراحت موضحہ کی دیت پانچ ہے) یعنی پانچ اونٹ' ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اسے حدیث حسن بتایا ہے'' فی الموضحۃ خمس من الابل '' (یعنی جراحت موضحہ کا تاوان پانچ اونٹ ہے) یہ تاوان آزاد مرد اور مسلمان کے ساتھ جرم کا ہے یہ جنین (پیٹ کے بچے) پر جرم کرنے کا تاوان نہیں ہے اور عورت یا اہل کتاب وغیرہ پر جرم ہو تو اسی نسبت سے تاوان جرم عائد ہوگا' اگر اہل کتاب پر یہ جرم غلطی سے سرزد ہو جائے تو اس کا تاوان ایک پورا اور دو تہائی اونٹ ہے اور اگر مجوسی وغیرہ پر یہ جرم ہو تو تین اونٹ تاوان ہوگا' اور مسلمان' آزاد عورت کی صورتؒ میں ڈھائی اونٹ تاوان عائد ہوگا جو اس کے تاوان کا بیسواں حصہ ہے۔

جراحت موضحہ کا محل وقوع

مالکیہ کہتے ہیں کہ زخم 'موضحہ' وہ ہے جس میں سر کی ہڈی دکھائی دی جائے یا پیشانی کی ہڈی جو دونوں بھوؤں اور سر کے بال کے درمیان ہوتی ہے یا چہرے کی ہڈی کھل جائے' نچلے جبڑے کے زخم پر قصاص نہیں ہے' کیونکہ اس کا تعلق گردن سے ہے (سر یا پیشانی سے نہیں ہے) ناک کی ہڈی کا قصاص نہیں ہے' گو عمداً ارتکاب کی صورت میں قصاص لاگو ہوتا ہے' (نچلے جبڑے کے زخم موضحہ پر) قصاص اس لئے نہیں ہے کہ لفظ وجہ (یعنی شکل) 'مواجہہ' (یعنی آمنے سامنے ہونا) سے نکلا ہے اور دیکھنے والے کو وہ نظر نہیں آتا' لہٰذا اگر نچلے جبڑے یا ناک پر جراحت پہنچائی جائے تو اس کا کوئی مقرر تاوان نہیں ہے۔

حنفیہ' شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ 'موضحہ' پورے چہرے' سر پیشانی اور جبڑے کی ابھری ہوئی ہڈیوں تک پہنچنے والے گہرے زخم کو کہتے ہیں جس سے ہڈی کھل جائے' ٹھوڑی اس میں داخل ہے۔

چاروں ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دس (۱۰) قسم کی جن جراحتوں کا ذکر کیا گیا وہ لغت کے اعتبار سے چہرے اور سر کی مخصوص جراحتیں ہیں' چہرے اور سر کے علاوہ کسی اور جگہ کی جراحتوں کو جراحت (مستوجب تاوان مقررہ) نہیں سمجھا جائے گا (اور اس زخم کو ان ناموں سے نامزد نہیں کیا جائے گا) بلکہ اسے 'زخم' کہا جائے گا دراصل حکم شرع حقیقی معنوں پر منطبق ہوتا ہے' اگر ان دونوں مقامات (سر اور چہرے) کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً پنڈلی یا ہاتھ پر ایسا زخم لگایا جائے تو اس کا

Marfat.com

کوئی مقررہ تاوان نہیں ہے' بلکہ اس جرم کی سزا کی مناسب تشخیص کی جائے گی' کیونکہ مقدار جراحت کا تعین ایک حد تک موقوف ہوتا ہے اور اس کے متعلقہ احکام اس کے لئے مخصوص ہیں' پھر یہ بھی ہے کہ جراحت 'موضحہ' کے بارے میں جو حکم ہے وہ دراصل اس عیب کے پیش نظر ہے جو زخم کے بعد باقی رہ جاتا ہے اور بالعموم عیب وہی ہے جو دکھائی دے اور عیب ان ہی دو اعضاء کا نظر آتا ہے اور کسی عضو کا نظر نہیں آتا۔

زخموں کی بقیہ اقسام

حنفیہ کہتے ہیں کہ ('موضحہ' کے علاوہ) دوسری جراحتوں کا قصاص نہیں ہے کیونکہ ان کے قصاص میں جرم کے ساتھ ان کی یکسانیت کو ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا' اور اس زخم کی گہرائی کو جس حد تک آلۂ جراحت پہنچا ہو متعین نہیں کیا جا سکتا' پھر یہ بھی ہے کہ زخم 'موضحہ' سے بڑے زخموں میں جیسے 'ہاشمہ' (جس میں ہڈی چور چور ہو جائے) یا 'منقلہ' جس میں ہڈی ٹوٹ کر الگ ہو جائے) یا 'آمہ' (جس میں بھیجے کی کھوپڑی متاثر ہوتی ہے) ایسے زخم ہیں جن میں ہڈی ٹوٹ جاتی ہے' اور ہڈی توڑنے کا قصاص نہیں ہوا کرتا' ابو حنیفہؒ سے یہی قول مروی ہے۔

امام محمد نے اصل ظاہر الراویہ میں فرمایا ہے کہ (اقسام جراحات میں سے) 'جراحت موضحہ' سے پہلے کی (چھ) جراحتوں میں قصاص ہو سکتا ہے' کیونکہ ان جراحتوں میں ہڈی نہیں ٹوٹتی اور نہ عام طور پر اس میں موت کا اندیشہ ہوتا ہے' لہٰذا ان زخموں کی گہرائی کا اندازہ آلۂ زخم پیا سے کیا جا سکتا ہے' اس کے بعد ایک دھار دار آلہ اسی کے مناسب لے کر اسی قدر کاٹا جائے تو قصاص پورا ہو سکتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ 'جراحت موضحہ' سے کم درجہ کے چھ زخم جن کا ذکر موضحہ سے پہلے کیا گیا' یعنی زخم حارصہ سے سمحاق تک کی بابت مناسب تشخیص کی جائے گی' کیونکہ ان کا کوئی مقررہ تاوان نہیں ہے' اور اس جرم کو نظر انداز کر دینا ممکن نہیں ہے لہٰذا ان کی سزا کی بابت حکومت عدل (مناسب تصفیہ مبنی پر تعدیل) پر واجب ہے جیسا کہ نخعی اور عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے نیز ان کا کہنا ہے کہ زخم 'ہاشمہ' (جس میں ہڈی چور ہو جاتی ہے) دیت کا دسواں حصہ اور 'زخم منقلہ' میں ایک دسواں اور ایک بیسواں حصہ اور 'زخم آمہ' (چندیا کے گہرے زخم) میں ایک تہائی حصہ لاگو ہوگا اور جائفہ (اندر تک پھاڑ دینے والے زخم) میں بھی تاوان کا ایک تہائی حصہ عائد ہوگا' لیکن اگر 'زخم جائفہ' آر پار ہو جائے تو وہ دو 'جائفوں' کے برابر ہو جائے گا اور دو تہائی حصہ تاوان کا عائد ہوگا جیسا کہ عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مراسلہ میں بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وفی الموضحته خمس من الا بل' وفی الهاشمة عشر' وفی المنقلة خمسته عشر' وفی الآمة و یروی المامومة ثلث الدیة" (یعنی جراحت موضحہ کا تاوان پانچ (۵) اونٹ' ہاشمہ کا دس' منقلہ کا پندرہ' اور آمہ کا جو روایت میں 'مامومہ' بھی کہا گیا ہے دیت کا تہائی حصہ لاگو ہوگا) نیز حضور کا ارشاد ہے "وفی الجائفة ثلث الدیة" (یعنی زخم جائفہ میں ایک تہائی دیت ہے) کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایسے زخم کے بارے میں جو پیٹ کے آر پار ہو جائے دو تہائی تاوان کا فیصلہ فرمایا ہے اور یہ بھی ہے کہ زخم اگر آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفوں کے برابر ہو جاتا ہے ایک زخم پیٹ کی جانب سے اور دوسرا پیٹھ کی طرف سے اور ہر 'جائفہ' (پھاڑنے والے زخم) پر ایک دیت کا تہائی

Marfat.com

حصہ عائد ہوتا ہے لہٰذا دو تہائی تاوان لاگو ہوگا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ 'زخم جائفہ' (کی اصطلاح) جوف کرنے والے (یعنی پھاڑنے کا شگاف کرنے والے زخم) کے لئے مخصوص ہے خواہ وہ زخم سر کا ہو یا پیٹ کا۔

ان مسائل (متذکرہ) میں لفظ حکومت عدل (منصفانہ تجویز یا تشخیص عادلانہ) کا جو ذکر آیا ہے' اس کی توضیح' بقول امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ یہ ہے کہ پہلے ایک ایسے مملوک غلام کی قیمت لگائی جائے جو زخمی نہ ہو پھر اس حالت میں قیمت لگائی جائے جبکہ وہ زخم جائفہ سے متاثر ہو چکا ہو' پھر ان دونوں کی قیمتوں کا فرق دیکھا جائے اگر دونوں میں بیسویں حصہ کا (یعنی پانچ فیصدی فرق ہے تو تاوان کا بھی بیسواں حصہ لاگو ہوگا اور اگر چالیسویں حصہ (یعنی ڈھائی فیصدی) کا فرق ہے تو تاوان کا بھی چالیسواں حصہ عائد ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر 'جراحت ہاشمہ' کے ساتھ 'جراحت موضحہ' بھی ہو (یعنی ہڈی بھی کچلی گئی ہو اور زخم بھی کھل گیا ہو) یا شکستہ ہڈی کو نکالنے یا ہڈی کو بٹھانے کے لئے چیر دینا پڑا ہو تو اس کا تاوان دس اونٹ ہے جو آزاد شخص کے پورے تاوان کا دسواں حصہ ہے' جیسا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اوجب فی الھاشمتہ عشراً من لابل" (یعنی 'زخم ہاشمہ' کا تاوان جس میں ہڈی کچلی جائے دس اونٹ واجب ہوگا) اس حدیث کو دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس پر عمل ایک اندازے ہی سے ہو سکتا ہے' 'زخم ہاشمہ' نہ ہو تو بقول صحیح پانچ اونٹ تاوان ہوگا' کیونکہ دس اونٹ تاوان اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ 'زخم ہاشمہ' کے ساتھ 'موضحہ' بھی ہو' چونکہ زخم موضحہ کا تاوان پانچ اونٹ ہے لہٰذا باقی پانچ اونٹ ہاشمہ کا تاوان ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ 'زخم ہاشمہ' (جس میں ہڈی چور چور ہو جائے) اگر وہ ہڈی نظر نہ آتی ہو تو اس کا فیصلہ حکومت کی تجویز سے ہوگا' کیونکہ یہ جرم بھی دوسری ہڈیوں کو شکستہ کرنے کی مانند ہے' اس کا اور 'زخم منقلہ' کا تاوان (جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے) پندرہ (۱۵) اونٹ ہے' جیسا کہ نسائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور کتاب 'الام' میں نقل کیا گیا ہے' اس پر اجماع ہے اور ابن المنذر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

قصاص صرف جراحت 'موضحہ' میں ہی عائد ہوتا ہے (جس میں زخم کھلا ہوتا ہے اور ہڈی نظر آتی ہے) جراحت ماموم (یا آمہ) میں پوری دیت کا ایک تہائی تاوان عائد ہوتا ہے جیسا کہ عمرو بن حزم نے 'بحر' میں روایت کیا ہے اور اس پر اجماع ہے' اور نص صحیح کے بموجب 'زخم دامغہ' (جس میں بھیجا نکل آتا ہے) کا تاوان بھی وہی ہے جو 'ماموم' کا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر دماغ کا پردہ پھاڑ دینے کا مزید تاوان تجویز کیا جائے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ 'جراحت ماموم' اور اس سے پہلے کے نو (۹) اقسام مذکورہ کی جو تفصیل بتائی گئی ہے وہ اس حال میں ہے جبکہ مجرم ایک شخص ہو اور ارتکاب جرم کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو تو ان کا حکم حسب ذیل ہے:

اگر ایک شخص نے کسی مرد آزاد اور مسلمان کو زخم موضحہ (گہرا زخم جس سے ہڈی کھل جائے) پہنچایا اور اس کے بعد یا پہلے ہی کسی دوسرے شخص نے 'زخم ہاشمہ' (ہڈی کچل دینے والا زخم) لگایا پھر تیسرے نے 'زخم منقلہ' (ہڈی کو توڑ کر اپنی جگہ سے ہٹا دینے والا اور چوتھے نے زخم آمہ (چندیا کا زخم) بھی پہنچایا تو تین جراحتوں کے ملزموں میں سے ہر ایک پر پانچ

Marfat.com

اونٹ تاوان ہوگا: پہلے پر تو اس لئے کہ اس نے زخم موضحہ پہنچایا (جس کا تاوان پانچ اونٹ مقرر ہے) اور دوسرے پر اس لئے کہ اس تاوان سے جو زیادہ ہے وہ زخم ہاشمہ کا ہے۔ اور تیسرے پر اس لئے کہ ان دونوں سے جو زیادہ ہے وہ زخم منقلہ کا تاوان ہے ان کے علاوہ چوتھے شخص پر جو تاوان ہوگا اس سے پورے تاوان کا تہائی حصہ کامل ہوتا ہے۔ یعنی اٹھارہ اونٹ اور ایک تہائی اونٹ $\frac{1}{3}\times18+15=\frac{1}{3}\times33$ پورے تاوان سو (۱۰۰) اور اونٹ کا تہائی حصہ ہے) جو جراحت منقلہ اور جراحت مامومہ کے بین بین ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ جن جراحتوں کا ذکر 'موضحہ' سے پہلے کیا گیا ہے' ان میں 'حارصہ' سے لے کر 'سمحاق' تک پانچ قسم کے زخم ایسے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان زخموں کو 'جراحت موضحہ' سے کیا نسبت ہے؟ بایں طور کہ کسی کے سر میں ''جراحت موضحہ'' ہو اور اس کا موازنہ مثلاً 'باضعہ' سے کیا جائے اور معلوم ہو کہ گردن (کے زخم) سے جو گوشت کٹا ہے' اس کی گہرائی زخم موضحہ کی نسبت سے ایک تہائی یا نصف ہے تو اس کا تاوان اسی نسبت سے ہوگا۔ اگر 'موضحہ' کے ساتھ یہ نسبت مشکوک ہو تو اسے قطعی بنانے کی کوشش کی جائے۔ اگر پھر بھی تناسب متعین نہ ہو سکے تو عادلانہ حکومت (یعنی منصفانہ تشخیص) کی جائے۔ لیکن مشخصہ تاوان 'جراحت موضحہ' کے تاوان کے برابر نہ ہونا چاہیے۔ یہی حکم تمام جسمانی جراحتوں کے لئے ہے۔ مثلاً جراحت موضحہ' جراحت ہاشمہ یا منقلہ کہ اس کا فیصلہ صرف تشخیص حکومت پر ہوگا کیونکہ زخم موضحہ' ہاشمہ اور منقلہ کے متعلقہ دلائل کا ان زخموں سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ تینوں نام سر اور چہرے کے زخموں کے لئے مخصوص ہیں اور ان دونوں جگہوں کے علاوہ اور کسی جگہ کے زخم ان کے ہم معنے نہیں ہیں۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر زخم 'جائفہ' (یا موضحہ) چھوٹا سا بھی ہو تو ایک تہائی دیت عائد ہوگی جیسا کہ عمرو بن حزم کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ یہ حکم 'احکام متذکرہ سابقہ سے مستثنیٰ کی مانند ہے کیونکہ 'زخم جائفہ' کے سوا جسم کا کوئی اور زخم ایسا نہیں ہے جس کے حجم کی مقدار معلوم ہو سکے اور اسی نسبت سے سزا تجویز کی جائے۔ جائفہ وہ زخم ہے جس کے اندر غذا یا دوا کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو' مثلاً پیٹ کے اندرونی حصہ تک پہنچا ہوا زخم یا سینہ یا ہنسلی کے خلاف یا ماتھے کے اندرونی حصہ یا پہلو کی گہرائی کا زخم' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ زخم جائفہ کا شگاف' دھاردار آلے یا لاٹھی کی چوٹ سے لگا ہو۔ منہ' ناک' آنکھ' پلک اور پیشاب کی نالی کا زخم جائفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں سابقتہ الذکر زخموں کی طرح جان کا خطرہ نہیں ہے۔ ان کو اجواف (یا شگافوں) میں شمار نہیں کیا گیا۔ لہٰذا ان کے متعلقہ جرائم میں حکومت کی تجویز کردہ سزا (یا تاوان) ہے۔ اگر چہرے کا زخم جائفہ اتنا گہرا ہو کہ منہ تک پہنچ جائے تو مجرم پر جرم 'زخم جائفہ' کا تاوان عائد ہوگا جو پانچ اونٹ ہے۔ اگر وہ زخم ناک کا بانسہ توڑ کر ناک کے اندرونی حصہ تک پہنچ جائے تو جراحت ہاشمہ کا تاوان یعنی دس اونٹ لاگو ہوگا۔ ساتھ ہی اس زخم کے لئے بھی تاوان کی تجویز حکومت کرے گی جو منہ اور ناک تک پہنچا ہوا ہے کیونکہ یہ ایک دوسرا جرم ہے۔ اس میں خطرہ بھی زیادہ ہے اور بدنمائی بھی ہے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے مونڈھے یا ران پر اس طرح چھرا مارا کہ اس کا زخم پیٹ تک جا پہنچا اور وہاں تک چیر دیا تو مجرم پر جائفہ پیٹ پھاڑ دینے والے (یا خلا تک پہنچنے والے) زخم کا پورا تاوان عائد ہوگا جو ایک دیت

Marfat.com

کا تہائی ہے۔ ساتھ ہی مونڈھے یا ران کے زخموں کا تاوان بھی حکومت تجویز کرے گی۔ کیونکہ یہ زخم جائفہ کے مخصوص مقامات پر نہیں لگائے گئے اور اگر سینے پر چھرا مار کر (نیچے) پیٹ تک یا (اوپر) گلے تک پھاڑ دیا تو اس کا تاوان صرف زخم جائفہ کا تاوان ہوگا مزید فیصلہ حکومت کا درکار نہ ہوگا کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں کے زخم کو 'جائفہ' کہا جاتا ہے۔ اگر اس قدر گہرا زخم لگا جس سے جگر یا تلی کو نقصان پہنچا تو تاوان جائفہ کے علاوہ مزید تاوان بتجویز حکومت عائد ہوگا۔ اگر اس زخم سے پسلی ٹوٹ گئی تو اس کا تصفیہ زخم کی گہرائی کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ اگر وہ زخم پسلی سے آگے تک پہنچ گیا (یعنی زخم دائرہ جائفہ سے باہر تک ہے) تو اس پر اس کے تاوان کے علاوہ مزید تاوان تجویز کیا جائے گا۔ اگر صرف پسلی ٹوٹی ہے اور زخم آگے نہیں گیا تو جائفہ کے تاوان میں، پسلی کی ہڈی ٹوٹنے کا تاوان شامل ہو جائے گا۔

زخم موضحہ خواہ (حجم میں) بڑا ہو یا چھوٹا' اس کا تاوان یکساں ہوگا کیونکہ اس کا نام 'موضحہ' ہے۔ نیز وہ زخم نمایاں ہو یا بالوں میں چھپا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ تاوان عائد کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ نمایاں بھی ہو۔ چنانچہ اگر ایک سوئی چبھوئی اور وہ خلا تک پہنچ گئی تو وہ بھی زخم 'جائفہ' ہے۔ اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سر کا کوئی بھی زخم ہو اس کا اپنا مخصوص نام ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ صورت، حکم، جگہ اور فاعل کے اعتبار سے جراحات 'موضحہ' کی تعداد کا تعین ہوتا ہے۔ پس اگر مجرم نے دو مختلف جگہوں پر جراحت موضحہ پہنچائی جن کی بابت ایک ہی جیسا حکم ہے' لیکن ان دونوں زخموں کے درمیان گوشت اور کھال دونوں یا بقول ضعیف صرف گوشت یا صرف کھال حائل ہے تو یہ دو جراحتیں متصور ہوں گی ایک تو اس لئے کہ ان کی صورت (یا حجم) مختلف ہے اور دوسرے اس لئے کہ دونوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ تاہم صحیح یہی ہے کہ اسے ایک ہی زخم مانا جائے۔ اگر جراحات موضحہ کئی ایک ہیں تو ان کے تاوان بھی کئی ایک ہوں گے۔ ان کی کوئی حد نہیں ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایک خون بہا سے زیادہ تاوان عائد نہیں ہو سکتا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر زخم موضحہ دانستہ یا غلطی سے متعدد جگہوں میں بٹ گئے ہوں تو وہ دو زخم ہوں گے۔ اگر سر اور چہرے کے زخم مل جائیں تو بقول صحیح یہ دو زخم متصور ہوں گے۔ اگر ملزم زخم کو بڑا کر دے' لیکن نوعیت ایک ہی ہو تو وہ بقول صحیح ایک زخم ہوگا اور کہا جاتا ہے کہ یہ دو زخم مانے جائیں گے۔ اگر مجرم کے علاوہ کسی اور شخص نے زخم کو چوڑا کر دیا تو وہ دو شخصوں کے زخم ہوں گے۔ کیونکہ ایک شخص کا عمل دوسرے کا عمل متصور نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اور دوسرے نے اس کی گردن مار دی تو ان دونوں پر جداگانہ جرائم عائد ہوں گے اور زخم جائفہ (خلا تک پہنچنے والا زخم) ایک ہونے یا متعدد ہونے اور مقدم و مؤخر ہونے میں ''زخم موضحہ'' کی مانند ہے۔

اگر نیزہ نما آلہ پیٹ میں مارا اور وہ پیٹھ سے نکل گیا یا اس کے برعکس ہوا کہ پیٹھ میں مارا اور پیٹ سے نکل گیا یا ایک پہلو سے مارا اور دوسرے پہلو سے باہر آ گیا تو بقول صحیح ان کو دو زخم جائفہ قرار دیا جائے گا۔ بدیں لحاظ کہ ایک زخم باہر سے اندر تک ہے اور دوسرا اندر سے باہر تک اور یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر جس کو کسی نے تیر مارا اور وہ آر پار ہو گیا' دو تہائی تاوان کا حکم دیا پھر یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کے مطابق

Marfat.com

فیصلہ فرمایا تھا اور ان دونوں اصحاب کے فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔لہٰذا اس پر اجماع ہو گیا۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ جراحت موضحہ کی صورت میں قصاص لیا جائے اور موضحہ سے پہلے جن چھ اقسام جراحت کا ذکر کیا گیا ہے اور جن میں زخم ہڈی تک نہیں پہنچتا (یعنی ہڈی نہیں کھل جاتی) ان میں بھی قصاص لیا جائے (یعنی مجرم کو بھی ویسا ہی زخم پہنچایا جائے) ان زخموں میں سے تین یعنی دامیہ' حارصہ اور سمحاق کا تعلق جلد سے ہے' باقی تین کا تعلق گوشت سے ہے یعنی باضعہ متلاحمہ اور ملطاء (بکسر میم)۔

وہ اصحاب کہتے ہیں کہ 'ہاشمہ' میں بھی قصاص ملحوظ رہ سکتا ہے بشرطیکہ زخم کی جگہ لمبائی' چوڑائی اور گہرائی میں ایک ہی ہو (یعنی زخم اپنے محل سے تجاوز نہ کر گیا ہو) اور موضحہ کے بعد جن جراحتوں کا ذکر ہے ان میں قصاص نہیں ہے بلکہ ان میں عقل (تاوان) تشخیص کیا جائے گا۔ان میں جرم عمد اور جرم خطاء دونوں کا حکم ایک ہے۔ان میں سے ایک منقلہ (بفتح نون وکسر قاف مشددہ) ہے۔یہ سر یا چہرے کا زخم ہے جس میں سر کی ہڈی کا خول ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔یہ خول پتلی سی ہڈی کا ہوتا ہے جو پیاز کے چھلکے کی مانند ہڈی کے اوپر ہوتا ہے جسے معالج' زخم میں دوائی لگانے کے لئے اوپر سے ہٹا دیتے ہیں تا کہ زخم بھر جائے۔اس جرم میں قصاص اس لئے نہیں ہوتا کہ اس سے (مجرم کی جان کا) شدید خطرہ اور اتلاف روح ہے۔دوسرا زخم آمہ (بفتح الف ممدودہ) ہے جو ام الدماغ (یعنی دماغ کی جھلی) تک پہنچ جاتا ہے۔لیکن اسے پھاڑتا نہیں ہے۔ام الدماغ ایک پتلی سی جھلی ہوتی ہے جو دماغ پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے اگر وہ پھٹ جائے (یعنی مغز کھل جائے) تو انسان مرجاتا ہے اور دماغ بھیجے کا نام ہے۔

واضح ہو کہ جراحت منقلہ اور آمہ مذکورہ بالا کا قصاص نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں زخم ہوتے ہی خطرناک ہیں ان کے قصاص کے لئے خطرناک ہونے کی شرط نہیں ہے۔'جراحت موضحہ' کے علاوہ ذکر کی گئیں جسم کی دوسری جراحتیں بھی اگر زیادہ خطرناک اور سخت خوفناک ہوں تو ان کا قصاص بھی واجب نہیں ہے مثلاً سینے یا ریڑھ کی ہڈی یا گردن کا منکہ توڑ دیا' یا فوطوں کو کچل دیا تو یہ بھی جسم کے ایسے زخم ہیں جن سے موت واقع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

قصاص لینے میں تاخیر کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کو عمداً مجروح کیا اور مستوجب قصاص ہو گیا تو زخم کے بھر جانے تک قصاص میں توقف کیا جائے گا۔کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے"یستانی فی الجراحات سنة" (یعنی زخموں کا قصاص لینے میں سال بھر تک تاخیر کی جا سکتی ہے) پھر یہ بھی ہے کہ زخموں (کے قصاص) میں ان کے نتائج کو ملحوظ رکھا جائے گا زخم کی موجودہ حالت کو نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ فی الحال یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ (نتیجہ کے اعتبار سے) وہ زخم کس نوعیت کا ہے۔بسا اوقات زخم جان لیوا ہوتا ہے اس حالت میں ظاہر ہے کہ جرم جراحت رسانی نہ رہے گا بلکہ جرم قتل ہو جائے گا۔اس کا تعین زخم کے اچھا ہو جانے ہی پر ہو سکتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جان کے علاوہ دوسرے قصاصوں کے عمل درآمد میں کوئی عذر ہو تو تاخیر واجب ہے مثلاً شدت سردی یا سخت گرمی کے باعث مجرم کے مرجانے کا اندیشہ ہو۔اسی طرح اگر مجرم مریض ہے اور وہ پہلو میں جراحت رسانی کا

Marfat.com

مجرم ہے تو اس کا قصاص لینے میں تاخیر لازم ہے' یہاں تک کہ وہ اچھا ہو جائے۔ نیز قصاص جان کے علاوہ دوسرے زخموں کے قصاص میں بھی مجروح کے اچھا ہو جانے تک تاخیر کی جائے' کیونکہ یہ اندیشہ ہے کہ مجروح اس زخم کے اثر سے فوت ہو جائے۔ ایسا ہو تو 'قسامہ' کے بعد (یعنی وارثوں کے حلف اٹھانے پر کہ اس شخص کی موت مجرم کی جراحت رسانی سے ہوئی ہے) مجرم کو موجب قصاص قرار دیا جائے گا اور زخم کے اچھا ہو جانے تک قصاص کو ملتوی رکھا جائے گا۔ اگرچہ اس میں ایک سال کا عرصہ گزر جائے یا وہ جرم ایسی صورت اختیار کرلے جس کا تاوان عاقلہ (مجرم کے ذمہ داران تاوان) پر عائد ہوتا ہے۔ حکومت پر تاوان کا تصفیہ اس وقت واجب ہے۔ جب زخم کا عیب دور ہو جائے۔ بصورت دیگر عمداً جرم کے مرتکب کو تادیباً سزا دی جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جان کا قصاص مستوجب قصاص سے فوری طور پر لیا جائے بشرطیکہ قصاص جان کا مطالبہ کیا گیا ہو اور جیسا کہ جان کے قصاص میں ہوتا ہے دوسرے اعضاء کے قصاص بھی بروقت لئے جائیں۔ کیونکہ جب جرم موجب قصاص ثابت ہو جائے تو اسے التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا اور اس لئے بھی کہ قصاص موجب اتلاف ہے لہٰذا اس میں عجلت سے کام لینا چاہیے جیسا کہ فساد کے ذمہ داروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہاں اگر معافی کا احتمال ہو تو اس میں تاخیر زیادہ بہتر ہے اور مجروح کو حق ہے کہ مجرم کے اعضاء کو یکے بعد دیگرے (بلا تاخیر) کاٹ دے کہ مجرم نے اس کے اعضاء کو وقفہ وقفہ سے کاٹا ہو کیونکہ ان اعضاء کے کاٹنے کا حق اسے حاصل ہو چکا ہے۔

حاملہ عورت کے قصاص میں التوا کا بیان

تمام ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر حاملہ عورت قصاص جان یا قصاص اعضاء کی سزاوار ہو جائے اور مظلوم (مقتول یا مجروح) نے مطالبہ قصاص کیا تو اس عورت کو قید میں رکھا جائے۔ اور قصاص جان یا قصاص عضو کو التوا میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے اور وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے یا نفاس کا خون بند ہو جائے اور اس کا بچہ کسی اور عورت کے زیر پرورش ہو کر ماں سے بے نیاز ہو جائے یا حلال جانور کا دودھ پلا کر اسے رکھا جا سکے۔ اگر ایسا کوئی بندوبست نہ ہو سکے کہ بچے کو ماں کی پروا نہ رہے تو شیر خوارگی کی دو سال کی مدت گزارنا ہوگی یہ حکم قصاص جان کے بارے میں ہے۔ اس میں فریقین کے دو حق عائد ہوتے ہیں۔ ایک حق پیٹ کے بچے کا ہے (جو التوائے قصاص کا متقاضی ہے) اور دوسرا حق مقتول کے ولی کا ہے (جو تعجیل کا متقاضی ہے) صبر کی صورت میں بچے کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے حقوق میں سے اگر ایک کے حق کو نظر انداز کرنا ہو تو یہی صورت بہتر ہے۔

رہا اعضاء کے قصاص یا تہمت لگانے کی سزا' سو اس میں تاخیر کی جائے کیونکہ اگر قصاص پر عمل درآمد کیا گیا تو پیٹ کے بچے کو ضائع کرنا ہوگا کیونکہ بیشتر حالات میں اس سے بچے کی جان جاتی رہتی ہے۔ حالانکہ وہ بے خطا ہے دوسرے کے ارتکاب جرم میں اسے ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ بچہ حلال کا ہے یا حرام کا یا یہ کہ وہ بچہ ارتکاب جرم (قتل) کے بعد عورت (مجرمہ) کے پیٹ میں پڑا یا پہلے کا حمل ہے۔ یہاں تک کہ اگر مرتدہ عورت بدکاری سے حاملہ ہے تو اسے بھی (مرتدہ ہو جانے کی بناء پر) قتل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ بچہ پیدا نہ ہو جائے۔ بچے کی (مجرمہ) ماں کے

Marfat.com

قصاص کو "لباء" (پیوسی) پلا لینے کے وقت تک تاخیر میں ڈالے رکھنا، اس لئے ہے کہ بچہ اگر ماں کا "لباء" (یعنی پیوسی یا وہ رقیق دودھ جو بچے کی ولادت کے ابتدائی ایام میں اترتا ہے) نہ پی لے تو وہ فی الواقع یا بیشتر حالات میں زندہ نہیں رہتا پھر یہ بھی ہے کہ یہ تاخیر بہت آسان امر ہے۔ اور اتنی دیر تک (سزا میں) توقف کرنا کہ وہ بچہ ماں سے بے نیاز ہو جائے یہ بھی بچے کی زندگی بچانے کے لئے ہے۔ پس درآنحالیکہ (مجرمہ حاملہ) کے قصاص کو وضع حمل تک کے لئے التوا میں ڈالنا واجب ہے تو بچے کی ولادت کے بعد اس کی زندگی کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے (سزا میں) تاخیر کا واجب کرنا اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ واضح ہو کہ بچے کو دودھ پلانے والیوں کے دستیاب ہو جانے یا بکری وغیرہ کا دودھ میسر ہو جانے پر بھی قصاص پر عمل درآمد میں تاخیر پر مقتول کے ولی کا صبر کرنا سنت (کار ثواب) ہے یہاں تک کہ کوئی ایسی سمجھدار دودھ پلانے والی عورت دستیاب ہو جائے تاکہ مختلف ماؤں کا دودھ پینے یا جانور کا دودھ پینے سے بچے کے اخلاق اور اس کی نشوونما میں خرابی واقع نہ ہو۔ دودھ پلانے والی عورت کو اجرت پر دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھا جائے گا۔ اگر دودھ پلانے والیاں ہیں لیکن اس بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کرتی ہیں تو حاکم ان میں سے کسی کو اجرت پر دودھ پلانے کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر حق قصاص کا مطالبہ کرنے کا حقدار شخص پیش دستی کر کے مجرمہ عورت کے بچے کی پیدائش کے معا بعد قتل کر دے۔ قبل اس کے کہ بچے کو ماں سے بے نیاز کرنے کا بندوبست ہو جاتا اور اس کے (قتل کرنے کے) باعث وہ بچہ مر گیا تو اس کا قصاص اس پر عائد ہوگا کیونکہ یہ شخص اس کی موت کا سبب بنا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کسی کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دے اور کھانا پانی نہ دے یہاں تک کہ وہ مر جائے لیکن اگر حالت حمل میں قتل کیا جبکہ ہنوز وضع حمل نہیں ہوا یا بچہ پیدا ہوا اور مر گیا تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے بچے کی موت کو اس سے کوئی نسبت ہے۔ اگر قتل کے بعد بچہ مرا ہوا نکلا تو اس پر غرہ (جرمانہ) اور کفارہ واجب ہوگا۔ اگر بچہ پیدا ہونے کے وقت تکلیف میں تھا اور اسی حالت میں مر گیا تو تاوان اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کا اذیت میں ہونا اور مر جانا اس کی ماں کے مر جانے کے باعث ہوا ہے۔ واضح ہو کہ یہ تاوان اور جرمانہ مجرم کے عاقلہ (ذمہ دار قصاص) پر عائد ہوگا کیونکہ پیٹ کے بچے کو جرم سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کا زندہ رہنا یقینی نہ تھا لہٰذا اس کی موت جرم خطا یا جرم مشابہ بہ عمد متصور ہوگی۔ تاہم کفارہ کی ادائیگی خاص مجرم کے مال سے ہوگی۔

اگر مقتول کے ولی نے حاکم کے حکم سے مجرمہ (قاتلہ) کو قتل کیا تو امام (سربراہ مملکت) اس کا ذمہ دار ہوگا۔ خواہ اسے مجرمہ کے حاملہ ہونے کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو کیونکہ (بہر حال) اس بارے میں معلومات کا حاصل کرنا اس کی ذمہ داری تھی اور اسی نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ تعمیل کرنے والا تو اس کی رائے اور تحقیق کے مطابق حکم کی بجا آوری کا محض ایک آلہ ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ عورت اگر ایسی ہے کہ اس کا حاملہ ہو جانا معمول کے مطابق ممکن ہے تو اس کی بات کو مزید علاماتی ثبوت کے بغیر تسلیم کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللّٰہ فی ارحامھن ان کن یؤمن باللہ والیوم الآخر" (البقرۃ: ۲۲۸) (یعنی عورتوں کو یہ حلال نہیں کہ ان کے رحموں

Marfat.com

میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ رکھا ہے اسے چھپائیں اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان بھی رکھتی ہوں) (رحم کی چیز سے مراد) حمل یا حیض ہے اور جس بات کا چھپانا حرام ہے اگر اس کا اظہار کیا جائے تو گواہی کی طرح اسے قبول کرنا واجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے بارے میں غامدیہ کی بات کو تسلیم فرمالیا تھا اور اس کے لئے مزید ثبوت طلب نہیں فرمایا اور نہ قسم لی۔ ہاں اگر کسی عورت کا حاملہ ہونا معمول کے مطابق نہ ہو مثلاً وہ عورت آیسہ ہو (یعنی طویل العمری کے باعث اس کے ایام آنے بند ہو گئے ہوں) ایسی عورت اگر حمل کا دعویٰ کرے تو وہ نہیں مانا جائے گا' کیونکہ امر واقعہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔

اس بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ (مجرمہ) عورت کے اعتراف حمل کو تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ حمل کا نہ ہونا بنیادی بات ہے۔ پھر مجرمہ عورت پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ وہ جس سزا کی مستوجب ہے اس کو تاخیر میں ڈالنا چاہتی ہے لہٰذا جب تک کہ علامات حمل ظاہر ہو جانے کا ثبوت مہیا نہ ہو یا مستحق بیان نہ کرے عورت (مجرمہ) کی بات تسلیم نہ کی جائے۔

قول اول کی صورت میں' آیا عورت سے اقرار حمل کے بارے میں حلف لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ اس بابت دو رائیں ہیں اور قابل ترجیح پہلی بات ہے (یعنی حلف لیا جائے) کیونکہ عورت کا بیان غرض پر مبنی ہے' کہ قصاص میں تاخیر ہو جائے۔

مجرم سے قصاص جراحت لینے کے بعد مجروح کے وفات پا جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ عمداً کاٹ دیا اور اس کا قصاص ہاتھ کے بدلے ہاتھ کاٹنے کی صورت میں لے لیا گیا۔ اس کے بعد مجروح مظلوم وفات پا گیا تو اب مجرم کو جس کا ہاتھ قصاص میں کاٹا جا چکا ہے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ وہ جرم (جراحت کا نہ تھا بلکہ) قتل عمد تھا اور ہاتھ کا قصاص لینے والے کو جان کے قصاص کا حق ہے اور ہاتھ کا قصاص لے لینے سے قصاص جان جو واجب ہوا ہے وہ ساقط نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ شخص' جسے مجرم سے ہاتھ کا قصاص لینے کا حق ہے اسے قصاص جان کا بھی حق ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ (ہاتھ کا قصاص لینے کے بعد) جان کا قصاص ساقط ہو گیا۔ کیونکہ جب اس مجرم کا ہاتھ کاٹا گیا تو گویا تمام دوسرے مطالبات سے اسے بری کر دیا گیا۔ لیکن حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ تو اس گمان میں کاٹا گیا کہ مجروح کو صرف اسی کا حق ہے لیکن زخم کے سرایت کر جانے (اور مجروح کی وفات) کے بعد یہ ثابت ہوا کہ وہ شخص مستوجب قصاص جان ہے۔ لہٰذا وہ اس لاعلمی کے باعث اس جرم سے بری نہیں ہو سکتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کا قصاص لیا گیا جس کے جرم پر نصف دیت عائد ہوتی ہے اور اسی جرم سے مجروح بوجہ سرایت زخم کے وفات پا گیا تو مجرم سے قصاص جان لینا واجب ہے۔ ہاں مقتول کے ورثاء کو یہ جائز ہے کہ وہ نصف خون بہا کے عوض قصاص معاف کر دیں کیونکہ مقتول کی وفات سے پہلے مجرم کا ہاتھ جو قصاص میں کاٹا گیا وہ نصف دیت کی بجائے متصور ہوگا۔

اگر مجرم قدرتی موت مر جائے یا کوئی اور شخص اسے قتل کر دے۔ تو مجرم کے ترکہ میں سے نصف خون بہا واجب الادا ہوگا۔ اگر کسی کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور اس کا قصاص لے لیا گیا پھر وہ دست بریدہ مظلوم زخم کے سرایت کر جانے

Marfat.com

سے مرگیا تو اس کے ولی کو اختیار ہے کہ اپنے مورث کی جان کے عوض مجرم کی گردن کاٹ دے اگر ولی اس سے درگزر کرے تو اب وہ کسی شے کا حقدار نہ ہوگا کیونکہ قصاص میں ہاتھوں کے کاٹے جانے سے دیت واجب کا مطالبہ پورا ہوگیا۔

دیت کا بیان

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دیت وہ مال ہے جو ایک آزاد شخص کو قتل کرنے یا جراحت رسانی کی پاداش میں مجرم پر عائد ہو اصل میں یہ لفظ 'ودیۃ' ہے جو لفظ 'ودی' (تاوان) سے نکلا ہے (اخیر میں 'ت' حرف 'واؤ' کی بجائے بڑھائی گئی ہے جیسے وزن سے زنۃ) اس کے معنی تاوان حاصل کرنے کے ہیں اور اس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن قتل مؤمناً خطأً فتحرير رقبة مؤمنة و دِيَةٌ مسلمة الى اهله الا ان يصدقوا" (النساء:۹۲) (یعنی جس نے غلطی میں کسی مسلمان شخص کو قتل کر دیا تو اس پر واجب ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور تاوان دے جو اس شخص کے ورثاء کو ادا کیا جائے گا ہاں وہ معاف کر دیں تو خیر) اس کے بارے میں بکثرت احادیث آئی ہیں اور اس کے واجب ہونے پر فی الجملہ اجماع ہے۔

یہ اصحاب (فقہائے ثلاثہ) کہتے ہیں کہ ایک مسلمان مرد۔ آزاد جس کا خون حرام ہو پیٹ کا بچہ نہ ہو قتل کرنے پر ایک سو اونٹ تاوان واجب ہوگا۔ درآنحالیکہ قاتل کو اس شخص پر کسی قسم کی ملکیت حاصل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آیت سابقہ میں دیت کو واجب فرمایا ہے اور اس کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکتوب بنام عمرو بن حزم میں فرمادی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے "في النفس مائة من الابل" (یعنی جان کی دیت ایک سو اونٹ ہے) بروایت نسائی۔

سب سے پہلے جس شخص نے ایک سو کی یہ تعداد مقرر فرمائی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب تھے۔ شریعت اسلامیہ نے اسی تعداد کو برقرار رکھا۔ لفظ 'بعیر' (اونٹ) کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے اور شخص مظلوم صاحب فضل ہو یا گھٹیا درجہ کا آدمی ہو دیت میں اختلاف نہ ہوگا ہاں مذہب یا جنس کے اعتبار سے مختلف ہو تو اس کی دیت بھی مختلف ہوگی۔ برخلاف اسی کے اگر کسی (مملوک) غلام پر جرم کیا جائے تو (اس پر مقررہ تاوان نہیں) بلکہ اس کی قیمت مختلف ادا کرنا ہوگی۔ اگر مقتول غیر محفوظ الدم ہے (یعنی اس کی جان کی حفاظت واجب نہیں ہے) مثلاً وہ شخص جو نماز کی پروانہ کرتا ہو اور تارک صلوٰۃ ہو جائے یا شادی شدہ شخص زانی ہو ان دونوں میں سے اگر کسی کو قتل کر دیا جائے تو مجرم پر نہ دیت عائد ہوگی نہ کفارہ واجب ہے۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مجرم پر بھاری دیت عائد ہوتی ہے۔ ان پانچ اسباب میں سے کوئی سبب اس کا موجب ہو سکتا ہے: ارتکاب قتل عمداً کیا گیا ہو یا قتل مشابہ بہ عمد ہو۔ یا حدود حرم میں واقع ہوا ہو یا کسی ذورحم محرم کو (جس کے ساتھ رشتہ حرام ہے) قتل کیا ہو۔ اسی طرح کچھ باتیں ایسی ہیں جن میں ہلکی دیت عائد ہوتی ہے جس کا موجب ان اسباب چارگانہ میں سے کوئی سبب ہے۔ یعنی عورت' مملوک' جنین (پیٹ کا بچہ) یا کافر کا قتل ہو تو پہلی صورت میں دیت کے حصے کر کے ایک حصہ عائد ہوگا۔ دوسری صورت میں مملوک کی قیمت واجب الادا ہوگی۔ تیسری صورت میں جرمانہ اور چوتھی صورت میں ایک تہائی دیت واجب ہوگی۔ قتل عمد میں دیت مثلثہ (یعنی سہ نوعی) ہوگی خواہ قصاص واجب معاف کرنے سے دیت واجب ہوئی ہو یا بغیر معافی کے واجب ہوئی ہو جیسے والد کا اپنے بیٹے کو قتل

Marfat.com

کر دینا' یہاں پر دیت کا مثلثہ (سہ گانہ) ہونے سے دیت کے جانوروں کا تین اقسام پر مشتمل ہونا ہے۔ خواہ مالیت میں ایک قسم دوسری سے زیادہ ہو جائے۔ پس دیت (مغلظہ) کی مقدار یہ ہے: تیس حقہ (یعنی وہ اونٹنی جو چوتھے سال میں ہو) اور تیس جذعہ (جو پانچویں سال میں ہو) اور چالیس خلفہ (یعنی گیا بھن) جیسا کہ امام ترمذی کی روایت میں ہے۔ یہ دیت تین اعتبار سے بھاری ہے یعنی مجرم' کیفیت جانور اور اسی کی عمر کے اعتبار سے۔ قتل عمد کی صورت میں یہ سہ گونہ دیت مجرم پر فوری طور پر واجب الادا ہوگی۔ ہاں شبہ عمد کی صورت میں (مجرم کا) عاقلہ اس سہ گانہ دیت کو تاخیر سے ادا کر سکتا ہے اور قتل عمد میں مسلمان مقتول کے احترام کی عظمت اور مطالبۂ خون کے حقداروں کی تشفیٔ خاطر کے لئے دیت کی فوری ادائیگی واجب ہے جیسا کہ خون بہا میں ہوتا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ سہ گونہ اور چہار گونہ دیت کی یہ سختی جراحت عمد میں بھی اسی طرح ہے جیسی کہ قتل میں ہوتی ہے۔ جراحت مستوجب قصاص ہو جیسے زخم موضحہ' یا مستوجب قصاص نہ ہو دیت میں اس سے کوئی فرق نہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ قتل عمد اور شبہ عمد میں عاقلہ پر دیت مغلظہ اور قاتل پر کفارہ عائد ہوگا اور میراث سے محروم رہے گا کیونکہ یہ محرومی قتل کی پاداش میں ہے اور جرم شبہ عمد میں قصاص ساقط ہو جائے گا لیکن مجرم میراث سے محروم رہے گا اور شبہ عمد میں مجرم کے عاقلہ پر 'دیت مغلظہ' پر واجب ہونے کی بنا وہ حدیث ہے جو حمل بن مالک سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے دو سوکنوں میں سے ایک نے دوسری پر خیمہ کی چوب یا اس کا ستون اٹھا کر دے مارا جس سے اس عورت کے پیٹ کا بچہ مردہ ساقط ہو گیا۔ اس عورت کے ولیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور استغاثہ کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرمہ کے ولی کو کہا "فدوہ" (یعنی دیت ادا کر) اس پر عورت کے بھائی نے کہا کہ آیا آپ ایسے کا تاوان دلانا چاہتے ہیں جو نہ چیخا نہ رویا' کچھ کھایا نہ پیا ایسوں کا تو خون معاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اسجع کسجع الکھان" (یعنی کاہنوں کی سی باتیں بناتے ہو) ایک اور روایت میں ہے کہ "دعنی و اداجیز العرب' قوموا فلدوہ" (یعنی اہل عرب کے سخن سازوں کو مجھ پر چھوڑ جاؤ اس کا فدیہ ادا کرو)۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاقلہ (حامیان مجرم) پر دیت کا عائد فرمانا' جیسا کہ حدیث کی تفصیل میں بتایا گیا ہے' جرم مشابہ بہ عمد کی پاداش میں ہے جرم خطاء کی بناء پر نہیں ہے لہٰذا جرم شبہ عمد میں دیت کا لازم ہونا حدیث کی صراحت سے ثابت ہے۔ قیاس سے نہیں ہے۔

ان اصحاب کا فرمانا یہ بھی ہے کہ قتل کی دیت ابتداءً ہی میں عائد ہو جاتی ہے بعد میں پیش آنے والے حالات کے پیش نظر نہیں ہوتی پس عاقلہ پر عائد ہونے والی دیت غلطی سے جرم سرزد ہو جانے پر ہوتی ہے جس کی ادائیگی تین سال کے اندر واجب ہے جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا اور یہ تاخیر مجرم کا خیال اور اس پر رحم کے طور پر ہے۔ پس اس طرح مقررہ میعاد کے اندر اس شخص کو جس کا جرم کیا گیا ہے پوری دیت پہنچ جائے گی اور مجرم کے توبہ اور اس کی معافی کی توقع ہوگی۔

واضح ہو کہ جرم مشابہ بہ عمد کی دیت کی مقدار چار قسم کے سو اونٹ بدیں تفصیل ہیں کہ ان میں سے پچیس (۲۵)

Marfat.com

بنت مخاض (یعنی وہ اونٹنی جو عمر کے دوسرے سال میں ہو) اور پچیس (۲۵) بنت لبون (جو تیسرے سال میں ہو) اور پچیس (۲۵) حقہ (جو چوتھے سال میں ہو) اور پچیس (۲۵) جذعہ (جو عمر کے پانچویں سال میں ہو)۔ اس دیت کی تاکید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے "فی نفس المؤ من مائة من الابل" (یعنی مومن کی جان کا بدلہ ایک سو اونٹ ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے لیکن اس حدیث سے ان صفات کی تغلیظ (پابندی) کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اجماع کا ہونا ضروری ہے۔ اس بارے میں جو روائتیں آئی ہیں وہ ثابت شدہ نہیں ہیں اور کیفیت تغلیظ کے بارے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان اختلاف ہے۔ پس عمر اور زید وغیرہ نے جو کہا' سو کہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیت میں تین قسم کے اونٹ واجب ہیں ان میں تینتیس (۳۳) حقے تینتیس (۳۳) جذعے اور چونتیس (۳۴) خلفے ہوں' اور ابن مسعود نے (دیت کے بارے میں) وہی کہا جو چہارگانہ اونٹ کی بابت حنفیہ کہتے ہیں۔ مقررہ مقدار میں ذاتی رائے کو دخل نہیں ہے پس وہ تو حدیث مرفوع (یعنی براہ راست ارشاد نبوی) کی مانند ہے اور ان اصحاب کی رائے کے خلاف ہے اور جب ان میں اختلاف ہو تو جو امر یقینی ہے اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے۔

واضح ہو کہ جرم مشابہ بہ عمد کی دیت محض جرم عمد کے تاوان کی مانند ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ تغلیظ (یعنی سختی تاوان) محض اس تاوان میں ہے جو اونٹوں کی صورت میں ہو لہٰذا جو تاوان ایک لاکھ دراہم کی صورت میں ہو اس کی مالیت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ایک ہزار دینار کے تاوان کا ہے (کہ اس کی مالیت بڑھ نہیں سکتی)۔

جرم خطاء کی دیت

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ غلطی سے جرم سرزد ہو جانے کا خون بہا' (مجرم کے) عاقلہ پر ایک سو اونٹ ہے نیز قاتل کے مال میں سے کفارہ واجب ہے اور دیت میں پانچ قسم کے اونٹ ہوں گے جن کے منجملہ بیس (۲۰) بنت مخاض' بیس بنت لبون' بیس ابن مخاض' بیس حقہ اور بیس جذع ہوں۔ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جس کو ان اصحاب نے اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ یہ تاوان ہلکا ہے اور جرم خطاء کے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ بھول چوک کا جرم قابل درگزر ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ غلطی سے جرم قتل سرزد ہو جانے پر پنج گانہ اونٹ عاقلہ کے ذمہ ہیں۔ جو بتعجیل واجب الاداء ہوں گے اور ان اصحاب نے بیس (۲۰) ابن مخاض کی جگہ بیس (۲۰) ابن لبون رکھا ہے۔ جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے یہ دیت ہلکی ہے اس لئے کہ یہ (مجرم کی بجائے اس کے) عاقلہ پر عائد ہے اور عمر میں رعایت ہے اور ادائیگی بتاخیر ہو گی جرم شبہ عمد کی دیت میں سہ گونہ اونٹ ہیں جو عاقلہ پر بتاخیر واجب الادا ہیں۔ پس یہ بھی دو لحاظ سے (یعنی عاقلہ پر عائد ہونے اور تاخیر کی اجازت سے) ہلکی ہے اور ایک لحاظ سے بھاری ہے (کہ اقسام سہ گانہ کی قید ہے)۔

دیت کی اقسام

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اونٹ دستیاب ہوں تب بھی ان کی بجائے درہم و دینار کا دیت میں لینا جائز ہے۔ لیکن

Marfat.com

ان تین اقسام یعنی اونٹ' سونا اور چاندی کے علاوہ کسی اور شکل میں (دیت) ثابت نہیں ہے۔ پس اونٹ ایک سو(۱۰۰) چاندی دس ہزار درہم اور سونا ایک ہزار دینار دیت میں واجب الادا ہوں گے کیونکہ مقدار کا تعین ایسی شے ہی سے ہوسکتا ہے جس کی مالیت معلوم ہو۔ ان تین اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء کی مالیت معلوم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تلف شدہ شے کے تاوان واجب کی مالیت کا تعین ان ہی اشیاء سے کیا جاتا ہے اور مقدار مالیت کا اونٹوں سے تعین کرنا احادیث مشہور سے ثابت ہے۔

امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دیت کی ادائیگی' اونٹ' سونے یا چاندی کی شکل میں ثابت ہے اور گائے بیل ہو تو دوسو' بھیڑ بکری دو ہزار راس اور کپڑے کی صورت میں دوسو جوڑے۔ ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ہر قسم کے صاحب مال پر اسی طرح دیت عائد فرمائی ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ دیت میں نہ گائے نہ بھیڑ بکری ہے اور نہ لباس نہ سامان لیا جائے گا۔ مستوجب دیت کے پاس اگر اونٹ ہیں تو وہی لئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ کسی اور شے کی ادائیگی کا ذمہ دار اسے نہیں بنایا جائے گا۔ کیونکہ دیت میں سہولت پیش نظر ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مستوجب تاوان سے وہ اونٹ لئے جائیں گے جن کی اکثریت اس کے قبیلہ میں ہو۔ گو اس کے اپنے اونٹ غیر قبیلے کے ہوں۔ اگر اس کے پاس ایسے اونٹ نہ ہوں تو بدوی قبائل کی اکثریت کے اونٹ لئے جائیں گے کیونکہ یہ ضائع شدہ حق کے بدلے میں ہیں۔ وہ نہ ہوں تو اس علاقے کے اونٹ لئے جائیں جو تاوان ادا کرنے والے کی قیام گاہ سے قریب تر ہو۔ بشرطیکہ انہیں وہاں سے دستیاب کرنے کے اخراجات اور اس کی مالیت قبیلہ کے غیر دستیاب اونٹوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ ایسی حالت میں اونٹوں کا وہاں سے لانا واجب نہیں ہے۔ اور جب کسی بھی قسم کے اونٹوں کی ادائیگی واجب قرار دے دی جائے تو پھر ان واجب شدہ اونٹوں سے ہٹ کر کسی اور اونٹ کا مطالبہ یا اس کے مساوی مالیت کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا سوا اس کے کہ دیت ادا کرنے والا اور حقدار دیت دونوں رضامند نہ ہوں کیونکہ دیت میں مظلوم کے احترام کی عظمت مدنظر ہوتی ہے۔

اگر دیت کے اونٹ دستیاب نہ ہوں تو شافعیہ کے پرانے قول کے مطابق صاحب زر (مجرم) پر ایک ہزار دینار اور مالک دراہم پر چاندی کے بارہ ہزار درہم واجب الادا ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے "علی اهل الذهب الف دینار وعلی اهل الورق اثنا عشر الف درهم" (یعنی سونار کھنے والے پر ہزار دینار اور چاندی والے پر بارہ ہزار درہم دیت واجب ہوگی) ابن حبان اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ ماخوذ از حدیث عمرو بن حزم۔

شافعیہ کے نئے قول کی رو سے (نایابی شتر کی صورت میں) اونٹوں کی وہ قیمت واجب الادا ہوگی جو ادائیگی کے وقت ہو۔ خواہ وہ کس قدر بڑھی ہو کیونکہ یہ تلف شدہ شے کے عوض میں ہے۔ جب کہ اصل شے واجب الادا کا حصول مشکل ہے تو اس کی قیمت کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور مالیت اس بستی کے عام رائج الوقت نقدی میں لگائی جاتی ہے کیونکہ

Marfat.com

دوسرے مقامات سے اس کا شہر قریب ترین اور مستند ہے۔ اگر دیت کے اونٹوں میں سے کچھ دستیاب ہو جائیں تو جتنے موجود ہیں انہیں لے لیا جائے اور باقی کی مالیت وصول کی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دیت کے اونٹوں کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ البتہ اس بات پر انحصار ہے کہ اونٹنیاں گیا بھن ہوں خواہ وہ حقہ ہوں یا جذعہ یا کچھ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دیت میں نہ مریض اونٹ لیا جائے گا اور نہ عیب دار اونٹ۔ ہاں حقدار خود اس پر راضی ہو جائے اور نیکی کرنا چاہتا ہو تو خیر۔ کیونکہ یہ اس کا حق ہے اور وہ اس سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ اگر مستحق دیت کی اونٹنیوں کے گیا بھن ہونے سے انکار کرے تو اس کا ثبوت دو معتبر واقف کار گواہوں کی شہادت سے ہو سکتا ہے کہ حمل کتنے عرصہ کا ہے۔ اگر گواہوں کے کہنے سے حقدار اسے لے لے یا وہ خود اس کے حمل کی تصدیق کرلے اور وہ اونٹنی اس کے پاس اگر مر جائے پھر اس کا پیٹ چاک کرنے سے معلوم ہو کہ وہ اونٹنی گیا بھن نہیں تھی تو مجرم اس کی تلافی کرے اور حقدار اس کے عوض گیا بھن اونٹنی لے لے۔ اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر اونٹنی پانچ سال کی نہ بھی ہوئی ہو تو اسے گوارا کر لینا چاہیے کیونکہ اونٹ کے نام کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے۔

عورت اور عیسائی یا یہودی کی دیت کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ عورت اور خنثیٰ مشکل (جس کی جنس متعین نہ کی جا سکے) اگر آزاد ہوں (یعنی غلام یا لونڈی نہ ہوں) تو ان میں سے ہر ایک کا خون بہا یا جراحت رسانی کا تاوان مجرم پر آزاد مرد کے تاوان کا نصف عائد ہوگا۔ جیسا کہ بیہقی کی روایت میں آیا ہے "دیة المرأة نصف دیة الرجل" (یعنی مجرم پر عورت مظلومہ کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی) اور خون بہا کی طرح جراحت رسانی کا حکم بھی ہے۔ مخنث کے تاوان کا حکم بھی اسی کے ساتھ آ گیا کیونکہ عورت کے تاوان سے زیادہ عائد کرنا امر مشکوک ہے۔ پس اگر کسی عورت یا مخنث کو غلطی سے ہلاک کر دیا جائے تو (مجرم پر) دس بنت مخاض اور دس بنت لبون دیت عائد ہوگی اور عورت کے قتل عمد یا شبہ عمد میں پندرہ حقہ، پندرہ جذعہ اور بیس خلفہ تاوان ہوگا۔

یہودی، عیسائی، معاہد (غیر مسلم جو معاہدہ کے تحت اسلامی ریاست میں رہتا ہو) یا مستامن (پناہ گزین) جبکہ وہ معصوم (واجب الحفظ) ہو اور اس سے نکاح جائز ہو تو (اس کے مجرم پر) ایک مسلمان کے تاوان کا تہائی واجب ہوگا۔ اس میں تاوان جان ہو یا اور کوئی تاوان ہو۔ تاوان جان کی بابت حدیث مرفوع (جس کی سند حضور تک پہنچتی ہو) آئی ہے۔

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "الام" میں بتایا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا ہے اور اس لئے کہ یہ مقدار کم سے کم ہے جس پر اجماع ہے اور یہ مقدار بے توقف مقرر نہیں کی گئی۔ پس اگر ان میں سے کسی کو عمداً قتل کیا گیا تو مجرم پر دس مہار حقے اور دس مہار جذعے اور تیرہ مہار اور ایک تہائی جذعے عائد ہوں گے۔ شبہ قتل عمد میں یہی حکم ہے اور غلطی سے قتل سرزد ہو گیا تو دیت مغلظہ (بھاری دیت) لاگو نہ ہوگی بلکہ بنت مخاض، بنت لبون، ابن لبون، حقہ اور جذعہ کے اقسام پنجگانہ میں سے ہر ایک کے چھ راس اور ایک تہائی مقدار دیت واجب ہوگی۔ دیت کے

Marfat.com

بارے میں سامری، یہودی کی مانند اور صابی عیسائی کی مانند ہے بشرطیکہ خود اس کے ہم قوموں نے اسے کافر نہ قرار دیا ہو اور مجوسی (آتش پرست) کی دیت سب سے معمولی ہے یعنی مسلمان کی دیت کے دسویں حصے میں سے دو تہائی حصہ جیسا کہ حضرت عمر، عثمان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے۔ چنانچہ دیت مغلظہ میں دو حقے، دو جذعے دو خلفے پورے اور دو تہائی خلفہ لاگو ہوں گے اور دیت مخففہ کی صورت میں بلحاظ عمر (پنجگانہ اقسام شتر میں سے) ہر قسم کا ایک مہار شتر اور ایک تہائی (یعنی مجموعی طور پر $1\frac{1}{3} \times 5 = 6\frac{2}{3}$) مجرم پر واجب الادا ہوں گے۔ اس (امتیازی) حکم کا سبب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی میں پانچ باتیں خوبی کی ہیں، یعنی وہ اہل کتاب ہیں۔ وہ ایسے مذہب کے پیرو ہیں جو بالاجماع ایک وقت میں برحق تھا ان کے ساتھ نکاح اور ان کا ذبیحہ حلال ہے اور جزیہ ادا کرتے ہیں اور مجوسی میں بجز ادائے جزیہ کے اور کوئی بات نہیں ہے لہٰذا ان کی دیت یہودی اور عیسائی کی دیت کا پانچواں حصہ ہوگی۔ اسی میں بت پرست سورج اور چاند کا پرستار، زندیق (بے دین یا منافق) اور وہ جو کسی مذہب کا پیرو نہیں ہے مثلاً وہ شخص جو اپنی قوم کی طرف سے بطور قاصد کے اسلامی ریاست میں آیا ہو تو اسلامی ریاست میں واجب التحفظ ہے لیکن وہ بت پرست (مشرک) جس کی حفاظت واجب نہیں ہے اس کا خون معاف ہے اور اس قسم کے اشخاص کی عورتوں کا تاوان ان کے مردوں کے تاوان سے نصف ہے۔

ان اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ جس نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جس کی حفاظت کے مسلمان ذمہ دار ہیں لیکن اسے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہیں پہنچی اور اپنے دین کو نہیں بدلا تو اس کی دیت وہی ہوگی جو اس کے ہم مذہب کی ہے۔ چنانچہ اگر وہ اہل کتاب ہے تو اس کی دیت بھی اہل کتاب کی، اگر مجوسی ہے تو مجوسی کی ہوگی۔ اگر اس نے اپنا دین بدل لیا اور اس دین کے خلاف کسی اور دین کی اسے خبر نہیں ہے اور کسی نبی کی دعوت اسے نہیں پہنچی تو اس کی دیت وہی ہوگی جو مجوسی کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں اس کی دیت وہی ہوگی جو اس کے ہم مذہب کی ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے مجرم پر کچھ لاگو نہ ہوگا، کیونکہ وہ شخص سچے مذہب پر نہیں ہے نہ اس سے کوئی معاہدہ ہے اور نہ وہ ذمی ہے۔ (علامہ) زرکشی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے (اپنا مذہب بدل کر) اب یہودی یا عیسائی مذہب اختیار کر لیا تو (اس کے مجرم پر) وہ دیت عائد ہوگی جو مجوسی کے مجرم پر ہوتی ہے کیونکہ اس میں تبدیلی آ گئی ہے۔ یعنی اس حالت میں ان سے نکاح حلال نہیں ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ جس شخص کو دعوت محمدی نہیں پہنچی اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ معذور ہے اور جو شخص دارالحرب (دشمن کے علاقہ) میں مسلمان ہو جانے اور مسلمان ہونے کے بعد باوجود اس کے کہ وہاں سے ہجرت کر سکتا ہو لیکن وہ جگہ نہ چھوڑے تو ایسے شخص کا قاتل بھی مستوجب قصاص ہوگا۔ کیونکہ مسلمان ہو جانے کے باعث وہ معصوم (واجب التحفظ ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد سے آدھی ہے۔ یہ قول براہ راست حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے اور

Marfat.com

یہ حدیث مرفوع ہے (یعنی اس کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے)۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک تہائی دیت یا اس سے زیادہ مقدار کا نصف (کسی پر عائد ہو) تو ہوسکتا ہے۔ لیکن اس سے کم مقدار کی دیت کی تنصیف نہیں کی جائے گی۔ امام شافعیؒ نے اس کو اختیار فرمایا ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا "تعاقل المرأة الرجل الی ثلث الدية" (یعنی عورت مرد کے تاوان کے ایک تہائی حصہ تک حقدار ہوسکتی ہے) اور حضرت ربیعہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا کہ اگر ایک شخص کسی عورت کی ایک انگلی کاٹ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجرم دس شتر تاوان دے گا۔ میں نے کہا اگر دو انگلیاں کاٹے فرمایا بیس شتر۔ عرض کیا اگر تین انگلیاں ہوں تو فرمایا تیس شتر۔ پھر میں نے سوال کیا اگر چار انگلیاں کاٹ دے انہوں نے کہا بیس شتر میں نے کہا' کیا خوب؟ اس عورت کو جب زیادہ اذیت ہوئی اور زیادہ شدید دکھ دیا گیا تو اس کا تاوان کم ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ عراقی ہیں؟ میں نے کہا نہیں' میں جانتا نہیں ہوں جاننا چاہتا ہوں۔ یا عالم ہی تحقیق کا طالب ہوں۔ فرمایا کہ یہ حکم سنت سے ثابت ہے اور اسی کو امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے لیا ہے اور اس کے خلاف وہ روایت ہے جو حنفیہ بالعموم پیش کرتے ہیں۔

(عورت کی دیت کا آدھا ہونا) اس لئے بھی ہے کہ اس کی کیفیت (نسبتہً) مرد سے کم اور افادیت (مقابلتہً) تھوڑی ہے۔ اس کی کمی کا اظہار (عورت کے مجرم پر) خون بہا کے نصف عائد ہونے سے ہوتا ہے، یہی کیفیت اس کے اعضاء اجزائے بدن کا تاوان نصف یا تہائی یا اس سے زیادہ عائد کیے جانے کی ہے تاکہ اصل وجود کے متعلقہ احکام اور اس کے تابع کے احکام ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوں اور وہ روایت کردہ حدیث نادر الوجود ہے۔ اگر یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتا تو یہ اصحاب اس کی مخالفت نہ کرتے۔

واضح ہو کہ مسلمان اور ذمی کی دیت مساوی ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا "دية كل ذی عهد فی عهده الف دينار" (یعنی ہر معاہد کی دیت بدوران عہد ایک ہزار دینار ہے) حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا ہے اور وہ روایت جو امام شافعی نے پیش فرمائی ہے اور اس کا راوی نامعلوم ہے اور کتب احادیث میں اسکا ذکر نہیں ہے۔ محدثین جو روایتیں لائے ہیں وہ امام مالک رحمہ اللہ کی روایت سے زیادہ مشہور ہیں اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے عمل سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

جرم عمداً اور جرم خطا دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں کیونکہ آیت کریمہ کا مفہوم عام ہے "النفس بالنفس" (یعنی جان کے بدلے جان ہے) اس حکم کو کسی اور آیت نے منسوخ نہیں کیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عورت کی دیت یا یہودی یا نصرانی کی دیت مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے۔ خواہ جرم کا ارتکاب عمداً ہو یا غلطی سے سرزد ہوگیا ہو۔ حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی مقدار چھ ہزار درہم یا پانچ سو دینار ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عقل الكافر مثل عقل المسلم" (یعنی کافر کی دیت مسلمان کی دیت

Marfat.com

کی مانند ہے)۔ امام مالکؒ کے نزدیک دیت کی پوری تعداد بارہ ہزار درہم ہے لیکن مجوسی معاہد اور مرتد میں سے ہر ایک کی دیت مسلمان کی دیت کا پانچواں حصہ ہے۔ جرم خواہ عمداً کیا گیا ہو یا غلطی سے سرزد ہو گیا ہو۔ پس سونے کی شکل میں چھیاسٹھ (۶۶) دینار اور دو تہائی دینار دیت ہوگی اور چاندی کی صورت میں آٹھ سو (۸۰۰) درہم اور اونٹ ہو تو چھ مہار شتر اور ایک شتر کا دو تہائی (یعنی ۳/۲۔۶) تاوان ہوگا اور عورت کی دیت ان تمام صورتوں میں آدھی ہوگی لہٰذا آزاد مسلمان عورت کی دیت پچاس اونٹ اور اسی طرح (دوسری اشیاء میں نصف) ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی یا مجوسی معاہد ہو اور ایک مسلمان نے اسے عمداً قتل کر دیا تو اس کا تاوان مجرم پر مسلمان کے تاوان کی طرح پورا عائد ہوگا اور اگر غلطی سے جرم سرزد ہوا تو مسلمان کے دیت کا نصف تاوان عائد ہوگا۔ لیکن مرتدین میں سے جو غیر واجب التحفظ ہیں یا وہ جنہیں امان نہیں دی گئی تو وہ بہر حال واجب القتل ہیں (ان کے تاوان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اور وہ جس کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اس کا حکم مجوسی کی مانند ہے اور اعضاء و جوارح کے متعلقہ جرائم میں بھی (پورا یا آدھا ہونے کے بارے میں) تاوان جان پر قیاس کیا جائے گا۔

پیٹ کے بچہ کے ساتھ جرم کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ماں کے پیٹ میں بچہ کا ہونا ثابت ہو تو اس کی (جداگانہ) ذمہ داری نہیں لی جا سکتی کیونکہ وہ انسانی جسم کے ایک جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم وہ بذات خود زندگی کی صلاحیت رکھتا ہے اور ایک ایسی ہستی ہے جو ذمہ داری کی صلاحیت رکھتا اور حقوق کا مالک ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس کے حقوق واجب ہیں مثلاً آزاد رہنا' وارث ہونا' صاحب نسب ہونا' وصی ہونا' البتہ اول الذکر حیثیت سے اسے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ہاں پیدا ہو جانے کے بعد اس میں حقدار ہونے کی صلاحیت ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کا مال اس کے پاس آ جائے اور وہ اسے تلف کر دے تو وہ اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر ولی اس کے ساتھ کسی کا عقد کر دے تو ادائیگی مہر اس پر واجب ہو جائے گی۔ پس اگر کسی شخص نے حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا اور اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ ساقط ہو گیا تو مجرم پر غرہ (جرمانہ بصورت غلام یا لونڈی) عائد ہوگا۔ اگر وہ بچہ لڑکا ہے تو ایک مردانہ دیت کا دسویں حصے کا نصف لاگو ہوگا۔ یعنی دونوں صورتوں میں پانچ سو درہم تاوان ہوگا' کیونکہ دس ہزار درہم کے دسویں حصہ کا نصف اور پانچ ہزار درہم کا دسواں حصہ مقدار میں ایک ہے۔ اس مقدار (کے تعین) کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے' آپ نے فرمایا "فی الجنین غرة عبد او امة قیمته خمس مائة" (یعنی پیٹ کے بچے کی مقدار غرہ ایک غلام ہے یا لونڈی جس کی قیمت پانچ سو ہے) ایک اور روایت میں "او خمس مائة" (یعنی وہ جرمانہ لونڈی یا غلام ہے یا پانچ سو درہم ہے) اور غرہ (پانچ سو درہم کا یہ جرمانہ) عاقلہ (ذمہ دار دیت) کو ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جرمانے کی ادائیگی عاقلہ پر ڈالی ہے اور چونکہ یہ جان کے بدلے میں ہے لہٰذا اس کو حضور نے دیت کے نام سے یاد فرمایا ہے چنانچہ اس (جرمانے کے بارے میں) آپ نے فرمایا "دوہ" (یعنی دیت ادا کرو) اور لوگوں نے بھی اس جرمانہ کی بابت کہا: "الذی من لا صاح ولا استھل"

Marfat.com

الحدیث (یعنی کیا ہم اس کی دیت ادا کریں جو نہ چیخا نہ رویا، مردہ بچہ؟)۔

واضح ہو کہ عواقل (ذمہ داران دیت) پانچ سو درہم سے کم مقدار کی ادائیگی کے ذمہ دار نہیں گردانے جاتے۔ اس کی ادائیگی ایک سال کی مدت میں واجب ہے جیسا کہ محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کی ادائیگی کے لئے ایک سال کی مہلت رکھی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اگر اس (جرمانے) کو جان کا بدل قرار دیا جائے بدیں جہت کہ وہ ایک مستقل جان رکھتا ہے تو ماں کے وجود کے ساتھ وابستہ ہونے کے باعث اس جرمانہ کو ایک عضو کا بدل بھی کہا جا سکتا ہے۔ پس پہلی صورت سے مشابہ ہونے کے باعث بحیثیت وارث ہونے کے عمل کیا اور دوسرے شبہ کی بناء پر (ادائے جرمانہ کے لئے) ایک سال کی مہلت رکھ دی۔

واضح ہو کہ اس بارے میں مرد اور عورت دونوں کا حکم یکساں ہے کیونکہ اس کا مفہوم مطلق (غیر مشروط ہے) ہے اور اس لئے بھی کہ زندہ انسانوں میں تو خصوصیات انسانیت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے لیکن جنین (پیٹ کے بچے) میں یہ فرق نہیں ہوتا لہٰذا دیت کی مقدار ایک ہی ہوگی یعنی پانچ سو درہم۔

اگر (مضروب عورت) کے زندہ بچہ پیدا ہو گیا پھر مر گیا تو مجرم پر پورا خون بہا عائد ہوگا کیونکہ اس نے ایک زندہ ہستی کو پچھلی ضرب سے ہلاک کیا۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا اور اس کے بعد ماں بھی مر گئی تو ماں کے قتل کا خون بہا اور جنین (پیٹ کے بچے) کو ضائع کرنے کا جرمانہ لاگو ہوگا اور یہ بروایت صحیح ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں خون بہا اور جرمانہ (دونوں) کو عائد فرمایا ہے۔

اگر چوٹ لگنے سے ماں مر گئی اور اس کے بعد پیٹ کا بچہ زندہ پیدا ہو گیا لیکن بعد میں مر گیا تو ایک خون بہا ماں کا اور ایک بچے کا لاگو ہوگا۔ کیونکہ ماں کی موت بچے کی موت کے دو اسباب میں سے ایک سبب ہے اور بچے کا تنفس ماں کے تنفس سے وابستہ ہوتا ہے۔ شک کی حالت میں تاوان عائد نہیں ہوتا اور جنین کے حق میں جو تاوان عائد ہوگا۔ وہ ورثہ ہوگا کیونکہ یہ اس کی جان کا خون بہا ہے۔ لہٰذا اس کے ورثاء اس کے حقدار ہوں گے۔ اور جراحت رساں (مجرم) کبھی وارث نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی (حاملہ) بیوی کے پیٹ پر ضرب لگائے جس سے مردہ بچہ ساقط ہو گیا تو اس بچے کے باپ کے عاقلہ (ذمہ دار دیت) پر جرمانہ عائد ہوگا اور مجرم دیت کا وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے بلا شرکت غیرے ارتکاب قتل ناحق کیا اور قاتل مقتول کی میراث کا حقدار نہیں ہوتا۔ یہ حکم آزاد عورت کے جنین (پیٹ کے بچے) کا ہے۔ اگر لونڈی کے پیٹ کا بچہ تلف ہوا ہو اور وہ لڑکا ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ لاگو ہوگا کیونکہ یہ جان کا عوض ہے' عضو کا عوض تو واجب نہیں ہوتا جب تک عضو تلف نہ ہو' جنین کے عوض کو عضو کا عوض نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ جان کا بدل ہے اور اس کی مقدار جان کے اعتبار سے لگائی جائے گی اور یہ دیت جو کچھ بھی ہو مجرم کے مال سے دیت وصول کی جائے گی پانچ سو درہم کی مقدار کی قید ضروری نہیں ہے۔

ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر بچے کی ماں (مملوکہ) کی حیثیت کو نقصان پہنچا ہے (یعنی اس کی قیمت گھٹ گئی

Marfat.com

ہے) تو اس کی کو پورا کیا جائے جیسا کہ مویشیوں کی حالت میں ہوتا ہے (کہ اگر گیا بھن مویشی کا بچہ تلف ہو جائے تو اس کی حیثیت کم ہو جاتی ہے) اور یہ بھی ہے کہ مملوک (غلام) کو قتل کیا جائے تو مالی تاوان عائد ہوگا۔ یہی اصول یہاں بھی لاگو ہوتا ہے۔

اگر کسی مملوکہ (لونڈی) کو ضرب پہنچائی گئی اور اس کے مالک نے اس کے پیٹ کے بچے کو آزاد کر دیا اور وہ بچہ ماں کے پیٹ سے زندہ پیدا ہوا لیکن مر گیا تو مجرم پر مردہ بچے کی قیمت لاگو ہوگی اور خون بہا واجب نہ ہوگا۔ اگر چہ وہ بچہ آزاد ہو جانے کے بعد مرا ہے کیونکہ اس کی موت اس ضرب سے واقع ہوئی جو اس کے غلام ہونے کے دوران لگائی گئی تھی لہٰذا قیمت ہی واجب ہوگی دیت واجب نہ ہوگی' اور یہ قیمت ایک زندہ (مملوک) بچے کی عائد ہوگی کیونکہ ضرب کے وقت وہ زندہ تھا اور مجرم اس کا قاتل متصور ہوگا۔ غرض (واجبات عائد کرنے سے پہلے) موت کا سبب اور موت کے وقت دونوں کو دیکھنا ہوگا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ جنین کے تلف ہو جانے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا انسانی جان کے ذکر میں اس کی تفصیل آ چکی ہے' اس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا' تاہم اگر کوئی چاہے تو کفارہ بھی ادا کر سکتا ہے کیونکہ اس نے امر ممنوعہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے ہی میں بہتری ہے۔ وہ اپنے کئے کی معافی مانگ سکتا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر جنین (پیٹ کے بچے) میں اس کے وجود کے کچھ آثار پیدا ہو جائیں تو یہ تمام احکام مذکورہ پورے بچے کے احکام متعلقہ کی مانند عائد ہوں گے کیونکہ حدیث عام (غیر مشروط) ہے (یعنی ہر قسم کے جنین پر عائد ہوتی ہے)۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس کی پیدائش سے اس کی ماں پر تمام حق مادری عائد ہو جاتے ہیں مثلاً ایام عدت کا گزر جانا اور ایام نفاس وغیرہ کا تعین' اس مسئلہ میں بھی یہی صورت حال ہے نیز اس لئے بھی کہ اس (آثار وجود) سے خون اور علقہ (پھٹکی) میں امتیاز ہو جاتا ہے اور یہ جان کا معاملہ قرار پاتا ہے' واللہ اعلم بالصواب۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مارنے سے حاملہ عورت کے پیٹ کا بچہ مر کر ساقط ہو جائے یا عورت مر جائے' اور اس جرم کے نتیجہ میں جو زندگی میں اس کے ساتھ ہوا بچہ ساقط ہو گیا تو مجرم پر جرمانہ لاگو ہوگا۔ اسی طرح اس حالت میں بھی جرمانہ ہوگا جبکہ (پورا بچہ نہیں) بلکہ قدرتی ولادت کے بغیر اس کا کچھ حصہ مثلاً مردہ بچے کا سر باہر آ جائے۔

کہا جاتا ہے کہ (جرمانہ عائد ہونے کے لئے) بچے کا (ماں کے پیٹ سے) باہر آ جانا ضروری ہے کیونکہ جب تک ایسا نہ ہو وہ بچہ ماں کے جسم کا ایک عضو متصور ہوگا۔ واضح ہو کہ جرم قولی بھی ہو سکتا ہے مثلاً دھمکانا اور فعلی بھی (یعنی مار پیٹ یا قطع تعلق کر لینا (یہ بھی ایک ذہنی اذیت ہے جس سے اسقاط وغیرہ ہو سکتا ہے)۔

اگر ارتکاب جرم کے وقت وہ بچہ معصوم (واجب الحفظ) نہ ہو مثلاً حربی کا بچہ جو ہنوز حربیہ عورت کے پیٹ میں ہو' گو بعد میں دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے یا اس بچہ کا کوئی اور ذمہ دار نہ ہو' مثلاً مجرم خود اس بچہ اور اس کی ماں کا مالک (آقا) ہو اور اپنی لونڈی پر جرم کرے جو کسی غیر سے حاملہ ہو' جو اس بچے کا مالک ہے اور وہ عورت (لونڈی) آزاد

Marfat.com

کردی جائے اس کے بعد (جرم کے نتیجہ میں) بچہ ساقط ہو جائے یا ماں مرجائے یا پیٹ سے باہر نہ آیا ہو یا اس کا باہر آنا ماں پر جرم کے نتیجہ میں نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں مجرم (آقا پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں اس کی زندگی قابل احترام نہ تھی دوسری صورت میں مجرم تاوان کا ذمہ دار نہیں تھا۔ تیسری صورت میں بچے کی موت ماں کی موت کا نتیجہ ہے (جو مستوجب تاوان نہیں ہے) اور اخیر کی دو صورتوں میں بچے کا وجود ہی ثابت نہیں (تو اس پر جرم کیسا؟)

اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور پیدا ہونے کے بعد بغیر کسی تکلیف کے کچھ عرصہ تک باقی رہا اور اس کے بعد مر گیا تو مجرم پر اس کی ذمہ دار عائد نہ ہوگی۔ لیکن اگر پیٹ سے باہر آنے کے فوراً بعد ہی مر گیا یا سخت بے چینی ظاہر کرتا رہا: مثلاً بار بار ہاتھ بھینچنا اور کھولنا یا اس سے حرکت مذبوحی سرزد ہوتی رہی (یعنی وہ حرکتیں جو ذبح شدہ جانور کرتا ہے) اور اس کی بے چینی جاری رہی اور اسی حال میں مر گیا تو مجرم پر ایک جان ہلاک کرنے کی پوری دیت لاگو ہوگی اگرچہ وہ بچہ چھ مہینے سے کم کا ہے۔

اگر جرم کے نتیجہ میں کسی عورت کے دو بچے (پیٹ کے) ضائع ہو گئے تو دو جرمانے اور تین بچے ہوں تو تین جرمانے عائد ہوں گے وعلی ہذا القیاس۔ اگر جنین کا صرف ہاتھ یا پاؤں باہر آیا اور ماں مرگئی تب بھی جرمانہ عائد ہوگا کیونکہ اس سے پیٹ میں بچے کا ہونا ثابت ہے اور بگمان غالب بچے کے ہاتھ یا پاؤں کا جدا ہو جانا مجرم کے جرم ہی سے مانا جائے گا' لیکن (اس صورت میں) اگر ماں زندہ رہی اور کوئی بچہ ساقط نہ ہوا تو مجرم پر نصف تاوان عائد ہوگا جیسے کسی زندہ انسان کا ایک ہاتھ کاٹ دینے پر نصف تاوان عائد ہوتا ہے باقی حصہ (کے جرمانے) کا ذمہ دار نہ ہوگا کیونکہ فقہاء کے نزدیک تہائی حصہ تک کی کوئی حقیقت نہیں اگر (ضرب خوردہ) عورت کے مرجانے کے بعد مردہ بچہ پیدا ہوا تو مجرم پر عورت کا خون بہا اور بچے کا جرمانہ لاگو ہوگا کیونکہ اس بچے کی موت بھی اسی کے ضرب لگانے سے ہوئی۔ اگر بچے کا ایک ہاتھ ساقط ہوا پھر مردہ بچہ بغیر ہاتھ کے پیدا ہوا اور زخم ہنوز مندمل نہ ہوا تھا لیکن ماں کی تکلیف دور ہوگئی تو جرمانہ لاگو ہوگا کیونکہ ظاہر ہے کہ بچہ کا ہاتھ جرم کے نتیجہ میں جدا ہوا۔ یا اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور (جرم کے نتیجہ میں) پیدا ہونے کے بعد ہی مر گیا تو خون بہا عائد ہوگا جس میں ہاتھ کا تاوان شامل ہے لیکن اگر وہ بچہ زندہ ہے اور دائیاں اس کی زندگی کی شہادت دیں یا یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہاتھ ایک زندہ جسم کا تھا تو اس ہاتھ کی نصف دیت لاگو ہوگی۔ اگر دائیاں اس کی شہادت نہ دیں اور یہ نہ سمجھا جا سکے (کہ وہ ہاتھ زندہ وجود کا ایک حصہ ہے) تو (جہاں تک امر یقین ہے) اس یقین کی بناء پر نصف غرہ (غلام یا لونڈی) سے اور اس کی ادائیگی تین سال میں عاقلہ پر عائد ہوگی' کیونکہ یہ (غرہ یا جرمانہ) جان کے عوض لاگو ہوا ہے اور وارثوں کو بطور ورثہ کا حق پہنچتا ہے۔

اگر (نتیجۂ جرم میں) عورت کے پیٹ سے گوشت (کا ٹکڑا) ساقط ہوا تو غرہ (جرمانہ بشکل مملوک) عائد ہوگا بشرطیکہ دائیاں بتائیں کہ یہ بھی حمل کی ایک شکل ہے جسے دوسری عورتیں نہیں جان سکتیں یا وہ گوشت ایسا ہو جس نے کوئی شکل مطلق نہ اختیار کی ہو جسے دائیاں سمجھ سکتیں تاہم ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر یہ گوشت پیٹ میں رہتا تو شکل اختیار کر لیتا اور ایک وجود بن جاتا تب بھی غرہ واجب ہوگا اور اسی طرح اس کے پیدا ہو جانے پر ایام عدت پورے متصور ہوں گے یہی حکم اس

Marfat.com

صورت میں ہے جبکہ (ساقط ہو جانے والا) گوشت مضغہ (بچہ) کی شکل میں ہو لیکن اگر وہ محض پھٹکی (چیپ دار مادہ) ہو تو مجرم پر کوئی مطالبہ عائد نہ ہوگا اور نہ اس سے عدت کی تکمیل ہوگی۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ (ان صورتوں میں) غرہ جو واجب ہوگا وہ ایک غلام یا ایک لونڈی ہے جیسا کہ حدیث (مذکورہ) میں بتایا گیا ہے۔ اس میں مجرم کو اختیار ہے کہ (غلام یا لونڈی) جو چاہے دے' حقدار کو وہی قبول کر لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ غرہ (میں دیا جانے والا مملوک) صاحب تمیز ہو (یعنی بچہ یا دیوانہ نہ ہو) اور اس میں ایسا عیب نہ ہو جسے مال فروخت میں عیب خیال کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں مجرم کے اختیار کو دخل نہیں ہے۔ (اس مسئلہ میں) صحیح ترین قول یہ ہے کہ غرہ کو قبول کرنا واجب ہے' جبکہ وہ بڑا ہو گیا ہو' خواہ غلام ہو یا باندی۔ لیکن عمر رسیدگی کے باعث ناکارہ نہ ہوا اور جب تک کہ اس کی افادیت ناقص نہیں ہوئی اسے بطور غرہ دینے کا مجرم کو اختیار ہے اور غرہ (یعنی دیت بشکل غلام یا کنیز) کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی قیمت مسلمان باپ کے تاوان کے بیسویں حصے کے مساوی ہو جو مسلمان ماں کے تاوان کے دسویں حصہ کے برابر ہے۔

آزاد مسلمان کا جرم کرنے کی صورت میں غرہ (یا دیت) ایک فرد مملوک (یعنی غلام یا لونڈی) ہے جس کی قیمت پانچ اونٹ ہوتی ہے جیسا کہ حضرت علی، عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور چونکہ یہ دیت ہے لہٰذا اس کی مقدار کا تعین دوسری دیتوں کی طرح کیا جائے گا اور چونکہ جنین (بچہ شکم) حیات انسانی کے ادوار میں ادنیٰ ترین دور کا نام ہے لہٰذا اس کی دیت بھی شریعت کی مقرر کردہ دیت کی کم سے کم مقدار ہوگی۔ جیسے جراحت موضحہ اور دانت توڑنے کی دیت ہے۔ پس اگر غرہ (غلام یا باندی) محسوس طور پر دستیاب نہ ہو یا شرعاً حصول ممکن ہو لیکن اس کی واجبی قیمت سے زیادہ قیمت میں دستیاب ہو تو اس کے عوض پانچ اونٹ واجب ہوں گے کیونکہ وہ ملتا ہے تو اسی قیمت میں ملتا ہے اور جب دستیاب نہ ہو تو اتنی ہی قیمت واجب الادا ہوگی اور بدیں جہت کہ بنیادی طور پر دیت میں اونٹ ہی واجب ہوتے ہیں اور اگر وہ شے دستیاب نہ ہو جس کی وضاحت حکم شرع میں کی گئی ہے تو اونٹ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ہاں اگر اونٹ دستیاب نہ ہوں تو ان کی قیمت (یا ان کی مالیت کی شے) واجب ہوگی جیسا کہ اس حالت میں ہوتا ہے جبکہ تاوان کا اونٹ گم ہو جائے۔ اگر دیت کے اونٹوں میں سے کچھ اونٹ گم ہو جائیں تو دستیاب اونٹوں کے ساتھ ساتھ گم شدہ اونٹ کی قیمت واجب الادا ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ غرہ (تاوان) کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی قیمت اتنی جتنی کہ اوپر بتائی گئی بلکہ جب بھی صحت مند اور صاحب شعور (مملوک) دستیاب ہو حقدار کو اسے قبول کرنا واجب ہے، اگرچہ اس کی قیمت مقدار مذکورہ سے کم ہو کیونکہ (عبد یا امۃ) کا جو لفظ حدیث میں آیا ہے اس کا اطلاق اس پر ہوتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ جنین (بچہ شکم) مذکر تھا یا مونث کیونکہ حدیث میں یہ لفظ مطلق (غیر مشروط) آیا ہے غرہ (مملوک) کا وارثوں پر عائد ہونا، فریضہ الٰہی ہے۔ کیونکہ یہ معاوضہ جان (یعنی خون بہا) ہے اور یہ مان لیا جائے گا کہ بوقت اسقاط وہ بچہ زندہ تھا اور بعد میں مر گیا اور دیت (غرہ) مجرم کے عاقلہ پر عائد ہوگا جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں آتا ہے' قضی فی الجنین بغرۃ عبد او امۃ'' (یعنی آنحضرت ﷺ

Marfat.com

نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ جنین کی دیت غرہ ایک غلام یا ایک باندی ہے)۔

کہا جاتا ہے کہ اگر مجرم نے عمداً ارتکاب جرم کیا یعنی (جنین کی) ماں کو ایسی اذیت دی جس سے بالعموم اسقاط حمل ہو جاتا ہے تو دیت غرہ اس پر عائد ہوگی اور یہ جرم اس کا جرم خطا یا جرم مشابہ بہ عمد متصور ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ بچے کی ماں کے ساتھ جو جرم ہوا وہ غلطی سے سرزد ہوا یا عمداً کیا گیا یا وہ جرم شبہ عمد تھا کیونکہ بچے کا پیٹ میں ہونا یا زندہ ہونا یقینی امر نہیں تھا جس کے تلف کرنے کے ارادہ سے ارتکاب جرم کیا جائے یہی وجہ ہے کہ اگر (ارتکاب جرم کے بعد) بچہ شکم زندہ پیدا ہو کر مر جائے تو قصاص واجب نہ ہوگا کیونکہ قصاص صرف قتل عمد میں واجب ہوتا۔ اور اس صورت میں عمد کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی کا بچہ جو شکم مادر میں ہے اس بچہ کو حکم میں باپ کا تابع تصور کیا جائے گا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تاوان غرہ کے بارے میں اسے مسلمان بچے کی مانند قرار دیا جائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے یہ خون رائیگاں ہو گا۔ یہ دونوں قول اس بناء پر ہیں جب کہ غرہ کی مالیت کا تعین نہ ہو سکے اور صحیح یہ ہے کہ اس (یہودی یا نصرانی بچہ) کا تاوان (بشکل غرہ) مسلمان بچے کے ایک تہائی غرہ کی مانند ہے جیسا کہ دیت میں ہوتا ہے یعنی ایک اونٹ اور دو تہائی اونٹ، یہی حکم بالغ یہودی اور نصرانی کے بارے میں ہے۔

ان اصحاب کا قول ہے کہ مملوک بچہ شکم لڑکا ہو یا نہ ہو اس (کے اتلاف) کا تاوان اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ ہے خواہ وہ ماں قنہ (یعنی بنائی گئی لونڈی) ہو یا مدبرہ (یعنی آقا کی زندگی تک کے لیے اس کی مملوکیت ہو) یا مکاتبہ ہو (یعنی ایک خاص رقم کی ادائیگی کی شرط پر آزادی کا پروانہ دیا گیا ہو) یا اس سے اولاد ہو گئی ہو، جیسا کہ آزاد بچہ شکم کی صورت میں ہوتا ہے، پس جنین (بچہ شکم) کے غرہ کے تعین میں اس کی ماں کے تاوان کے دسویں حصہ کو مدنظر رکھا جائے گا۔ بچہ کی اپنی قیمت کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا کیونکہ اس کے مردہ پیدا ہونے کی صورت میں اس بچے کا موجود ہونا ثابت نہیں ہے (اس حکم سے) وہ صورت مستثنٰی ہے جب کہ ماں خود اپنی جان کو ہلاک کرنے کی مجرم ہو۔ اس صورت میں اس کے بچہ شکم کا جو اس کے آقا کی ملکیت ہے کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ آقا کو اپنے مملوک (لونڈی غلام) سے تاوان جرم کا کوئی حق نہیں ہے۔

جنین کی ماں کے مجرم پر تاوان جرم عائد کرنے کے لیے ماں کی اس قیمت کو پیش نظر رکھا جائے گا جو ارتکاب جرم والے دن تھی کیونکہ جرم کا تحقق اسی روز ہوا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تعین تاوان کے لیے بچے کے مر جانے والے دن جو اس کی ماں کی قیمت تھی اس کو مدِنظر رکھا جائے گا کیونکہ جرم مجرم پر اس روز عائد ہوگا۔ یہ احکام اس حالت کے ہیں جبکہ جنین مردہ ساقط ہوا ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوا اور بعد میں مر گیا لیکن اسی جرم کے نتیجہ میں جو ماں پر ہوا تو قطعی طور پر اس بچے کی وہ قیمت واجب ہوگی جو پیدائش کے وقت اس کی لگائی جائے گو اس کی قیمت ماں کی قیمت کے دسویں حصے سے کم ہو۔ اس بچے کے غرہ (یا دیت) کا حقدار اس کا مالک ہے۔ اگر ماں کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں لیکن پیدا ہونے والا بچہ سلامت ہو تو بقول صحیح ماں کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو سالم الاعضاء ہونے کی حالت میں ہوتی ہے کیونکہ بچے کے اعضاء سالم ہیں۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ عورت کافرہ ہو اور بچہ شکم مسلمان ہو۔ اس صورت میں اس

Marfat.com

عورت کی قیمت مسلمہ ہونے کی حیثیت سے لگائی جائے گی اور اگر وہ عورت آزاد ہو اور بچہ غلام ہو تو عورت کی قیمت بھی مملوکہ (لونڈی) کی حیثیت سے لگائی جائے گی، وعلی ہذا القیاس۔

ان اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ مسلک غالب کی رو سے دسویں حصہ تاوان (مذکورہ) کا بار مجرم کے عاقلہ پر ہوگا۔ جیسا کہ مسائل غرہ میں بتایا گیا۔ اگر بچہ شکم مردہ ساقط ہوا اور اس کے وارثوں نے کسی شخص پر یہ الزام لگایا کہ یہ بچہ اس کے ارتکاب جرم کے نتیجہ میں ساقط ہوا اور ملزم اس سے انکار کرے اور اس پر حلف اٹھالے تو اس کی بات مان لی جائے اور دعویدار کو گواہ پیش کرنا لازم ہوگا اور اس کے دعوے کو دو اشخاص کی شہادت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اگر مجرم نے ارتکاب جرم کا تو اقرار کیا لیکن اس سے انکار کیا کہ وہ بچہ اس کے جرم سے ساقط ہوا بلکہ وہ کہتا ہے کہ یہ بچہ کہیں سے اٹھایا ہوا ہے تب بھی اس کی بات مانی جائے اور دعویدار کو (اسقاط کے) گواہ پیش کرنے ہوں گے اور اس بارے میں عورتوں کی گواہی تسلیم کی جائے گی کیونکہ اسقاط حمل بھی ولادت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں گو بچہ کا اسقاط اس حالت میں تسلیم کیا جائے گا جب کہ چوٹ لگنے یا بغیر کسی شرعی وجہ کے خوف وہراس پیدا کرنے سے ہوا ہو، لیکن اگر سرزنش کے طور پر مارنے سے بچہ گر گیا تو واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اس حالت میں بھی جبکہ بدبو کے سونگھنے یا غلاظت خانہ کے کھلنے سے ایسا ہو گیا ہو۔ اگر ساقط شدہ چیز علقہ (لوتھڑے) کی شکل میں ہو یعنی ایک خون منجمد کہ اگر گرم پانی اس پر ڈالا جائے تو وہ تحلیل نہ ہو۔ خواہ اس کا سبب جرم خطا ہو یا جرم عمد ہو۔ اور خواہ وہ کسی اجنبی سے سرزد ہوا یا خود ماں سے ہوا ہو مثلاً ماں نے کوئی چیز استعمال کر لی جس سے حمل ساقط ہو جاتا ہے اور اس سے حمل ساقط ہو گیا۔ لڑکا ہو یا لڑکی، خاوند کا حمل ہو یا ناجائز ہو۔ ان تمام صورتوں میں ماں کا دسواں حصہ مرتکب فعل پر لاگو ہوگا یعنی اگر ماں آزاد ہے تو اس کے تاوان واجب کا دسواں حصہ اور اگر مملوکہ (لونڈی) ہے تو اس ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ یہ قیمت ماں کی اس روز کی لگائی جائے گی جس دن اس کو ضرب پہنچائی گئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بچہ ساقط ہونے والے دن کی قیمت کو دیکھا جائے گا۔ اگر باپ نے جرم کیا تو اس پر بچے کی ماں کے تاوان کا دسواں حصہ عائد ہوگا جو اس بچے کے دوسرے حقدار وارثوں کو ملے گا باپ کچھ حقدار نہ ہوگا۔ ارتکاب عمد کی صورت میں دسویں حصہ کا یہ تاوان فوری طور پر بصورت نقد مجرم کے مال سے واجب الادا ہوگا اور غلطی سے جرم سرزد ہو جانے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ غرہ (غلام یا لونڈی) جو بطور تاوان واجب ہو اس کی مقدار بچے کی دیت کے ایک تہائی تک نہ پہنچ جائے، ایسی صورت میں یہ تاوان عاقلہ مجرم کے ذمہ ہوگا۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ ایک مجوسی نے مسلمان عورت کو ضرب پہنچائی اور اس کا بچہ شکم ساقط ہو گیا۔ یا آزاد عورت کا جنین ساقط ہونے پر تاوان بصورت غرہ (غلام یا لونڈی) عائد ہوتا ہے اور (نقد یا غرہ) دونوں میں سے کسی کے اختیار کرنے کا حق مجرم کو ہے۔ تاوان کے حقدار کو یہ حق نہیں ہے۔ لیکن اس حالت میں جبکہ لونڈی کا بچہ تلف ہوا ہو۔ خواہ وہ بندہ ہو یا باندی دونوں حالت میں مجرم کو تاوان بصورت نقدی ہی ادا کرنا ہوگا (نقدی یا غرہ کے اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا) یہ نقدی چھوٹی عمر کی باندی کے عوض ہے جو سات سال کی ہوگئی ہو یہ نقدی کا تعین (بندہ اور بندی کا)

Marfat.com

فرق دور کرنے کے لیے ہے۔

واضح ہو کہ (ارتکاب جرم کے نتیجہ میں) عشر یا غرہ اس حالت میں واجب ہو گا جبکہ پورا بچہ مردہ ساقط ہو جائے اور اس کی ماں زندہ رہے اور اگر ماں بچہ پیدا کرنے سے پہلے ہی مر گئی تو مجرم پر بچہ کا تاوان کچھ عائد نہ ہو گا کیونکہ وہ ماں کے خون بہا میں شامل متصور ہو گا ہاں اگر پیدائش کے بعد بچہ رویا یا پیدائش کے وقت اس کی آواز نکلی یا ماں نے اسے دودھ پلایا یا کوئی ایسی بات ہوئی جس سے ثابت ہو کہ وہ بچہ پورے طور پر زندہ تھا تو مجرم پر دیت لازم ہو گی، بشرطیکہ بچے کے وارث قسم کھائیں کہ اس بچے کی موت مجرم کے فعل سے ہوئی ہے۔ اگر بچے کی زندگی کا علم ہوا لیکن فوراً ہی مر گیا اور ورثاء نے اس بات کی قسم نہیں کھائی کہ اس کی موت جرم کے نتیجہ میں ہوئی تو نہ غرہ واجب ہو گا اور نہ دیت عائد ہو گی کیونکہ یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ بچے کی موت جرم کے باعث نہ ہوئی ہو۔ اگر (جرم سے) ماں مر گئی اور وہ بچہ جو ساقط ہوا وہ رویا لیکن مر گیا تو مجرم پر قصاص عائد ہو گا بشرطیکہ بچے کے ورثاء قسم کھا کر کہیں کہ وہ بچہ اس جرم کے نتیجہ میں مرا ہے۔ اس کے خلاف جو رائے ہے اس پر اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔

اگر مجرم نے ماں کے سر پر اس ارادہ سے ضرب لگائی کہ بچہ شکم مر جائے تو بقول راجح اس پر خون بہا عائد ہو گا۔ یہی حکم ہاتھ پاؤں پر بھی اسی غرض سے ضرب پہنچانے کا ہے۔

بات یہ ہے کہ (حاملہ عورت کے) پیٹ، پیٹھ اور سر ضرب رسانی کے بارے میں مختلف رائیں ہیں: ابن القاسم کہتے ہیں کہ ورثاء کے قسم کھا لینے پر قصاص لاگو ہو گا اور اشہب کا کہنا ہے کہ اس صورت میں قصاص نہیں ہے بلکہ مجرم کے مال سے خون بہا واجب الاداء ہو گا بشرطیکہ ورثاء قسم کھا کر مجرم کے جرم کو اس کا موجب قرار دیں۔ لیکن ان اعضائے جسم کے علاوہ کسی اور جگہ پر عمداً ضرب رسانی کی صورت میں ورثاء کے قسم کھانے سے مجرم کے مال میں سے خون بہا اور واجب ہو گا۔

ان مسائل میں قصاص اسی صورت میں واجب الادا ہو گا جبکہ مرتکب جرم باپ نہ ہو۔ اگر باپ نے جرم کیا ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا سوا اس صورت کے جبکہ اس نے بچے کو ہلاک کرنے کے لیے ماں کے پیٹ پر عمداً مارا ہو۔

اگر ایک سے زیادہ بچہ ہائے شکم (جرم کے نتیجہ میں) مردہ ساقط ہو جائیں تو تاوان کی تعداد بھی اتنی ہی واجب ہو گی خواہ تاوان بصورت عشر ہو یا بصورت غرہ (یعنی غلام لونڈی)۔ پھر اگر وہ جرم غلطی سے سرزد ہوا اور تاوان کی مقدار ماں کے تاوان کے تہائی حصہ کے برابر ہو جائے تو اس کی ادائیگی کا بار مجرم کے عاقلہ پر ہو گا لیکن اگر جرم کا ارتکاب عمداً ہو یا غرہ (غلام لونڈی) کی مالیت ماں کے تہائی تاوان سے کم ہو تو اس کا بار مجرم کے عاقلہ پر نہ ہو بلکہ خود مجرم کے اپنے مال سے اسی وقت، فوری طور پر واجب الادا ہو گا۔

جنین کے ورثاء عشر واجب وغیرہ کے اسی نسبت سے وارث ہوں گے جیسا کہ شریعت نے حق مقرر فرما دیا ہے۔ اس میں اہل فرائض (جن کا حصہ مقرر شدہ ہے) اور عصبہ (جن کا حصہ مقرر نہیں ہے) دونوں طرح کے ورثاء شامل ہیں۔ چنانچہ اس بچہ کا کوئی بھائی نہیں ہے تو باپ کو دو تہائی اور ماں کو ایک تہائی ملے گا اور اگر بھائی ہے تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

Marfat.com

جملہ مسالک میں سے اسی مسلک کو ترجیح حاصل ہے۔ بخلاف اس کے جس نے کہا کہ یہ تاوان بچے کی ماں کے لیے مخصوص ہے۔ بشرطیکہ اس نے خود یہ جرم نہ کیا ہو، ربیعہ بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ یہ ماں کے جزو بدن کے تاوان کی مانند ہے۔ ابن ہرمز کا قول اس کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ (اس صورت میں) ماں اور باپ کو بہر حال ایک تہائی اور دو تہائی کا حق ہے۔ اگر چہ اس بچہ کا بھائی موجود ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ پہلے اسی خیال کے حامی تھے۔ بعد میں اول الذکر قول کی طرف رجوع کر لیا تھا کیونکہ اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔

جاننا چاہیے کہ اگر بچہ شکم کے ساقط ہونے کا سبب خود ماں کا اپنا یا باپ کا فعل ہو تو اسے قاتل قرار دیا جائے گا اور مطلق تاوان کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ قاتل (مقتول کا) وارث نہیں ہوسکتا۔

عاقلہ کی تفصیل اور بتاخیر ادائیگی تاوان کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ جرم مشابہ بہ عمد اور جرم خطأ کی دیت اور جرم قتل کے جملہ تاوان جو عاقلہ پر واجب الادا ہیں، ان کی ادائیگی کا بار عاقلہ پر ہوگا، عاقلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ادائیگی تاوان کے ذمہ دار ہیں، عاقلہ پر تاوان لاگو ہونے کی بنیاد آنحضرت ﷺ کی حدیث متعلقہ حمل بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جس میں حضور کا یہ حکم ہے" قوموا فدوہ" (یعنی اٹھو ندیہ ادا کرو) یہ حکم اس لیے بھی ہے کہ انسان کی جان قابل احترام ہے، اسے رائیگاں تلف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ادھر غلطی سے ارتکاب جرم کرنے والا بے اختیار تھا، اسی طرح وہ شخص بھی جس کا فعل مشابہ با عمد ہو اسے بطور آلہٴ ارتکاب کے تصور کیا جائے (جس پر جرم عائد نہیں ہوتا) لہٰذا اس پر سزا کا عائد کرنا بے وجہ ہوگا اور بھاری رقم کا عائد کرنا اس پر زیادتی اور اس کی بیخ کنی ہے لہٰذا جو سزا اس پر عائد ہوگی بغرض تخفیف اس میں عاقلہ کو شامل کیا جائے گا، اور عاقلہ کو خاص طور پر تاوان میں شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قاتل نے جراحت رسانی کے ارتکاب میں ہچکچاہٹ اور توقف نہیں کیا جس کا سبب طاقت کا زعم تھا، اور طاقت کا یہ زعم حامیوں کی بدولت ہوتا ہے اور مجرم کے حامی اس کے عاقلہ ہی ہوسکتے ہیں، بدیں جہت وہ بھی مجرم کی نگہداشت اور اس کی نگرانی نہ رکھنے کے قصوروار ہیں، لہٰذا خاص طور پر انہیں ذمہ دار ٹھہرایا گیا، اب اگر مجرم (یا قاتل) سرکاری ملازم ہے تو اس کے عاقلہ اہل دیوان (افسران محکمہ) ہیں جن کے عطایا (منظور شدہ رقم) سے تین سال میں وہ تاوان وصول کیا جائے گا، اہل دیوان سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم اور جھنڈوں والے ہیں یعنی اہل جیش جن کے نام دفتروں اور فہرستوں میں درج ہیں (غالباً مراد کمیشنڈ افسران سے ہے) سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے دفاتر قائم کیے اور ملازمین کے ارتکاب جرائم کے تاوان کا ذمہ دار اہل دیوان کو قرار دیا، اور یہ فیصلہ انہوں نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی موجودگی میں کیا اور اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا، علاوہ اس کے تاوان کا بار مجرم کے حمایتیوں پر ہوتا ہے اور یہ حمایت کے مختلف اسباب ہیں، مثلاً قرابت (رشتہ داری) حلف (معاہدہ) ولا (سرپرستی) عد (ہمسری)۔ عہد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرکاری محکمہ سے وابستگی، حمایت ہونے لگی، لہٰذا اس مفہوم کے پیش نظر ان اہل دیوان کو عاقلہ قرار دیا گیا، بناء بریں ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر آج ہم پیشگی کی بناء پر کچھ لوگوں کو باہم ایک دوسرے کی حمایت حاصل ہو تو اہل

Marfat.com

حرفاً ایک دوسرے کے عاقلہ ہوں گے، اگر حلف (عہد وفاداری) کی بناء پر کسی کو حمایت حاصل ہو تو اہل عہد عاقلہ ہوگا۔

واضح ہو کہ تاوان کو صلہ کی حیثیت حاصل ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کی ادائیگی صلہ یا عطیات سے کی جائے بہ نسبت اس کے کہ اس کے ذاتی مال سے تاوان وصول کیا جائے عاقلہ سے وصولیابی (تاوان) کے لیے تین سال کی مدت آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے، پھر یہ بھی ہے کہ مال عطیہ میں سے ادائیگی تاوان میں سہولت ہوتی ہے اور عطیات سال میں ایک بار نکالے جاتے ہیں، اگر عطیہ ایک سال سے زیادہ یا کم عرصہ میں ہوتا ہو تو جب بھی ہو اسی میں سے ادا کیا جائے، تاکہ سہولت کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو جائے، اگر قاتل کو آئندہ ایک سال میں تین عطیے ملنے ہوں تو اس میں سے تاوان پورا کیا جائے، کیونکہ اس کے واجب الادا ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے، (اس لیے ضروری نہیں کہ تین سال پورے کیے جائیں)۔

اگر تین سال میں پورا تاوان ادا کرنا ہو تو ہر سال ایک تہائی ادا کی جائے اگر صرف ایک تہائی خون بہا یا اس سے کم عائد ہو تو ایک ہی سال میں واجب الادا ہے اور ایک تہائی سے زیادہ دو تہائی تک دوسرے سال میں ادا کیا جائے اور اس سے زیادہ تین تہائی تک تیسرے سال میں ادا کیا جائے، جو خون بہا عاقلہ پر ڈالا گیا ہو یا جو خود قاتل پر عائد ہوا ہو بایں طور کہ باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دیا ہو تو وہ قاتل کے مال سے تین سال میں واجب الادا ہوگا، کیونکہ شرع میں مقررہ وقت کے اندر (بتاخیر) ادائیگی کا حکم ہے لہٰذا اس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔

اگر دس اشخاص نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کرنے کا ارتکاب کیا تو ان میں سے ہر ایک پر تاوان کا دسواں حصہ تین سال میں ادا کرنا واجب ہے، ہر جزو کو ادائیگی کے بارے میں کل کی حیثیت میں رکھا جائے گا، بدیں لحاظ کہ وہ تاوان جان کا بدل ہے (جو حکم پوری جان کا ہے وہی عائد ہوگا) اور تین سال کی یہ مدت اسی وقت سے شروع ہوگی جبکہ ادائیگی تاوان کا فیصلہ ہوا، کیونکہ اصل واجب ہونے والی شے تو مثل ہے (یعنی جان کا بدلہ جان ہے جو ارتکاب جرم کے وقت ہی سے واجب ہو جاتا ہے) لیکن اس سے ہٹ کر قاضی سزائے مثلی کو تاوان میں بدل دے تو (تاوان اسی وقت واجب ہوگا اور مدت ادائیگی تاوان اسی وقت سے شروع ہوگی جب یہ فیصلہ ہوا جیسے غیر متعین شخص کی اولاد کی صورت میں ہوتا ہے (کہ اس کی ولدیت کا تعین قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہو جائے)۔

اگر کوئی شخص اہل دیوان (یعنی سرکاری ملازمین کے زمرہ میں) نہیں ہے تو اس کے عاقلہ اس کے قبیلہ کے لوگ ہوں گے، کیونکہ اسے ان کی حمایت حاصل ہے، عاقلہ ہونے کے لیے اس امر کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، تاوان عائد شدہ ان سب پر تقسیم کر دیا جائے گا، جو تین سال میں واجب الادا ہوگا، تاہم کسی شخص پر ہر سال چار درہم سے زیادہ عائد نہ ہوگا، ہاں اس مقدار میں کمی کرنا جائز ہے۔ پس ہر ایک سے سالانہ ایک درہم کے سوا یا ایک درہم اور ایک تہائی درہم کے سوا نہیں لیا جائے گا۔ اگر اہل قبیلہ میں گنجائش ادائیگی نہ ہو تو قبیلے کے خاندانی رشتہ دار جو مجرم سے قرابت رکھتے ہوں ان کو شامل کر لیا جائے گا اور اس میں اقرب فاقرب کا اصول مدنظر رہے گا (یعنی پہلے نزدیک ترین رشتہ دار کو پھر ان کے بعد کے نزدیک

Marfat.com

ترین رشتہ دار کو شامل کر لیا جائے گا) اور قرابت داری کی ترتیب بلحاظ عصبیت (یا صلبی رشتہ) کے ہوگی، مثلاً پہلے بھائی پھر بھتیجے، پھر چچا، پھر چچازاد بھائی کہتے ہیں کہ باپ دادا اور بیٹے پوتے بوجہ قرابت دار ہونے کے عاقلہ میں شامل ہونے والوں میں نہیں ہیں، کیونکہ اہل قبیلہ کی شمولیت دشواری ادائیگی کو دور کرنے کے لیے ہے تاکہ کسی کو تین چار درہم سے زیادہ ادا نہ کرنا پڑے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے، جبکہ تاوان دینے والوں کی تعداد زیادہ ہو اور باپ دادا اور بیٹے پوتوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی اگر عاقلہ اصحاب رزق (یعنی رسد پانے والے اشخاص) ہیں تو ان کی رسد میں سے ہر سال ایک تہائی کے حساب سے تین سال میں تاوان وصول کیا جائے گا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر قاتل خود اہل دیوان میں سے ہے تو وہ بھی عاقلہ کے زمرہ میں شامل ہوگا، اگر اہل دیوان میں سے نہیں ہے تو اس پر کچھ لاگو نہ ہوگا یہ اس لیے ہے کہ فعل جبکہ اسی سے سرزد ہوا ہے تو اسے مطالبہ سے الگ کر دینے اور دوسرں سے مواخذہ کرنے کے کچھ معنے نہیں ہیں لہٰذا اسے بھی دوسرے ادا کنندگان تاوان میں شامل کیا جائے گا۔

یہ بھی ان اصحاب کا کہنا ہے کہ عورتیں اور بچے ہر چند کہ انہیں دیوان (سرکاری محکمہ) میں دخل ہو ان پر ڈنڈ عائد نہ ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" لا یعقل مع العاقلة صبی ولا امراة " (یعنی بچہ اور عورت عاقلہ کے ساتھ شریک تاوان نہ ہوں گے) یہ اس لیے کہ قتل کا الزام مجرم کے حمایتیوں پر بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کی روک ٹوک اور نگرانی نہیں کرتے، بچوں اور عورتوں کی حمایت انہیں حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا ان پر تاوان نہیں ڈالا جاتا، اسی وجہ سے اگر بچہ یا عورت قاتل ہو تو ان پر خون بہا عائد نہیں ہوتا، بخلاف بالغ مرد کے، اور قاتل پر کچھ تاوان جو عائد کیا جاتا ہے وہ بھی اس لیے ہوتا ہے کہ اسے اپنے نفس کا حمایتی ہونے کے باعث عاقلہ تصور کیا جاتا ہے، یہ کیفیت عورت اور بچے میں نہیں ہوتی۔

ایک شہر کا رہنے والا دوسرے شہر والے کا عاقلہ قرار نہیں دیا جائے گا البتہ شہر کے مضافات میں رہنے والا اہل شہر کا عاقلہ ہوسکتا ہے، کیونکہ مضاف شہر بھی شہر میں داخل ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک شہری کا جرم کیا اور اسے دیوان (سرکاری محکمہ) سے کچھ نہیں ملتا گو صحرانشین اس شخص کے اقرباء ہیں اور وہ خود شہر میں رہتا ہے تو اس شہر کے اہل دیوان اس کا تاوان واجب ادا کریں گے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اہل دیوان اور مجرم باہم قرابت دار ہوں، اگر کوئی بدوی (بدو یا اہل قریہ) شہر میں رہائش پذیر ہو لیکن اس کا گھر بار شہر میں نہیں ہے تاہم اہل شہر ہی اس کے عاقلہ متصور ہوں گے، کیونکہ اہل عطا اس کی اعانت نہیں کرتے جس کا گھر وہاں نہ ہو (جہاں ان کا گھر ہے) اسی طرح اگر اہل بادیہ کے درمیان کوئی شہری اقامت گزیں ہو جائے تو بدوی اس کا تاوان ادا نہیں کریں گے کیونکہ اسے ان کی حمایت حاصل نہیں ہے۔

ان اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ذمی اشخاص کے عاقلہ معلوم ہوں تو وہ اس کی طرف سے تاوان ادا کریں گے، چنانچہ اگر کسی ذمی نے غلطی سے ارتکاب قتل کر لیا تو اس کا خون بہا ایک مسلمان کے خون کی طرح اس کے عاقلہ پر لاگو ہوگا، کیونکہ ان پر بھی جملہ معاملات میں احکام اسلامی عائد ہوتے ہیں، خاص کر ایسے احکام جو ضرر رسانی سے بچانے والے

Marfat.com

ہوں، بشرطیکہ عاقلہ اور مجرم کے درمیان باہمی حمایت کے حقدار ہونے کا مفہوم موجود ہو، پس اگر اس کے عاقلہ کا علم ہو تو اس کے مال میں سے تین سال کی میعادی دیت واجب الوصول ہوگی، اور میعاد کی ابتدا اس دن سے ہوگی جس دن قاضی نے (تاوان کا) فیصلہ کیا، جیسا کہ مسلمان کے بارے میں ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ کوئی کافر مسلمان کا یا مسلمان کافر کا عاقلہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے حامی متصور نہیں ہوتے، ہاں اہل کفر باہم ایک دوسرے کے عاقلہ ہوسکتے ہیں، گو ان کے مذاہب مختلف ہوں، کیونکہ تمام کافر ایک قوم ہیں یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ان کے درمیان باہمی عداوت ظاہر نہ ہو، اگر عداوت ظاہر ہے جیسے یہودی اور نصرانی کے درمیان ہے تو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے عاقلہ قرار نہ دیئے جائیں۔

ان اصحاب کا قول ہے کہ آزاد کردہ غلام کا عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہوگا کیونکہ اس کو ان کی نصرت (حمایت) حاصل ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "مولی القوم منهم" (یعنی کسی قوم کا آزاد شدہ غلام اسی قوم میں شمار ہوگا) اور والیوں کے غلام کا تاوان اس کا آقا اور آقا کا قبیلہ ادا کرے گا کیونکہ وہی اس غلام کا ناصر (حامی) ہے جیسے آزاد شدہ غلام کی صورت میں ہوتا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ عاقلہ تاوان کے بیسویں حصہ سے کم مقدار کی ادائیگی نہیں کرے گا، پورے تاوان کے بیسویں حصے یا اس سے زیادہ کے تاوان کی ادائیگی کرے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوف (جس کا سلسلہ روایت آنحضرت ﷺ تک نہ پہنچا ہو) میں ہے اور آنحضرت ﷺ کی حدیث مرفوع ہے (جس کا سلسلہ روایت حضور تک پہنچا ہے) "لا تعقل العواقل عمداً، ولا عبداً، ولا صلحاً، ولا اعترافاً، ولا ما دون ارش الموضحة" (یعنی عاقلہ پر تاوان نہیں ڈالا جائے گا جبکہ جرم کا ارتکاب عمداً ہوا ہو، یا غلام کا قتل ہو، یا مصالحت کا تاوان ہو یا اعتراف جرم کا تاوان یا جراحت موضحہ کے جرمانے سے کم مقدار کا تاوان ہو۔ واضح ہو کہ جراحت موضحہ کا جرمانہ پورے خون بہا کا بیسواں حصہ ہوتا ہے۔ عاقلہ پر بھاری تاوان کا بار ڈالنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی پر بیجا سختی نہ ہو، تھوڑی بہت زیادتی تباہ کن نہیں ہوتی ہاں بڑی زیادتی ہو تو تباہ کن ہوتی ہے دونوں حالتوں کے فرق کا اندازہ سماعی ہے (یعنی قیاسی یا قاعدے کی بناء پر نہیں ہے) پس مقدار بالا سے کم تاوان ہو تو مرتکب فعل کے مال سے وصول کیا جائے گا (زیادہ ہو تو عاقلہ پر ڈالا جائے گا) حالانکہ قیاس یہ ہے کہ تاوان کم ہو یا زیادہ ایک ہی بات ہے، لہٰذا تاوان عاقلہ پر ڈالا جانا چاہیے (کم ہو یا زیادہ) چنانچہ امام شافعیؒ اسی طرف گئے ہیں، یا پھر دونوں کے یکساں ہونے کی صورت یہ ہے کہ عاقلہ پر کوئی تاوان عائد ہی نہ کیا جائے (جو تاوان ہو وہ سب اسی سے وصول کیا جائے جس پر ڈالا گیا ہے)، حنفیوں نے اس قاعدہ کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نے جنین (بچہ شکم) کے تلف کرنے کا جرمانہ عاقلہ پر ڈالا جس کی مقدار ایک بالغ مرد کے خون بہا کا بیسواں حصہ ہے، اس سے کم مقدار میں دوسرے مالی معاملات کی روش اختیار کی جائے گی یعنی وہ تاوان تحکیم (تشخیص حاکم) کے بموجب لاگو ہوگا جیسا کہ مال کی ضمانت کی صورت میں ہوتا ہے کہ اس کا تخمینہ لگا کر (ضامن سے) وصول کیا

Marfat.com

جاتا ہے۔ پس تاوان دار سے اسی قاعدے کے مطابق تاوان وصول کیا جائے گا۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ غلام (قتل) کا مجرم ہو تو اس کا تاوان عاقلہ پر نہیں ڈالا جائے گا، اور نہ وہ تاوان جس کے بارے میں باہمی تصفیہ ہوا ہو یا وہ تاوان جو مرتکب فعل ادا کرنے کا اقرار کرلے کیونکہ عاقلہ اور مجرم غلام میں باہمی تناصر (حمایت) نہیں ہوتی اس طرح اگر مجرم اقرار کرلے یا کسی بات پر مصالحت کرلے تو عاقلہ پر کچھ لازم نہ ہوگا بجز اس صورت کے جبکہ اہل عاقلہ مجرم (کے قول و قرار یا مصالحت) کی تصدیق کریں، تصدیق کی بناء پر تاوان ثابت ہو جائے گا، تاہم (مجرم کے قول سے) انہیں انکار کردینے کا حق ہے، انہیں اپنے آپ کی سربراہی کا حق حاصل ہے۔

اگر کسی شخص نے قتل خطا کا اقرار کیا اور کئی سال گزرنے کے بعد یہ معاملہ قاضی (حاکم شرع) کے پیش ہوا تو قاضی اس کے مال سے خون بہا کے ادا کیے جانے کا فیصلہ کرے گا اور یہ ادائیگی اس کے خلاف فیصلہ ہونے کے دن سے تین سال میں کی جائے گی کیونکہ جب شہادت سے ثابت ہونے والے جرائم کے تاوان کی ادائیگی کے لیے فیصلہ دن سے تین سال کی میعاد مقرر ہے تو اقرار سے ثابت ہونے والے جرائم کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ادائیگی (تاوان واجب) کے لیے مہلت ملنی چاہیے۔

اگر قاتل اور مقتول کا ولی دونوں اس بات کی تصدیق کریں کہ فلاں شہر کے قاضی نے گواہوں کی بناء پر فیصلہ کیا ہے کہ مجرم کے عاقلہ جو کوفہ میں ہیں وہ تاوان ادا کریں لیکن وہ لوگ اس سے انکار کریں ان پہ کچھ عائد نہ ہوگا، کیونکہ ان دونوں کی اس طرح باہمی تصدیق کوئی دلیل نہیں ہے اور مجرم کے مال میں سے کچھ واجب الادا نہ ہوگا، ہاں اگر مجرم کو عاقلہ کے ساتھ عطیہ (وظیفہ وغیرہ) ملتا ہے تو عاقلہ کے حصے کے مطابق عاقلہ پر تاوان لاگو ہوگا، کیونکہ مجرم نے خود تاوان کے ایک حصہ کا اقرار اپنے اوپر اور ایک حصہ کا اپنے عاقلہ پر کرلیا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر ایک آزاد شخص نے کسی غلام کا جرم کیا کہ وہ غلطی سے قتل کا مرتکب ہو گیا تو آزاد شخص کے عاقلہ پر اس غلام کی قیمت واجب الادا ہوگی کیونکہ یہ جان کا بدل ہے اور ملاعنہ عورت کا بیٹا (یعنی اس عورت کا بیٹا جس نے لعان کیا ہو) اگر جرم کرے تو اس کے تاوان کے ذمہ دار اس کی ماں کے عاقلہ ہوں گے، کیونکہ (لعان کے بعد) اس لڑکے کا نسب اس کی ماں سے ثابت ہے باپ سے نہیں، اب اگر اس عورت کے عاقلہ نے ادائیگی کردی اور اس کے بعد اس لڑکے کا باپ اس کا دعویدار ہو جائے تو اس کی ماں کے عاقلہ کو اس کے باپ سے اپنے ادا کردہ خون بہا کی واپسی کا حق ہے جس کی میعاد اس دن سے تین سال ہوگی جس دن قاضی نے ماں کے عاقلہ کے حق میں باپ کے عاقلہ کے خلاف فیصلہ کیا، کیونکہ اسی دن یہ ثابت ہوا کہ باپ کے عاقلہ پر خون بہا واجب ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اطراف جسم وغیرہ کے جرم میں جو غلطی سے سرزد ہو گیا ہو اور جرم شبہ عمد میں نیز بغیر کسی قاتل کے خود اپنی جان پر جرم کرنے یا حکومت کے تشخیص کردہ تاوان یا تاوان بشکل غرہ میں مجرم کے عاقلہ پر دیت عائد ہوگی، مجرم پر نہ ہوگی کیونکہ عہد جاہلیت میں لوگ ہلاک شدہ شخص کے وارثوں کو مجرم کے پاس آنے اور خون کا بدلہ لینے سے باز رکھتے تھے، شارع علیہ السلام نے (مجرم کی) اس حمایت کے عوض ادائیگی مال کا حکم دیا اور اس کو جرم خطا یا جرم مشابہ بہ عمد

Marfat.com

کے لیے مخصوص فرمایا، کیونکہ ایسے حادثات اکثر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں خاص کر ان لوگوں میں جو ہتھیار کے استعمال میں جلد بازی کرتے ہیں، یہ اعانت اس لیے کی کہ ایسی بات کے عوض جس میں ایک شخص معذور تھا اس پر زیادہ دباؤ ڈالا جائے اور واضح ہو کہ یہ تاوان عاقلہ پر اس حالت میں ڈالا جائے گا جبکہ گواہوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ فعل (باعث نقصان یا ہلاکت) بھولے سے سرزد ہوا یا مشابہ بہ عمد ہو (یعنی بہ ظاہر عمد ہو لیکن حقیقی معنوں میں عمد نہ ہو) یا مرتکب خطا کا اعتراف کرلے اور ورثاء اسے تسلیم کرلیں۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ خون بہا کا بار اٹھانے والے تین ہیں: قرابت دار، ولی (سربراہ) اور بیت المال، ان کے علاوہ نہیں ہیں مثلاً بیوی، (مجرم کے) متعلقین یا غیر صلبی (یا غیر پدری) رشتہ دار، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہی دستور العمل تھا جس کی تنسیخ بعد میں نہیں ہوئی نیز یہ بھی ہے کہ یہ معاوضہ ہے اور اس کی ادائیگی کے سب سے زیادہ ذمہ دار وہی ہیں اور مجرم کے عصبہ (پدری رشتہ دار) وہ مرد ہیں جو نسب یا ولاء (سربراہی) کی بناء پر (مجرم کے) وارث ہوں اور مکلف ہوں اور یہ قرابت داری باپ کی طرف سے ہو۔ (ان میں) عورت اور بچے اگرچہ مقدور والے ہوں اس تاوان کا بار ان پر نہیں ڈالا جائے گا، یہی حال اس کا ہے، جسے کوتاہ عقلی کے باعث نا اہل معاملہ قرار دیا گیا ہو، یاد رہے کہ مجرم کی جڑ (یعنی باپ دادا) خواہ کتنے ہی اوپر کے درجہ میں ہوں اور شاخ (یعنی بیٹے پوتے) خواہ کتنے ہی نیچے کے درجہ میں ہوں عصبات سے خارج ہیں کیونکہ یہ سب اسی کے وجود کا حصہ ہیں، پس جس طرح خود مجرم پر بدیں جہت کہ پورا تاوان عائد نہیں ہوتا جزوی تاوان بھی عائد نہیں ہوتا کیونکہ وہ معذور تھا اسی طرح اس کے اجزائے وجود (یعنی باپ، بیٹے) بھی تاوان کا بار نہیں اٹھائیں گے، چنانچہ نسائی کی روایت کردہ حدیث ہے کہ "لا یؤخذ الرجل بجریرۃ، ای جریرۃ ابنہ" (یعنی کوئی شخص کسی کے کیے پر نہیں پکڑا جائے گا۔ یہاں پر کسی سے مراد بیٹا ہے) اور ابوداود کی روایت کردہ حدیث سابقہ میں جو دو عورتوں کے بارے میں آیا ہے کہ "وبراء الولد" (یعنی بیٹا بری ہے) مطلب دیت سے بری ہونا ہے۔ اسی پر دوسرے ابعاض کو (یعنی ان افراد کو جو اسی کے وجود کے اجزاء ہیں جن سے مراد باپ دادا یا بیٹا پوتا وغیرہ ہیں) قیاس کیا گیا ہے اور دیت خواہ تھوڑی ہو یا بہت عاقلہ پر لاگو ہوتی ہے۔

اور دیت کا بار قریب ترین عصبہ (خاندانی رشتہ دار) پر پھر اس کے بعد کے قریب ترین پر ہوگا، اب اگر قریب ترین فرد خاندان تاوان کو پورا نہ ادا کر سکے یعنی کچھ باقی رہ جائے تو باقی تاوان بعد کے قریب ترین افراد پر ڈال دیا جائے گا اور ان افراد میں سے اسے اولیت حاصل ہوگی جسے باپ ماں دونوں سے تعلق ہو بمقابلہ اس کے جسے صرف باپ سے ہو، جیسا کہ وراثت میں ہوتا ہے (کہ حقیقی رشتہ کو سوتیلے پر ترجیح دی جاتی ہے) تاہم تاوان کے لاگو ہونے میں دونوں یکساں ہیں کیونکہ عاقلہ ہونے میں عورت کا کوئی دخل نہیں لہٰذا (تاوان کے لاگو ہونے میں سب برابر ہوں گے) ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی، پھر اگر خاندانی رشتہ دار نہ ہوں یا مطالبہ واجب ادا نہ کرسکیں اس کا آزاد شدہ غلام اس کی طرف سے تاوان کا بار اٹھائے گا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے "الولاء لحمۃ کلحمۃ النسب" (یعنی ولا یا آقا ہونا بھی نسبی قرابت

Marfat.com

کی مانند ایک قرابت ہے) اگر آزاد کردہ غلام نہ ہو یا مطالبہ واجب پورا نہ کر سکے تو اس کے ایسے رشتہ داروں کو آگے لایا جائے گا جو اس کی جڑ یا شاخ میں سے نہ ہوں اور ان میں اقرب فالاقرب کے اصول کو مدنظر رکھا جائے گا، جیسا کہ شافعیؒ اور بیہقی کی روایتوں میں آیا ہے کہ ''ان عُمَرَ قضی علی علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما بان یعقل عن موالی صفیة بنت عبد المطلب'' (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ فیصلہ عائد کیا کہ وہ صفیہ بنت عبد المطلب کے آزاد کردہ غلاموں کی طرف سے تاوان ادا کریں) کیونکہ وہ صفیہ کے بھتیجے ہیں، صفیہ کے بیٹے زبیر پر تاوان لاگو نہیں کیا گیا، پھر آزاد کنندہ کی عدم موجودگی میں آزاد کردہ کے آزاد کردہ اور باپ کے رشتہ داروں پر اسی طرح، اس کی عدم موجودگی میں دادا کے آزاد کردہ پر پھر اس کے مادری رشتہ داروں پر جہاں تک کہ وراثت کا حق پہنچتا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر عورت کا آزاد کردہ (غلام) مجرم ہو تو اس کے تاوان کا بار عورت کے عاقلہ پر ہوگا، اس عورت پر نہیں ڈالا جائے گا کئی آزاد کرنے والوں کو ایک ہی آزاد کنندہ (یا آقا) تصور کیا جائے گا یعنی سالانہ تاوان واجب الادا کے بارے میں ہر ایک کے رشتہ دار کو ایک ہی کا تصور کیا جائے گا اور ہر ایک (آقا) کے تمام رشتہ دار اسی قدر بار تاوان اٹھائیں گے جتنا کوئی ایک (آقا) اپنی زندگی میں اٹھاتا خواہ وہ تاوان نصف ہو یا چوتھائی۔

نیز ان کا کہنا ہے کہ بقول قوی کوئی غلام جسے عورت نے آزاد کر دیا ہو اسی عورت پر عائد ہونے والا تاوان ادا نہیں کرے گا، جس طرح کہ وہ (عورت کا) وارث نہیں ہوتا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ادا کرے گا کیونکہ عاقلہ بننے کی بنیاد حمایت واعانت ہے (یعنی تاوان مجرم کے حامی پر ڈالا جاتا ہے)، اگر ادائے تاوان کے مذکورہ ذمہ داروں میں سے کوئی موجود نہ ہو یا موجود ہو اور اسے علم نہ ہو کہ اس پر کیا تاوان ڈالا گیا تو اس کے رشتہ دار ادا کریں گے، بشرطیکہ ان کے ذی حیثیت ہونے کا گمان ہو بصورت دیگر مجرم کی رقم تاوان بیت المال سے ادا کی جائے گی کیونکہ (بیت المال) اس کا وارث ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے ''انا وارث من لا وارث لہ، واعقل عنہ وارثہ'' (یعنی لاوارث کا وارث میں ہوں اور اس کی طرف سے تاوان میں ادا کروں گا اور اس کا وارث میں ہوں گا)۔ ابوداؤد اور نسائی نے اس حدیث کا اخراج فرمایا ہے۔ اگر بیت المال نہ ہو یعنی اس میں کچھ نہ ہو یا اس کے انتظام میں ظالموں کی خلل اندازی سے بدنظمی ہو یا بیت المال کا علم نہ ہو تو بقول صحیح پوری دیت یا جزوی اداشدہ دیت کا کچھ حصہ ادائیگی سے رہ گیا ہو تو مجرم کے مال سے واجب الوصول ہو گی، کیونکہ تاوان کی ادائیگی ابتداءً تو اسی پر لازم ہوتی ہے پھر تاوان عاقلہ پر ڈالا جاتا ہے، لہٰذا دیت مجرم پر لاگو کی جائے گی تا کہ حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اسے نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا، تا کہ ایک مسلمان کا خون رائگاں نہ جائے، مجرم پر تاوان عائد ہو تو اس کی ادائیگی کے لیے مہلت دی جائے گی اور سال بہ سال ایک تہائی دیت وصول کی جائے گی، اگر بدوران سال وہ وفات پا جائے تو بقول صحیح میعاد ادائیگی ختم متصور ہوگی اور فوری طور پر وصولیابی کی جائے گی۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ ایک شخص جو اسلام، آزادی اور مرد ہونے کی حیثیت سے کامل ہے اس کا خون بہا جب مجرم کے عاقلہ پر ڈالا جائے، اس کی مدت ادائیگی تین سال مقرر ہے، ہر سال کے خاتمہ پر دیت کی ایک تہائی مقدار وصول

Marfat.com

کی جائے گی جیسا کہ بیہقی کی روایت میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا یہی فیصلہ مذکور ہے، اور امام شافعیؒ نے اسے آنحضرت ﷺ کا فیصلہ قرار دیا ہے، بہر حال تاوان کی وصولی ہر سال کے آخیر میں ہوگی، کیونکہ جملہ قسم کے فوائد مثلاً اناج، پھل، اور اونٹ (وغیرہ جانوروں) کے بچے سال بہ سال حاصل ہوتے ہیں اسی لیے سال کے پورا ہو جانے کو مدنظر رکھا گیا ہے تاکہ لوگ جن منافع کے متوقع ہوتے ہیں وہ حاصل ہو جائیں اور انہیں ادائیگی واجب میں سہولت ہو۔

ذمی کے خون کے وصولیابی کی معیاد بقول صحیح ایک سال ہے، کیونکہ اس کی مقدار مسلمان کے دیت کی ایک تہائی ہوتی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسے بھی تین سال کی مہلت دی جائے گی کیونکہ یہ ایک قابل احترام جان کا بدل ہے۔

مسلمان عورت کا خون بہا ادا کرنے کے لیے دو سال کی مہلت ہے، پہلے سال کے خاتمہ پر پورے خون بہا کا ایک تہائی اور باقی دوسرے سال کے اخیر تک ادا کیا جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے لیے بھی تین سال کی مہلت ہے۔

اگر آزاد شخص کسی غلام (کے قتل) کا مجرم ہو تو بقول قوی اس کے تاوان کا بار اس شخص کے عاقلہ پر ہوگا، پس ہر سال کے اخیر میں اس غلام کی قیمت کا ایک تہائی حصہ وصول کیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پورا تاوان تین سال میں وصول کیا جائے گا، کیونکہ یہ ایک قابل احترام جان کا بدل ہے۔

اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو قتل کیا تو ان دونوں کی دیتیں مجرم کے عاقلہ سے تین سال میں وصول کی جائیں گی کیونکہ یہ دو مختلف دیتیں واجب ہوئی ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں دیتوں کی ادائیگی کے لیے چھ سال مہلت ہوگی اور ہر ایک دیت کا چھٹا حصہ سالانہ وصول کیا جائے گا، کیونکہ ایک جان کے معاوضہ کو تین سال پر ڈالا جاتا ہے لہٰذا دوسری جان کے عوض کے لیے بھی اتنی ہی مدت کا اضافہ کیا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے دو عورتوں کو قتل کیا تو ان دونوں کے خون بہا کی ادائیگی کے لیے مجرم کے عاقلہ کو دو سال کی مہلت دی جائے گی اور اطراف بدن مثلاً دونوں ہاتھ کاٹنے کی دیت اور تشخیص شدہ تاوان یا دوسرے جرائم کی ادائیگی تاوان کے لیے مہلت دی جائے گی کہ پورے تاوان کا ایک تہائی حصہ ہر سال ادا کیا جائے، لیکن اگر تاوان واجب کی مقدار ایک جان کے خون بہا سے زیادہ مثلاً دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے گئے ہوں تو اس کے لیے چھ سال کی مہلت ہوگی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پوری دیت ایک سال میں وصول کی جائے خواہ وہ کتنی ہی ہو کیونکہ یہ جان کا بدل (خون بہا) نہیں ہے کہ اس کے لیے مہلت دی جائے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ جان کی دیت کے لیے مدت کا تعین اس وقت سے کیا جائے گا جب جان نکلی ہو کیونکہ خون بہا اسی وقت واجب ہوتا ہے، جان کے سوا دوسرے جرائم کا تاوان مثلاً ہاتھ کاٹ دیا اور وہ زخم اچھا ہو گیا، تو اس کی مدت اس وقت سے شروع ہوگی جب ارتکاب جرم ہوا، کیونکہ یہ تاوان جراحت رسانی کے وقت ہی سے واجب الادا ہو جاتا ہے اگر زخم مندمل نہ ہوا، مثلاً انگلی کاٹی اور زخم ہتھیلی تک سرایت کر گیا تو انگلی کے جرمانے کی مہلت ادائیگی اس وقت سے ہوگی جب وہ کاٹی گئی اور ہتھیلی کے جرمانے کی میعاد مہلت اس وقت سے ہوگی جب وہ ناکارہ ہو جائے۔

Marfat.com

عاقلہ (ادائے تاوان کے ذمہ داروں) میں سے اگر کوئی سال مہلت کے دوران وفات پاجائے تو اس سال سے واجب ہونے والی دیت ساقط ہوجائے گی اور بہ تقاضائے کرم اس کے ترکہ سے وصول نہیں کی جائے گی۔

عاقلہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مرد ہوں محتاج نہ ہوں، آزاد ہوں اور مکلف ہوں اور طرفین کا مذہب ایک ہو، لہٰذا محتاج، غلام، بچہ (نابالغ) اور جنون زدہ عاقلہ نہیں بن سکتے نیز عورت بھی عاقلہ نہیں بن سکتی نیز نہ مسلمان کافر کی طرف سے تاوان ادا کرے گا اور نہ کافر مسلمان کی طرف سے، بقول صحیح یہودی نصرانی کا یا اس کے برعکس (نصرانی یہودی) کا عاقلہ بن سکتا ہے، اور مالدار پر اگر اس کے پاس سونا ہے تو نصف دینار واجب ہوگا اور اگر اس کے پاس چاندی ہے تو اسی قیمت کے دراہم واجب ہوں گے، جو چھ درہم ہوتے ہیں، چنانچہ نقد زکوٰۃ باعتبار مواسات (برابری) اسی مقدار کو اولیت حاصل ہے اور اس سے زیادہ کے لیے کوئی قاعدہ نہیں ہے، اوسط درجہ کے عاقلہ پر ایک چوتھائی دینار یا تین درہم تاوان واجب ہوگا، کیونکہ یہ مقدار محتاج جس کے پاس کچھ نہیں ہے اور مالدار جس پر نصف دینار ڈالا گیا ہے، کے درمیان ایک درمیانی درجہ کا مطالبہ ہے، ہر سال اس مقدار کا تیسرا حصہ واجب الادا ہوگا، اس رعایت کا تعلق چونکہ سال سے ہے لہٰذا سال بہ سال ہوتی رہے گی جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے، پس تین سال میں مالدار پر ڈیڑھ دینار لاگو ہوگا اور اوسط درجہ کے عاقلہ پر پون دینار لاگو ہوگا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک تہائی واجب ہوگا۔

واضح ہو کہ نصف یا چوتھائی دینار سے مراد اس کی مالیت ہے فی الواقع آدھا یا چوتھائی دینار مراد نہیں ہے، اور کسی کا مالدار یا اوسط درجہ کا ہونا اخیر سال کے اعتبار سے ہوگا، کیونکہ مالی حقوق (کے عائد ہونے) کا انحصار سال گزارنے پر ہے اگر بدوران سال حالت خراب ہوجائے تو مطالبہ ساقط ہوجائے گا اور واجب الوصول نہ رہے گا، کیونکہ اب وہ (کسی کے ساتھ) مالی ہمدردی کرنے کے قابل نہیں ہے بخلاف جزیہ کے کہ (وہ مالی ہمدردی کے طور پر ادا نہیں کیا جاتا بلکہ) وہ مطالبہ دارالاسلام میں رہنے کا معاوضہ ہے، اگر کوئی مالدار شخص (منجملہ عاقلہ) محتاج ہوجانے کا اظہار کرے اور قسم کھالے تو اس کی بات کو تسلیم کرلیا جائے، گواہ پیش کرنا لازم نہیں ہے، غنی (مالدار) وہ شخص ہے جس کے پاس کفارہ ادا کرنے کے بعد بیس دینار یا اسی قدر مال بچ رہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عاقلہ ہونے کی چند باتیں ہیں: اگر مجرم فوجی ہے تو اس کے تمام اہل دیوان (جو فوجیوں کی فہرست میں ہیں) اس کے عاقلہ ہیں گو ان کا تعلق مختلف قبیلوں سے ہو، لیکن اگر ان کی تعداد سات سو سے کم ہو۔ اور عاقلہ کی تعداد کم از کم سات سو (۷۰۰) ہوتی ہے۔ تو اس تعداد کو پورا کرنے کے لیے مجرم کے ایسے رشتہ داروں کو شامل کرلیا جائے گا جو اس کے ساتھ فوجیوں میں نہیں ہیں، یا وہ سب فوجی ہیں لیکن مجرم زمرہ اہل دیوان میں سے نہ ہو، یا انہیں ان کی مقررہ رسد نہ ملتی ہو تو ایسے مجرم پر عائد شدہ تاوان اس کے رشتہ دار 'الاقرب فالاقرب' کے اصول پر بموجب ترتیب نکاح ادا کریں گے، اگر لڑکوں کی تعداد سات سو ہوجائے تو ان کی اولاد پر کچھ لاگو نہ ہوگا، اگر تعداد پوری نہ ہو تو اولاد کی اولاد سے یہ تعداد پوری کی جائے گی، اور بھتیجوں کے بعد دادا کو اس میں شامل کیا جائے گا، اگر رشتہ دار موجود نہ ہوں یا ہوں لیکن تاوان واجب

Marfat.com

ادا نہ کر سکتے ہوں تو اوپر کے بزرگوں میں جو آقا، یعنی معتق 'بکسر تاء' یعنی آزاد کرنے والے ہیں انہیں عاقلہ قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ بھی ایک لحاظ سے رشتہ دار قرار دیئے گئے ہیں اور وہ ایسے ہیں جیسے نسلی قرابت دار، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے" الولاء لحمة كلحمة النسب " (یعنی والی ہونا بھی نسلی قرابت کی طرح ایک قرابت ہے) اور فقہاء کا کہنا ہے کہ والی ہونا رشتہ داری ہے کیونکہ آزاد کنندہ (آقا) جس نے مملوک کو آزادی کی نعمت بخشی ان میں اونچے درجہ میں (یا خاندان کے بزرگوں میں) آزاد کنندہ نہ ہوں تو نچلے درجہ میں (یعنی نچلی نسل میں) جو آزاد کنندہ ہیں انہیں شامل کیا جائے گا اگر وہ بھی نہ ہوں تو بیت المال (سرکاری خزانہ) عاقلہ متصور ہوگا، بشرطیکہ مجرم مسلمان ہو کیونکہ بیت المال کافر کی طرف سے عاقلہ نہیں ہو سکتا، اگر بیت المال ہی سرے سے نہ ہو تو دیت قسط وار خود مجرم پر ڈالی جائے گی بشرطیکہ وہ ادائے تاوان کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی عاقل، بالغ، مرد اور توانا ہو۔

ذمی شخص (مسلم ریاست کا غیر مسلم فرد) کا عاقلہ وہ ہے، کہ اگر اس پر دیت عائد ہو تو اتنی ہی ہو، یعنی وہ شخص جو اس کے ساتھ جزیہ ادا کرتا ہو، گو وہ اس کا قرابت دار نہ ہو۔ پس نصرانی کا تاوان اس شہر میں رہنے والا نصرانی ہی ادا کرے گا یہودی ادا نہیں کرے گا، اور نہ اس کے برعکس ہوگا (کہ یہودی کا تاوان نصرانی ادا کرے) اور دیت ہر اس شخص پر حسب استطاعت ڈالی جائے گی جس پر عائد کی جائے، مثلاً اہل دیوان، رشتہ دار اور آقا نیز ذمی جنہوں نے اسلامی حکومت کا فیصلہ حاصل کر لیا ہو۔

اگر بچہ (نابالغ) جنون زدہ محتاج یا مقروض ارتکاب جرم کرے، تو اس کی طرف سے تاوان ادا کیا جائے گا، جس کا بار اس کے عاقلہ پر ہوگا، اور کسی کا بالغ یا جنون زدہ ہونا اور تنگ دست یا فارغ البال ہونا نیز موجود ہونا یا موجود نہ ہونا اس وقت تک معتبر سمجھا جائے گا جبکہ تاوان عاقلہ پر ڈالا گیا ہو۔ یعنی تاوان عائد کرنے کے وقت جو لوگ اہل عاقلہ (یعنی ادائیگی تاوان کے ذمہ داروں میں) سے موجود ہوں گے ان پر تاوان ڈالا جائے گا، جو موجود نہ ہوں ان پر نہیں ڈالا جائے گا، لہٰذا اگر کوئی شخص تاوان ڈالے جانے کے وقت موجود نہ ہو اور بعد میں آئے تو تاوان کی ذمہ داری تقسیم کرنے کے بعد جو بھی آئے اس پر تاوان نہیں ڈالا جائے گا، اسی بناء پر اگر تاوان کی ذمہ داری تقسیم ہونے کے (وقت کوئی محتاج ہو رہا ہو اور اس کے) بعد مالدار ہو جائے یا اس وقت بچہ ہو اور بعد میں بالغ ہو جائے یا جنون زدہ کو افاقہ ہو جائے یا مخنث رہا ہو اور اس کا مرد ہونا ثابت ہو جائے تو اب ان میں سے کسی پر تاوان عائد نہ ہوگا، اسی طرح اگر عاقلہ یا ان میں سے کوئی مر جائے یا محتاج ہو جائے تو وہ دیت جو ڈالی گئی ہے وہ ختم ہو جائے گی خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں۔

مجرم کے بدوی رشتہ داروں کو شہری رشتہ داروں کے ساتھ عاقلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا اور نہ شامی کو مصر کے ساتھ یا حجازی رشتہ دار کو یمنی رشتہ دار کے ساتھ شامل کیا جائے گا، البتہ ایک اقلیم کے لوگ جو موجود ہوں ان سب پر تاوان ڈالا جائے گا، اگر ایک شہر کے لوگ عاقلہ کی تعداد پوری نہ کر سکیں تو جو لوگ موجود ہیں ان کے رشتہ داروں کو شامل کر لیا جائے گا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ مکمل دیت کو اجرائے حکم سے تین سالوں پر تقسیم کیا جائے گا، خواہ دیت کسی مسلمان کی ہو

Marfat.com

یا غیر مسلم کی، مرد کی دیت ہو یا عورت کی، نقصان جان کی دیت ہو یا اطراف جسم (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کی، اگر ایک تہائی دیت لاگو ہو جیسے زخم جائفہ (ہڈی کھل جانے والے زخم) میں ہوتا ہے تو اس کا تاوان ایک سال میں واجب الادا ہوگا اور اگر دو تہائی تاوان ڈالا جائے مثلاً دو زخم جائفہ ہوں تو اس کے لیے دو سال مدت ادائیگی ہوگی، نصف تاوان عائد ہونے کی صورت میں بھی دو سال کی مہلت ہوگی، ہر سال ایک چوتھائی کے حساب سے واجب الادا ہوگا اور تین چوتھائی تاوان کی صورت میں فی سال ایک چوتھائی کے حساب سے وصول کیا جائے گا، اور عاقلہ کی تعداد سات (۷۰۰) سو ہے جس میں کچھ اضافہ نہیں کیا جائے گا، اگر یہ تعداد رشتہ داروں سے پوری ہو جائے تو ان کے ساتھ موالی (یعنی آزاد کنندگان غلام) کو شامل نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر یہ تعداد پوری نہ ہو، گو موجودہ اشخاص مالدار ہوں، ان کی تعداد پوری کرنے کے لیے موالی کو ملا لیا جائے گا، وعلی ہذا القیاس۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ مجرم کو عاقلہ میں شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عاقلہ کے بھروسے پر ہی مجرم کو جرأت ہوئی۔

حنفیہ اور حنابلہ نیز شافعیہ بھی ایک قول کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ دیت کا بار اٹھانے میں موجود اور غیر موجود دونوں برابر ہیں۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ہم پیشہ شخص کو یا اسی بازار والوں کو جہاں مجرم کاروبار کرتا ہے، تاوان کا بار اٹھانے میں کوئی دخل نہیں ہے تا آنکہ وہ مجرم کے قرابت دار نہ ہوں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مجرم اہل دیوان (یعنی ملازمین دفتر) میں سے ہو تو اس کے دفتر والے عاقلہ متصور ہوں گے اور سوق (دکاندار) کے عاقلہ اولاً اس بازار کے دکاندار ہوں گے، اس کے بعد اس کے رشتہ دار اور پھر اہل محلہ اس کے عاقلہ ہوں گے۔

قسامہ (ارتکاب جرم کے بارے میں قسم کھانے) کا بیان

تمام اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ "قسامہ" (یعنی وقوعہ جرم کے بارے میں قسم کھانا) ایک شرعی معاملہ ہے جبکہ کسی جگہ پر مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ لفظ قسامہ لغت کی رو سے قسموں کے معنے میں آتا ہے، اور اصطلاح شرع میں اس سے مراد حلفی بیان ہے کہ اس محلہ یا گھر کے لوگ جہاں کوئی مقتول ہو اور اس کے جسم پر ارتکاب قتل کی علامات پائی جائیں قسم کھا کر کہیں کہ نہ ہم نے اسے قتل کیا اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس کا قاتل کون ہے اور مدعی علیہ پر بھی لازم ہوگا کہ وہ اللہ عزوجل کی قسم کھا کر کہے کہ اس نے قتل نہیں کیا تو بری ہو جائے گا۔

یہ حلف برداری اس صورت میں واجب ہے جبکہ مقتول ایسی جگہ پایا جائے جہاں لوگوں کے تحفظ اور ان کی حمایت کی ذمہ داری کسی جماعت پر عائد ہوتی ہو جیسے محلہ یا گھر ہے یا کسی محلہ یا گاؤں کی مسجد ہے اور قتیل (مقتول) جس کے بارے میں شرعی قسم کھانے کا حکم ہے اس سے مراد وہ فوت شدہ شخص ہے جس کے جسم پر زخم ہوں یا چوٹ (کا نشان) یا گلا

Marfat.com

گھونٹے جانے کا نشان ہو۔ اگر اس شخص کے نتھنے یا دبر (پاخانہ کے مقام) سے خون نکلا ہو تو اسے مقتول تصور نہیں کیا جائے گا بخلاف اس کے اگر کان سے یا آنکھ سے خون نکلا ہے تو وہ مقتول ہے اور اس صورت میں شریعت نے ''قسامہ'' کا حکم دیا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''البینة علی المدعی والیمین علی من انکر'' (یعنی مدعی کو گواہ پیش کرنا چاہیے اور جو جرم سے انکاری ہو اسے قسم کھانا ہوگی) ایک روایت میں ''علی من انکر'' کی بجائے ''علی المدعی علیه'' (یعنی جس پر دعویٰ کیا جائے) آیا ہے اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ''ان النبی ﷺ بدأ بالیهود بالقسامة، وجعل الدية عليهم لوجود القتيل بين اظهرهم'' (یعنی نبی ﷺ نے عمل درآمد کی ابتداء یہودیوں سے کی تھی اور مقتول کی موجودگی کے پیش نظر ان پر تاوان عائد فرمایا تھا)۔ حلف اٹھانے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ بالغ، عاقل اور آزاد ہو اور اسکی تکمیل پچاس قسموں سے ہوتی ہے اور اس کی بابت حکم یہ ہے کہ مطالبہ خون کے حقداروں (مقتول کے ورثاء) کے حق میں ادائے دیت کا فیصلہ کیا جائے اور قسم سے انکار کرنے والوں کو، جب تک کہ وہ قسم نہ کھالیں قید میں رکھا جائے اور مطالبۂ خون کے حقدار (وارث مقتول) کو اختیار ہے کہ جس جس سے چاہے، قسم لے، کیونکہ قسم لینا اس کا حق ہے اور ظاہر ہے کہ اسے اختیار ہے جس پر چاہے قتل کا الزام عائد کرے یا اہل محلہ میں سے اچھے لوگوں کو قسم کے لیے چن لے۔ کیونکہ نیک لوگوں کا قسم کھانے سے احتراز کرنا بہت زیادہ معنی خیز ہے اور اس سے قاتل کا پتہ چل جاتا ہے اور قسم کا فائدہ جرم سے انکار ہے۔ اب اگر وہاں کے لوگ جرم میں شامل نہ رہے ہوں اور اس فعل کے کرنے سے باز رہے ہوں تو نیک لوگوں کی قسم سے جو امر معلوم ہوگا وہ برے لوگوں کی قسم کی بہ نسبت زیادہ مفید مطلب ہوگا۔ اگر قسم کھانے کے لیے کسی نابینا کو یا تہمت تراشی کے الزام میں سزا یافتہ شخص کو کہا جائے تو جائز ہے کیونکہ یہ حلف برداری ہے (جو ہر شخص کر سکتا ہے) شہادت دینا نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ حلف برداری میں صرف میت کے حق اور اس کے احترام کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور جب سب حلف اٹھالیں تو اہل محلہ پر دیت لاگو کرنے کا فیصلہ دیا جائے گا اور مجرم کے ولی سے حلف نہیں لیا جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حدیث ابن سہل اور حدیث زیاد ابن مریم میں قسامہ اور دیت دونوں کو جمع کیا ہے یعنی جس سے قسم لی ہے اس پر تاوان بھی عائد کیا ہے) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی 'وادع' پر دونوں باتیں عائد فرمائی ہیں۔

روایت ہے کہ عبداللہ بن سہل، عبدالرحمٰن بن سہل، حویصہ اور محیصہ؄ یہ سب بغرض تجارت خیبر کو روانہ ہوئے اور اپنے اپنے کسی کام میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ پھر انہوں نے عبداللہ بن سہل کو خیبر کے ایک شکستہ کنوئیں میں، خون میں لت پت پڑا ہوا پایا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے کہ انہیں اس واقعہ کی اطلاع دیں عبدالرحمٰن نے جو مقتول کے بھائی تھے۔ حضور کی خدمت میں عرض حال کا ارادہ کیا۔ آنحضرت نے فرمایا ''الکبر الکبر'' (یعنی بڑا آدمی بتائے، بڑا آدمی) تب ان پچاؤں میں سے حویصہ یا محیصہ نے جو ان دونوں میں بڑے تھے بتایا اور حضور کو اس کی اطلاع دی۔ فرمایا: ''من قتلہ'' (بھلا اسے کس نے قتل کیا؟) انہوں نے کہا کہ انہیں یہودیوں کے سوا اور کون قتل کرتا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تبرئکم الیهود بایمانها؟'' (تم یہودیوں کے قسم کھا لینے پر انہیں بری کر دو گے؟) انہوں نے کہا کہ ہم

Marfat.com

کافروں کی قسم سے مطمئن نہ ہوں گے، وہ اپنی قسم کی پروا نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اتحلفون و تستحقون دم صاحبکم؟'' (یعنی کیا تم قسم کھا کر اپنے ساتھی کے خون بہا کا حقدار ہونا چاہو گے؟) انہوں نے کہا ایسی بات کی قسم کیسے کھا سکتے ہیں جو ہم نے دیکھی نہ ہمارے مشاہدے میں آئی؟ لیکن حضورؐ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ ان کا خون رائیگاں جائے لہٰذا اس کے فدیہ میں صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک سو اونٹ دے دیئے۔

واضح ہو کہ حضور کے اس ارشاد سے کہ ''تبرئکم الیهود'' پایا جاتا ہے کہ (نامعلوم مجرم کو) قصاص اور قید سے بری ہو جانا ممکن ہے۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قسم کھا لینے سے وہ الزام جاتا رہتا ہے جس کے لیے قسم کھائی گئی۔ اور یہ (بھی ثابت ہوتا ہے) کہ شریعت نے قسامہ (کا طریقہ) اس لیے نہیں رکھا ہے کہ اگر لوگ قسم سے انکار کریں تو دیت واجب ہو بلکہ یہ حکم اس لیے ہے کہ اگر لوگ جھوٹی قسم کھانے سے گریز کریں گے تو قصاص ثابت ہو جائے گا اور قتل کا اقرار کرلیں گے۔ پس اگر وہ حلف اٹھالیں تو قصاص سے بری ہو جائیں گے لیکن قتل ہونا تو ظاہر ہے کہ مقتول سامنے ہے لہٰذا خون بہا واجب ہوگا اور یہ مقتول کے موجود ہونے کے باعث واجب ہوگا۔ اس لیے نہیں کہ انہوں نے حلف اٹھانے سے گریز کیا۔ یا یہ کہا جائے کہ یہ خون بہا اس لیے عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے (مقتول کے) تحفظ میں کوتاہی کی جیسا کہ قتل خطا میں ہوتا ہے (کہ قاتل کو بے پرواہی کی سزا ملتی ہے جرم کی نہیں) اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص قسم کھانے سے گریز کرے تو جب تک کہ وہ قسم نہ کھائے قید میں رکھا جائے۔ کیونکہ قسم لینا بجائے خود احترام جان کے حقوق میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حلف (انکاری) کے بعد بھی دیت عائد ہوتی ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ مالی واجبات سے قسم کھا کر انکار کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں حلف برداری حق کے عوض میں ہوتی ہے۔ چنانچہ قسم کھالینے کے بعد مدعی کا حق مطالبہ جاتا رہتا ہے اور زیر بحث معاملہ میں دیت کے معاوضہ میں قسم نہیں کھائی جاتی (یعنی قسم کے بعد بھی دیت واجب رہتی ہے)۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر اہل محلہ کی تعداد سے (قسم کی تعداد پچاس) پوری نہ ہو تو ان ہی اشخاص سے دوبارہ قسم لی جائے، یہاں تک کہ پچاس قسموں کی تعداد پوری ہو جائے چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ایک معاملہ میں) قسامہ (قسم دلانے) کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے انچاس (۴۹) اشخاص آمادہ ہوئے۔ آپ نے ایک شخص سے دوبارہ قسم لی جس سے قسم کی تعداد پچاس (۵۰) پوری ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے ادائے دیت کا فیصلہ فرمایا۔

بچے اور مجنون پر قسم عائد نہیں ہوتی، کیونکہ ان میں صحیح بیان دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی حالانکہ قسم صحیح بات ہی کے اظہار کو کہتے ہیں۔ اسی طرح عورت اور غلام پر قسامہ کا حکم عائد نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں اہل نصرت (حمایتی) ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اگر مقتول کے جسم پر قتل کیے جانے کی علامات نہیں ہیں تو اس کے بارے میں قسامہ ہوگا نہ دیت عائد ہوگی۔ کیونکہ ایسے شخص کو مقتول قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگر مقتول کا پورا جسم یا نصف سے زیادہ جسم مل جائے یا نصف جسم لیکن سر بھی وہیں پر ہو تو وہاں کے لوگوں پر قسامہ اور دیت دونوں باتیں واجب ہوں گی۔ اگر نصف بدن لمبائی میں چرا ہوا ہو۔ یا نصف سے کم

Marfat.com

بدن دستیاب ہوا اور اس کا سر بھی ساتھ ہو یا اس کا ہاتھ یا پاؤں یا سر دستیاب ہو تو لوگوں پر کچھ عائد نہ ہوگا کیونکہ یہ حکم صراحت سے آیا ہے اور وہ بدن کے بارے میں ہے۔ البتہ اگر جسم کا بیشتر حصہ موجود ہو تو انسانی وجود کی عظمت کے پیش نظر اسے پورا وجود تصور کیا جائے گا۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ جسم کا کمتر حصہ موجود ہو کیونکہ وہ بدن نہیں ہے اور وہ بدن سے وابستہ ہے ایسی حالت میں قسامہ کا حکم اس پر نافذ نہ ہوگا۔

اگر کوئی جنین (بچہ شکم) پڑا ہوا یا اسقاط شدہ ہے جس پر چوٹ کا نشان نہ ہو تو محلہ والوں پر کچھ عائد نہ ہوگا، کیونکہ اس حالت میں اس پر جرم نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اس پر چوٹ کے نشانات ہیں اور اس کا وجود پورا بن گیا تھا تو وہاں کے لوگوں پر قسامہ اور دیت دونوں باتیں عائد ہوں گی، کیونکہ ظاہر ہے کہ پورا بچہ زندہ تھا اور (اسے مارا گیا ہے) اور اگر وہ پورا نہیں بنا تھا تو لوگوں پر کچھ عائد نہ ہوگا کیونکہ ناقص بچے کو مردہ بچہ قرار دیا جائے گا، زندہ نہیں مانا جائے گا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کسی مقتول (کی لاش) کو (سواری کے) جانور پر لادا ہوا اور اسے کوئی چلا رہا ہو تو اس شخص کے عاقلہ پر تاوان عائد ہوگا، اہل محلہ پر نہ ہوگا کیونکہ مقتول اس کے قبضہ میں ہے اور ایسا ہے جیسے اس کے گھر سے برآمد ہوا ہو، یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی شخص اس جانور کو اپنے پیچھے لگائے ہوئے (کھینچتا ہوا) لے جا رہا ہو یا خود بھی اس پر سوار ہو۔ اگر کئی اشخاص اس کے ساتھ ہوں تو ان سب پر الزام ہے کیونکہ مقتول (کی لاش) ان کے پاس ہے گویا ان کے گھر سے برآمد ہوئی ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر کسی جانور پر مقتول (کی لاش) ہے اور وہ جانور دو بستیوں کے درمیان میں ہے تو ان دونوں بستیوں میں سے جو اس جانور سے زیادہ قریب ہے اس بستی پر یہ حکم (قسامہ اور دیت کا) عائد ہوگا۔ کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک ایسے مقتول (کی لاش) کو لایا گیا جو دو بستیوں کے درمیان دستیاب ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس جگہ سے دونوں بستیوں کا فاصلہ ناپا جائے۔ نیز روایت ہے کہ قریہ وادعہ اور ارجب کے درمیان ایک مقتول کی لاش دستیاب ہوئی، اس کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا۔ آپ نے (جواباً) تحریر فرمایا کہ دونوں قریوں کا فاصلہ دیکھا جائے، جب معلوم ہوا کہ وہ لاش قریہ وادعہ سے زیادہ قریب تھی تو آپ نے اہل وادعہ کو قسامہ کا حکم دیا۔

اگر مقتول کسی شخص کے گھر میں پایا جائے تو اس شخص پر حکم قسامہ عائد ہوگا اور اس شخص کے عاقلہ پر دیت لاگو ہو گی۔ ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس مکان والے کی موجودگی میں وہاں کے رہنے والوں پر قسامہ لاگو نہ ہوگا۔ لیکن ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ان سب پر حکم قسامہ عائد ہوگا اور جس گھر میں مقتول دستیاب ہوا اس گھر والے اور اس کی قوم پر قسامہ ہوگا اور اس کے موجود الوقت عاقلہ کو قسامہ میں شامل کیا جائے گا تو مالکان خانہ پر قسامہ ہوگا اور (قسم کی تعداد پوری کرنے کے لئے) ان سے بار بار قسم لی جائے گی۔ اگر مقتول مشترکہ ملکیت والے گھر سے برآمد کیا جائے تو جملہ افراد اور جال (شرکاء) پر یہ حکم نافذ ہوگا۔

اگر کسی نے مکان خرید ا اور ہنوز اس کا قبضہ نہیں لیا تھا کہ اس مکان میں کوئی مقتول پایا گیا تو یہ احکام اس مکان کے

Marfat.com

فروخت کنندہ پر عائد ہوں گے۔

اگر کوئی مقتول کشتی میں پایا گیا تو ملاح سمیت جتنے اشخاص کشتی میں ہیں اس سب پر حکم قسامہ عائد ہوگا۔

اگر محلہ کی مسجد میں مقتول کی لاش ملی تو اہل محلہ پر قسامہ عائد ہوگا، کیونکہ وہی لوگ اس مسجد کے نگران ہیں۔ لیکن اگر لاش جامع مسجد یا شارع عام پر ملی تو کسی پر حکم قسامہ عائد نہ ہوگا۔ اس کا خون بہا بیت المال سے ادا کیا جائے کیونکہ وہ عوام کی جگہ ہے کسی خاص شخص کی جگہ نہیں ہے۔ یہی حکم عمومی پل کا ہے (جو عام گزرگاہ ہو)۔

اگر مقتول کسی بازار میں پایا جائے اور وہ جگہ کسی کی ملکیت میں ہو اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہاں کے رہنے والوں پر تاوان عائد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مالک پر عائد ہوگا لیکن اگر اس جگہ کا کوئی مالک نہ ہو جیسے وہ شارع عام ہے جو وہاں بنائی گئی، تب اس کا تاوان بیت المال سے ادا کیا جائے کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی جگہ ہے۔

اگر قید خانہ میں کوئی مقتول پایا جائے تو اس کی دیت بھی بیت المال پر عائد ہوگی، ابو یوسف کے قول کے مطابق دیت اور قسامہ دونوں حکم قید خانہ والوں پر عائد ہوں گے کیونکہ یہ وہاں پر رہتے ہیں اور وہ سب اس کے حامی متصور ہوں گے۔

اگر کوئی مقتول ایسے میدان میں پایا جائے جس کے قرب و جوار میں کوئی عمارت نہیں ہے تو وہ خون رائیگاں ہوگا۔ اسی طرح اگر مقتول کی لاش بہتی نہر سے دستیاب ہو تو وہ بھی رائیگاں ہوگا۔ اگر وہ نہر کناروں والی ہے (جس کا پانی باہر نہیں نکلتا) تو یہ حکم اس جگہ سے نزدیک ترین بستی پر عائد ہوگا۔

اگر مقتول کا ولی محلے والوں میں سے کسی خاص شخص پر خون کا دعویٰ کرے تب بھی اہل محلہ قسامہ (حلف برداری) سے مستثنیٰ نہ ہوں گے۔ ہاں اگر اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کیا تو اہل محلہ سے قسامہ پر عمل درآمد کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

اگر ایک گروہ نے دوسرے گروہ پر تلوار اٹھائی اور ایک مقتول کے بارے میں انہوں نے ایک دوسرے کو ملزم گردانا تو تمام اہل محلہ پر قسامہ عائد ہوگا، بجز اس صورت کے جبکہ مقتول کے اولیاء ان لوگوں پر کسی خاص شخص پر خون کا دعویٰ کریں، ایسی حالت میں اہل محلہ پر یہ حکم عائد نہ ہوگا اور نہ ان لوگوں پر عائد ہوگا (جن پر الزام لگایا گیا) تا آنکہ اس کے لیے شہادت نہ پیش کی جائے۔

اگر کوئی مقتول کسی چھاؤنی (کے میدان) میں، جہاں پر لشکر ٹھہرا ہوا ہو پایا جائے اور وہ جگہ (ان میں سے) کسی کی ملکیت نہ ہو تو دیکھنا ہوگا کہ اگر مقتول کی لاش پناہ گاہ میں یا خیمہ کے اندر ملی ہے تو جو شخص اس میں اقامت گزیں ہے یا رہتا ہے اس پر دیت اور قسامہ دونوں عائد ہوں گے، اور اگر وہ لاش خیمہ سے باہر ملی ہے تو وہاں سے جو پناہ گاہ قریب ترین ہے، وہاں لوگوں پر یہ حکم جاری ہوگا، بدیں لحاظ کہ اس کا کوئی مالک نہیں ہے اور وہ اس شخص کے قبضہ میں ہے (اسی کو مالک قرار دیا جائے گا)۔

اگر ایک قوم (دشمن سے) جنگ و جدل میں مصروف ہے اور وہاں کوئی مقتول دستیاب ہو تو اس صورت میں نہ قسامہ ہوگا اور نہ دیت عائد ہوگی کیونکہ ظاہر ہے کہ اسے دشمن نے قتل کیا ہے، اگر اس زمین کا کوئی مالک ہے تو وہاں جو لشکر

Marfat.com

ہے وہی وہاں پر رہنے والوں کی مانند شمار ہوگا۔

اگر کوئی قسم کھانے والا یوں کہے کہ اس شخص کو فلاں نے قتل کیا اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ میں جانتا ہوں کہ فلاں شخص کے سوا اور کوئی اس کا قاتل نہیں ہے تو اس کا یہ کہنا چونکہ اپنے اوپر سے الزام ہٹانے کی غرض سے ہے لہٰذا اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اسی طرح اگر اہل محلہ میں سے دو اشخاص اس امر کی گواہی دیں کہ دوسرے محلہ کے کسی شخص نے اسے قتل کیا ہے تو ان کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی اگر اہل محلہ میں سے کسی خاص شخص پر خون کا دعویٰ کیا گیا اور محلہ والوں میں سے دو اشخاص نے اس کی شہادت دی تو یہ گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ ان میں باہمی تنازع ہے۔ اگر قبیلہ کے آدمی نے کسی کو زخمی کیا اور اسے مقتول کے کنبہ میں لایا گیا اور یہاں آکر وہ مر گیا۔ اب اگر وہ زخمی ہونے کے بعد بدستور بیماری کے بستر پر رہا اور اسی حالت میں مر گیا تو قسامہ اور خون بہا دونوں اس قبیلہ پر عائد ہوں گے۔

اگر کوئی شخص خود اپنے گھر میں مقتول پایا گیا تو اس کا خون بہا اس کے عاقلہ سے، وارثوں کو دلایا جائے گا نیز ان اصحاب کا کہنا ہے اگر ورثاء میں بہت سے لوگ ہوں تو ان سے باری باری قسم لی جائے گی اور اس کی ابتداء قرعہ اندازی کے ذریعہ ہوگی۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کی عظمت کے پیش نظر غلام کے بارے میں اسی طرح بغیر فرق کے قسامہ (حلف برداری) ہوگی۔

ان کا کہنا ہے کہ قسامہ میں عورتوں سے مطلق قسم نہیں لی جائے گی، نہ تو جرم عمد میں اور نہ جرم خطا میں، کیونکہ انہیں (مجرم کے) حامیوں میں شمار نہیں کیا گیا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے شرعاً قسامہ (حلف برداری) صرف ان لوگوں کے خلاف ہوگی جن پر خون کا دعویٰ ہو، کیونکہ ان پر قتل کا الزام آتا ہے، اور قسم اس لیے لی جاتی ہے کہ وہ اپنا پہلو بچا سکیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تمام دعووں میں خواہ وہ خون کا ہو یا کسی اور بات کا مثلاً غصب (ناجائز قبضہ کر لینے) چوری کرنے یا نقصان پہنچانے کا (دعوے کے درست ہونے کی) چھ شرطیں ہیں:

پہلی یہ کہ جرم کی کافی تفصیل معلوم ہو کہ آیا وہ جرم عمد تھا یا جرم خطا تھا یا جرم مشابہ بہ عمد تھا، اور اس کا ارتکاب ایک فرد واحد نے کیا یا مشترکہ طور پر کیا گیا، اور قتل مستوجب دیت میں کتنے اشخاص شریک تھے، اگر مدعی تفصیل نظر انداز کر دے مثلاً وہ صرف یہ کہے کہ فلاں شخص نے میرے باپ کو قتل کیا تو بہتر یہ ہے کہ قاضی (حاکم شرع) مصلحتاً اس سے دریافت کرے کہ وہ قتل آیا عمداً تھا یا غلطی سے سرزد ہو گیا یا عمداً ہوا لیکن شبہ میں ہوا؟ یہ بھی کہتے ہیں کہ حاکم یا قاضی یوں تفصیل دریافت نہ کرے بلکہ اس سے پرہیز کرے، کیونکہ یہ سوالات ایک طرح کی تلقین ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دعویٰ الزام عائد کرنے والا ہو لہٰذا ہبہ، فروخت یا اقرار کا کوئی دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا جب تک مدعی خود نہ کہے کہ میں نے فلاں شے پر ہبہ کرنے والے کے کہنے سے قبضہ کیا یا فروخت کنندہ نے اسے میرے حوالے کر دیا اور مجھے دے دینے کا اقرار کیا ہے۔

Marfat.com

تیسری شرط ہے کہ مدعی اپنے دعوے میں مدعا علیہ کی تعیین کردے، خواہ جس پر دعویٰ ہو وہ ایک ہو یا جماعت ہو (یا کئی ہوں)، مثلاً تین اشخاص حاضر ہیں اور مدعی کہتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے قتل کیا ہے، لیکن وہ سب انکار کرتے ہیں اس پر مدعی قسم دلانے پر اصرار کرتا ہے تو بقول صحیح حاکم شرع ان سے حلف نہیں لے گا کیونکہ ہنوز (مدعا علیہ کے بارے میں) ابہام ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مدعی نے جب دعویٰ دائر کیا تو وہ بالغ، عاقل اور مکلف انسان رہا ہو لہٰذا بچے یا دیوانے کے دعوے کی سماعت نہ ہوگی (وقوعہ) قتل کے وقت اگر مدعی نابالغ یا جنون زدہ رہا ہو لیکن دعوے کے وقت اس میں یہ نقائص نہ رہے ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ دعوے کے وقت مدعا علیہ مکلف ہو، لہٰذا کسی بچے پر یا اس پر جو حالت جنون میں ہو دعویٰ کرنا، ایسا ہی ہے جیسے مدعا علیہ مفقود ہو اور اس پر دعویٰ دائر کیا جائے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ دعوے میں تناقض (تضاد بیانی) نہ ہو، پس اگر کسی ایک شخص پر خون کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد پھر ایک اور شخص پر بھی دعویٰ کیا کہ یہ اس کے ساتھ شریک کار تھا، یا (دوسرے شخص کی بابت بتایا کہ) یہ قاتل ہے تو دوسرا دعویٰ ناقابل سماعت ہوگا کیونکہ یہ پہلے دعوے کو جھٹلاتا ہے یا یہ کہ اس کے برعکس ہے، خواہ پہلے دعوے پر قسم کھائی ہو اور فیصلہ دیا جا چکا ہو یا نہ دیا گیا ہو۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ قسامہ پر عملدرآمد صرف جان ہلاک کرنے کے بارے میں ہوگا اس کے علاوہ جراحت رسانی یا اتلاف مال کے جرم میں قسامہ نہ ہوگا، اور مستوجب قسامہ قتل اس قتل کو سمجھا جائے گا جبکہ وقوعہ ایسی جگہ پر ہوا ہو جہاں لوث (وقوعہ قتل) کا احتمال ہو اور جرم کے محل وقوع یا صورت حال سے مدعی کے دعویٰ کی صداقت ثابت ہوتی ہو یعنی بگمان غالب اسے راست گو قرار دیا جا سکے بایں طور کہ مقتول کی لاش دستیاب ہو جائے یا اس کا کوئی عضو شہر کے قریب کسی جگہ سے مل جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلتا ہو اور نہ اس کے قتل کا کوئی گواہ ہو یا پھر یہ وقوعہ کسی چھوٹی سی بستی کا ہو جس میں رہنے والے، مقتول کے ساتھ دینی یا دنیوی عداوت رکھتے ہوں، اور عداوت قتل پر ابھارتی ہو، تا کہ اس سے انتقام لیں نیز اس بستی والوں کے سوا وہاں اور لوگ نہ رہتے ہوں، ایسی حالت میں بستی والوں پر حکم قسامہ عائد ہوگا، یا پھر یہ ہو کہ مقتول کی لاش ایسی جگہ پر پائی جائے جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں جیسے کنواں یا کعبہ کا دروازہ اور مقتول کو وہاں چھوڑ کر چلے گئے ہوں، ایسی حالت میں یہ گمان قوی ہے کہ انہوں نے قتل کیا ہے، اور یہ بھی شرط ہے کہ لوگ ایک محدود علاقہ میں رہتے ہوں اور یہ خیال کیا جا سکے کہ سب نے مل کر اسے قتل کیا ہے۔

اگر شرائط بالا موجود نہ ہوں تو دعوے کی سماعت ہوگی اور نہ قسم لی جائے گی۔

ان کا کہنا ہے کہ (لوث ثبوت عمل قتل) پائے جانے اور قسامہ پر عملدرآمد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ مقتول خون آلود ہو یا اس کے جسم پر زخم ہوں کیونکہ قتل گلا گھونٹ کر یا خصیہ کو بھینچ کر یا کسی اور طرح سے بھی کیا جا سکتا ہے اگر اس قسم کی

Marfat.com

علامتیں پائی جائیں تو وہ بھی خون بہا متصور ہوگا، اگر ایسی کوئی علامت قطعاً موجود نہ ہو تو بقول صحیح قسامہ پر عملدرآمد نہ ہوگا تا ہم کہتے ہیں کہ قسامہ عائد ہوگا۔

وہ اصحاب کہتے ہیں کہ ایک معتبر شخص کی گواہی بھی لوث (ثبوت عمل قتل) ہے کیونکہ (دعویٰ قتل) کی صداقت کا گمان ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ عمل قسامہ صرف قتل مستوجب قصاص پر عائد ہوتا ہے، اگر قتل خطا یا شبہ بہ عمد ہو تو اسے لوث (ثبوت عمل قتل) نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ (اس صورت میں) صرف ایک قسم کھانے سے (مدعی) مستحق خون بہا ہو جائے گا، اور غلاموں اور عورتوں کی شہادت بھی لوث (ثبوت عمل قتل) ہے، کیونکہ اس سے مقتول کے قتل کا گمان غالب ہو جاتا ہے، خواہ یہ جدا جدا گواہی دیں یا ایک ساتھ نیز کہتے ہیں کہ ان کا جدا جدا گواہی دینا شرط ہے کیونکہ اجتماعی شہادت میں ملی بھگت کا احتمال ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ بقول صحیح فاسقوں، بچوں اور عورتوں کا اطلاع دینا لوث (ثبوت عمل قتل) ہے۔ اس طرح عام، خاص اشخاص کی افواہ سے: کہ فلاں نے فلاں شخص کو قتل کیا، نیز مقتول کے خون آلود ہونے اور اس کے قریب ہتھیار کی موجودگی سے بھی لوث (ثبوت قتل کا سراغ ملتا) ہے، اسی طرح اگر بچے باہم لڑ پڑیں اور آپس میں ٹھن جائے اور وہ (لڑائی کے دوران) کس مقتول کا انکشاف کر دیں تو فریق ثانی کے لیے وہ بھی لوث (ثبوت عمل قتل) ہے، ورنہ ایک فریق کے نزدیک تو قتل ثابت ہے ہی۔

واضح ہو کہ جب امر متقاضی قسامہ پایا جائے تو قاتل کے خلاف دعویٰ کرنے والے پچاس قسمیں کھائیں تب بھاری خون بہا کے حقدار ہوں گے بشرطیکہ وہی قتل عمد ہو اور حلف برداری کے لیے پہلے مدعیوں کو طلب کیا جائے گا، مدعا علیہم کو نہیں، اگر مدعیوں نے (قسم سے) انکار کیا اور ثبوت قتل موجود نہیں ہے تو مدعی علیہ پچاس قسمیں کھائے تو بری ہو جائے گا، اور قسامہ کے لیے مدعیوں کو اس لیے طلب کیا جائے گا کہ قاتل سے خون کے انتقام کا مطالبہ انھوں نے کیا تھا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر (مقتول کے) وارثوں میں ایک جماعت ہے تو ان کے حصہ وراثت کے مطابق قسموں کی تعداد واجب کو ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اگر مقتول میں لوث (علامت قتل) پائی گئی اور اس کے بیٹوں میں سے ایک نے کہا کہ فلاں شخص نے اسے قتل کیا ہے اور علامت قتل موجود ہے اس کا دوسرا بیٹا کہے کہ اس شخص نے اسے قتل نہیں کیا تو وہ ثبوت قتل باطل متصور ہوگا، کیونکہ قدرتی طور پر ایک قرابت دار اپنے نزدیکی قرابت دار کے قاتل کی بابت جاننا چاہے گا اور اس بیان سے اسے تشفی نہیں ہوئی، لہٰذا دونوں کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ اس طرح جھٹلائے جانے سے ظاہر ہوتا ہے قتل ہوا ہی نہیں اور علامت قتل باطل ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے علامت قتل باطل نہیں ہو سکتی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فاسق آدمی کے جھٹلانے سے مقتول کا قتل ہونا باطل نہ ہوگا اگر مقتول کے بیٹے ایک دوسرے کی تکذیب نہ کریں بلکہ ایک تو کہے کہ اسے زید نے قتل کیا ہے لیکن میرے علم میں نہیں ہے اور دوسرا کہے کہ اسے عمرو نے قتل کیا ہے لیکن میرے علم میں نہیں ہے، تو ان دونوں میں سے ہر ایک سے اس

Marfat.com

کے خلاف قسم لی جائے جس کا نام اس نے لیا، کیونکہ اس طرح کہ کر انہوں نے ایک دوسرے کو جھٹلایا نہیں ہے، بلکہ یہ احتمال ہے کہ جس کا نام ایک نے لیا ہے وہی ہو جس کے بارے دوسرے نے احتمال ظاہر کیا، پس ان دونوں میں سے ہر ایک کو چوتھائی تاوان ملے گا کیونکہ اس صورت میں ہر ایک کو اعتراف ہے کہ اس کا نصف تاوان کا حق ہے لہٰذا اس نصف کا نصف (یعنی چوتھائی) اس کا حصہ ہے،

اگر مدعا علیہ اپنے متعلق جرم میں ملوث ہونے کا انکار کرے، کہ میں ان میں شامل نہیں ہوں جو مقتول کو چھوڑ کر چلے گئے، تو اس کے قسم کھا لینے پر اس کا بیان تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ بنیادی طور پر وہ قتل سے بری الذمہ ہے، مدعی پر لازم ہے کہ وہ شواہد قتل کے بارے میں ثبوت (گواہ) بہم پہنچائے، یعنی دو گواہ پیش کرے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر مقتول میں لوث (علامت قتل) پائی جائے اور اس کا قتل ہونا ثابت ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ قتل عمد ہے یا قتل خطا یا شبہ عمد تو بقول صحیح حکم قسامہ نافذ نہ ہوگا، کیونکہ محض ثبوت قتل پر قاتل سے کوئی مطالبہ بے فائدہ ہے، اس کے لیے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ وہ قتل عمد ہوا ہے، اسی طرح (محض قتل ثابت ہونے کے بعد) عاقلہ پر مطالبہ دیت عائد نہ ہوگا، بلکہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ قتل خطا یا قتل شبہ عمد ہے نیز کہا جاتا ہے کہ قسامہ صرف خون کو رائگاں جانے سے بچانے کے لیے ہوتا ہے (دیت وغیرہ مقصود نہیں ہوتی)۔

یہ اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ جراحت رسانی، اعضائے بدن کاٹنے، یا مالی نقصان رسانی کی صورت میں 'قسامہ' نہیں ہے، غلام یا لونڈی کے قتل میں ثبوت قتل موجود ہونے پر 'قسامہ' ہوگا اور بقول قوی سید (آقا یا مالک) اس کے خلاف جس نے قتل کیا ہے قسم کھائے گا، خواہ وہ قاتل آزاد ہو یا غلام ہو، پس مملوک (مقتول) کا عوض (تاوان یا خون بہا) قاتل کے عاقلہ برداشت کریں گے، تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قتل غلام کے عوض 'قسامہ' نہیں ہوگا، قاتل کے 'عاقلہ' اس کا بار برداشت نہیں کریں گے کیونکہ اس کی حیثیت جانور کی سی ہے۔

'قسامہ' یہ ہے کہ مقتول کا وارث، مدعی مقتول کے ہلاک ہو جانے کی قسم کھائے، اگرچہ مقتول فرد ناقص ہو مثلاً عورت ہو یا ذمی ہو بشرطیکہ لوث (ثبوت قتل) موجود ہو، قسم کی تعداد پچاس ہے اور یہ قسم اسی طرح کھائی جائے جس طرح حاکم حلف دے، پس وہ کہے گا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس شخص کو قتل کیا گیا ہے، اگر مقتول موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ بھی کرے، اگر موجود نہ ہو تو اس کے نسب کا بھی اظہار کرے یا اس کی امتیازی خصوصیت جس سے وہ قبیلہ یا ہم پیشہ اشخاص میں پہچانا جاتا ہو یا لقب (صفتی نام) جس سے وہ مشہور ہو اس کو بیان کر دے اور اس کے لیے بار بار قسم کھانا شرط صحت نہیں ہے، اگر حلف کے دوران خلل واقع ہو جائے، مثلاً قسم کھانے والے کو، جنون یا بیہوشی طاری ہو جائے تو افاقہ ہو جانے کے بعد سابقہ بیان کا سلسلہ جاری رکھے، اگر قسم کھانے والا مقتول کا ولی (بدوران حلف) وفات پا جائے تو اس کا وارث، اپنے بیان کی بناء وارث متوفی کے بیان پر نہیں رکھے گا بلکہ از سر نو بیان دے گا، اگر وارثوں میں سے ایک قسم کھانے سے انکار کرے تو دوسرا وارث پچاس قسمیں کھائے گا، اگر ایک وارث موجود نہ ہو تو دوسرا وارث پچاس قسمیں کھائے اور اپنا

Marfat.com

حصہ دیت میں سے وصول کر لے، ورنہ غیر موجود وارث کا حق ثابت ہونے تک صبر کرے۔

اندریں باب مسلک یہ ہے کہ واقعہ بے لوث (بے غلبہ ظن) کے بغیر مدعا علیہ کی قسم اور اس کی رد کی ہوئی قسم مدعی پر ڈالی جائے گی یا مدعا علیہ پر، اور تمام قسمیں گواہ کی قسموں کو ملا کر تعداد میں پچاس ہوں گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ "حکم قسامہ" پر عملدرآمد اس حالت میں ہوگا جبکہ قتل عمد مستوجب قصاص ہو یا قتل خطا مستوجب دیت ہو اور مقتول آزاد مسلمان ہو غلام اور کافر کے قتل میں 'قسامہ' نہیں ہے، خواہ مقتول آزاد بالغ ہو یا بچہ (نابالغ)۔ نیز یہ قتل جراحت رسانی یا ضرب لگانے سے ہوا ہو یا زہر سے، جبکہ لوث (علامت قتل) ثابت ہو جائے، لوث سے مراد ایسا امر ہے جس سے یہ گمان غالب ہوتا ہے کہ فی الواقع قتل ہوا ہے (اس کی صورت یہ ہے کہ) مثلاً مسلمان بالغ شخص (موت سے پہلے) یہ بیان دے دے کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا یا جراحت پہنچائی یا مارا یا پھر دو معتبر اشخاص گواہی دیں کہ انہوں نے (قاتل کو) مارتے یا اسے زخمی کرتے دیکھا ہے، یا چوٹ کا نشان معائنہ کیا ہے، یا ایک ہی معتبر شخص یہ گواہی دے کہ اس نے خود زخم یا چوٹ (موجب ہلاکت) کو دیکھا ہے یہ شہادت دے کہ اس نے قتل ہوتے دیکھا ہے، یا مقتول کو اس حالت میں دیکھا جبکہ ایک شخص اسے مار رہا تھا، اور مقتول کے جسم پر قتل کا نشان ہے تو یہ تمام امور لوث (ثبوت قتل) ہیں، لیکن اگر کوئی یہ بیان دے کہ اسے فلاں نے نہیں بلکہ فلاں نے قتل کیا یا اسے تردد ہے یا مقتول پر کوئی نشان جراحت (مستوجب ہلاکت) نہیں ہے تو 'لوث' (ثبوت قتل) باطل ہو جائے گا اور 'حکم قسامہ' نافذ نہ ہوگا، پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس طرح کہنے والے کی بات تسلیم کر لی جائے گی اور اسے بھی لوث (ثبوت قتل) تصور کیا جائے گا اور وارثوں سے اس بارے میں حلف لیا جائے گا اور 'قسامہ' ہوگا، لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ مقتول کا یہ کہنا کہ میرا خون فلاں شخص کی گردن پر ہے اور مرتے دم تک اسی کا اقرار کرتے رہنا 'لوث' (ثبوت قتل) ہے اور اس پر حکم 'قسامہ' نافذ ہوگا، ساتھ ہی علمائے فقہاء یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی شخص کے محض دعویٰ پر وہ حقدار نہیں ہو جاتا اور قسم کھا لینے سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں مقتول کی بات قابل تسلیم ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی موت کے وقت کسی کی جان لینے کے لیے جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا، بلکہ وہ وقت تو ایسا ہوتا ہے، کہ انسان پر ندامت طاری ہوتی ہے، ظالم بھی ظلم سے باز رہتا ہے اور اس کے مظالم خود اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور احکام شرعیہ کا دارومدار گمان غالب پر ہے، جس کی تائید قسامہ (حلف برداری) سے ہوتی ہے اور خون کے معاملہ میں گاڑھی قسم لی جاتی ہے، کیونکہ بیشتر حالات میں قاتل چاہتا ہے کہ گواہ اس کے افشاء راز قتل سے باز رہیں، اسی لیے قسم میں سختی کی جاتی ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے اگر آزاد اور بالغ مسلمان کہے کہ مجھے فلاں شخص نے عمداً قتل کیا یا غلطی سے قتل سرزد ہو گیا، تو قسامہ (حلف برداری) کے بعد مقتول کے ورثاء قتل عمد کی صورت میں قصاص اور قتل خطا کی صورت میں "دیت" کے حقدار ہوں گے اگر یہ بیان دینے والا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا کوئی فاسق شخص ہو اور جس کے خلاف اس نے دعویٰ کیا ہے وہ معتبر

Marfat.com

شخص ہو، اگرچہ وہ اپنے وقت کا سب سے زیادہ عادل اور پرہیزگار انسان ہو، یا بیٹا باپ کے خلاف کہے کہ اس کے باپ نے اسے ذبح کیا ہے یا اس کا پیٹ پھاڑ دیا ہے یا نیزہ مار کے قتل کیا ہے، تب بھی مقتول کے ورثاء اس بارے میں "قسامہ" (حلف برداری) کا مطالبہ کریں گے اور قتل عمد کی صورت میں مدعیٰ علیہ کو قتل کیا جائے گا یا قسم کھانے کے بعد ورثائے مقتول بھاری دیت وصول کریں گے۔

اگر خون کا دعوید ار محض قتل کا بیان دے اور عمد یا خطا کا ذکر نہ کرے تو مقتول کے ورثاء بتائیں گے کہ وہ قتل عمد تھا یا قتل خطا تھا اور اس پر وہ قسم کھائیں گے یا یہ کہیں گے کہ "ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ قتل عمد تھا یا قتل خطا یا یہ کہیں گے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسے کس نے قتل کیا، یا ان کے بیانوں میں اختلاف ہو کہ کچھ وارث تو کہیں کہ یہ قتل عمد تھا اور بعض کہیں کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ قتل غلطی سے ہوا یا عمداً کیا گیا تو وہ خون باطل قرار پائے گا، کیونکہ ان کا اس پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ ان کے مورث کو عمداً قتل کیا گیا کہ وہ مطالبہ قصاص کے حقدار ہوتے اور نہ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ قتل خطا تھا کہ دیت (خون بہا) کے حقدار ہوتے، اور نہ اس پر اتفاق ہے کہ اس کا قاتل کون ہے، کہ قسامہ پر عملدرآمد ہوتا، لیکن اگر (ورثاء میں سے) کسی نے کہا کہ وہ قتل غلطی سے سرزد ہوا اور بعض نے (ورثاء میں سے) یہ کہا کہ ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ یہ قتل خطا ہے یا قتل عمد تو ایسی صورت میں جس نے قتل خطا کا دعویٰ کیا اسے تمام قسمیں (یعنی پچاس) پوری کرنی ہوں گی اور تب وہ دیت میں سے اپنے حصہ کا حقدار ہوگا، کیونکہ قتل خطا میں (قاتل پر) مال واجب ہوتا ہے جسے ورثاء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اس صورت میں دوسرے ورثاء کو کچھ نہیں ملے گا، ایسا ہی حکم اس صورت میں ہے، جبکہ سب کا دعویٰ یہ ہو کہ یہ قتل خطا ہے اور ایک وارث اس سے انکار کرے لیکن اگر کچھ تو اسے قتل خطا اور کچھ قتل عمد بتائیں لیکن تمام بیان کرنے والے ایک ہی زمرہ کے افراد ہوں، مثلاً سب مقتول کے بھائی ہیں یا بیٹے ہیں تو ان میں سے ہر ایک وارثت میں اپنے اپنے حصوں کے مطابق (یعنی اتنی بار جتنا کہ ان کا حصہ ہے) قسم کھائے اسی حق وارثت کی نسبت سے جرم قتل خطا کی دیت میں ان کے حصوں کا فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی جرم خطا کا دعویٰ کرنے والا قسم کھانے سے انکار کرے تو وہ سب دیت میں سے کچھ نہ پائیں گے، اور اگر اس جرم کے قتل خطا ہونے سے انکار کرے تو وہ شخص جس نے قتل عمد ہونے کا دعوے کیا اسے اپنے حصے کے مطابق حلف میں شامل کیا جائے گا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر دو معتبر گواہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے خود اپنی آنکھ سے چوٹ کا یا زخم کا مشاہدہ کیا ہے، خواہ وہ عمداً ہو یا خطا ہو، اور اس کی موت زخم کھانے کے بعد واقع ہوئی، اور مقتول آزاد مسلمان ہے، تو مقتول کے ورثاء سے قسم لی جائے گی کہ اس کی موت اسی چوٹ یا زخم سے ہوئی ہے، یا وہ (قسم کھا کر) کہیں گے کہ اور کوئی سبب موت کا لاحق نہیں ہوا، لیکن اگر (چوٹ لگنے یا زخم کھانے کے بعد) موت میں تاخیر نہیں ہوئی تو دونوں حالتوں میں بغیر قسامہ کے ورثاء کو مطالبہ خون یا دیت کا حق ہوگا، کیونکہ یہ ارتکاب قتل کی چشم دید شہادت ہوگی، یا اگر ایک معتبر گواہ چوٹ لگانے یا زخمی کرنے کی چشم دید شہادت دے، خواہ عمداً ہو یا خطاء اور خواہ موت اسی وقت واقع ہو گئی ہو یا تاخیر سے ہوئی ہو مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے کہ مجرم نے اسے زخمی کیا یا مارا اور اسی زخم یا چوٹ سے اس کی موت ہوئی اور یہ بھی کہا گیا کہ

Marfat.com

ورثاء میں سے (پہلے) ایک شخص اس معتبر گواہ کی شہادت کی تکمیل کے لیے قسم کھائے گا کہ فلاں شخص نے اسے زخمی کیا یا اسے مارا اس کے بعد سب ملکر پچاس حلف اٹھائیں گے، اور اگر ایک معتبر گواہ یہ شہادت دے کہ مقتول نے (مرنے سے پہلے) اپنے قتل عمد یا قتل خطا کا اقرار کیا یعنی بالغ مقتول نے یہ بیان دیا کہ فلاں شخص نے عمداً مجھے زخمی کیا یا یہ کہا کہ غلطی سے یہ فعل اس سے سرزد ہو گیا اور ایک معتبر شخص مقتول کے اس قول کی تائید میں گواہی دے تو اس شہادت کو لوث (ثبوت قتل) تصور کیا جائے گا اور اس پر مقتول کے ورثاء سے قسم کے مقررہ الفاظ میں پچاس قسمیں لی جائیں گی یہاں تک کہ قسم کی تعداد پوری ہو جائے، پس قابل اعتماد مسلک کے مطابق اس بارے میں سب سے قسم لی جائے گی انفرادی قسم نہیں لی جائے گی۔

اگر ایک معتبر شخص اس امر کی شہادت دے کہ اس نے مقتول کو خون آلودہ حالت میں دیکھا ہے اور ملزم پر بظاہر ارتکاب قتل کی علامات پائی جاتی ہیں، مثلاً اس کے ہاتھ میں خون آلود آلۂ قتل ہے یا وہ اس گھر سے باہر آتے ہوئے دیکھا گیا (جہاں مقتول ہے) جبکہ کوئی دوسرا شخص وہاں نہیں پایا گیا تو ایسی حالت میں اس ایک معتبر شخص کی شہادت کو لوث (ثبوت قتل) تصور کیا جائے گا اور ورثائے مقتول حلف قسامہ اٹھائیں گے، اور جرم عمداً ہوا ہو تو قصاص لیں گے ورنہ خون بہا کے حقدار ہوں گے۔

جاننا چاہیے کہ قتل کے متعدد شواہد ہونے کے باوجود ''قسامہ'' (حلف برداری) ضروری ہے مثلاً قتل کا کوئی قابل اعتبار چشم دید گواہ ہو اور اس کے ساتھ دو معتبر گواہ مقتول کے اس بیان کی شہادت دیں کہ اس نے (مرنے سے پہلے) یہ بتا دیا تھا کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس صورت میں بھی جب تک کہ 'قسامہ' پر عملدرآمد نہ کیا جائے مقتول کے ورثاء خون بہا کے حقدار نہ ہوں گے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ ایک مقتول کا کسی بستی میں پایا جانا اگرچہ وہ مقتول مسلمان ہو اور بستی کافروں کی ہو 'لوث' (یعنی ثبوت قتل) نہیں ہے درآنحالیکہ اس بستی کے لوگوں کا میل جول باہر کے لوگوں سے ہو، ایسا نہ ہو تو (لاش کی موجودگی کو) لوث (ثبوت قتل) تصور کیا جائے گا اور اہل قریہ پر 'قسامہ' واجب ہوگا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بمقام خیبر عبداللہ بن سہل کے مقتول پائے جانے پر عبداللہ بن سہل کے دو چچازاد بھائیوں کے حق میں (بستی والوں پر) 'قسامہ' (حلف برداری کا حکم) نافذ فرمایا، کیونکہ خیبر ایسی جگہ ہے جہاں یہودیوں کے سوا کسی اور شخص سے ان کا خلا ملا نہ تھا، یا اہل قریہ کے کسی گھر میں جہاں باہر کے لوگ آکر ملتے جلتے ہوں اگر کسی مقتول کی لاش پائی جائے تب بھی قسامہ واجب ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ اس گھر یا اس بستی والوں کے علاوہ کسی اور شخص نے قتل کر کے وہاں پر ڈال دیا ہو۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ قسامہ میں یکے بعد دیگرے پچاس قسمیں ہوتی ہیں جن میں وقت یا جگہ کا فرق نہیں ہونا چاہیے، سب لوگ قطعی طور پر پورے یقین کے ساتھ ان الفاظ میں حلف اٹھائیں گے کہ ہم اس اللہ کی قسم کھاتے ہیں جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے کہ بلاشبہ فلاں شخص ہی نے اس کو قتل کیا ہے، اگرچہ قسم کھانے والا نابینا ہو یا وہ وقوعہ قتل کے وقت موجود نہ رہا ہو اور اس وقوعہ کا علم اسے دوسروں کے کہنے سے اس طرح ہوا ہو جیسے مشاہدہ سے ہوتا اور جب قسموں کی

Marfat.com

تعداد (پچاس) قاعدہ کے مطابق قسم کھانے والوں (حصہ رسدی) ڈال دی جائے اور دو یا زیادہ کی کسر رہ جائے تو اس کی تکمیل سب سے زیادہ قسم کھانے والے سے کرائی جائے، اگر چہ زیادہ قسم والا سب سے کم حصہ کا حقدار ہو، اگر باقی ماندہ حصے (قسم کھانے والوں کی تعداد کے) برابر ہوں تو ان سب سے باقی ماندہ قسم کی تکمیل بحیثیت مساوی کرائی جائے۔

قتل خطا کی صورت میں، ورثائے مقتول کے منجملہ مکلف اشخاص سے حصہ میراث کے مطابق قسم لی جائے گی، اگر ایک ماں شریک بھائی یا ایک عورت کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو تو وہی پچاس قسمیں کھائے گا اور خون بہا میں سے اپنا حصہ لے گا، اور موجودہ بالغ ورثاء میں سے کسی کو مجرم کے عاقلہ سے منجملہ دیت کے کچھ نہیں ملے گا درآنحالیکہ بعض ورثاء موجود نہ ہوں یا صغیر سن (نابالغ) ہوں تاوقتیکہ (موجودہ وارث) پوری (پچاس) قسم نہ کھالے (اس کے بعد) وہ صرف اپنا حصہ لے سکتا ہے کیونکہ جب تک خون پایہ ثبوت کو نہ پہنچے، عاقلہ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، وارث موجودہ کے پوری قسمیں کھانے کے بعد غیر موجود وارث کے آنے یا نابالغ وارث کے بالغ ہونے پر ان کے حصے کے مطابق ان سے قسم لی جائے گی تب وہ تاوان سے اپنا حصہ لے سکیں گے۔

واضح ہو کہ قتل عمد میں حلف قسامہ دو مردوں (ورثاء) سے کم کی صورت میں نہیں لیا جائے گا، قتل عمد کے بارے میں عورتیں حلف نہیں اٹھائیں گی، کیونکہ اس معاملہ میں ان کی شہادت نہیں ہوتی، اگر ورثاء میں دو مرد نہ ہوں اور صرف عورتیں ہی وارث ہوں تو مقتول کو لاوارث قرار دیا جائے گا، کمزور قسم سے مدعا علیہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور قتل کے ملوثین میں سے صرف اس کے خلاف حلف قسامہ لیا جائے گا جس کی نشاندہی خصوصیت کے ساتھ مدعی نے کی ہو، ان سب کے مارنے سے مرا، اس کے پاداش میں ایک سے زیادہ اشخاص کو قتل نہیں کیا جائے گا، اگر ارتکاب قتل میں سب برابر کے شریک ہوں مثلاً سب لوگ ملکر ایک پتھر اٹھا کر لائے اور مقتول کے اوپر گرا دیا جس سے دب کر وہ مر گیا تو ان سب کے خلاف قسم لی جائے گی اور سب کو قتل کیا جائے گا، درآنحالیکہ مقتول کو (زخمی حالت میں) زندہ اٹھا کر لایا گیا ہو اور بعد میں مرا ہو، اگر وہ اسی جگہ مر گیا اور وہیں پر موت آ گئی تو قسامہ (حلف برداری) کے بغیر ہی سب کو قتل کیا جائے۔

ولی کو حق ہے کہ 'قسامہ' میں وہ مقتول کے عاصب (صلبی قرابت دار) سے مدد لے اگر مقتول کا کوئی صلبی رشتہ دار نہ ہو مثلاً مقتولہ عورت ہو جس کا کوئی عاصب (صلبی رشتہ دار) بجز اس کے اپنے بیٹے کے نہ ہو اور ولی کا باپ شریک بھائی ہو تو وہ ان دونوں سے یا ان میں سے کسی سے مدد لے سکتا ہے یا مثلاً اپنے چچا سے مدد لے سکتا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ یہ قسمیں خون بہا کے حقداروں پر ان کی تعداد کے مطابق تقسیم کر دی جائیں گی، لیکن قتل خطا میں حق وارثت کے حصوں کے مطابق قسمیں ڈالی جائیں گی اور صرف پچاس افراد پر اکتفا کیا جائے گا اور قسموں کی تعداد (پچاس) پوری کرنے کے لیے دو ولیوں کی موجودگی کافی ہے، جبکہ ورثاء کی تعداد زیادہ ہو اور ان میں صرف دو افراد (رضا کارانہ) قسم کھالیں تو کافی ہوگا، بشرطیکہ باقی ورثاء نے قسم کھانے سے انکار نہ کیا ہو۔ اگر ولی کے عصبی رشتہ داروں میں سے کوئی خاص فرد قسم سے انکار کرے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے گا ہاں اگر بالعموم (ورثاء) قسم سے انکار کریں تو یہ امر قابل

Marfat.com

توجہ ہوگا، اگر وہ کئی ایک ہیں تو ان میں سے ہر ایک پچاس قسمیں کھائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک پر قتل کا الزام ہے، گو (فی الواقع) ارتکاب قتل ایک فرد نے کیا ہو، اگر ایک ہی شخص ملزم قتل ہے تو اس سے پچاس قسمیں لی جائیں گی۔

اگر قتل کا کوئی ملزم قسم کھانے سے انکار کرے تو اسے قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ قسم کھائے یا قید خانے میں مرجائے، کیونکہ وہ سرکشی پر آمادہ ہے بصورت دیگر ایک سال کے بعد اسے سو کوڑے مار کر رہا کر دیا جائے گا اور قابل ترجیح عمل وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ حاکم پہلے مدعیوں سے قسم لے گا، مدعا علیہم سے نہیں اگر مدعی قسم سے انکار کریں اور کوئی شہادت جرم کی نہ ہو تو مدعا علیہ (مدعی کے خلاف) پچاس قسمیں کھا کر الزام خون سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر محلہ میں کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا علم نہ ہو تو حکم شرع کے مطابق 'قسامہ' پر عمل ہوگا، لیکن محض قسامہ (حلف برداری) پر فیصلہ نہیں دیا جائے گا، بجز اس صورت کے جبکہ مقتول اور مدعا علیہ کے درمیان لوث (شواہد قتل) موجود نہ ہوں، لوث سے مراد فریق ثانی بالخصوص حقیقی رشتہ داروں میں عداوت کا ہونا ہے جیسا کہ قبائل میں خون کا بدلہ یا انتقام لینے کا جذبہ ہوتا ہے یا جس طرح شرپسندوں اور سلامت رووں میں ہوتا ہے رہا ایک مسلمان بالغ مقتول کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے مجھے قتل کیا 'لوث' (ثبوت قتل) نہیں ہے۔

جب جرم مستوجب قسامہ ثابت ہو جائے تو قتل کا دعویٰ کرنے والے قاتل کے خلاف پچاس قسمیں کھائیں گے اور اگر وہ قتل عمد ہے تو وہ مطالبۂ خون کے حقدار متصور ہوں گے، اور قسامہ کے پہلے مدعیوں کو طلب کرنا واجب ہے، مدعا علیہم کو قسم کے لیے پہلے طلب نہیں کیا جائے گا۔

اگر مدعیوں نے قسم کھانے سے انکار کیا اور قتل کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے تو مدعا علیہ سے پچاس قسمیں لی جائیں گی کہ: نہ اس نے قتل کیا ہے اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ کس نے قتل کیا؟ اس حلف کے بعد وہ الزام قتل سے بری ہو جائے گا۔

اگر خون کے والی (ورثاء) متعدد اشخاص ہیں تو ان سب پر حصۂ ورثہ کے مطابق قسم عائد ہوگی تاکہ اسی کے مطابق سب کو حصہ (دیت میں سے) مل جائے بمصداق اس کہاوت کے کہ "الغرم علی قدر الغنم" (یعنی ادائیگی قرض واجب بھیڑ بکریوں کی تعداد کے مطابق ہوگی)۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ غلاموں (کے قتل) کے بارے میں بھی 'قسامہ' (حلف برداری) پر عملدرآمد ہوگا اور یہ ایک مسلمان انسان کی حرمت کے پیش نظر ہے جس کا وہ مستحق ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے شرف ایمان سے نوازا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ 'قسامہ' میں عورتوں کی قسم کو مطلقاً دخل نہ ہوگا خواہ وہ قتل عمد ہو یا قتل خطا تاکہ عورتیں ذمہ داری کے بوجھ سے ہلکی رہیں، ان کے ذمہ کسی کی حمایت نہیں ڈالی گئی قسامہ کی بنیاد افراد عاقلہ اور اہل محلہ کی حمایت پر قائم ہے (یعنی جن افراد کو مجرم کا حمایتی تصور کیا جاتا ہے ان ہی سے حلف 'قسامہ' لیا جاتا ہے) قاتل مجرم ان ہی اشخاص کے بل بوتے اور حمایت پر بھروسہ کر کے ارتکاب جرم کرتا ہے۔

Marfat.com

کفارہ قتل کا بیان

ائمہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی شخص سے بلا ارادہ قتل سرزد ہو گیا، اور مقتول ذمی یا غلام نہیں ہے تو اس شخص پر کفارہ (یعنی گناہ کے داغ کو دھونے کا شرعی عمل) واجب ہے، تمام فقہاء کہتے ہیں کہ غلطی سے قتل سرزد ہو جانے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان مملوک (غلام یا لونڈی) کو آزاد کرے، اگر یہ دستیاب نہ ہو تو دو ماہ تک متواتر (بلاناغہ) روزہ رکھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ومن قتل مؤمناً خطأ فتحرير رقبة مؤمنة، ودية مسلمة الى اهله الا ان يصدقوا، فان كان من قوم عدولكم وهو مؤمن فتحرير رقبة مؤمنة، وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة الى اهله وتحرير رقبة مؤمنة، فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين توبة من الله، وكان الله عليما حكيما" (النساء ۹۲) (یعنی اگر کوئی شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو ایک مسلمان فرد (مملوک) کو آزاد کرے اور خون بہا مقتول کے اہل (ورثاء) کو ادا کرے، ہاں اگر ورثاء معاف کر دیں تو خیر، اگر مقتول ان میں سے ہے جو تمھارے دشمن ہیں، لیکن وہ مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک (غلام) کو آزاد کرنا کافی ہے ہاں اگر مقتول ان میں سے ہے جن کے ساتھ تمہارا باہم معاہدہ امن ہے تو غلام کے مالک کو اس کا خون بہا ادا کرنا اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا بھی ہوگا، اگر غلام دستیاب نہ ہو تو اللہ کے سامنے توبہ واستغفار کے لیے، بلاناغہ دو مہینے تک روزہ رکھے، اللہ سب کچھ جانتا بوجھتا ہے)۔

مالکیہ اور حنفیہ نیز شافعیہ کے دو اقوال میں سے ایک صحیح تر قول کے مطابق اور حنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق قتل خطا کے کفارہ میں (روزے کی بجائے) کھانا کھلا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ میں مرد مومن کے احترام کی عظمت کے پیش نظر کفارہ میں اس امر کو جو اکثر حالات میں کھانا کھلانے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے مخصوص کر دیا گیا ہے، یہ اس لیے بھی ہے کہ قرآن میں کفارہ کے روزے کے عوض، کھانا کھلانے کی صراحت نہیں آئی اور مقدار کا اندازہ تعین وقت سے کیا جاتا ہے، پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی پوری پاداش کا ذکر حرف تعقیب یعنی 'فا' (بمعنی پس) کے ساتھ فرما دیا اور جو کچھ مذکور ہے اس سے یہی کچھ سمجھا جاتا ہے، اور (اس حکم عتاق کے نفاذ کے لیے) مملوک کے پرورندہ، ماں باپ میں سے کسی کا مسلمان ہونا کافی ہے، کیونکہ آزاد کرنے کے لیے بردہ کا مسلمان ہونا اور صحیح الاعضاء ہونا شرط ہے اور پہلی بات (اسلام) تو اس کے ماں باپ میں سے کسی کے مسلمان ہونے سے ثابت ہے اور دوسری بات (صحیح الاعضاء ہونا) اس کی ظاہری حالت سے ثابت ہے کہ اس کے اعضاء صحیح سلامت ہیں ہاں پیٹ کے بچے کو آزاد کرنا درست نہیں ہے کیونکہ (پیدائش سے پہلے) نہ اس کا زندہ ہونا ثابت ہے نہ صحیح الاعضاء ہونا۔

شافعیہ اور حنابلہ کی دوسری دونوں روایتوں میں آیا ہے کہ اگر روزہ رکھنے سے معذوری ہو تو کھانا کھلا دینا بھی جائز ہے جیسا کہ کفارہ ظہار میں (یعنی بیوی کو ماں کہہ لینے کے کفارہ میں) ہوتا ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ذمی کے قتل پر کفارہ غیر مشروط طور پر واجب ہے اسی طرح مسلمان غلام کے قتل

Marfat.com

پر بھی واجب ہے، اور ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل پیرا ہونے کے لیے ضروری ہے، آنحضرت ﷺ نے ذمی پر زیادتی کرنے والے کو تنبیہ فرمائی ہے کہ قیامت کے روز وہ ایسے اشخاص کے خلاف احتجاج فرمائیں گے، مثلاً آپؐ نے فرمایا ہے کہ "من ظلم ذميا كنت حجيجه يوم القيامة" (یعنی جو شخص کسی ذمی پر ظلم کرے گا قیامت کے دن میں اس کے خلاف احتجاج کروں گا) پس جبکہ یہ حکم ایسے شخص پر بھی عائد ہوتا ہے جو ذمی کے مال سے ایک درہم بھی بیجا طور پر لے یا بدکلامی سے اس کی بے عزتی کرے تو اس کا کیا حال ہوگا جو ناحق اسے قتل کر دے۔

ہر مسلمان غلام کے قتل کر دینے پر کفارے کا واجب ہونا اس لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری وقت میں یہ ارشاد فرمایا "الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم" (یعنی خبردار نماز کا اور مملوک (لونڈی غلام) کا خیال رکھنا) روایات میں آیا ہے کہ یہ آخری بات تھی جس میں حضور نے لونڈی غلام کی بابت ہدایت فرمائی اس وقت آپ کی زبان سے یہ الفاظ بمشکل ادا ہوئے، پس اس حکم کا انتہائی احترام واجب ہے، اور ایسے اشخاص کے قتل کرنے پر ادائے کفارہ کا واجب کرنا بھی منجملہ احترام کے ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ذمی کے قتل پر کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ ذمی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ وصیت مخصوص امور کے متعلق سمجھی گئی ہے، مثلاً یہ کہ اس کا مال ناحق نہ ہتھیا لیا جائے گا اور اس کے واجبات، کفارے کے علاوہ، سب پورے کیے جائیں گے لہٰذا اس کی موت آجانے پر اس کے کفن دفن وغیرہ کا بندوبست کیا جائے گا، لیکن اس کے قتل کا کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ بدیں لحاظ کہ وہ کافر ہے اور اللہ کے رسول کی تکذیب کرتا ہے، فی الجملہ وہ مستوجب قتل ہے۔

حنفیہ، مالکیہ نیز حنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک کی رو سے اس کے قتل عمد پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے اس کے قتل عمد کی صورت میں اس کے قتل کیے جانے اور اگر اس کے ورثاء خون بہا کے عوض خون معاف کر دیں تو ادائے دیت کے بارے میں پہلے ہی سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا ہے، اس پر اور کچھ زیادہ نہیں کیا جا سکتا، پھر یہ بھی ہے کہ جرم قتل خالص گناہ کبیرہ ہے اور کفارہ عبادت ہے عبادت کو گناہ کے ساتھ مربوط نہیں کیا جا سکتا، اور اس لیے بھی کہ کفارہ قابل قدر شے ہے اور شرع نے ادنیٰ شے کی تلافی کے لیے اسے مقرر فرمایا ہے لہٰذا اعلیٰ شے کی تلافی کے کام میں نہیں لایا جا سکتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قتل عمد کے ارتکاب پر کفارہ واجب ہے، کیونکہ قتل عمد کے جرم کی تلافی زیادہ ضروری ہے بہ نسبت قتل خطا کے، پس قتل عمد کفارے کا زیادہ متقاضی ہے، کیونکہ جرم عمد کا گناہ قتل خطا کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے اور جرم خطا کی بہ نسبت یہ جرم زیادہ لائق کفارہ ہے۔

یہ اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ بقول صحیح قتل کے ہر شریک پر منفرداً ادائے کفارہ واجب ہے، کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کا تعلق جرم قتل سے ہے لہٰذا اس حق کو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ قصاص میں ہوتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ کفارہ قتل کے گناہ کو ہلکا کرنے کے لیے ہوتا ہے اور (شرکائے قتل میں سے) ہر ایک قاتل ہے (اور سب پر کفارہ واجب

Marfat.com

ہے) نیز اس لیے بھی کہ کفارہ کے مفہوم میں عبادت ہے اور جو عبادت کسی جماعت پر واجب ہو اس کو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا، یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ تمام شرکائے جرم کا کفارہ ایک ہوگا جیسے جرم شکار کا (کہ سب مل کر شکار کریں تو صرف ایک کفارہ دینا پڑتا ہے)۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کافر غلطی سے ایک مسلمان کو قتل کردے تو اس کافر پر بھی ادائے کفارہ واجب ہوگا اور مسلمان کی حفاظت نہ کرنے کی پاداش میں کافر پر بختی سے ڈنڈ ڈالا جائے گا، تاکہ یہ بات دوسری بار نہ ہو اور اس سے اس کے دوسرے ہم مذہب اشخاص کو عبرت ہو، بلکہ اگر غلام قاتل ہو تو اس پر بھی کفارہ قتل واجب ہے جیسا کہ اس کے قتل پر قصاص اور ضمان (بدل) واجب ہوتا ہے لیکن چونکہ اس مقتول میں مالک مال ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی لہٰذا روزہ رکھ کر کفارہ دینا ہوگا، یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ قاتل ذمی ہو، کیونکہ وہ بھی بجا آوری احکام کا ذمہ دار ہے۔ اب اس میں خواہ اس نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کیا ہو یا غلطی سے قتل سرزد ہوگیا ہو یا موت کا سبب مہیا کیا ہو اور خواہ وقوعہ قتل دارالحرب میں ہوا ہو، یا اس کا مقتول ذمی ہو یا بچہ شکم ہو یا خود اپنے غلام کو یا خود اپنے آپ کو ہلاک کیا ہو، حربیہ عورت یا حربی بچے کو قتل کرنے پر کفارہ واجب نہیں ہے اور نہ باغی کے قتل پر واجب ہے، کیونکہ باغی کا خون حلال ہے، اسی طرح حملہ آور کے قتل پر بھی (کفارہ نہیں ہے) کیونکہ اس کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جاتی نیز مرتد اور شادی شدہ مرتکب زنا پر اور اس شخص کے قتل پر جو مستوجب قصاص ہو اور مدعی قصاص اسے قتل کردے (تو کفارہ نہیں ہے) کیونکہ قاتل کے نزدیک اس کا خون مباح ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ کافر اور جنون زدہ قتل کردے تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ کفارہ قاتل کو گناہ سے پاک کرنے اور اسے روز قیامت کے عذاب سے بچانے کے لیے ہوتا ہے اور کافر (سرے سے) اس کا حقدار ہی نہیں ہے کیونکہ حشر کے دن دوزخ کی آگ میں جلا کر بھی اسے گناہ سے پاک نہیں کیا جاسکتا تو ادائے کفارہ سے کیونکر پاک ہوسکتا ہے؟

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ یا جنون زدہ قتل کا ارتکاب کرے تو کفارہ واجب ہوگا کیونکہ بالعموم ایسے فعل کے ارتکاب کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان کی خاطر خواہ نگرانی نہیں کی جاتی، اگر بچے کا ولی (سرپرست) اسے قتل سے باز رہنے کے لیے ڈراتا دھمکاتا رہے یا جنون زدہ کا ولی اسے قید میں رکھے یا زنجیر سے باندھ کر رکھے تو وہ کسی کو قتل کرنے کا موقع نہ پاسکے گا، علاوہ اس کے اکثر اوقات مجنون کو ایسی غذا کے سبب جنون لاحق ہوتا ہے جو موافق مزاج نہیں ہوتی، لہٰذا بعض ائمہ فقہاء جو اس پر کفارہ عائد کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کا سبب وہی ہے جو سبب ہلاکت مہیا کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بچے اور جنون زدہ پر کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ مجنون غیر مکلف ہوتا ہے اور بچہ مکلف ہونے کی عمر کو نہیں پہنچتا (اور غیر مکلف پر احکام شرعیہ عائد نہیں ہوتے) لہٰذا ان کے اعمال پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، نیز اس لیے بھی کہ ان کے افعال امر مباح کی حیثیت رکھتے ہیں جو اعمال کی پانچ قسموں (یعنی فرض، واجب، حلال، حرام اور مباح) میں سے ایک ہے۔

Marfat.com

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسی وجہ پیدا کرنے پر بھی کفارہ واجب ہو جاتا ہے جس کے باعث موت واقع ہو جائے (یعنی یہ بھی قتل ہے) مثلاً عداوت نکالنے کی غرض سے کنواں کھودے، یا راہ میں پتھر رکھ دے، یا جبراً قتل کر دیا ہو یا ایسے شخص سے ہلاک کرایا ہو جو فعل قتل کے نتیجہ سے بے خبر ہو، یا جھوٹی گواہی دے کر کسی کو مستوجب قتل بنا دیا ہو، خواہ کوئی شخص کنواں کھودنے والے کی موت کے بعد اس میں گر کر ہلاک ہو، کیونکہ بہر دو صورت قاتل کا نام اس پر عائد ہوتا ہے اور یہ فعل آیت قتل کے مفہوم میں داخل ہے، اس صورت میں حکم کفارہ کو دیت کے واجب ہونے کے حکم پر قیاس کیا گیا ہے (یعنی ان صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے اسی طرح کفارہ بھی واجب ہوگا)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اسباب قتل مہیا کرنے کی بناء پر جسے قاتل قرار دیا جائے اس پر ہر حال میں کفارہ واجب نہیں ہوتا لیکن تمام اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل کا سبب مہیا کرنے پر خون بہا واجب ہوتا ہے، کیونکہ سبب قتل والے کو شریک قتل نہیں کہا جا سکتا، قتل کرنے میں شریک ہونے کے مقابلہ میں ذریعہ قتل کا مہیا کرنا ہلکا جرم ہے، جبکہ وہ خود قتل میں شریک نہ ہوا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ام ولد نے (یعنی اس لونڈی نے جس کے بطن سے اس کے آقا کا لڑکا پیدا ہو جائے) اپنے آقا کو قتل کر دیا تو اس لونڈی پر اپنی قیمت (تاوان میں) دینا واجب ہے، کیونکہ آقا کو قتل کرنے کے بعد وہ آقا کی ملکیت میں نہیں رہی اور آزاد ہو گئی اور (آقا اس کا وارث نہ رہا) یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ کسی اور کو قتل کر دے، یہ حکم اس حالت میں ہے جبکہ اس پر قصاص عائد نہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس پر خون بہا کی ادائیگی واجب ہے، کیونکہ اب وہ ایک آزاد (غیر مملوکہ) عورت ہے، اور جس سبب سے اسے مملوک قرار دیا جاتا وہ سبب ختم ہو گیا اور آزاد قاتل پر خون بہا عائد ہوتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ام ولد اگر جرم قتل کی مرتکب ہو تو اس پر اس کی قیمت سے زیادہ مقدار کا تاوان عائد نہ ہوگا جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ وہ (غیر از آقا) کسی اور کو قتل کر دیتی، اور یہ اس لیے ہے کہ مجرم کے جرم کی نوعیت اس حالت کے موافق متعین کی جائے گی جبکہ اس نے ارتکاب جرم کیا، ارتکاب جرم کے وقت وہ لونڈی تھی، اور چونکہ مملوک ہونے کی حیثیت سے وہ ناقص ہے لہٰذا وہ قن (قطعی غلام) کے مشابہ ہے، اگر اس کے آقا کا کوئی لڑکا اس سے نہ ہو تو آقا کے ورثاء کو اس سے قصاص لینے کا حق ہے، اگر اس سے آقا کا کوئی لڑکا ہے اور وہی تنہا اس کا وارث ہے تو قصاص واجب نہ ہوگا، کیونکہ اگر قصاص واجب ہو تو اس کے اپنے بیٹے کی طرف سے (دعویٰ قصاص) ہوگا اور بیٹا اپنی ماں سے مطالبہ قصاص نہیں کر سکتا۔

حنابلہ اس مسئلہ میں خاموش ہیں۔

Marfat.com

تیسرا باب

تعزیرات (سزاؤں) کا بیان

واضح ہو کہ تعزیر (سزا سے) مراد ایسی سرزنش ہے جو کسی فعل ممنوع کو دوبارہ کرنے سے منع ہو، پس جب کوئی شخص ایسے فعل کا ارتکاب کرے جس کی حد (شرعی سزا) مقرر نہیں ہے اور نہ قصاص (اس جیسی سزا) مقرر ہے اور نہ اس کے لیے کفارہ (عمل تلافی گناہ) ہے تو حاکم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو ایسی سزا (اذیت) دی جائے جو اس شخص کو دوبارہ اس فعل کے ارتکاب سے باز رکھے، خواہ وہ سزائے تازیانہ ہو یا قید ہو یا اذیت دہ تعذیب ہو۔

اس معاملہ میں بعض ائمہ فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ سزا تیس کوڑوں سے زیادہ نہ ہونی چاہیے، بعض اصحاب جس میں مالکیہ ہیں فرماتے ہیں کہ امام (حاکم) کو اختیار ہے کہ اس کی رائے (اس فعل کے) سد باب کی خاطر جتنی بھی ضرب لگانا مناسب ہو وہ لگا سکتا ہے، خواہ سو دروں سے زیادہ ہو جائے لیکن اتنی نہ ہو کہ قصوروار ہلاک ہو جائے۔ (۱)

۱۔ **تعزیر کی تعریف:** واضح ہو کہ تعزیر فعل 'عزر' کا مصدر ہے اور 'عزر' کے معنے روک دینے یا باز رکھنے کے ہیں، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وتعزروہ" (یعنی دشمن کو روک دو یا باز رکھو) اور اصطلاح شرع میں اس کے معنی (گناہ) پر سرزنش کرنے کے ہے، اس کی کوئی مقررہ حد نہیں ہے اور نہ اس گناہ کا کفارہ ہے اور تعزیر حدود (یعنی شرع کی مقرر کردہ سزاؤں) سے دو امور میں مختلف ہے:

اول یہ کہ سزا مختلف اشخاص کے لیے مختلف ہوتی ہے، چنانچہ ایک ذی وجاہت شخص کی سزا عوام الناس کی سزا سے مختلف ہوگی، بخلاف اس کے حدود شرعیہ دونوں پر یکساں نافذ ہوتی ہیں چنانچہ کوئی عربی ہو یا غیر عربی ہر ایک کے ساتھ حدود (شرعی سزاؤں) کے نفاذ میں برابر کا سلوک ہوگا۔

دوسرے یہ کہ ان سزاؤں کے بارے میں سفارش قبول کرنا اور معاف کر دینا جائز ہے خواہ معاملہ حاکم کے سامنے پیش ہو چکا ہو، بخلاف حدود شرعیہ کے کہ جب معاملہ حاکم کے سامنے پیش ہو جائے تو اب اس میں سفارش جائز نہیں ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ تعزیروں میں بھی حدود شرعیہ کی طرح نرمی برتنے کو دخل نہیں ہے، کیونکہ اس پر عملدرآمد کا حکم ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تعزیرات میں رعایت یا پاسداری کو دخل ہے البتہ حدود میں دخل نہیں ہے۔

Marfat.com

بعض اصحاب حنابلہ کہتے ہیں کہ تعزیر دس کوڑوں سے زیادہ کی نہ ہونی چاہیے لیکن ابن قیم جو حنبلی ہیں اس سے اتفاق نہیں کرتے، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں بتایا ہے کہ سزائے تازیانہ حنابلہ کے نزدیک سو کوڑوں تک پہنچتی ہے، مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کی لونڈی سے مباشرت کرے تو اسے سو دُرّے مارے جائیں، ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شراب کی سزا چالیس کوڑوں سے بڑھا کر اسی کوڑے کردی تھی، اور یہ خیال نامعقول ہے کہ انہوں نے اصل حد شرعی چالیس کوڑوں میں جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، زیادتی کردی ہو، پھر یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ بعض علماء

علماء کا کہنا ہے کہ اولاد یا بیوی کو سرزنش کرنا بھی ان کے نزدیک تعزیر (سزا) میں داخل ہے تاکہ انہیں برائی سے محفوظ اور دور رکھا جاسکے۔

سرزنش کے کئی طریقے ہیں: زبان سے ڈانٹ ڈپٹ کرنا، (عمل سے) خفگی کا اظہار کرنا، مارنا، قید میں رکھنا یا جرمانہ کردینا جیسا بھی خطا کار کے حالات کا تقاضا ہو یا جس طرح بھی حاکم اس کے حق میں مناسب سمجھے۔

تعزیر کے بارے میں شرعی ہدایات

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر حاکم کا گمان غالب یہ ہو کہ بغیر جسمانی سزا کے مجرم کی اصلاح نہیں ہوسکتی تو سزا کا دینا واجب ہو جائے گا لیکن اگر اس کے بغیر اس کی اصلاح کی توقع ہو تو واجب نہ ہوگا، سزا کا مقصد بارگاہ خداوندی کی عظمت کو مدنظر رکھنا ہے کہ مبادا یہ بندہ پھر ایسی حرکت کرے اور اللہ اسے دیکھ رہا ہو، پس سزا میں شدت اس لیے واجب ہے کہ مجرم کو آئندہ کے لیے اپنے فعل کی قباحت معلوم ہو جائے، سزا کی جو اذیت اس نے اٹھائی ہے اسے یاد آجائے اور اللہ سے مغفرت کا طلبگار ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حاکم کے لیے تعزیر واجب نہیں ہے، کیونکہ اس سے کچھ زیادہ سد باب برائی کا نہیں ہوتا اور نہ اس طرح آئندہ اسے معصیت سے باز رکھا جاسکتا ہے، جبکہ اس کا انحصار صرف اس اذیت پر ہو جو بندہ کو سزا میں پہنچتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص اس فعل کی سزا کا مستحق ہو جائے تو سزا واجب ہوگی۔ اگر مستحق نہ ہو واجب نہ ہوگی۔

باپ کا بیٹے کو تادیباً سزا دینا

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر باپ سرزنش کے طور پر بیٹے کو مارے یا استاد بغرض تعلیم لڑکے کو مارے اور اس چوٹ کے باعث بیٹا یا شاگرد مر جائے تو اس پر کوئی بازپرس نہ ہوگی، کیونکہ باپ یا استاد کا مقصد مارنے سے بجز اصلاح کے اور کچھ نہ تھا۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر باپ کے مارے سے بیٹا مر جائے تو باپ کے مال سے دیت وصول کی جائے گی اور باپ کو اس مال سے ورثہ نہ ملے گا، اسی طرح استاد اگر قرآن حفظ کرانے یا لکھنا سکھانے یا کوئی ہنر بتانے کے لیے سزا دے

Marfat.com

کہتے ہیں کہ شراب پینے کی جملہ سزائیں بطور تعزیر کے ہیں حد (شریعت کی مقرر کردہ) نہیں ہیں اور ابن قیم کی عبارت اعلام الموقعین سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم کو اختیار ہے کہ جو سزا چاہے دے سکتا ہے: قید ہو یا سزائے ضرب ہو جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں لیکن بہر حال سزا (یا سرزنش) تقاضائے وقت کے مناسب ہونی چاہیے، ہاں جہاں تک ہو سکے مجرموں کے ساتھ نرمی واجب ہے، اور حنفیہ جو یہ کہتے ہیں کہ حاکم کو تیس دروں سے زیادہ کی سزا دینا جائز نہیں ہے وہی یہ بھی کہتے ہیں کہ حاکم سزا کے طور پر قتل بھی کر سکتا ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک لواطت (عمل غیر فطری) ہر چند کہ مستوجب تعزیر ہے (مستوجب حد نہیں ہے) باوجود اس کے ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص اس بے حیائی کا ارتکاب بار بار کرے تو اسے موت کی سزا دی جائے کیونکہ ایسا

اور اس سے موت واقع ہو جائے تو مارنے والے پر تاوان عائد ہوگا، یہ حکم اس لیے ہے کہ باپ بیٹے کو سزا دینے کے وقت احتیاط سے کام لے، بسا اوقات باپ بیٹے سے خفا ہو کر یوں ہی اجنبی کی طرح مارنے لگتا ہے، لہٰذا احتیاطاً اس پر تاوان واجب کیا گیا۔

حاکم کا سزا کے طور پر مارنا

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر حاکم نے کسی شخص کو بطور سزا کے مارا اور چوٹ لگنے سے وہ شخص مر گیا تو اس پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا، کیونکہ امام (سربراہ حکومت) کا عہدہ اس سے بالاتر ہے کہ بغیر مصلحت کے وہ کسی کو سزا دے، بخلاف دوسرے اشخاص کے کہ ان کا مارنا کسی اپنی غرض سے ہوتا ہے، مثلاً کوئی عداوت چلی آرہی ہے جس کی بناء پر اسے مارا اور یہ تو کبھی سننے میں نہیں آیا کہ حاکم کو اس لیے سزائے قتل دی گئی ہو کہ اس کے سزا دینے سے مجرم مر گیا ہے، یا اسے خون بہا ادا کرنا پڑا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر امام (حاکم وقت) کے سزا دینے سے کوئی خطاکار مر جائے تو اس حاکم پر تاوان عائد ہوگا، کیونکہ شریعت نے اس میں کسی کے ساتھ رعایت روا نہیں رکھی، لہٰذا بڑے سے بڑا امام (حاکم) بھی دوسروں کی طرح شرع کے مطابق احکام کا پابند ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ تعزیرات پر عملدرآمد شریعت کے موافق ہے، خواہ اس گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا انسان سے اور خواہ وہ اعمال ایسے ہوں جو جرائم مستوجب حد کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، مثلاً کسی شخص کا غیر عورت کے ساتھ شرمگاہ کے علاوہ کسی اور طرح سے ملوث ہونا، یا ایسی چوری کرنا جس میں ہاتھ کا ٹنا لازم نہ ہو، یا ایسی گالی دینا جس میں تہمت نہ لگائی گئی ہو، یا وہ گناہ ایسا نہ ہو مثلاً سرکاری تمسکات میں جعل سازی کرنا، یا الزام تراشی سے کام لینا، یا فریب دے کر مال ہتھیا لینا، یا جھوٹی گواہی دے دینا۔

Marfat.com

فعل کسی طرح بھی شایان انسانیت نہیں ہے جو اس حد تک غیر فطری ہو، اس حکم سے عیاں ہے کہ حاکم وقت تقاضائے مصلحت کے مطابق سزا کے بارے میں کہاں تک جاسکتا ہے۔

بعض شبہات کا ازالہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعزیرات کو اس درجہ کی عقوبت تک کیسے لے جایا جاسکتا ہے جبکہ نبی ﷺ کا اشاد ہے" لا یضرب فوق عشرة اسواط الافی حد من حدود الله" (یعنی حدود اللہ کی حد کے علاوہ کسی اور بات پر دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں)، ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ 'حد' کے علاوہ کوئی اور سزا دس کوڑوں سے زیادہ نہیں دی جاسکتی جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں [1]

اس کا جواب خود ابن قیم نے یہ دیا ہے کہ لفظ 'حد' کا اطلاق جہاں عقوبت پر ہوتا ہے وہاں نفس گناہ اور معصیت پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے اس کی بحث گزر چکی ہے یہاں حدیث میں 'حد' سے مراد معصیت (گناہ) ہے عقوبت (سزا) مراد نہیں ہے پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دس درّوں سے زیادہ کی سزا بجز ان گناہوں (کی پاداش) کے عائد نہ ہوگی جن کا ارتکاب اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا ہے (باقی صورتوں میں) حاکم کو اختیار ہے کہ (دوسرے جرائم کی) جو سزا مناسب چاہے دے، ان جرائم کی مثالیں یہ ہیں کہ اجنبی عورت کے ساتھ تخلیہ کرنا، جھوٹی گواہی دینا، دغا یا فریب دے کر کام لینا فریب دے کر مطلب برآری کرنا، جوا

۱۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ تعزیری سزا اتنی نہ ہو کہ حدود کی زیادہ سے زیادہ کے برابر ہو جائے، کیونکہ امام وقت اور اس کے نائب اس بات کے پابند ہیں کہ وہ شریعت غرّا (یعنی روشن احکام شرع) کے موافق حکم دیں، انہیں یہ اختیار نہیں ہے کہ شریعت کی مقررہ تعداد سے ذرّہ بھر بھی زیادہ سزا تجویز کریں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تعزیر (عام سزا) کا معاملہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ بربنائے مصلحت کسی فعل پر حدود (شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں) سے زیادہ سزا دے، کیونکہ صاحب شریعت نے حاکم (یا سربراہ) اعلیٰ کو اپنی امت کا امانت دار بنایا ہے اور امت کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حکم کو سنتے ہی اس کی تعمیل کریں بشرطیکہ اس کی بجاآوری میں اللہ عزوجل کی معصیت نہ ہو، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض سرکش اور بدکار اشخاص کو مقررہ 'حد' (سزائے شرعی) معصیت سے باز نہیں رکھتی ایسی صورت میں امام کے لیے جائز ہو جاتا ہے کہ اصلاح سزایاب کی غرض سے مقررہ سزا سے زیادہ سزا دے دی جائے۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اسباب تعزیر کے مختلف ہونے کی صورت میں سزا مختلف نہ ہوگی کہ اس میں اتنی زیادتی کردی جائے کہ وہ کم سے کم حد شرعی کی میعاد تک پہنچ جائے خواہ وہ کسی حیثیت سے ہو، ابوحنیفہؒ کے نزدیک کم سے کم 'حد' (سزا) شراب نوشی کی ہے یعنی چالیس کوڑے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کم سے کم مقدار 'حد' بیس کوڑے ہے، اس لحاظ سے حنفیہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تعزیر انتالیس (۳۹) درّے ہوگی اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک انیس (۱۹) درّے۔

Marfat.com

کھیلنا، اذیت رسانی کے کام میں مال خرچ کرنا، کسی کے خلاف چغلی اور بدگوئی کرنا وزن اور پیمانے میں گھاٹا کرنا یا لہو ولعب میں وقت صرف کرنا وغیرہ اور بہت سی برائیاں ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا، ان تمام جرائم کے لئے شریعت نے نہ کوئی حد (متعین سزا) مقرر فرمائی ہے اور نہ ان کا کوئی کفارہ ہے، پس حاکم کو اختیار ہے کہ ان گناہوں کی پاداش میں قید کر دے یا سزائے ضرب دے تاکہ آئندہ کے لیے مجرم کو دوبارہ ارتکاب سے باز رکھا جاسکے گناہوں (یا جرائم) کے علاوہ بعض سزائیں مخالفت کی بناء پر ہوتی ہیں، مثلاً بیٹے کا اپنے باپ کی مخالفت کرنا، یا ایسی ہی اور باتیں جو بچوں سے سرزد ہوتی رہی ہیں ان سب میں مارنے کی سزا دی جاسکتی ہے لیکن وہ دس دروں سے زیادہ نہ ہونی چاہیے حدیث کا مطلب یہی ہے اور خوب ہے، غرض تعزیر کا میدان بہت وسیع ہے اور حاکم کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ہر ایسے جرم کے بارے میں جس کی حدیا کفارہ شرعاً متعین نہ ہو اقتضائے حال کے مطابق کوئی بھی سزا تجویز کرے خواہ قید ہو یا ضرب یا جلاوطنی کی یا سرزنش یا کچھ اور۔ (۱)

مالکیہ کہتے ہیں کہ سربراہ اعلیٰ کو اختیار ہے کہ اس کی رائے میں جتنے دروں کی سزا مناسب ہو اتنے درے مارے جائیں خواہ ان کی تعداد حد (شرع کی مقرر کردہ سزا) سے زیادہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اسباب سزا کی نوعیت مختلف ہونے پر سزا بھی مختلف ہوگی چنانچہ اگر اس امر میں شبہ ہو کہ مجرم نے (ناجائز طور پر) مباشرت کی اندام نہانی میں یا کسی اور طرح تو اس صورت میں سزائے حد کی کم سے کم تعداد سے زیادہ سزا دی جاسکتی ہے لیکن وہ سزا زیادہ سے زیادہ مقدار حد شرعی سے تجاوز نہ کرے، لہٰذا ایک کم سو درے تک لگائے جائیں لیکن اگر اندام نہانی کے علاوہ مباشرت کی کوئی اور صورت ہو مثلاً بوسہ تو اس کی سزا حد کی کم سے کم تعداد تک نہ پہنچنی چاہیے۔

۱۔ واضح ہو کہ اسلام نے ہر طرح کی سزا دینے کی اجازت صرف حاکم کو دی ہے، پس حاکم کو یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ سزا دینے کا کام مدعی حقدار یا کسی اور کو سپرد کر دے شریعت نے بجز ان تین صورتوں کے اور کسی صورت میں امام کے سوا کسی کو سزا دینے کی اجازت نہیں دی:

اول باپ کہ اسے جائز ہے کہ وہ اپنے نوعمر بیٹے کو تعلیم و تربیت کے لیے یا خوش اطوار بنانے نیز بری باتوں اور بداخلاق سے باز رکھنے کے لیے سزا دے، ظاہر ہے کہ اس حکم میں ماں بھی آتی ہے جس کی نگرانی میں وہ لڑکا یا لڑکی ہوں، اسی طرح اولاد کو نماز کا حکم دینا اور اس کے لیے مارنا جائز ہے، تاہم باپ کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ اپنے جوان بیٹے کو مارے خواہ اس نے کتنی ہی گھٹیا حرکت کی ہو، کیونکہ اولاد کے بڑا ہو جانے کے بعد مار پیٹ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ دوسرا آقا ہے کہ اسے شرع نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے مملوک (لونڈی غلام) کو اپنے اور اللہ کے حقوق کا پاس ادب سکھائے اور سرزنش کرے۔

Marfat.com

بعض حنفیہ نے مالی سزا کی اجازت دی ہے کہ اگر مجرم گناہ سے توبہ کر لے تو مال اسے واپس دے دیا جائے، غرض جرم سرقہ اور تہمت کی سزا اور سزائے قصاص کو نیز ایسی خطاؤں کو جس کے لیے شرع نے کفارہ مقرر فرمایا ہے مثلاً قابل کفارہ قسمیں ہیں اور حالت ناپاکی میں بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے تو تمام اخلاقی اور مالی جرائم اور دوسرے گناہوں کی سزا کا تعین و تجویز حاکم کی رائے پر منحصر

تیسرا خاوند ہے کہ اسے بھی شرعاً جائز ہے کہ بیوی کی سرکشی حکم کی مخالفت اور نافرمانی پر سزا دے قرآن میں اس کی صراحت آئی ہے ''والاتی تخافون نشوزھن فعظوھن، واھجروھن فی المضاجع ،واضربوھن'' (النساء:۳۴) (یعنی جن عورتوں سے سرکشی کا اندیشہ ہے انہیں سمجھاؤ، انہیں بستروں پر الگ پڑا رہنے دو اور بالآخر مارو)، سوال یہ ہے کہ آیا خاوند کو یہ حق ہے کہ نماز اور نیک اعمال کے ترک کر دینے پر انہیں سزا دے، سو ظاہر ہے کہ اسے یہ حق ہے بشرطیکہ وہ سمجھانے بجھانے اور زجر و توبیخ کے باوجود (بدکرداری سے) باز نہ آئے، کیونکہ یہ بھی بات نہ ماننے کے برابر ہے، اور خاوندان میں سے ہے جنہیں یہ حق ہے کہ وہ بیوی کو بدکرداری سے باز رکھے۔

واضح ہو کہ جب کوئی شخص حد (سزائے شرعی) اور کفارہ سے بری ہو تو وہ سزا سے بھی بری ہوتا ہے، مثلاً وہ شخص جو خود اپنے عضو بدن کو کاٹ ڈالے، تاہم کبھی 'حد' کے ساتھ تعزیر بھی دی جاسکتی ہے بلکہ بار بار مرتد ہونے کا جرم ہے، اسی طرح کفارہ کے ساتھ بھی سزا ہو سکتی ہے جیسے کہ ظہار (یعنی بیوی کو ماں کہہ دینے کے جرم) میں ہو سکتا ہے (کہ کفارے کے روزے بھی رکھے اور سزا بھی پائے)، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے یا ماہ رمضان میں عورت سے مباشرت کرنے میں بھی یہ ہو سکتا ہے وغیرہ۔

ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جرائم زنا، سرقہ، نشہ کے استعمال، دنگا فساد یا زنا کی یا قتل کی تہمت لگانے پر ''حد'' (شرعی سزا) نافذ ہو گی اور جان لینے یا اعضائے بدن کے تلف کرنے پر حکم قصاص عائد ہو گا اور مرتد ہونے پر قتل کیا جائے گا، موخر الذکر دونوں صورتوں (یعنی قصاص اور قتل) کو حد سے تعبیر کرنے کے بارے میں اختلاف ہے باقی اور بہت سے گناہ ہیں جن کے مرتکب مستوجب سزا ہیں ان سزاؤں کو بھی حد کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے، ایسے جرائم کی فہرست میں یہ امور آتے ہیں: امانت سے انکار کرنا، لواطت (عمل غیر فطری) جانور سے ملوث ہونا، کسی عورت کا جانور سے حمل رکھوانا، یا عورت کا ہم جنسی استلذاذ، خون کھانا اور بغیر مجبوری کے مردار یا سور کا گوشت کھانا، جادو کے کام کرنا، شراب پینے کی تہمت لگانا، سستی کے مارے نماز ترک کر دینا، ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا بدکاری کے وسائل فراہم کرنا، زکوٰۃ سے روکنا، اجنبی عورت کے ساتھ تخلیہ کرنا، یا بدکاری کے بغیر اور کسی طرح سے عورتوں کے ساتھ اختلاط کرنا یا لواطت (عمل غیر فطری) کے بغیر بے ریش لڑکوں سے خلط ملط وغیرہ۔

سزائے تازیانہ دینے کا طریقہ

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ مجرم کو کھڑا کر کے حد ماری جائے، کیونکہ جرم کے سدباب میں یہ صورت زیادہ کارگر ہے، اس سے مجرم کو زیادہ اذیت ہوتی ہے۔

Marfat.com

متصور ہوگا، کہ وہی جملہ اقسام کی برائیوں پر سزا تجویز کرے گا تا کہ مجرموں کو ارتکاب جرم سے باز رکھا جاسکے۔

اسلامی شریعت کی جزورسی کا بیان

ان احکامات سے شریعت اسلامیہ کی باریکی اور اس کی خوبی کا اظہار ہوتا ہے، اور اس سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ احکامات خدائے دانا و برتر کی جانب سے نازل ہوئے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مختلف احوال وظروف میں انسانی تقاضے مختلف ہوتے ہیں چنانچہ ایک سزا جو کسی خاص طبقہ کے مناسب حال ہو وہ دوسری جماعت کے لئے جن کے طور طریقے مختلف ہوں مناسب نہیں ہوسکتی، لہٰذا ایسی تعزیرات کا تعین کرنا جو تمام حالات کے مطابق ہو ممکن نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے حالات سے آگاہ اور ان کے تقاضائے طبائع سے باخبر ہے سزاؤں کا تعین ارباب حکومت کو سونپ دیا ہے اور انہیں اس امر کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ رعایا کی بہبود پر نظر رکھیں اور ہر ایسے ذریعہ کو کام میں لائیں جس سے بہتر طور پر لوگوں کی اصلاح ہوسکے اور مناسب سزائیں تجویز کر کے معاشرہ کو درست کیا جاسکے، تا کہ عوام امن وامان اور راحت واطمینان سے زندگی بسر کرسکیں۔

مالکیہ اور، بموجب ایک روایت کے، حنابلہ بھی کہتے ہیں کہ مجرم کو سزا کے وقت بٹھا دیا جائے کیونکہ مارنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے زیادہ اذیت کا احساس ہو اور یہ مقصد بٹھا کر سزا دینے سے حاصل ہوتا ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ (سزا کے وقت) صرف تہمت لگانے کی حد (سزا) میں، مجرم کے کپڑے نہ اتارے جائیں، باقی تمام سزاؤں میں کپڑے اتار کر مارا جائے، البتہ پردہ کی جگہ ڈھکی رکھی جائے، تا کہ سزا میں شدت کے باعث جرم کے اعادہ سے باز رکھا جاسکے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خواہ کوئی بھی سزا ہو کپڑے اتار کر نہ دی جائے، البتہ، پوستین، فر، اور تہ دار (یا روئی دار) کپڑے خاص طور پر اتار دیے جائیں اور ایسے لباس میں سزائے ضرب دی جائے کہ اس کی اذیت میں رکاوٹ کا باعث نہ ہو، مثلاً ایک یا دو کرتے ہوں یا ایسا ہی کوئی لباس ہو، کیونکہ اس میں مجرم کو اذیت پہنچتی ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ چہرہ، شرمگاہ، اور سر کو چھوڑ کر تمام بدن پر ضرب لگائی جاسکتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقام ستر، چہرہ پہلو اور کسی ایسی جگہ پر جہاں چوٹ لگنے سے موت واقع ہوجائے ضرب نہ لگائی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ پیٹھ اور اس کے ملحقہ حصوں پر ضرب لگائی جاسکتی ہے، اذیت دینے کے لیے تمام اعضاء پر جا بجا ضرب لگانا واجب نہیں ہے کہ اس میں زیادہ اذیت ہے۔

Marfat.com

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعزیری سزاؤں کے لیے اسلام میں کوئی خاص تشریح نہیں ہے تو اس بارے میں حاکم کا جو عمل ہے آیا اسے شرعی حکم قرار دیا جائے گا یا قانونی؟ (سلسلہ احکام تعزیرات کا) یہ آخری سوال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک آسمان وزمین قائم ہیں تمام اسلامی احکامات میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جس کی سند اسلامی شریعت میں موجود نہ ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس قدر واقعات پیش آتے رہتے ہیں ان سب کی بابت فرداً فرداً نص (صراحت کتاب وسنت) موجود ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی نیا مسئلہ درپیش ہو وہ لازمی طور پر شریعت اسلامیہ کے بنیادی قواعد کے تحت ہوگا۔[1]

ثبوت تعزیرات کی دلیل کا بیان

واضح ہو کہ تعزیر (عمومی سزا کا دیا جانا) آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اس بارے میں (ثبوت کے لیے) ایک ہی حدیث کافی ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے "لا یضرب فوق عشرة اسواط الا فی حد من حدود الله" (متفق علیہ) (یعنی منجملہ حدود اللہ کے کسی حد کے بغیر دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ

۱۔ غرض انسانی معاشرہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کی بابت شریعت اسلامیہ کے اصول میں سے کسی نہ کسی اصل کے تحت حکم موجود نہ ہو، بالخصوص ایسے تعزیری احکامات میں جنہیں نافذ کرنے کی ہدایت حکومت کو دی گئی ہے کہ وہ انہیں اس طرح پر نافذ کریں جو ان کی رائے میں مناسب ہو کہ آئندہ کے لیے جرائم کا سدباب کیا جاسکے، چنانچہ روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ سرِراہ نازنخرے کرتے ہوئے چل رہا ہے جس سے تکبر اور بیہودہ پن کا اظہار ہوتا ہے جو کسی شریف انسان کے شایاں نہیں ہے، آپ نے اس کی مذمت فرمائی اور اس روش کو ترک کردینے کا حکم دیا، وہ شخص حجت کرنے لگا کہ یہ تو میری فطرت میں داخل ہے اور میں اسے ترک نہیں کرسکتا اس پر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے درّے لگانے کا حکم دیا، کچھ دنوں کے بعد آپ نے پھر اسے بیہودگی اور مخنث پن کا مظاہرہ کرتے دیکھا اس بار پھر آپ نے درہ لگانے کا حکم دیا، اسے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ شخص آپ کی خدمت میں آیا اور اس دفعہ اس کی رفتار میں سنجیدگی اور اعتدال تھا، اس نے کہا کہ اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ شیطان جو مجھے چمٹا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا سے وہ بھاگ گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو ایسے ناشائستہ لباس میں دیکھا جو اس عورت کا کردار مشتبہ ہونے کی چغلی کررہا تھا، آپ نے اس کی بابت دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک کنیز ہے آپ نے اسے ڈانٹا، درّہ مارا اور دھمکایا کہ آئندہ اسے ایسی ذلیل حالت میں نہ دیکھیں، چنانچہ اس کے بعد وہ عورت ہمیشہ باوقار حالت میں نظر آئی، ایک

Marfat.com

دی جائے)، اس حدیث میں یہ صراحت ہے کہ حاکم بغرض اصلاح سزائے ضرب دے سکتا ہے، اور اقدامات گناہ میں بھی ایسی سزا دے سکتا ہے جو اس کی رائے میں مزید ارتکاب سے مانع ہو، لیکن گناہ کے ارتکاب کی سزا کے بغیر کسی اور سزا میں دس درّوں سے زیادہ نہ مارے جائیں اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے، پھر یہ بھی ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد صحابہ کبارؓ نے مارنے، قید کرنے اور قتل کرنے تک کی سزا دی ہے اور (روایات سے) ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار علمائے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع کیا اور لواطت (عمل غیر فطری) کے بارے میں مشورہ کیا تو سب نے ایسے شخص کو آگ میں جلا کر ہلاک کر دینے کا فتویٰ دیا جو سزاؤں میں سب سے زیادہ سخت سزا تصور کی جاتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ طریق مباشرت کے علاوہ اور طرح سے مباشرت کی تو آپ نے اسے سو کوڑوں کی سزا دی۔ (۱)

اور حدیث میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز بازار مدینہ سے گزر رہے تھے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام ایاس بن مسلمہ تھا جو مسلمانوں کے عین راستے میں کھڑا تھا، اور چلا چلا کر اپنے مال کی بولی لگا رہا تھا اور لوگوں کا راستہ روکے کھڑا تھا، آپ نے اپنا کوڑا اس پر اٹھا لیا وہ شخص دب گیا، امیر المؤمنین کا ارشاد مان لیا اور ٹھیک ہوگیا۔

غرض ان صورتوں میں گو کوئی حد (سزائے شرعی) مقرر نہیں ہے، لیکن حاکم اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق تعزیرات کے بارے میں تصرف کر سکتا ہے۔

۱۔ یہی حکم بیوی کی سرکشی اور خاوند کو اس کے حق زوجیت سے باز رکھنے کا ہے، بشرطیکہ وہ اس پر قادر ہو (یعنی کسی وجہ سے معذور نہ ہو)، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" والاتی تخافون نشوزھن فعظوھن، واھجروھن فی المضاجع واضربوھن " (النساء:۳۴) (یعنی جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہے انہیں سمجھاؤ اور بستروں پر تنہا چھوڑ دو اور بالآخر مارو) غرض شریعت نے مخالفت پر آمادہ بیوی کو سزائے ضرب کی اجازت دی ہے، اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سرقہ تمر (کھجور کی چوری) کے بارے میں ارشاد فرمایا" اذا کان دون نصاب غرم مثله، وجلدات نکال " (روایت بالفاظ ابوداود و روایت نسائی) (یعنی اگر چرائی ہوئی کھجوریں نصاب سرقہ سے کم ہوں تو اس کے برابر ڈنڈ وصول کرو اور سرزنش کے طور پر درّے لگاؤ) اور امام بیہقی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'صحیح البیہقی' میں یہ روایت نقل کی ہے کہ" ان الامام علیاً کرم الله وجهه، ورضی الله عنه سئل عمن قال لرجل: یا فاسق، یا خبیث، فقال: یعزر " (یعنی امام علی کرم اللہ وجہہ سے ایسے شخص کی بابت دریافت کیا گیا جس نے کسی کو کہا" اے فاسق" " اے خبیث" آپ نے فرمایا ایسے شخص کو سزا دو)، اور آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا" لا یجلد فوق عشرة اسواط الا فی حد من حدود الله تعالیٰ " (یعنی اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے کی صورت میں دس سے زیادہ کوڑے مارے جا سکتے ہیں) یہ حدیث متفق علیہ ہے اور بریدہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے خود اس پر عمل فرمایا اور عہد نبوی ﷺ کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اس پر عمل کیا اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا، نیز تمام ائمہ، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے ایک روایت میں ہے کہ امام علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص کسی عورت کے ساتھ عمل غیر فطری کا مرتکب ہوا آپ نے دو کم سو درے لگائے ایک شخص جس نے اپنے نگینہ پر تصویر بنوائی تھی سو درے لگائے، اسی طرح کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے، غرض درہ زنی کی سزا قرآن، حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تعزیری سزا حد زنا سے زیادہ شدید ہوتی ہے اور زنا کی سزا شراب نوشی کی سزا سے زیادہ سخت ہے اور شراب کی سزا تہمت کی سزا سے زیادہ ہے، تمام سزاؤں میں تہمت کی سزا سب سے ہلکی ہے کیونکہ تہمت کا جرم قطعی نہیں ہوتا تہمت ایک امر کی خبر (یا اطلاع) کا نام ہے جس میں سچ یا جھوٹ ہونے کا احتمال ہوتا ہے، تہمت لگانے والا سچا بھی ہو تو اپنی بات کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کرسکتا اور تعزیری کی ضربات کے زیادہ شدید ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس سزا کا مقصد برائی سے باز رکھنا ہے اور اس میں تخفیف کی یہ صورت ہے کہ تعداد ضربات کم کر دی جائیں، اب اگر (تعداد کی کمی کے ساتھ) چوٹ بھی ہلکی کر دی جائے تو نفاذ سزا کی جو مصلحت ہے وہ فوت ہو جائے گی، کیونکہ سزا جب تک پوری طرح تکلیف دہ نہ ہو گناہ سے روکا نہیں جاسکتا، اسی لیے یہ اصحاب کہتے ہیں کہ سزائے ضرب کے وقت مجرم کے کپڑے اتار دیے جائیں، صرف ستر ڈھکنے کے لیے رہنے دیا جائے مثلاً کوئی تہبند (یا پاجامہ)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تمام سزاؤں کے اندر ضربات میں فرق نہ رکھا جائے سب ضربیں یکساں ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زنا کی سزا تہمت کی سزا سے زیادہ شدید ہو اور تہمت کی سزا شراب کی سزا سے زیادہ سخت ہو، کیونکہ جرم زنا دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے۔

بعض وضاحتیں

علماء نے بتایا ہے کہ چند صورتیں تعزیر سے مستثنیٰ ہیں:

پہلی یہ کہ اگر (احیاناً) کسی اچھے آدمی سے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو اس کی خطا کو معاف کیا جاسکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''اقیلوا من ذوی الھیئات عثراتھم'' (ابوداود) (یعنی اہل ہیئات کی لغزشوں کو نظر انداز کرسکتے ہو لیکن حدود کو نہیں کرسکتے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہاں اہل ہیئات سے مراد ایسا شخص ہے جو برائی سے ناآشنا ہو لیکن اس سے لغزش سرزد ہو جائے اور اس سے وہ توبہ کرلے اور نادم ہو، اگر وہ شخص دوبارہ وہی حرکت کرے تو مستوجب سزا ہوگا۔

دوسرے یہ کہ کوئی شخص خود اپنے عضو بدن کو کاٹ ڈالے یا صورت بگاڑ لے یا آگ میں جلالے تو اسے سزا نہ دی جائے، کیونکہ اس نے پہلے ہی خود کو عذاب میں مبتلا کرلیا ہے۔

تیسری یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ عمل غیر فطری کا مرتکب ہو تو پہلی بار اسے سزا نہ دی جائے بلکہ آئندہ کے لیے تنبیہ کر دی جائے اگر وہ پھر یہی حرکت کرے تو اب اسے سزا دی جائے۔

یاد رہے کہ اصول یعنی باپ دادا کو فروع بیٹے پوتوں کی حق رسی کے لیے سزا نہیں دی جائے گی۔

Marfat.com

چوتھی یہ کہ اگر کسی نے دیکھا کہ ایک غیر شخص اس کی بیوی کے ساتھ آلودہ ہے اور وہ اسی حالت میں اسے قتل کر دے تو اگرچہ حاکم سے پیشدستی کی ہے لیکن اسے کوئی سزا نہ ہوگی بشرطیکہ وہ شخص شادی شدہ ہو کیونکہ اس شخص کی غیرت وحمیت کا جس کی شریعت نے حوصلہ افزائی کی ہے یہی تقاضا تھا۔

پانچویں یہ کہ اگر مرتد پھر مسلمان ہوجائے تو سزا سے بچ جائے گا۔

چھٹی یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا نان ونفقہ دینے میں تاخیر کرے تو بہر حال وہ گنہگار ہے لیکن اس پر اسے تعزیر (سزا) نہ دی جائے۔

ساتویں یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کی قسم کھالے تو اسے سزا بھی ہوگی اور کفارہ بھی ادا کرے گا، اور اگر خاوند بیوی کے ساتھ مباشرت کر کے رمضان کا روزہ توڑ دے تو اسے صرف سزا ہوگی۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام (حاکم) مجرم کو قید کی سزا دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی رائے میں مجرم سزا پا کر جرم سے باز رہے گا، ان تمام مسائل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان کے سربراہ یا اس کے نائب کو یہ حق ہے کہ جرم کے سد باب کے لیے جو سزا چاہے مجرم کو دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ ایسی مناسب سزا تجویز کرے جس سے رعایا کی تادیب واصلاح ہو سکے، کیونکہ ہر فرد مسلم راعی (نگہبان) ہے اور اس کی رعیت (یعنی زیر اثر) کی بہبود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے جواب دہ ہونا ہے، جیسا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں آیا ہے، پس تمام سزاؤں میں سے ہر ایک سزا جسے حاکم مانع جرم تصور کرتا ہے اس کا فائدہ وہی ہے جو دوسرے احکام شرعیہ کا ہے اور اس بارے میں کوئی امر مابہ النزاع نہیں ہے، بالآخر معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اسلامی شریعت سے آگاہ ہے، اس میں غور وفکر سے کام لیتا، اس کی حکمتوں اور اسرار سے واقفیت حاصل کرتا اور اس کے قواعد وضوابط کو سمجھتا ہے اسے عظمت اسلام کے سامنے سر جھکانے کے سوا چارہ نہیں ہے، اسے یقین کامل ہوجائے گا کہ یہ مذہب خدا حکیم وعلیم کی طرف سے آیا ہے، اسلام ان تمام قوانین کا مجموعہ ہے جو انسانی بہبود وخوش بختی کے ضامن ہیں، اس میں ہر ایسے امر کی تفصیل موجود ہے جس کے ساتھ نوع انسان کی بہبود اور ہر قسم کی خرابیوں سے نجات وابستہ ہے، درحقیقت قومی اور جماعتی خوبیوں میں سے کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جس کی ترغیب (اسلام میں) نہ ہو اور کوئی ایسی اخلاقی یا مادی برائی نہیں ہے جس سے منع نہ کیا گیا ہو اور نوع انسان کو اس سے محفوظ نہ رکھا گیا ہو۔

اسلام کا معاشرتی نظام

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ کا معاشرتی نظام ایک ایسی پائیدار اور عمرانی بنیاد پر استوار کیا گیا ہے جو مدت مدید اور سالہا سال گزر جانے پر بھی بوسیدہ نہیں ہوتی، چنانچہ اسلام نے، آزاد معاشرہ میں سے ہر فرد کے تقاضائے حال کے مطابق مناسب حقوق از قسم حفظ مراتب، نفقہ، وراثت وصیت وغیرہ مقرر فرما دیے ہیں، اولاد کو حکم ہے کہ وہ امور معصیت وگناہ سے بچتے ہوئے اپنے والدین کے ہر حکم کو بجالائیں، اور والدین کو حکم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اچھی تربیت دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے" الزموا ابناء کم وعلموھم الادب " (یعنی اپنی اولاد کی تربیت کرو اور انہیں خوش اطوار بناؤ)، نیز باپ دادا اور بیٹے پوتوں کے میراث مناسب حقوق مقرر فرمائے اور میاں بیوی میں سے ہر ایک کے حقوق نیکی اور خوش اسلوبی کے پیش نظر متعین فرمائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف "

Marfat.com

(البقرہ:۲۲۸) (یعنی عورتیں بھی اسی طرح حسن سلوک کی حق دار ہیں جس طرح ان پر عائد ہوتے ہیں) پھر بھائی بہنوں کے باہمی حقوق جو ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں مقرر فرمادیے اس کے علاوہ صلۂ رحمی اور ازدواجی رشتہ داروں سے خوش معاملگی پر زور دیا اور ان کے حقوق بتادیے نیز پڑوسیوں اور اہل شہر کے حق بیان کر دیے اور بالآخر حاکم ومحکوم (یا افسر وماتحت) کے باہمی حسن سلوک کا بیان فرمایا اور جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اسلام باہمی حسن سلوک اور اخلاق دستور العمل کا ایک مکمل ضابطہ ہے۔

قوانین شرعیہ کے اصول کا بیان

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے بنیادی مصالح پر مبنی جملہ مادی اور اخلاقی قاعدوں میں سے کسی کو یہاں تک کہ عادات وخصائل کو بھی جو انسانی فضائل کے ستون ہیں نظر انداز نہیں فرمایا، چنانچہ یہ تک بتادیا ہے کہ کھانے پینے کے کیا آداب ہیں؟ اور لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت، مجلسی آداب، ملاقات، میل جول اور تمام باتیں جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ سے ہے بیان کردی گئی ہیں اور کوئی امر جو ظرف واحوال کے بدلتے رہنے میں پیش آسکتا ہے نظر انداز نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو معاملہ بھی پیش آئے اس کی بابت شریعت اسلامیہ کے عام اصول سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ الہام بتادیا ہے کہ وہ ایسے جامع اور ہمہ رس اصول بیان فرمادیں کہ خواہ کیسا ہی معاملہ پیش آئے اسے اصول شریعت کے تحت طے کیا جاسکے۔

علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں ایسے بکثرت اصول بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے، منجملہ ان کے رسول اللہ ﷺ کے حسب ذیل ارشادات ہیں "کل مسکر حرام" (یعنی ہر نشہ آور شے حرام ہے) اور "وکل عمل لیس علیه امرنا فهو رد" (یعنی ہر ایسی بات جس کی بابت ہمارا کوئی حکم نہیں ہے وہ قابل رد ہے) اور "کل قرض جر نفعاً فهو ربا" (یعنی جو قرض بھی نفع آور ہو وہ سود ہے) "وکل شرط لیس فی کتاب اللّٰه فهو باطل" (یعنی ہر وہ پابندی جو قرآن میں عائد نہیں کی گئی لغو ہے) اور "کل المسلم علی المسلم حرام دمه و ماله و عرضه" (یعنی ہر مسلمان کا خون اس کا مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کل احد احق بماله من ولده و والده و الناس اجمعین" (یعنی ہر فرد مسلم اپنے مال کا زیادہ حقدار ہے بہ نسبت اولاد، باپ اور تمام انسانوں کے) نیز ارشاد فرمایا "کل معروف صدقة" (یعنی ہر نیکی صدقہ ہے) وغیرہ۔

غرض یہ تمام اصول اور اسی طرح کے اور اصول شرعیہ ایسے ہیں کہ جملہ جزئیات پیش آمدہ ان کے تحت آجاتی ہیں، اگر بالفرض کوئی جزئیہ ایسی پیش آئے جس کا جملہ اصول شرعیہ میں سے کسی اصل کے تحت لانا اہل علم کے لئے آسان نہ ہو، تو اسے رسول صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرنا تو آسان ہے کہ "لاضرر ولاضرار" (یعنی دیکھ لو کہ وہ کام بے ضرر بھی ہے اور ضرر رساں بھی نہیں ہے)، یہاں پر "ضرار" کے معنی ضرر رسانی کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ (اپنے کسی عمل سے) دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے۔

Marfat.com

ہر سربراہ پر خواہ وہ حاکم ہو یا نہ ہو واجب ہے کہ وہ اپنے ماتحت کو نقصان پہنچنے سے بچائے، یعنی نہ وہ خود کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ نقصان پہنچانے والوں سے درگزر کرے، اس میں شک نہیں کہ انسان پر سے اس قانون کی پابندی کا ہٹالینا جو تکلیف اور نقصان سے تحفظ کا ضامن ہے اس حدیث کے منافی ہے۔

باغیوں اور سرکشوں کا بیان

تفسیر و توضیح:

اس مسئلہ کی بنیاد حدیث ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آ کر بوجہ ناسازگاریٔ آب و ہوا بیمار ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے مال صدقہ میں سے ایک اونٹنی مع چرواہے کے انہیں بھیجی اور حکم دیا کہ اس کا پیشاب اور دودھ پئیں انہوں نے ایسا ہی کیا اور صحت یاب ہو گئے اور اس کے بعد دین اسلام سے پھر گئے (مرتد ہو گئے) اونٹ چرانے والے کو قتل کر دیا اور اونٹ کو چلتا کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے تعاقب میں آدمی بھیجا اور انہیں واپس لایا گیا، ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے گئے اور آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی، اور دھوپ میں ڈال دیا گیا (روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے بھی چرواہے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ شدت تشنگی سے زمین پر منہ مار رہا تھا اور اسی حالت میں مر گیا، تب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا" انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا، او یصلبوا، او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف، او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا، ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم "(المائدۃ:۳۳) (یعنی خدا اور رسول سے سرکشی کرنے والوں اور زمین پر فساد برپا کرنے کی کوشش کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں یا انہیں زمین کے فیض سے محروم کر دیا جائے (یعنی قید میں رکھا جائے) اس طرح دنیا میں ان کی رسوائی ہوگی اور آخرت میں سخت عذاب سے دوچار ہوں گے)۔

حضرت عکرمہ، حسن بصری اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کے اس گروہ کے بارے میں ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (عدم جارحیت کا) عہد و پیماں کر رکھا تھا، لیکن وہ عہد توڑ دیا اور علاقہ میں فساد برپا کیا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں یا ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیں، (بروایت ابن جریر) اور صحیح بات یہ ہے کہ آیت ایک عام حکم ہے جو مشرکوں اور غیر مشرکین میں سے ہر ایسے شخص کے بارے میں ہے جو ایسی بدکرداریوں کا مرتکب ہو جن کا ذکر حدیث بخاری و مسلم میں آیا ہے، اس کو ابو قلابہ نے جن کا نام عبداللہ بن زید الجرمی البصری ہے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ:" ان نفرا من عکل ثمانیۃ قدموا علی رسول اللہ ﷺ، فبایعوہ علی الاسلام فاستوخموا المدینۃ وسقمت اجسادھم فشکوا الی رسول اللہ ﷺ ذلک فقال: الا تخرجون مع راعینا فی ابلہ فتصیبوا من ابوالھا والبانھا؟ فقالوا: بلی فخرجوا فشربوا من ابوالھا والبانھا فصحوا فقتلوا الراعی وطردوا الابل، فبلغ ذلک رسول اللہ ﷺ فبعث فی آثارھم

Marfat.com

فادر کوا فجئ بھم، فامر بھم فقطعت ایدیھم وار جلھم وسمرت اعینھم، ثم نبذوا فی الشمس حتی ماتوا" (اللفظ لمسلم) (یعنی قبیلہ عکل کے کوئی آٹھ اشخاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر حضور ﷺ سے بیعت کی، مدینہ انہیں موافق نہ آیا وہ گھبرائے اور جسمانی مرض میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی بابت شکایت کی فرمایا، کیا ایسا نہیں کر سکتے کہ ہمارے چرواہے کے ساتھ اونٹنی کو لے جاؤ اور اس کے پیشاب اور دودھ کا استعمال کرو؟ انہوں نے مان لیا اور لے کر چلے گئے اس پیشاب اور دودھ کو پیا اور صحت یاب ہو گئے، اس کے بعد انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹنی کو بھگا دیا، اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو پہنچی، حضور نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا وہ پکڑے گئے اور حضور کے پاس لائے گئے آپ کے حکم سے ان کے سیدھے ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیے گئے، اور آنکھ میں گرم سلائی پھیر دی گئی اور دھوپ میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ مر گئے) یہ روایت بالفاظ مسلم ہے۔ آیت مذکورہ کا نام آیت محاربہ ہے محاربہ کے معنے باہمی ضد اور مخالفت کے ہیں، کافر، ڈاکو اور راہ زن سب اس کے مصداق ہیں، اسی طرح "الا فساد فی الارض" (یعنی زمین کے اندر فساد پھیلانے) کا اطلاق ہر طرح کی مذموم حرکت پر ہوتا ہے، یہاں تک کہ بیشتر اسلاف نے جن میں سعید بن مسیب بھی ہیں فرمایا ہے کہ ملک میں گڑبڑ پھیلا کر درہم و دینار (یا روپیہ پیسہ) بٹورنا بھی فساد برپا کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب المفسدین" (البقرۃ:۲۰۵) (یعنی جب حکومت مل جاتی ہے تو حکمران زمین کے اندر فساد پھیلانے میں لگ جاتا ہے اور کھیتوں کو برباد اور جانوروں کی نسل ختم کرنے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس فساد انگیزی کو پسند نہیں کرتا)۔

" ذلک لھم خزی فی الدنیا " (کے معنے یہ ہیں کہ یہ جو ایسے اشخاص کو قتل کرنے، سولی دینے، ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹنے اور یا ملک بدر کرنے کا ذکر ہے) یہ امور ابنائے نوع کے درمیان ان کی ذلت و رسوائی، شرمساری بے عزتی اور بدحالی واذیت کا موجب ہوگا اور یہ تو سردست دنیا کی سزا ہے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، اس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی، رہے اہل اسلام سو ان کی بابت صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ " اخذ علینا رسول اللہ ﷺ کما اخذ علی النساء الانشرک باللہ شیئاً، ولا نسرق، ولا نزنیٔ، ولا نقتل اولادنا، ولا یعضہ بعضنا بعضاً، فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ تعالی، ومن اصاب من ذلک شیئاً فعوقب بہ فھو کفارۃ لہ، ومن سترہ اللہ فامرہ الی اللہ ان شاء عذبہ، وان شاء عفاعنہ " (یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہم مردوں سے عہد لیا اور اسی طرح عورتوں سے بھی کہ ہم کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے ایک دوسرے کی بدگوئی نہ کریں گے، پس اے لوگو: جو کوئی تم میں سے اس عہد کو پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضرور دے گا اور اگر ان باتوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اس کی سزا مل گئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہوگا اور اگر کسی کے گناہ کو اللہ ہی چھپا دے تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے معاف فرما دے)۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''من اذنب ذنباً فی الدنیا فعوقب به، فاللّٰه اعدل من ان یثنی عقوبته علی عبده، ومن اذنب ذنباً فی الدنیا فستره اللّٰه علیه، وعفاعنه فاللّٰه اکرم من ان یعود علیه فی شیٔ قد عفا عنه '' (بروایت امام احمد و ترمذی وابن ماجہ) (یعنی جس نے کوئی گناہ دنیا میں کیا اور اسے سزا مل گئی تو اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے۔ اور جس نے کوئی گناہ دنیا میں کیا اور اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا اور اسے معاف کر دیا تو اللہ کا کرم اس سے بالاتر ہے کہ معاف کردہ خطا پر دوبارہ عذاب دے) امام ترمذی رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور غریب ہے، حافظ دار قطنی سے اس حدیث کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے روایت کی گئی ہے، تاہم وہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اسے 'مرفوع' قرار دیا جائے (یعنی اس کے راویوں کا سلسلہ آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے کہیں یہ سلسلہ ٹھہرتا نہیں ہے جسے حدیث موقوف کہتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم '' (المائدۃ:۳۴) (یعنی جو لوگ (مجرم) گرفتار ہونے سے پہلے اس گناہ سے توبہ کرلیں وہ اس سزا سے بچ رہیں گے) پس ان لوگوں کی رائے کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں ہے تو آیت کا حکم ظاہر ہے (یعنی توبہ کے بعد باز پرس نہ ہوگی) رہا مسلمان محاربوں (سرکشوں) کا معاملہ سو اگر ایسے لوگ (یعنی مسلمان فساد انگیز اشخاص) اگر گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو قتل، سولی اور پاؤں کاٹنے کی سزا ان پر عائد نہ ہوگی، رہا یہ کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم بھی ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں لیکن از روئے آیت زیادہ قوی رائے یہ ہے کہ تمام ہی سزائیں ساقط ہو جائیں گی، صحابہؓ نے اسی پر عمل فرمایا ہے

امام شعبیؒ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''جاء رجل من مراد الی ابی موسیٰ وهو علی الکوفة فی امارة عثمان رضی اللّٰه عنه، بعد ما صلی المکتوبة فقال: یا ابا موسیٰ هذا مقام العائذ بک انا فلان بن فلان المرادی واذکنت حاربت اللّٰه ورسوله وسعیت فی الارض فساداً، وانی تبت قبل ان تقدروا علی، فقام ابو موسیٰ فقال: ان هذا فلان بن فلان وانه کان حارب اللّٰه ورسوله، وسعی فی الارض فساداً، وانه تاب من قبل ان نقدر علیه فمن لقیه فلا یعرض له الا بخیر، فان یک صادقاً فسبیل من صدق، وان یک کا ذباً تدر که ذنوبه، فاقام الرجل ماشاء اللّٰه ثم انه خرج فادر که اللّٰه تعالیٰ بذنوبه فقتله ''۔ (یعنی مراد کا ایک شخص ابو موسیٰ کے پاس آیا اور وہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں کوفہ کے حاکم تھے فریضہ صلوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس نے کہا اے ابو موسیٰ یہاں پر میں آپ کی پناہ مانگنے آیا ہوں، میں فلاں بن فلاں مرادی ہوں، میں نے اللہ اور اس کے رسول سے سرکشی کی اور زمین پر فساد پھیلاتا رہا لیکن قبل اس کے کہ میں گرفتار ہوتا میں نے توبہ کرلی ہے، ابو موسیٰ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ شخص فلاں بن فلاں ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول سے سرکشی کی اور زمین میں فساد پھیلانے پر تلا رہا لیکن قبل اس کے کہ اسے گرفتار کیا جاتا اس نے توبہ کرلی ہے لہٰذا جو شخص اس سے ملے بھلائی سے اس کے ساتھ پیش آئے، اگر وہ سچا ہے تو اس کا راستہ کھلا ہے، اگر جھوٹا ہے تو اپنے گناہ میں پکڑا جائے گا اس کے بعد مشیت الٰہی سے وہ شخص اٹھا اور باہر آیا، اللہ نے اس کے گناہوں میں اسے پکڑا اور قتل ہوا)۔

Marfat.com

رہزنوں کے متعلقہ احکامات کا بیان

ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص عام گزرگاہوں پر نکل آئے ہتھیار اٹھالے اور مسافروں کو خوف زدہ کر دے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا ذمی یا پناہ گیر یا برسر جنگ تو وہی محارب (سرکش آمادہ حرب) ڈاکہ مارنے والا ہے اور اس پر وہی احکام نافذ ہوں گے، جو محارب (دشمن جنگجو) پر ہوتے ہیں، اگرچہ وہ تنہا ہو، اور اس پر بھی سب متفق ہیں کہ ایسے محاربین میں سے کوئی شخص اگر قتل کر دے اور مال لوٹ لے تو اس پر حد (شرعی سزا) کا نفاذ واجب ہے، اگر مقتول کے ورثاء معاف کر دیں اور لوٹا ہوا مال چھوڑ دیں تو جہاں تک حد (سزا) کا تعلق ہے اس پر اس معافی کا کوئی اثر نہ ہوگا، اگر ان ڈاکوؤں میں سے کوئی گرفتار ہونے سے پہلے مرجائے تو سزا ساقط ہو جائے گی کیونکہ شرعی سزائیں اللہ عزوجل کا حق ہیں، البتہ بندوں کے حقوق جو جانی، مالی اور جراحت رسانی کے باعث لازمی ہوں گے ان کا مطالبہ برقرار رہے گا، تا آنکہ اسے معاف نہ کیا جائے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ڈاکوؤں پر اسی ترتیب سے 'حد' نافذ ہوگی جیسا کہ آیت شریفہ میں مذکور ہے، اب اگر رہزنوں کا گروہ یا فرد واحد جو راستہ روک سکتا ہو رہزنی کے ارادے سے نکل پڑے اور قبل اس کے کہ مال کو لوٹ سکتا یا کسی کو قتل کر سکتا گرفتار ہو جائے تو امام (حاکم وقت) ایسے ڈاکوؤں کو قید میں رکھے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کریں، یہاں قید سے مراد قید بامشقت ہے، اگر ڈاکوؤں نے کسی مسلمان یا ذمی (غیر مسلم رعایا) کا مال لوٹا اور اپنے ساتھیوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک کو دس درہم یا اس سے زیادہ رقم ملی یا اسی مالیت کا مال ملا تو حاکم ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹوا دے گا، اگر انہوں نے قتل کیا اور مال نہیں لوٹا تو انہیں 'حد' کے طور پر قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے معاف کرنے سے سزائے قتل ساقط نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ رہزنوں کو محاربوں میں شمار کیا گیا ہے اور بیابانوں میں مال کا محافظ اللہ ہوتا ہے، اگر ڈاکوؤں نے مال زبردستی چھینا ہے تو وہ محارب قرار پائیں گے، اگر انہوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو امام (حاکم) کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دے یا انہیں قتل کر دے یا سولی دے کر ہلاک کرے دونوں سزائیں ایک ہی ہیں، جرم کی شدت کے اعتبار سے سزا میں بھی سختی ہوگی، چنانچہ قتل کرنا اور مال لوٹنا انتہائی بدامنی ہے، پس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سزا کو چاروں حالتوں میں تقسیم کیا جائے (یعنی محض قتل، ڈاکہ محض لوٹ مار دونوں اور یا اس سے پہلے گرفتاری)۔

مالکیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ محارب وہ ہے جو راستہ روک دے اگرچہ مال لوٹنے کا ارادہ نہ ہو بلکہ مسافروں کو سفر کے فائدے سے محروم کرنا چاہتا ہو، یا کسی ناجائز طریقہ سے ایک مسلمان یا ذمی یا معاہد کا مال ہتھیانا چاہتا ہو، گو وہ مال نصاب سرقہ کے برابر نہ ہو یا پھر کسی کی آبروریزی کا اس طرح ارادہ رکھتا ہو کہ اس کی فریاد نہ کی جاسکے اور چھٹکارا ممکن نہ ہو، اس میں وہ جابر وظالم حاکم بھی شامل ہیں جو اس طرح استحصال کرتے ہوں کہ اس کی فریاد علماء یا کسی اور سے نہ کی جاسکے، یہ سب لوگ محارب ہیں، محارب قرار دیے جانے کے لیے گروہ کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک فرد واحد کو بھی محارب قرار دیا جاسکتا ہے جو شہر کا باشندہ ہو اور کسی کو اذیت دینے پر تلا ہوا ہو، اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ عوام کو اذیت دے اسی میں وہ شخص بھی آتا ہے جو کسی کی عقل زائل کر دینے کا عمل کرتا ہو، مثلاً کسی کا مال جبر وظلم سے اڑا لے جانے کے لیے بھنگ یا

Marfat.com

دھتورا پلا دے اور وہ بھی محارب ہے جو کسی صاحب تمیز شخص (ہوش وحواس والے) کو اس کا مال ہتھیانے کے لیے فریب دے، خواہ یہ شخص لڑکا ہو یا بالغ اسے دھوکے سے کہیں پرلے جا کر اس کا مال لے لے، گو قتل نہ کرے یا کسی تنگ گلی کوچہ یا گھر میں رات کو یا دن کے وقت داخل ہو کر اس کا مال چھیننے کے لیے اس پر حملہ کر دے بایں طور کہ اس کے خلاف نہ کوئی مدد کر سکے اور نہ چیخ پکار کر سکے اور نہ کوئی مدد حاصل کی جا سکے یہاں تک کہ مار پیٹ کر مال لے جائے تو وہ بھی محارب ہے اگر یہ محارب جنگ میں پیش دستی نہ کرے تو پوچھ گچھ کے بعد اسے قتل کیا جائے اگر محارب نے قتل کیا ہے تو اسے قتل کا مجرم قرار دیا جائے گا خواہ وہ قتل مستوجب قصاص ہو جیسے کسی آزاد مسلمان کا قتل کرنا یا نہ ہو جیسے کافر یا غلام کا قتل۔ اس محارب کو بہر حال قتل کیا جائے گا۔ سولی دے کر یا بغیر سولی کے، محض ہاتھ کاٹنا یا قید کرنا کافی نہیں ہے، بشرطیکہ اس نے توبہ نہ کی ہو، اگر محارب نے کسی کو قتل نہیں کیا اور گرفتار ہو گیا تاہم حاکم کو اختیار ہے کہ ان چار قسم کی سزاؤں میں سے کوئی بھی سزا دے، اول قتل دوسرے سولی پر چڑھانا، جسے مصلوب کرنا کہتے ہیں، تیسرے دائیں ہاتھ کو پہنچوں سے اور بائیں پاؤں کو ٹخنوں سے کاٹ دینا، اگر اس کا بایاں پاؤں کٹا ہوا ہو تو بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں کاٹا جائے، اگر چہ وہ اس سے مر جائے، اگر مجرم کا داہنا ہاتھ کٹا ہوا یا شل (ناکارہ) ہو تو بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں کاٹا جائے گا صرف ایک ہاتھ یا ایک پاؤں ہو تو وہ کاٹ دیا جائے، اگر کسی کے صرف دو ہاتھ یا دو پاؤں ہیں تو صرف دایاں ہاتھ یا بایاں پاؤں کاٹا جائے اور چوتھی سزا یہ ہے کہ مرد آزاد مجرم کو فدک اور خیبر جیسی جگہ پر جلاوطن کر دیا جائے اور ایک سال سے زیادہ اور توبہ کر لینے تک قید میں رکھا جائے اور حاکم اگر مناسب سمجھے تو ایسے اشخاص کی تنبیہ کے لیے اپنی رائے کے مطابق جلاوطن کرنے سے پہلے سزائے ضرب دے۔

واضح ہو کہ محاربہ بر (ڈاکہ مارنے والی) اگر عورت ہو تو اسے نہ سولی دی جائے گی اور نہ جلاوطن کیا جائے گا۔ اس کی سزا صرف قتل یا مختلف سمتوں سے ہاتھ پاؤں کاٹنا ہے۔ اگر مجرم غلام ہے تو اس کی سزا قتل ہے یا سولی دینا یا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کاٹنا ہے، اسے جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قطع طریق (یا رہزنی) کہتے ہیں، مال کو لوٹنے قتل کرنے یا (رہروؤں کو) ہیبت زدہ کرنے کے لیے زبردستی اور طاقت کے بھروسے پر تل جانے کو، جہاں سے کسی کی فریاد نہ سنی جا سکے، اس کو راہ زنی اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے لوگوں کو خوف زدہ کر کے اس راستے پر گزرنے سے روکا جاتا ہے، خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا نہ ہوں، ہاں ان میں اتنی طاقت ہو کہ ایک جماعت پر غالب آ سکیں خواہ تھپڑ اور مکے ہی سے ممکن ہو، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (رہزنی قرار دینے کے لیے) مجرم کا ہتھیار بند ہونا ضروری ہے، اگر رہزن (ڈاکو) کسی کو قتل کرنے، مال لوٹنے یا آبروریزی سے پہلے ہی گرفتار ہو جائے تو امام (حاکم) پر واجب ہے کہ اس جرم کے ارتکاب پر یعنی حرب (شورش) کی پاداش میں اسے سزائے قید دے، اس پر حدیا کفارہ عائد نہ ہوگا، آیت کریمہ (کے لفظ ینفو) میں جو نفی (قید) کا ذکر آیا ہے اس کی تفسیر یہی ہے اور سزا کی تجویز کا اختیار امام (حاکم وقت) کو ہے، چنانچہ جائز ہے کہ سزائے قید وضرب دونوں کو جمع کر دے، اور بتقاضائے مصلحت اس سے درگزر بھی کر سکتا ہے نیز قید کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہے بلکہ جب تک اس کی توبہ پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے وہ قید میں رکھا جا سکتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قید کی میعاد چھ ماہ سے کسی قدر کم ہونی چاہیے تاکہ غلام کو ارتکاب زنا کی پاداش میں جو سزائے قید دی جاتی ہے اس کی میعاد سے زیادہ نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قید کی میعاد ایک

Marfat.com

سال سے کچھ کم ہونی چاہیے تا کہ آزاد شخص کو زنا کی پاداش میں جو قید ہوتی ہے اس سے زیادہ نہ ہو، اور بہتر یہ ہے کہ مجرم کو اس کی رہائش گاہ (یا بستی) کے علاوہ کسی اور جگہ پر قید کیا جائے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے اور تنبیہ کے لیے زیادہ مؤثر ہے، اگر مجرم بھاگے تو اسے طلب کر کے حد نافذ کی جائے۔

حنابلہ کی دو روایتوں میں سے ایک کے بموجب اگر ڈاکو قتل کرنے یا مال لوٹنے سے پہلے گرفتار ہو جائے تو اسے زمین کے فوائد سے محروم (یعنی قید) کر دیا جائے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی بستی میں پناہ لینے کا موقع نہ دیا جائے، اگر ڈاکوؤں نے مال لوٹا ہو اور کسی کو قتل نہ کر سکے ہوں تو امام (حاکم) ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں کے کاٹ کر چھوڑ دے، داہنا ہاتھ تو مال لوٹنے کی پاداش میں کاٹا جائے گا اور بایاں پاؤں فساد برپا کرنے، ڈاکہ ڈالنے اور پرامن شہریوں میں ہراس پیدا کرنے اور حکومت کے خلاف سرکشی کرنے کی پاداش میں کاٹا جائے گا، اگر انہوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو لازمی طور پر انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر لٹکایا جائے، اگر قتل کیا اور مال نہیں لیا تو انہیں لازمی طور پر قتل کیا جائے گا۔

مجرم کو سولی پر قتل کے بعد لٹکایا جائے گا، اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ تین دن تک سولی پر لٹکا کر رکھا جائے، بلکہ سولی دینے کا اطلاق ہو جانا کافی ہے لہٰذا تھوڑی دیر کے لیے سولی پر لٹکا کر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ سولی کی سزا مشروع ہے اور سولی کے وقت الٹا نہ لٹکایا جائے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ رہزنوں کے ہاتھ پاؤں کو مخالف سمتوں سے کاٹے جانے کے لیے شرط یہ ہے کہ انہوں نے مال لوٹا ہو اور ان میں سے ہر ایک کو اس قدر مال ملا ہو جو نصاب سرقہ واجب الحد کی مقدار کے برابر ہو یہ مقدار امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک دینار یا دس درہم نقد یا اسی قیمت کا مال ہے اور حنابلہ و شافعیہ کے نزدیک ایک چوتھائی دینار یا تین درہم ہے جیسا کہ سرقہ مستوجب قطع میں ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ڈاکہ مارنے کی صورت میں (مستوجب سزا ہونے کے لیے) یہ ضروری نہیں ہے کہ لوٹ کا مال مقدار نصاب کے برابر ہو بلکہ اگر (لوٹا ہوا مال) مقدار نصاب سے کم ہو تب بھی ان پر حد نافذ ہوگی کیونکہ ڈاکہ ڈالنے میں مال لینے کے علاوہ محاربہ (فساد انگیزی) کا جرم بھی شامل ہے، لہٰذا ان پر سزا کی شدت بحیثیت ڈاکہ ڈالنے کے ہے نصاب سرقہ کے پیش نظر نہیں ہے۔

ڈاکوؤں کے جتھے کا بیان

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ محاربوں (ڈاکوؤں) کا ایک جتھا ہو اور ان میں سے کچھ لوگ تو لوٹ مار کرنے والے ہوں اور کچھ مرتد ہوں تو مرتدوں کو بہر حال محاربوں میں شمار کیا جائے گا اس لیے کہ ان میں حربی ہونے کی صفت (ارتداد) موجود ہے جو (مستوجب سزا ہونے کے لیے) کافی ہے خواہ وہ قتل میں شریک ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، پس ان سب پر حد کا نفاذ ہوگا، جو محاربہ (شورش انگیزی) کی سزا ہے اور یہ اس طرح ثابت ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون ہیں، یہاں تک کہ اگر ان کے ارادہ میں کوتاہی ہو تو اس کو پورا کرنے کے لیے سب مل کھڑے ہوں گے، اور ان (سب کے واجب القتل ہونے) کے لیے شرط یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی فرد واحد کا ارتکاب قتل ثابت ہو گیا ہو، اب یہ قتل خواہ لاٹھی سے ہوا یا پتھر سے یا تلوار سے، سب کا حکم ایک ہے، کیونکہ ان سب نے راہ روک لوٹ کر رہزنی کا جرم کیا ہے۔

Marfat.com

روایت ہے کہ یہ واقعہ ولید بن عقبہ کے عہد میں جبکہ وہ کوفہ کے حاکم تھے پیش آیا کہ کوفہ کے نوجوانوں کی ایک جماعت نے وہاں کے ایک شخص کے گھر میں نقب لگائی اور اسے قتل کر دیا اس کا ایک پڑوسی وقوعہ کے وقت وہاں پہنچ گیا اور انہیں دیکھ لیا اس نے پولیس کو پکارا جس نے آ کر انہیں گرفتار کر لیا، ان کا معاملہ حاکم کے پیش ہوا اور ان پر جرم قتل ثابت ہو گیا چنانچہ وہ سب قتل کر دیے گئے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ڈاکوؤں سے مل گیا جس سے ان کی تعداد زیادہ ہو گئی لیکن نتیجۃً اتنی ہی رہی بایں طور کہ اس نے مقدار نصاب سرقہ کے برابر مال نہیں لیا اور کسی کو قتل بھی نہیں کیا تب بھی حکومت اسے قید یا جلاوطنی وغیرہ کی سزا دے گی جیسا کہ دوسرے جرائم میں ہوتا ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے "من کثر سواد قوم فھو منھم" (یعنی جس نے کسی جماعت میں شامل ہو کر اس کی تعداد میں اضافہ کر دیا، وہ اسی جماعت میں شامل متصور ہو گا) پس حکومت مذکورہ سزاؤں میں سے جونسی سزا بھی چاہے انہیں دے سکتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی سزا ایک جگہ پر جہاں حاکم مناسب سمجھے قید کر دینا ہے کیونکہ آیت میں ان کے لیے نفی (قید) کی سزا آئی ہے۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنا بھی ایسا ہی جرم ہے جیسے شہر کے باہر رہزنی کرنا پس محاربہ (یعنی شورش برپا کرنا) یا حدود سے تجاوز کرنا جیسا کہ شریعت میں آیا ہے، خواہ شہر سے باہر ہو یا شہر کے اندر دوسرے گناہوں کی طرح یکساں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ڈاکہ کا جرم اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر سے باہر کا وقوعہ ہو، کیونکہ رہزنی کا اطلاق آبادی سے باہر کے وقوعہ پر ہوتا ہے اور ڈاکہ ڈالنے کا مطلب بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے کیونکہ عام حالات میں وہی ایسی جگہ ہے جہاں کوئی فریاد رسی کرنے یا ڈاکوؤں سے نجات دلانے والا نہیں ہوتا، بخلاف اس کے اگر کسی نے شہر کے اندر ڈاکہ ڈالا تو وہاں بہت سے لوگ فریاد رسی کرنے والے موجود ہوتے ہیں لہٰذا شہر کے اندر یہ جرم (ڈاکہ کی بجائے) جرم غصب (ناجائز طور پر ہتھیا لینے) سے زیادہ مشابہ ہے، پس ایسے شخص کو حکومت جو سزا مناسب سمجھے دے سکتی ہے جس سے ان جرائم کی بیخ کنی اور ان کا سدباب ہو سکے، پھر وہ مال جو چھینا گیا ہے اس کے حقداروں کو واپس کر دیا جائے تاکہ حقدار کو اس کا حق مل جائے اور اس جرم مستوجب قطع کے مرتکبوں کی تنبیہ و تادیب ہو سکے، اور اگر وہ قتل کے مرتکب ہوئے ہوں تو مطالبۂ خون کا معاملہ حقداروں کے سپرد کر دیا جائے۔

ڈاکوؤں کا کسی شخص کو زخمی کر دینے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ڈاکوؤں نے قتل نہیں کیا اور نہ مال چھینا بلکہ کسی کو زخمی کر دیا تو جن صورتوں میں قصاص واجب ہے، قصاص لیا جائے اور جن صورتوں میں جرمانہ عائد ہوتا ہے جرمانہ وصول کیا جائے اور یہ معاملہ مجروح کے وارثوں کا ہے، کیونکہ بصورت موجودہ وہ جرم مستوجب حد نہیں ہے (جو حقوق اللہ میں سے ہے) البتہ اس میں بندہ کا حق غالب ہے، جیسا کہ ذکر ہوا، پس ولی اپنا وہ حق وصول کرے گا، اگر مجرم نے مال لیا پھر زخمی بھی کیا تو مجرم کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے، اور جراحت کو نظر انداز کر دیا جائے گا، کیونکہ جب جرم مستوجب حد جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے قرار پائے تو

Marfat.com

عصمت نفس جو بندے کا حق ہے نظر انداز کر دیا جائے گا، اسی طرح مال کا حق تحفظ بھی ساقط ہو جاتا ہے (یعنی حق اللہ پورا کرنے کے بعد نہ بندے کی جان کا حق باقی رہتا ہے نہ مال کا)۔

اگر مجرم قتل عمد کا مرتکب ہوا اور اس نے توبہ کر لی اس کے بعد گرفتار ہو گیا تو اب مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اور چاہیں تو معاف کر دیں کیونکہ توبہ کرنے کے بعد (حق اللہ جاتا رہتا ہے اور) حد نافذ نہ ہو گی قرآن میں اس کی استثناء آئی ہے "الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم" (یعنی ان لوگوں پر حد نافذ نہ ہو گی جنہوں نے گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لی) اور اس لئے بھی کہ توبہ مال (مسروقہ) کے واپس کرنے پر موقوف ہے جس کے بعد سزائے قطع نہیں ہوتی، غرض جان و مال کے بارے میں بندے کے حق کو فوقیت حاصل ہے، یہاں تک کہ ولی کو یہ حق ہے کہ پورے قصاص کا مطالبہ کرے، یا معاف کر دے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ڈاکہ ڈالنے والے نے قتل کا ارتکاب کیا ہو تو سزائے قصاص کے مفہوم کو فوقیت حاصل ہو گی، کیونکہ ایسی صورتوں میں جہاں اللہ کا حق اور بندے کا حق دونوں مجرم پر عائد ہوتے ہوں تو آدمی کے حق کو مقدم رکھا جائے گا کیونکہ یہ اس سختی کی بناء پر عائد ہوتا ہے جو مدعی جھیلتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رہزن پر جو حد عائد ہوتی ہے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا حق ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی معافی نہیں ہوتی اور وارث مطالبہ نہ کرے تب بھی حکومت اسے پورا کرے گی۔ پس پہلی صورت میں (جبکہ سزا کا مطالبہ بندے کا حق تصور کیا جائے) باپ اگر ڈاکو ہو اور اپنے بیٹے کو (بدوران رہزنی) قتل کر دے تو باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ذمی کے قتل کر دینے پر مسلمان ڈاکو کو قتل کیا جائے اسی طرح ایسی صورت میں یہ حکم ہے جس میں مکافات (یعنی جرم کا بدلہ ویسی ہی سزا) نہ ہو جیسے کوئی آزاد شخص غلام کو قتل کر دے، کیونکہ اس میں مکافات نہیں ہے بلکہ دیت یا (غلام کی) قیمت واجب الادا ہو گی، دوسری صورت میں (جبکہ سزا کو اللہ کے حق کی ادائیگی تصور کیا جائے) قاتل کو سزائے قتل ہو گی بشرطیکہ مقتول واجب التحفظ نہ ہو مثلاً کوئی مرتد ہو یا شادی شدہ زانی (کہ ایسے اشخاص واجب القتل قرار دیے جا چکے ہوتے ہیں) ان کے قاتل (رہزن) کو سزائے قتل نہ ہو گی۔

اگر کسی ڈاکو کو ہنوز سزائے قتل نہ دی گئی ہو بلکہ وہ اپنی موت مر جائے تو پہلی صورت (یعنی حق العبد) میں آزاد شخص کے قتل کی پاداش میں اس پر خون بہا عائد ہو گا جو مجرم متوفی کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا اور غلام کے قتل کرنے کی پاداش میں غلام کی قیمت واجب الادا ہو گی اور دوسری صورت (یعنی حق اللہ قرار دیے جانے) میں کوئی مطالبہ لاگو نہ ہو گا۔

اگر راہزن نے متعدد اشخاص کو ایک ساتھ قتل کیا ہو تو مجرم ڈاکو کو اس مقتول کے بدلہ میں جس کے نام قرعہ نکلے قتل کیا جائے اور باقی مقتولوں کے لیے پہلی صورت میں خون بہا عائد ہو گا جیسے سزائے قصاص عائد ہوتی ہے اور دوسری صورت میں اسے تمام مقتولوں کے بدلہ میں قتل کیا جائے، اگر اس ڈاکو نے (متعدد اشخاص کو) یکے بعد دیگرے قتل کیا، تو لازم ہے کہ پہلے کے بدلے میں اسے سزائے قتل دی جائے۔

اگر مقتول کا وارث مال لے کر قصاص معاف کر دے تو پہلی صورت میں اس کا معاف کرنا درست ہے، صرف مال معاوضہ واجب الادا ہو گا، قصاص سے درگزر کیا جائے گا اس کے علاوہ بہر حال مجرم کو حد کے طور پر قتل کیا جائے گا، جیسا

Marfat.com

کہ واجب القصاص مرتد کہ مقتول کے ولی نے معاف کردیا ہو تب بھی بہر صورت اسے قتل کیا جائے، دوسری صورت میں یہ معافی لغو متصور ہوگی اور اس پر عمل نہ ہوگا۔

اگر کسی کو بھاری چیز سے قتل کیا یا عضو کاٹ کر یا کسی بھی طریقہ سے ہلاک کیا تو بصورت اول مجرم کو بھی اسی طرح قتل کیا جائے اور بصورت دیگر مرتد کی طرح تلوار سے قتل کیا جائے۔

اگر رہزن کسی شخص کو ایسی جراحت پہنچائے جو مستوجب قصاص ہے مثلاً ہاتھ کاٹ دے اور زخم اچھا ہو جائے تو بقول قوی یہ ضروری نہیں ہے کہ قصاص میں مجرم کے اسی عضو بدن کو کاٹا جائے جو عضو اس نے کاٹا تھا، بلکہ مجروح کو اختیار ہے کہ وہ قصاص لے یا معاف کردے، کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے جیسے کفارہ، اور اس میں (عضو کا کاٹنا لازم قرار دینا) اللہ کے حق میں سختی کا روا رکھنا ہے، اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت (محاربہ) میں جراحت کا ذکر نہیں فرمایا، لہٰذا رہزنی کے علاوہ اور صورتوں میں جو حکم ہے وہی برقرار رکھا جائے گا، لیکن دوسری صورت میں یہ حکم لازم ہوگا، جیسے جان کا بدلہ جان لازم ہے، اور تیسرے یہ کہ ہاتھوں اور پیروں کی سزا میں ان اعضاء کا قطع لازم ہے، کیونکہ ان اعضاء کے زیاں پر حالت حرب میں قصاص کا حق عائد ہوتا ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ جو سزائیں خاص طور پر ڈاکوؤں پر عائد ہوتی ہیں مثلاً قتل، سولی، پاؤں اور ہاتھ کاٹنا وہ سب سزائیں بقول صحیح ساقط ہو جاتی ہیں بشرطیکہ مجرم توبہ کرلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم'' (تا آخر آیت) (یعنی وہ لوگ ان سزاؤں سے بچ جائیں گے بشرطیکہ گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں) لیکن گرفتاری کے بعد توبہ کرنے سے یہ سزائیں ساقط نہ ہوں گی۔ آیت کا یہی مفہوم ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں جو ''من قبل'' کی قید آئی ہے وہ بے فائدہ ہو جاتی، دونوں حالتوں میں معنوی لحاظ سے یہ فرق ہے کہ گرفتار ہونے کے بعد (توبہ) سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ سزائے حد سے بچنے کے لیے توبہ کی ہے، بخلاف اس کے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرنا صدق دل سے زیادہ قرین قیاس ہے بہ نسبت الزام عائد ہونے کے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ڈاکوؤں کا لوٹا ہوا مال اس کے دعویداروں کو واپس کیا جانا واجب ہے بشرطیکہ دعویدار اس کی نشاندہی کریں جیسا کہ گری پڑی یا گم شدہ مال کی صورت میں ہوتا ہے، ان اشیاء کی تصدیق اور بازیابی کے لیے مدعی کو قسم کھانا ہوگا یا پھر مدعی اپنے ساتھیوں میں سے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کرے (کہ فی الواقع وہ مال مدعی کا ہے) اس کے بعد گرفتار ہو جانے والے مجرم سے ہتھیائی ہوئی اشیاء واپس لی جائیں گی، اگرچہ وہ اشیاء انہوں نے زبردستی یا غصب کر کے حاصل نہ کی ہوں، واضح ہو کہ اگر یہ فسادی (ڈاکو) پناہ مانگیں تو انہیں پناہ نہ دی جائے، ہاں ایسے ڈاکوؤں کی سزائے (حد) ساقط ہو جائے گی جو گرفتار ہونے سے پہلے، حاکم یا اس کے نائب کے سامنے رضا کارانہ طور پر حاضر ہو کر توبہ کا اظہار کریں، بشرطیکہ قتل کا ارتکاب نہ کیا ہو، ورنہ قصاص کے طور پر سزائے قتل ہوگی درآنحالیکہ مقتول کے وارث نے خون معاف نہ کردیا ہو، اگر اس نے خون معاف کردیا ہو تو سزائے قصاص معاف ہو جائے گی لیکن زنا، تہمت، شراب اور قتل کی سزا معاف نہ ہوگی جبکہ مجرم نے گرفتار ہونے کے بعد توبہ کی بلکہ اس پر 'حد' نافذ ہوگی، اور محارب (یعنی سرکش، ڈاکو وغیرہ) ہونے کے الزام گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرنے سے ساقط نہ ہوگا جیسا کہ تاوان ساقط نہیں ہوتا اور

Marfat.com

جو کچھ اس پر عائد ہوتا ہے وہ اس سے بری نہیں ہو سکتا اگرچہ حاکم کے سامنے پیش نہ ہوا ہو۔

رہزنی میں عورت کی شمولیت کا بیان

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت ڈاکوؤں کی جماعت میں شامل ہو جائے اور قتل کرنے اور مال لوٹنے میں ان کا ساتھ دے تو اسے بھی بطور 'حد' کے قتل کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر رہزنوں کے منجملہ کوئی عورت بھی ہو تو اسے بھی قصاص میں قتل کیا جائے اور تاوان وصول کیا جائے گا، اگر کوئی نابالغ یا جنون زدہ شخص ڈاکوؤں کے ساتھ مل جائے یا جس پر ڈاکہ ڈالا اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی ڈاکہ مارنے میں شریک ہو تو (اس کے ساتھ) باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ سب کا جرم ایک ہی نوعیت کا ہے۔ اگر مجرموں میں سے کسی کا جرم مستوجب سزا قرار نہ دیا جائے تو باقی مجرموں کا جرم سزا کا جزوی سبب ہوگا اور ایسی صورت میں حکم ثابت نہیں ہوتا اور اس کی حیثیت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص عمداً جرم کرنے والے کے ساتھ غلطی سے شریک جرم ہو گیا ہو۔ مظلوم کے قریبی رشتہ دار پر سزا واجب نہ ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس شخص کے مال میں جسے لوٹا گیا ہے یہ رشتہ دار (ڈاکو) بھی شریک ہو۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حکم غیر مشروط ہے، کیونکہ جرم کی نوعیت ایک ہے جو سب پر عائد ہوتی ہے (اگر ایک بری ہو تو سب بری ہوں گے)۔

حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی (ڈاکو) نے زنا کیا، شراب پی اور سرقہ کیا اور حرب وغیرہ کے جرم میں مستوجب قتل قرار پایا تو اسے قتل کیا جائے گا لیکن اسے سزائے قطع وسزائے تازیانہ نہ دی جائے گی اور (قتل کے سوا) باقی حدیں نافذ نہ ہوں گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تمام سزائیں پوری کی جائیں گی اور ایک سزا کو مطلقاً دوسری میں شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک جرم کی حد (شرعی سزا) مقرر ہے۔

رہزنوں کی میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ قتل کرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگر سولی پر لٹکایا گیا ہو تو ستون دار (یعنی سولی یا ٹکٹکی) کے پیچھے جنازہ کی نماز ادا کی جائے۔ بعض اصحاب نے کہا ہے کہ (مجرم کو) تین دن سے زیادہ سولی پر لٹکا رہنے نہ دیا جائے تاکہ اس کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

توبہ کر لینے والے کی شہادت کا بیان

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ جس نے محاربہ (فتنہ وفساد) سے توبہ کر لی لیکن اس کے کردار میں اصلاح کا مشاہدہ نہیں ہوا تو اس کی گواہی تسلیم نہ کی جائے گی جب تک کہ وہ اپنے اعمال کو نہ سنوارے تاکہ لوگوں کا مال واملاک اس کی (دست درازی سے) محفوظ رہے۔ پس اگر توبہ کرنے کے بعد اپنے اعمال کی اصلاح نہ کرے تو گویا اس نے توبہ ہی نہیں کی۔ غرض اصلاحِ اعمال اور مسلمانوں کا سا رویہ اختیار کرنے کے بعد ہی اس کی شہادت کو الزام سے پاک سمجھا جا سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ (اصلاحِ اعمال کے بارے میں) فرماتا ہے "فمن تاب من بعد ظلمه واصلح" (یعنی ظلم کے بعد

Marfat.com

توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لینے والا) اور ''الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا'' (یعنی وہ لوگ ناقابل اعتبار ہونے سے مستثنیٰ ہیں جنھوں نے بعد میں توبہ کر لی اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی)۔ ان آیات سے عیاں ہے کہ توبہ کے بعد اصلاح اعمال ضروری ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اہل محاربہ (یعنی فتنہ وفساد والوں) میں سے جو توبہ کر لے اس کی شہادت مانی جائے گی۔ اگر چہ اس کے اعمال میں اصلاح کا مشاہدہ نہ ہوا ہو، کیونکہ حدّ کی تکمیل رد شہادت پر منحصر نہیں ہے، بلکہ رد شہادت کا سبب گناہ ہے جو توبہ کرنے سے دور ہو گیا اور اس کے لیے حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''واتبع السیئة الحسنة تمحها'' (یعنی برائی کو دور کرنے کے لیے نیکی کی پیروی شرط ہے)۔

قتل غیر واجب القصاص کا بیان

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر محارب (یعنی فسادی، رہزن وغیرہ) اگر ایسے شخص پر حملہ بول دے جو دین کی رو سے اس کا ہم پلہ نہ ہو مثلاً کافر یا غلام یا آزاد یا اولاد یا خود اس کا مملوک ہو اور لوٹ مار کے دوران اس شخص کو قتل کر دے تو گرفتار ہو جانے کے بعد مجرم کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا یا غلام کی قیمت ادا کرے گا، کیونکہ قصاص کا حکم اس پر عائد نہیں ہوتا۔

مالکیہ اور شافعیہ بھی، بموجب ایک روایت کے، یہ کہتے ہیں کہ محارب اگر کسی ادنیٰ حیثیت کے آدمی کو یا اپنے بیٹے کو یا کسی کے غلام کو یا خود اپنے غلام کو قتل کر دے تو اسے بھی سزائے قتل ہوگی، واللہ اعلم۔

متعدد جرائم کے ارتکاب کا بیان بجز محاربہ کے

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص قتل کرنے اور عضو بدن کاٹنے پر مستوجب قصاص ہو اور تہمت لگانے کے جرم میں سزائے حد بھی اس پر عائد ہوتی ہے اور مدعی سزا کا مطالبہ کرے تو سب سے پہلے اسے تہمت لگانے کی پاداش میں حد لگائی جائے۔ اس کے بعد قطع عضو کا قصاص لیا جائے پھر جان کے عوض قتل کیا جائے کیونکہ یہی طریقہ جملہ سزاؤں کی تکمیل کا سب سے زیادہ قرین قیاس طریقہ ہے۔ اگر مجرم ان سزاؤں کے علاوہ اور بھی کسی سزا کا مستوجب ہے تو پہلے وہ سزا دی جائے گی۔ واضح ہو کہ سزائے قطع کا سزائے ضرب کے بعد ہونا ضروری نہ ہوگا۔ اگر مطالبہ قتل کا حقدار موجود نہ ہو اسی طرح اس کی موجودگی میں بھی یہی ہوگا درآنحالیکہ وہ کہے پہلے سزائے قطع دی جائے۔ اس کے بعد میں اسے قتل کروں گا البتہ اگر مطالبۂ خون کا حقدار اپنے حق (قتل) کو تاخیر میں ڈال دے تو پہلے تہمت کی سزائے ضرب دی جائے اور جب اس کا زخم اچھا ہو جائے تو سزائے قطع دی جائے اور اگر حقدار اپنے حق قطع کے نفاذ میں تاخیر چاہے تو پہلے سزائے ضرب دی جائے اور مطالبۂ خون کے حقدار پر واجب ہے کہ اپنی حق طلبی میں صبر سے کام لے یہاں تک سزائے قطع پوری ہو جائے اگر اس نے جلد بازی سے کام لے کر اسے قتل کر دیا تو سزائے قطع کا دعویدار مقتول کے ورثہ سے تاوان کا حقدار ہوگا۔ اگر مطالبہ سزائے ضرب کے حقدار نے اپنے مطالبہ کو تاخیر میں ڈال دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اخیر کے دونوں جرائم کے بارے میں اس نے صبر سے کام لیا ہے۔

اگر مجرم نے ایسے کئی جرائم کا ارتکاب کیا جن کا تعلق حدود اللہ سے ہے (یعنی اس کی سزا اللہ نے مقرر فرمائی

Marfat.com

ہے) تو واجب ہوگا کہ جو سزا ہلکی ہے وہ پہلے دی جائے اس کے بعد دوسری سزا جو ہلکی ہو دی جائے۔ اگر کوئی ایسی سزاؤں کا سزاوار ہے جن کا تعلق اللہ اور بندے دونوں کے حق سے ہے تو تہمت کی حد زنا کی حد سے پہلے نافذ کی جائے گی اور جب قتل کرنے اور عضو کاٹنے کی سزائیں جمع ہو جائیں تو ان کو حد زنا پر مقدم رکھا جائے گا۔ اگر قتل بدون محاربہ اور قتل بدوران محاربہ کی سزائیں عائد ہوں تو ان جرائم میں سے جو جرم پہلے ہوا ہے اس کی سزا پہلے ہوگی اور دوسرے قتل کا خون بہا وصول کیا جائے گا۔ اگر کسی نے ایک سے زیادہ مرتبہ جرم زنا کیا یا چوریاں کیں یا شرابیں پئیں تو ان میں سے ہر ایک نوع جرم کی ایک ایک سزا کافی ہے۔

امامت (حکومت) کی شرطوں کا بیان

ائمہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کا ہونا فرض ہے اور یہ ضروری ہے کہ ان کا کوئی امام (حاکم) ہو جو امور دین کو خوبی کے ساتھ چلا سکے اور ظالموں سے مظلوموں کا انصاف لے اور اس پر بھی سب متفق ہیں کہ بیک وقت تمام دنیا میں مسلمانوں کے دو امام ہوں، خواہ وہ باہم متفق الخیال ہوں یا ان میں باہم اختلاف ہو اور اس پر بھی کہ امام قریشی ہو۔ ہاں یہ جائز ہے کہ وہ اپنا خلیفہ (نائب) کسی کو مقرر کر دے۔

اس پر بھی سب متفق ہیں کہ امام بننے کے لیے حسب ذیل امور کی شرط ہے:

ایک یہ کہ امام مسلمان ہوتا کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی بہبود کا خیال رکھ سکے۔ پس امت مسلمہ پر کافر کو امام (حاکم) بنانا درست نہیں۔

دوسرے یہ کہ امام مکلف ہو (یعنی احکام شرعیہ اس پر عائد ہوتے ہوں) تا کہ وہ امور عامۃ المسلمین کی دیکھ بھال کر سکے۔ لہٰذا نابالغ یا جنون زدہ کی امامت بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں بروایت احمد آیا ہے "**نعوذ باللہ من امارۃ الصبیان**" (یعنی بچوں کی امامت سے خدا بچائے)۔

تیسرے یہ کہ امام آزاد ہو (غلام نہ ہو) تا کہ کار امامت کی انجام دہی کے لیے فارغ ہو اور اس کے لیے خود کو وقف کر دے۔ غلام ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔ نیز اس کا وقار نہیں ہوتا اور امام مسلم کی وہ روایت جو ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**اسمعوا، واطیعوا، وان امر علیکم عبد حبشی**" (یعنی تمہارا کام یہ ہے کہ سنو اور حکم بجا لاؤ اگرچہ تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام ہو) یہ حکم امامت عظمیٰ (یعنی اونچی امامت) کے علاوہ دوسری (یعنی نچلی امامت) کے لیے ہے۔

چوتھے یہ کہ امام مرد ہوتا کہ اسے مردوں کے ساتھ میل جول کا موقع ممکن ہو۔ پس کسی عورت کا والی امر ہونا ثابت نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ**" (یعنی وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جبکہ عورت حکمران ہو)۔

پانچویں یہ کہ امام قبیلہ قریش میں سے ہو، چنانچہ نسائی میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے "**الائمۃ من قریش**" (یعنی امام قریشی ہونا چاہیے) اس حدیث کو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اور ان کے جانشینوں نے تسلیم فرمایا ہے یہ حکم اس حالت میں ہے جبکہ اوصاف امامت کا رکھنے والا قریشی موجود ہو، اگر قریشی امام دستیاب نہ ہو تو بنی کنانہ میں سے امام

Marfat.com

ہونا چاہیے اگر وہ بھی نہ ہو تو ان میں سے امام لیا جائے جو سیدنا حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہو۔ اس کے بعد بنی جرہم میں سے کوئی شخص امام ہو سکتا ہے۔ وہ بھی نہ ہو تو اولاد اسحاق میں سے کوئی شخص ہو۔

غرض امامت کے لیے بالاتفاق یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہاشمی ہی ہو چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بنی ہاشم میں سے نہیں تھے۔

چھٹے یہ کہ امام عادل ہو شیخ عزالدین فرماتے ہیں کہ اگر امامت و حکومت کے لیے عادل کا دستیاب ہونا دشوار ہو تو ایسے شخص کو فوقیت دی جائے جس کے گناہ کم ہوں۔

ساتویں یہ کہ امام صاحب علم ہو اور اجتہاد (تحقیق مسائل) کی قابلیت رکھتا ہو کہ وہ احکام شرعیہ کو سمجھتا ہو اور تفقہ (یعنی مسائل کی سوجھ بوجھ) رکھتا ہو کہ وہ خود لوگوں کو تلقین کر سکے۔ دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

آٹھویں یہ کہ وہ شجاع (دلیر) ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ ناکامیوں کا مقابلہ اپنی ہمت سے کر سکے اور قوی دل ہو اور لشکر میں نظم و ضبط قائم رکھ سکے، دشمنوں کو زیر کر سکے، قلعہ کشا ہو (یعنی ان کی طاقت کو توڑ سکے) اور حادثات رفتن اور پیش آمدہ مشکلات پر قابو پا سکے۔

نویں یہ کہ اس کی رائے پختہ ہو تا کہ رعایا کا بندوبست اور دنیوی اصلاحات (بہبود) کا انتظام کر سکے۔

دسویں یہ کہ اس کی بصارت، سماعت اور قوت گویائی اچھی ہو تا کہ معاملات رعایا سے پوری طرح آگاہ ہو اور ان کا تصفیہ بخوبی کر سکے۔

جملہ ائمہ و فقہاء اس پر متفق ہیں کہ امامت (یا سرداری) اس وقت قائم ہوتی ہے جبکہ ملک کے معاملات کو چلانے والے امام کی بیعت (اطاعت کا معاہدہ) کر لیں۔ ان میں ملک کے علماء رؤساء اور اہم اشخاص شامل ہیں جن کا اکٹھا ہونا ممکن ہو۔ اس کے لیے کسی مقررہ تعداد کی شرط نہیں ہے۔ امام کی بیعت کرنے والوں کے لیے شرط یہ ہے کہ ان میں گواہ بننے کی صلاحیت یعنی معتبر اور عادل ہونا وغیرہ پائی جائے۔ امامت کے قائم ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ امام کسی خاص شخص کو اپنی زندگی میں، اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کر جائے جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بایں الفاظ خلافت کے لیے متعین فرمایا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم، هذا ما عهد ابوبكر خليفة رسول الله ﷺ، عند آخر عهده من الدنيا، واول عهده بالآخرة، في الحالة التي يؤمن فيها الكافر، ويتقي فيها الفاجر، اني استعملت عليكم عمر بن الخطاب، فان برو عدل فذاك علمي به وعلمي فيه، وان جار وبدل فلا علم لي بالغيب، والخير اردت، ولكل امرئ ما اكتسب "وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون" (یعنی بنام خدائے رحمٰن و رحیم یہ ایک وصیت ہے جو ابوبکر خلیفۃ رسول اللہ ﷺ نے کی جبکہ دنیا سے رخصت ہونے کا آخری اور آخرت کا ابتدائی وقت ہے۔ اور ایسی حالت میں کی جس میں کافر ایمان لاتا اور گنہگار خائف ہوتا ہے، کہ لوگو میں عمر بن الخطاب کو تم پر حاکم بناتا ہوں۔ اب اگر انہوں نے آئندہ نیکی اور عدل سے کام لیا تو یہ میری سوچ سمجھ کے عین مطابق ہوگا لیکن اگر انہوں نے ظلم کیا اور بدل گئے تو میں عالم الغیب نہیں ہوں۔ میرا ارادہ نیک ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملتا ہے جو اس نے کمایا اور "ان ظالموں کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ ان کی بازگشت کہاں ہے؟") واضح ہو کہ امت

Marfat.com

مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

امام سے سرکشی کرنے کا بیان

تمام ائمہ اس امر پر متفق ہیں کہ امام کامل (یا حاکم مجاز) جو حکم بھی دے اسے بجالانا واجب ہے۔ بشرطیکہ اس حکم کی تعمیل میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو، اور یہ کہ امام، اس کے نائب اور اس کے گماشتوں کے تمام احکام نافذ العمل ہوں گے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کے سردار سے باغی ہو جائے یا کوئی بااثر جماعت اس کی اطاعت سے سرکشی کرے تو واجب ہے کہ امام اس جماعت سے قتال کرے اگرچہ اس کی توجیہ مشتبہ اور قابل تسلیم ہو۔ اس حالت میں بھی امام کا ان سے جنگ کرنا روا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ حکم الٰہی کی طرف مائل ہو جائیں۔ اب اگر وہ (سرکشی سے) باز آ جائیں تو ان سے باز پرس ترک کر دی جائے۔

ایسے اشخاص کے ساتھ مقاتلہ جائز ہونے کی بنا یہ ارشاد ہے ’’وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما‘‘ (الحجرات:۹) (یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو) اس آیت میں اگرچہ امام کے خلاف برسرپیکار ہونے کا ذکر نہیں ہے، لیکن مفہوم کی عمومیت یا اقتضائے حال کی بناء پر یہ صورت بھی اس میں شامل ہے کیونکہ اگر ایک گروہ کے دوسرے گروہ پر زیادتی کرنے پر اس کے ساتھ جنگ کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے تو امام سے بغاوت کرنے پر بدرجہ اولیٰ یہ مطالبہ درست ہوگا۔ نیز باغیوں کے ساتھ جنگ کے روا ہونے پر اجماع ہے۔ جس کی کسی نے مخالفت نہیں کی اس حکم کی متعلقہ احادیث کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکوں اور مرتدوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے اخذ کیا گیا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نیز باغیوں سے جنگ کے متعلق احکامات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔

واضح ہو کہ امام سے آمادۂ جنگ ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی شخص از خود آمادۂ شورش ہو یا حاکم کے حکم سے روگردانی کر کے ہو۔ یا ایسا نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے مالی حق کی ادائیگی یا بندہ کے حق کی ادائیگی سے مثلاً قصاص سے یا حد کے نفاذ سے جو اس پر عائد ہوتی ہے سرتابی کرے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے بوجہ اس کے کہ انہوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا تھا، جہاد کیا، حالانکہ وہ لوگ آمادہ جنگ نہ تھے بلکہ اس حق کے ادا کرنے سے جو (ان پر اللہ کی طرف سے) عائد ہوتا ہے انکار کیا تھا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ امام کی بذیں گونہ مخالفت کرنے والوں کو باغی قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ انہیں کثرت تعداد یا دوسرے وسائل کی قوت حاصل ہو اور امام (حاکم وقت) کا مقابلہ کرنا ممکن ہو اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ لوگ امام (حاکم) کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کو یا ادائے حق واجب سے روگردانی کو جائز تصور کرتے ہوں۔

ایک شرط یہ ہے کہ ان کا کوئی سردار ہو جس کے حکم پر چلتے ہوں اور اس کی بدولت انہیں قوت و شوکت حاصل ہو۔ اگرچہ وہ کوئی باقاعدہ مقرر کردہ سردار (یا حاکم) نہ ہو، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل جمل سے جنگ کی حالانکہ ان کا کوئی سردار نہ تھا اور صفین والوں سے بھی جنگ کی جبکہ ان کا کوئی امام نہ تھا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ امام برحق کی فرمانبرداری سے سرتابی کرنے والوں کی چار قسمیں ہیں۔

Marfat.com

ایک وہ جنہوں نے کسی کی حمایت اور اشتعال کے بغیر بلاوجہ سرتابی کی اور قتل و غارت کرنے لگے اور گزرگاہوں میں ہراس پیدا کیا۔ یہ لوگ رہزن (ڈاکو) ہیں۔

دوسرے وہ لوگ جو اسی طرح بغیر کسی کی حمایت کے ایسا ہی کرتے ہیں لیکن اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ ان کی بابت بھی یہی حکم ہے جو ڈاکوؤں کے لیے ہے۔ یعنی اگر قتل کریں تو انہیں بھی قتل کیا جائے وغیرہ۔

تیسرے وہ جنہیں کسی کی حمیت اور قوی پشتی حاصل ہے۔ وہ حاکم کے خلاف نکل کھڑے ہوتے ہیں لیکن اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ ان کی رائے میں حاکم باطل راہ یعنی کفر و معصیت پر ہے جس کے باعث انہیں آمادۂ حرب ہو جانا واجب ہو گیا ہے۔ ایسے اشخاص کو 'خارجی' کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی جان و مال کا اتلاف حلال سمجھتے ہیں اور ان کی عورتوں کو قیدی بنالیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں جمہور فقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک وہی حکم ہے جو باغیوں کے لیے ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے اشخاص کو توبہ کرنے کے لیے کہا جائے۔ اگر توبہ کرلیں تو خیر ورنہ ان کے فتنے کو دور کرنے کے لیے، اس لیے نہیں کہ وہ کافر ہو گئے ہیں، قتل کر دیا جائے۔ ایسے اشخاص فاسق (گنہگار) ہیں اور علمائے مجتہدین کے قابل ترجیح قول کے مطابق کافر نہیں ہیں۔ بعض اہل حدیث کے نزدیک یہ لوگ مرتد ہیں اور ان پر وہی حکم عائد ہوتا ہے جو مرتدوں پر ہوتا ہے۔

چوتھے وہ مسلمان گروہ ہے جو امام عادل کے خلاف سرکشی پر تلے ہوئے ہیں لیکن ان باتوں کو روا نہیں رکھتے ہیں جو خارجی کرتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کا خون روا نہیں رکھتے اور ان کی اولاد کو قید نہیں کرتے۔ ایسے اشخاص ایک ایسے سبب کی بناء پر جو ان کے عقیدہ میں درست ہے سرکشی کرتے ہیں۔ لیکن وہ غلطی پر ہیں اور انہیں فاسق تصور کیا جائے گا۔ ایسے اشخاص کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی مذمت کی جائے۔ مثلاً من حمل علينا السلاح فليس منا'' (یعنی جو شخص ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے) ایک اور حدیث ہے'' من خرج من الطاعة و فارق الجماعة فميتته جاهلية '' (یعنی جو شخص حکم برداری سے باہر ہو گیا اور جماعت کو چھوڑ گیا اس کی موت عہد جاہلیت کی موت ہے) ایسے لوگ ان میں شامل ہیں جو بلا توجیہ سرتابی کرتے ہیں۔

اصحاب شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی جماعت ہو جو بدعتی خارجیوں کے ہم خیال ہو کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں اور اسی خیال سے اماموں پر طعنہ زنی کرنے اور جمعہ یا جماعت میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں سے قطع نظر کرنا چاہیے۔ نہ انہیں کافر کہیں اور نہ ان کے مزاحم ہوں۔ تاوقتیکہ وہ حاکم کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں اور کسی کو قتل نہ کریں۔ خارجیوں کا بھی عقیدہ یہی ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کیا وہ کافر ہو گیا اور اس کے اعمال رائگاں گئے اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہو گیا اور چونکہ امام کی قلم رو میں گناہ کبیرہ عام ہے اس لیے وہ کفر اور اباحت کا علاقہ ہے (یعنی سب کچھ روا ہو گیا ہے) اسی بناء پر انہوں نے ائمہ پر طعنے کیے ہیں۔ (ایسے اشخاص کو نظر انداز کرنے کی دلیل یہ ہے کہ) امام علی کرم اللہ وجہہ نے ایک خارجی کو مسجد میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ'' اللہ اور رسول کے حکم کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا، پھر اس نے حضرت علی کے احکام پر نکتہ چینی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا قول حق ہے لیکن مقصد باطل ہے۔ لوگو ہم

Marfat.com

تمہیں اللہ کی مسجدوں میں آنے سے کہ اس میں اللہ کا ذکر کرو منع نہیں کرتے اور نہ فی (مال غنیمت) کا حق تم سے چھینا جائے گا جب تک کہ تم ہمارے مددگار ہو۔ ہم تم سے جنگ کی ابتدا بھی نہیں کریں گے۔ پس ان کی بابت وہی حکم ہے جو اہل عدل کی بابت ہے۔ ہاں اگر وہ ہم سے قتال کریں تو ہم انہیں کافر قرار نہیں دیں گے جیسا کہ ڈاکوؤں کے بارے میں حکم ہے کہ اگر وہ ایسے شخص کو قتل کر دیں جس کا قاتل مستوجب سزائے قصاص ہے تو دوسروں کی طرح اسے بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ قتال کرنا کافروں کے ساتھ قتال کرنے سے حسب ذیل گیارہ امور میں مختلف ہے:

۱۔ امام کا مقصد قتال سے یہ ہے کہ باغیوں کو بغاوت سے باز رکھا جائے۔ جان سے مارنا مقصد نہیں ہے۔

۲۔ ان میں سے جو پیچھا دکھادے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ جو زخمی ہو جائیں انہیں ہلاک نہ کیا جائے۔

۴۔ قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ ان کا مال نہ لوٹا جائے۔

۶۔ ان کی اولاد کو قیدی نہ بنایا جائے۔

۷۔ ان کے خلاف مشرک سے مدد نہ لی جائے۔

۸۔ انہیں چھوڑنے کے لیے مطالبۂ مال نہ کیا جائے۔

۹۔ ان پر راستے نہ بند کیے جائیں۔

۱۰۔ ان کے گھروں کو آگ نہ لگائی جائے۔

۱۱۔ ان کے باغ (یا کھیتی) کو نہ اجاڑا جائے۔

اگر کچھ لوگ امام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور حق اللہ یا حق الناس کے ادا کر دینے سے انکار کریں یا امام کے حکم سے سرتابی کریں بلکہ اسے برطرف کرنا چاہیں تب بھی ایک امام کی سربراہی کو تسلیم کر لینے کے بعد اسے برطرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان مسلمانوں میں سے جو لوگ بااثر ہوں انہیں چاہیے کہ وہ حاکم کو سمجھائیں اور امام پر بھی واجب ہے کہ وہ ان باغیوں کو ڈرائے دھمکائے اور حکم ماننے کے لیے کہے اگر وہ پھر جماعت میں شامل ہو جائیں تو ان سے درگزر کیا جائے۔ لیکن اگر وہ سرکشی کریں تو ان کے ساتھ تلوار، نیزے اور تیر سے قتال کیا جائے اور ان میں پھوٹ ڈال دی جائے اور ان پر راستہ اور پانی بند کر دیا جائے اور ان پر پتھراؤ کیا جائے اور آگ لگا دی جائے بشرطیکہ ان میں عورتیں اور بال بچے نہ ہوں۔ تاہم ان کی اولاد کو قیدی بنا لینا حرام ہے کیونکہ وہ مسلمان ہیں۔ نیز ان کا مال ضبط کرنا اور بلا ضرورت اس پر قبضہ کرنا حرام ہے، اور ان کے قتل کے بعد سروں کو بلند کرنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ فعل مسلمانوں کا مثلہ کرنے (یعنی ناک کان وغیرہ کاٹنے) کے برابر ہے۔ ان سے جنگ کرنے کے لیے ان کے مال، ہتھیار اور گھوڑوں سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ جنگ میں اس کی ضرورت پڑے اور جب ضرورت نہ رہے تو ان کا مال دوسرے سامان کی طرح واپس دے دیا جائے اور

Marfat.com

جب ان پر قابو حاصل ہو جائے تو انہیں غلام نہ بنایا جائے نہ ان کے زخمیوں کو ہلاک کیا جائے اور شکست خوردوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔ ہاں اگر وہ اب بھی نہ مانیں تو ان کے زخمیوں کو ٹھکانے لگایا جاسکتا ہے اور شکست خوردہ اشخاص کا تعاقب بھی کیا جاسکتا ہے۔

واضح ہو کہ اگر باپ باغیوں میں ہو تو اسے قتل کرنا مکروہ ہے۔ لیکن، دادا یا بیٹے کو قتل کرنا مکروہ نہیں ہے اور قتل کرنے کے بعد اس (کے مال) کا وارث بھی ہوگا۔ اگر چہ قصداً قتل کیا ہو لیکن عداوت کی بناء پر قتل نہ کیا ہو۔ عورت اگر ہتھیار سے مقابلہ کرے تو اسے بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔ بصورت دیگر اسے قتل نہ کیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شہر میں فساد برپا کرے اور امام کی اطاعت سے سرتابی کرے تو امام کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ انہیں پھر (وفاداروں) کی جماعت میں شامل ہو جانے کے لیے کہے اور اس شبہ کو دور کرے جو ان کی بغاوت کا موجب ہوا، کیونکہ امام علی رضی اللہ عنہ نے اہل 'حرورا' کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ یہ امر مستحب (پسندیدہ) ہے، واجب نہیں ہے۔ اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے اسلام کی دعوت کسی کو پہنچی ہو کہ دوبارہ انہیں دعوت اسلام دینا واجب نہیں ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ امام باغیوں کے ساتھ مقابلہ کی ابتدا نہ کرے۔ ہاں اگر وہ خود لڑائی کا آغاز کریں تو امام ان سے قتال کرے یہاں تک کہ ان کی جماعت منتشر ہو جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر وہ لوگ صف بندی کرلیں اور سب آمادۂ جنگ ہو جائیں تو امام کی طرف سے بھی ابتدا کی جاسکتی ہے کیونکہ اس صورت میں ان کی طرف سے آغاز جنگ ثابت ہے کہ وہ ارادۂ جنگ سے جمع ہو گئے ہیں اور امام کی اطاعت سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔ یہ اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ اگر عملاً ان کے آغاز جنگ کرنے کا انتظار کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ ان کی مدافعت ممکن نہ رہے۔ بدیں سبب کہ اس دوران انہیں حمایت کرنے والوں کی جمعیت حاصل ہو اور ان کی جمعیت میں اضافہ ہو جائے گا اور شورش پسندوں کو فساد برپا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اب درآنحالیکہ ان کی تعداد کثیر ہے تو ان پر حملہ میں پیش دستی ان کے شر سے بچنے کے لیے ہوگی۔

اگر امام کو یہ اطلاع ملے کہ وہ لوگ ہتھیار خرید رہے ہیں اور جنگ کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں تو امام کو چاہیے کہ انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دے تاکہ وہ بغاوت سے باز آجائیں اور توبہ کرلیں۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ حتی المقدور ان کے شر سے بچا جاسکے اور ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ ایسے حالات میں لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خانہ نشین ہو جائیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب مسلمانوں میں فتنہ وفساد رونما ہو تو ہر مسلمان پر واجب ہوگا کہ شورش (میں شریک ہونے) سے بچے اور گھر میں بیٹھ رہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "من فر من الفتنة، اعتق الله رقبته من النار" (یعنی جو شخص فتنہ وفساد سے دور رہا اللہ نے اسے نار جہنم سے آزاد کر دیا)۔ نیز آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو ارشاد فرمایا "کن حلساً من احلاس بیتک" (یعنی ایسے حالات میں چاہیے کہ تم خانہ نشین ہو کر بیٹھے رہو) یہ روایت حسن بن زیاد سے مروی ہے اور یہ حکم اس حالت میں ہے جبکہ مسلمانوں کا کوئی سربراہ نہ ہو اور یہ جو روایت (میں مذمت) آئی ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت فتنہ کے وقت گھر میں بیٹھ رہی تھی، اس کی بابت یہ خیال کیا گیا ہے کہ ان اصحاب میں نہ قوت تھی نہ استطاعت تھی، مقدرت ہوتے ہوئے عادل اور برحق امام (حاکم) کی مدد کرنا واجبات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

ارشاد ہے "فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللّٰہ" (یعنی باغی جماعت سے قتال کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ احکام الٰہی کی جانب مائل ہو جائیں)۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ باغی زخمی کا خاتمہ کر دو اور بھاگنے والوں کا پیچھا کیا جائے تاکہ ان کے شر کو ختم کیا جائے اور وہ پھر باغیوں سے نہ مل جائیں، تاہم اگر ان کا کوئی گروہ نہ ہو تو نہ ان کے زخمیوں کو ٹھکانے لگایا جائے اور نہ فراریوں کا پیچھا کیا جائے، تاکہ شر کا خاتمہ ہو جائے جو اصل مقصد ہے۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ لڑائی میں حاکم کو پہل کرنا جائز نہیں ہے، تاآنکہ وہ پہل نہ کریں (مسلمانوں کو پیش دستی نہ کرنا چاہیے) کیونکہ مسلمان کے لیے مسلمان کا قتل جائز نہیں ہے، بجز اس صورت کے جبکہ اپنا تحفظ پیش نظر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما" (یعنی مسلمان کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو) بخلاف کافر کے کیونکہ ان کا کافر ہونا ہی ان کے خون کو روا قرار دیتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ زخمی کو ہلاک کرنا جائز نہیں ہے اور نہ فرار کرنے والے کا پیچھا کرنا روا ہے، خواہ باغیوں کا گروہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ اگر وہ جنگ سے بھاگتے ہیں یا زخمی ہو کر ناکارہ ہو جاتے ہیں تو ان کا قتل کرنا دفاعی یا خود حفاظتی کے لیے نہ ہوگا، یہ بھی ہے کہ ابن ابی شیبہ نے عبد خیر سے یہ روایت کی ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لا تتبعوا مدبراً، ولا تجھزوا علی جریح، ومن القی سلاحہ فھو آمن" (یعنی پیٹھ دکھانے والے کا پیچھا نہ کرو اور زخمی کو ہلاک نہ کرو اور جو ہتھیار ڈال دے وہ محفوظ ہے) اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی اضافہ کیے گئے ہیں "لا تقتل اسیراً" (یعنی قیدی کو قتل نہ کیا جائے)۔

امام (حاکم) کو چاہیے کہ باغیوں سے جنگ نہ کرے جب تک کہ پہلے ایک معتبر اور ذہین شخص کو ان کے پاس نہ بھیجے جو انہیں سمجھائے اور کہے کہ وہ لوگ مشتعل نہ ہوں، اگر وہ لوگ حاکم کے ظلم کا یا کسی شبہ کا ذکر کریں تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر وہ بغاوت پر اڑے رہیں تو انہیں نصیحت کے ساتھ بغاوت کے انجام کا خوف دلائے اور قتال کے نتیجے سے آگاہ کرے۔

باغی اشخاص کے قید کرنے اور ان کے مال کے متعلقہ مسائل

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ باغیوں کی ذریت (بال بچوں) کو قیدی نہ بنایا جائے، کیونکہ وہ مسلمان ہیں اور ان کا مال تقسیم نہ کیا جائے، اس پر مال غنیمت کا حکم عائد نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر فرمایا "لا یقتل اسیر، ولا یکشف ستر، ولا یؤخذ مال" (یعنی کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے، ستر نہ کھولی جائے اور مال نہ لیا جائے)، واضح ہو کہ حضرت ممدوح اس بارے میں ہمارے رہنما ہیں، پھر یہ بھی ہے کہ باغی مسلمان ہیں اور مسلمان کی جان بھی محفوظ ہے اور مال بھی، ہاں اگر مجبوری ہو تو مسلمان ان کے ہتھیاروں کو جنگ میں استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں اپنے ساتھیوں کو ان کے ہتھیار تقسیم کیے تھے لیکن یہ عمل بوجہ مجبوری کے تھا ان ہتھیاروں پر قبضہ کرنا مقصود نہ تھا۔ پھر یہ بھی ہے کہ امام کو اختیار ہے جبکہ ضرورت کے وقت وہ امن پسندوں کے مال کو بھی کام میں لا سکتا

Marfat.com

ہے تو باغیوں کے مال کو اس سے بڑے نقصان کی مدافعت میں بدرجۂ اولیٰ کام میں لایا جاسکتا ہے، نیز حاکم مستدرک میں اور بزاز اپنی کتاب میں کوثر بن حکیم کی وہ روایت لائے ہیں جو نافع سے مروی ہے، انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ھل تدری یا ابن ام عبد؟ کیف حکم اللہ فیمن بغی من ھذہ الامۃ؟ قال: اللہ ورسولہ اعلم، قال: لا یجھز علی جریحھا، ولا یقتل اسیرھا، ولا یطلب ھاربھا، ولا یقسم فیؤھا'' (یعنی اے ابن ام عبد تمہیں معلوم ہے کہ اس امت مسلمہ میں سے کوئی بغاوت کرے تو اس کی بابت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو بہتر علم ہے، اس پر ارشاد ہوا کہ باغی زخمی کو جان سے نہ مارا جائے، قیدی کو قتل نہ کیا جائے جو بھاگ جائے اسے حاضر ہونے کو نہ کہا جائے اور ان سے حاصل شدہ مال کو فوجیوں میں تقسیم نہ کیا جائے)۔

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام رحبہ پر نہروان باغیوں کی جماعت سے جو کچھ ہاتھ لگا تھا وہ آپ نے ایک جگہ بچھا دیا تھا کہ جو شخص اپنی چیز کو پہچان لے وہ لے جائے، یہاں تک کہ ایک شخص کی آہنی ہنڈیا رہ گئی تھی وہ بھی وہ شخص لے گیا۔

ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب طلحہ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دی تو ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ حاضر ہو جانے والے یا بھاگ جانے والے کو قتل نہ کیا جائے یعنی وہ شخص جو شکست کھا کر بھاگے، (اسے ہلاک نہ کیا جائے) کسی بند گھر کا دروازہ نہ کھولا جائے اور نہ کسی عورت کو نہ کسی کے مال کو حلال سمجھا جائے، رہا قیدی کا معاملہ سو اس کے بارے میں امام کو سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ ان دو باتوں یعنی قتل کرنے اور قید کرنے میں سے کونسا عمل ان کی قوت کو ختم کر دینے کے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔ تقاضائے حالات کے پیش نظر احکام مختلف ہوں گے، لیکن بہر حال اس میں نفسانی خواہش اور انتقامی جذبہ کی تسکین کو دخل نہ ہونا چاہیے، اگر باغیوں کی کوئی عورت گرفتار ہو جائے جو جنگ میں شامل رہی ہو تو اسے قید کر لیا جائے اور حالت قتال میں اپنے بچاؤ کے سوا اور کسی حالت میں قتل نہ کیا جائے، ہاں معصیت (گناہ) کی سزا میں یا اس کے شر و فساد سے بچنے کے لیے اسے قید کیا جاسکتا ہے جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے جنگ جمل کے موقع پر فرمایا ''وایاکم والنساء وان شتمن اعراضکم، وسبن امراء کم، ولقد رأینا فی الجاھلیۃ، ان الرجل لیتناول المراۃ بالجریدۃ، او بالھراوۃ، فیعیر بھا ھو وعقبۃ من بعدہ'' (یعنی خبردار عورتوں سے بدسلوکی نہ کرنا، اگر چہ وہ تمہارے شرفاء کی مذمت کریں اور تمہارے سرداروں کو گالیاں دیں، تم نے عہد جاہلیت میں ہم کو دیکھا ہے کہ مرد ٹہنی یا ڈنڈے سے عورت کی خبر لیتا تھا اور اسے برہنہ کر دیتا تھا اور پھر عیب لگاتا تھا)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بغاوت کرنے والے مہلت مانگیں تو مہلت دینے یا نہ دینے کے بارے میں سوچ سمجھ سے کام لینا چاہیے، اس کے بعد جو طرز عمل بہتر ہو حاکم کو اس پر عمل درآمد کرنا چاہیے، اگر یہ معلوم ہو کہ وہ لوگ اس لیے مہلت کے طالب ہیں کہ اپنی غلط فہمی کو دور کر لیں تو انہیں مہلت دی جائے تاکہ انہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے، لیکن اگر یہ پتہ چلے کہ وہ اس لیے مہلت چاہتے ہیں کہ اپنی جمعیت کو فراہم کر لیں تو انہیں مہلت نہ دی جائے، پھر جب ان میں جنگ

Marfat.com

چھڑ جائے تو پیٹھ دکھانے والے باغیوں اور ہتھیار ڈال دینے والوں اور زخمیوں اور قید میں آجانے والوں کو قتل نہ کیا جائے، بشرطیکہ حاکم کی رائے میں مناسب ہو چنانچہ (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حتی تفی" (یعنی یہ حکم اس حالت میں ہے جبکہ وہ بغاوت سے باز آجائیں) آیت میں لفظ 'فی' کے معنے ہار کر جنگ سے باز آجانے کے ہیں، پھر یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ لڑائی اس لیے کی گئی کہ انہیں سرکشی سے باز رکھا جائے اور اب تو (ان کی شکست کے بعد) یہ غرض ہی جاتی رہی اور گرفتار ہو جانے والے باغیوں کو خواہ وہ بچے ہوں یا عورت یا غلام قید میں رکھا جائے، یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے اور ان کا جتھا منتشر ہو جائے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ جب لڑائی ختم ہو جائے تو امام پر واجب ہے کہ باغیوں کے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ انہیں واپس کر دیے جائیں، ان ہتھیاروں اور جانوروں میں سے کسی چیز کو استعمال کرنا حرام ہے، بشرطیکہ ان کو استعمال کرنا ناگزیر نہ ہو جائے، مثلاً یہ کہ اور گھوڑے دستیاب نہ ہوں اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر ان کے گھوڑوں وغیرہ کو استعمال نہ کیا گیا تو امن پسندوں کو ان سے ہار ماننا پڑے گی، ایسی حالت میں باغیوں کے گھوڑوں اور ان ہتھیاروں کو استعمال میں لانا جائز ہوگا۔ (ان کے مال کو استعمال کرنے کی ممانعت) آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے" لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفس منه" (یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر استعمال کرنا حلال نہیں ہے)۔ اسی طرح ان کے خلاف ناپسندیدہ ذریعہ ہلاکت کا استعمال نہ کرنا چاہیے۔ مثلاً آگ لگا دینا یا منجنیق (آلہ سنگ اندازی یا گوپیے) کا استعمال کرنا۔ بشرطیکہ اس کا استعمال ناگزیر نہ ہو جائے۔ باغیوں کے خلاف کافروں سے اور ایسے شخص سے جو فرار کرنے والوں کو قتل کرنا روا سمجھتا ہو مدد نہ لی جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ امام (حاکم) کو چاہیے کو باغیوں کے مال کو ضبط کرلے اور انہیں واپس نہ کیا جائے اور نہ (فوجیوں میں) تقسیم کیا جائے، یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں، اگر وہ توبہ کرلیں تو سب کچھ انہیں واپس کر دیا جائے، تقسیم کرنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ باغیوں کے مال کو مال غنیمت قرار نہیں دیا گیا، اور قبضہ کر لینے کو جو کہا گیا ہے یہ ان کی شرارت سے محفوظ رہنے اور ان کا زور کچلنے کے لیے ہے، اس لیے لازم ہے کہ اگر اس کی ضرورت نہ ہو تب بھی اسے روک لیا جائے البتہ کراع (بار برداری کے جانوروں) کو فروخت کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کی قیمت کو محفوظ رکھنا زیادہ قرین عقل اور آسان ہے اور باغیوں نے جو کچھ ان بستیوں جن پر انہوں نے غلبہ حاصل کیا ہے، وصول کر رکھا ہو، مثلاً خراج یا عشر (یعنی پیداوار کا دسواں حصہ) اسے حاکم دوبارہ نہ لے، کیونکہ اس نے انہیں تحفظ ہی نہیں دیا۔

مرتد کا بیان

مرتد کے متعلقہ مسائل اور مرتد کی تعریف

واضح ہو کہ مرتد ہونا یعنی نعوذ باللہ دین اسلام سے پھر جانا یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جس کا مسلمان ہونا کلمہ شہادتین کے اعتراف سے ثابت ہو، اصول اسلام سے آگاہ ہونے اور احکام اسلامی کا پابند ہونے کے باوجود (دین اسلام سے پھر کر) کفر اختیار کرلے، اب اس کا ارتداد (دین سے پھر جانا) یا تو اس کے صریح قول سے ثابت ہوگا کہ وہ کہے کہ میں

Marfat.com

مشرک ہوں یعنی اللہ کے ساتھ معبودیت میں کسی اور کو بھی شریک سمجھتا ہوں یا پھر کوئی ایسی ہی بات کہے جس کا لازمی مفہوم 'کفر' (یعنی اللہ سے انکار) ہو مثلاً یہ کہے کہ اللہ بھی دوسری مجسم اشیاء کی طرح مجسم ہے، یا پھر کوئی ایسا فعل کرے جس سے واضح طور پر کفر (انکار اسلام) لازم آتا ہو مثلاً قرآن پاک یا اس کے کسی حصہ کو اگرچہ وہ ایک ہی لفظ ہو (حقارت کے ساتھ) پھینک دے، یا پھر اسے توہین آمیز طریقہ سے آگ میں ڈال دے، بجز اس کے کہ اسے بے حرمتی سے بچانے کے لیے (اس کی دھونی وغیرہ سے) مریض کا علاج مدِنظر ہو (جلانے ہی کی طرح) یہ حرکت بھی ہے کہ قرآن کو غلاظت میں یا گندی جگہ پر پھینک دے خواہ وہاں پر ناپاک شے نہ ہو مثلاً ناک، تھوک ڈالنے کی جگہ ہو (مثلاً اگال دان وغیرہ) نیز ایسی اشیاء سے (کلام الٰہی کو) آلودہ کرنا مثلاً تھوک لگا لگا کر اس کے اوراق کو پلٹنا بھی اسی میں ہے، قرآن کی طرح حدیث، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور کتب احادیث کے بارے میں بھی یہی حکم ہے اور یہی حکم کتب فقہ کے بارے میں بھی ہے جبکہ یہ حرکت شریعت اسلامیہ اور احکام شرعیہ کی توہین وتحقیر کی غرض سے ہو۔ انبیاء کے ناموں کی تحقیر بھی اس میں آتی ہے، نیز کفر سے رغبت رکھتے ہوئے زنار کا باندھنا بھی کفر ہے، البتہ بطور کھیل تماشے کے ایسا کیا تو (کفر نہیں لیکن) فعل حرام ہے، ایسا ہی بت خانوں میں جانا اور بتوں کے آگے سجدہ کرنا بھی ہے، جادو کا سیکھنا اور جادو کا عمل کرنا بھی کفر ہے، کیونکہ اس میں ایسی باتیں ہیں جن سے غیر اللہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور جادوگر اللہ کی قدرت کو اس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی کفر ہے کہ دنیا قدیم ہے یا اس (کی تخلیق) میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس طرح کہنے سے اللہ کے خالق کائنات ہونے کی نفی ہوتی ہے، اسی طرح یہ کہنا ہے کہ عالم ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جسے فنا نہیں ہے، اس سے قیامت کا انکار لازم آتا ہے گو وہ عالم کو حادث (پیدا شدہ) مانتا ہو۔ یہ خیال قرآن کو جھٹلانا ہے۔ دنیا کو قدیم (ازلی) اور ہمیشہ رہنے والی (ابدی) ہونے کا تصور بھی کفر ہے۔ اسی طرح اللہ کے موجود ہونے سے انکار کرنے والا بھی کافر ہے اور وہ بھی جو تناسخ ارواح کا قائل ہو (یعنی یہ خیال کرتا ہو کہ جو شخص مرجاتا ہے اس کی روح کسی اور قالب میں منتقل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ خیال بعثت (حیات اخروی) سے انکار ہے۔ پھر ایسی بات سے انکار کرنا بھی کفر ہے جس پر تمام ملت کا اتفاق ہو، مثلاً نماز کا واجب ہونا یا زنا کا حرام ہونا، یا روزے کی فرضیت سے انکار کرنا اور یہ بھی کفر ہے کہ ایسی شے کے حلال ہونے سے انکار کیا جائے جس کے جائز ہونے پر سب کو اتفاق ہو اور وہ اسلام میں قرآن اور حدیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہو۔ اور یہ کہنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے کہ نبوت ایک اکتسابی شے ہے اور ریاضت سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے آنحضرت ﷺ کے بعد نبی آنے کے امکان کو جائز مانا جا سکتا ہے۔ ایسے نبی کو گالی دینا جس کی نبوت پر تمام امت اسلامیہ کو اتفاق ہے یا ایسے فرشتے کو گالی دینا جس کے فرشتہ ہونے پر سب کا اجماع ہے، کفر ہے۔ اور یہ بھی کفر ہے کہ انبیاء کے ذکر میں مداخلت کرتے ہوئے کوئی شخص یوں کہے کہ "میں تو بدکار یا جادوگر نہیں ہوں" (یعنی وہ نبی جس کا ذکر ہو رہا تھا وہ ایسا ہی ہے)۔ اسی طرح کسی فرشتہ یا نبی میں نقص نکالنا خواہ وہ جس کا عیب بتایا گیا ہو، مثلاً لولا لنگڑا بتانا یا علم میں ناقص ہونے کا طعنہ دینا کفر ہے۔ کیونکہ ہر نبی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اور نبیوں کے سردار ﷺ تمام جہان سے زیادہ صاحب علم ہیں نبی کے اخلاق یا ان کے دین پر طعنہ کرنا بھی کفر ہے۔ اسی طرح فرشتوں میں برے اخلاق کا ذکر کرنا یا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پرہیزگاری کو مطعون کرنا بھی کفر ہے۔

Marfat.com

ائمہ فقہاء کا کہنا کہ کسی شخص کے مرتد ہو جانے کے ثبوت کی خاطر دو معتبر اشخاص کی گواہی ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ گواہوں نے کفر کے ثبوت میں یکساں بات بتائی ہو۔ چنانچہ جب دو شخص گواہی دیں کہ فلاں شخص نے کفر کیا ہے تو قاضی (حاکم دین) ان سے دریافت کرے گا کہ کون سی بات کفر کی ہوئی تو گواہ کو بیان کرنا ہوگا کہ فلاں شخص یوں کہتا ہے یا یوں کرتا ہے (جو مستوجب کفر ہے)۔

چاروں ائمہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں کہ اگر نعوذ باللہ کسی پر ارتداد کا الزام عائد ہو جائے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے اور اس کا خون معاف ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ زندیق کا قتل بھی واجب ہے اور زندیق وہ ہے جو اپنے کفر کو چھپائے اور اسلام کا اظہار کرے۔

مرتد کے توبہ کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان۔ نعوذ باللہ۔ اسلام سے پھر جائے تو اس کے سامنے پر اسلام کو پیش کیا جائے (یعنی اسے دوبارہ مسلمان ہونے کے لیے کہا جائے) اور اگر اسلام کے بارے میں اسے کوئی شبہ لاحق ہو تو اسے دور کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اسے دین اسلام میں کوئی شبہ پیش آیا ہو جس کے باعث وہ دین سے ہٹ گیا ہو کیونکہ اب دو ہی باتیں ہیں یعنی اسلام یا قتل ان میں سے جو بہتر ہے اسے اختیار کرنا ہے۔ تاہم مرتد کو دعوت اسلام دینا ایک امر پسندیدہ ہے، واجب نہیں ہے کیونکہ اسلام تو اسے پہلے ہی پہنچ چکا ہے اور پھر اسلام کا پیش کرنا بھی تبلیغ دین ہے۔ اور جب دین اسلام کا پیغام پہنچ چکا ہو تو پھر اسی پیغام کا پہنچانا امر واجب نہیں بلکہ ایک مستحب (پسندیدہ کام) ہے۔ اگر وہ (سوچنے کے لیے) مہلت مانگے تو مستحب یہ ہے کہ قاضی اسے تین دن کی مہلت دے اور تین دن اسے قید میں رکھا جائے، اگر اسلام لے آئے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فاقتلوا المشرکین" (یعنی مشرکوں کو قتل کر دو) اس میں مہلت دینے کی کوئی پابندی نہیں ہے، نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "من بدل دینہ فاقتلوہ" (یعنی تم میں سے جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو) اس میں ڈھیل دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے، پھر یہ بھی ہے کہ مرتد بہر حال کافر حربی ہے، مستامن تو ہے نہیں کہ اس نے امان کی درخواست نہیں کی اور نہ ذمی ہے کہ اس سے جزیہ نہیں لیا جاتا، لہٰذا اس کا قتل بلا تاخیر واجب ہے اور درآنحالیکہ اس کا اسلام امر موہوم ہے تو ایسی حالت میں امر واجبی (قتل) کی بجا آوری میں تاخیر جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ شخص مہلت مانگتا ہے تو اب اس کا پھر مسلمان ہو جانا امر وہمی نہ رہا لہٰذا اسے مہلت دینا مستحب (بہتر) ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ مرتد خواہ آزاد ہو یا غلام اس سے اس کا قتل واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان۔ نعوذ باللہ۔ دین اسلام سے پھر جائے تو امام پر واجب ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دے اس سے پہلے قتل کرنا روا نہیں ہے، کیونکہ ایک مسلمان کا دین سے برگشتہ ہونا کسی شبہ کے باعث ہوگا، لہٰذا ضروری ہے کہ اسے (سوچنے کا) موقع دیا جائے کہ حق بات اس پر آشکار ہو جائے، اس کے لیے فقہاء نے تین دن کی مدت رکھی ہے۔ خواہ وہ شخص اس کی درخواست کرے یا نہ کرے۔ (اس مدت کے تعین کی تائید میں) سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ ہے جو ایک مرد صالح کے ساتھ پیش آیا کہ (حضرت ممدوح نے اس مرد صالح سے کہا تھا کہ) "ان سالتک عن شیء بعدھا فلا تصاحبنی" (یعنی دو بار تو خیر ہو چکا۔ اگر اب تیسری بار بھی آپ کی بات پر کچھ کہوں

Marfat.com

تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیے گا) پھر جب تیسری بار بھی حضرت موسیٰ نے سوال کر دیا تو فرمایا "قد بلغت من لدنی عذرا" (یعنی میرے متعلق آپ کو، ترک رفاقت کا، عذر ہاتھ آ گیا) اور سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس سے آپ کی خدمت میں آیا آپ نے اس سے دریافت کیا کہ "هل من معربة خبر؟ فقال: نعم رجل ارتد عن الاسلام فقتلناه فقال له: هلا حبستموه فی بیت ثلاثة ایام، واطعمتموه فی کل یوم رغیفاً، لعله یتوب، ثم قال: اللّٰهم انی لم احضر، ولم امر، ولم ارض" (یعنی نو آباد عربیوں کی بابت کوئی اطلاع ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں ایک شخص ان میں سے مرتد ہو گیا، ہم نے اسے قتل کر دیا، فرمایا ارے تم نے اسے کسی گھر میں تین دن تک قید میں کیوں نہ رکھا، اسے ہر روز ایک روٹی دے دیا کرتے، کیا عجب ہے کہ وہ توبہ کر لیتا، پھر فرمایا، خداوندا میں وہاں موجود نہ تھا اور میں نے اس کے قتل کا حکم بھی نہیں دیا تھا اور نہ اس خبر سے میں خوش ہوا)۔ یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب موطا میں لائے ہیں، اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عمل سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے، ایسے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مرتد کو ہلاک کرنے سے پہلے اسے تین دن کی مہلت دی جائے، اگر وہ توبہ کرے یا کلمہ شہادتین یا کلمہ توحید پڑھ لے تو اسے رہا کر دیا جائے اگر وہ تسلیم نہ کرے تو فوراً اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے، اور دوسری متذکرہ سزاؤں کی طرح اس کے نفاذ میں تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ مرتد ہونا بدترین کفر ہے۔ اور اس کے لیے نہایت سخت حکم ہے، اگر مرتد اسی حالت میں مر جائے تو اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر" (یعنی تم میں سے جو اپنے دین سے پھر گیا اور حالت کفر ہی میں مر گیا تو اس کے تمام اعمال رائگاں ہیں) ہاں اگر وہ شخص پھر مسلمان ہو جائے اور اس نے مرتد ہونے سے پہلے حج کر رکھا ہے تو دوبارہ حج اس پر واجب نہیں ہے، بخلاف اس کے احناف کہتے ہیں کہ اگر اس نے توبہ کر لی ہے تو دوبارہ حج کرے۔ کیونکہ مرتد ہو جانے پر اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ امام (حاکم) پر لازم ہے کہ مرتد کو تین دن اور تین رات کی مہلت دے اور یہ تین دن کی مہلت اس دن سے شروع ہو گی جس دن اس پر مرتد ہونے کا الزام ثابت ہوا، اس دن سے نہیں جس دن اس نے کفر اختیار کیا اور تیسرا دن ایام مہلت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر فجر سے پہلے کفر ثابت ہو گیا تو وہ دن مہلت میں شامل نہ ہو گا اور بدوران قید مرتد کو اس کے مال سے کھانا پینا مہیا کیا جائے گا۔ لیکن اس کی اولاد اور بیوی پر اس میں سے خرچ نہ کیا جائے گا۔ اگر اس کا کچھ مال نہ ہو تو اس کا خرچ بیت المال سے پورا کیا جائے گا۔ خواہ اس نے توبہ کرنے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور قید میں اگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آنے پر اڑا رہے تو اسے مارا پیٹا نہ جائے اور بہر حال اتنے عرصہ تک لازمی طور پر توبہ کرنے کی ترغیب واجب ہے تاکہ اسے موت سے بچایا جا سکے اور محض شبے کی بناء پر ایک دم حد نافذ کرنے سے احتراز کیا جا سکے نیز چاہیے کہ اسلام لانے کے لیے اسے بار بار کہا جائے اور اس کے شبہات کو دور کیا جائے، اور اسے سوچنے کا موقع دیا جائے، ممکن ہے کہ وہ اپنے ارادے سے رجوع کر لے اور مہلت کے دوران وہ توبہ کر لے۔ اگر قاضی اس مدت سے پہلے ہی اسے قتل کا حکم دے دے تو اس کا حکم نافذ العمل ہو گا۔ کیونکہ یہ ایک مختلف فیہ امر ہے (جس بات پر بھی عمل کر لیا جائے درست

Marfat.com

ہوگا)۔ اگر مرتد نے تین دن گزرنے کے بعد ہی توبہ کر لی تو اسے رہا کر دیا جائے اور اگر کفر پر اڑا رہے تو تیسرے دن کا آفتاب غروب ہونے کے بعد ہی اسے قتل کر دیا جائے اور نہلایا کفنایا نہ جائے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے نیز کافروں کے قبرستان میں بھی دفن نہ کیا جائے۔ کیونکہ اسلامی اعتبار سے وہ ان میں شامل نہیں ہے۔ اس کی لاش یونہی پھینک دی جائے گی تاکہ دوسروں کے لیے موجب عبرت ہو۔

حنابلہ کی ایک روایت کے بموجب، مرتد سے تین دن تک توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے جیسا کہ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں۔ ان کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ توبہ کر لینے کے لیے کہنا کوئی امر واجب نہیں ہے بلکہ مرتد کو اسلام لانے کے لیے کہنا اچھی بات ہے اگر مان لے تو اسے رہا کر دیا جائے ورنہ قطعی طور پر فوراً قتل کر دیا جائے۔

مرتدہ (اسلام سے پھر جانے والی عورت) کا بیان

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مرتدہ عورت کے بارے میں بھی وہی حکم ہے جو مرتد مرد کا ہے لہٰذا قتل کرنے سے پہلے اسے بھی تین دن کی مہلت توبہ کے لیے دی جائے اور اسے اسلام لانے کے لیے کہا جائے کیونکہ اسلام میں عورت کی جان بھی قابل احترام ہے۔ اکثر ایسا ہو سکتا ہے کہ اسلام کے بارے میں دل میں شبہ پڑ جاتا ہے لہٰذا اس شبہ کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور توبہ کی ترغیب کا واجب ہونا سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔

دارقطنی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "ان امرأۃ یقال لھا زومان ارتدت فامر النبی ﷺ ان یعرض علیھا الاسلام فان تابت والا قتلت" (یعنی ایک عورت جسے رومان کہتے تھے مرتد ہو گئی نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اسے پھر مسلمان ہو جانے کی دعوت دی جائے تاکہ وہ توبہ کر لے یا پھر اسے قتل کر دیا جائے) کیونکہ مرتدہ ہو جانے پر وہ حربیہ کی مانند ہو گئی، ایسی صورت میں بطور حد کے اسے قتل کر دیا جائے بلکہ اس کا گناہ ایک حربیہ (اصل جنگ کرنے والی کے گناہ) سے زیادہ بڑا ہے۔ کیونکہ اسے پہلے ہی اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "من بدل دینہ فاقتلوہ" (یعنی جو شخص اپنا دین اسلام بدل دے اسے قتل کر دو) یہ ارشاد مردوں اور عورتوں سب پر عائد ہوتا ہے، پھر یہ بھی ہے کہ مسلمان کا اپنے دین سے پھر جانا بالاتفاق اسے واجب القتل کر دیتا ہے۔ کیونکہ ارتداد بہت بڑا گناہ ہے لہٰذا اس کی سزا بھی نہایت سخت ہے اور چونکہ مرد ہو یا عورت دونوں اس جرم میں برابر کے شریک ہیں لہٰذا اس جرم کی سزا یعنی قتل کے حکم میں بھی دونوں کو شامل کیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ترک اسلام کرنے والی عورت دودھ پلا رہی ہو تو اس کے قتل میں اتنی تاخیر کی جائے کہ وہ اپنے بچے کو پوری مدت تک دودھ پلا سکے، بشرطیکہ کوئی دودھ پلانے والی دستیاب نہ ہو یا ہو لیکن بچہ اسے قبول نہ کرے، خاوند والی عورت کی سزائے قتل میں بھی (امکان حمل کی بناء پر) تاخیر کی جائے اور طلاق رجعی پانے والی عورت کی سزا بھی، لیکن بائنہ عورت جس کو طلاق بائنہ ملی ہو (یعنی وہ طلاق جس میں قطعی طور پر علیحدگی ہو جاتی ہے) وہ اگر طلاق کے بعد مرتد ہوئی اور ایک بار ایام ماہواری آ چکے ہیں تو اس کی سزائے قتل میں تاخیر نہ کی جائے ورنہ ایک بار ایام کے آ جانے تک تاخیر کی جائے بشرطیکہ وہ عورت ایسی ہے جسے ایام ماہواری آتے ہی نہیں، اگرچہ پانچ سال میں ایک بار آتے ہوں اور اگر اسے ایام

Marfat.com

آتے ہی نہیں خواہ کمزوری کے باعث یا عمر رسیدگی کے باعث اس کا امکان مشکوک ہو لیکن اس کے حاملہ ہونے کا امکان ہو (استقرار حمل کے قابل ہو) تو استبراء (حاملہ نہ ہونے کا اطمینان کرنے) کی خاطر تین ماہ تک (قتل میں) توقف کیا جائے، اگر ایسی عورت ہو جسے حمل ہو جانے کا احتمال ہی نہ ہو تو توبہ کا مطالبہ کرنے کے بعد (اس کے انکار کرنے پر) قتل کر دیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مرتدہ عورت کا قتل واجب نہیں ہے۔ تاہم اگر کسی نے اسے قتل ہی کر دیا تو قاتل پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا خواہ وہ عورت آزاد ہو یا مملوکہ ہو، (اور قتل کی ممانعت اس لیے ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ سزاؤں میں (تا بحد امکان) آخرت تک کے لیے تاخیر کرنا ایک بنیادی مسئلہ ہے، سزا میں تعجیل کے معنے یہ ہیں کہ اس کے ابتلاء میں خلل ڈالا جائے لیکن تعجیل کی بجائے جو تاخیر کی جاتی ہے وہ اس لیے ہے کہ جنگ نہ کرنا پڑے اور چونکہ عورت جسمانی لحاظ سے (یا فطری طور پر) صلاحیت جنگ نہیں رکھتی جیسا کہ مرد میں ہوتی ہے۔ لہٰذا عورت مرتدہ کے ساتھ اصلی کافرہ کا سا سلوک کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ دارالاسلام میں جو سزا بھی شریعت نے مقرر فرمائی ہے وہ مسلمانوں کی اصلاح (معاشرہ) کے لیے ہے مثلاً سزائے قصاص، شراب، زنا اور سرقہ کی سزائیں جان، آبرو، رشتہ، کنبہ، خاندان اور مال کے تحفظ کی غرض سے ہیں۔ اسی طرح جرم ارتداد کی سزائے قتل اس لیے واجب ہے کہ اس کی خرابی سے بچا جا سکے اور اس کا سدباب کیا جائے، دراصل یہ کفر کی سزا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سزا تو اللہ کے ہاں اس سزا سے کہیں سخت ہے۔ پس یہ سزا اسے دی جاتی ہے جو جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی مرد ہو، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ عورت جنگ نہیں کیا کرتی، جیسا کہ احادیث صحیحہ مذکورہ سابقہ میں آیا ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتدہ عورت کو قتل کیا اس کی بابت بتایا گیا ہے کہ اسے محض مرتد ہونے کی بنا پر قتل نہیں کیا گیا بلکہ اس لیے کیا گیا کہ وہ جادو کرتی تھی اور شعر کہتی تھی جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو (مذمت) کیا کرتی تھی، اس کے تیس (۳۰) بیٹے تھے جنہیں وہ حضور سے لڑنے کے لیے اکسایا کرتی تھی۔ لہٰذا اسے قتل کا حکم فرمایا۔ تاہم مرتدہ عورت کو قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے یا اسی حالت میں مر جائے اور ہر روز اسے انتالیس (۳۹) کوڑوں کی سزا دی جائے یہ بھی قتل کرنا ہی ہے کیونکہ مسلسل ضربات سے موت کا آجانا امر ناگزیر ہے۔ اور قید کی سزا اس لیے واجب ہے کہ اس نے مسلمان ہو جانے کے بعد حق اللہ کے پورا کرنے سے انکار کیا لہٰذا حق العباد کی ادائیگی کی طرح اسے حق اللہ (وعدہ الٰہی) کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

'جامع صغیر' میں آیا ہے کہ عورت کو مسلمان ہونے پر مجبور کر دیا جائے خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی (مملوکہ) ہو، اگر لونڈی ہے تو اس کا آقا اسے مسلمان ہونے پر مجبور کرے کیونکہ اس لونڈی پر دو حق عائد ہوتے ہیں۔ اللہ کا حق اور اس کے آقا کا حق۔

واضح ہو کہ اگر آزاد عورت مرتد ہو جائے تو جب تک وہ دارالاسلام میں ہے اسے لونڈی بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن اسے ہر روز سزائے ضرب دی جائے بہت ممکن ہے کہ وہ پھر مسلمان ہو جائے۔ مرتدہ عورت نے جو کچھ کمایا ہے وہ اس کے

Marfat.com

وارثوں کا حق ہے، کیونکہ اس نے جنگ کا مظاہرہ نہیں کیا، اس کا مسلمان خاوند اس کے مال کا وارث ہوگا۔

ابو یوسفؒ نے ابو حنیفہؒ سے، انہوں نے عاصمؒ بن ابی النجود سے اور انہوں نے ابو رزینؒ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے فرمایا "لا تقتل النسآ اذا ھن ارتددن عن الاسلام، ولکن یحبسن ویدعین الی الاسلام یجبرن علیه" (یعنی عورتیں اگر مرتد ہوجائیں تو انہیں قتل نہ کیا جائے لیکن قید میں رکھا جائے اور دعوت اسلام دی جائے اور اس پر مجبور کیا جائے)۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مقتولہ عورت کی لاش اسلامی جنگ میں دستیاب ہوئی اسے دیکھ کر آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور امام محمدؒ کو جو روایات پہنچی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "عورت اسلام سے برگشتہ ہوجائے تو اسے قید میں ڈال دیا جائے" (ظاہر ہے کہ) یہ بات ایسی نہیں ہے کہ کوئی شخص (بلاثبوت) اپنی طرف سے ایسی بات کہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کو یمن میں مامور کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ ہدایت فرمائی تھی کہ "ایما رجل ارتد عن الا سلام فادعه، فان تاب فاقبل منه، وان لم یتب فاضرب عنقه، وایما امراة ارتدت عن الاسلام فادعها فان تابت فاقبل منها، وان ابت فاستتبها" الخ (یعنی تم میں سے جب کوئی مرد اسلام سے پھر جائے تو اسے دعوت اسلام دینا، اگر توبہ کرلے تو اسے تسلیم کرلینا اگر توبہ نہ کرے تو اس کی گردن مار دینا، اور کوئی عورت اگر مرتدہ ہوجائے تو اسے دعوت اسلام دینا توبہ کرلے تو قبول کرلینا، اگر انکار کرے تو اسے توبہ کرنے کے لیے کہتے رہنا...... وغیرہ) اور دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اخراج فرمایا ہے کہ امام ممدوح نے فرمایا۔ "المرتدة تستتاب ولا تقتل" (یعنی مرتدہ عورت سے توبہ کے لیے کہا جائے لیکن قتل نہ کیا جائے) یہ تمام دلائل امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی تائید کرتے ہیں جن کا ارشاد ہے کہ ایسی عورت کو قتل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اسے قید کیا جائے اور مارا جائے۔

مرتد کی املاک کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص مرتد ہوجائے اس کے مال پر مرتد کا قبضہ سردست ختم ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا حشر معلوم ہوجائے۔ یعنی اگر وہ پھر سے مسلمان ہوجائے تو اس کا مال اپنی سابقہ حیثیت اختیار کرلے گا۔ (یعنی بدستور وہ اس مال کا مالک رہے گا) کیونکہ اس کی حیثیت ایک شکست خوردہ حربی کی مانند ہوتی ہے جو اس وقت تک حکومت کے قبضہ میں ہوتا ہے کہ وہ قتل کردیا جائے اور اگر وہ لڑائی برپا نہ کرے تو اسے قتل نہیں کیا جاتا اور مرتد کے مال پر اس کا قبضہ ارتداد کے بعد ختم ہوجاتا ہے۔ بجز اس حالت کے جبکہ اسے مسلمان ہوجانے کے لیے کہا گیا ہو اور اس پر اسے مجبور کیا جا رہا ہو اور یہ توقع ہو کہ وہ پھر مسلمان ہوجائے گا تو اس کی بابت فیصلہ کرنے میں توقف کیا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان ہوگیا تو یہ حکم (ضبطی املاک کا) کالعدم متصور ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ گویا وہ مسلمان ہی رہا (اور ترک اسلام کیا ہی نہیں) اور مال کے خارج از ملکیت ہونے کا کوئی سبب نہ رہا۔ لیکن اگر وہ اسی حالت میں مرگیا یا قتل کردیا گیا۔ یا دارالحرب (غیر مسلم علاقہ) میں چلا گیا اور اسے

Marfat.com

خارج از دارالاسلام قرار دے دیا گیا۔ تو اس کا کفر ثابت شدہ قرار پائے گا جو زوال ملکیت مال کا سبب موثر ہوگا۔ اور اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ پھر مسلمان ہو جائے اور اس کی املاک موجود ہے تو وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں ان کے مناسب حال عمل واجب ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ مرتد ہو جانے پر حق ملکیت ختم ہو جائے گا اور بار دگر مسلمان ہو جانے پر وہ پھر مالک متصور ہوگا۔

صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مرتد کے مال میں اس کی ملکیت بحال رہتی ہے، کیونکہ وہ مکلّف ہے اور محتاج مال ہے۔ یہ ملکیت قتل ہونے تک بحال رہے گی جیسے اس شخص کی ملکیت بحال رہتی ہے جسے سنگساری کا یا قصاص کا حکم ہوا ہو کیونکہ دونوں مکلّف ہیں اور ان کا خون معاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جانے کے بعد مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کا وہ تمام مال جو اس نے حالت اسلام میں کمایا وہ اس کے مسلمان ورثاء کو منتقل ہو جائے گا اور وہ مال جو اس نے مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا وہ 'فئ' (مال غنیمت) متصور ہوگا۔ اس پر تمام مسلمانوں کا حق ہے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔

صاحبین کہتے ہیں کہ مرتد کی تمام ہی املاک سے اس کا حق ملکیت ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم کر دی جائے گی کیونکہ دونوں حالات میں جو کچھ اس نے کمایا اس پر حق ملکیت قائم رہتا ہے اس لیے کہ وہ مکلّف ہے (یعنی وہ شخص جس پر احکام عائد ہوتے ہوں) اور وہ اس کا حاجتمند ہے پس اس کا مال مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو منتقل ہو جائے گا اور وہ سب مال اس کے مرتد ہونے سے پہلے کا مال متصور ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت مرتد ہو جانے کے باعث ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ مسلمان کا مال ہوا جو مسلمان کے ورثے میں آیا۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ وہ تمام مال وہ ہے جو حالت اسلام میں اس نے کمایا۔

مرتد اگر وفات پا جائے یا بوجہ ارتداد کے قتل کر دیا جائے۔ تو اس کی مسلمان بیوی جو عدت میں ہے اس کی وارث ہوگی اور (اس کے ارتداد کو) قریب المرگ ہونا تصور کیا جائے گا اگرچہ وہ مرتد ہونے کے وقت صحت مند رہا ہو۔ کیونکہ مرتد ہونا ہی اس کی موت کا سبب ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مرتد کا وہ مال جو اس نے حالت اسلام میں کمایا اور وہ مال جو مرتد ہونے کے بعد اس نے کمایا وہ سب 'فئ' (مال غنیمت جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا ہو) متصور ہوگا۔ کیونکہ وہ شخص حالت کفر میں مرا اور کوئی مسلمان بالاتفاق کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ حربی کا مال ہے جو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ اس کے لیے اونٹ۔ گھوڑے نہیں دوڑائے گئے لہٰذا وہ 'فئ' ہے (یعنی بلا جنگ ہاتھ آنے والا مال)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرتد کا وہ مال جو ترک اسلام سے پہلے اس نے حاصل کیا یا حالت کفر میں کمایا اس کی بابت کئی رائیں ہیں اور سب سے قوی رائے یہ ہے کہ یہ مال ایسا ہے جیسے اس کی بیوی کہ اس کے بارے میں فیصلہ کے اندر توقف کرنا چاہیے خواہ وہ دارالحرب میں چلا گیا ہو یا نہ گیا ہو۔ پس اگر اس نے مرتد ہو کر حصول مال کی کوشش کی ہے تو جو کچھ اس نے حاصل کیا وہ 'فئ' (مال غنیمت) متصور ہوگا اور وہ مال جو اس نے لکڑی ڈھو کر یا ایسے ہی کسی اور طریقہ سے (یعنی محنت

Marfat.com

مزدوری سے) کمایا وہ اس کے لیے روا رہے گا۔ اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ مسلمان ہی رہا۔ کیونکہ حالت ارتداد میں مرنے پر ہی اعمال کا ضائع ہونا موقوف ہے اسی طرح حق ملکیت بھی مرنے پر ختم ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مرتد کے مال پر اس کا حق ملکیت مرتد ہونے ہی پر ختم ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مرتد ہو جانے پر اس کی جان ہی محفوظ نہیں رہتی تو مال بدرجہ اولیٰ غیر محفوظ ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مرتد ہو جانے سے حق ملکیت ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ کافر ہونا ملکیت مال کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح کہ اصل کافر کا حق ملکیت باقی رہتا ہے۔

ان اقوال سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرتد کے ذمہ جو قرضہ واجب الادا ہے یا مال وغیرہ کے تلف کرنے سے جو واجبات اس پر عائد ہوتے ہیں وہ سب اس کے مال سے ادا کئے جائیں اور اگر یہ مانا جائے کہ ملکیت زائل ہو جاتی ہے تو موت سے کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ (بہر حال اسی سے ادا کرنا ہوگا) اور قرض واجب الادا کو وارثوں کے حق پر اسی طرح حق 'فی' (یعنی مال غنیمت کے حق) پر فوقیت دی جائے گی۔

زندیق (یا منافق) کا بیان

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جب معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص زندیق ہے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے۔ اس سے توبہ کرنے کو نہیں کہا جائے گا۔ زندیق وہ ہے جو اپنے کفر کو چھپائے اور ظاہر یہ کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں ایسے شخص کو منافق کہا جاتا تھا۔ اگر وہ توبہ کر لے تب بھی واجب القتل ہے ہاں توبہ کے بعد اس کا قتل بطور حد کے ہوگا۔ بطور کافر ہونے کے نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کی تجہیز و تکفین کی جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے باقی انجام اللہ کے سپرد کیا جائے گا۔ لیکن اگر کسی کے زندیق ہونے کا حال توبہ کے بعد معلوم ہو (کہ وہ زندیق ہو گیا تھا لیکن توبہ کر لی) تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ زندیق کی پانچ حالتیں ہیں۔ تین حالتوں میں تو اس کا مال اس کے ورثاء کو مل جائے گا۔ یعنی جب کہ وہ توبہ کر لے۔ یا اس کا نفاق معلوم ہو جانے کے بعد اس نے توبہ کی۔ یا اس کا زندیق ہونا مرنے کے بعد معلوم ہوا ہو باقی دو حالتوں میں اس کا مال بیت المال میں جائے گا۔ ایک تو یہ کہ اس کا حال مرنے سے پہلے ہی معلوم ہو گیا اور بغیر توبہ کئے اسے قتل کر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ توبہ نہ کی اور موت آ گئی۔ یہی حکم اس شخص کے لیے ہے جو ایسے نبی کو دشنام دے جس کی نبوت جملہ امت مسلمہ کے نزدیک مسلمہ ہو۔ ایسے شخص کو توبہ کرنے کے لیے نہ کہا جائے گا اور توبہ کر لے تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم اگر وہ توبہ کر لے تو اسے سزائے قتل بطور حد کے ہوگی۔ اگر ایسا شخص ناواقفیت کا بہانہ کرے تو وہ عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ کفر کرنے کے لیے نادانی کا عذر قابل تسلیم نہیں ہے۔ اسی طرح، حرام شے کے استعمال سے نشہ کی حالت میں ہونے یا بیجا جوش یا غصہ کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا اور اسے قتل کیا جائے گا۔ اگر کسی کافر اصلی نے نبی کے حق میں بدکلامی کی اور بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اگرچہ قتل کے خوف سے مسلمان ہوا ہو تو اس کا قتل واجب نہیں ہے کیونکہ مستوجب قتل وہی ہوگا جو پہلے مسلمان رہا ہو۔

اگر کوئی مسلمان دشنام دہی کے علاوہ کسی اور جہت سے مرتد ہو گیا ہو اور مرتد ہونے کے بعد کسی نبی برحق کے حق میں بدکلامی کی اور پھر مسلمان ہو گیا تو اس کی سزائے قتل ساقط نہ ہوگی کیونکہ نبی کی شان میں بدکلامی کی سزا حد دو اللہ

Marfat.com

(یعنی اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں) میں سے ہے جو بہر حال واجب النفاذ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی زندیق دوبارہ اسلام کی جانب لوٹ آئے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ یہاں تک کہ فرشتوں اور انبیاء کی شان میں دشنام طرازی کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

واضح ہو کہ حق تعالیٰ کی شان میں بدکلامی کرنے والے کی توبہ تسلیم کر لی جائے گی اس میں اور نبیوں یا فرشتوں کے حق میں بدکلامی (یا گستاخی) کرنے والا توبہ کرلے تو وہ توبہ تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ دونوں میں فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عقل کے اعتبار سے بذات خود شائبہ عیب سے پاک ہے۔ اگر بندہ نے اس کی شان میں گستاخی کی اور توبہ کر لی تو وہ قابل قبول ہو گی بخلاف اس کے ایمان لانے والے اللہ کے خاص بندوں (انبیاء وملائکہ) میں عیب کا محال ہونا اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ ذاتی حیثیت سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں سختی سے کام لیا گیا ہے اور (ان کی شان میں گستاخی کرنے پر) توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا اور بار دگر مسلمان ہونے کے بعد جملہ واجبات، نماز، روزہ اور زکوٰۃ جن کی ادائیگی اس کے ذمہ تھی وہ سب ساقط ہو جائیں گے اور دوسری بار مسلمان ہو جانے پر ان واجبات کے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر نماز واجب ہوئی اور ہنوز اس کا وقت ختم نہ ہوا تھا کہ وہ شخص (مرتد) پھر مسلمان ہو جائے تو اس نماز کو ادا کرے گا۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بناء پر ہے "قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ماقد سلف" (یعنی کافر ہو جانے والوں کو کہہ دو کہ وہ اپنی کرتوت سے باز آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سابقہ فروگذاشتوں سے درگزر فرمائے گا) (یاد رہے کہ مرتد ہو جانے پر تمام اعمال سابقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لئن اشرکت لیحبطن عملک" (یعنی درآنحالیکہ تم نے شرک کیا تمہارے عمل کا ضائع ہو جانا ناگزیر ہے)۔

واضح ہو کہ جب کوئی شخص توبہ کرلے تو اسے وضو کرنا واجب ہے۔ غسل کرنا واجب نہیں ہے، درآنحالیکہ حاجت غسل نہ ہو اور اگر وقت یعنی عمر فرصت دے تو دوبارہ حج کرنا واجب ہے۔ نذر (منت) جو مانی ہے اور قسم کا کفارہ اور بردہ کا آزاد کرنا اور ظہار کا کفارہ جو واجب الادا ہے وہ سب ساقط ہو جائیں گے اور طلاق (معلقہ یا مشروط) بھی نہ پڑے گی مثلاً اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں فلاں گھر کے اندر جاؤں تو تجھ پر طلاق ہے۔ اس کے بعد وہ شخص مرتد ہو گیا یا مرتد ہونے کے بعد توبہ بھی کر لی اور اس گھر میں داخل ہوا تو وہ طلاق نہیں پڑے گی لیکن اس کی خاوند کی حیثیت باقی نہ رہے گی۔ اگر مرتد ہونے سے پہلے جو طلاق دی تھی وہ طلاق ثلاثہ (مغلظہ) تھی تو مرتد ہونے کے بعد وہ عورت بغیر شادی کئے (یعنی بدون حلالہ) اس پر حلال نہ ہوگی۔ ہاں اگر دونوں بیک وقت مرتد ہوئے اور پھر (بیک وقت) مسلمان ہو گئے تو سابقہ نکاح بحال رہے گا۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر زندیق توبہ کر کے مسلمان ہو جانے کا اعلان کر دے تو اس کی توبہ تسلیم کر لی جائے گی۔ زندیق کو توبہ کے لیے کہا جائے گا اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ کافر اصلی کے زمرہ میں شامل قرار دیا جائے گا اور جب وہ اسلام قبول کرلے تو اسے رہا کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

شافعیہ کے ایک اور قول کے مطابق اگر زندیق اسلام (حقیقی) سے ہٹ کر کفر خفی یا کفر باطنیہ اختیار کر لے۔ یعنی یہ کہنے لگے کہ قرآن یہ نہیں ہے جو ظاہر ہے بلکہ ایک باطنی (مخفی) ہے۔ یا ایسا دین اختیار کرے جس کی بابت اس کا گمان یہ ہو کہ محمد (ﷺ) صرف ملک عرب کے رسول تھے یا یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرت ﷺ کا دین برحق تھا لیکن ان کی رحلت کے بعد اب اس کا دخل نہیں ہے یا کسی دینی فریضے کے فرض ہونے یا حرام کے حرام ہونے سے انکار کرے تو اس کا دعویٰ اسلام درست نہیں ہے اور اسے بطور 'حد' کے قتل کر دیا جائے گا اسی طرح وہ فلسفی بھی (تارک اسلام) ہیں جنہیں یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیز پیدا کر دی پھر اس سے ایک اور شے پیدا ہوئی جس نے نظام عالم کو سنبھالا۔ اول الذکر کو وہ 'عقل' اور ثانی الذکر کو 'نفس' کہتے ہیں۔ یہ علانیہ کفر ہے۔ ایسے ہی وہ اہل طبعیات ہیں جو کہتے ہیں کہ زندگی اور موت ایک امر طبیعی ہے (اللہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے) ویسا ہی وہ شخص بھی (کافر) ہے جو رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگائے اور ان کے حق میں بدکلامی کرے یا انبیاء برحق میں سے جن کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے کسی کی شان میں بدکلامی کرے یا رسول اللہ ﷺ کی بات کو جھٹلائے تو اسے بطور 'حد' کے سزائے قتل دی جائے گی اور توبہ کرنے پر بھی حد ساقط نہ ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ اگر وہ شخص توبہ کر لے تو اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے کیونکہ مسلمان ہو جانے پر جرم ارتداد تو جاتا رہے گا لیکن (تکذیب کی) سزائے تازیانہ نافذ ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بغض ہو وہ مرتد ہے تو حضور کی شان میں بدکلامی بدرجۂ اولیٰ (ارتداد) ہے۔ ایسے شخص کو بطور 'حد' کے قتل کیا جائے گا اور اس کے توبہ کر لینے سے بھی حکم قتل ساقط نہ ہوگا۔

مرتد کے دارالحرب میں چلے جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مرتد دارالحرب (غیر اسلامی ملک) میں چلا جائے اور قاضی (حاکم شرع) اس کے بارے میں یہ فیصلہ کر دے کہ وہ دشمن سے مل گیا تو اس شخص کا مدبر (وہ غلام جسے آقا کی وفات کے بعد آزادی کا پروانہ حاصل ہو) اور اس کی ام ولد (وہ لونڈی جس کے بطن سے اولاد پیدا ہوگئی ہو) دونوں قسم کے مملوک آزاد ہو جائیں گے اور وہ قرض جو اس پر واجب الادا ہے وہ سب ختم ہو جائے گا اور وہ مال جو اس نے حالت اسلام میں حاصل کیا وہ اس کے مسلمان ورثاء کو منتقل ہو جائے گا کیونکہ وہ دارالحرب سے وابستہ ہونے کے باعث اہل حرب (دشمنان اسلام برسر جنگ) میں شامل ہوگا۔ ایسا شخص احکام اسلام کے لحاظ سے مردہ ہے۔ اب اس پر احکام اسلام کی پابندی ختم ہوگئی ہے جیسے مردہ شخص سے پابندی احکام ختم ہو جاتی ہے۔ اسے ایک متوفی شخص قرار دیا جائے گا۔ تاہم اس کا دشمن سے مل جانا تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ جب تک کہ قاضی (حاکم شرع) اس کا فیصلہ نہ دے دے کیونکہ نفاذ حکم سے پہلے، اس کے اسلام کی طرف واپس آ جانے کا احتمال رہتا ہے۔ پس اس کے لیے قطعی فیصلہ ناگزیر ہے اور جب قانونی طور پر اسے مردہ قرار دیا جائے تب ہی وہ متعلقہ احکام عائد ہوں گے جن کا ذکر اوپر کیا گیا یعنی اس کے مدبر غلاموں کا آزاد ہو جانا وغیرہ۔ جیسا کہ حقیقی موت کے واقع ہو جانے پر ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ بقول امام محمدؒ اس کا وارث ہونا اسی وقت تسلیم کیا جائے گا جب وہ دارالحرب میں شامل ہوگا کیونکہ شامل ہونا ہی اس کا موجب ہے اور جب حاکم شرع اس کا فیصلہ کر دے تو اب اس کے واپس آنے کا احتمال جاتا رہے گا اور

Marfat.com

ابو یوسف کا کہنا ہے کہ اس کے وارث کا ہونا اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب قاضی (حاکم اسلام) اسے فوت شدہ قرار دیدے اور مرتدہ عورت اگر دارالحرب (کافروں) میں جا ملے تو اس کے بارے میں بھی مسالک کے درمیان یہی اختلاف ہے۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ وہ تمام قرضے جو مرتد پر قرض لینے کے وقت عائد ہوئے وہ اس کے ایسے مال میں سے ادا کیے جائیں گے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے۔ اگر وہ ادائے قرض کے لیے کافی نہ ہوں تو حالت ارتداد میں حاصل کیے ہوئے مال سے جو اس نے مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ادا کیے جائیں کیونکہ دونوں حالتوں میں جو کمائی اس نے کی ہے اس کی نوعیتیں مختلف ہیں اور دونوں حالتوں میں جو کمائی اس نے کی ہے اس کے حصول میں اس سبب کو ملحوظ رکھا جائے گا جس کی بناء پر وہ قرض واجب الادا ہو (یعنی اگر قرض حالت اسلام کا تھا تو حالت اسلام کی کمائی سے اور اگر حالت ارتداد کا تھا تو حالت ارتداد کی کمائی سے واجب الادا ہوگا) اور یہ ادائیگی قرض بطور غنیمت حاصل شدہ مال میں سے ہوگی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ادائے قرض پہلے حالت ارتداد کی کمائی سے ہوگی کیونکہ درحقیقت وہ حالت اسلام کی کمائی کا مالک ہے یہاں تک کہ وارث اس کے پیچھے اس کا مالک ہوتا ہے اور پسماندگان کا حق اس وقت ہوتا ہے جب مورث کا حق ختم ہو جائے۔ پس ادائے قرض پہلے اس مال سے ہونا چاہیے جس کا مورث (اپنی زندگی میں) مالک رہا ہو۔ لیکن مرتد (شروع سے) حالت ارتداد کی کمائی کا مالک ہی نہیں ہوتا کیونکہ مرتد ہو جانے کے بعد مالک ہونے کی اہلیت نہیں رہتی (پس جبکہ وہ مالک ہی نہیں ہے) تو اس سے قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس صورت میں جبکہ کسی اور طرح ادائیگی ممکن نہ ہو تو اس مال سے (جو مرتد ہونے کے بعد اس نے کمایا اور جو اب مال غنیمت کی حیثیت میں تھا) قرض ادا کیا جائے، جیسے ذمی کہ اگر مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جائے گا اور اگر اس پر کسی کا قرضہ ہو تو وہ اس مال سے ادا کیا جائے۔ اسی طرح مرتد کی صورت میں بھی عمل ہوگا۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ مرتد نے حالت اسلام میں جو کچھ کمایا تھا وہ تو اس کے وارث کا حق ہے۔ ہاں حالت ارتداد کی کمائی پر صرف اسی کا حق ہے۔ لہٰذا قرض کی ادائیگی اس مال میں سے زیادہ بہتر ہے۔ البتہ اگر وہ مال ادائے قرض کے لیے مکتفی نہ ہو تو اس کا قرضہ حالت اسلام کی کمائی سے ادا کیا جائے کیونکہ قرض کی ادائیگی مقدم ہے۔

ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ مرتد اگر دشمن کے ملک میں چلا جائے تو اس کا قرض دونوں حالتوں کی کمائی سے ادا کیا جائے کیونکہ وہ سب مال اس کی ملکیت ہے۔ یہاں تک کہ وراثت کے احکام اس پر عائد ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرتد کا مال، اس کے دارالحرب میں شامل ہو جانے کے بعد (محفوظ) رہے گا۔ پھر اس کے مال سے وہ واجبات ادا کیے جائیں جو کسی کا مال وغیرہ ضائع کرنے کی بناء پر اس پر عائد ہوتے ہیں کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس کی ملکیت (مرتد ہونے کے بعد) باقی رہتی یا اس مال کو محفوظ تصور کیا جائے تب تو ظاہر ہے کہ یہی حکم ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ مانا جائے کہ مرتد کا حق ملکیت ختم ہو گیا تو اس کی حیثیت موت سے زیادہ نہ ہوگی (یعنی اس کا وہی حکم ہوگا جو متوفی کا ہوتا ہے) اور ادائے قرض وارثوں کے حق پر مقدم ہوگا جیسا کہ مال 'فئ' (یعنی مخالف کا وہ مال غنیمت جو بلا مقابلہ حاصل ہوا ہو) میں ہوتا ہے (کہ پہلے قرض ادا کیا جائے گا) کہ قرض حق 'فئ' پر مقدم ہے۔ پس اگر مرتد، حالت ارتداد میں مر

Marfat.com

جائے اور اس پر قرض واجب ہے اور مال فئ اس سے قابل وصول ہے تو پہلے قرض واجب وصول کیا جائے گا اور اس سے جو بچے گا وہ مسلمانوں کے بیت المال میں جائے گا۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ مرتد، مجور (نا اہل تصرف) قرار دیا جائے گا کیونکہ بوجہ مرتد ہو جانے کے اسے اپنے مال پر تصرف کا حق نہ رہے گا۔ تاہم یہ کہا گیا ہے کہ اس کا نا اہل ہونا، قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو دیوالیہ ہونے کی وجہ سے مالی تصرف سے محروم قرار دیا جائے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نا اہلیت ایسی ہوگی جیسے بے عقل ہونے کے باعث کسی کو مالی معاملات میں تصرف سے محروم کر دیا جائے۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نا اہلیت ایسی ہے جیسے کسی مریض کو نا اہل معاملہ قرار دے دیا جائے۔ اور مرتد پر ترغیب توبہ کے دوران جو مصارف ہوں وہ اس کے مال سے ادا کیے جائیں اور اس کے ضروری اخراجات ذاتی پر جو خرچ ہوگا وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مردہ کی تجہیز و تکفین کے مصارف جو خود اس کے مال سے کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ موت کے بعد اس کا حق ملکیت ختم ہو جاتا ہے۔

اس باب میں صحیح ترین مسلک یہ ہے کہ مرتد نے ارتداد کے بعد جو مالی نقصان کسی کو پہنچایا ہے اس کی تلافی کا وہی ذمہ دار ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان کی ایک جماعت امام (حاکم) سے بغاوت اور اس کے احکام سے سرتابی کرے اور جنگ کے بغیر اس پر قابو نہ پایا جا سکے تو شورش کے دوران جو مالی نقصانات انہوں نے کیے ہیں بقول قوی مسلمان ہو جانے کے بعد ان سب (کی تلافی) کے وہ لوگ ذمہ دار ہوں گے۔

بیوی کے نان ونفقہ کے بارے میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ مرتد پر واجب ہے کہ نکاح کرنے سے جو واجبات اس پر عائد ہوتے ہیں وہ سب ادا کرے۔ اسی طرح اس کے کسی قرابت دار کا نفقہ بھی جو اس کے ذمہ تھا ادا کرے گا۔ کیونکہ ان حقوق کا تعلق اس مرتد سے ہے اور چونکہ اس مال پر مرتد کا حق باقی ہے لہٰذا اس کا ادا کرنا لازم ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی قسم کا نفقہ مرتد پر عائد نہ ہوگا کیونکہ وہ (بوجہ مرتد ہو جانے کے) مال کا مالک نہ رہا اور اس کا حق تصرف جاتا رہا۔ اور اس قول کے مطابق کہ اس کی ملکیت محفوظ رہے گی لیکن نا اہل تصرف قرار دیا جائے گا تو درآنحالیکہ مرتد ہونے کے وقت اسے حق تصرف حاصل تھا لیکن جو تصرف اس نے کیا اس کے عملدرآمد میں توقف کیا جا سکتا ہے: مثلاً (کسی مملوک کو) آزاد کرنا یا مدبر بنانا یا کوئی وصیت کرنا تو اس کے مال کو روک رکھا جائے گا۔ اگر وہ مرتد پھر مسلمان ہو جائے، تو وہ تصرفات جو اس نے (اپنی مملوکہ اشیاء میں) کیے وہ سب بحال رہیں گے۔ لیکن اگر وہ (مسلمان نہ ہوا اور حالت ارتداد ہی میں مرگیا تو وہ تصرفات نافذ العمل نہ ہوں گے (یعنی اس کے آزاد کردہ غلام لونڈی نہ آزاد ہوں گے نہ انہیں مدبر بنایا جائے گا اور نہ اس وقت کی وصیت پر عملدرآمد ہوگا) کیونکہ اگر عملدرآمد میں تاخیر کی جائے تو اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ تصرف ہو ہی نہیں سکتا (کیونکہ یہ تاخیر اس کے پھر مسلمان ہو جانے کی توقع پر تھی) لیکن اگر وہ تصرف ایسا ہے جس کے عملدرآمد میں التوا کی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً خرید وفروخت کرنا، ہبہ کرنا یا غلام لونڈی کے حق میں کتابت کرنا (یعنی مال کے عوض آزاد کر دینے کی تحریر کر دینا) وغیرہ ایسے تمام تصرفات جن میں توقف کی گنجائش نہیں باطل (یا کالعدم) تصور ہوں گے۔ اس بناء پر کہ ان معاملات میں التوا باطل ہے اور پرانے معاملات پر عملدرآمد التوا میں رہے گا کیونکہ ایسے

Marfat.com

معاملات میں التوا درست ہے۔ لہٰذا اگر مرتد مسلمان ہوجائے تو ان معاملات کو درست مان لیا جائے گا۔

متذکرۂ بالا صورت حالات میں یہ لازم ہے کہ مرتد کے مال کو ایک ایماندار شخص کی تحویل میں رکھا جائے اور اس لونڈی کو کسی معتبر عورت کی یا احتیاطاً کسی محرم شخص کی جس کے ساتھ تنہائی میں رہنا حلال ہو سپرداری میں رکھا جائے یہ حکم اس لیے ہے کہ مرتد کے مال پر تمام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مرتد ہو جانے سے حلالہ کرنے والے کا حلالہ باطل نہ ہوگا چنانچہ اگر کسی شخص نے قطعی طلاق یافتہ عورت کے ساتھ نکاح کرلیا تو اس سے عمل حلالہ پورا ہوگیا اور مرتد ہو جانے سے عمل حلالہ باطل نہ ہوگا اور طلاق مغلظہ دینے والے پر وہ پھر حلال ہو جائے گی۔ بخلاف عورت کے اگر قطعی طلاق یافتہ عورت کسی سے نکاح کر کے مرتدہ ہو جائے تو یہ حلالہ نہ ہوگا اس کے مرتد ہو جانے سے یہ حلالہ باطل ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر مطلقہ سے کسی شخص نے شادی کرلی اور وہ عورت مرتدہ ہوگئی اور پھر مسلمان ہوگئی تو وہ سابقہ خاوند کے لیے جس نے طلاق قطعی دی تھی حلال نہ ہوگی جب تک کہ کسی اور سے شادی نہ کرلے (اور پھر طلاق) نہ ہو جائے کیونکہ اس نے خود ہی اس نکاح کو جس کی بناء پر حلالہ ہوسکتا (مرتدہ ہوکر) باطل کردیا۔ اسی طرح اس شخص کا نکاح باطل ہوگیا جس نے اس کے ساتھ شادی کی تھی۔

واضح ہو کہ مرتد ہو جانے سے (غلام یا لونڈی کا) آزاد کرنا جو کسی قسم کی بھی شرط پر موقوف نہ تھا، باطل نہ ہوگا۔ خواہ دوبارہ مسلمان ہو جائے یا حالت ارتداد میں قتل کردیا جائے یا دارالکفر میں جا ملے۔ اسی طرح اگر اس نے بیوی کو طلاق دے دی ہے، تو وہ طلاق بحال رہے گی اور باطل نہ ہوگی۔ اگر ہبہ شدہ یا وقف شدہ شے کو پہلے ہی الگ کردیا ہے تو ہبہ یا وقف بحال رہے گی خواہ وہ شخص مسلمان ہو جائے یا حالت ارتداد ہی میں مرجائے۔ لیکن اگر اس مال کو ہنوز نکالا نہ تھا اور وہ شخص مرتد ہوگیا اور حالت ارتداد ہی میں مرگیا یا کافر سے جاملا تو اب اس پر عملدر آمد نہ ہوگا۔ بلکہ مرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ آیا وہ پھر مسلمان ہو جاتا ہے یا اس کے تصرفات کو باطل یا کالعدم قرار دیا جائے۔

ان اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کوئی کافر اپنا مذہب بدل کر کوئی اور مذہب کفر اختیار کرے مثلاً نصرانی، یہودی یا مجوسی بن جائے تو اسلامی حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ اور کافروں میں سے اگر کوئی مسلمان ہو جائے اور پھر کفر اختیار کرلے اور قاضی اس کے توبہ نہ کرنے پر اس کے قتل کا ارادہ کرے تو وہ اپنی اس حرکت کا (کہ مسلمان کیوں ہوا تھا؟) یہ عذر بیان کرے کہ میں تو اپنی جان یا مال کے جانے سے ڈر کر مسلمان ہوا تھا۔ تو اس کا یہ عذر تسلیم کرلیا جائے گا۔ اگر اس کا یہ عذر قرینہ سے درست ثابت ہو تو اس کو مان لیا جائے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر اس کی یہ بات غلط ثابت ہو تو اسے مرتد قرار دیا جائے گا کہ توبہ نہ کرے تو بطور کافر قتل کردیا جائے۔

اگر کوئی شخص شہادتین کا اقرار کرے (یعنی اشھد ان لاالٰہ الاّ اللّٰہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ کہہ دے) لیکن ارکان اسلام کی پابندی نہ کرتا ہو۔ ایسے شخص کی سرزنش کی جائے اور حاکم جو سزا مناسب سمجھتا ہو اسے دے سکتا ہے اگر وہ (اپنے رویہ سے) باز آجائے تو اسے مرتد کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ حکم اس امر کے بارے میں ہے جو مسلمانوں میں عام نہیں ہے تاہم وہ شخص اتنا جانتا ہے کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ مسلمان پر فرض ہے۔ بصورت دیگر وہ

Marfat.com

شخص مرتد ہے کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ اس کا ربط ضبط رہا ہے اور اسلام کے دینی احکام سے واقف ہے ایسے شخص کی تادیب کی جائے گی لیکن اگر وہ اسلامی فرائض کا منکر ہو تو اسے مرتد قرار دیا جائے۔ اسی طرح اس جادوگر کو بھی تنبیہ کی جائے جو جادو کرتا ہو لیکن اس سے مسلمان کو مضرت نہ پہنچی ہو۔ اگر مسلمان کو ضرر پہنچے تو اس کی یہ حرکت عہد کی خلاف ورزی ہوگی اور حاکم وقت اسے قتل کر سکتا ہے یا اس وقت تک کے لیے غلام بنا کر رکھ سکتا ہے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے۔ اگر اس شخص نے اپنے جادو سے کسی اہل کتاب کو نقصان پہنچایا تو اسے سرزنش کی جائے گی بشرطیکہ اس نے جادو کر کے کسی کو ہلاک نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں اسے قتل کر دیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص ایسی (مقدس) ہستی کو دشنام دے جس کی نبوت پر سب کا اتفاق ہو مثلاً خضر اور لقمان یا حضرت مریم کے حق میں (تہمت زنا کے علاوہ) کوئی اور بدکلامی کرے تو اسے شدید سزائے ضرب دی جائے اور قید میں ڈال دیا جائے اور اگر خاندان رسالت آنحضرت ﷺ میں سے کسی کو، یہ جانتے ہوئے کہ وہ حضور کی نسل میں سے ہے، گالی دے تو اسے بھی سزائے ضرب دی جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص خاندان نبوت سے نہ ہو لیکن صراحۃً یا اشتباہاً یہ دعویٰ کرے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی ذریت میں سے ہے۔ مثلاً ہرے رنگ کا عمامہ باندھ کر یا ایسی ہی کوئی اور بات (یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ خاندان نبوت سے ہے) کرے تو ایسے کو سزا دینے یا تنبیہ کرنے پر زیادتی نہ کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "لعن اللہ الداخل فینا بغیر نسب، و الخارج منا بغیر سبب" (یعنی اس پر اللہ کی لعنت جو نسلی تعلق کے بغیر ہمارے خاندان میں داخل ہو یا بلا سبب اس سے خارج ہو جائے)۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے شریف النفس ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اسے ایک مہینے تک سزا دی جائے اور اتنے لمبے عرصہ تک قید میں رکھا جائے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے توبہ کرے کیونکہ ایسا کرنے سے رسول اللہ ﷺ کی توہین ہوتی ہے۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی صحابی کو دشنام دے تو اسے سزائے ضرب وقید دی جائے۔ لیکن اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ یہی حکم ان میں سے کسی کو کافر کہنے کا ہے۔ اگر کوئی شخص خلفائے اربعہ (ابوبکر، عمر، عثمان و علی رضوان اللہ علیہم) میں سے کسی کی تکفیر کرے۔ تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا لیکن اس کی سرزنش کی جائے گی اور اگر تمام صحابہ کی تکفیر کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے کیونکہ اس نے دین کی مسلمہ سچائی کا انکار کیا اور خدا اور رسول کو جھٹلایا۔ اگر اس بارے میں ایک معتبر گواہ یا غیر معتبر اشخاص کے ایک گروہ نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے ایک نبی کو جس کی نبوت پر سب کا اتفاق ہے دشنام دیا تو اسے سزائے ضرب (تازیانہ) دی جائے گی۔

اسی طرح اگر مبتلائے مرض نے یوں کہا مجھے اس مرض کی جو تکلیف دی گئی ہے۔ اگر میں حضرت ابوبکرؓ کو قتل بھی کر دیتا تو اس سزا کا مستحق نہ ہوتا اس کی بابت بھی یہی حکم ہے اور اگر ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مقصود ہو تو وہ شخص بالاتفاق مرتد قرار دیا جائے گا۔

Marfat.com

مرتد کے تصرفات (انجام دادہ معاملات) کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ مرتد جو معاملات انجام دے اس کی چند قسمیں ہوں گی۔

۱۔ وہ معاملات جو بالاتفاق درست مانے گئے ہیں۔ مثلاً اولاد کا باپ بننا اور بیوی کو طلاق دینا (یعنی مرتد کے ہاں جو بچہ پیدا ہو وہ مرتد اس کا باپ ہوگا اور بیوی کو جو طلاق دی وہ نافذ ہوگی)۔

۲۔ وہ معاملات جو بالاتفاق درست نہیں ہے۔ مثلاً نکاح کرنا یا جانور کا ذبح کرنا (یعنی نہ مرتد کا کیا ہوا نکاح درست ہے اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہے) کیونکہ ان دونوں باتوں کا انحصار مذہب پر ہے اور مرتد کا کوئی مذہب نہیں ہے اور جو مذہب اختیار کیا وہ درست نہیں ہے کیونکہ مرتد ہونے کے بعد وہ واجب القتل ہے (یعنی وہی نہیں تو مذہب کہاں؟)

۳۔ وہ معاملات جن کا نفاذ بالاتفاق التوا میں رہے گا مثلاً عہد شراکت، چنانچہ اگر مرتد نے کسی مسلمان کے (کاروبار میں) شراکت کرلی ہے تو اس پر عملدرآمد التوا میں رہے گا۔ البتہ اگر مرتد پھر مسلمان ہو جائے تو شراکت کا معاملہ بحال رہے گا۔ اگر مر گیا یا اسے قتل کر دیا گیا یا دارالحرب (دشمنوں) سے جا ملنے کا، بموجب فیصلہ حاکم، مرتکب قرار دیا گیا تو یہ شراکت بالاتفاق (بے اثر) ہو جائے گی کیونکہ شراکت کے معاملہ (کے درست ہونے) کا انحصار فریقین کے (مذہبی) مساوات پر ہے اور مسلمان اور مرتد یکساں نہیں مانے جائیں گے تا آنکہ وہ مرتد پھر مسلمان نہ ہو جائے۔

۴۔ وہ معاملات جن کے التوا کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ان میں خرید و فروخت، غلام کا آزاد کرنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا اور بحالت ارتداد اپنے مال میں تصرف کرنا، ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ (مرتد کے) ان تمام معاملات کے لاگو کرنے کو التوا میں رکھا جائے گا۔ اگر وہ پھر مسلمان ہو جائے تو یہ تمام معاملات بحال رہیں گے۔ اگر مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دارالحرب (غیر مسلم علاقہ) میں چلا گیا تو یہ سب باطل متصور ہوں گے کیونکہ اس صورت میں گویا وہ ایک محارب ہے جو اسلامی حکومت میں بے دھڑک رہ رہا ہو۔ جس طرح ایسے شخص کا مالکانہ حق التوا میں رہتا ہے اور اس التوا کی بناء پر اس کا حق تصرف ملتوی رہتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک حربی کی مانند ہے جو اسلامی حکومت میں بلا معاہدہ امان کے داخل ہوا ہو ایسے شخص کو گرفتار کرلیا جائے گا اور سخت نگرانی میں رکھا جائے گا اور جو معاملہ اس نے کیا ہو اس پر عملدرآمد ملتوی رہے گا کیونکہ ہنوز اس کے انجام کا علم نہیں ہے۔ یہی حکم مرتد کے بارے میں بھی ہے۔ پھر یہ بھی کہ مرتد، حق تحفظ سے محروم ہو کر مستوجب قتل ہو جاتا ہے جس کے باعث اس کی صلاحیت تصرف باقی نہیں رہتی بخلاف شادی شدہ زانی یا قتل عمد کے مرتکب کے (کہ گو وہ بھی مستوجب قتل ہوتے ہیں لیکن ان کا حق تصرف بحال رہے گا) کیونکہ ان کے تحفظ کا سبب یعنی مسلمان ہونا باقی ہے۔ وہ قتل کے سزاوار بوجہ ارتکاب جرم کے ہوئے ہیں۔ پس ان کا حق ملکیت فی الواقع باقی رہے گا۔ بخلاف مرتدہ عورت کے، کیونکہ اسے حربیہ (برسر جنگ) تصور نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرتدہ ہونے کے بعد اسے قتل نہیں کیا جاتا لیکن مرد مرتد ہو جائے تو وہ اپنے مال کا مالک نہیں رہتا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ فرماتے ہیں کہ مرتد کے کیے ہوئے تمام معاملات کا لاگو کرنا جائز ہے خواہ مرتد ہونے سے پہلے کے معاہدے ہوں یا بعد کے کیونکہ صحت معاملہ کا انحصار اہلیت پر ہے اور اس پر عملدرآمد ہونے کا انحصار مالک ہونے پر

Marfat.com

ہے۔ظاہر ہے کہ اس کو معاملہ کا اہل تو مانا گیا ہے کیونکہ اس کے افعال پر (اس سے) باز پرس ہوتی ہے۔اسی طرح اسے حق ملکیت بھی ہے کیونکہ مرنے سے پہلے وہ حق باقی رہتا ہے اور مرتد ہو جانے سے وہ حق زائل نہیں ہو جاتا۔کیونکہ وہ مکلف (احکام کا پابند) ہوتا ہے اور اس پر لازم ہے چنانچہ مالک تصرف ہوئے بغیر وہ (ان) احکام کو بجا نہیں لاسکتا اور قتل ہو جانے تک تصرف کا حق باقی رہے گا۔یہی وجہ ہے کہ اگر مرتد ہونے کے چھ ماہ بعد اس کی مسلمان بیوی سے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کا وارث ہوگا۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ایک مرتد کے بارے میں دارالحرب میں منتقل ہو جانے کا فیصلہ ہو گیا ہو اور وہ پھر مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آجائے تو وہ مال جو بعینہ اس کے وارثوں کے قبضہ میں تھا وہ ان سے حاصل کر سکتا ہے کیونکہ وہ مال اس کے وارثوں کو اس لیے منتقل ہوا تھا کہ وہ دارالحرب میں چلے جانے کے بعد قانونی طور پر (حقیقی طور پر نہیں) اس مال سے مستغنی قرار دیا گیا لیکن جب مسلمان ہو کر واپس آ گیا اور اس مال کا مطالبہ کرے تو وارثوں پر اسے فوقیت دی جائے گی۔بجز اس صورت کے جبکہ وارثوں نے اس مال کو اپنی ملکیت سے خارج کر دیا ہو اسی طرح اس کی ام ولد لونڈیاں اور مدبر غلام پر بھی یہ حکم عائد نہ ہوگا کیونکہ اس کا فیصلہ دلیل قطعی کی بناء پر ہو چکا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔لیکن اگر (مرتد کی بابت) قاضی کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی وہ مرتد واپس آجائے تو گویا وہ مسلمان ہی رہا (یعنی مرتد ہوا ہی نہ تھا) اس حالت میں بدستور وہ اپنے اموال کا مالک رہے گا اور جو قرضہ اس کے اوپر تھا وہ اپنے وقت پر واجب الادا ہوگا۔

نابالغ (بچے) یا جنون زدہ کے مرتد ہو جانے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ نابالغ جس میں عقل ہو اگر نادانستہ طور پر مرتد ہو جائے تو اس کو مرتد قرار دیا جائے گا۔اس کا نکاح باطل ہو جائے گا اور میراث سے محروم ہو جائے گا۔اس کو مسلمان ہونے کے لیے کہا جائے گا۔لیکن قتل نہیں کیا جائے گا اگر حالت کفر میں سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اسے (مرتدہ) عورت کی طرح قید میں رکھا جائے گا اور صاحب شعور نابالغ لڑکے کے اسلام کو، اسلام مانا جائے گا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عہد طفولیت میں، جبکہ وہ پانچ سال کے تھے مسلمان ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اسلام کی تصدیق فرمائی اور خود سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالت طفلی میں مسلمان ہو جانے پر فخر فرمایا ہے: سبقتکموا الی الاسلام طراً غلاماً ما بلغت اوان حلمی" (یعنی میں نے اسلام لانے پر تم پر سبقت کی جبکہ ہنوز میں نو عمر تھا اور عمر بلوغ کو نہیں پہنچا تھا)۔

نابالغ کا اسلام اس لیے بھی قابل تسلیم ہے کہ اس نے حقیقت اسلام کا اعتراف کر لیا جس سے مراد زبانی تصدیق واقرار ہے باقی رہی دل کی تصدیق سو اس کا (زبانی) اقرار ہی اس کی دلیل بھی ہے۔لہٰذا اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے گا۔ چنانچہ عقائد قلبی کے متعلقہ احکامات کا انحصار (اسی اقرار باللسان) پر ہے۔پھر یہ بھی ہے کہ (کسی امر کا) رضا کارانہ اعتراف کر لینا عقیدہ (قلبی) کی دلیل ہے۔نیز اس لیے بھی کہ نبی ﷺ نے ابن صیاد کو دعوت اسلام دی تھی۔حالانکہ وہ اس وقت عہد طفولیت میں تھے اور بلوغت کو نہیں پہنچے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے بری بات ہوگی کہ ایسے شخص کو مسلمان نہ کہا جائے جو علم قرآن حاصل کرتا اور اس کی تعلیم

Marfat.com

دیتا ہو۔ کلمہ شہادتین پڑھتا اور نماز ادا کرتا ہو۔

ان اصحاب کا کہنا ہے کہ حقیقت اسلام (کے اظہار کو) رد نہیں کیا جا سکتا اور یہی بنیادی حکم ہے جس کے ساتھ دائمی خوش بختی اور نجات آخرت، کہ یہی سب سے بڑا فائدہ ہے، وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے فوائد کی جڑ بھی ہے۔ لہٰذا اگر اس میں کوئی شائبہ ضرر ہو تو اس کو نظر انداز کیا جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کی (جو اقرار باللسان کرے) نماز روزہ مقبول ہیں اور اللہ ان کا اجر دیتا ہے۔

ان اصحاب کا کہنا یہ بھی ہے کہ مرتد ہونا بھی ایک امر واقعہ ہے اور اس امر واقعی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا گیا۔ اگر ارتداد سے انکار کیا جائے تو یہ جرم ارتداد کو معاف کر دینا ہوگا، اور یہ ایک امر قبیح ہے۔ البتہ اس کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اسی میں اس کا فائدہ ہے۔ اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قتل ایک سزا ہے اور رحم کے پیش نظر (بچوں کی) سزا سے درگزر کیا جائے گا۔ یہ حکم ایسے نابالغ (بچے) کے بارے میں ہے جو عقل رکھتا ہو اگر بچہ بے عقل ہے تو اس کا مرتد ہونا بے معنے ہے۔ اس کے (عمل) ارتداد سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے اپنا عقیدہ بدل لیا ہے۔ اسی طرح اس کا اسلام لانا بھی کچھ معنے نہیں رکھتا کیونکہ وہ بے شعور ہے۔ غرض اس کا اسلام اور ارتداد غیر معتبر ہے۔

جنون زدہ کا مرتد ہو جانا بالاتفاق درست نہیں ہے اور نہ مسلمان ہونا درست ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہے (جس پر احکام عائد نہیں ہوتے) اور بموجب حدیث شریف وہ مرفوع القلم ہے (یعنی جوابدہی سے بری ہے)۔

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عقل رکھنے والے بچے کا نہ مرتد ہونا ارتداد ہے اور نہ مسلمان ہونا اس کا اسلام لانا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں صاحب عقل بچے کا مرتد ہو جانا ارتداد نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا مسلمان ہونا بھی اس کا اسلام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا اسلام ماں باپ کے اسلام کے تابع ہے۔ اس کا اصلی اسلام نہیں (بلکہ نقل) ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مسلمان ہونے میں اس کا نقصان ہے لہٰذا وہ اسے اپنا نہیں سکتا اور مرتد ہونے میں تو نقصان ہی نقصان ہے لہٰذا اس کے مسلمان ہونے یا ترک اسلام کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غیر مکلف ہے اور اس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ غیر مکلف ہے اور اختیار سے محروم ہے (اس نے تو محض ماں باپ کی پیروی کی ہے) اسی طرح جنون زدہ مرتد کے ارتداد کو بھی صحیح نہیں مانا جائے گا۔ کیونکہ وہ غیر مکلف (یا غیر ذمہ دار) ہے ان کی بات نہ کسی گنتی میں ہے نہ اعتقاد۔ لہٰذا ان کے فعل ارتداد کو مرتد ہونا تصور نہ کیا جائے گا۔

یہی حال جبراً اسلام سے برگشتہ کیے جانے والے شخص کا ہے۔ بشرطیکہ اس کے دل کو اپنے ایمان پر اطمینان ہو چنانچہ قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان، ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضب من اللہ، ولھم عذاب عظیم‘‘ (النحل:۱۰۶) (یعنی جو ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کرے وہ بھی مستحق غضب الٰہی ہے بجز اس صورت کے جبکہ اسے کفر پر مجبور کیا جائے۔ اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے لیکن جس نے بخوشی خاطر کفر اختیار کر لیا تو وہ اللہ کے غضب اور عذاب [illegible] وار ہے)۔

Marfat.com

جنون زدہ شخص اگر مرتد ہو جائے اور ہنوز اسے توبہ کرنے کو نہیں کہا گیا کہ جنون طاری ہو تو اس حال میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ جنون سے اسے افاقہ ہو جائے اور پھر مسلمان ہو جائے۔ تاہم اگر حالت جنون میں ہی اسے قتل کر دیا جائے تو قاتل پر جرم قتل عائد نہ ہوگا۔ البتہ اسے سزا دی جائے گی بجز اس صورت کے جبکہ اس شخص کا بالارادہ مرتد ہونا ثابت ہو یا جرم قذف کے مرتکب ہونے کا اعتراف کرے یا مستوجب قصاص ہے اور اس پر جنون طاری ہو گیا۔ تو ایسے شخص کو (ان جرائم کی) سزا اس حالت میں دی جائے گی جب اسے جنون سے افاقہ ہو۔

بچے کے بالغ ہو کر مرتد ہو جانے کا بیان

حنفیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ چار حالتوں میں مرتد واجب القتل نہیں ہوتا:

ایک تو وہ بچہ جو ماں باپ کی اتباع میں مسلمان ہوا لیکن بالغ ہو کر مرتد ہو گیا اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید میں رہے گا یہاں تک کہ توبہ کر لے۔ کیونکہ اس کا اسلام دوسروں کے دیکھا دیکھی تھا لہٰذا وہ مشتبہ اسلام قرار پا کر قتل کو ساقط کر دے گا۔

حنابلہ کا کہنا بھی یہی ہے، کہ اسے ضرب وقید سے مجبور تو کیا جا سکتا ہے لیکن قتل نہیں کیا جائے گا۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اس بچے کو مرتد قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اسلام میں ماں باپ کا صرف پیرو تھا، پس اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائے۔ اگر ارتداد سے توبہ کر کے وہ پھر حلقہ اسلام میں آ جائے تو اس کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور اسے چھوڑ دیا جائے ورنہ مرتد کی طرح قتل کر دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ کم سنی میں کوئی بچہ مسلمان ہوا اور بالغ ہو کر مرتد ہو جائے تو اسے بھی قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ عہد طفلی کے اسلام کو تسلیم کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، لہٰذا الزام مشتبہ ہو گیا، شافعیہ کا کہنا بھی یہی ہے تاہم اگر کوئی شخص اس کے دوبارہ مسلمان ہونے سے پہلے اسے قتل کر دے تو بصورت موجودہ اس قاتل پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ اور اگر اس کا کوئی مسلمان قرابت دار مر جائے تو وہ وارث بھی نہ ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بچپن میں مسلمان ہو جائے اور بالغ ہو کر مرتد ہو جائے تو بطور مرتد کے اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس پر احکام مرتد لاگو ہوں گے۔

تیسرے یہ کہ عہد طفلی (یا بچپن) کی حالت میں مرتد ہونے والے (کے فعل) کو ارتداد تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اس پر کوئی عملدرآمد نہ ہوگا۔ البتہ اسے قید کر لیا جائے اور اسے مارا پیٹا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔ کیونکہ مسلمان ہو جانا ہی اس کے لیے زیادہ مفید ہے۔ پس اس کے لیے اسے مجبور کیا جا سکتا ہے اور سخت سزا دی جائے گی تاکہ وہ باز آئے اور صدق دل سے توبہ کر لے۔

چوتھے یہ کہ جبریہ مسلمان ہونے والا اگر مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسے دکھاوے کا مسلمان مانا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے سر پر تلوار کا ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ دل سے اس نے عقیدہ اسلام کو نہیں مانا، پس اس کے امر اسلام کے مشتبہ ہو جانے کے باعث قتل کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

شافعیہ کا کہنا بھی یہی ہے، کہ وہ مکلف نہ تھا اور ایسا شخص تھا جسے (اسلام لانے پر) مجبور کیا گیا لہٰذا اس کے فعل

Marfat.com

(ارتداد) پر باز پرس نہ ہوگی۔

چاروں علمائے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر۔ نعوذ باللہ۔ کسی کے والدین مرتد ہو جائیں اور ساتھ ہی ان کا بچہ بھی مرتد ہو جائے اور پھر وہ دار الحرب میں چلے جائیں، اور ان کے کفر کا فیصلہ (قانونی طور پر) ہو جائے تو اس بچے کے مرتد ہونے کو درست مان لیا جائے گا اور بالاتفاق ان سب پر احکام کفر لاگو ہوں گے۔ پھر اگر وہ بچہ مسلمان ہو جائے تو بالاتفاق اس کے اسلام لانے کو تسلیم کر لیا جائے گا، اور شریعت کی رو سے اس کا مسلمان ہونا مسلم ہوگا، لیکن وہ اپنے کافر ماں باپ کا وارث نہ ہوگا البتہ وہ اپنے ایسے مسلمان قرابت داروں کا وارث ہوگا جو اس کے مسلمان ہونے کے بعد وفات پائیں۔ مشرکہ عورت کے ساتھ اس کا نکاح درست نہ ہوگا، ہاں مسلمان عورت سے نکاح درست ہے، اور اب سور یا شراب (کا اگر مالک تھا) پر اس کی ملکیت جاتی رہے گی۔

اگر ایک مسلمان اور اس کی بیوی دونوں۔ نعوذ باللہ۔ مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جائیں اور اس کی بیوی حاملہ ہو کر بیٹا جنے اور پھر اس کے بیٹے کے ہاں بھی بیٹا پیدا ہو جائے پھر مسلمانوں کو ان سب پر غلبہ حاصل ہو تو دونوں باپ (یعنی لڑکوں کے باپ اور دادا) فیئ (مال غنیمت) ہوں گے، کیونکہ مرتدہ عورت تو لونڈی بنالی جاتی ہے اور اس کا لڑکا بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے، اب پہلا لڑکا جو ہے اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا (کیونکہ وہ مرتد کی حیثیت میں ہے) بیٹے کے بیٹے کو مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ پوتا (مسلمان ہونے میں) اپنے دادا کا پیرو نہیں تھا کہ (اسے مرتد قرار دیا جاتا) بلکہ وہ اپنے باپ کا پیرو تھا (لہٰذا وہ کافر ہی رہا اور مرتد قرار نہیں دیا گیا) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه وینصرانه" (یعنی ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنالیتے ہیں)۔

نشہ کی حالت میں مرتد ہو جانے یا اسلام لانے کا بیان

حنفیہ، مالکیہ اور ایک روایت کے بموجب حنابلہ بھی کہتے ہیں کہ مخمور انسان (جو نشہ کی حالت میں ہو) اگر عقل سے خالی اور فہم و ادراک سے عاری ہو اس کی مثال ایک مجنون کی سی ہے کہ اس کا مرتد ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا اور اس حالت میں اسلام لانا بھی درست نہیں ہے، پس بالاتفاق جنون زدہ کا ارتداد لاگو نہ ہوگا، کیونکہ ارتداد کی بنیاد عقیدہ (یا خیال) کو تبدیل کرنے پر ہے اور یہ معلوم ہے کہ انسان نشہ کی حالت میں جو کچھ کہتا ہے اس کا قصد نہیں ہوتا اور اس حالت میں طلاق جو واقع ہو جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ طلاق میں قصد کرنا ضروری نہیں ہے، چنانچہ بھولے سے طلاق دے دی جائے تو وہ طلاق پڑ جاتی ہے۔

حنفیہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر وہ نشہ کسی امر ممنوع ارتکاب سے لاحق ہوا ہو اور وہ امر کسی نے بلا جبر واکراہ اختیار کیا ہو تو اس حالت میں ارتداد کا حکم لاگو ہوگا اور وہ جرم ناقابل معافی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حالت نشہ کے معاملات لاگو ہوتے ہیں مثلاً طلاق وغیرہ تو اس حالت میں مرتد ہونا بھی لاگو ہوگا۔ نشہ کی حالت میں توبہ کے لیے کہنے کے بارے میں دو رائیں ہیں: ایک تو یہ کہ اس حال میں توبہ کی ترغیب کرنا درست ہوگا جیسا کہ اس کے مرتد ہو جانے کو تسلیم کیا جاتا ہے عام خیال یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ نشہ دور ہو جانے تک توقف کیا جائے تا کہ اس سے اختلاف نہ رہے جو کہتا ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہ ہوگی، یہی دوسری رائے ہے

Marfat.com

کہ اس حالت میں شبہ باقی رہتا ہے۔

اگر ایسا نشہ ہو جو متعدی نہ ہو (جس میں قول وفعل لاگو نہیں ہوتا) مثلاً اس شخص کا نشہ جسے جبراً نشہ آور چیز پلائی گئی ہو تو اس نشہ کی حالت میں مرتد ہونے سے ارتداد لاگو نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں قابل ترجیح مسلک یہ ہے کہ حالت نشہ میں مرتد ہو جانے سے اسلام باقی رہتا ہے، پس اگر کوئی شخص نشہ دور ہونے پر مرتد ہوا اور پھر مسلمان ہو گیا تو اس کا فعل ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسے بے نشہ انسان کا فعل۔

واضح ہو کہ نشہ کی حالت میں مسلمان ہونے والے کو مسلمان شمار کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ نشہ دور ہو جانے کے بعد اسے اپنے اسلام کی تجدید نو ضروری کرنی ہوگی، لیکن ان اصحاب کا کہنا ہے کہ نشہ اتر جانے کے بعد اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا اور اگر اس نے مان لیا تو اسلام کے تسلیم کیے جانے پر اسے مسلمان شمار کیا جائے گا، لیکن اگر اسلام کی بجائے اس نے کافر ہونا پسند کیا تو اسی وقت سے اس کو کافر تصور کیا جائے، اور اس سے پہلے اس کو مسلمان مانا جائے گا، اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا (کیونکہ وہ اسلام سے مرتد ہوا)۔

ارتداد کے اقرار یا شہادت کا بیان

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مرتد ہو جانے کا اقرار کرے (یا شہادت دے) تو غیر مشروط طور پر قبول کر لیا جائے گا اور مزید تفصیل کے بغیر اس پر فیصلہ صادر کر دیا جائے گا، کیونکہ مرتد ہونے میں جو خطرات ہیں ان کے پیش نظر کوئی شخص بغیر سوچے سمجھے اقدام اقرار (یا شہادت) نہیں کر سکتا، اس پر قاضی کہے گا کہ کلمہ شہادتین زبان سے ادا کر، اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اس سے یہ دریافت کیا جائے کہ کیوں ترک اسلام کیا؟ اگر مرتد کلمہ شہادت کے ادا کرنے سے انکار کرے تو یہ انکار ہی مرتد ہونے کا ایک قرینہ ہے اب یہ پوچھنے کی حاجت نہیں ہے کہ کیوں ترک اسلام کیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں تفتیش واجب ہے اور سبب ارتداد کا دریافت کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اسباب کفر کے متعلق مختلف رائیں ہیں اور کسی کو اسلام سے برگشتہ (یا مرتد) قرار دینا بڑی بات ہے۔ پس اس میں احتیاط سے کام لینا واجب ہے اور یہی طریق قطعی ہے کیونکہ ایسا ہوا کرتا ہے کہ بعض باتوں پر جو کفر نہیں ہیں کفر کا گمان ہو جاتا ہے لہٰذا قاضی کو دریافت کر لینا چاہیے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مرتد کی توبہ قبول نہیں ہوتی لہٰذا تفتیش کے بغیر شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (مرتد ہو جانے کے بارے میں) دو معتبر اشخاص کی شہادت درکار ہے کہ فلاں مسلمان دین اسلام سے پھر گیا (مرتد ہو گیا) پھر قاضی ان گواہوں سے دریافت کرے گا کہ تم کیوں اسے مرتد کہتے ہو، ممکن ہے کہ وہ ایسی وجہ بیان کریں جو فی الواقع کفر نہیں ہے لیکن ان کے نزدیک کفر ہے: اور اس لیے بھی (تفتیش لازم ہے) کہ اگر وہ شخص اس الزام سے انکار کرے تو یہ توبہ اور دوبارہ اسلام میں داخل ہونا ہے۔

Marfat.com

مرتد کے توبہ کرنے کا بیان

حنفیہ کہتے ہیں کہ مرتد کی توبہ یہ ہے کہ وہ بجز اسلام کے تمام مذاہب سے بیزاری کا اظہار کرے اور کہے کہ ''میں نے توبہ کی اور پھر دین اسلام میں داخل ہو گیا اور بجز دین اسلام کے ہر دین سے بیزار ہوں'' ساتھ ہی قیامت کا اور پھر زندہ ہونے کے عقیدے کا اظہار کرے یہ امر مستحب ہے اور وہ اس طرح بدیں جہت کہتا ہے کہ اس کا کوئی دین نہیں ہے (یعنی اب دین اسلام میں داخل ہو رہا ہے اور اگر وہ اس دین سے بے تعلقی کا اظہار کرے جو اس نے (اسلام کو چھوڑ کر) اختیار کر لیا تھا تو یہ بھی توبہ کے لیے کافی ہے کیونکہ اس سے دین اسلام میں واپس آ جانے کا مقصد پورا ہو گیا۔

طحاویؒ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ مسلمان کس طرح بنتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ یوں کہے کہ ''اشهد ان الاالـه الا الله، وان محمد أ عبده ورسوله'' (یعنی میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں) ساتھ ہی وہ اس وحی پر ایمان لائے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر نازل فرمائی اور جب اس نے اس مذہب سے بیزاری کا اظہار کیا جو اس نے (ترک اسلام کر کے) اختیار کر لیا تھا اور اس امر کو تسلیم کر لیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور کہتا ہے کہ میں اب ہرگز اس مذہب میں داخل نہ ہوں گا میں اس دین سے بیزار ہوں جو میں نے اسلام سے پھر کر اختیار کر لیا تھا، تو یہی اس کی توبہ ہے۔ شرح طحاوی میں آیا ہے کہ عیسائی کے مسلمان ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کہے اشهد ان لاالـه لا اللـه، وان محمداً عبده ورسولـه' (یعنی میں مانتا ہوں کہ بجز اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں) نیز عیسائیت سے بیزاری کا اظہار کرے۔ اور یہودی بھی اسلام لائے تو اسی طرح یہودیت نیز ہر مذہب سے بیزاری کا اظہار کرے۔

محض کلمہ شہادت پڑھ لینے سے کوئی شخص مسلمان نہ ہوگا۔ کیونکہ لوگ اتنا تو مان لیتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس رسالت کو محض اہل عرب کے لیے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ ان میں اور مسلمانوں میں یہ نمایاں تفاوت ہے لیکن اگر دار الحرب کا کوئی شخص جبکہ مسلمان اس پر حملہ آور ہو یہ کہہ دے کہ ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' تو وہ مسلمان قرار پائے گا۔ یا وہ یوں کہے کہ میں نے دین اسلام اختیار کر لیا یا یہ کہے کہ میں اس دین میں داخل ہو گیا جو محمد ﷺ کا دین ہے تو یہ اس کے اسلام کا ثبوت ہوگا۔ اور اگر کلمۂ شہادتین پڑھ لے تو کیوں نہ مسلمان قرار پائے؟ پس اس حالت میں اس کا یہ کہنا (کفر سے) باز آ جانا ہے۔ لہٰذا اتنا کچھ کہہ دینے ہی سے اسے مسلمان قرار دیا جائے گا اور قتل سے بچ رہے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد مرتد ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور اگر دوسری تیسری اور چوتھی بار بھی مسلمان ہو کر مرتد ہو تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی غرض جتنی بار بھی وہ امام سے مہلت مانگے گا اسے مہلت (توبہ کے لیے) دی جائے گی لیکن چوتھی بار مسلمان ہو کر پھر کافر ہو جائے اور مہلت مانگے تو اب مہلت نہیں دی جائے گی۔ پھر بھی اگر مسلمان ہو جائے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے۔

علامہ کرخی نے اپنی کتاب 'مختصر' میں بتایا ہے کہ اگر چوتھی بار پھر اسی طرح مرتد ہو جائے تو اسے سخت سزائے ضرب دی جائے لیکن اتنی نہیں کہ سزائے 'حد' (یعنی شرعی سزائے تازیانہ) کے برابر ہو جائے اس کے بعد اسے قید میں رکھا جائے، یہاں تک کہ اس کے کردار سے توبہ کی عاجزی مشاہدہ میں آئے اور اس کی حالت سے خلوص ظاہر ہو تو ایسی حالت میں اسے

Marfat.com

آزاد کر دیا جائے۔ اگر پھر وہی حرکت کرے تو ہمیشہ اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے یہاں تک کہ بالآخر اسلام میں داخل ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمومیت کا حامل ہے" فان تابوا و اقاموا الصلوٰة و اتوا الزکوٰة فخلوا سبیلھم، ان اللہ غفور رحیم "(التوبہ:۵)(یعنی جب توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو انہیں آزاد کر دو اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے)۔

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص بار بار مرتد ہوتا رہے، اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ جیسے زندیق (کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی) پس وہ قتل کر دیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے کافر مرتد کی توبہ قبول نہ کی جائے جو بار بار اسلام سے پھرتا ہو۔ بلکہ اس کا قتل واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا، ثم ازدادوا کفراً لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا "(النساء:۱۳۷)(یعنی جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کفر اختیار کیا اس کے بعد پھر مسلمان ہوئے پھر کافر بن گئے اور پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا اور انہیں راہ ہدایت سے محروم رکھے گا)۔ اگر ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان ہونے (کا موقع پانے) سے پہلے ہی قتل کر دیا جائے تو قاتل پر نہ کوئی الزام ہوگا اور نہ قصاص لاگو ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی زندیق یا مرتد توبہ کرنا چاہے اور پھر سے مسلمان ہو جائے تو اس کی توبہ قبول کی جائے۔ اگرچہ بار بار اس نے ایسا کیا ہو خواہ کتنی ہی بار وہ ایسا کر کے مسلمان ہوتا رہے اسے قتل نہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دے (تب ہی وہ مستوجب قتل ہوگا)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ زندیق کی توبہ کے بارے میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہے جیسا کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی رائے ہے اور دوسری یہ کہ اگر وہ رجوع کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے جیسا کہ شافعیؒ کہتے ہیں۔ لیکن اس کا تعلق احکام دنیا سے ہے رہا اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ سو اگر وہ سچا ہے تو بالاتفاق اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

مرتد کے متعلق احکامات

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی بستی کے لوگ مرتد ہو جائے تو اس بستی کو دارالحرب قرار دیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس میں یہ تین شرطیں پائی جائیں۔

اول: کفر کا غلبہ ہونا۔

دوم: یہ کہ اس بستی میں کوئی مسلمان نہ ہو اور نہ کوئی باقاعدہ ذمی مسلمان کی امان میں ہو۔

سوم: یہ کہ اسے دارالحرب قرار دے دیا گیا ہو۔

واضح ہو کہ مرتدین کے ساتھ سب سے پہلی جنگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی۔ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور کہا کہ وہ تو صرف اس کو زکوٰۃ دیں گے جس کی نماز ان کے سکون کا موجب ہوگی یعنی نبی ﷺ کو اور یوں وہ مقام دارالحرب ہو گیا۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جب کسی بستی میں کافرانہ امور کا غلبہ ہو جائے تو وہ دارالحرب ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو مرتد ہونے کے بعد ان کی ذریت کو مال غنیمت بنا لینا جائز نہیں ہے اور نہ ہی انہیں مملوک (لونڈی غلام) بنایا جائے گا، بلکہ انہیں مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ بالغ ہو جانے پر اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو انہیں قید کر لیا جائے اور ان پر مسلمان ہونے کے لیے تشدد کیا جائے گا اور ان کی ذریت کو مملوک بنا لیا جائے۔

شافعیہ کی دو رائیں ہیں جن میں صحیح رائے یہ ہے کہ انہیں مملوک (غلام لونڈی) نہ بنایا جائے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی اولاد در اولاد کو مملوک بنا لیا جائے گا۔

حنابلہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی ذریات (بال بچوں) کو اور ذریات کی ذریات کو مملوک بنا لیا جائے۔ کیونکہ کافروں کی نسل بھی کافر ہی ہوتی ہے۔

بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو آگ میں جلا دیا تو وہ کہنے لگے کہ میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ ڈالتا، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی کو عذاب الٰہی جیسا عذاب یعنی آگ میں جلانے کا عذاب مت دو بلکہ انہیں قتل کر دیتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”من بدل دینہ فاقتلوہ“ (یعنی جو مسلمان اپنا مذہب تبدیل کرلے اسے قتل کر دو) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان زندیقوں سے جنگ کی تھی جو مذہب مانو نہ (یعنی انا پسندوں کے مذہب) کی پیروی میں دین اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ یہ لوگ نور اور تاریکی کو قدیم مانتے تھے اور کہتے تھے کہ دنیا ان ہی سے بنی ہے۔

مرتد ہو جانے کا نتیجہ

حنفیہ کہتے ہیں کہ مرتد ہو جانے سے وہ تمام اعمال نیک جو ایک شخص نے ترک اسلام سے پہلے کئے ضائع ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر کوئی مرتد توبہ کر کے پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو، گو اس نے اس وقت کی نماز پڑھ لی تھی مسلمان ہو جانے کے بعد دوبارہ اسے ادا کرے۔ اسی طرح دوسری بار حج کرنا بھی واجب ہے۔ اگرچہ پہلے حج کر چکا ہو اور ثواب کے ساقط ہو جانے سے عمل (کا وجوب) ساقط نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ناجائز قبضہ کئے ہوئے گھر میں نماز ادا کی جائے تو وہ نماز درست ہو گی یعنی اس کی قضا واجب نہیں ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک اس نماز کا ثواب نہ ہو گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرتد اگر حالت ارتداد میں مر جائے تو اس کے پچھلے تمام اعمال رائگاں ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ“ (یعنی تم میں سے جو لوگ اپنے دین اسلام سے پھر جائیں اور حالت کفر میں مر جائیں تو ان کے اعمال دین و دنیا دونوں رائیگاں ہیں) نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”و لقد اوحی الیک و الی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک و لتکونن من الخاسرین اور تم سے پہلے والوں کو یہ حکم بذریعہ وحی بھیجا گیا کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل رائگاں جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ومن یکفر بالایمان فقد حبط

Marfat.com

گناہ کبیرہ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا" اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: یا رسول اللہ ماھن؟ قال : الشرک باللہ ، والسحر ، وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربا ، واکل مال الیتیم ، والتولی یوم الزحف ، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات "بخاری ومسلم (یعنی لوگو سات ہلاک کرنے والی برائیوں سے بچو عرض کیا گیا، یارسول اللہ وہ کون کون سی ہیں؟ ارشاد فرمایا۔ شرک، جادو، قتل نفس جس کا ناحق ارتکاب اللہ نے حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال ہضم کرنا، لشکر کشی کے دن پیٹھ دکھانا، اور بے قصور، ایمان دار اور بھولی بھالی خواتین پر تہمت لگانا)۔

اب اس حدیث کی تشریح میں ان چند امور کی وضاحت کی جاتی ہے:

(۱) اس حدیث کے معنے (۲) کیا کبیرہ گناہ انہی امور پر منحصر ہیں (۳) جادو کی تعریف اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج۔

اس حدیث کے معنے

یہ حدیث جن اہم مسائل پر مشتمل ہے وہ دین اسلام کے ناگزیر مسائل ہیں اور سب کو معلوم ہیں۔ چنانچہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ کا شریک بنانا پروردگار عالم سے کفر (انکار) ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے ہر وہ شے مہیا فرمائی جو دنیا کی زندگی میں اسے درکار تھی۔ مثلاً کھانے پینے کی اشیاء، ہوا، سورج، چاند اور زمین و آسمان اور باقی دوسری اشیائے عالم جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان ضعیف کے لیے پابند فرمایا حالانکہ انسان کو نہ اپنی حیات و موت کا اختیار ہے اور نہ اپنے نفع و نقصان کا۔ کون مسلمان ایسا ہے جس سے یہ حقیقت مخفی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کا آقا ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانا کفر صریح ہے اور اس ذات پاک سے کھلی عداوت ہے۔ پس مشرک وہی ہے جو احمق ہو کہ خود اپنی ہستی اور ماحول میں پھیلے ہوئے ان مظاہر قدرت سے بے خبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور لاشریک ہونے کے دلائل ہیں۔ کون ایسا عقل والا ہے جو اپنے پروردگار کا انکار کرے جس نے انسان کو ایک ناچیز پانی سے پیدا کیا اور اسے پورا انسان بنادیا، یا اس کی مخلوقات میں سے کسی کو اس کی معبودیت میں شریک کرے؟ خواہ اس کی پرستش صدق دل

عملہ" (یعنی جو شخص ایمان سے ہٹ گیا اس کی نیکی ضائع ہوگئی) ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن سے اعمال کے ضائع

Marfat.com

سے کرتا ہو یا نفاق سے یا کاری کے طور پر یا کسی دنیوی غرض سے کہ اگر وہ غرض پوری ہو جائے تو خوش ہے اور اگر دشواری پیش آئے تو منہ موڑ لے۔ غرض اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور کی بندگی کرتا ہے اور ایک اندھے بہرے جانور کی مانند ہے جو ایسے شواہد کی طرف دھیان نہیں دیتا جنھیں معمولی سا فہم و شعور رکھنے والا انسان سمجھ سکتا ہے۔ اس کی خلاقی و رزاقی میں کسی اور کو شامل کرنا اس اللہ کی ہستی سے انکار کرنا ہے جس کا کوئی ثانی اس کی صفت خاصہ یعنی خلق و ایجاد میں نہیں ہے (۱)

اور کون مسلمان یہ نہیں جانتا کہ قتل ناحق تمام جرائم میں سب سے بڑا جرم ہے جس کا اثر انسانی معاشرہ پر نہایت برا پڑتا ہے اس کی خرابی اور قابل مذمت ہونے کا پورا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے" ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیماً " (یعنی جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا اس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب سخت رکھا گیا ہے)۔ پھر وہ کون سا مسلمان ہے جس سے یہ امر پوشیدہ ہے کہ سود کھانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ اس کا انجام حاجت مندوں کی خواری اور ان کا استحصال ہے۔ سود خوار اس طرح جمع کر کے عیش کرتا ہے اور لوگوں کا مال ہتھیا کر اپنے پاس اکٹھا کر لیتا ہے اور اسے فلاح

ہونے اور ثواب کے رائگاں جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ پس اگر مرتد پھر مسلمان ہو جائے اور حج واجب ہو تو اس کا ادا کرنا لازم ہے کیونکہ وہ حج جو اس نے مرتد ہونے سے پہلے کیا تھا وہ ضائع ہو گیا لہٰذا اب پھر حج کرنا ہوگا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فاطر السموات والارض، جعل لکم من انفسکم ازواجاً ومن الانعام ازواجاً، یذرؤکم فیہ لیس کمثلہ شی وھو السمیع البصیر" (شوریٰ:۱۱) (یعنی اللہ آسمان و زمین کا بنانے والا ہے اس نے تم میں سے تمہارے جوڑے بنائے اور جانوروں میں بھی جوڑے بنائے اور اس کائنات میں تمہیں پھیلا دیا۔ کوئی اس کی نظیر نہیں ہے وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے) اللہ صاحب قدرت و حکمت ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کیے اور تمام اجرام و اجسام و آب و باد کو پیدا کیا اور ہماری نوع انسانی میں سے ہمارے جوڑے بنائے اور آٹھ قسم کے جانور: اونٹ، بیل، بھیڑ، بکری اور ان کی مادائیں بنائیں وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں بچہ کی تخلیق فرماتا اور جس شکل میں چاہے ڈھال دیتا ہے۔ اس کی عظمت و کبریائی، اس کی بادشاہی، اس کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات عالیہ میں کوئی اس کی نظیر نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہے اور نہ کوئی شے اس کے مشابہ ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے نہ کوئی ہستی اس کی ہستی کی مانند ہے نہ کوئی صفت اس کی صفت کی مانند ہے صرف الفاظ میں مشابہت ہے۔ اس کی ذات قدیم اس سے بالاتر ہے کہ اسے کسی عارضی وصف سے متصف کیا جائے۔ پس چاہیے کہ اہل طبعیات اور ملحدین جو راہ راست سے ہٹے ہوئے اور رب العالمین کے منکر ہیں اس ذات کی اہمیت سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

Marfat.com

معاشرہ اور انسان کے اصلاح حال میں صرف نہیں کرتا[1] پھر کون مسلمان یہ نہیں جانتا کہ یتیم کا مال کھانا، نہایت۔ ہی ذلیل اور گھٹیا جرائم میں سے ہے۔ کمینے اور سنگدل اشخاص ہی یہ حرکت کرتے ہیں جن کے دل رحم اور انسانیت کے جذبہ سے عاری ہیں۔ یہ لوگ خون خوار جانوروں کی مانند بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

یہ امر بھی کسی مسلمان سے مخفی نہیں ہے کہ ہمارے دشمن جو وطن اور دین کی بے حرمتی پر آمادہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ شرفائے قوم کو ذلیل کریں اور بے قصور کو اپنا غلام بنالیں ان کے ساتھ جنگ کرنے کا وقت آئے تو کسی کا پیٹھ دکھا جانا بدترین جرم اور سخت تباہی کا موجب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام باتیں گناہ کبیرہ تقاضائے انسانیت کے منافی اور شریفانہ زندگی سے بعید ہیں۔ کسی قوم میں جب یہ برائیاں راہ

ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یایھا الذین آمنوا لاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" (النساء ۲۹) (یعنی مسلمانو تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ۔ ہاں باہمی رضامندی سے تجارت کر کے حاصل کیا ہوا مال روا ہے) واضح ہو کہ سود خوری ایسی شے ہے جس کے حرام ہونے پر تمام آسمانی مذاہب متفق ہیں، اس کے حرام ہونے کی بہت سی وجوہ ہیں۔ اس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ، مفید اور منفعت بخش کاموں میں مشغول ہونے سے رہ جاتا ہے۔ کیونکہ مالدار شخص جب سود سے اپنے مال میں اضافہ کرنے اور نفع اندوزی میں پڑ جاتا ہے تو اسے بلا محنت کئے اسباب معاش بسہولت (بغیر کسی محنت کے) حاصل ہو جاتے ہیں۔ جس سے سستی بیکاری اور نکمے پن کی عادت پڑتی ہے اور حصول مال کی حرص پیدا ہو جاتی ہے (سود خور) دوسروں کے حقوق غصب کرنے میں رحم اور مہربانی کے جذبے سے عاری ہو جاتا ہے اور جس کے باعث افراد معاشرہ میں غریب اور امیر کا فرق بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ پھر سود خوری سے باہمی بغض و عداوت اور حسد پیدا ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ناروا طریقہ سے دوسروں کا مال کھانے اس کے ساتھ ساتھ قتل کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سود کی ممانعت کے مابعد ارشاد ہے "ولا تقتلوا انفسکم" (یعنی اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو) مطلب یہ ہے کہ سود کے ذریعہ حصول مال میں، جان کو ہلاک کرنے اور خونریزی کی نوبت آجاتی ہے پھر یہ بھی ہے کہ "ربا" (سود) نام ہے بغیر استحقاق کے مال حاصل کرنے کا اور یہ ظلم ہے جسے پر از حکمت شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس طرح (یعنی حق نہ ہو تو) حصول مال غیر شرعی (یا ناجائز ہے) حالانکہ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون اور مال و متاع حرام ہے۔ سود خواری کا انجام تباہی و بربادی و ہلاکت۔ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات" (یعنی اللہ تعالیٰ نے سود میں نقصان اور صدقہ میں نفع رکھا) ہے چنانچہ سود کھانے والوں اور اس سے توبہ نہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے عذاب رکھا ہے کہ دنیا میں خدا سے عداوت اور آخرت میں عذاب۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "یا یھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین، فان لم تفعلوا فا ذنوا بحرب من اللہ ورسولہ،

Marfat.com

پا جائیں تو اس کا تباہ ہو جانا لازمی ہے۔

بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانے اور اس کے ضرر رساں نتائج کا ذکر سابقاً حدود شرعیہ (یعنی اسلامی سزاؤں) کے بیان میں آ چکا ہے۔

رہا جادو سو اس کے نقصان دہ انجام کا ذکر آگے آ رہا ہے:

نبی علیہ السلام نے جو امت پر سب سے زیادہ مہربان اور ''ما ینطق عن الھوی'' کے مصداق ہیں (یعنی فرمان الٰہی کے بغیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے) امت مسلمہ کو ان تباہ کن افعال کے ارتکاب کو سختی کے

وان تبتم فلکم رء وس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون'' (یعنی اے ایمان والوں اللہ کی نافرمانی سے ڈرو۔ اگر صاحب ایمان ہو تو سود جو لینا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلان جنگ سمجھو۔ ہاں اگر توبہ کر لو تو تم کو اپنا راس المال لینے کا حق ہے۔ بایں طور کہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم ہو) پس مسلمانوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ حصول مال کے لیے شرعی وسائل سے کام لیں تا کہ جملہ معاملات معاشی و اقتصادی درست اور استوار ہوں اور یہ معاملات فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ فریب، زیادتی اور عداوت سے پاک ہوں۔

واضح ہو کہ یتیم کا مال کھانا بھی سود کھانے اور مال حرام کا حریص ہونے سے زیادہ مذموم اور ضرر رساں ہے اور اس میں بہت زیادہ خرابیاں ہیں اسلامی شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے اور اسے بہت بڑا عیب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''آتوا الیتامیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انه کان حوبا کبیرا'' (یعنی یتیموں کو ان کا مال دے دو اور اپنی پاک روزی کو ناپاک روزی میں تبدیل نہ کرو یعنی یتیموں کے مال کو اپنے مال میں گڈمڈ کر کے استعمال میں نہ لاؤ، یہ گناہ کبیرہ ہے) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح، فان آنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم، ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا، ومن کان غنیا فلیستعفف، ومن کان فقیراً فلیاکل بالمعروف، فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم وکفی باللہ حسیبا'' (یعنی یتیموں کا جائزہ لیتے رہو یہاں تک کہ وہ شادی کے قابل ہو جائیں اور انہیں خوش اطوار پاؤ تو ان کا مال انہیں دے دو اور اس کو فضول خرچی اور فراخدستی میں نہ لٹا دو کہ مبادا بڑے ہو کر تمہیں اس کا موقع نہ دیں۔ اگر کوئی غنی ہے تو یتیموں کے مال سے بچتا رہے ہاں اگر محتاج ہے تو مناسب طور سے اسے استعمال کر سکتا ہے اور جب یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو تو اس کے لیے گواہ بنا لو۔ یاد رکھو اللہ محاسبے کے لیے کافی ہے)۔

یاد رہے کہ شریعت نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ سپرداری میں لینے والا یتیم کے مال کی حفاظت کرے بلکہ اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔ اس مال میں سے کچھ بھی لینا روا نہیں ہے۔ ہاں ناگزیر حالات میں حسب ضرورت اس مال میں سے لے سکتا ہے لیکن فضول خرچی اور بلا ضرورت صرف میں نہ لائے۔ غرض تمام فقہاء کی متفقہ رائے یہ ہے کہ یتیم کے وصی (یا نگران حال) کو یتیم کا مال حلال نہیں ہے لہٰذا چاہیے کہ اسکے مال میں سے کچھ بھی نہ لے تا کہ انسانوں میں باہم

Marfat.com

ساتھ منع فرمایا ہے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی بربادی ہے ان جرائم سے انسان حیات دنیوی میں ذلت سے دوچار ہو جاتا ہے۔اس کی برائیوں میں سے یہ بھی ہے کہ انسان نفسانی خواہشات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ناقص طبع اشخاص ان سے لذت اندوز ہوتے ہیں پھر اس کے بعد (آخرت میں) ان

مہر و محبت کے روابط باقی رہیں۔ایک شخص جس قدر دیانت داری سے کام لے گا اسی قدر اس کے ساتھ بھی دیانت برتی جائے گی جو شخص جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔"ولیخش الذین لو ترکوا من خلفهم ذریة ضعافا، خافوا علیهم فلیتقوا الله ولیقولوا قولا سدیدا" (یعنی چاہیے کہ لوگ خوف خدا کریں کہ اگر انہیں ناتواں بچے چھوڑ جانا ہو تو انہیں کس قدر فکرمندی ہو۔غرض انہیں خدا خوفی سے کام لینا چاہیے کہ سیدھا طریقہ اختیار کریں یا اینچ پینچ کی بات نہ کریں) اللہ تعالیٰ نے بوضاحت تمام ارشاد فرمایا ہے کہ یتیم کا مال ہڑپ کرنا، گویا آتش جہنم کا انگارا کھانا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا"ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً، انما یاکلون فی بطونهم ناراً وسیصلون سعیراً" (یعنی جو لوگ یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں انہیں جلد ہی جہنم میں ڈالا جائے گا)۔

جنگ کے وقت پیٹھ دکھا جانا بھی (اسی طرح) کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور نہایت ہی بری بات ہے۔کیونکہ اس سے بزدلی (ایمان میں) کمزوری اور ذلت کا اظہار ہوتا ہے۔حالانکہ اسلام مسلمان کو برتری، بہادری، ثابت قدمی اور معزز ہونے کی تعلیم دیتا ہے اور یہ بھی ہے کہ جنگ کے وقت دشمنوں کے مقابلہ سے گریز کرنا ملت اسلامیہ کو عزت و فوقیت اور شرف سے محروم کر دیتا ہے جس کے باعث دشمنان دین و اسلام کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور مسلمان قوم کی اخلاقی موت کا باعث ہے۔مسلمان یا تو عزت اور بزرگی کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہے یا پھر آزاد مردوں کی طرح شہادت کی موت مرتا ہے یعنی اللہ یا وطن (اسلام) کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے جو ایک باعزت زندگی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتاً، بل احیاء عند ربهم یرزقون" (یعنی اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مردہ نہ خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کا رب ان کے لیے سامان رزق مہیا کرتا ہے) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو تو جہاں تک ان کے بس اور اختیار میں ہے وہ ڈٹے رہیں۔لشکر کشی کے وقت راہ فرار اختیار کرنے سے انہیں منع فرمایا گیا ہے اور اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور ایسے اشخاص کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں اور انہیں آتش جہنم اور بدانجامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"یا یها الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً، فلا تولوهم الادبار، ومن یولهم یومئذ دبره، الا متحرفاً لقتال، او متحیزاً الی فئة فقد باء بغضب من الله وماواه جهنم وبئس المصیر" (یعنی اے ایمان والو جب تم دشمنوں کے مقابلہ میں لشکر کشی کرو تو پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو اگر کسی نے جنگی حربے یا گھیرا ڈالنے کی غرض کے علاوہ پیٹھ دکھا دی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا غضب سمیٹا اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو برا ٹھکانا ہے) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"یا یها الذین آمنوا، اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون" (یعنی اے ایمان والو جب فوج کا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور کثرت کے ساتھ اللہ کو یاد کرو، تاکہ تمہارا بھلا ہو) اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو

Marfat.com

صبر و ثبات سے کام لینے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس وقت پیٹھ دکھانا مسلمانوں کی صفوں میں کمزوری پیدا کرنا اور جنگ آزماؤں کی راہ میں روڑے اٹکانا اور خود اپنی جماعت میں انتشار پیدا کرنا ہے جس سے اللہ کی راہ میں رکاوٹ اور دشمنوں کو تقویت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی معصیت ہے جو دنیا و آخرت کی رسوائی کے لیے کافی ہے۔ بناء بریں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے اور اللہ کی یاد کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ وہ فرار ہونے والوں کو سخت ترین قسم کا عذاب دے گا۔ اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو عزت و اکرام سے سرفراز فرمائے گا۔

مسلمان بے قصور عورتوں پر تہمت دھرنا بھی ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن کی ممانعت پر حکمت شریعت میں آئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذاب عظیم'' (یعنی جو لوگ مسلمان، بے قصور اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں بلاشبہ ان پر دنیا و آخرت کی لعنت ہے اور انہیں سخت عذاب ہوگا)۔ پر از حکمت شریعت کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کی آبرو کا تحفظ کیا جائے، ان کی شرافت محفوظ رہے اور بڑائی برقرار رہے اور عزت و شرافت کی نگہداشت کے لیے مضبوط باڑھ باندھ دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکم ایسے سرکش طبع لوگوں کی سرزنش کے لیے دستور العمل مقرر فرما دیا جو طیش میں آ کر لوگوں کی آبروریزی پر اتر آتے اور انہیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ ایک غیرت مند مسلمان کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز شے شرافت ہے۔ ایک مسلمان اپنی شرافت اور عزت کی خاطر جان تک دینے کو پسند کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس انسان کی عزت و آبرو نہ رہے اس کی زندگی کس کام کی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کی تہمت لگانے والے پر حد لگانے کا حکم صادر فرمایا ہے کیونکہ یہ عیب کمینگی ہے جس سے دوسروں کی پردہ دری ہوتی اور برائیاں پھیلتی ہیں اور ہتک عزت ہوتی ہے اور اس حرکت سے پتہ چلتا ہے کہ مرتکب ایک بے غیرت انسان اور ذلیل ترین جانوروں کی خصلت کا مالک ہے۔ اور مضرت رساں برائیوں کا مجموعہ ہے یہ بھی ہے کہ اگر وہ الزام کسی عورت پر لگایا تو وہ اس عورت کی پوری قوم کے لیے باعث ننگ ہو جاتا ہے جس سے خون خرابے کی نوبت آ جاتی ہے اور پھر بھی وہ داغ نہیں دھلتا۔

واضح ہو کہ صاحب شریعت علیہ السلام نے کسی بے قصور مرد یا عورت پر تہمت لگانے والے کو تین سزائیں دی ہیں:
اسی (۸۰) کوڑوں کی ضرب، ہمیشہ کے لیے اس کی شہادت کا ناقابل قبول ہونا اور اسے فاسق (بدکار) قرار دینا۔

اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ میں اس جرم کے مرتکب کی مذمت فرمائی ہے اور اس کے عظیم خطروں سے آگاہ فرمایا اور اس پر عذاب سخت کی اطلاع دی ہے۔ اس سے زیادہ تنبیہ اور کیا ہوگی ایسے شخص کو دین و دنیا دونوں جہان کی لعنت کا سزاوار قرار دیا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کی رحمت سے بعید اور سخت سزا کا سزاوار ہوگا۔ قیامت کے روز اس کے اعضاء خود اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ جو اس کی رسوائی کا موجب ہوگا۔ اس کا جرم قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا اور قیامت کے روز ان گواہوں کی موجودگی میں اس جرم کے الزام سے بری ہونے کی کوئی سبیل نہ رہے گی۔ پھر اس کے ساتھ ہی ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ انہیں پوری پوری سزا دے گا۔ اگر اسے علم نہیں ہے تو اب معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے اور اس کی تہدید یقینی اور اس کا قول سچا ہے۔ حکماء نے (یہ نکتہ) بیان فرمایا ہے کہ تہمت لگانے والے کی تصدیق کے لیے چار اشخاص کی گواہی

Marfat.com

کے لیے دائمی رسوائی اور المناک عذاب ہے۔

دوسرے سوال کا جواب

واضح ہو کہ حدیث بالا میں جو لفظ ''موبقات'' آیا ہے۔ اس کے معنے ''مہلکات'' (یعنی ہلاک کرنے والے امور) ہیں جو بہر حال دنیا و آخرت دونوں جہاں کی ہلاکت کا موجب ہیں لیکن پیش نظر حدیث میں تمام موبقات (ہلاکت آفرین گناہوں) کا ذکر نہیں ہے، ان کے علاوہ اور بھی ایسے گناہ ہیں جن کا ذکر دوسری احادیث صحیحہ میں آیا ہے ان کی تعداد علمائے نے اکیس (۲۱) بتائی ہے۔ ان میں سے سات کا بیان حدیث شریف میں آ چکا ہے۔

آٹھواں گناہ کبیرہ

جھوٹی گواہی کا بیان

(ان سات کے علاوہ) آٹھواں گناہ جھوٹی گواہی ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ یہ گناہ بدترین گناہوں میں سے ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ '' کنا مع رسول اللّٰه ﷺ **فقال الا انبئکم باکبر الکبائر؟ (ثلاثاً) الاشراک باللّٰه، وعقوق الوالدین، ألا وشهادة الزور، وقول الزور، وکان متکئاً فجلس ، فما زال یتکررنا حتی قلنا: لیته سکت** '' بروایت بخاری و مسلم وغیرہ (یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے تین بار فرمایا، آیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہوں سے آگاہ کروں؟ اللہ کا شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا اور ہاں جھوٹی گواہی دینا اور غلط بیانی کرنا۔ حضور جو تکیہ کا سہارا لیے ہوئے تھے، اٹھ بیٹھے اور اس بات کو اتنی بار کہا کہ ہم نے کہا کہ کاش زحمت تکرار نہ فرماتے) غرض جھوٹی گواہی بہت بڑا اخلاقی جرم ہے جو نظام معاشرت کے منافی اور زندگی کے ہر گوشے پر اثر انداز ہے اور یہ امر کسی پر مخفی نہیں ہے کہ یہ عام برائی ہے۔ انسان کو مکمل طور پر اس سے بچنا واجب ہے۔[1]

درکار ہوتی ہے۔ قیامت کے روز اس کے بیان کی تکذیب کے لیے اس کے پانچ اعضاء شہادت دیں گے۔ یعنی اس کی زبان، اس کے دو ہاتھ، اس کے دو پاؤں یہ اس کی مذلت اور رسوائی کا باعث ہوں گے۔ اور یہ سب بے قصور مسلمان عورتوں کو رسوا کرنے کی سزا ہوگی۔

۱۔ علماء نے بتایا ہے کہ جھوٹی گواہی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا

Marfat.com

ہے اور اسے شرک کے برابر بتایا ہے۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فاجتنبوا الرجس من الاوثان، واجتنبوا قول الزور'' (یعنی بت پرستی کی آلودگی سے بچو اور جھوٹا بیان دینے سے بچو) مطلب یہ ہے کہ گندے عمل جس سے مراد بت پرستی ہے اور جھوٹی گواہی سے کنارہ کش رہو۔ اللہ نے بتوں کی پوجا اور جھوٹی گواہی کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''قل انما حرم ربی الفواحش ماظهر منها وما بطن، والاثم والبغی بغیر الحق، وان تشرکوا باللّٰه مالم ینزل به سلطنا، وان تقولوا علی اللّٰه مالا تعلمون'' (یعنی اے پیغمبر یہ بتا دو کہ میرے رب نے تمام امور قبیحہ کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا مخفی ہوں نیز گناہ اور ناحق سرکشی اور اللہ کے ساتھ شرک کرنا بھی جس کی کوئی دلیل نہیں آئی اور اللہ کے خلاف ایسی بات کہنا بھی گناہ ہے جو تم نہیں جانتے) جھوٹی گواہی اسی زمرہ میں ہے۔

امام احمدؒ نے ایمن بن خریم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، آپ نے خطبہ دیا اور تین بار فرمایا ''ایها الناس عدلت شهادة الزور اشراکا باللّٰه'' (یعنی لوگو جھوٹی گواہی دینا اللہ کا شریک بنانے کے برابر ہے) اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ''اجتنبوا الرجس من الاوثان، واجتنبوا قول الزور'' (یعنی بت پرستی کے ناپاک عمل سے بچو اور جھوٹی بات بیان کرنے سے بچو) نیز امام احمدؒ نے بتایا ہے کہ محمد بن عبید نے بتایا کہ سفیان عصفری نے ان سے حدیث بیان کی جو انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حبیب بن نعمان اسدی سے اور انہوں نے خریم بن فاتک اسدیؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر پڑھ کر واپس تشریف لائے اور کھڑے ہو کر فرمایا ''عدلت شهادة الزور الاشراک باللّٰه عزوجل'' (یعنی جھوٹی شہادت اللہ کے ساتھ شریک بنانے کے برابر ہے) اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''فاجتنبو الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاءً للّٰه غیر مشرکین به'' (یعنی بت پرستی کی ناپاکی سے بچو اور ایک سچے مسلمان کی طرح جھوٹی بات سے بچو کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ) نیز سفیان ثوری نے عاصم بن ابی النجود سے انہوں نے وائل ابن ربیعہ سے، انہوں نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ''تعدل الشهادة الزور الاشراک باللّٰه، ثم قرا هذه الآیة'' (یعنی جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی)۔

صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''الا انبئکم باکبر الکبائر؟ قلنا: بلی یا رسول اللّٰه قال: الاشراک باللّٰه، وعقوق الوالدین، وکان متکئافجلس، فقال: الا وقول الزور، وشهادة الزور، فما زال یکررها حتی قلنا لیته سکت'' (یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ بتاؤں؟ ہم نے کہا ہاں یارسول اللہ فرمایا اللہ کا شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ اس وقت تکیہ کا سہارا لیے ہوئے تھے، اٹھ بیٹھے، اور فرمایا ''اور ہاں دروغ گوئی اور جھوٹی شہادت، اور بار بار یہ کہتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ سکوت فرمائیں) مطلب یہ ہے کہ یہ اصحاب حضورؐ کی زحمت اور اضطراب پر رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کبیرہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں کوئی گناہ بہت بڑا ہے اور کوئی سب سے بڑا گناہ ہے۔ یہاں کبائر میں بہت بڑا گناہ کہنے سے یہ لازم نہیں ہے کہ سب کی اہمیت یکساں ہو۔ دراصل ان تمام مذکورہ گناہوں میں

Marfat.com

نواں گناہ کبیرہ

دیدہ ودانستہ جھوٹی قسم کھانے کا بیان

نواں گناہ یمین غموس ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی بات کے ہونے کی قسم کھائی جائے حالانکہ قسم کھانے والا جانتا ہے کہ یہ بات نہیں ہوئی، مثلاً یوں کہا کہ قسم ہے اللہ کی مجھ پر تمہارا کوئی قرضہ نہیں ہے (حالانکہ جانتا ہے کہ اس کے ذمہ قرض واجب الادا ہے۔ یا حلف اٹھا کر یہ کہا کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو نہیں مارا۔ حلانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے مارا ہے۔ بخاری سے مروی ہے کہ ایک اعرابی (بدو) نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا" یا رسول اللّٰہ ما الکبائر؟ قال الاشراک باللّٰہ. قال : ثم ماذا ؟ قال: الیمین الغموس . قلت: ما الیمین الغموس '؟ قال : یقتطع مال امری مسلم "(یعنی یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم گناہ کبیرہ کیا ہوتے ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا اس نے کہا اس کے بعد اور کیا؟ ارشاد ہوا" یمین الغموس " کہا" یمین الغموس' کیا ہے؟ فرمایا کسی مسلمان کو اس کے حق سے محروم کر دینا) مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسی قسم (جو حق سے محروم کر دے) گناہ کبیرہ ہے۔ بشرطیکہ اس سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہو یا کسی کو بلاوجہ اذیت پہنچے یا کسی کے ذمہ قرضہ تھوپ دیا جائے حالانکہ وہ مقروض نہ ہو وغیرہ۔

اگر اس قسم سے ایسی کوئی بات پیدا نہ ہو تو وہ گناہ صغیرہ ہے، گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ یمین غموس بہر حال گناہ کبیرہ ہے کیونکہ جھوٹی قسم کھانے والا اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کرتا ہے جو مستوجب عذاب دردناک ہے تا آنکہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

واضح ہو کہ بیشتر علماء کے نزدیک توبہ کے سوا یمین غموس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں

سب سے بڑا گناہ شرک باللہ ہے۔ رہا آنحضرت ﷺ کا تکیہ پر سے اٹھ کر بیٹھ جانا سو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس گناہ کو بڑی اہمیت دی ہے جس سے عیاں ہے کہ یہ فعل سخت حرام اور نہایت قابل مذمت ہے۔ اس کو اہمیت دینے کا سبب یہ ہے کہ عام طور پر جھوٹی گواہی دینے کو امر آسان اور معمولی بات سمجھا جاتا ہے اور عداوت، کینہ اور حسد وغیرہ کی طرح بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ لہٰذا اسے اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آیا ہے "لا تزول قدما شاهد الزور يوم القيامة حتى تجب له النار "(یعنی قیامت کے روز جھوٹی شہادت دینے والے پر سب سے پہلے ہی عذاب جہنم لاگو ہو جائے گا)۔ اور روایات میں آیا ہے کہ "عدلت شهادة الزور الاشراک باللّٰہ "(یعنی جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے)۔

Marfat.com

کہ اس کا کفارہ بھی وہی ہے جو دوسری قسموں کا ہے اور جب کوئی شخص کفارہ ادا کرے تو گناہ سے پاک ہو جائے گا۔(۱)

دسواں گناہ کبیرہ

زنا کا بیان

واضح ہو کہ دسواں گناہ زنا (بدکاری) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ''فاحشۃ'' (یعنی بے غیرتی یا گناہ عظیم) سے تعبیر فرمایا ہے'' ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ '' (یعنی زنا یا بدکاری کے قریب نہ پھٹکو یہ سخت گناہ یا بے غیرتی ہے) اس کی بدترین صورت یہ ہے کہ کوئی شخص پڑوسی کی عورت سے بدکاری کرے۔ کیونکہ اس امر قبیح میں دوہرا جرم ہے ایک تو یہ کہ بے خبر انسان کی آبروریزی ہوئی۔ دوسرے یہ کہ پڑوسی کی

۱۔ لفظ ''الایمان'' ''یمین'' کی جمع ہے، یمین کے بنیادی معنے از روئے لغت (دائیں) ہاتھ کے ہیں یعنی بائیں کے خلاف۔ اس لفظ کا اطلاق حلف (قسم) پر ہوتا ہے۔ اہل عرب کا دستور تھا کہ جب وہ حلف اٹھاتے (یعنی کسی بات پر قسم کھاتے) تھے تو باہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر قسم کھاتے تھے۔ اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی صفاتی نام کے ساتھ کسی قول کو پختہ کرنے کا نام یمین ہے۔ صاحب شرع نے جھوٹی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس فعل کو غضب الٰہی کا مستوجب قرار دیا ہے، اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کر لی جائے تو ایسا شخص جہنم میں پڑے گا یا پھر اس کا کفارہ ادا کرے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''من حلف علی مال امری مسلم بغیر حق لقی اللہ وھو علیہ غضبان '' (یعنی جس شخص نے کسی مسلمان کے مال سے اس کی حق تلفی کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو قیامت کے روز جب اللہ کے سامنے پیش ہوگا تو اس پر اللہ کا غضب ہوگا) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق میں کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھی: '' ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا، اولئک لا خلاق لھم فی الآخرۃ والا یکلمھم اللہ، ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم'' رواہ البخاری والمسلم. (یعنی جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے وعدے اور قسموں کو تھوڑی سی قیمت میں فروخت کر دیتے ہیں قیامت کے دن انہیں کچھ سود مند نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں شرف کلام سے نوازے گا اور نہ ان کی طرف نظر کرم فرمائے گا اور نہ انہیں پاکیزگی بخشے گا بلکہ انہیں دردناک عذاب ہوگا)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''من اقتطع حق امری مسلم بیمینہ فقد اوجب اللہ لہ النار ، وحرم علیہ الجنۃ قالوا : وان کان شیئا یسیراً یا رسول اللہ؟ فقال : وان کان قضیباً من اراک'' بروایت مسلم (یعنی جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر مسلمان کو اس کے حق سے محروم کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کو لازم کر دیا اور جنت اس پر حرام ہوگئی۔ عرض کیا گیا کہ کیا وہ شے معمولی سی ہے پھر بھی، فرمایا خواہ وہ درخت پیلو کی ایک شاخ ہو) اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اکبر الکبائر

Marfat.com

آبرو پروہی ہاتھ ڈالے گا جو شقی القلب ہو اور اپنے رب کو بھول جائے اور ایک جانور کی مانند ہو جائے جو کسی کی نہیں سنتا اور نفسانی خواہش پوری کرنے کے سوا اور کچھ اس کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ "سالت رسول اللہ ﷺ ای الذنب اعظم عند اللہ؟ قال: ان تجعل للّٰہ ندا، وھو خلقک، قلت: ان ذلک لعظیم، ثم ای؟ قال: ان تقتل ولدک مخافة ان یطعم معک، قلت: ثم ای؟ قال: ان تزانی حلیلة جارک" رواہ البخاری ومسلم وغیرھا۔ (یعنی وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ اور کسی کو بھی حاجت روا جانو حالانکہ تمہیں پیدا کرنے والا وہی ہے۔ میں نے کہا بلاشبہ یہ تو گناہ عظیم ہے ہی اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو کہ مبادا وہ تمہارے رزق میں حصہ بٹا لے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا پڑوسی کی عورت کے ساتھ بدکاری)۔ پڑوسی کی حلیلہ سے مراد پڑوسی کی بیوی ہے[1]

الاشراک باللّٰہ، وعقوق الوالدین، و الیمین الغموس" (یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا اور دیدہ ودانستہ جھوٹی قسم کھانا ہے)۔ اس کو غموس اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ گناہ مرتکب کو معصیت میں یا آگ میں غرق کر دیتا ہے۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم کی بابت روایت ہے کہ انہوں نے اپنی قسم کے فدیہ میں دس ہزار درہم دیے اور پھر فرمایا کہ "ورب الکعبة لو حلفت حلفت صادقاً، وانما ھو شیء افتدیت بہ یمینی" بروایت طبرانی (یعنی میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں نے قسم کھائی تو سچی بات پر قسم کھاؤں گا اور یہ شے میں نے اپنی قسم کے فدیہ میں دی ہے)۔

ا۔ واضح ہو کہ زنا گناہوں میں سب سے زیادہ قبیح فعل ہے۔ چنانچہ تمام مذاہب کی رو سے ہر عہد اور ہر زمانہ میں اہل عقل کو اس فعل کے مذموم ہونے پر اتفاق رہا ہے کیونکہ اس میں انفرادی اور اجتماعی (ہر طرح کی) خرابی ہے یہاں تک کہ زناکار کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرما دیا کہ اس کا مرتکب بوقت ارتکاب، اسلام سے خارج ہو جاتا ہے" لایزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن" (یعنی بدکاری کا ارتکاب کرنے والا اس وقت ایمان دار نہیں رہتا) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب آدمی زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل کر سائبان کی طرح ہو جاتا ہے پھر جب اس سے باز آتا ہے تو ایمان لوٹ آتا ہے" اور نبی ﷺ سے مروی ہے کہ "جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ تعالیٰ اس سے اس کا ایمان نکال لیتا ہے جیسے کہ کوئی شخص اپنی قمیص اپنے سر سے نکالے" مزید مروی ہے کہ تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات نہ کرے گا اور نہ ان کی مغفرت کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک زانی

Marfat.com

بوڑھا، دوسرا جھوٹا بادشاہ، تیسرا متکبر عالم۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اربعة يبغضهم الله، البياع الحلاف، والفقير المختال، والشيخ الزاني، والا مام الجائر" (یعنی ان چار پر اللہ کا غضب ہے: قسمیں کھا کر سودا بیچنے والا اور دھوکے سے فقیر بننے والا اور بوڑھا بدکاری کرنے والا اور سربراہ ہو کر ظلم کرنے والا)۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ قال: ان تجعل لله ندا وهو خلقك، قال قلت: ثم اى؟ قال ان تقتل ولدك مخافة ان يطعم معك، قال، قلت: ثم اى؟ قال ان تزانى حليلة جارك" (یعنی فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو کارساز سمجھو۔ حالانکہ پیدا کرنے والا تمہارا وہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو کہ مبادا تمہارے کھانے میں وہ بھی شریک ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ؟ ارشاد ہوا کہ یہ کہ پڑوسی کی عورت کے ساتھ بدکاری کرنا) اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے "والذين لا يدعون مع الله الها آخر، ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ولا يزنون" (یعنی وہ لوگ اللہ کی معبودیت میں کسی کو شریک نہیں کرتے اور جس کا قتل حرام ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے)۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بتا دیا ہے کہ ہر بڑے گناہ میں ایک بہت بڑا گناہ ہوتا ہے، چنانچہ شرک کے گناہ میں سے سب بڑا شرک یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی حاجت روا سمجھا جائے، جرم قتل میں سب سے بڑا قتل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو قتل کر دے کہ مبادا اس کے کھانے پینے میں وہ بھی شریک ہو جائے اور زنا کے گناہوں میں سے بڑا گناہ یہ ہے کہ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کیا جائے، اس کی برائی دگنی یہ ہے کہ اس میں دوگونہ حق تلفی (یعنی خاوند کا حق اور پڑوسی کا حق مارنا دہری زیادتی ہے) پس ایسی عورت کے ساتھ جو خاوند والی ہے، بدکاری کا گناہ بے خاوند کی عورت کے ساتھ کرنے سے زیادہ بڑا گناہ اور زیادہ سزا کا مستوجب ہے۔ کیونکہ اس میں خاوند کی آبروریزی اور اس کے ازدواجی حق میں رخنہ اندازی ہے اور ایک شخص کو دوسری نسل سے جوڑتا ہے وغیرہ۔ اگر عورت کسی پڑوسی کی ہے تو (بدکرداری کے گناہ کے ساتھ) ایک اور گناہ پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی کا اضافہ ہے، اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد عائد ہوتا ہے" لا يدخل الجنة من لا يامن جاره بوائقه" (یعنی جس کا ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو، ایسا شخص جنت میں نہیں جائے گا) (ظاہر ہے کہ) پڑوسی کی عورت کی آبروریزی سے بڑی ایذا دہی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اگر وہ پڑوسی اس کا بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار ہے تو ایک اور گناہ ناتا توڑنے کا بھی ہوگا جس سے گناہ دگنا ہو جائے گا اور یہ گناہ اور بھی دگنا ہو جائے گا اگر وہ پڑوسی، طاعت الٰہی (یا دینی غرض سے) باہر گیا ہو، مثلاً نماز پڑھنے، علم حاصل کرنے یا جہاد کے لیے گھر سے باہر ہو تو گناہ کئی گنا ہو جائے گا پھر اگر وہ عورت رشتہ دار ہو تو یہ ناتا توڑنے کا مزید گندہ فعل ہے، اور اگر وہ شخص شادی شدہ ہو کر ایسی حرکت کرے تو یہ گناہ سب سے بڑا گناہ ہوگا، اور عمر رسیدہ ہو کر تو اس فعل بد کی شدت سب سے زیادہ ہو جائے گی اور اس کے ساتھ اگر یہ گناہ حرمت والے مہینے یا حرمت والے شہر میں یا ایسے وقت میں جو اللہ کے نزدیک اہمیت رکھتا ہے، مثلاً نماز کا وقت ہے یا قبولیت دعا کی گھڑی ہے تو یہ گناہ کئی گنا ہو جائے گا۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

Marfat.com

گیارہواں گناہ کبیرہ

شراب نوشی کا بیان

واضح ہو کہ شراب پینا کبیرہ گناہوں میں ایک ایسا گناہ ہے جس کا اثر انسان کی صحت منداور فطری زندگی پر بہت برا پڑتا ہے، بڑے بڑے صحابیوں میں سے بعض صحابی رضوان اللہ علیہم کی رائے میں یہ سب سے بڑا گناہ کبیرہ ہے، چنانچہ ایک روایت ہے: "ان ابابکر و عمر، سالا عبداللہ بن عمرو عن اعظم الکبائر فقال: "شرب الخمر" رواہ الطبرانی باسناد صحیح یعنی حضرت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے سب سے بڑے گناہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ شراب نوشی) اور مزید فرمایا "اجتنبوا الخمر، فانھا مفتاح کل شر" (یعنی شراب سے بچو! تمام برائیاں اسی سے شروع ہوتی ہیں)[1]

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے "قال رسول اللہ ﷺ لاصحابہ ماتقولون فی الزنا؟ قالوا حرام حرمہ اللہ ورسولہ فھو حرام الی یوم القیامۃ قال: فقال رسول اللہ لان یزنی الرجل بعشر نسوۃ ایسر علیہ من ان یزنی بامرأۃ جارہ" (یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابیوں سے دریافت کیا کہ 'زنا' کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ فعل حرام ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرمایا ہے، لہٰذا وہ تا قیامت حرام ہے راوی کہتے ہیں کہ اس پر اللہ کے رسول نے فرمایا کہ میرے نزدیک دس عورتوں سے بدکاری کرنا، کم درجہ کا گناہ ہے، بمقابلہ اس کے کہ پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کیا جائے)۔

۱۔ واضح ہو کہ ان تمام گناہوں میں جو براز حکمت شریعت اسلامیہ میں حرام ہیں، شراب پینا سب سے بڑا گناہ ہے، کیونکہ اس سے، انفرادی، تہذیبی، جسمانی، اخلاقی اور اقتصادی خرابیاں جنم لیتی ہیں، یہاں تک کہ بعض اصحاب کہتے ہیں یہ فعل تمام برائیوں کی ماں ہے۔

حضرت سالم بن عبداللہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد۔ (ایک بار) حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور یہ ذکر ہو رہا تھا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ لہٰذا ان لوگوں نے مجھے عبداللہ بن عمروؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے یہ بات دریافت کروں، عبداللہؓ بن عمرو نے بتایا کہ سب سے بڑا گناہ شراب کا پینا ہے، میں نے یہی ان کے پاس بیان کر دیا، انہوں نے اس بات کو برا جانا اور سب اٹھ کر چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے گھر پر آئے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک شخص کو پکڑ لیا اور اسے کہا گیا کہ یا تو وہ شراب پیے، یا کسی کو قتل کر دے، یا بدکاری کرے، یا سور کا گوشت کھائے۔ اس نے شراب پینا پسند کیا اور جب اس نے شراب پی لی، تو جو کچھ یہودی اس سے کرانا چاہتے تھے، اس

Marfat.com

نے پھر کسی بات سے انکار نہ کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مامن احد یشربها فتقبل له صلوٰة اربعين ليلة، ولا يموت وفي مثانته منه شي الا حرمت بها عليه الجنة، فان مات في اربعين ليلة مات ميتةً جاهلية" بروايت طبراني باسناد صحيح وحاکم۔ (یعنی کوئی شخص ایسا نہیں جو شراب پیے اور پھر بھی اس کی نماز چالیس راتوں تک قبول کی جائے پس اگر مثانہ میں شراب کا کوئی اثر بھی باقی تھا اور وہ مر گیا تو جنت اس پر حرام ہوگی، اگر چالیس راتوں کے اندر مر گیا تو اس کی موت عہد جاہلیت کی موت ہوگی)۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، حضورؐ نے فرمایا "اجتنبوا ام الخبائث" (یعنی برائیوں کو جنم دینے والی سے بچو) نیز روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "لما حرمت الخمر مشى اصحاب رسول الله ﷺ بعضهم الى بعض، وقالوا: حرمت الخمر، وجعلت عدلاً للشرك" بروایت طبرانی (یعنی جب شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ایک دوسرے کے پاس گئے اور انہوں نے بتایا کہ شراب حرام ہوگئی اور اسے شرک کے برابر قرار دیا گیا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من شرب الخمر خرج نور الايمان من جوفه" رواه الطبراني (یعنی جس نے شراب پی اس کے باطن سے ایمان کا نور نکل گیا)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من شرب الخمر فسكر لم تقبل له صلوٰة اربعين صباحاً، فان مات دخل النار، فان تاب تاب الله عليه فان عاد فشرب فسكر لم تقبل له صلوٰة اربعين صباحاً فان مات دخل النار، فان تاب تاب الله عليه، فان عاد فشرب فسكر لم تقبل له صلوٰة اربعين صباحاً، فان مات دخل النار، فان تاب تاب الله عليه، فان عاد في الرابعة كان حقاً على الله ان يسقيه من طينة الخبال يوم القيامة، قالوا يا رسول الله وما طينة الخبال؟ قال: عصارة اهل النار" رواه ابن حيان (یعنی جس نے شراب پی اور نشہ میں آگیا، چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی، اس دوران اگر وہ مر گیا تو جہنم میں جائے گا، ہاں اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا، اس کے بعد اگر اس نے پھر یہی حرکت کی یعنی شراب پی اور نشہ چڑھ گیا تو اس کی نماز چالیس روز تک قبول نہ ہوگی، اگر اس دوران مر گیا تو جہنم میں جائے گا، ہاں اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، اگر چوتھی بار پھر یہی حرکت کی تو اللہ کو حق ہے کہ اسے قیامت کے دن طینۃ الخبال پینے کو دے، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، طینۃ الخبال کیا ہے فرمایا اہل جہنم کا نچڑا ہوا مادہ)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من لقى الله مدمن خمر، لقيه كعابد وثن" (یعنی دائم الخمر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح پیش ہوگا جیسے بت کا پجاری) اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ "ما ابالي شربت الخمر، اوعبدت هذه السارية من دون الله" (یعنی تم شراب پیو یا اللہ کے سوا اس جانور کی پوجا کرو میرے نزدیک دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے)۔

Marfat.com

بارہواں اور تیرہواں گناہ کبیرہ

نمیمہ (چغلی) اور پیشاب سے نہ بچنے کا بیان

واضح ہو کہ نمیمہ (چغل خوری) انسانی معاشرہ کو نقصان پہنچانے والے جرائم میں سے ہے کیونکہ چغل خور ہمیشہ باہمی الفت و محبت کی کاٹ میں رہتا ہے اور ایک دوسرے کو دشمن بنا دیتا ہے، بدکرداری کے ثبوت کے لئے یہ حرکت کافی ہے۔ چغلی کے گناہ کبیرہ ہونے کی صراحت بخاری کی اس حدیث میں آئی ہے کہ "ان رسول اللّٰہ مر بقبرین یعذبان ،فقال: انھما یعذبان، وما یعذبان فی کبیر، بلی انہ کبیر، اما احدھما فکان یمشی بالنمیمۃ، واما الآخر فکان لا یستبرئ من البول" (یعنی رسول اللہ ﷺ کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا جس میں عذاب ہو رہا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ ان دونوں پر عذاب ہو رہا تھا اور عذاب گناہ کبیرہ کا ہے۔ بیشک یہ گناہ کبیرہ ہے۔ ان میں سے ایک چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا)۔ یہ دونوں (قبر والے) چغلی کرنے اور پیشاب سے بچنے کو نظر انداز کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ معمولی باتیں ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ باتیں سب سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ کیونکہ اوّل الذکر سے انسانوں کی باہمی الفت میں فرق آ جاتا ہے اور ثانی الذکر سے عبادت میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ (۱)

ابو ہریرہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اربع حق علی اللّٰہ ان لا یدخلھم الجنۃ، ولا یذیقھم نعیمھا: مدمن الخمر، وآکل الربا، وآکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لوالدیہ" بروایت حاکم، وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ (یعنی ان چار قسم کے لوگوں کے متعلق اللہ کو حق ہے کہ انہیں جنت میں داخل نہ ہونے دے اور نہ وہاں کی کوئی نعمت چکھنے دے۔ وہ چار یہ ہیں۔ ہمیشہ شراب پینے والا، سود کھانے والا، یتیم کا مال ناحق ہضم کرنے والا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا)۔

۱۔ معلوم ہونا چاہیے کہ نمیمہ '(بمعنی چغلی) کا اطلاق اس بات پر ہوتا کہ ایک شخص کے بارے میں کوئی بات سن کر دوسرے کے پاس بیان کی جائے مثلاً یوں کہے کہ فلاں شخص تمہارے بارے میں ایسی ایسی بات کہتا تھا۔ چغل خوری اسی پر موقوف نہیں ہے بلکہ چغلی میں یہ بھی آتا ہے کہ ایسی بات کا اظہار کرے جس بات کا ظاہر ہونا برا (یا عیب) سمجھا جاتا ہو، خواہ بتانے والے کے نزدیک وہ عیب کی بات ہو یا جس کو بتایا گیا وہ اس کا (اظہار) اچھا نہ سمجھتا ہو یا کسی تیسرے شخص کے نزدیک برائی ہو۔ نیز طریقہ اظہار تقریر ہو یا تحریر یا اشارہ اور خواہ وہ قول ہو یا فعل اور قطع نظر اس کے کہ وہ بات عیب یا نقص کی ہو یا نہ ہو۔ غرض چاہیے یہ کہ ناپسندیدہ بات کسی کی مشاہدہ میں آئے تو اس کے بیان کرنے سے زبان بند رکھی جائے۔

Marfat.com

چودہواں گناہ کبیرہ

اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا (۱)

البتہ اگر اس کے بیان کرنے میں کسی مسلمان کا فائدہ ہو یا برائی کا سد باب ہوتا ہو تو مضائقہ نہیں۔

واضح ہو کہ چغل خور فاسق ہے اس کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یا یھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینو ا ان تصیبوا قوماً بجھا لۃ" (یعنی اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہیں کسی بات کی اطلاع دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو مبادا بے خبری میں کسی قوم کو نقصان پہنچادو) اللہ عزوجل نے چغل خور کی بات ماننے اور اسے سننے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے "ولا تطع کل حلاف مھین، ھماز مشاء بنمیم، مناع للخیر معتد اثیم، عتل بعد ذلک زنیم" (یعنی ایسے کی بات نہ مان لیا کرو جو بہت قسمیں کھانے والا، عیب جوئی کرنے والا چغل خور ہے، نیک کام سے روکتا ہے، ظالم، گنہگار اور سرکش ہے، ساتھ ہی کمینہ بھی ہے) (القلم ۱۔۱۳) چغلی کے ایک گناہ میں متعدد گناہ ہیں اور چغل خور جہنمی ہے۔ بہشت کی نعمتیں اس پر حرام ہیں کیونکہ اس میں کمینگی، بزدلی، کمزوری، حیلہ سازی، مکاری، چاپلوسی اور بدظنی ہوتی ہے۔ اس سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کا ثواب جاتا ہے۔ باہمی الفت جاتی رہتی ہے اور اخوت، میل جول اور یک جہتی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لا یدخل الجنۃ نمام" (یعنی چغل خور جنت میں نہیں جائے گا)۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا حضور نے فرمایا "النمیمۃ الشتیمۃ و الحمیۃ فی النار" (یعنی چغلی گالی گلوچ اور باہمی نفرت کرنے والے جہنمی ہیں) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا "الا ان الکذب یسود الوجہ والنمیمۃ من عذاب القبر" (یعنی یاد رکھو کہ دروغ گوئی سے منہ کالا ہوتا ہے۔ اور چغلخوری عذاب قبر ہے) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الھمازون، واللمازو ن، والمشاء ون بالنمیمۃ، الباغون للبراء العنت یحشر ھم اللہ فی وجوہ الکلاب" بروایت ابو شیخ ابن حبان (یعنی عیب جوئی کرنے والے، چغل خور، عیب بیان کرنے والے اور نیکیوں سے باز رکھنے والے مستوجب لعنت ہیں اور قیامت کے روز کتوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے)۔

۱۔ واضح ہو کہ اللہ کی رحمت سے مایوسی اور بددلی گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے "انہ لا ییاس من روح اللہ الا القوم الکافرون" (یعنی اللہ کی رحمت سے کوئی مایوس نہیں ہوتا بجز کافروں کی جماعت کے) اس آیت میں لفظ روح سے مراد (اللہ کی) رحمت اور کرم فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہی کرم ہے لہٰذا تنگی اور فراخی کے وقت اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ وہی شخص اس میں مایوس ہوتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ (مقاصد) کو پورا کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا یا اسے تمام باتوں کا علم نہیں ہے یا وہ کرم نہیں فرماتا بلکہ بخیل اور بے بس ہے۔ یہ تینوں باتیں موجبات کفر میں

Marfat.com

پندرہواں گناہ کبیرہ

مکر الٰہی (عذاب ناگہانی) سے بے خوف ہونا(۱)

سولہواں گناہ کبیرہ

حرم کے ممنوعہ علاقہ میں امر ممنوع کو حلال کر لینا(۲)

سے ہیں اور ان ہی تین باتوں سے مایوسی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے جو کفر ہیں اور کافروں سے سرزد ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے بے خبر ہوتا ہے لیکن اللہ پر ایمان رکھنے اور اسے جاننے والا کسی حالت میں مایوس نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی رحمت سب پر غالب ہے۔

۱۔ دوسرے کبیرہ گناہوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے مکر (عذاب ناگہانی) سے بے پروا ہونا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ لفظ 'مکر' سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے جو بے خبری میں نازل ہو جائے۔ چنانچہ اللہ نے بتا دیا ہے۔ کہ ناگہانی عذاب الٰہی کے نازل ہونے سے بے پروا ہونے والا ہی دنیا و آخرت دونوں جہان میں ناکام عافیت ہوتا ہے کیونکہ وہ شخص دنیا کی مصیبت اور آخرت کا عذاب سخت اپنے ہاتھوں سمیٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فامنوا مکر اللّٰہ؟ فلا یا من مکر اللہ الا القوم الخاسرون" (یعنی کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کے ناگہانی عذاب سے بچ جائیں گے؟ یہی خسارہ پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب ناگہانی سے نہ بچ سکیں گے)۔ چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندۂ مومن طاعت الٰہی بجالاتا ہے تاہم (اللہ کی گرفت سے) ڈرتا، غمناک اور خائف رہتا ہے۔ (اس کے برعکس) بدکار شخص نافرمانی بھی کرتا ہے اور نڈر رہتا ہے۔ بمصداق ارشاد الٰہی "والذین یؤتون ما آتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون" یعنی اچھے لوگ جو حکم آتا ہے اسے بجالاتے ہیں ساتھ ہی ان کے دلوں میں آخر کار اللہ کے سامنے پیش ہونے کا خوف طاری رہتا ہے)۔

۲۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ علاقہ میں جو امور ممنوع ہیں ان کو حلال کر لینا بھی منجملہ گناہ کبیرہ کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علاقہ حرم کو امن کی جگہ قرار دیا ہے اور اس میں جنگ کرنا حرام فرمایا ہے۔ اللہ فرماتا ہے "ومن دخلہ کان آمنا" (یعنی جو اس علاقہ (حرم) میں داخل ہو گیا وہ محفوظ ہے) پس اگر کوئی خوف زدہ شخص وہاں آ جائے تو ہر برائی سے محفوظ ہو جائے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اولم یروا انا جعلنا حرماً آمنا" (یعنی کیا لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ قرار دیا ہے؟) اور ارشاد ہے " فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع و آمنھم من خوف " (یعنی چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں روزی عطا کی اور اندیشے سے محفوظ رکھا اور فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ان ھذا البلد حرمہ اللّٰہ یوم خلق السموات والارض، فھو حرام بحرمۃ اللّٰہ الی یوم القیامۃ، وانہ لم یحل القتال فیہ، لا حد قبلی، ولم یحل لی الا فی ساعۃ من

Marfat.com

سترہواں گناہ کبیرہ

ابن السبیل (غریب الوطن) کی مالی اعانت نہ کرنا(۱)

نہار ، فھو حرام بحرمة اللّٰہ الی یوم القیامة، ولا یقصد شوکه، ولا ینفر صیده، ولا یلتقط لقطته الا من عرفھا، ولا تختلی خلالھا' (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس روز سے جبکہ زمین وآسمان کو پیدا فرمایا قیامت تک کے لیے اس شہر میں قتال کو حرام فرمایا اور مجھ سے پہلے کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں اور مجھے بھی دن میں ایک گھڑی بھر کے علاوہ اجازت قتال نہیں ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے قابل احترام بنا کر قیامت تک کے لیے یہاں پر قتال کرنا حرام کر دیا، اب نہ اس کے کانٹوں کو توڑا جائے نہ شکار کے جانور کو برانگیختہ کیا جائے اور نہ کسی گری پڑی شے کو کوئی اٹھائے۔ بجز اس کے جو اس کو جانتا ہے یعنی اسے علم ہے کہ یہ میری شے ہے، اور نہ شکار کی تاک میں چھپ کر بیٹھ جائے)۔

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ بخشش اور سخاوت مسلمانوں کی صفات میں سے ہے کریم (یعنی کرم کرنے والا) اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے۔ نبی ﷺ بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کو جود و سخا کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری ہے" وسارعوا الی مغفرة من ربکم وجنة، عرضھا السموات والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون فی السراء والضراء "(یعنی لوگو اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کے حصول کی جو آسمان و زمین کے برابر وسیع ہے کوشش کرو۔ اس کا وعدہ ان لوگوں سے کیا گیا ہے جو خوشی اور ناخوشی دونوں حالتوں میں راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کی صفات کو اس طرح بیان فرمایا ہے "ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً" (یعنی وہ لوگ خوشنودی خالق کے لیے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ نے، حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد بیان فرمایا ہے" یا ابن آدم انفق انفق علیک "(یعنی اے اولاد آدم محتاجوں پر خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا) اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" قال جبریل: قال اللّٰہ عزوجل ان ھذا دین ارتضیه لنفسی لا یصلحه الا السخاء، وحسن الخلق فاکرموه بھما ما استطعتم "(یعنی یہ دین ہے جو میں نے خود پسند فرمایا۔ اس کی خوبی سخاوت اور خوش خلقی کے بغیر اجاگر نہیں ہو سکتی۔ پس جہاں تک بن پڑے ان باتوں سے اسے بہتر بناؤ) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" ما جعل اللّٰہ عزوجل ولیاً له الا علی السخاء، وحسن الخلق "(یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا بجز اس کے جس میں سخاوت اور خوش اخلاقی ہو) اور فرمایا" ان اللّٰہ جواد یحب الجواد، ویحب معالی الاخلاق، یکره سفاسفھا '(یعنی اللہ سخی ہے اور سخی کو پسند فرماتا ہے اور اعلیٰ اخلاق کو پسند کرتا اور کنجوسی کو ناپسند کرتا ہے) اور ارشاد فرمایا' طعام الجواد دواء وطعام البخیل داء' (یعنی سخی کا کھانا دوا ہے اور کنجوس کا کھانا مرض ہے) آنحضرت ﷺ نے بخل سے منع فرمایا۔ اور بخیل کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا" اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة، واتقوا الشح، فان الشح اھلک من کان قبلکم حملھم علی ان سفکوا

Marfat.com

اٹھارہواں گناہ کبیرہ

والدین کی نافرمانی کرنا

جو حدیث ہم نے جھوٹی گواہی دینے کے باب میں بیان کی ہے۔ یہ بات اس میں گزر چکی ہے کہ والدین کی نافرمانی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے بعد دوسرے درجہ پر سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے (۱)

دماء ھم واستحلوا محارمھم' (یعنی ظلم سے بچو ظلم روز قیامت کا اندھیرا ہوگا نیز حرص سے بچو اس حرص نے اگلے لوگوں میں تباہی مچائی کہ باہمی خون ریزی کی اور اپنی محرمات کو حلال کر لیا) نیز حضورؐ نے ارشاد فرمایا "ثلاث مھلکات شح مطاع، وھوی متبع، واعجاب المرء بنفسہ' (یعنی تین امور ہلاک کرنے والے ہیں۔ حرص میں پڑے رہنا۔ خواہش نفس کی پیروی کرنا اور کسی شخص کا اپنے اوپر فخر کرنا) اور فرمایا کہ "یہ دو باتیں مسلمان میں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ یعنی کنجوسی اور بدمزاجی" اور فرمایا" لا یدخل الجنة بخیل ولا جبار، ولا منان، ولا سیئ الملکة' (یعنی جنت میں نہ بخیل جائے گا۔ نہ ظالم نہ احسان جتانے والا اور نہ بری خصلت والا) اور فرمایا" اللّٰھم انی اعوذ بک من البخل" (یعنی اے اللہ میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

واضح ہو کہ 'ابن السبیل' (غریب الوطن جس کا ذکر اوپر آیا ہے) سے مراد وہ مسافر ہے جس کا زاد راہ ختم ہو گیا ہو۔ اس کے ساتھ اتنی مالی اعانت کرنی چاہیے کہ وہ اپنے وطن پہنچ سکے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص طاعت الٰہی کے لیے سفر کا ارادہ کرے تو اسے اتنا دیا جائے کہ اس کے اخراجات آمد و رفت کے لیے مکتفی ہو۔ اس میں وہ مہمان داخل ہے جو مسلمانوں میں فروکش ہوا ہو، اگر کوئی شخص باوجود مقدرت رکھنے مالی اعانت سے باز رہا تو اس نے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اسلام میں کون سی بات اچھی ہے۔ فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو خواہ اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

۱۔ والدین کی نافرمانی کے متعلق علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر والدین اولاد پر کسی کے مطالبۂ حق کے لیے قسم کھائیں اور اولاد اسے ادا نہ کرے۔ یا وہ اپنی کوئی حاجت بیان کریں اور اسے پوری نہ کرے یا ان کی امانت میں خیانت کرے یا ان میں سے کوئی بھوکا ہو اور خود پیٹ بھر کر کھالے اور انہیں نہ کھلائے یا ماں باپ اس پر الزام لگائیں اور یہ مارے۔ یہ گناہ ان تمام گناہوں میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے، عبادت کے ساتھ ہی والدین سے خوش سلوکی، بھلائی اور ان کی فرمانبرداری کا بھی حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے "واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا" (یعنی اللہ کی عبادت کرو اس کا شریک کسی کو نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک برتو) نیز ارشاد ہے "وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا" (یعنی تمہارے رب کا یہ فیصلہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن

Marfat.com

سلوک رکھو) پس جس طرح کہ شرک باللہ اور ترک عبادت الٰہی گناہ کبیرہ ہے اسی طرح وہ امور بھی جو اس کے ساتھ بیان ہوئے یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے اور ان کی نافرمانی ان گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا فرمایا۔ ساتھ ہی والدین کی نافرمانی کا ذکر فرمایا اور دوسرے تمام گناہوں پر اس کا ذکر مقدم رکھا۔ چنانچہ ارشاد ہے ''الکبائر الاشراک باللّٰہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس، والیمین الغموس' بخاری بروایت صحیح (یعنی کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کا شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا، جان کا ہلاک کرنا اور جھوٹی قسم کھانا) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' من الکبائر شتم الرجل والدیہ، قالوا: یا رسول اللّٰہ وھل یشتم الرجل والدیہ ؟ قال : نعم یسب ابا الرجل فیسب اباہ ، ویسب امہ، فیسب امہ '' (یعنی اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے گا؟ فرمایا، ہاں وہ یوں کہ ایک شخص کسی کے باپ کو گالی دے تو پلٹ کر وہ بھی اس کے باپ کو گالی دے گا اسی طرح کسی کی ماں کو گالی دی تو وہ بھی اس کی ماں کو گالی دے گا) یعنی یہ گو یا اپنے والدین کو گالی دینا۔ نیز رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا'' ان اللّٰہ حرم علیکم عقوق الامھات ، ومنع، وھات، ووادالبنات، وکرہ لکم قیل وقال، وکثرۃ السوال، واضاعۃ المال '' (یعنی اللہ تعالیٰ نے ماں کی نافرمانی، حق تلفی، جھگڑنے اور بیٹیوں کو دفن کرنے کو تم پر حرام کر دیا اور قیل وقال کرنے، زیادہ پوچھ گچھ کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' رضا اللّٰہ فی رضا الوالد، وسخط اللّٰہ فی سخط الوالد' (یعنی اللہ کی خوشنودی، باپ کی خوشنودی میں اور اس کی ناخوشی باپ کی ناخوشی میں ہے)۔ نیز فرمایا'' الجنۃ تحت اقدام الامھات '' (یعنی جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی یا کسی ایک کی نافرمانی کرنے والوں پر، جنت کو حرام کر دیا ہے پھر توبہ کرنے سے پہلے مرجائے یا والدین انتقال کر جائیں درآنحالیکہ وہ اس سے راضی نہ ہوں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' لا یدخل الجنۃ عاق ولا منان، ولامدمن خمر، ولا مؤمن بسحر '' (یعنی نافرمان اولاد احسان جتانے والا، دائم الخمر اور جادو پر یقین رکھنے والا جنت میں نہیں جائے گا) بلکہ نبی ﷺ نے بددعا کی ہے کہ نافرمان اولاد اللہ کی رحمت سے دور رہے۔ چنانچہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ'' رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا'' احضروا المنبر '' (یعنی منبر لاؤ) منبر لے آئے۔ آپ نے اس کے ایک زینے پر چڑھ کر فرمایا'' آمین'' (یعنی ایسا ہی ہو) پھر دوسرے زینے پر چڑھے اور فرمایا'' آمین'' پھر تیسرے زینے پر چڑھے اور فرمایا'' آمین'' اس کے بعد جب آپ منبر سے نیچے آئے تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم نے آج دہان مبارک سے ایسی بات سنی جو اس سے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا'' ان جبریل علیہ السلام عرض لی فقال: بعد من ادرک رمضان فلم یغفر لہ، قلت: آمین، فلما رقیت الثانیۃ قال: بعد من ذکرت عندہ ، فلم یصل علیک ، فقلت: آمین، فلما رقیت الثالثۃ قال: بعد من ادرک ابویہ الکبر عندہ او احد ھما فلم یدخلاہ الجنۃ، قلت : آمین''

Marfat.com

انیسواں گناہ کبیرہ

غلول (مال غنیمت کے چھپا لینے) کا بیان

واضح ہو کہ علماء نے لڑائی میں ہاتھ آئے ہوئے (مال غنیمت) میں سے کچھ چھپا لینا گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اس کو غلول کہتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص میدان جہاد میں دشمن سے کچھ مال لوٹے اور اسے اپنے ساتھیوں سے چھپا لے تو یہ بھی منجملہ گناہ کبیرہ کے ہے۔ (۱)

(یعنی اس وقت جبریل نے میرے سامنے بتایا کہ وہ شخص (رحمت الٰہی سے) دور ہو وہ جس نے ماہ رمضان پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی میں نے کہا آمین پھر جب دوسرے زینے پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ وہ بھی بعید از رحمت ہو جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ بھیجا، میں نے کہا آمین پھر جب میں تیسرے زینے پر چڑھا تو انھوں نے کہا کہ وہ بھی رحمت الٰہی سے بعید ہو جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچے اور اسے جنت میں نہ لے گئے تو میں نے کہا آمین) حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا اور بتایا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کبیرہ گناہوں کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "الشرک باللّٰہ وعقوق الوالدین" یعنی اللہ کا شرک اور والدین کی نافرمانی)۔ یہ گناہ کبیرہ ہیں۔

۱۔ جنگ میں ہاتھ آئے ہوئے کچھ مال کا چھپا لینا "غلول" کہلاتا ہے۔ اور یہ بھی منجملہ گناہ کبیرہ کے ہے۔ روایت ہے کہ جنگ بدر کے روز ایک مخملی چادر (مال غنیمت میں سے) گم ہوگئی۔ خیال ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے اسے لے لیا ہو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ما کان لنبی ان یغل، ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ" (یعنی نبی کی شان کے شایاں نہیں کہ مال غنیمت سے کوئی چیز چھپا کر رکھ لے اور جو شخص بھی کوئی چیز چھپا کر لے گا قیامت کے دن وہ چیز اسے لانی پڑے گی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کسی نبی کے شایاں نہیں کہ (مال غنیمت میں) خیانت کرے اور کسی شے کو اپنے لیے مخصوص کر لے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لایظلمون" (یعنی ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا) غرض یہ شدید تنبیہ اور سخت دھمکی ہے۔

حدیث میں اس گناہ کبیرہ کی ممانعت آئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے "لاعرفن احد کم یاتی یوم القیامۃ یحمل شاۃ لھا ثغاء، ینادی: یا محمد یا محمد، فاقول لا املک لک من اللّٰہ شیئا قد بلغتک، و لَاَعْرِفَنَّ احد کم یاتی یوم القیامۃ یحمل جملا لہ رغاء یقول: یا محمد یا محمد، فاقول: لااملک لک من شیئا قد بلغتک، ولا عرفن احد کم یاتی یوم القیامۃ، یحمل فرسالہ حمحمۃ، ینادی: یامحمد یا محمد فاقول: لا املک من اللّٰہ شیئا قد بلغتک، ولا عرفن احد کم یاتی یوم القیامۃ

Marfat.com

یحمل قسما من آدم ینادی : یا محمد یامحمد فاقول: لا املک من الله شیئا قد بلغتک‘‘(یعنی قیامت کے روز میں تم میں سے اسے پہچان لوں گا جو ایک بکری لے کر آئے گا جو ممیاتی ہوگی اور وہ شخص پکار رہا ہو یا محمد یا محمد تو میں اس سے کہوں گا کہ میں تیرے لیے اللہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور یہ بھی بتا چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے اسے پہچان لوں گا جو ایک اونٹ لے کر آئے گا اور وہ اونٹ بلبلا رہا ہوگا اور وہ شخص پکار رہا ہوگا، یا محمد یا محمد میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے اللہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا میں نے یہ بتا دیا ہے۔ اور میں تم میں سے اسے پہچان لوں گا جو قیامت کے روز ایک گھوڑا لے کر آئے گا اور وہ گھوڑا ہنہنا رہا ہوگا اور وہ شخص چلا رہا ہوگا، یا محمد یا محمد میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے اللہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا یہ میں نے بتا دیا ہے اور میں تم میں سے اس شخص کو پہچان لوں گا جو قیامت کے روز کسی قسم کی اجھوری (چمڑا) لے آئے گا اور چلائے گا یا محمد یا محمد میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے اللہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا یہ میں تمہیں بتا چکا ہوں)۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ غنیمت میں آئے ہوئے پشت شتر سے جب اون لیتے تھے تو فرماتے تھے ’’مالی فیہ الا مثلا مالا حد کم، ایاکم والغلول والغلول، فان الغلول خزی علی صاحبہ یوم القیامۃ، ادوا الخیط والمخیط ، وما فوق ذلک، وجھدوا فی سبیل اللہ القریب والبعید فی الحضر والسفر، فان الجھاد باب من ابواب الجنۃ انہ لینجی اللہ بہ من الھم والغم، و اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید، ولا تاخذ کم فی اللہ لومۃ لائم‘‘(یعنی اس میں میرا حق بس اتنا ہی ہے جتنا تم میں سے کسی کا ہے۔ خبردار چھپ کر لینے سے بچو۔ یاد رکھو کہ غلول یا چھپا کر رکھ لینا۔ قیامت کے روز موجب رسوائی ہے دھاگہ اور سوئی سے لے کر زیادہ جو کچھ بھی ہو سب دے دیا کرو اور نزدیک و دور حضر و سفر میں براہ خدا جہاد کرتے رہو۔ جہاد، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ تمہیں رنج والم سے نجات دے گا۔ اللہ کی حدود کو نزدیک و دور ہر جگہ نافذ کرو اور ارشاد باری کے سامنے کسی کی مذمت کی پرواہ نہ کرو)۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا ’’ردوا الخیطا والمخیط ، فان الغلول عار، ونار، وشنار، علی اھلہ یوم القیامۃ ‘‘(یعنی مال غنیمت کا دھاگہ اور سوئی تک دے دو۔ قیامت کے روز چھپا کر رکھنے والے کے لیے یہ فعل باعث شرم، دوزخ کی آگ اور باعث رسوائی ہوگا) نیز آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ’’ان الحجر یرمی فی جھنم فیھوی سبعین خریفاً ما یبلغ قعرھا ویؤتی بالغلول فیقذف معہ ثم یقال لمن غل بہ ائت بہ فذلک قولہ ” ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ ‘‘(یعنی پتھر جہنم میں پھینکا جائے تو ستر موسم خریف گزر جانے پر بھی اس کی تہ تک وہ نہیں پہنچ سکتا۔ قیامت کے روز مال غلول اس میں پھینک دیا جائے گا اور مال غنیمت چھپا لینے والے سے کہا جائے گا کہ اس کو لے آ۔ قرآن میں جو آیا ہے کہ قیامت کے روز غلول کرنے والے (خائن) کو چھپایا ہو مال غنیمت لانے کے لیے کہا جائے گا اس کا یہی مطلب ہے)۔

حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں مال غنیمت چھپا لینے والے کو یعنی جس کے سامان میں سے مال غنیمت برآمد ہو امیر (حاکم وقت) سزا دے گا۔

Marfat.com

واضح ہو کہ بعض اصحاب نے سرقہ (چوری) کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ سرقہ بہت بڑا جرم ہے گو صاحب شریعت علیہ السلام نے اس کے گناہ کبیرہ ہونے کی صراحت نہیں فرمائی تاہم یہ مذکور ہے کہ جرم سرقہ دنیا و آخرت کے بڑے بڑے گناہوں میں سب سے بڑا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ سرقہ کرنے والے کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ سارق کے خارج از اسلام ہو جانے کی بابت ارشاد ہے'' لایسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن '' (یعنی چوری کرنے والا مومن ہوتے ہوئے چوری نہیں کرسکتا) ایک اور روایت میں یہ بھی ہے ''فان سرق فقد خلع ربقة الایمان من عنقه '' (یعنی اگر کسی نے چوری کی تو اس نے ایمان کا پھندا اپنی گردن سے اتار دیا) شریعت نے اس کی سخت سزا رکھی ہے جو اس کی خرابیوں کے مطابق ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہاں پر تو صرف ان گناہوں کی تعداد بتانا مقصود ہے جن کو حدیثوں میں گناہ کبیرہ بتایا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام دینی جرائم صرف اسی قدر ہیں۔ (۱)

حنابلہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت کو چھپا لینے والے کی سزا یہ ہے کہ اسکا سامان نکال کر جو کچھ اس میں ہو سب جلا دیا جائے اور ان پر حد (سزائے شرعی) نافذ کی جائے جس کی مقدار مملوک (غلام یا لونڈی) کی سزا سے کم ہو اور مال غنیمت میں سے اس کا حصہ خارج کر دیا جائے گا چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''من وجدتم فی متاعه غلولا فاحرقوه...... قال : واحبسه. قال: واضربوه'' (یعنی جس شخص کے سامان سے مال غنیمت برآمد ہو اس سامان کو جلا دو اس شخص کو قید میں ڈال دو اور فرمایا اسے سزائے ضرب دو۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جنگ خیبر والے دن رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں میں سے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ فلاں شخص شہید ہوا۔ اور فلانا شہید ہوا، یہاں تک کہ ایک اور شخص کا ذکر آیا انہوں نے کہا کہ وہ بھی شہید ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کلا انی رَاَیتُہٗ فی النار فی بردة غلھا، او عبائة '' (یعنی ہرگز نہیں۔ میں نے تو دیکھا کہ وہ دوزخ میں ہے اور اس کے اوپر وہ چادر یا چغہ ہے جو اس نے بددیانتی سے چھپا لیا تھا)۔

۱۔ کبیرہ گناہوں کی تعداد کے بارے میں، صحابہ اور تابعین کے درمیان اختلاف ہے۔ ان کی تعداد چار سے لے کر سات، نو، گیارہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے چنانچہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ان کی تعداد چار ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نو ہیں اور عبداللہ بن عباسؓ کو جب ابن عمرؓ کا قول معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ سات ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ان کی تعداد ستر ہے، کم سے کم سات ہے، اور ایک بار فرمایا کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ نیز انہوں نے اور

Marfat.com

ان کے ساتھ دوسرے صحابہؓ نے فرمایا کہ جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی سزا رکھی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

بزرگان سلف میں سے بعض نے کہا ہے کہ جن گناہوں پر دنیا میں سزائے حد (شرعی سزا) نافذ ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہیں، ان کے علاوہ صغیرہ گناہ ہیں جن کی حیثیت معمولی یا کم درجہ کے گناہ کی ہے اور یہ وہ ہیں جن پر حد نہیں لگتی اور نہ عذاب جہنم کی تنبیہ ہے، یہ قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عبدالرزاق رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد گیارہ ہے، تعداد کے بارے میں فی الجملہ جو کچھ کہا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ تعداد یہ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی کوئی تعداد قطعی نہیں ہے، صحیح تعداد معلوم نہیں ہے جیسے لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن کی (قبولیت دعا والی) ساعت نہیں معلوم، اور نہ یہ متعین ہے کہ صلاۃ وسطیٰ (یعنی نماز پنجگانہ میں درمیان کی نماز جس کے خاص طور پر خیال رکھنے کا حکم قرآن میں ہے) کونسی ہے، اس (کے مبہم رکھنے) میں مصلحت یہ ہے کہ لوگ (ہمہ وقت) خوف ورجا کی حالت میں رہیں اور قطعی طور پر (کوئی دن یا وقت متعین کر کے) ایک خیال پر نہ جم جائیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس (کے تعین کے) بارے میں اچھا استنباط فرمایا ہے، ان سے کبیرہ گناہوں (کی تعداد) کے بارے میں دریافت کیا گیا، انہوں نے کہا کہ سورۃ نساء کو شروع سے تیسویں آیت کے آغاز یعنی اللہ تعالی کے اس ارشاد تک پڑھو ''ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سياتكم'' (یعنی اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے گناہوں کا کفارہ ''یعنی تلافی گناہ کر دیں گے)۔ پس ابتدائے سورہ نساء سے اس مقام تک جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں، یہ دلیل حضرت ابن عباسؓ کے اس استنباط کی مانند ہے جو انہوں نے لیلۃ القدر (شب قدر) کے بارے میں فرمایا (کہ وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے)۔ آپ سورۃ قدر کے لفظ (ھی) تک پہنچے، یہاں تک ستائیس (۲۷) الفاظ ہوتے ہیں (آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ ستائیسویں شب ہی لیلۃ القدر ہے) دونوں امور کے بارے میں حقیقت حال اللہ ہی جانتا ہے۔

ابوطالب مکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ان تمام متفرق خیالات سے یک جائی طور پر کبیرہ گناہوں کی تعداد سترہ۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ان منجملہ چار اعمال کا تعلق دل (عقیدہ) سے ہے یعنی شرک باللہ کرنا، اللہ کی نافرمانی پر اڑ جانا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور خود کو اللہ کے ناگہانی عذاب سے محفوظ سمجھ لینا، اور چار گناہوں کا تعلق زبان سے ہے: جھوٹی شہادت دینا، بے گناہ پر تہمت لگانا، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، اور جادو کا عمل کرنا، تین گناہوں کا تعلق پیٹ سے ہے: یعنی شراب اور مسکرات کا پینا، بیجا طور پر یتیم کا مال کھالینا، اور دانستہ سود کھانا، دو گناہ شرمگاہوں سے متعلق ہیں یعنی زنا اور لواطت جس میں قوم لوط مبتلا تھی، دو گناہ ہاتھ کے ہیں یعنی قتل اور چوری، ایک گناہ پیروں کا ہے: بدوران جنگ بھاگ نکلنا، یہ دونوں پیروں کا گناہ ایک ہی گناہ ہے، ایک گناہ ایسا ہے جس کا تعلق پورے وجود انسان سے ہے یعنی والدین کی نافرمانی، یہ تمام گناہ موجب ہلاکت ہیں، جس نے ان سے پرہیز کیا وہ تمام خرابیوں سے بچ گیا اور فرائض خمسہ کے علاوہ جن پر اسلام کی بنیاد ہے مزید نوافل (عطیہ الٰہی) کا مستحق ہو گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ان تجتنبوا کبائر ماتنهون عنه نكفر عنكم سياتكم'' (یعنی اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچے تو ہم اسے تمہارے گناہوں کا کفارہ (موجب تلافی) بنا دیں گے)۔

Marfat.com

بیسواں گناہ کبیرہ

عمداً نماز ترک کرنا(۱)

ا۔ واضح ہو کہ پر از حکمت شریعت نے نماز کو با قاعدہ ادا کرنے۔ اس کا دھیان رکھنے اور اس کا اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً (یعنی بلاشبہ نماز کو مقررہ اوقات میں ادا کرنے کا حکم ہے) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "الذین یقیمون الصلوٰۃ" (یعنی متقی وہ ہیں جو با قاعدگی سے نماز ادا کرتے ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے "اربع فرضھن اللہ فی الاسلام، فمن اتی بثلاث لم یغنین عنہ شیا حتی یاتی بھن جمیعاً، الصلوٰۃ وزکوٰۃ، وصیام رمضان، وحج البیت" بروایت احمد (یعنی اسلام میں اللہ تعالیٰ نے چار باتوں کو فرض قرار دیا ہے۔ اگر ان میں سے کسی نے تین باتیں پوری کر بھی لیں تو اسلام کا کچھ بھی حق ادا نہ ہوا جب تک کہ یہ چاروں باتیں پوری نہ کی جائیں۔ یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، رمضان اور خانہ کعبہ کا حج)۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" من ترک الصلوٰۃ متعمداً احبط اللہ عملہ، وبرائت منہ ذمۃ اللہ حتی یراجع اللہ عزوجل توبۃ" بروایت اصبہانی (یعنی جس نے عمداً نماز کو ترک کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کا عمل ضائع کر دیا اور جب تک کہ توبہ کر کے وہ اللہ کی طرف رجوع نہ کرے، اللہ عزوجل اس کی نجات سے بری الذمہ ہوگا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں "من ترک الصلوٰۃ فقد کفر" (یعنی جس نے ترک نماز کیا اس نے کفر کیا) حضرت ابن مسعود نے فرمایا "من ترک الصلوٰۃ فلا دین لہ" (یعنی جس نے نماز کو ترک کیا وہ لا مذہب ہے) اور جابر بن عبد اللہ کا فرمان ہے من لم یصل فھو کا فر (یعنی جس نے نماز نہ پڑھی وہ کافر ہے) اور نبی ﷺ کی حدیث صحیح ہے "ان تارک الصلوٰۃ کافر" (یعنی تارک صلاۃ کافر ہے) آنحضرت ﷺ کے عہد سے جملہ اہل علم کی یہی رائے ہے کہ بغیر کسی عذر کے عمداً نماز نہ پڑھنے والا یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے کافر ہے۔ کیونکہ اس نے حکم خداوندی سے انکار کیا۔ نیز نبی ﷺ نے فرمایا" بین العبد المؤمن وبین الکفر ترک الصلوٰۃ" (یعنی بندہ مومن اور کفر کے درمیان صرف ترک صلوٰۃ کا فاصلہ ہے)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر تارک صلاۃ اس کے واجب الادا ہونے سے منکر ہو تو، بالاتفاق جملہ مسلمانان، وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔ البتہ ابتدائے عہد اسلام ہو (جب کہ اس کی اہمیت سے وہ شخص بے خبر ہو) تو اور بات ہے۔ لیکن اگر سستی سے نماز ترک کی اگرچہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ واجب ہے جیسا کہ اس زمانہ میں بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہے۔ اس صورت میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔

Marfat.com

گناہ کبیرہ

جادو کا بیان

سحر (یا جادو) جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، اس سے مراد بعض ایسے اقوال وافعال کا ارتکاب ہے جو دین کے خلاف اور شرعی طریقوں کے منافی ہوں۔

فقہاء نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ جادو میں ایسے اقوال ہوتے ہیں جس میں غیر اللہ کی عظمت بتائی جاتی ہے اور کائنات کی تقدیر کو اس کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس لحاظ سے جادو کا عمل تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے زیادہ برا ہے، بلکہ اس کے نتیجہ سے قطع نظر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جادو علانیہ ارتداد (دین سے پھر جانے) کی شکل اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ جو شخص عظمت کو جو صرف اللہ

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اسے فسق (گناہ) کہیں گے۔ اسے توبہ کرنے کو کہا جائے۔ اگر توبہ کر لے تو خیر بصورت دیگر اسے 'حد' کے طور پر قتل کیا جائے۔ جیسے شادی شدہ زانی کو قتل کا حکم ہے۔ لیکن اسے تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ اور مزنی جو اصحاب شافعیہ میں سے ہیں کہتے ہیں کہ نہ اسے کافر قرار دیا جائے اور نہ قتل کیا جائے۔ بلکہ اسے سزا دی جائے اور قید کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے" لا یحل دم امری مسلم الا باحدی ثلاث " (یعنی کسی مسلمان کا خون حلال نہیں بجز ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے) ان تین باتوں میں ترک نماز کا ذکر نہیں ہے اور وہ گناہگار مومن ہے۔

حنابلہ، عبد اللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہ اور شافعیہ میں سے بعض اصحاب کہتے ہیں نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ بغیر کسی عذر کے عمداً تارک صلاۃ کو کافر کہا جائے گا اور اس کے واجب القتل ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل پیش کی گئی ہے" فان تابوا و اقاموا الصلوٰة و آتوا الزکوٰة فخلوا سبیلھم" (یعنی اگر وہ توبہ کر لیں۔ نماز با قاعدہ ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں رہا کر دو) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے 'امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا الا الہ الا اللہ، ویقیموا الصلوٰۃ، ویؤتوا الزکوٰۃ، فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء ھم واموالھم " (یعنی مجھے حکم ہے کہ میں ان لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز با قاعدہ ادا کریں اور زکوٰۃ دیں اگر وہ سب کچھ کریں تو میری طرف سے ان کے جان و مال محفوظ ہوں گے) ان اصحاب نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کہ 'بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ' (یعنی بندہ اور کفر کے درمیان ترک نماز کا فرق ہے) یہ مطلب بتایا ہے کہ تارک نماز سزائے کفر کا مستحق ہے۔ یعنی مستوجب قتل ہے یا یہ کہ اس

Marfat.com

ہے اسے مخصوص ہے غیر اللہ سے منسوب کرے وہ کافر ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ بعض بدکردار اشخاص جو جادو کا عمل کرتے ہیں اس میں اللہ کو گالی دی جاتی ہے اور کسی کو اس کا ہم پلہ جان کر اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ بعض جادوگر قرآن شریف کو اپنے پیروں کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ اور بعضے فرشتوں کو گالی دیتے اور ان کی توہین کرتے ہیں پھر ان میں سے بعض اللہ کی ایسی صفت بیان کرتے ہیں جو اس کی شان کے شایاں نہیں ہے، یہ سب کچھ ارتداد (اسلام سے پھر جانے) کے برابر ہے لیکن اگر جادو کا عمل ان باتوں سے خالی ہو مثلاً خدا کا نام لیا جائے اور حروف کا استعمال اس طرح کیا جائے جو دین کے منافی نہ ہو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس جادو کا اثر کیا ہوتا ہے اگر اس سے کسی بے قصور کو ضرر یا کسی بے گناہ کے مال و جان کو نقصان پہنچا تو وہ عمل حرام ہے۔(۱)

کا قتل حلال ہے یا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ایسا کرنا کفر ہے اور ایسے شخص کا عمل کافروں کا عمل ہے، واللہ اعلم۔

مرنے کے بعد کافر کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جاتا ہے جو تارک نماز کے ساتھ کہ نہ اسے نہلایا جائے نہ کفن دیا جائے۔ نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے اور اظہار حقارت کے لیے اس کی قبر کا نشان مٹا دیا جائے اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، نعوذ باللہ من ذلک۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عمل سحر کفر اور ارتداد ہے، خواہ فعل جادو سیکھنے کے لیے ہو یا سکھانے کے لیے یا جادو کرنے کے لیے، کیونکہ جادو کے عمل میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جس میں غیر اللہ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے اور تقدیری امور کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اگر یہ باتیں اونچی آواز سے کہی جائیں اور عمل سحر کرنے والا اس سے توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اگر وہ باتیں اونچی آواز کے بغیر کہے تب بھی وہ زندیق ہے اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور توبہ کے لیے نہیں کہا جائے گا، بعض اصحاب نے (معافی کے لیے) کسی حال میں توبہ کی شرط نہیں لگائی، خواہ اونچی آواز سے اس نے (کلمات سحر) کہے ہوں یا نہ کہے ہوں، زندیق کی بابت (معافی کا) جو حکم ہے وہ اس حالت میں ہے جبکہ وہ (اپنے ارتکاب زندقہ کی) اطلاع ہو جانے سے پہلے توبہ کر لے، اس حالت میں اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی، اگر اطلاع ہو جانے کے بعد کی تو وہ توبہ قبول نہ ہو گی۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جادو (کا وجود) ایک حقیقت ہے اور اس کا اثر بھی ہوتا ہے چنانچہ کبھی وہ شخص مر جاتا ہے جس پر جادو کیا جائے، یا اس کی طبیعت اور عادت بدل جاتی ہے اگرچہ وہ ویسا نہ رہا ہو، نیز جادو کرنے والا ضرب و حرب کے بغیر دشمن پر غلبہ پا لیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جادوگر کو روحوں کے ذریعہ بعض ایسی باتوں کی اطلاع قبل از وقت ہو جاتی ہے جس (کے برے انجام) سے وہ خود کو بچا لیتا ہے (یا دوسروں کو بچا سکتا ہے)۔

Marfat.com

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر جادو ایسے ایسے اقوال وافعال پر مشتمل ہے جو مذہب کے خلاف اور موجب کفر ہیں، تو اس کے نتائج سے قطع نظر وہ کفر ہے، اور اگر وہ اقوال وافعال حرام ہیں تو وہ عمل سحر حرام ہو گا، لیکن اگر وہ عمل جائز ہے تو اس جادو کے اثر کو دیکھنا ہوگا اگر اس کا نتیجہ حرام ہے تو وہ جادو بھی حرام ہوگا ورنہ نہیں۔

جادو کے بارے میں فقہاء کا فیصلہ یہی ہے، اور مختلف مسالک کا اس پر اتفاق کرنا بہت ممکن ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔

جادو کے بارے میں بہت سے علماء نے جو تحقیق کی ہے ان میں بعض نے فرمایا کہ جادو محض ایک خیالی ... ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، بیشتر مسالک اس کے خلاف گئے ہیں ان کے منجملہ شافعیوں میں ... امہ استرابازی، حنفیوں میں سے ابوبکر رازی، ابن حزم اور ان کے علاوہ بہت سے علماء ہیں، اس تمام گروہ کی یہ قطعی رائے ہے کہ جادو، سیمیا (یا شعبدہ بازی) کی طرح محض خیالی شے ہے، اس کی بنیاد، قوت ارادی یا ایسے ہی مشاغل رکھنے والوں کی عملی (اور فکری) مہارت کا نام جادو ہے۔ تاہم جمہور علماء کا کہنا یہ ہے کہ وہ اس بارے میں غور کریں کہ فی الواقع یہ کیا ہے اس کی بابت صحیح رائے قائم ہونے پر ہی اس کے متعلقہ احکامات کا انحصار ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا فی الواقع ایسے دلائل ہیں جن سے ثابت ہو کہ جادو کا اثر ہوتا ہے اور کیا اس کا وجود قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟(۱)

واضح ہو کہ وہ لوگ جن کی بابت مشہور ہے کہ وہ جادو میں یقین رکھتے تھے وہ مصر کے قدیم

علماء نے جادو کی مختلف تعریفیں کی ہیں: صاحب ارشاد المقاصد کہتے ہیں کہ جادو ایک علم ہے جس سے انسان کو ایسے عجیب وغریب امور ظاہر کرنے کی صلاحیت باطنی حاصل ہوتی ہے جس کا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ ابن عربی نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ جادو کے کچھ منتر ہوتے ہیں جس میں غیر اللہ کی عظمت بیان کی جاتی ہے اور امور دنیا اور امور قدرت کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بعض اصحاب نے یوں تعریف کی ہے کہ جادو وہ علم ہے جس سے انسان کی طبیعت میں تغیر لایا جاتا ہے اور اشیاء کی ماہیت بدلی جاسکتی ہے، اس بارے میں کوئی نزاع نہیں ہے کہ جادو کا عمل اور اس کی تعلیم حرام ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور غیر حقیقی جسے سیمیا (شعبدہ بازی) کہتے ہیں، فرعون کے جادوگر دونوں قسم کے جادو میں ماہر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واسترھبوھم وجاء و ابسحر عظیم" (یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کو ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا)۔

۱۔ فقہاء کا کہنا ہے کہ بلا شبہ جادو کی ایک حقیقت ہے اور جسموں کو اذیت رسانی کی تاثیر رکھتا ہے سوا اس کے جو اس کا توڑ جانتا ہو، ان کا کہنا ہے کہ یہ ایک خیالی (نفسیاتی) امر ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ جادو کا علم حرام ہے اس کو روا سمجھنا کفر ہے۔

Marfat.com

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جادو کی تعلیم اور جادو کا عمل کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کے فعل حرام ہونے کا عقیدہ ہو یا نہ ہو۔ حاکم کو چاہیے کہ ایسے شخص کو قتل کر دے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے نیز جندب بن عبداللہ، حبیب بن کعب، قیس بن سعد اور عمر بن عبد العزیز رضوان اللہ علیہم سے روایت ہے کہ ان اصحاب نے جادوگر کو توبہ کا موقع دیے بغیر قتل کر دیا۔ اس بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی ہے۔ شیخ ابوبکر رازی نے کتاب احکام القرآن میں اس کا ذکر کیا ہے کہ "حدثنا ابن قانع، حدثنا بشر بن موسٰی حدثنا ابن الاصفاهانی، حدثنا ابو معاویه عن اسمعیل بن مسلم، عن الحسن عن جندب، ان النبی ﷺ قال" حد الساحر ضربه بالسیف "(یعنی ابن قانع سے یہ حدیث بیان کی ہے بشر بن موسیٰ نے اور انہوں نے ابن اصفہانی سے، انہوں نے ابومعاویہ سے انہوں نے اسمعیل بن مسلم سے، انہوں نے حسن سے اور انہوں نے جندب سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جادوگر کی سزا اسے تلوار مار دینا ہے") خلاصہ یہ ہے کہ ساحر واجب القتل ہے اور ولید بن عتبہ کی یہ روایت مشہور ہے کہ کوفہ میں جندب نے ایک جادوگر کو قتل کیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کافر قرار دیا جائے گا بجز اس صورت کے جبکہ وہ جادو کو امر مباح (فعل جائز) کہتا ہو۔

رہا کاہن (علم غیب کا مدعی یا جوتشی) سو اس کی بابت کہا گیا ہے کہ وہ بھی جادو ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کاہن عراف (نجومی) کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اٹکل سے کوئی بات بتا دیتا ہو نیز کہتے ہیں کہ کاہن کے تابع جن ہوتے ہیں جو اسے (مخفی) خبریں بتا دیتے ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کاہن کا یہ عقیدہ ہو کہ جو کچھ وہ چاہے شیاطین اسے پورا کر دیتے ہیں تو وہ کافر ہے۔ ہاں اگر یہ عقیدہ ہو کہ وہ اپنے عندیہ سے کام لے سکتا ہے تو کافر نہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کاہن ایسا عقیدہ رکھتا ہو جو مستلزم کفر ہے۔ مثلاً یہ کہ اسے ستاروں کا قرب حاصل ہے اور جو کچھ بھی وہ چاہے ستارے کر سکتے ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کاہن کے بارے میں بھی وہی حکم ہے جو ساحر کے بارے میں ہے لہٰذا وہ بھی قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" اقتلوا کل ساحر و کاهن "(یعنی ہر ساحر اور کاہن کو قتل کر دو)۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو اسے قتل نہ کیا جائے اور واجب یہ ہے کہ جادوگر یا نجومی کے کافر ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں شافعیؒ کے قول سے نہ ہٹا جائے۔ لیکن اس کا قتل واجب ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ شخص ہمیشہ جادو کا عمل کرتا رہتا ہے تو اسے توبہ کر لینے کے لیے نہ کہا جائے۔ اس کے اس عمل کی بناء پر نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ زمین پر فساد پھیلانے کا مجرم ہے درآنحالیکہ وہ اپنے اس عمل سحر کو موجب کفر نہیں جانتا۔ ان اصحاب کا کہنا ہے کہ جادوگر اور زندیق کی جو لا مذہب ہوتا ہے توبہ قبول نہ کی جائے۔

Marfat.com

شریعت اسلامیہ میں جادو کی مذمت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولا یفلح الساحر حیث اتی" (یعنی جادوگر کو جہاں کہیں بھی ہو فلاح نہیں ہے) یعنی وہ جہاں کہیں بھی ہو اور جہاں بھی یہ عمل کرے (کبھی فلاح نہ ہوگی) نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لا یفلح الساحرون" (یعنی ساحروں کی خیریت نہیں ہے) یعنی کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور نہ برے حال سے نجات پا سکتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ جادو حرام ہے بالاتفاق گناہ کبیرہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جادو کو سات موبقات (تباہ کن اعمال) میں شمار فرمایا ہے۔ جادو میں بعض اعمال کفر ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو کفر تو نہیں لیکن گناہ کبیرہ ہیں۔ بہر حال جادو کے عمل میں اگر کوئی قول یا عمل کافرانہ ہو تو جادوگر کافر ہے ورنہ نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جادوگر کافر ہے جادو کرنے کی پاداش میں اسے قتل کیا جائے گا۔ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی بلکہ زندیق کی طرح قطعی طور پر اسے قتل کر دیا جائے یہ قول قاضی عیاض کا ہے اور بقول امام مالکؒ امام احمد اور صحابہؓ وتابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے، جبکہ جادو کے عمل میں باطل اور شر شامل ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص اس لیے جادو سیکھے کہ سحر زدہ سے جادو کا اثر دور کرے اور اس اذیت سے نجات دلائے یا محض ایک علم سے واقف ہونے کے لیے سیکھے اور خود اس پر عمل نہ کرتا ہو تو روا ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ سے ایسے شخص کی بابت حکم شرعی دریافت کیا گیا جو (جادو کر کے) سحر زدہ کو جادو کے اثر سے نجات دلائے، تو فرمایا کہ اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ یہ قول قابل اعتبار ہے۔ پس جادو کے بارے میں جو حکم ہے وہ نیت کے تابع ہے۔ اگر عمل سحر کا مقصد نیک ہے تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ بشرطیکہ اس کے عمل میں کوئی مشرکانہ فعل نہ ہو ورنہ وہ شخص کافر ہو جائے گا اور ساحر کو قتل نہ کیا جائے جب تک کہ اس نے جادو سے کسی کو ہلاک نہ کیا ہو۔ یہ جرم اس پر اقرار ہی سے ثابت ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی ذمی (اسلامی مملکت کا غیر مسلم باشندہ) اپنے جادو سے کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے تو اس نے معاہدہ کو توڑا اور اس کا قتل حلال ہوگا۔ تاہم آنحضرت ﷺ نے لبید بن اعصم کو آپ پر جادو کرنے کے جرم میں قتل نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ذمی تھا۔ کیونکہ حضورؐ نے اپنا انتقام کسی سے نہیں لیا۔ پھر اس لیے بھی کہ انہیں اندیشہ تھا کہ لبید بن اعصم کو قتل کرنے سے مدینہ میں مسلمانوں کے درمیان جھگڑا نہ ہو جائے کیونکہ وہ بنی زریق میں سے تھا اور وہ لوگ انصار کے خاص لوگوں میں سے تھے جو قبیلہ خزرج میں مشہور تھے نیز یہ بھی تھا کہ عوام نئے نئے اسلام لائے تھے۔

تفصیل بالا سے عیاں ہے کہ جادو برحق (امر مسلمہ) اور ایک امر واقعہ ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس سے سابقہ پڑا اور پڑتا رہے گا۔ کوئی زمانہ اس میں کمی ہے۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے سابقہ پڑ چکا ہے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے کلام میں آیا ہے "فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى، فاوجس في نفسه خيفة موسى، قلنا لاتخف انك انت الاعلى" (یعنی ساحروں کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چلتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ حضرت موسیٰ کا دل سہم گیا، ہم نے کہا تم ڈرو نہیں بیشک تم ہی غالب رہو گے)۔ اس واقعہ سے حضرت موسیٰ کی عقل وفراست پر کوئی اثر نہیں پڑا نہ نازل ہونے والی وحی پر اور نہ ان احکام پر جو انہوں نے لوگوں کو پہنچائے

Marfat.com

باشندے ہیں۔ ان ہی کی بابت قرآن حکیم میں آیا ہے کہ فرعون نے اپنے تمام ذی علم ساحروں کو طلب کر کے اکٹھا کیا اور جو کچھ ان سے ظاہر ہوا وہ سب خیالی بات تھی حقیقت نہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" یخیل الیه من سحر هم انها تسعٰی "(یعنی ان کے جادو سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چیزیں حرکت کر رہی ہیں) ان الفاظ سے بوضاحت ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کے جادوگر جو سب سے زیادہ ماہر تھے صرف خیالی (یا بناوٹی) اشیاء پیش کر سکے جو حقیقت میں کچھ نہ تھیں۔ اگر حقیقی اثر والا جادو ہوتا تو اس مشکل وقت میں وہ ساحر اصل جادو پیش کرتے اور یہ تو قطعاً بعید از عقل ہے کہ فرعون جو برسرعناد تھا اور اپنا سب سے بڑا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ صرف بناوٹی جادو سے کام لیتا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ جبکہ فرعون کے جادوگر اس کے علاوہ اور بڑے بڑے جادو جانتے تھے۔ آیت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ فرعون کے ساحروں نے اپنا انتہائی زور لگا کر جو جادو دکھایا وہ محض خیالی (یا بناوٹی) تھا۔

یہ دلیل ان اصحاب کی ہے جو کہتے ہیں کہ جادو کا اثر محض ایک خیالی امر جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ رہا دوسرا فریق سو اس کی دلیل ہاروت و ماروت کا واقعہ ہے جو قرآن شریف میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ" وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر، وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت و ماروت وما یعلمان من احد حتی یقولا: انما نحن فتنة فلا تکفر "(یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں (جنوں) نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور وہ جو شہر بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر نازل ہوا ان میں سے کوئی اس عمل کی تعلیم نہیں دیتا تھا جب تک کہ پہلے یہ نہ جتا دیتا کہ ہم تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں بہتر یہ ہے کہ کافر نہ ہو)۔

حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کریمہ سے جادو کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ اس میں حقیقی جادو کا ذکر نہیں ہے بلکہ ایک قسم کے فتنے یا حیلے کا ذکر جس پر عمل کر کے بعض چغل خور میاں بیوی کے درمیان جدائی کرا دیتے تھے۔ چنانچہ آیت میں ان کی کارستانی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء وزوجه "(یعنی وہ لوگ ان فرشتوں سے ایسی باتیں سیکھتے تھے جن کے ذریعے خاوند اور بیوی کے درمیان پھوٹ پڑ جائے) مطلب یہ ہے کہ ان اعمال سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ صرف میاں بیوی کے درمیان جدائی ہے اور یہ بات خارق عادت جادو کے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں۔ لوگ اکثر فتنے ایسے کھڑے کر دیتے ہیں جن سے زوجین

Marfat.com

کے مابین پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ پس آیت کریمہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے جس کا اثر ہوتا ہے۔ جادو کا حقیقی اثر ماننے والوں کے لئے بجز اس حدیث بخاری کے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ "ان النبی ﷺ قد سحر، وانه کان یخیل الیه ان یفعل الشیٔ ولم یفعل (۱) یعنی نبی ﷺ پر سحر کیا گیا کہ آپ خیال فرماتے کہ فلاں کام کیا گیا، حالانکہ وہ نہیں کیا)۔ اور یہ حدیث صحیح ہے اس کے راویوں میں سے کسی نے اس پر تنقیح نہیں کی اور یہ ٹھیک نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے کہ ایسی حدیثوں کا تعلق فروعی مسائل سے ہے۔ اعتقادی مسائل میں یہ جائز نہیں ہے۔ عقیدہ کی بنیاد

بلکہ یہ ایک انسانی عارضی کیفیت ہے جو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو پیش آجاتی ہے لہٰذا انبیاء کے معصوم و (محفوظ) ہونے کے منافی نہیں ہے۔

۱۔ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ محمد بن مثنیٰ نے مجھ سے حدیث بیان کی جنہیں یحییٰ بن ہشام نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے اور ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ "ان النبی ﷺ سحر حتی کان یخیل الیه انه صنع شیئًا ولم یصنعه" (یعنی نبی ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ انہیں خیال گزرتا تھا کہ انہوں نے فلاں کام کر لیا ہے حالانکہ وہ نہیں کیا ہوتا) ایک اور روایت میں امام بخاری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ انہیں عیسیٰ بن یونس نے ہشام سے۔ انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ "سحر رسول الله ﷺ رجل من بنی زریق یقال له: لبید الاعصم، حتی کان رسول الله ﷺ یخیل الیه انه کان یفعل الشیٔ وما فعله حتی اذا کان ذات یوم او ذات لیلة وهو عندی لکنه دعا ودعا، ثم قال: یا عائشة اشعرت ان الله افتانی فیما استفتیته فیه اتانی رجلان فقعد احدهما عند راسی، والآخر عند رجلی، فقال احدهما لصاحبه ما وجع الرجل؟ فقال: مطبوب، قال: من طبه؟ قال: لبید بن الاعصم، قال: فی ای شیٔ؟ قال فی مشط ومشاطة وجف طلع نخلة ذکر، قال: واین هو؟ قال فی بئر ذران، فاتاها رسول الله ﷺ فی ناس من اصحابه فجاء فقال: یا عائشة کان ماءها نقاعة الحناء، وکان رؤس نخلها رءوس الشیاطین، قلت: یا رسول الله افلا استخرجته؟ قال: قدعا فانی الله فکرهت ان اثیر علی الناس فیه شرا، فامر بها فدفنت" (یعنی قبیلہ زریق کے ایک شخص نے جسے لبید الاعصم کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا جس سے یہ ہوا کہ حضور خیال فرماتے تھے کہ فلاں بات میں نے کر لی ہے، حالانکہ اسے نہیں کیا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن یا ایک رات میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور بار بار دعائیں کیے جاتے تھے۔ پھر فرمایا۔ اے عائشہؓ پتہ بھی ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بات بتا دی جس کی بابت تم پوچھا کرتی تھیں: میرے پاس (خواب میں) دو آدمی آئے، ایک تو میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ان صاحب

Marfat.com

یقینی دلائل پر ہوتی ہے اور جو حدیثیں صحیح ہوں وہ احادیث آحاد ہیں۔ان کے صحیح ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے پس احادیث صحیحہ کے لئے ضروری ہے کہ ان کی اہمیت کو ثابت کیا جائے اور عقلی دلائل سے ان کی تائید ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ احادیث کو اصول دین کی روشنی میں دیکھا جائے اور اسے عقل سلیم کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھا جائے۔ بصورت دیگر یہ درست نہ ہوگا کہ اس کو عقائد دینیہ میں سے کسی عقیدہ کی دلیل قرار دیں۔

اب بخاری کی روایت کردہ اس حدیث میں کچھ ایسی بات ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک مبرا ہے۔یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ ''انه كان يخيل اليه، انه يفعل شی ولم يفعل۔'' (یعنی حضور نا کردہ بات کی بابت خیال کر لیتے تھے کہ وہ کر چکے ہیں)۔کیونکہ اگر اس حدیث کے ظاہری معنی لیے جائیں تو وہ حضور کی شان رسالت کے منافی ہوگا۔حالانکہ ان کے خیالات اور معلومات

کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا جادو کا اثر ہے۔اس نے پوچھا جادو کس نے کیا؟ اس نے کہا لبید بن اعصم نے۔پھر اس نے پوچھا کس چیز سے؟ اس نے کہا، کنگھے میں الجھے ہوئے بالوں سے اور نخل ذکر (یعنی پھل نہ دینے والے درخت خرما) کے خشک شگوفہ سے۔ اس شخص نے پوچھا وہ شخص کہاں رہتا ہے دوسرے نے جواب دیا چاہ ذران میں۔ پھر آپ چند صحابیوںؓ کے ساتھ وہاں گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا اے عائشہؓ اس کا پانی گاڑھا اور سرخ رنگ ہو گیا تھا اور وہاں کے درختوں کی پھنگ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شیطانوں کی چوٹیاں۔تب میں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے انہیں نہیں نکلوایا؟ فرمایا کہ اللہ نے مجھے اس سے روک دیا۔لہٰذا میں نے پسند نہ کیا کہ اس کا اثر لوگوں پر برا پڑے۔اس کے بعد آپ نے اسے دفن کرنے کا حکم دیا۔اور ان کی تیسری روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد نے مجھ سے حدیث بیان کی جو کہتے ہیں کہ میں نے ابن عیینۃ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ پہلے ابن جریج نے ہم سے یہ حدیث بیان کی جو کہتے ہیں کہ آل عروہ نے، عروہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اس کی بابت ہشام سے پوچھا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بیان کی، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا جس کا یہ اثر ہوا کہ آنحضرت ﷺ یہ خیال فرماتے تھے کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس جاتے تھے حالانکہ نہیں جاتے تھے۔سفیان کہتے ہیں کہ جادو کا یہ اثر سب سے زیادہ سخت قسم کا ہے۔

اس قسم کی روایات وغیرہ سے معلوم ہوا کہ جادو کی ایک حقیقت ہے۔وہ کسی پر کیا جا سکتا ہے اور اس کا اثر ہوتا ہے کیونکہ قرآن حکیم سے بصراحت ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر'' (یعنی البتہ شیطانوں نے کفر کیا، لوگوں کو جادو کرنا سکھاتے ہیں) اور فرمایا'' وما جئتم به السحر ان الله سيبطله'' (یعنی جو جادو بھی تم کرو گے اللہ اسے بے اثر کر دے گا) نیز فرمایا'' لا يفلح الساحرون'' (یعنی جادو کرنے والے نامراد رہیں گے) اور ارشاد ہے'' وانما صنعوا كيد ساحر'' (یعنی انہوں نے جادوگر کا کام دکھایا) اور یہ کہ

Marfat.com

ہر قسم کے نقص سے بری ہیں۔ پس ضروری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے مفہوم کو عقل وبصیرت کے تقاضوں کے مطابق سمجھا جائے۔ پس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جملہ جو فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ کے پاس نہیں گئے اور یہ خیال کر لیتے تھے کہ جا چکے ہیں، چنانچہ تاخیر کے بعد جب جنسی تقاضا پورا کرنا چاہتے تو نہ کر سکتے تھے چونکہ اس واقعہ کا تعلق ان کی اپنی ذات کے ساتھ تھا اس لیے انہوں نے بپاس حیا اس طرح بیان فرمایا (کہ بعض کام آپ نے نہیں کیا ہوتا اور سمجھ لیتے تھے کہ میں نے کر لیا) چنانچہ وہ روایت اس کی تائید کرتی ہے جو عبدالرزاق نے ابن مسیب سے اور انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ پر جس جادو کا ذکر ہے وہ صرف یہی ہے ورنہ

''ولا یفلح الساحر حیث اتی'' (یعنی جادوگر کہیں بھی ہو بامراد نہ ہوگا) اور اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمانا ہے ''انہ لکبیر کم الذی علمکم السحر'' (یعنی یہ تم سب میں بڑا جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا) پھر اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے ''انا آمنا بر بنا لیغفرلنا خطایانا وما اکرھتنا علیہ'' (یعنی فرعونی جادوگروں نے کہا کہ اے فرعون ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطا سے درگزر فرمائے اور اس جادو کو بھی (معاف فرمائے) جس کے کرنے پر تو نے ہمیں مجبور کر دیا تھا)

علماء نے بتایا ہے کہ جادو کی متعدد صورتیں ہیں:

ایک وہ جادو جو فریب اور دھوکے پر مبنی ہوتا ہے، یہ محض نفسیاتی شے ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ شعبدہ بازوں کا کام ہے اس میں مشق اور مہارت درکار ہے اور نظر بچا کر پھرتی سے کام لیا جاتا ہے اس کے لیے طویل یکسوئی اور مشاقی کی ضرورت ہے، اس میں شعبدہ باز نظر بندی سے کام لیتے ہیں، جو کچھ پیش کرتے ہیں اس سے نگاہوں کو پھیر دیتے ہیں (یعنی دکھاتے کچھ ہیں نظر کچھ اور آتا ہے) اس کو سیمیا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فلما القوا سحروا اعین الناس استر ھبوھم وجاء وا بسحر عظیم'' (یعنی جب جادوگروں نے جادو چلایا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی، اور سب کو ڈرا دیا اور بڑا جادو دکھایا) نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فاذا حبالھم و عصیھم یخیل الیہ من سحر ھم انھا تسعٰی'' (یعنی ان کے جادو سے یہ ہوا کہ ان کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں، بھاگتی دوڑتی معلوم ہونے لگیں) اس قسم کا جادو اب بھی بالخصوص ہندوستان میں جاری ہے۔

دوسرا وہ کہ جادو جو افسون سے ہوتا ہے۔ یعنی (دھاگے کی) گرہوں پر یا مسحور کی تصویر پر کچھ پڑھ کر دم کرتے ہیں، اس کے کئی طریقے ہیں کچھ تلاوت کر کے یا پڑھ کر یا لکھ کر یا شکلیں بنا کر دم کرتے ہیں اس کا مقصد ایذا دہی یا کوئی اور برائی کرنا ہوتا ہے، (اس کا ذکر) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ومن شر النفاثات فی العقد'' (یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں گرہوں پر پھونکنے والیوں یا جادوگرنیوں کی شرارت سے) اس آیت میں 'نفاثات' سے مراد جادوگرنیاں ہیں، یہ افسون منتر کبھی تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کے ذریعہ، یا اس کے مقرب فرشتوں کے نام لے کر ہوتا ہے اور کبھی کبھی حلف اور بڑی بڑی سوگندوں

Marfat.com

اس جادو کا حضور کی باطنی (روحانی) قوتوں پر کوئی اثر نہ تھا۔ اس سے صرف یہ ہوا کہ انہیں اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے میں رکاوٹ ہوئی اور اس طرح کا عمل اس وقت لوگوں میں عام تھا۔ ورنہ نبی کی فراست کسی بھی طرح کے اثر سے خواہ وہ وقتی طور پر ہو پاک ہے۔ فتح الباری (شرح صحیح بخاری) میں ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ جادو کا اثر صرف میاں بیوی کے درمیان جدائی کرانے یا اس قسم کی اور باتوں کے لیے مخصوص ہے۔ پس اگر حدیث مذکورہ بالا کو اس طرح سمجھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا جو بعض حاسب بتاتے ہیں اور جس کی بناء پر صحت (حدیث) سے انکار کرتے ہیں۔ یہاں پر اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ جادو کسی وقت کوئی ایسا اثر بھی رکھتا ہو جس کو حقیقی قرار دیا جائے۔ علاوہ اس کے اس حدیث میں داخلی طور پر کسی قطعی امر کا ثبوت موجود نہیں ہے کیونکہ اس سے محض ظن (گمان غالب) ہوسکتا

پر مشتمل ہوتا ہے اور روحوں سے کام لینے کے لیے یہ افسون کیا جاتا ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے روحیں اسے مسحور پر پورا کریں، اور یہ منتر جو استعمال کیے جاتے ہیں کبھی قابل فہم ہوتے ہیں اور کبھی بے معنے ہوتے ہیں کہ لوگ نہیں سمجھتے، جیسے اجنبی زبان یا سریانی بولی کے الفاظ ہوتے ہیں، مثلاً جنات کے نام یا نا معلوم مخفی روحوں کے نام۔

تیسرا وہ جادو جو طلسمات (نقوش سحر) اور انگوٹھی کے کتبوں کے ذریعہ ہوتا ہے، جس پر مخصوص نقوش عربی الفاظ سے مختلف ہوتے ہیں یا عربی ہی کے حروف مقطعات (الگ الگ حروف) ہیں جن میں کوئی باقاعدہ (تحریری اصولوں کے مطابق) ربط نہیں ہوتا، ان کا تعلق مخصوص اشیاء کے ناموں اور آسمانوں (فلکیات) سے منسوب ہوتا ہے، پھر اس (کے عمل) کا خاص وقت ہوتا ہے جو ان اعداد کے مناسب ہوتے ہیں جو ایک خاص شکل میں ترتیب دیے جاتے ہیں۔

چوتھا وہ جادو جو ستاروں اور سیاروں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں سیاروں کو ایک مخصوص اثر اور خاصیت سے نوازا ہے جس کے مطابق اس کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**فنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم**" (یعنی ابراہیم نے ستاروں پر نظر ڈالی اور کہا کہ میں بیمار ہوں) ابن زید کہتے ہیں کہ ان کا ایک خاص ستارہ تھا، جب وہ خاص جہت سے طلوع ہوتا تو حضرت ابراہیم بیمار ہو جاتے تھے، چنانچہ اس وقت انہوں نے دیکھا کہ وہ ستارہ اسی مخصوص حالت سے ظاہر ہوا تو فرمایا "**انی سقیم**" (یعنی میں بیمار ہوں) مطلب یہ ہے کہ اس مرض کا لاحق ہو جانا ناگزیر ہے چونکہ ان کی قوم کے لوگ نجومی تھے، انہوں نے سمجھ لیا اور ستاروں کی کیفیت سے معلوم ہو گیا کہ بلاشبہ وہ مریض ہونے والے ہیں" **فتولوا عنه مدبرین**" (یعنی تب وہ مڑ کر چلے گئے) تاکہ مرض متعدی نہ ہو جائے، کبھی اس قسم کے جادو کو فلکیات یعنی ملائکہ سے ربط اور آسمان کی گردش وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پانچویں قسم کا جادو یہ ہے کہ شیطانوں سے یک گونہ قرابت اور رابطہ قائم کر کے انہیں قابو میں لایا جائے اور ان سے اپنا کام لیا جائے یا خلق خدا کو اذیت اور نقصان پہنچایا جائے یا پھر ان سے قربت حاصل کر کے گزشتہ واقعات کا علم حاصل کیا جائے، جادو کی اور اقسام میں سے یہ جادو سب سے زیادہ سخت اور خطرناک ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**ولکن الشیاطین**

Marfat.com

ہے۔ بدیں سبب جادو کے وجود سے انکار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ ایسی صحیح حدیثیں، فروعی احکام فقیہ کی دلیل تو ہو سکتی ہیں لیکن عقیدہ (مسئلہ ایمانیہ) کا ثبوت نہیں ہیں۔ پس یہ عقیدہ کہ جادو کا اثر حقیقی ہوتا ہے اس سے ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا کوئی عقلی ثبوت موجود نہ ہو جس سے اس کی تائید واقعات سے ہوتی ہو سوا اس کے کہ دنیا میں ایسے (جادو کے) واقعات اکا دکا پائے جاتے ہیں۔ جنہیں غیر معتبر اشخاص بیان کرتے ہیں۔ اگر فی الواقع جادو کوئی امر حقیقی ہوتا تو اس کا ذکر قرآن حکیم کے اندر فرعون کے جادوگروں کے سلسلہ میں ضرور آیا ہوتا۔

کفروا یعلمون الناس السحر'' (یعنی مسلمانوں نے نہیں...... لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں) اور جادوگر جس قدر بڑا کافر اور خبیث ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور مسلمانوں کا دشمن ہوگا اسی قدر اس کا جادو زیادہ کارگر اور نافذ الاثر ہوگا، اس قسم کے جادوگر، جنات (شیاطین) کے پیرو اور ان کے بندے ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''بل کانوا ان یعبدون الجن اکثر هم به مؤمنون'' (یعنی یہ لوگ جنات کی بندگی کرتے اور بیشتر ان پر ایمان لاتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ'' ولبئس المولی ولبئس العشیر '' (یعنی بلاشبہ ایسے لوگوں کے یہ آقا اور ساتھی برے ہیں) شیاطین اسی صورت میں ان کے قبضہ میں آتے اور ان کا کام نکالتے ہیں جبکہ جادوگر ان کا کہنا مانے اور شیاطین جو بدکردار اور کافر ہوتے ہیں وہ صاحب ایمان سے کفر وضلالت ہی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

علماء کا کہنا ہے کہ سحر زدہ پر جادو کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ذہن کو بدل دیتا ہے اور عصبی امراض میں مبتلا کر دیتا ہے اور طرح طرح کے خیالات میں الجھا دیتا ہے، کبھی جادو سے قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور کئی گنا قوت بڑھ جاتی ہے اور قتل تک کی نوبت آ جاتی ہے اور جادو سے میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالا جاتا ہے جادوگر ازدواجی تعلقات میں خرابی ڈال دیتے ہیں اور ان کی زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ طلاق اور تفریق کی نوبت آ جاتی ہے، دوسروں میں عداوت، بغض اور جدائی ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فیتعلمون منها ما یفرقون به بین المرء وزوجه'' (یعنی ان سے لوگ ایسی باتیں سیکھتے ہیں جن کے کرنے سے میاں بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے)۔

واضح ہو کہ جادو کا شر دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی پناہ اور اس کی حفاظت میں آنے کی دعا مانگی جائے اور چاہیے کہ انسان اللہ کے حضور التجا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے، حقوق اللہ کی ادائیگی کرے اور اس کے فضل کا امیدوار ہو۔ غرض جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تحفظ کا ضامن ہوتا ہے اور اسے غیر اللہ کے حوالے نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدهم شیئاً'' (یعنی اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرو تو ان کی چالبازی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی)۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے ارشاد فرمایا ''احفظ اللہ یحفظک ، احفظ اللہ تجدہ تجاھک '' (یعنی اللہ کو یاد رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا اور تو اللہ کو یاد رکھ وہ تجھ پر توجہ فرمائے گا) نیز قوت ایمان، صدق یقین، ثابت قدمی اور خدا پر پورا بھروسہ کرنے سے بھی جادو کا شر دور ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ جادو خواہ کیسا ہی ہو کسی کو اذن الٰہی کے بغیر اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ '' (یعنی یہ لوگ کسی کو بھی اذان الٰہی کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے) وہ ہر شے پر قادر ہے، یعنی اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو جادو کے ضرر رساں اثر میں مبتلا کر دے یا کسی گناہ کی پاداش میں جادو کا عذاب اس پر ڈال دے اور چاہے تو ساحروں کے سحر کو بے اثر کر دے اور ان کے شر سے محفوظ اور چالبازی سے دور رکھے۔ غرض یہ ہے کہ جادو مضبوط ایمان رکھنے والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا نہ ڈرا سکتا ہے نہ پریشان کر سکتا ہے نہ غلبہ پا سکتا ہے، لیکن یہ مقصد صرف اللہ پر پورا بھروسہ کرنے اور ایمان پر اطمینان خاطر ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے چنانچہ اس نے فرمایا'' ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو ، وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ'' (یعنی اگر اللہ تجھ کو کسی مشکل میں ڈال دے تو اسے اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کے فضل سے محروم نہیں کر سکتا)۔ مومن کا قلب جادوگر اور اس کے عمل سے متاثر نہیں ہوتا، اس کا دل اللہ عزوجل، اس کی طاعت، اس کی عبادت اور اس کے ذکر وشغل کی کثرت میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کی حفاظت اور اعانت اس کے شامل حال رہتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے'' ان تنصرو اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم'' (یعنی اگر تم اللہ کے ہو کر رہو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور ثابت قدم رکھے گا) اور آنحضرت ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا ''اعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوک لم ینفعوک الا بشی کتبہ اللہ لک. ولو اجتمعو علی ان یضروک، لم یضروک الا بشیء قد کتبہ اللہ علیک'' (یعنی یاد رہے کہ اگر پوری قوم اکٹھی ہو کر تجھے نفع پہنچانا چاہے تو صرف وہی نفع پہنچائے گی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اب اگر سب مل کر چاہیں کہ تجھے نقصان پہنچائیں تو اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جو لکھا جا چکا ہے)۔ الغرض اللہ کی توحید کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا ہی کہ تمام نفع اور نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے وہی عطا کرنے والا وہی روک رکھنے والا ہے۔ ایک ایسا عظیم ترین حصارِ عافیت ہے، کہ جو شخص اس میں داخل ہو گیا وہ امن (وعافیت) میں آ گیا، بزرگان سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے ہر شے اس سے ڈرتی ہے اور جو شخص اللہ سے نہیں ڈرتا ہر شے اسے ڈراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا، ان اللہ لا یحب کل خوان کفور '' (یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مشکلات کو دور کرتا رہتا ہے اور بے ایمان کافروں کو پسند نہیں کرتا)۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس عہد میں جادوگری اور جادوگروں کا تقریباً خاتمہ ہو چکا ہے، اور اب اس کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا فریبی اور گمراہ کن ہے۔ قرعہ اندازی، حیلہ جوئی وہمیات اور دھوکہ بازی سے مال حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا دعویٰ جھوٹا ہے، انہیں صرف جادو کے نام اور رسمی کرتبوں

Marfat.com

سے زیادہ کچھ علم نہیں ہے۔ ''ذلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس، ولکن اکثر الناس لا یشکرون''

واضح ہو کہ بالعموم جادو کمزور طبیعت کے اشخاص، بچوں، مریضوں اور کچے مذہب والوں پر اثر کرتا ہے، اور انبیاء ورسل کو جو ایسے امور پیش آتے ہیں وہ آزمائش، آگاہی اور شریعت سازی (یعنی تفہیم احکام شریعت) کے لیے ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ پر جادو ہونے کا جو واقعہ گزرا، اس کا کوئی اثر آنحضرت ﷺ کی عقل وفہم اور وحی پر جس کی تبلیغ آپ امت کو فرماتے تھے نہیں ہوا، ان احکام شریعت پر بھی اس کا اثر نہیں تھا جو آپ اپنی قوم کو دیتے تھے۔ ہاں اس کا ایک عارضی اثر جسم پر ہوا جیسے انبیاء پر دوسرے بشری عارضوں کا ہوتا ہے، یہ اثر حضور کے پاک از خطا ہونے کے منافی نہیں ہے۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی تھی۔ چنانچہ دو فرشتے آئے اور انہوں نے جادو کے موقف سے حضور کو آگاہ کیا اور جادو کرنے والے کا نام تک بتا دیا اور جادوگر جو چاہتا تھا وہ مقصد پورا نہ ہوا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن حکیم) میں فرماتا ہے ''واللہ یعصم من الناس'' (یعنی اے نبی اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی شرارت سے محفوظ رکھے گا) اور یہ امور شریعت سازی کے لیے تھے، ورنہ اگر پروردگار چاہتا تو یہ جادوگر (سرے سے ہی) بے بس ہو جاتے یہ حالت اس لیے پیش آئی تا کہ معلوم ہو جائے کہ مومن اللہ کے نزدیک اس لیے محبوب ہے کہ وہ نیک عمل کرتا ہے اور نیکیوں میں لگا رہتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں کی چالبازیوں اور بدخواہوں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے، بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کے اثر سے بچاتی ہیں اور مشکلات کو دور کرتی ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ تو قدرت حق کے سامنے ایک بندے کی طرح ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ انہیں ہر افتاد سے بچاتا اور ہر ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ ان سے پہلے بھی نبیوں کی آزمائش ہوئی۔ انہوں نے صبر کیا اور اللہ نے انہیں بدی سے بچایا (چنانچہ قرآن میں) ''وایوب اذ نادیٰ ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین فاستجبنا لہ فکشفنا مابہ من ضر'' (اور ایک وقت ایوب نے اپنے پروردگار سے فریاد کی کہ یا الٰہی مجھ پر مشکل آ پڑی ہے اور تو مہربانوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو ہم نے اس کی درخواست کو قبول کیا اور جس مصیبت میں مبتلا تھا وہ دور کر دی) اسی طرح قرآن میں ہے ''ونوحاً اذ نادیٰ من قبل فاستجبنا لہ فنجیناہ واھلہ من الکرب العظیم'' (یعنی اس سے پہلے نوح نے جب فریاد کی تو ہم نے اسے شرف قبولیت بخشا اور اسے اور اس کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے نجات دی)۔

ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کے اثر کی بابت سابقۃ الذکر احادیث کا ذکر موجود ہے بعض بدعتیوں نے ان احادیث سے انکار کیا ہے، ان میں سے بعض نے یہ کہا کہ یہ اخبار آحاد میں سے ہیں ان پر عمل نہ ہوگا، ان کا خیال یہ ہے کہ جادو سے متاثر ہونا منصب نبوت کے منافی ہے، اور اسے مشکوک بنا دیتا ہے لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کی سب باتیں باطل ہیں، انبیاء کا جادو سے متاثر ہونا ان کے عائد کردہ احکام شرعیہ کو باطل کر دیتا ہے اور یہ شک ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو محض یہ خیال گزرا ہو کہ انہوں نے حضرت جبرئیل کو دیکھا حالانکہ وہ جبرئیل نہ ہوں، یا یہ کہ ان پر وحی نازل ہوئی حالانکہ کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو ان اشخاص کی یہ تقریریں کئی طرح سے قابل رد ہیں۔

ایک یہ کہ معجزات اور قرآن وسنت نبوی ﷺ کی تصریحات سے جن کو اللہ نے ان پر نازل فرمایا، حضور کی صداقت

Marfat.com

اوران ارشادات کا محفوظ (بے شائبہ ریب) ہونا ثابت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ما ضل صاحبکم وما غوی، وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" (یعنی تمہارے یہ صاحب نہ تو گمراہ ہیں اور نہ فریب خوردہ ہیں یہ اپنی طرف سے لگا کر کچھ نہیں کہتے ان کا ارشاد سب وحی ہے جو ان پر نازل ہوئی) نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" واللہ یعصمک من الناس " (یعنی اے پیغمبر ہم تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیں گے) پھر ارشاد ہے" وما آتا کم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنہ فانتھوا" اور فرمایا " ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لھمت طائفہ منھم ان یضلوک وما یضلون الا انفسھم ، وما یضرونکم من شی " (یعنی اگر اللہ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو ان لوگوں کا ایک گروہ تمہیں غلط راہ پر ڈال دیتا، لیکن وہ تو خود ہی گمراہ ہیں، وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے)۔ غرض اس قسم کی آیتیں اور دوسری باتیں اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اپنے تمام اقوال وارشادات برحق ہیں اور ان کی صداقت مسلمہ ہے اور اللہ نے انہیں غلطیوں سے بچایا ہے اور ان کی عقل خطا سے محفوظ ہے۔

دوسرے یہ کہ تمام راویان حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جادو سے آنحضرت ﷺ کی عقل (وفراست) پر کوئی اثر نہیں پڑا، ہاں ان کے جسم اور بصارت پر ایسا ہی اثر ہوا جیسے دوسرے جسمانی امراض کا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی جادو کا اثر ہوا کہ وہ جادو دیکھ کر اصل خیال کرنے لگے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعٰی " (یعنی ناگاہ انہیں ایسا معلوم ہوا کہ جادوگروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور سوٹیاں دوڑنے لگیں)۔ غرض جادو ایک طرح کے جسمانی امراض میں سے تھا۔ اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر مرض کا لاحق ہونا ممکن ہے اور ایسے امراض جو موجب نفرت نہ ہوں انہیں لاحق ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ بشری عوارض (لوازم) میں سے ہیں اور اس سے ان کے مرتبہ عالی میں کوئی نقص نہیں ہوتا پھر یہ بھی ہے کہ دینی اور تبلیغی امور میں وہ معصوم (بے خطا) ہوتے ہیں اور وحی شریف محفوظ رہتی ہے۔

تیسرے یہ کہ تمام اصحاب روایت اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس مرض سحر کے دوران، نیکی، سچائی اور امر حق کے سوا اور کچھ نہیں فرمایا، یہاں تک کہ عادی امور (روزمرہ معمولات) میں بھی، آپ کے تصورات اور خیالات وہی ہوتے تھے جو بالعموم نفس پر طاری ہوتے ہیں، لیکن ہنوز وہ دل ہی میں ہوتے تھے کہ صحیح بات اور امر واقع کا انکشاف ہو جاتا اور تب بیان فرما دیتے تھے اور تمام عمر کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا نہ اس مرض میں اور نہ کسی اور مرض میں..... ﷺ۔

چوتھے یہ کہ تمام احادیث جو اس بارے میں آئی ہیں۔ ان سب سے بالاتفاق یہ ظاہر ہے کہ جادو کا اثر صرف جسد مبارک پر ہوا، چنانچہ آپ کسی شے کی بابت خیال کرتے کہ یہ ایسی ہے لیکن اس کے بعد فوراً ہی اس شے کی اصلیت معلوم ہو جاتی تھی چنانچہ آپ خیال فرماتے کہ بیویوں کے پاس جا سکتے ہیں لیکن نہیں جا سکتے تھے اور عقل شریف پر زیادہ سے زیادہ وہی اثر ہوتا تھا جو مرض کے طویل ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابتداء آپ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتے، پھر علاج معالجہ کرتے اور جب تکلیف بڑھ جاتی اور مرض کا غلبہ ہو جاتا تو دعا کا سہارا لیتے تھے (چنانچہ اس معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوا) جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے" فدعا ثم دعا، ثم دعا " (یعنی بار بار دعا پر دعا مانگتے

Marfat.com

رہے) غرض حضرت کا تفویض (سپرد بخدا) کرنا پھر دوا اس کے بعد دعا کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ حضور کی عقل (یا ذہن وفراست) بہر حال قائم، محفوظ اور بے خطا تھی اور جادو کا اس پر کوئی اثر نہ تھا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپؐ پر جادو کا اثر اتنا تھا کہ آپ کی بصارت میں فرق آگیا۔ غرض جادو کا اثر صرف جسم اور ظاہری اعضاء پر تھا۔ آنحضرت ﷺ کی سوجھ بوجھ پر نہ تھا۔

Marfat.com